"اِعْرِفُوا اَنْسَابَکُمْ" (حدیث)

مآثرُ الاجداد

تالیف

منظُور الحق صدّیقی ایم اے
اُستاذِ ریاضیات
کیڈٹ کالج حسن ابدال (مغربی پاکستان)

المکتبۃ السّلفیّۃ ○ شیش محل روڈ لاہور

مآثرِ اجداد

سلسلہ مطبوعات ۲۳

ناشر : ---------- شفاء اللہ صدیقی
کاتب : ---------- مولوی عبد الغفور کیلانی
اہتمام : ---------- حافظ عبد الرحمن ناظم المکتبۃ السلفیۃ
مطبع : ---------- اشرف پریس لاہور
بار : ---------- اوّل
تعداد : ---------- ۵۰۰
قیمت : ---------- ۱۵ روپے
سن اشاعت : ---------- سنہ ۱۳۸۳ھ
---------- سنہ ۱۹۶۴ء

اولاد قاضی قوام الدین و اقربا
انجمن صدیقیان - اسلام آباد
سجاد احمد بن محمد آطہ (مجاھد)
شعبہ خدمت خلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (الحجرات)

اے آدمیو، ہم نے تم کو بنایا ایک مرد اور ایک عورت سے، اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو۔ تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے خبردار

○

تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَكُمْ

"اپنے نسب سیکھو کہ تم تقاضائے رشتہ داری سے عہدہ برا ہو سکو"

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۲)

○

اِنَّ اَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَعْلَمُ قُرَيْشٍ بِاَنْسَابِهَا

"صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خاندانی انساب کے بہت بڑے عالم تھے"

(انساب سمعانی ج ۱ ص [illegible])

○

ترتیب

(خطوط وحدانی سے باہر اعداد سے مراد صفحات ہیں)

باب ۸ سلسلہ کبیریہ سے جو حضرات پاکستان آگئے ۳۱۵ — ۳۵۱

باب ۹ اولاد مشیخت مآب شیخ محمد امجد رشتکی ۳۵۲ — ۳۶۳

باب ۱۰ رشتک اور مہم تاریخ کی روشنی میں ۳۶۴ — ۳۷۶

P-337 35
159

شاہ محمد اسمٰعیل شہید

بھیں برادرہ سجاد احمد صدیقی صفحہ 337/35 159-A

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

حررہ العاصی - سجاد احمد عفی عنہ

دیباچہ

ہاں یہ سچ ہے چشم برعہدِ کہن رکھتا ہوں میں
اہلِ محفل سے پرانی داستاں کہتا ہوں میں
یادِ عہدِ رفتہ میری خاک کو اکسیر ہے
میرا ماضی میرے استقبال کی تفسیر ہے
سامنے رکھتا ہوں اس دورِ نشاط افزا کو میں
دیکھتا ہوں دوش کے آئینے میں فردا کو میں
(اقبال)

ہمارے ماضی کی تاریخ سیاسی تاریخ تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ عوام کی تہذیبی اور معاشرتی حالت کے بارے میں عام کتب تواریخ کے صفحات خاموش ہیں۔ اب حریت فکر نے دورِ شاہی کی جگہ لے لی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ماضی کی تاریخ کو از سرِ نو مرتب کیا جائے جس میں صرف حکمرانوں کے حالات ہی نہ ہوں بلکہ پورے معاشرہ کا بیان ہو۔ ماضی کے عوام کے حالات کا بیشتر حصہ تو ہمیشہ کے لئے بھلایا جا چکا ہے۔ قدرے تفصیل جو باقی ہے وہ اس قدر منتشر ہے کہ اسے یکجا کر کے تاریخ کی لڑی میں پرونا کسی بھی تاریخ نویس کے بس کی بات نہیں۔ اس کی اب ایک صورت ہے کہ علاقائی اور قبائلی تاریخیں لکھی جائیں اور ان کی بنیاد پر پورے ملک کی عمرانی تاریخ ترتیب دی جائے۔

اب تک کئی قبیلوں اور خاندانوں کے تذکرے شائع ہو چکے ہیں لیکن یہ مشاہیر اور سربرآوردہ حضرات کے حالات تک محدود ہیں۔ ان کے مؤلفین نے اپنے لاکھوں عوام کو اتنا حقیر جانا کہ ایک سطر بھی ان کا تذکرہ گوارا نہیں کیا۔ ان تذکروں میں معاشرتی اور معاشی حالات لکھے ہیں نہ طبقاتِ اناث کا بیان ہے۔

ماثر الاجداد میں تقریباً دو ہزار افراد کا نام آیا ہے ان میں ایک ہزار دو سو دس افرادِ خاندان سے ہیں۔ افرادِ خاندان میں بمشکل سو ہوں گے جن کا شمار مشاہیر یا علاقائی مشاہیر میں کیا جا سکتا ہے۔ باقی سب ایسے افراد ہیں کہ ان جیسے ان گنت انسانوں کو دنیا فراموش کر گئی ہو گی

مشرقی عورت اور وہ بھی اپنے خاندان کی خواتین کا بیان تاریخ سوانح نگاری میں ایک نئی بات ہے مگر پورے معاشرے کے بیان میں خواتین کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ زیر مطالعہ کتاب میں کئی مقامات پر خواتین کا ذکر آیا ہے اور ایک پورا باب ان کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ باب میری اہلیہ نے لکھا ہے۔

ماضی کا تحفظ انسانی ترقی کے لئے ایک ایسی بدیہی حقیقت ہے کہ اسے ذہن نشین کرانے کے لئے میں کسی دلیل کا سہارا نہ لوں گا۔ اس وقت انسانیت کے پاس جو کچھ ہے اس کے لئے ہم ماضی کے ہی مرہون منت ہیں۔ ماضی کے بغیر حال و مستقبل بے معنی الفاظ ہیں۔ اس کتاب میں خاندان کے ماضی کو محض اس لئے پیش کیا گیا ہے کہ ہمارا مستقبل روشن ہو۔ اس لئے نہیں کہ ہم اپنے حال و استقبال سے کنارہ کش ہو کر صرف ماضی کی باتوں میں تسکین پائیں۔ میرے نزدیک وہ لوگ زندہ لاشیں ہیں جن کا ہر قدم ترقی کی طرف نہیں بڑھتا۔ بقول حکیم مشرق ؎

اگر امروز تو مانند دوش است
بخاک تو شرار زندگی نیست

مجھے اپنے خاندان کے مرحومین سے کہیں زیادہ زندہ عزیز و اقارب سے عملی دلچسپی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کے ابتدائی ایک سو چوہتر صفحات میں راقم الحروف نے ڈیڑھ ہزار سال کے آنجہانی بزرگوں کا ذکر کیا ہے تو آگے ایک سو نواسی صفحات میں زندہ افراد کا۔ یہ وہ زندہ افراد ہیں جنہوں نے اپنے سات سو سالہ وطن سے ہجرت کر کے اپنی سعی و جہد سے حاصل کئے ہوئے پاکستان کو اپنا مسکن بنایا۔ ان کی آئندہ نسلیں یہ جاننے کی کوشش کریں گی کہ پاکستان میں ان کے جد امجد کون تھے اور انہوں نے قیام و استحکام پاکستان کے لئے کیا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان ابواب کو باقی کتاب پر اہمیت دیتا ہوں جن میں زندہ افراد اور ان کے کاموں کا بیان ہے۔

۱۹۷۵ء میں راقم الحروف نے اپنے خاندان کے کنبوں کے سربراہوں کے نام ایک گشتی مراسلہ بھیجا تھا جس میں درخواست کی گئی تھی کہ اپنے اور اپنے متعلقین کے حالات قلم بند کر کے اشاعت کے لئے بھیج دیں۔ مجھے احساس ہے کہ اپنے بارے میں قلم اٹھانا بڑا ہی مشکل کام ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ ہمارا خاندانی مزاج یہ ہے کہ شہرت سے [illegible] ہے۔ جن حضرات نے اپنے حالات لکھ کر نہیں بھیجے ممکن ہے کہ اس کتاب میں ایک یا دو فقرے ان کے بیان میں لکھے ہوئے ملیں۔ اور ان سے کم اہمیت والے حضرات کے حالات پورے ایک صفحہ میں لکھے گئے ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بعض اندراجات بھی غلط ہوں۔ اس کے علاوہ کی صرف ایک صورت ہے کہ آپ کبیدہ خاطر ہونے کی بجائے مجھے بیان کی لغزشوں سے آگاہ کریں اور

ساتھ ہی اپنے حالات بھی لکھ بھیجیں۔ میں آپ کی تحریر کو کتاب کے معیار پر ڈھال کر ایک ضمیمہ کی شکل میں طبع کرا دوں گا۔ اور کتاب کے خریداروں کے نام مفت بھیجوں گا۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جب بھی اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئی تو نقش ثانی آپ کی منشاء کے مطابق ہوگا۔

موجودہ صورت میں جو کچھ بھی لکھا گیا وہ بہر کیف نہ ہونے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اگر اس کتاب میں آپ کے حالات کا بیان تسلی بخش نہیں تو اتنا غنیمت جانئے کہ آپ کے آباؤ اجداد سے متعلق ایسی مستند باتیں محفوظ کر دی گئی ہیں جن کا شاید آپ کو بھی علم نہ ہو۔ میں اسے فضل خداوندی گردانتا ہوں کہ جن اشخاص کو آئندہ نسلیں فراموش کر چکی تھیں اس کتاب نے انہیں زندۂ جاوید کر دیا۔

کیا وجہ ہے کہ تاریخ کا مطالعہ ہمیں ماضی پرست بنا کر حال سے بیزار اور مستقبل سے مایوس کر دیتا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی بھی اس خیال کے تھے کہ ؎

سلف کا تذکرہ جو حمیت و غیرت کا تھا افسوں
ہمارے واسطے سرمایۂ خواب پریشاں ہے
یہ افسانے بڑھاتے ہیں ہماری نیند کی شدت
یہ افسوں اپنے حق میں اور مدہوشی کا ساماں ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کتب تاریخ میں معاشرے کو اس کی پوری خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ نہیں دیکھتے۔ ہمارے بزرگ بھی اسی گوشت پوست کے بنے ہوئے تھے جس کے ہم ہیں۔ بنیادی طور پر فطرت انسانی اب بھی وہی ہے جو آج سے ہزار دو ہزار سال پہلے تھی۔ آج کے انسان کی طرح ہمارے بزرگوں میں محاسن اور اخلاقی کمزوریاں ساتھ ساتھ تھیں۔ خامیوں پر پردہ ڈالنے اور قلم کے زور سے محاسن کو اجاگر کرنے کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ ہمیں اپنا ماضی دلکش ہی دلکش نظر آتا ہے اور جب اس کا مقابلہ اپنے حال سے کرتے ہیں تو احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تاریخ کی جو کتاب ہمارا قدم ترقی کی طرف نہیں اٹھاتی اسے [illegible] ادب کے ملبہ میں ڈال دینا چاہئے۔ آباؤ اجداد کے صفحات میں اگر آپ کسی بزرگ کی خامی کا بیان پائیں اور معاشرہ کی خوبیوں کے ذکر کے ساتھ ساتھ خامیوں پر تبصرہ دیکھیں تو اسے مؤلف کی نیت پر محمول کرنے کی بجائے اصول سوانح نگاری پر پرکھیں۔

ایک ہی خاندان کے مرحومین اور زندہ افراد کا یکجا تذکرہ اور پورے معاشرے کا بیان تاریخ نویسی میں ایک نیا تجربہ ہے۔ ایک عام تاریخ نویس کھل کر بات کر سکتا ہے۔ رشتہ داروں کے بیان میں قلم کو محتاط ہونا پڑتا ہے۔ اس مجبوری کے ہوتے ہوئے میں نہیں کہہ سکتا کہ سوانح نگار کی حیثیت سے میں اپنے فرائض کی بجا آوری میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

میں نے اپنے قدیم عرب آبا کے تتبع میں ناموں کے ساتھ کوئی لفظ تعظیم نہیں لکھا۔ الا زندہ بزرگوں کے نام کے ساتھ بھی لفظ "صاحب" نہیں لکھا۔ جن کے سامنے میں نیچی نظریں کرکے مؤدب بیٹھتا ہوں۔ حفظ مراتب کا مجھے غیر معمولی پاس ہے یہاں تک کہ میں نے کبھی اپنے کسی شاگرد یا زوجہ کو بھی تو یا تم نہیں کہا۔ کیونکہ مجھے ان کا دلی احترام ہے۔ اس لئے کہیں کہیں غیر شعوری طور پر میرے قلم نے بعض ناموں کے ساتھ صاحب لکھ دیا۔ جس کتاب کے مختلف اجزا سات سال کی طویل مدت میں لکھے گئے ہوں وہاں ایسی [illegible] اور بیان میں ناہمواری ناگزیر ہے۔

اس کتاب میں آپ ناموں کے ساتھ خطوط وحدانی میں کوئی عدد لکھا ہوا پائیں گے۔ باب ۱ میں (۱) سے (۳۰) تک نمبروں کا بیان ہے۔ باب ۲ میں (۱۳۱) سے (۱۸۳) تک اور باب ۹ میں (۴۰۸) سے (۱۹۵) تک ... اگر آپ کسی شخص کے حالات معلوم کرنا چاہیں تو اس کا نام کتاب کے آخر میں اشاریہ میں دیکھیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ایک بزرگ مثلاً احسن علی کا نام اشاریہ میں موجود نہ پائیں ایسی صورت میں محمد احسن بھی دیکھ لیں۔

گذشتہ سات سال میں میرا معمول رہا ہے کہ تعطیل کے روز سولہ گھنٹے روزانہ اور دوسرے دنوں میں ... کو ایک بجے تک اس کتاب کی تالیف میں مشغول رہا۔ اس اثنا میں دوسرے علمی و تالیفی مشاغل کے لئے میں وقت نہ نکال سکا۔ مجھے معلوم ہے کہ میری دوسری تصانیف کے مقابلہ میں آثار الاجداد کے قارئین کا حلقہ بہت ہی محدود ہوگا مگر مجھے یقین ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے گا اس کی قدر و قیمت میں اضافہ ہی ہوتا جائے گا۔

اس کتاب کی تیاری کے لئے مواد مہیا کرنے پر پانی کی طرح جو پیسہ بہایا اس سے قطع نظر صرف اشاعت پر چار ہزار سے زائد روپیہ صرف ہوا۔ اشاعت کے جملہ اخراجات برادر عزیز شفاء اللہ نے برداشت کئے۔ کتاب کی تیاری میں سینکڑوں اقربا نے تعاون کیا۔ مسودہ پر نظر ثانی کرنا اور پروف کا پڑھنا میری طبیعت سے مناسبت نہیں رکھتا۔ یہ کام محترمی (قاضی) امین الرحمن صاحب اور میری اہلیہ نے کیا اور اپنے قیمتی مشوروں سے اس تالیف کو بہتر بنانے میں بہت مدد کی۔

منظور الحق صدیقی
۱۱ر اپریل سنہ ۱۹۶۴
۲۷ر ذیقعد سنہ ۱۳۸۳ھ

کیڈٹ کالج
حسن ابدال
مغربی پاکستان

باب ۱

ابو بکرؓ سے قاضی قوام الدینؒ تک

حضرت ابو بکر صدیقؓ

خاندان حضرت ابو بکر صدیقؓ قریش کے قبیلہ تیم سے تھے۔ سلسلہ نسب یہ ہے: ابو بکرؓ بن ابو قحافہ عثمانؓ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم (قبیلہ تیم کے مورث اعلیٰ) بن مرہ۔ مرہ پر آپ کا نسب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

والدین حضرت ابو بکر صدیقؓ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ حضرت ابو قحافہ عثمانؓ کے کسی لڑکے کا نام قحافہ نہ تھا۔ ہجرت نبوی کے وقت ان کی عمر اسی سال تھی۔ سنہ ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت حضرت ابو بکرؓ انہیں خدمت نبوی میں لے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انہیں بڑھاپے میں کیوں تکلیف دی میں خود آ جاتا۔ تمہارے مجھ پر اتنے احسان ہیں کہ تمہارے والد کو تکلیف دینا گوارا نہیں کر سکتا۔ پھر ابو قحافہ کو سامنے بٹھا کر سینہ پر دست مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام لے آؤ۔ انہوں نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں محرم سنہ ۱۴ھ (۱۰ مارچ سنہ ۶۳۵ء) کو ستانوے برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان سے صدیق اکبرؓ اور اسماء بنت ابو بکرؓ نے روایت کی ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت میں حضرت ابو قحافہؓ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اور ان کی تین پشتیں اصحاب پیغمبر خدا ہوئیں۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی والدہ ماجدہ ام الخیر سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب تھیں۔ یہ کعب ابو قحافہ ...

---

[1] سیوطی، تاریخ الخلفاء ص ۲۶

کے بھی پڑدادا تھے۔ حضرت ام الخیرؓ اسلام سے مشرف ہوئیں۔ آپ کے بطن سے کئی بچے ہوئے مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ سب بچپن میں فوت ہو گئے۔

نام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام عبداللہ تھا اور کنیت ابوبکر۔ آپ کے کسی لڑکے کا نام بکر نہ تھا۔ بارگاہِ نبوی سے آپ کو صدیق کا خطاب ملا۔ عتیق اور صاحب الغار القاب تھے۔

ولادت اور وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال دو ماہ بعد یعنی ۵۷۳ء میں مکہ میں تولد ہوئے اور بحساب قمری تریسٹھ سال عمر پاکر ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ کو بروز منگل غروبِ آفتاب کے بعد عشاء سے پہلے مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ قمری اعتبار سے نیا دن غروبِ آفتاب اور عیسوی اعتبار سے بارہ بجے رات سے شروع ہوتا ہے اس لئے اس وقت عیسوی تاریخ ۲۲ اگست ۶۳۴ء تھی اور پیر کا دن تھا۔ مرقد مبارک روضۂ نبوی میں ہے۔

حلیہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قد متناسب، رنگ گورا چٹا، چھریرا بدن، آنکھیں قدرے اندر کو دھنسی ہوئیں، چہرے پر گوشت کم تھا، رگیں ابھری ہوئی اور رخسار ذرا اندر کو پچکے ہوئے تھے۔ انگلیوں کی جڑوں پر بال نہ تھے۔ ہجرت کے وقت ریش مبارک کے کچھ بال سفید ہو گئے تھے اور دورِ خلافت میں کمر میں قدرے خم آ گیا تھا۔ چلتے وقت آنکھیں نیچی رہتیں۔ بات کم کرتے۔ کبھی تہبند اور کبھی پاجامہ استعمال فرماتے۔

ازواج و اولاد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چار شادیاں کیں۔ دو اسلام سے پہلے اور دو بعد میں۔ ایک وقت میں آپ کی دو سے زیادہ ازواج نہ تھیں۔ پہلی شادی قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے ہوئی جو قریش کی شاخ بنی عامر سے تھیں۔ ان کے بطن سے حضرت عبداللہ اور ذات النطاقین حضرت اسماءؓ تولد ہوئے۔ حضرت عبداللہؓ بن ابوبکرؓ کے اکلوتے فرزند اسماعیل لاولد فوت ہوئے۔

حضرت ابوبکرؓ کی دوسری شادی ام رومانؓ کنانیہ سے ہوئی۔ شروع اسلام سے اپنی وفات تک صرف یہی خاتون حضرت ابوبکرؓ کی زوجیت میں رہیں۔ اسلام سے مشرف ہوئیں۔ ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ انہیں مکہ معظمہ میں چھوڑ گئے تھے۔ چند ماہ بعد مدینہ منورہ بلا لیا۔ ماہ ذوالحجہ ۶ھ یا ۵ھ میں وہیں رحلت ہوئی۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دفن ہوئیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس خوشدامن کی لحد میں اترے اور فرمایا:

اللّٰھم لم یخف علیک ما لقیت ام رومان فیک و فی رسولک (استیعاب ص ۸۰۰)

الٰہی تجھ سے پوشیدہ نہیں کہ ام رومان نے تیرے لیے، تیرے رسول کے لیے کیا تکلیفیں برداشت کی ہیں۔

ان کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰنؓ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ تولد ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ کی نسل سے زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ تھے جن کی اولاد کا تذکرہ اس کتاب کا موضوع ہے۔

حضرت ام رومانؓ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تیسری شادی اسماءؓ بنت عمیس سے ہوئی۔ یہ اسماءؓ پہلے حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ کی زوجہ تھیں۔ حضرت جعفرؓ جنگ موتہ کے موقع پر ۸ھ میں شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کے بعد اسماءؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نکاح میں آئیں اور محمد (الولد ۲۵ ذیقعد ۱۰ھ) پیدا ہوئے۔ محمد ابھی ڈھائی سال کے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور اسماءؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے ہو گیا۔ محمد کی پرورش اور تربیت حضرت علیؓ نے کی۔ محمد بن ابوبکرؓ سے اولاد چلی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی چوتھی زوجہ حبیبہ بنت خارجہ انصاری تھیں۔ جن کے بطن سے صرف ایک دختر ام کلثوم تولد ہوئیں۔

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالاتِ زندگی اس شرح و بسط سے کتب تاریخ و سوانح میں ہیں کہ ان کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی (کتاب المعارف)۔ جنگ بدر میں کفارِ قریش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے (استیعاب) چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنے والد بزرگوار سے کہا کہ جنگ بدر میں ایک دفعہ آپ میری زد میں آ گئے تھے مگر میں درگزر کر گیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ اگر تو میری زد میں آ جاتا تو ہرگز نہ چھوڑتا۔ فتح مکہ سے قبل صلح حدیبیہ کے موقع پر یا اس سے بھی پہلے قریش کے چند نوجوانوں کو لے کر مکہ معظمہ سے نکل پڑے اور رسالت مآبؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول

کیا اور مدینہ منورہ چلے آئے۔ کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس سے معلوم ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں انہوں نے اسلام کی مخالفت کی ہو۔ غزوہ بدر میں کفار قریش کی طرف سے ان کی شرکت چنداں تعجب خیز نہیں رہتی۔ جب ہم اس لڑائی میں آنحضرتؐ کے چچا عباسؓ، داماد ابوالعاص اور حضرت علیؓ کے بھائی عقیل کو کفار قریش کی طرف سے بزور گرفتار ہوتے ہوئے پاتے ہیں۔

اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے کاروبار اور ذاتی کاموں کو زیادہ تر حضرت عبدالرحمٰنؓ ہی سرانجام دیتے اور نہایت اطاعت شعاری سے والد بزرگوار کی خدمت کرتے۔ واقعہ عہد کے بعد عہد نبوت میں جس قدر معرکے پیش آئے حضرت عبدالرحمٰنؓ ان میں جانبازی اور پامردی سے سرگرم کارزار تھے۔ آپ فطرتاً نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ خصوصاً تیراندازی میں کمال رکھتے تھے۔ خلافتِ صدیقی میں سب سے سخت معرکہ یمامہ میں مسیلمہ کے خلاف ہوا۔ اس مدعی نبوت کا سب سے مشہور سردار محکم بن طفیل مسلمانوں کو دھکیلتا ہوا آگے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ عین اس موقع پر آپ کے کمال تیراندازی نے میدان جنگ کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ آپ کا ایک تیر محکم کے سینہ میں پیوست ہوگیا جس سے اس کا خاتمہ ہوگیا۔ مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ پیش قدمی کر کے اس باغ (حدیقۃ الموت) کی چار دیواری میں داخل ہوگئے جہاں مسیلمہ اپنی باقی فوج سے بچا تھا۔ اس جنگ میں حضرت عبدالرحمٰنؓ کے تیروں سے مرتدین کے سات بڑے بڑے سردار ہلاک ہوئے۔ بڑھاپے میں بھی جنگ جمل میں آپ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ہمرکاب تھے۔[1]

شجاعت اور کمال تیراندازی کے علاوہ آپ کے ذاتی اوصاف میں یہ صفت نہایت درخشاں ہے کہ آپ کی پوری زندگی میں جس کسی کا بھی آپ سے واسطہ پڑا اس نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے نہ پایا۔[2]

ابن حجر مکی نے زبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن زندہ دل اور صالح انسان تھے۔ ابن ابی الدنیا، زیاد بن عثمان سے روایت کرتے ہیں کہ سلیمان بن عبدالملک کا بیٹا ایوب مرگیا تو میں سلیمان کے پاس گیا اور کہا یا امیر المومنین، عبدالرحمٰن بن ابی بکر فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص یہ چاہے کہ میرا نام قیامت تک باقی رہے اسے چاہیئے کہ مصائب پر صبر کرے۔[3]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں مروان بن حکم مدینہ منورہ کا والی تھا۔ امیر معاویہؓ

۱؎ کتاب المعارف، ص ۱۰۴

۲؎ تہذیب التہذیب، ذکر عبدالرحمٰن

۳؎ حافظ اسلم جیراجپوری، تاریخ الامت جلد ۲۔

کے ایما پر اس نے اہل مدینہ کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور یزید کی جانشینی کے لئے بیعت لینا چاہی حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس کی سخت مخالفت کی اور ناراض ہو کر فرمایا۔ "یہ سنت قیصر و کسریٰ ہے"۔ نیز فرمایا "کیا تم خلافت کو موروثی بادشاہت بنانا چاہتے ہو؟" امیر المومنین معاویہؓ کو حضرت عبدالرحمٰن کی مخالفت کا علم ہوا۔ وہ حسن سلوک کے قائل تھے۔ آپ کی خدمت میں ایک لاکھ درہم بھجوا دیئے۔ آپ نے نہایت بے نیازی کے ساتھ یہ رقم لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا، "واللہ میں دین کو دنیا کے عوض فروخت نہیں کر سکتا۔"[1] حضرت امیر معاویہؓ خود مدینہ منورہ تشریف لائے مگر آپ نے پھر بھی یزید کے لئے بیعت نہ کی۔ امیر معاویہ نے یزید سے کہا، "عبدالرحمٰن بڑا آدمی ہے اس سے ڈرتے رہنا۔"[2]

اس واقعہ کے بعد آپ مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں ٹھہرے ۱۰ میل دور حبشی نامی پہاڑی مقام پر ایک مکان میں اقامت اختیار کر لی۔ وہیں انتقال ہوا۔ آپ کو مکہ معظمہ میں لا کر دفن کیا گیا۔[3] آپ کا سن وفات ۵۳ھ، ۵۵ھ یا ۵۸ھ بتایا جاتا ہے۔ ابن سعد، ابو نعیم، اور ابن قتیبہ ۵۳ھ بتاتے ہیں۔ یحییٰ بن بکیر نے ۵۴ھ بتایا ہے۔ امام بخاری، ابن حبان اور ابن حجر ۵۸ھ (۶۷۵ء) کے حق میں ہیں۔ ان کی تائید ابو زرعہ الدمشقی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ آپ کا انتقال حضرت امیر معاویہ کی مدینہ منورہ سے واپسی پر ہوا جہاں وہ یزید کے لئے بیعت لینے گئے تھے۔ اور آپ کے انتقال کے تھوڑے عرصہ بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا انتقال ہوا۔ حضرت عائشہؓ کا سن وفات ۵۹ھ ہے۔

آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حدیث بیان کی ہے اور آپ سے آپ کے فرزند عبداللہ، دختر حفصہ، قاسم بن محمد بن حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمرو بن اوس الثقفی، ابو عثمان النہدی، موسیٰ بن وردان، عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن ابی ملیکہ وغیرہ نے حدیث بیان کی ہے۔[4]

حضرت عبدالرحمٰن کی اولاد میں سے ایک فرزند عبداللہ تھے جن کی اولاد کی ایک شاخ کا بیان اس کتاب کا موضوع ہے۔

۱؎ استیعاب، جلد ۲ ص ۴۰۵

۲؎ تاریخ ابوالفداء جلد ۲ ص ۱۳۶

۳؎ تہذیب التہذیب، ذکر عبدالرحمٰن

۴؎ تہذیب التہذیب، ذکر عبدالرحمٰن۔

عبداللہ بن حضرت عبدالرحمٰن[1]

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہ ثقہ تابعی تھے۔ آپ نے اپنے والدؓ اور ام سلمہؓ سے حدیث روایت کی۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن کی وفات ۲۰ھ کے بعد ہوئی۔ مشہور عرب خاتون عائشہ بنت طلحہ التیمی آپ کی زوجہ تھیں۔ ان عائشہ کی والدہ ام کلثوم بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ تھیں۔ حضرت عبداللہؓ کی اولاد میں سے ابابکرؒ، طلحہؒ، عمران، عبدالرحمان، اسمٰعیل اور رقیہ اور ایک لڑکی نفیسہ زوجہ امیرالمومنین الولید بن امیرالمومنین عبدالملک تھے۔ ان اسمٰعیل بن عبداللہ کی نسل سے زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ مجنجیری ثم رہتکی تھے جن کی اولاد کا تذکرہ اس کتاب میں کیا جارہا ہے۔

حجاز، یمن اور سیستان میں

زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ کا سلسلہ اجدادیہ ہے۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ
۲۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ
۳۔ عبداللہ تابعیؒ
۴۔ اسمٰعیلؒ
۵۔ ابراہیمؒ
۶۔ ابوبکرؒ (ثانی)
۷۔ محمودؒ
۸۔ احمدؒ
۹۔ حسام الدینؒ
۱۰۔ شمس الدین مدنی ثم یمنیؒ
۱۱۔ امام الدینؒ
۱۲۔ کمال الدین یمنی ثم سیستانیؒ
۱۳۔ معین الدینؒ
۱۴۔ علاؤ الدینؒ
۱۵۔ فخرالدین الملقب بہ محی الدینؒ
۱۶۔ نظام الدینؒ
۱۷۔ قاضی حسام الدینؒ (ثانی)
۱۸۔ زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ۔

حضرت ہادی ہریانہ شاہ محمد رمضان شہید مہیؒ نے اپنی تصنیف بلبل باغ نبی میں اپنا کرسی نامہ نظم کیا ہے (ضمیمہ ۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نویں پشت سے شمس الدین نے یمن کی سکونت اختیار کی۔

حضرت ہادی ہریانہ سے پہلے سرتاج الزہاد حضرت شاہ غلام جیلانیؒ (ضمیمہ ۲) نے اپنی تالیف

---

[1] تقریب التہذیب

اسلاف الاشجار (۱۸۰۵ء) میں اور الحاج قاری مفتی حبیب اللہؒ (ضمیمہ ۲) نے اپنی تالیف درۃ حبیبیہ (۱۸۵۶ء) میں زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ کے سلسلۂ اجداد میں سے عبداللہ، احمد اور شمس الدین کو حاکمانِ یمن لکھا ہے۔ تمام ماخذ متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گیارھویں پشت سے شیخ کمال الدینؒ نے سیستان میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ آپ کی اولاد سیستان میں رہتی رہی آپ کی پانچویں پشت سے حسام الدین ثانی مجنجیر (م ج ن ج ی ر) کے قاضی مقرر ہوئے۔

قدیم سیستان کا ۳/۵ حصہ اب افغانستان میں اور ۲/۵ حصہ ایران میں ہے۔ ان دونوں حصوں میں اب مجنجیر نامی کسی شہر یا قصبہ کی موجودگی کا ہمیں علم نہیں۔ ممکن ہے کوئی غیر معروف گاؤں ہو یا یہ قدیم شہر سیستان کی سیاسی ہل چل کے زمانہ میں مسمار ہو گیا ہو۔ ہندوستان کے قصبہ زہٹر میں ایک بزرگ سید مسعود واسطی مجنجیری کا مزار ہے۔ میر محبوب علی نے اپنی تالیف کتاب الانساب قلمی میں لکھا ہے کہ سید مسعود واسطی کو ماہ صفر ۶۰۲ھ میں مقبرہ حضرت حاجب شکر بار واقع قصبہ زہٹر کی زمین میں دفن کیا گیا (ص ۱۱۰) وہ لکھتے ہیں "شیخ عبدالغفار صدیقی وجد شیوخ رہتک وجد شیوخ زہٹر و شیوخ دہر سو و شیوخ گڑھ مکتیسر از نواح غزنی و سیستان آمدہ بودند۔ از احفاد و امجاد حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکر الصدیق ابن ابی قحافہ عثمان التیمی رضی اللہ عنہم اندو سرفت و مصاہرت ایشان با قوم سید مسعود واسطی مجنجیری و سید ابوالقاسم واسطی پیش از ورود و ہندوستان در ولایت آمدہ است۔" (ص ۲۲) میر محبوب علی نے مجنجیر کو نواح غزنی و سیستان میں بتایا ہے۔ ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید (باب ۵) نے گرد سیستان لکھا ہے۔ (ضمیمہ ۱)

---

[1] آب کوثر (ص ۴۹۳) سیر العارفین (ص ۱۰۳) اذکار ابرار (ص ۵۰۶) تاریخ فرشتہ (جلد ۲ ص ۴۰۴) اور دیگر تذکروں میں شیخ کمال الدین محمد یمنی کو حضرت زکریا بہاؤالحق ملتانی کا استادِ حدیث بتایا ہے۔ حضرت ملتانی (م ۶۶۶ھ) مدینہ منورہ میں پانچ برس تک آپ کی خدمت میں رہے اور سند حدیث لی۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ شیخ کمال الدین محمد یمنی عرب کے محدثین کبار میں سے تھے۔ انہوں نے مدینہ منورہ میں پچپن برس تک درس حدیث دیا۔ ہمارے بعض ماخذ مثلاً میر محبوب علی (کتاب الانساب قلمی) یاد داشت پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۴) حاشیہ شجرۃ الیاس (ص ۲، ب) اور حاشیہ شجرۃ الیاس (ص) محدث شیخ کمال الدین محمد یمنی اور اپنے سلسلۂ اجداد کے شیخ کمال الدین یمنی ثم سیستانی کو ایک ہی شخصیت قرار دیتے ہیں۔ روضۃ الرضوان (ص ۱۲) میں لکھا ہے کہ شیخ کمال الدین یمن کی حکومت ترک کر کے مدت دراز مدینہ منورہ میں رہنے کے بعد عازم سیستان ہوئے۔

حضرت شاہ غلام جیلانی (ضمیمہ ۲) نے اسناد الانجاب میں بجنیر کو "در حوالی سیستان" لکھا ہے۔ غالباً انہوں نے اپنے عہد کے سیستان کے نقشہ کو پیش نظر رکھا ہوگا۔ پیرزادہ محمد حسین (باب ۲) نے بجنیر کو سیستان میں بتایا ہے۔ یہ مقام اس بجنیر سے مختلف ہے جس کا ذکر البیرونی نے کتاب الہند (ص ۱۰۱) اور رشید الدین نے جامع التواریخ (ورق ۲۲۱ ب) پر کیا ہے اور جسے سنام سے لاہور کے راستہ پر بتایا ہے۔

قاضی قوام الدین قدس سرہٗ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی سترھویں پشت سے زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین قدس سرہٗ ہندوستان میں خاندان کے جد اول تھے۔ آپ پہلے بجنیر کے قاضی تھے۔ وہاں سے سیر و سیاحت کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے تین بھتیجے محمد موسیٰ، محمد اسمٰعیل اور محمد اسحاق تھے۔ شیخ محمد موسیٰ آپ کے برادرِ کلاں شیخ عمران الحق کے فرزند تھے اور شیخ محمد اسمٰعیل اور شیخ محمد اسحاق آپ کے برادرِ اصغر کے فرزند تھے۔ دہلی میں آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور آپ کو رہتک کی اور شیخ محمد موسیٰ کو گڑھ مکتیسر کی خدمتِ قضا کی پیشکش ہوئی۔

اولاد بندگی موسیٰ

گڑھ مکتیسر ہندوستان میں اترپردیش (یوپی) کے ضلع میرٹھ کا ایک قصبہ ہے۔ شیخ محمد موسیٰ جو بعد میں بندگی شیخ موسیٰ کے نام سے معروف ہوئے گڑھ مکتیسر تشریف لے گئے جہاں آپ کی اولاد پھلی پھولی اور اب بھی پاکستان اور بھارت میں موجود ہے۔ حضرت بندگی شیخ موسےٰ کی اولاد نے اترپردیش (یوپی) میں اشاعت و تبلیغ اسلام کے لئے کم و بیش وہی کام کیا جو اخلافِ قاضی قوام الدین نے ہریانہ و میوات میں کیا۔ بندگی شیخ موسیٰ کی اولاد ان کے چچا قاضی قوام الدینؒ کی اولاد کے مقابلہ میں مختصر تھی۔ صدیقیانِ گڑھ مکتیسر اس قصبہ سے باہر نزدیکی قصبات اور اضلاع میں جاکر آباد ہوتے رہے یہاں تک کہ ۹۲۶ھ میں اولاد بندگی شیخ موسےٰ کا کوئی فرد گڑھ مکتیسر میں نہ تھا۔ حضرت بندگی شیخ موسیٰ کی نسل سے اکبری عہد کے مشہور بزرگ شاہ اللہ بخش گنج بخش شطاری متوفی ۱۰۰۲ھ (۱۵۹۳-۹۴ء) ابن قاضی خوندن بن قاضی جمال الدین بن قاضی کبیر بن بندگی شیخ موسیٰ کاملین وقت میں سے تھے۔ آپ کی تالیف مونس الذاکرین کو مولوی عبدالقیوم سب جج بیلی ابن غلام محی الدین بن خدا بخش از اولاد بندگی شیخ موسیٰ نے [illegible] میں شائع کرایا۔

۱؎ اوراد حبیبیہ، اسناد الانجاب اور کرسی نامہ شیخ ثناء اللہ صدیقی ہلمی (ضمیمے ۱، ۲، ۳) ملاحظہ ہوں۔

اس کتاب میں شیخ بندگی موسیٰ کی اولادِ نرینہ کا شجرۂ نسب بھی شائع کرایا۔ بعد میں اس شجرہ کی عہد بعہد تکمیل ہوتی رہی جن میں سے بعض کی ہمارے پاس نقول ہیں اور بعض مرتبین کی قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔

سکونت رہتک

زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ دہلی سے اپنے بھتیجوں شیخ محمد اسمٰعیل شہیدؒ اور شیخ محمد اسحاق شہید کو لے کر عازم رہتک ہوئے اور وہاں سکونت اختیار کی۔ یہ دونوں بھتیجے بعد میں ایک تبلیغی دورے پر تھے کہ موضع مدینہ میں کفار نے انہیں شہید کر دیا۔ موضع مدینہ رہتک سے دس میل کے فاصلہ پر رہتک سے ہم جانے والی سڑک پر واقع ہے۔ شہیدین کا مزار اسی موضع میں سڑک کے کنارے ہے۔ دونوں کی شہادت عالم تجرد میں ہوئی (دیباچہ سلسلۃ الانساب)

صاحب روضۃ الرضوان لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ قوام الدینؒ رہتک میں قاضی القضات مقرر کر کے بھیجے گئے تھے۔ خان بہادر پیرزادہ محمد حسین (باب ۲) نے اپنے ترجمہ سفرنامہ ابن بطوطہ کے حاشیہ میں اپنا نوٹ دیا ہے (ص ۲۵) کہ شیخ قوام الدین رہتک کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

رہتک میں آپ نے قاضی سلطان محمد سرخ ذوالقرنی قریشی کے ساتھ مل کر ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اور اس میں سکونت اختیار کی۔ اسی قلعہ میں آپ کی اولاد کا ایک حصہ ۱۹۴۷ء تک آباد رہا۔ یہیں آپ کی وفات ہوئی۔ مزار مبارک قلعہ رہتک کے جنوب مغربی گوشہ میں برج کے نیچے بنا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے اس قلعہ کی فصیل کا ایک حصہ منہدم کرا دیا اور یہ برج بھی نہ رہا۔ مگر آپ کا مزار محفوظ رہا جس کی وقتاً فوقتاً مرمت ہوتی رہی۔ مرقد مبارک کے گرد غیر مسقف چاردیواری ہے جس کا دروازہ قلعہ کے باہر سڑک پر کھلتا ہے۔ اس چاردیواری میں آپ کی زوجہ بی بی عین البدر اور غالباً آپ کے فرزند اکبر مولانا افتخار الدینؒ بھی دفن ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس مزار پاک پر کسی ہندو نے قبضہ کیا ہوا ہے اور قبریں ہموار کر دی ہیں۔

رہتک میں زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین قدس سرہ العزیز کی شادی بی بی عین البدر دختر قاضی سلطان محمد سرخ ذوالقرنی قریشی سے ہوئی۔ جن کے بطن سے دو فرزند مولانا افتخار الدینؒ اور مولانا کبیر الدینؒ تولد ہوئے۔ قاضی سرخ کا خاندان بھی قلعہ رہتک میں ۱۹۴۷ء تک آباد رہا۔

۱؎ شیخ محمد محمد عرف امداد الحق ([illegible]) نے دیباچہ معیار الانساب میں قاضی قوام الدینؒ کے پانچ فرزند افتخار الدین، کبیر الدین، رشید الدین، عبدالوحید اور سلیمان بتائے ہیں۔ مگر اس نسب نامہ کی تقسیم ابواب و فصول [illegible]

اصحاب زیادہ تر ملتان میں آباد ہے۔

خلافت نظامی

حضرت قاضی قوام الدینؒ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ تھے (روضۃ الرضوان ص ۱۳) اس بیان کی تائید قانونِ سلوک (ص ۱۱) شجرۂ الیاس اور شجرۃ الماس سے ہوتی ہے جہاں تک ہمیں معلوم ہے حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے خلفاء کی مکمل فہرست کبھی شائع نہیں ہوئی۔ حیاتِ نظامی مؤلفہ خواجہ رکن الدین نظامی (مطبوعہ بار سوم) میں سلطان المشائخ کے ساتھ خلفاء کے نام درج کئے ہیں اور اس فہرست کو نامکمل بتایا ہے۔ ستاون نمبر پر کسی قاضی قوام الدین قدوئی کا نام ہے۔ ہمیں قدوئی کی وجہ تسمیہ کا علم نہیں۔

زمانہ ورود

خان بہادر پیر زادہ محمد حسین عارف (باب ۹) اپنے ترجمہ سفر نامہ ابن بطوطہ میں (حاشیہ ص ۲۵) لکھتے ہیں:

"مترجم کے جدِ اعلیٰ قاضی قوام الدین صدیقی مع اپنے بھتیجے شیخ موسیٰ شہر غجنیر واقع سیستان سے اسی بادشاہ (محمد تغلق) کے آغاز سلطنت میں ہندوستان آئے تھے اور رہتک کے قاضی مقرر کئے گئے تھے۔ ان کے بھتیجے شیخ موسیٰ کو گوہد تکلیسر (ضلع میرٹھ) کی قضاوی گئی تھی اور ان کے بیٹے کو سم کی:"

واضح رہے کہ یہ بیان مترجم کا ہے۔ ابن بطوطہ کا نہیں۔ روضۃ الرضوان میں زمانہ ورود عہد تغلق بتایا ہے (ص ۱۲) ایک اور سلسلہ روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاضی قوام الدین

میں پہلے دو فرزندوں کے علاوہ اور کسی فرزند کا نام نہیں لکھا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی تین فرزند لاولد فوت ہوئے۔ حال کے جن تین شجرہ نویسوں یعنی مرزی محمد اصغر (۴۹ ب)، پیر و پیرالدین (۲۰) اور الحاج الماس (۵۸) نے شیخ موصوف کے تتبع میں قاضی قوام الدین کے دو سے زیادہ فرزندوں کے نام لکھے ہیں۔ انہوں نے بھی افتخار الدین اور کبیر الدین کے علاوہ اور کسی کی اولاد کا اندراج نہیں کیا یعنی انہیں لاولد دکھایا ہے۔ باقی ماخذ یعنی شجرۂ الیاس (۱۳۵۳ھ)، نسب نامہ الیاس (۱۳۲۵ھ)، معرف الانساب (۱۳۳۲ھ)، نسب نامہ قاضی ثناء اللہ متوفی ۱۳۰۳ھ، کرسی نامہ شیخ ثناء اللہ (۱۲۹۵ھ) مندرجہ ضمیمہ ۳، اسناد الاشجار (۱۲۲۰ھ) مندرجہ صفحہ ۴ شاہ غلام جیلانیؒ، اوراد حبیبیہ (۱۱۶۰ھ) مندرجہ ضمیمہ ۲ مصنفہ الحاج قاری مفتی حبیب اللہ صدیقی متفق ہیں کہ قاضی قوام الدینؒ کے صرف دو فرزند تھے جن کے نام مولانا افتخار الدین اور مولانا کبیر الدین تھے۔ اس کی تائید شجوف اولاد بندگی شیخ موسیٰ گوہد تکلیسری سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت قاضی قوام الدینؒ کے صرف دو فرزند افتخار الدین اور کبیر الدین درج ہیں۔

تیرھویں صدی عیسوی اور ساتویں صدی ہجری کے ربع ثانی میں رہتک میں سکونت پذیر ہوئے چنانچہ

۱۔ میر محبوب علی اپنی تالیف کتاب الانساب قلمی میں لکھتے ہیں: "بزبانی معمران صدیقیان واضح شدہ کہ شیخ قوام الدین غجنیریؒ قدس سرہ بوقت سلطنت سلاطین غوریہ از غجنیر آمدہ در قصبہ رہتک آباد شدہ اند۔" سلاطین غوریہ سے مراد وہ سلاطین دہلی ہیں جنہیں بعض تاریخ نویس خاندان غلاماں (۱۲۰۶ء تا ۱۲۹۰ء) لکھتے ہیں۔

۲۔ حضرت شاہ غلام جیلانی صدیقی الرہتکی (باب ۳) اپنی تالیف اسناد الاشجار (۱۲۲۰ھ = ۱۸۰۵ء) میں تحریر فرماتے ہیں: "یکے از چہار قطب ہانسوی یعنی قطب جمال الدین خلیفہ کلاں شیخ فریدالدین گنج شکر قدس سرہما در مکتوب خود نوشتہ اند کہ قاضی قوام الدین رہتکی را در مجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیدہ ام کہ آنحضرت علیہ السلام فرمودند بیا نبیرہ ابوبکرؓ" یعنی قاضی قوام الدینؒ صدیقی حضرت قطب جمال ہانسوی متوفی ۶۵۹ھ = ۱۲۶۰ء کے ہم عصر تھے۔

۳۔ قاضی محمد حسن صدیقی المہمی (باب ۲) نے ۴ فروری ۱۸۳۶ء کو حاکم ضلع رہتک مسٹر ایگلز فرڈ کی درخواست پر قصبہ مہم (اب ضلع رہتک میں ہے) کے آباد ہونے کی تاریخ لکھی تھی۔ جسے ہم نے ضمیمہ ۵ میں نقل کیا ہے۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے سلطان معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ھ = ۱۲۸۷ء میں سند پروانہ تقرری عطا کر کے قاضی قوام الدینؒ کے فرزند اصغر مولانا کبیر الدینؒ اور قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدینؒ بن قاضی قوام الدینؒ کو مہم بھیجا۔

سطور بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان کے جد اعلیٰ حضرت قاضی قوام الدینؒ نے رہتک میں سکونت یا تو ابتدائی عہد تغلق (۱۳۲۰ء تا ۱۳۲۵ء) میں اختیار کی یا اس سے ستر اسی سال پہلے تیرھویں صدی عیسوی کے ربع ثانی میں۔ عہد تغلق والی روایات کو رد کرنے کے لئے ہمارے پاس کافی وجوہات موجود نہیں۔ اور ہم اس سلسلۂ روایات کو ترجیح دیتے ہیں۔

زبدۃ الاولیا حضرت قاضی قوام الدین قدس سرہ العزیز کی اولاد سے زندہ افراد کی تعداد آج بتاریخ ... نومبر ۱۹۷۶ء کو ایک ہزار چار سو پندرہ ہے یہ تعداد میرے مرتبہ نسب نامہ سے لی گئی ہے اس میں سے ایک ہزار دو سو چھیالیس افراد پاکستان میں ہیں اور باقی ایک سو انہتر افراد یورپ، حجاز، عراق، ہندوستان اور برما میں رہتے ہیں۔ ہندوستان اور برما میں رہنے والے بعض کنبوں کے کچھ افراد کے نام ہمارے

باب ۲

سلسلہ افتخاریہ

منصب دار

زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین بخبیری ثم رہتکی کے دو فرزند صاحبِ اولاد تھے۔ فرزند اصغر مولانا کبیر الدین اور ان کی اولاد کا باب ۳ میں ذکر کیا جائے گا۔ فرزند اکبر مولانا افتخار الدینؒ کا مولد و منشاء رہتک ہے۔ آپ کی اولاد سے اس وقت ایک ہزار نوے افراد حیات ہیں۔

مولانا افتخار الدینؒ کے دو فرزند تھے۔ چھوٹے فرزند کا نام محفوظ نہ رہا۔[1] بڑے فرزند قاضی عماد الدینؒ تھے۔ مولانا عماد الدینؒ اور ان کے چچا مولانا کبیر الدینؒ نے دہلی میں تعلیم پائی۔ سلطان معز الدین کیقباد نے مولانا عماد الدینؒ کو نہم کا قاضی، مفتی اور محتسب مقرر کیا اور مولانا کبیر الدینؒ کو اسی قصبہ کا خطیب، متوفی اور میر عدل۔ نہم شہر رہتک سے بیس میل کے فاصلہ پر ہے اور بھارتی پنجاب کے ضلع رہتک کا ایک قصبہ ہے۔ یہ ایک مسمار شدہ قصبہ تھا۔ سلطان غیاث الدین بلبن نے اسے آباد کرنے کے لئے اگروہہ ضلع حصار کے جلاوطن مہاجن بھیجے۔ شریعت مآب قاضی محمد حسن صدیقی ہمی کے بیان (مندرج ضمیمہ ۵ کتاب ہذا) کے مطابق یہ مہاجن خاطر خواہ آباد کاری میں ناکام رہے۔ سلطان معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ھ؍۱۲۸۷ء میں مولانا عماد الدینؒ اور مولانا کبیر الدینؒ کو مذکورہ بالا مناصب

---

[1] اس نامعلوم الاسم فرزند کا ذکر الحاج قاری مفتی حبیب اللہ ثانی (ضمیمہ ۲ کتاب ہذا) نے اپنی کتاب اولاد حبیبیہ مصنفہ ۱۹۰۸ء میں اور حضرت شاہ غلام جیلانیؒ (ضمیمہ ۳ کتاب ہذا) نے اپنی تالیف اسناد الاشجار ۱۸۰۵ء میں کیا ہے۔ ان دو مصنفوں میں سے نام کسی نے نہیں لکھا۔ مگر اپنے اپنے زمانہ میں اس نامعلوم الاسم فرزند کی اولاد بتائی ہے۔ حضرت قاضی قوام الدینؒ کے برادر زادہ حضرت بندگی شیخ موسیٰ گڑھ مکتیسری کی اولاد کے شجرہ نسب مطبوعہ ۱۹۰۸ء میں بھی مولانا افتخار الدین کے ماندہ سے مخوفتے نام کی جگہ نامعلوم الاسم لکھا ہے

پر مامور کرکے نہم بھیجا۔ اس دن سے ۱۸۵۷ء تک ان دونوں حضرات کی اولاد ...

ان دونوں بزرگوں کی مساعی سے یہ قصبہ جلد ہی بارونق ہو گیا اور اپنے نام پر پرگنہ کا صدر مقام قرار پایا۔ انگریزی عہد میں پرگنہ کو تحصیل کہنے لگے۔ پرگنہ نہم کے مذکورہ بالا چھ مناصب ان دونوں حضرات کی اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ تمام مسلم عہد حکومت میں رہے۔ برطانوی عہد حکومت میں یہ مناصب ختم ہو گئے۔ صرف قضا کی بجائے نکاح خوانی اور خطابت کی خدمات اس خاندان کے سپرد رہیں۔ قاضی عماد الدینؒ کی اولاد میں سے جو حضرات پرگنہ نہم کی خدمات قضا، افتاء اور احتساب پر مامور رہے صرف ان کا شجرہ نسب اور ترتیب مندرجہ ذیل ہے۔

- ۱۔ عماد الدین (قاضی، مفتی اور محتسب)
  - ۲۔ ہدایت اللہ (" " ")
    - ۳۔ قاضی محمد
      - حامد
        - ۴۔ قاضی مبارز الدین
          - ۵۔ قاضی محمد اسحٰق
            - ۶۔ قاضی عبدالرحیم
              - عبدالصمد
                - ۷۔ قاضی محمد سعید
                  - ۸۔ قاضی محامد
                  - محمد تقی
                    - فتح علی
                      - ۹۔ قاضی محمد مکرم
                      - ۱۰۔ قاضی علی اکبر
                        - ۱۱۔ قاضی محمدی
                          - ۱۲۔ قاضی تقادم حسن
            - ۷۔ قاضی احمد
              - ۸۔ قاضی اشرف
              - جنید
                - ۹۔ قاضی عبدالقدوس
              - مودود
                - محمد صالح
                  - ۱۰۔ قاضی عبدالرشید
    - ۳۔ مفتی قادن (مفتی و محتسب)
      - ۴۔ مفتی فضل اللہ (" ")
        - ۵۔ مفتی محمد حاکم (" ")
          - ۶۔ مفتی عبدالمجید (" "، قاضی)
            - ۷۔ مفتی محمد (" ")
              - ۸۔ مفتی نظام الدین
                - ۹۔ مفتی امان اللہ
                  - ۱۰۔ مفتی حبیب اللہ
                    - ۱۱۔ مفتی عزیز اللہ
                    - ۱۲۔ مفتی محمد جعفر
                      - ۱۳۔ مفتی عبدالرزاق
                        - عبدالخلاق
                          - ۱۶۔ مفتی حبیب اللہ ثانی
                      - ۱۴۔ مفتی عبدالرحمٰن
                        - ۱۵۔ مفتی محمد عثمان
                      - غلام ضیاء
                        - ۱۶۔ مفتی غلام مصطفیٰ
              - ۸۔ عبداللہ محتسب
                - ۹۔ محمد فاضل "
                  - ۱۰۔ محمد رستم "
                    - ۱۱۔ نصیر الدین "
                      - ۱۲۔ اشرف الدین "
                        - ۱۳۔ عظیم الدین "

چھٹے مفتی و محتسب عبدالمجید چھٹے قاضی بھی تھے۔ مولانا کبیر الدینؒ (باب ۳) کی اولاد سے محمد جیون محمد جمال الدین قاضی تھے۔

سلسلۂ قضاۃ

قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدین بن زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ کی اولاد کی
اولاد جن خدمات پر مامور رہی ان میں خدمتِ قضا اہم ترین تھی۔ پرگنہ نہم کے قاضی کا تقرر شاہنشاہِ
ہند کے ایک فرمان کے ذریعے ہوتا تھا۔ پروانہ تقرری کی ظاہری صورت دیدہ زیب ہوتی تھی۔ قاضی
پرگنہ کے فرائض میں ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے علاوہ اقامتِ جمعہ، رعایا کو پرامن رہنے
کی تلقین کرنا، لاوارث لڑکیوں کے نکاح کا انتظام کرنا، تقسیم میراث اور لاوارث یا یتیموں
کے مال کا تحفظ بھی تھا (سند تقرری قاضی محمد اکبر مندرج ضمیمہ ۹ کتاب ہذا) اس خدمت کے
عوض قاضی پرگنہ نہم اور اس کے لواحقین کو مدد معاش کے طور پر معقول جاگیر ملتی جو ہر قسم کے
سرکاری واجبات سے مبرا ہوتی۔ چنانچہ فرمان اکبری مجریہ ۲۰ ربیع الاول سنہ ۹۸۱ھ کی رو سے
فضیلت مآب تقویٰ شعار قاضی اشرف وجاہت کو ۳۹۵ بیگھہ (۲۴۶ ایکڑ) اراضی عطا ہوئی۔ یہ
فرمان اس کتاب کے اخیر میں ضمیمہ ۶ میں ملاحظہ ہو۔ علاوہ ازیں عیدین کے موقع پر قاضی پرگنہ کو شاہی خلعت
عطا ہوتی۔ قصبہ نہم کے محصول چونگی میں سے قاضی کو کچھ یومیہ بھی ملتا جیسا کہ محضرنامہ قاضی محمد حسن سے
معلوم ہوتا ہے جو ہم نے اس کتاب کے ضمیمہ ۸ میں درج کیا ہے۔

پرگنہ نہم کے قضاۃ کرام کی ترتیب گذشتہ صفحہ پر درج ہے۔ اب ہم کنز الآثار سے ان کے
اجمالی حالات درج کرتے ہیں۔ اس خاندان سے متعلق جو بھی شاہی فرامین، قسمت نامے، بیع نامے،
استشہاد نامے اور متفرق تحریریں دستیاب ہو سکیں اور جن کی تعداد تقریباً پانچ سو کے قریب ہے
وہ ہم نے یکجا کنز الآثار میں نقل کر دی ہیں۔

۱۔ قاضی عماد الدین:۔ تحریر قاضی محمد حسن (ضمیمہ ۱۵) کی رو سے سلطان معز الدین کیقباد نے
سنہ ۶۸۶ھ/۱۲۸۷ء میں مولانا عماد الدین بن مولانا افتخار الدین بن حضرت قاضی قوام الدینؒ کو
پرگنہ نہم کی خدماتِ قضا، افتاء اور احتساب پر مامور کیا۔ آپ نے رہتک سے جا کر نہم میں
مستقل سکونت اختیار کی۔

۲۔ قاضی ہدایت اللہ:۔ قاضی عماد الدین کے فرزند و جانشین تھے۔

۳۔ قاضی محمد:۔ قاضی ہدایت اللہ کے بعد آپ کے فرزند اکبر مولانا محمد خدمتِ قضا پر مامور
ہوئے آپ خانوادۂ قاضیان کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ آپ کی نسل سے دمِ تحریر ایک سو بیالیس

افراد حیات ہیں۔ قاضی محمد کے اکلوتے فرزند شیخ حامد کو کنز الآثار، معیار الانساب
اور معرف الانساب میں قاضی نہیں بتایا۔ قاضی محمد کے چھوٹے بھائی مفتی قادن کا اسی باب
میں سلسلۂ مفتیان کے حصہ میں ذکر ہوگا۔

۴۔ قاضی مبارز الدین:۔ شیخ حامد بن قاضی محمد کے فرزند تھے۔ معیار الانساب اور معرف الانساب
میں انہیں قاضی نہیں لکھا گیا مگر کنز الآثار کی نظائر ۱۹ ذوالحجہ سنہ ۱۰۲۰ھ اور ۲۲ ربیع الثانی
سنہ ۱۰۶۹ھ میں ابنائے قاضی مبارزؒ آیا ہے۔ مسلم عہد حکومت میں صرف اس شخص کے نام کے
ساتھ قاضی لکھا جا سکتا تھا جو اس خدمت پر مامور رہا ہو۔

۵۔ قاضی محمد اسحاق:۔ قاضی مبارز کے فرزند تھے۔ فرمان اکبری مصدرہ ۲۲ محرم سنہ ۹۶۰ھ میں
آپ کے نام کے ساتھ قاضی لکھا ہوا ہے۔ اسی حکمران کے فرمان مجریہ ۲۸ ربیع الاول سنہ ۹۸۱ھ
/۱۵۷۳ء (ضمیمہ ۶) میں آپ کے نام کے ساتھ مرحوم لکھا ہوا ہے۔

۶۔ قاضی عبد المجید:۔ سلسلۂ مفتیان سے مولانا عبد المجید بن مفتی محمد حاکم بن مفتی فضل اللہ واحد
بزرگ ہیں جنہوں نے پرگنہ نہم کی خدمتِ قضا بھی انجام دی۔ کنز الآثار کی نظیرہ ۵ ذوالحجہ سنہ ۹۷۳ھ
کے متن میں قاضی عبد المجید کا نام آیا ہے۔ نہم میں چاہ قاضی عبد المجید والا ایک معروف کنواں
ہے (کنز الآثار نظیرہ ۵ رجب سنہ ۱۰۳۰ھ)

۷۔ ۸۔ قاضی عبد الرحیم و قاضی احمد:۔ یہ دونوں قاضی محمد اسحاق بن قاضی مبارز کے فرزند تھے
ان کی ترتیب قضا تحقیق نہ ہو سکی[1]

۹۔ قاضی محمد جیو:۔ مولانا کبیر الدینؒ ابن حضرت قاضی قوام الدینؒ کی اولاد سے محمد جیو ابن
مولانا محمد جمال خطیب و متولی کے علاوہ قاضی بھی تھے۔ اس عہد میں جی کی بجائے تعظیماً لفظ
جیو استعمال کرتے تھے۔ آپ کا انتقال عہد اکبری میں ۲۲ دسمبر سنہ ۱۵۹۹ء سے پہلے ہوا۔ کنز الآثار
میں متعدد نظائر سے آپ کا قاضی ہونا ثابت ہے[2] آپ کی نسل میں سے صرف سلطان محمد صاحب

---

[1] کنز الآثار (۱) عبد الصمد ابن قاضی عبد الرحیمؒ ۱۴ جمادی الاول سنہ ۱۰۰۰ھ (۲) مسمات [illegible] بنت شیخ محمد زوجہ قاضی
عبد الرحیمؒ ۱۰ ربیع الاول سنہ ۱۰۱۱ھ (۳) شیخ جنید عرف [illegible] ولد قاضی احمد [illegible] ۹ جمادی الثانی [illegible] سنہ ۹۸۶ھ
(۴) محمود ولد قاضی احمد [illegible] ۱۴ جمادی الاول سنہ ۱۰۰۰ھ، ۹ شعبان سنہ ۱۰۱۴ھ، ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۰۲۰ھ
(۵) ابنائے قاضی احمد ۲۵ جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۳ھ (۶) نشان مہر قاضی احمد بر نقل قسمت نامہ ۱۴ جمادی الاول سنہ [illegible]ھ

[2] کنز الآثار (۱) العبد شیخ محمود ولد قاضی شیخ جیو۔ ۱۴ جمادی الاول سنہ ۱۰۰۰ھ (۲) نعمت اللہ پسر قاضی شیخ جیو ایضاً۔

(باقی بر صفحہ ۱۶)

۱۹۴۷ء کے کنبہ کے نو افراد حیات ہیں اور لاہور میں مقیم ہیں۔ یہ کنبہ بریلی سے ہجرت کر کے ۱۹۴۷ء میں پاکستان آیا۔

۱۰۔ قاضی اشرف:۔ قاضی احمد بن قاضی محمد اسحاق کے فرزند تھے۔ آپ کی دو مہروں سے معلوم ہے کہ آپ قاضی کے علاوہ حاکم شرع شریف بھی تھے۔ پہلی مہر تھی "عبدہٗ اشرف ولد قاضی احمد حاکم شرع شریف" اس گول مہر کے حاشیہ پر الفاظ "فلاشی یعادلہ یا عزیز یا عزیز المنیع الغالب علی جمیع امرہ ۹۸۶" لکھے ہوئے ہیں۔ یہ مہر کنز الآثار کی ۲۷ ربیع الثانی ۱۰۰۶ھ اور ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۰۲ھ کی نظائر پر لگی ہوئی ہے۔ دوسری مہر "بندہ اشرف ولد قاضی احمد حاکم شرع شریف ۹۸۶" ، ۳ صفر ۹۹۹ھ کی تحریر پر ہے۔ فرمان اکبری مصدرہ ۲۰ ربیع الاول ۹۸۱ھ ضمیمہ ۴ کے ذریعہ شریعت مآب فضیلت آیات تقوی شعار قاضی اشرف قاضی پرگنہ سم ولد شیخ دہجا ... کو ۹۵ بیگھہ (یعنی ۲/۱ ۴۷ ایکڑ) اراضی عطا ہوئی۔ جماعہ سے مراد لواحقین ہیں اور ایک بیگھہ = ۵/۸ ایکڑ (دربنگ ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ۱۹۱۰ء) قاضی اشرف کے تین فرزند توام علی اور علی اکبر تھے۔ جن کی اولاد نرینہ نہ ہونے سے یہ سلسلۂ نسب منقطع ہو گیا۔

۱۱۔ قاضی عبدالرشید:۔ یہ محمد صالح بن موحد بن قاضی احمد بن قاضی محمد اسحاق کے فرزند تھے معرف الانساب میں انہیں قاضی لکھا ہے۔ کنز الآثار کی نظیر ۱۹ رجب ۱۰۴۲ھ عہد شاہجہان کی مہر قضا کی علامت ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ اس تاریخ سے قبل قاضی تھے۔ ان کی اولاد کا سلسلہ ان کی دو نسلوں کے بعد منقطع ہو گیا۔

۱۲۔ قاضی عبدالاول:۔ یہ شیخ جنید بن قاضی احمد بن قاضی محمد اسحاق کے فرزند تھے۔ کنز الآثار میں ایک مہر کی عبارت ہے: "محمد اول است خادم شرع شریف" ممکن ہے یہ ان کی مہر ہو۔ ایک اور مہر ہے: "اول نبیرہ قاضی اشرف بن الحسنات" اور اس کے حاشیہ میں "بصدق ابی بکر، عدل عمر، بازرم عثمان و علم علی" لکھا ہوا ہے۔ نبیرہ کا مطلب نواسہ ہے۔ یہ مہر ۲۲ شوال ۱۰۵۶ھ کی نظیر پر ہے۔ کنز الآثار کی تین مہریں ایسی ہیں جن سے ان کا قاضی ہونا ثابت ہے

(حاشیہ از صفحہ ۱۵) شیخ شاہ محمود و نعمت اللہ و خواجہ حافظ و جہانگیر پسران مرحومی شیخ جیو۔ ایضاً (۲) نعمت اللہ پسر قاضی شیخ جیو کتبہ بخطہ ۹ شعبان ۱۰۱۶ھ و ۵ رجب ۱۰۲۰ھ (۵) اعبد نعمت اللہ ولد قاضی شیخ جیو ۹ رجب ۱۰۲۳ھ
(۶) جانب جنوب مکان شیخ نعمت اللہ ولد قاضی شیخ جیو ۵ جمادی الثانی ۱۰۲۹ھ (۷) ابنائے قاضی شیخ جیو ۱۱ صفر ۹۹۵ھ غائب محمد شاہی اہدا ۱۱۵۳ھ (۸) بدست شیخ جہانگیر ولد قاضی شیخ جیو خطیب ۱۹ رجب ۱۰۲۲ھ (۹) نشان تمل مہر قاضی جیو ۱۰۱۶ھ (۱۰) ابن قاضی شیخ جیو خطیب ساکن قصبہ سم سرکار حصار ۱۲ رجب ۱۰۹۶ھ

(۱) شیخ جامی ولد قاضی اول باذنہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۱۶ھ و ۲ ربیع الاول ۱۱۳۰ھ (۲) نظام الدین ولد قاضی اول صدیقی باذنہ ۶ ربیع الاول ۱۱۳۰ھ۔ قاضی اول کا سلسلہ اولاد دو نسلوں کے بعد ختم ہو گیا۔

۱۳۔ قاضی محمد سعید:۔ شیخ عبدالصمد بن قاضی عبدالرحیم بن قاضی محمد اسحاق کو معیار الانساب یا معرف الانساب میں قاضی نہیں لکھا۔ کنز الآثار میں بھی ایسی کوئی نظیر موجود نہیں جس سے آپ کا قاضی ہونا ثابت ہو۔ البتہ آپ کا نرخ نویس ہونا ثابت ہے۔ نرخ نویس کے سپرد اشیا کے بھاؤ کا ریکارڈ رکھنا تھا۔ اور ناپ تول کی جانچ پڑتال بھی اس کے سپرد تھی۔ نیز وہ آج کل کے پرائس کنٹرول انسپکٹر کے سے فرائض سرانجام دیتا تھا۔

شیخ عبدالصمد نرخ نویس کے فرزند محمد سعید قاضی تھے۔ آپ کی مہر تھی، "قاضی سعید یافت تفضلے سم زشاہ ۱۰۸۵ھ" یہ مہر ۵ ذی الحجہ ۱۰۸۶ھ و ۱۱ فروری ۱۶۷۶ء تمسک کی متعدد تحریروں پر ہے۔ نسب نامہ رشید مرحوم میں قاضی محمد سعید کے نام کے ساتھ لکھا ہے: "عالم و فاضل اور دولت دنیا سے مستغنی تھا۔"

۱۴۔ قاضی محامد:۔ قاضی محمد سعید کے فرزند اکبر تھے۔ آپ حضرت شاہ نصر اللہ قدس سرہ العزیز (باب ۳) کے خسر تھے۔ شاہ نصر اللہ نے اپنی مثنوی جنون المجانین میں آپ کا ذکر کیا ہے۔

آں محامد قاضی ملک خدا — بر شریعت باد دائم مقتدا
خادمم را کن قبول خویشتن — تا شود فارغ ز دنیا ہیچو من

قاضی محامد کی ایک مہر پر لکھا ہے: "قاضی محامد خادم شرع شریف ۳۵" ۱۱۰۲ھ/۳۵ سے مراد سن جلوس اورنگ زیب عالمگیر ہے۔ ایک اور مہر ۳ جلوس فرخ سیر یعنی ۱۱۲۶ھ کی ہے۔ آپ کے عہدۂ قضا کی تجدید ۱۲ رشعبان سنہ احد محمد شاہی یعنی ۱۱۳۱ھ میں ہوئی بطور قاضی پرگنہ سم آپ کی مہریں الربیع الثانی ۱۱۰۰ھ سے ۲۰ رجب ۱۱۳۸ھ تمسک کی

سلہ کنز الآثار (۱) عبدالصمد ولد عبدالرحیم نرخ نویس کتبہ بخطہ ۹ شعبان ۱۰۰۹ھ (۲) عبدالصمد ابن قاضی عبدالرحیم مہر بر تحریر ۲۱ جمادی الاول ۱۰۰۹ھ (۳) عبدالصمد ابن عبدالرحیم بخطہ ۹ رجب ۱۰۱۲ھ
سلہ کنز الآثار ۲۲ ربیع الثانی ۱۰۰۲ھ، ۵ جمادی الثانی ۱۰۰۶ھ، ۲ ربیع الاول ۱۰۶۹ھ، ۱۰ شعبان ۱۰۷۰ھ
سلہ ۱۸ ذی قعدہ ۱۰۰۶ھ، ۱۳ محرم ۱۰۰۷ھ، ۹ رجب ۱۰۰۵ھ، ۱۱ محرم ۱۰۰۲ھ، ۷ شوال ۱۰۰۱ھ، ۵ ذی الحجہ ۱۰۰۷ھ

تحریروں پر ہیں۔ قاضی حامد کے اکلوتے فرزند عبدالرحیم لاولد تھے۔

۱۵۔ قاضی محمد مکرم: یہ قاضی حامد کے چھوٹے بھائی محمد تقی کے پوتے تھے۔ محمد مکرم ابن فتح علی ۱۱۴۲ھ میں محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب قضا پر فائز ہوئے۔ ان کے والد اور دادا شیخ فتح علی اور شیخ محمد تقی کو معیارالانساب یا معرف الانساب میں قاضی نہیں لکھا۔ کنزالآثار میں ان دو حضرات کا کئی جگہ نام آیا ہے۔ مگر وہاں بھی ان میں سے کسی کا قاضی ہونا ثابت نہیں۔ معیارالانساب اور معرف الانساب میں قاضی مکرم کا پورا نام مکرم علی لکھا ہے۔ مگر ہمارے پاس ایسی سولہ تحریریں ہیں جن میں آپ کا نام محمد مکرم لکھا ہے۔ چنانچہ فرمان شاہی مورخہ ۲ صفر ۱۱۷۱ھ میں محمد مکرم لکھا ہے۔ نیز نظیرہ ۵ر شعبان ۱۱۷۱ھ پر آپ کے فرزند کے ... ہیں۔ محضر شہد بانیہ محمد حسرت ولد محمد مکرم اور نظیر ۱۱ر جمادی الاول ۱۱۶۸ھ پر محمد اکرم ولد قاضی محمد مکرم بخط موجود ہے۔ قاضی محمد مکرم کی دو مہریں "قاضی مکرم خادم شرع شریف محمد ۱۱۴۳ھ" اور "قاضی مکرم خادم شرع شریف ۱۱۶۶ھ" ۲۶ر ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ تک متعدد نظائر پر ہیں۔ آپ کا انتقال ۱۹ر اکتوبر ۱۷۵۶ء سے مہینہ دو مہینے پہلے ہوا۔ قاضی محمد مکرم کی اولاد کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی نسل سے اس وقت باون افراد حیات ہیں جن کا ذکر باب میں (۱) تا (۶) نمبروں پر آئے گا۔

۱۶۔ قاضی علی اکبر: قاضی محمد مکرم کی وفات پر آپ کے برادر اصغر علی اکبر ۲ر صفر ۱۱۷۰ھ (۱۹ر اکتوبر ۱۷۵۶ء) کے فرمان شاہی کی رو سے پرگنہ مہم کے قاضی مقرر ہوئے۔ یہ فرمان

؎ کنزالآثار: ۱۱ ربیع الثانی ۱۱۰۰ھ، ۱۲ ذیقعدہ ۱۱۰۴ھ، غرہ ربیع الثانی ۱۱۱۸ھ، ۲ رمضان ۱۱۱۹ھ اور ۶ جمادی الاول و ۵ جمادی الثانی ۱۱۲۸ھ، ۲۲ جمادی الثانی ۱۱۲۹ھ، ۲۰ ربیع الاول و ۲۰ جمادی ... و ۲۰ رجب و ۲۸ رجب ۱۱۳۸ھ۔

؎ کنزالآثار: (۱) مہر عبدہٗ تقی علی صدیقی ۱۱۰۰ھ بر تحریر ۶ ربیع ... ۱۱۲۲ھ (۲) دستخط محمد تقی بن شیخ تقی بخط: ۱۱ صفر ۱۱۲۱ھ، شعبان ۱۱۳۵ھ، ۱۲ ربیع الاول ۱۱۳۷ھ، ۱۱ و ۱۵ محرم و ۲۵ رجب ۱۱۴۲ھ (۳) دستخط لطف اللہ ولد شیخ محمد تقی بخط ۱۱ ربیع الاول ۱۱۲۷ھ، ۲۲ جمادی ... ۱۱۲۹ھ (۴) دستخط محمد معظم ولد شیخ فتح علی بخط ۱۹ شوال ۱۱۵۰ھ (۵) محمد صاحب ولد شیخ فتح علی ... ۱۶ ربیع الآخر ۱۱۴۲ھ (۶) عبدالصمد ولد شیخ فتح علی بادیہ ۱۹ جمادی الاول ۱۱۵۲ھ

؎ کنزالآثار: ... ربیع الثانی ۱۱۴۷ھ، ۲۸ و ۲۷ ربیع الاول ۱۱۵۰ھ، ۹ رجب ۱۱۵۱ھ، ۲ رجب ۱۱۵۹ھ، ۴ ... جمادی الاول ۱۱۶۰ھ، ۲ جمادی الثانی اور ۲ رمضان ۱۱۶۲ھ، غرہ ذیقعدہ ۱۱۶۶ھ، ۲۹ ربیع الاول ۱۱۶۸ھ ...

کتاب کے آخر میں ضمیمہ ۲ میں ملاحظہ ہو۔ آپ اس منصب پر چوتھائی صدی تک یعنی اپنی وفات ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۹۶ھ (۱۱ر اکتوبر ۱۷۸۲ء) تک فائز رہے۔ آپ کی مہر "خادم شرع شریف اطہر قاضی محمد اکبر افوض امری الی اللہ ۱۱۷۱ھ" ۳ر ربیع الثانی ۱۱۹۵ھ تک کی نظائر پر ہمارے پاس محفوظ ہے کیونکہ پروانہ تقرری میں آپ کا نام محمد اکبر لکھا گیا تھا یہی نام مہر پر کھدوایا گیا۔ ورنہ آپ کا اصل نام علی اکبر تھا جو ہمارے پاس آپ کی اپنی قلم سے لکھا ہوا آٹھ جگہ موجود ہے۔

۱۷۔ قاضی محمدی: قاضی علی اکبر کے بعد آپ کے فرزند اکبر قاضی محمدی ۵ ربیع الثانی ۱۱۹۸ھ (۲۷ر مارچ ۱۷۸۴ء) کو قاضی مقرر ہوئے۔ آپ کی مہر تھی "محمدی خادم شرع ۱۱۹۸ سنہ ۲۵" اور حاشیہ پر کلمہ طیبہ تھا۔ یہ گول نستعلیق کلاں مہر ۵ر رمضان ۱۲۲۰ھ کی نظیر پر محفوظ ہے۔ آپ کا انتقال ۲۵ رمضان ۱۲۲۷ھ (۲ر اکتوبر ۱۸۱۲ء) کو مہم میں ہوا۔ آپ کی حیات میں ۱۸۰۹ء میں مہم پر ایسٹ انڈیا کا قبضہ ہوگیا اور قدیم نظام عدل درہم برہم ہوگیا۔ حقیقی معنوں میں آپ مہم کے آخری قاضی تھے۔

۱۸۔ قاضی غلام حسن: قاضی محمدی کے فرزند تھے۔ اکبر شاہ ثانی کے فرمان مورخہ ۲ شوال ۶ جلوس ۱۲۲۷ھ (۹ر اکتوبر ۱۸۱۲ء) کے ذریعہ آپ مہم کے قاضی مقرر ہوئے۔ اس وقت قاضی کے عدالتی اختیارات سلب ہو چکے تھے۔ اور اس کے پاس نکاح خوانی کے علاوہ رجسٹرار کے اختیارات رہ گئے تھے۔ زمین کی بیع و فروخت کے کئی بیع ناموں پر آپ کی تصدیقی مہر پائی جاتی ہے۔ آپ کی مہر "خادم شرع احمد مختار غلام حسن بصدق قرار ۷ افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد ۱۲۲۷ھ" کئی نظائر پر پائی جاتی ہے۔ آپ کی ایک اور مہر "از نور محمدی

؎ کنزالآثار: (۱) علی اکبر بخط ۲۷ و ۲۸ رجب ۱۱۳۶ھ، ۴ شوال و ۷ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ، ۲۰ جمادی الاول ۱۱۴۶ھ (۲) علی اکبر ولد فتح علی بخط ۲۰ ربیع الثانی ۱۱۳۸ھ (۳) شیخ علی اکبر بخط ۲۹ جمادی الاول ۱۱۵۲ھ۔ آپ کا نام اور مواہیر مندرجہ ذیل نظائر پر بھی ہیں۔ (۴) شیخ علی اکبر ولد شیخ فتح علی ۱۱ جمادی الاول ۱۱۶۶ھ (۵) شیخ احمد ولد قاضی علی اکبر بخط ۲۹ رمضان ۱۲۳۲ھ (۶) مہر بندہ درگاہ ... علی اکبر سنہ ۱۱۶۳ ۲۶ ذوالحجہ ۱۱۷۰ھ (۷) مہر خادم شرع شریف اطہر قاضی محمد اکبر افوض امری الی اللہ سنہ ۱۱۷۱ھ: ۵ شعبان ۱۱۷۱ھ، ۶ صفر ۱۱۷۳ھ، ۱۲ رجب ۱۱۷۶ھ، غرہ رجب ۱۱۷۹ھ، ۵ محرم و ۱۹ ذوالحجہ ۱۱۸۱ھ، ۵ محرم ۹ جلوس، ۲ ... ۱۱۸۶ھ، ۲۰ ربیع الاول ...

؎ کنزالآثار: ۷ شوال ۱۲۲۶ھ، ۵ شعبان ۱۲۲۹ھ، ۲ رمضان ۱۲۳۳ھ، ۱۵ ربیع الاول ۱۲۲۲ھ، ۲۰ ربیع الاول و ۱۵ ربیع الثانی ۱۲۳۵ھ، ۹ جمادی الاول ۱۲۳۶ھ، ۲۰ شوال ۱۲۴۹ھ

عیاں گشت حسن تھی۔

اس کتاب کے اخیر میں ضمیمہ ۵ میں مسٹر ایگزنڈر فریزر حاکم ضلع رہتک اور شریعت پناہ قاضی محمد حسن قاضی پرگنہ رہتک کی خط و کتابت نقل کی گئی ہے۔ حاکم ضلع نے آپ کو رہتک کی تاریخ لکھنے کے لئے کہا۔ جس کے جواب میں قاضی صاحب موصوف نے یہ اہم یادداشت لکھ کر بھیجی۔ آپ کا انتقال رہتک میں ۱۷ محرم سنہ ۱۲۷۱ھ (۲۵ جنوری ۱۸۵۴ء) کو ہوا۔ آپ کی اولاد میں سے اس وقت بائیس افراد حیات ہیں جن کا باب میں (۷) سے (۱۰) نمبروں پر ذکر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنا نام بدل کر محمد حسن کر لیا تھا۔ خاندان میں محمد حسن کے نام سے معروف ہیں۔ شجرہ قاضی عبدالرحمٰن اور معرف الانساب کے علاوہ ہر شجرہ اور نسب نامہ میں آپ کا نام محمد حسن لکھا ہے۔ آپ کی ہم عصر تحریروں میں بیسیوں جگہ آپ کا نام آیا مگر ایک جگہ کے علاوہ آپ کا نام ہر جگہ غلام حسن لکھا ہوا ہے۔ یہ استشہاد ۴ فروری سنہ ۱۸۳۶ء کی وہ تحریر ہے جسے ہم نے اس کتاب کے آخیر میں ضمیمہ ۸ کے تحت نقل کیا ہے۔ پروانہ تقرری میں اور آپ کی قلم سے لکھے ہوئے ایک محضر نامہ میں آپ کا نام غلام حسن ہے۔ آپ کے فرزند اور جانشین قاضی عبدالرحمٰن نے اپنے مرتبہ شجرہ نسب میں آپ کا نام غلام حسن لکھا ہے۔ نیز کنز الآثار میں تین کاغذات (۱) جمادی الاول سنہ ۱۲۶۰ھ، ۵ رجب سنہ ۱۲۶۰ھ اور ۸ ذیقعدہ سنہ ۱۲۶۰ھ میرے پاس موجود ہیں جن پر آپ کے فرزند کے دستخط ہیں: "عبدالرحمٰن ولد قاضی غلام حسن بخط خود"۔

برطانوی عہد حکومت میں عہدۂ قضا

قاضی غلام حسن کے انتقال پر خلعتِ قضا آپ کے فرزند قاضی عبدالرحمٰن کو پہنچی مگر اب قاضی سے رجسٹرار کے اختیارات بھی چھن چکے تھے۔ اور اس کا کام نکاح خوانی رہ گیا تھا۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں حکومت نے قدیم جاگیر بھی ضبط کر لی تھی۔ قاضی عبدالرحمٰن نے جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء سے کئی سال پہلے محکمہ انہار میں ملازمت اختیار کر لی۔ آپ اس محکمہ کے ڈویژنل آفس قصور میں محافظ دفتر کی اسامی پر تعینات ہوئے۔ اس سے بہتر اسامیوں پر بھی کام کرتے رہے۔ آپ نے خاندان کے شجرۂ نسب کی بھی تکمیل کی۔ یہ شجرہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ضائع ہو چکا ہے۔ اس سے نسب نامہ رشیدالرحمٰن اور معرف الانساب کے مؤلفین نے استفادہ کیا۔ معرف الانساب میں آپ کے بارے میں لکھا ہے:

"قاضی عبدالرحمٰن فاضل اور نیک آدمی تھے۔ انہوں نے اولاً میاں جی اتّی و شیخ امیر اللہ

شہید جنگ آزادی ۲۵ ب ہے۔ علم حاصل کیا اور پھر لاہور، امرتسر وغیرہ کی رہائش و سیر و سیاحت سے درجۂ فضیلت حاصل کیا۔ حکیم علاءالدین (۵۰ ب) ان کے خاص شاگردوں میں تھے۔" آپ کا انتقال رہتک میں ۲۰ اگست سنہ ۱۸۷۶ء کو ہوا۔ آپ کا سلسلۂ نسب آگے نہ چلا۔

قاضی عبدالرحمٰن کی حیات میں ان کی نیابت میں محلہ میں موجود کوئی بزرگ نکاح پڑھا دیا کرتے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد دفتر قضا اکتالیس سال تک آپ کی بیوہ بی بی جنت کی تحویل میں رہا۔ ان کے انتقال کے بعد یہ رجسٹر نکاح خوانی چند سال لاوارث رہ کر قاضی انوارالدین بن قمرالدین بن قطب الدین بن قاسم علی بن قاضی غلام حسن کے سپرد ہوا۔ قاضی انوارالدین (۱۸۹۵ء-۱۹۴۰ء) محکمہ برقیات میں ہیڈ کلرک تھے۔ ان کی حیات میں اور ان کے بعد سنہ ۱۹۴۷ء تک دفتر نکاح خوانی کسی اپاہج یا کسی بیوہ کی تحویل میں رہا۔ نکاح کوئی بھی موجود بزرگ پڑھا دیا کرتے تھے اور نکاح خوانی کی اجرت سے اس اپاہج یا بیوہ کی مدد ہو جاتی۔

قاضی عبدالرحمٰن اور قاضی انوارالدین دونوں لاولد فوت ہوئے۔ ان کی بے داغ سیرت، ٹھوس قابلیت اور فیض رسانی کے باعث خاندان میں دونوں کا نام بے شک دلی احترام سے لیا جاتا ہے۔ مسلم عہدِ حکومت میں صرف وہی حضرات اپنے نام کے ساتھ قاضی لکھا کرتے تھے۔ جو اس منصب پر فائز ہوتے۔ ان کی اولاد کو کوئی قاضی نہ کہتا۔ مگر انگریزی عہدِ حکومت میں جب منصبِ قضا کی اہمیت ختم ہو گئی تو لوگ اولادِ قاضی علی اکبر (باب ہٰذا) میں سے ہر ایک کو احتراماً قاضی کہنے لگے۔

قضاۃ بہادر گڑھ

بہادر گڑھ دہلی سے ۱۸ میل ادھر ضلع رہتک کا ایک قصبہ ہے۔ جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء سے پہلے یہ ایک ریاست تھی۔ پہلے یہ ریاست بلوچوں کے پاس تھی۔ دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے اسے پٹھانوں کے قبیلہ بھڑیچ کے ایک سردار نواب اسمٰعیل کو دے دیا۔

اولاد قاضی عمادالدینؒ بن مولانا اتقیاءالدینؒ سے بہادر گڑھ کے منصبِ قضا پر چار بزرگ فائز رہے۔ یہ نورالحق (متوفی ۲۷ اپریل ۱۸۷۶ء) بن محمد اسلم بن مفتی حبیب اللہ اور ان کے تین پوتے صمصام الحق، حکیم قاضی فضل الحق اور قاضی بہرام الحق (متوفی ۴ جنوری ۱۸۲۶ء) تھے۔ نورالحق مرحوم کی اولاد سے اس وقت تقریباً ایک سو اکیس افراد حیات ہیں جو پاکستان، ہندوستان اور برما میں مقیم ہیں۔ ان کا ذکر اس کتاب کے باب میں ۳۰ سے ۴۲ نمبروں پر ہوگا۔

(ب) سلسلۂ مُفتیان

مسلم عہدِ حکومت میں ہندوستان میں مفتی بھی ایک سرکاری منصب دار ہوتا تھا۔ قاضی مقدمات کے قانونی اور شرعی پہلوؤں پر مفتی سے رجوع کرتا۔ مفتی اور اس کے لواحقین کو مددِ معاش کے طور پر معقول جاگیر ملتی جو تمام سرکاری واجبات سے مبرا ہوتی۔ شاہنشاہ اکبر کے ایک فرمان مورخہ ذیقعد ۹۸۲ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی محمد کو ۶۲۵ ایکڑ یعنی پچیس مربعے اراضی ملی ہوئی تھی۔ اس خانوادے کے جو حضرات پرگنہ مہم کے منصبِ افتاء پر فائز رہے۔ ان کا شجرۂ نسب اور ترتیب اس باب کے آغاز میں ملاحظہ ہو۔ اب ہم ان کا مجمل حال درج کرتے ہیں۔

۱۔ **قاضی عماد الدین:** مولانا افتخار الدینؒ ابن زبدۃ الاولیا حضرت قاضی قوام الدین قدس سرہ العزیز کے یہ فرزند سلطان معزالدین کیقباد کے عہدِ حکومت میں ۶۸۶ھ میں پرگنہ مہم کے پہلے قاضی، مفتی اور محتسب کے مناصب پر فائز ہو کے رہتک سے مہم بھیجے گئے۔

۲۔ **قاضی ہدایت اللہ:** شیخ عماد الدین کے بعد ان کے یہ فرزند مذکورہ بالا تینوں خدمات سرانجام دیتے رہے۔

۳۔ **مفتی قادن:** قاضی ہدایت اللہ کے بعد ان کے فرزند اکبر شیخ محمد منصب قضا پر فائز ہوئے اور فرزند اصغر شیخ قادن کے سپرد افتاء اور احتساب کی خدمات ہوئیں۔ ان کا اصل نام کچھ اور ہو گا۔ کم و بیش اسی زمانہ میں حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدث دہلویؒ کے اجداد میں سے ایک بزرگ شیخ قادن قصبہ رہتک کے قاضی تھے۔

۴۔ **مفتی فضل اللہ عرف ماہرو:** مفتی قادن کے فرزند تھے۔ آپ کو تمام متعلقہ تحریروں میں دبیر ہمایوں بھی لکھا ہے۔ معرف الانساب میں منشیِ ہمایوں بادشاہ لکھا ہے۔ ہمایوں پہلی مرتبہ ۱۵۳۰ء سے ۱۵۴۰ء تک اور دوسری مرتبہ ۱۵۵۵ء میں چھ ماہ کے لئے ہندوستان کا حکمران رہا۔

۵۔ **مفتی محمد حاکم:** مفتی فضل اللہ کے فرزند تھے اور پرگنہ مہم کے مفتی و محتسب۔

۶۔ **مفتی عبدالمجید:** مفتی محمد حاکم کے یہ فرزند پرگنہ مہم کے چھٹے مفتی اور محتسب کے علاوہ چھٹے قاضی بھی تھے۔[1] فرمانِ اکبری مصدرہ ذیقعد ۹۸۲ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا انتقال ۲۲ محرم ۹۷۰ھ ۲۲ ستمبر ۱۵۶۲ء سے پہلے ہوا۔ مہم میں چاہ قاضی عبدالمجید والا آپ

[1] ملاحظہ ہو باب ہذا، سلسلہ قضاۃ نمبر ۶

کے رفاہی کاموں کی یادگار تھی۔

۷۔ **مفتی محمد:** مفتی عبدالمجید کے فرزند تھے۔ عرفِ عام میں پہلے میاں منگن اور پھر مفتی منگی کے نام سے معروف ہوئے۔ فرمانِ اکبری مجریہ ذیقعد ۹۸۲ھ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ شعار صلاح آثار مفتی محمد و جماعہ کو ایک ہزار بیگھہ (۶۲۵ ایکڑ) اراضی جاگیر کے طور پر ملی ہوئی تھی۔ مہم میں چاہ منگن والا آپ کے رفاہی کاموں کی یادگار تھی۔ عہدِ جہانگیر کی لکھی ہوئی کتاب اذکار الابرار کا اُردو ترجمہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعۂ شیرانی میں نمبر ایس یو ایف ۱۶/۱ پر ہے۔ اس میں شیخ علیم الدین کے بارے میں لکھا ہے:

"آپ رہتک کے باشندے ہیں۔ آپ کی ذات ایزدی تقدیر کا نوشتہ تھی۔ ایک روز موہ نانگی مفتی مہم کے دو راس گھوڑے گم ہو گئے۔ مہم ایک گاؤں ہے رہتک سے بارہ کوس دور (ایک کوس = ۲۰۲۲ گز تا مل) چند روز بعد مفتی کے ہم نشینوں نے کہا اس مجذوب سے گم شدہ مال کی حقیقت پوچھنی چاہیے۔ چونکہ گم ہوئے کو ایک زمانہ گزر گیا تھا۔ مالک مال کی اجازت نہ دیتی تھی۔ تاہم مفتی مجذوب کی خدمت میں گئے۔ مجذوب جلدی سے پکار اٹھا فلاں دروازے پر تلاش کرو۔ چنانچہ تعمیلِ حکم کی گئی اور وہاں سے گم شدہ مال مل گیا۔ خواب گاہ رہتک۔ دسویں صدی ہجری کے اواخر میں۔"

مفتی محمد کی وفات عہدِ اکبری میں ۹۸۲ھ اور ۹۸۶ھ (۱۵۷۴ء اور ۱۵۷۸ء) کے درمیان ہوئی۔ مفتی محمد کی اولاد میں اس وقت آٹھ سو اڑتیس افرادِ حیات ہیں۔ آپ کے بڑے فرزند مفتی نظام الدین اور ان کی اولاد میں منصبِ افتاء چلا اور ایک اور فرزند شیخ عبداللہ کی اولاد میں احتساب۔

۸۔ **مفتی نظام الدین:** مفتی محمد کے فرزند اکبر تھے۔ کرسی نامہ شیخ ثناء اللہ ضمیمہ ۴ میں آپ کا نام نظام الدین لکھا ہے۔ باقی سب جگہ مفتی شیخ نظام لکھا ہے۔ آپ کی پانچ مہریں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان میں سے پہلی مہر ۹۸۶ھ (۱۵۷۸ء) کی ہے اور آخری مہر ۵ رجب ۱۰۴۰ھ (۲۰ جنوری ۱۶۳۱ء) عہدِ شاہجہان کی ایک تحریر پر ہے۔ یعنی آپ

[1] (۱) گول متوسط مہر: "العبد نظام ابن شیخ محمد مفتی ۹۸۶" ۱۰ ربیع الثانی ۱۰۰۶ھ (۲) گول متوسط مہر "العبد نظام ابن شیخ محمد مفتی" ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۳۰ھ (۳) گول خورد مہر "العبد نظام ابن شیخ محمد مفتی" ۱۲ ذیقعد ۱۰۳۶ھ (۴) گول متوسط

کم از کم چون سال مفتی رہے۔

۹۔ **مفتی امان اللہ:** آپ مفتی نظام الدین کے فرزند اکبر تھے۔ کرسی نامہ شیخ ثناء الحق (ضمیمہ) میں آپ کو مفتی لکھا ہے۔ کنز الآثار میں دو تحریریں محفوظ ہیں جن سے آپ کا مفتی ہونا ثابت ہے چنانچہ نظیر، ۲ شعبان ۱۰۴۰ھ میں ہے "حبیب اللہ و قطب عالم ولد امان اللہ مفتی" اور ۲۵ ربیع الاول ۱۰۹۰ھ میں ہے "شیخ غلام محی الدین ولد قطب عالم بن شیخ امان اللہ مفتی" آپ کی وفات عہد شاہجہان میں ہوئی۔

۱۰۔ **مفتی حبیب اللہ:** مفتی امان اللہ کے فرزند اکبر تھے آپ ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۱ء) میں عہد شاہجہان میں منصبِ افتاء پر فائز ہوئے اور بیالیس سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ آپ کی اولاد میں سے آپ کے ہم نام الحاج قاری مفتی حبیب اللہ ثانی (دیباب ہذا) نے اپنی تصنیف اوراد حبیبیہ (۱۱۰۷ھ ۔ ۱۶۹۵ء) میں آپ کی ایک بیاض سے بعض مفید یادداشتیں نقل کی ہیں۔ ہم کا قدیم دارالعلوم آپ کی نگرانی میں اس قدر شہرت حاصل کر گیا تھا کہ اس کے ایک فارغ التحصیل حضرت مفتی عزیز اللہ شہید کو شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے شہزادوں کی تعلیم و تربیت پر مقرر کیا۔ اس مدرسہ کا ذکر آپ کے پوتے حضرت شاہ نصر اللہ نے اپنی مثنوی جنون المجانین میں بھی کیا ہے۔ جنہوں نے ابتدائی تعلیم اسی درس گاہ میں پائی۔ شاہ نصر اللہ نے سادگی کو اپنے جد کی خصوصیات قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے (ہیں):

نصرتی در مکتبِ مولائے خویش	گفت بسم اللہ و فارغ شد ز بیش
چوں معلم دید حالِ نصرتی	گفت خوش بخ بخ بقالِ نصرتی
آں حبیب اللہ مفتی جدِ من	بود روزے مقسم در حجۂ من
سادہ بود آں مرد از دیہم عقول	ظل خویش انداخت بر من آں فحول
سادگی ہائش مرا ہم سادہ کرد	ہم و تعلم بندہ از سجادہ کرد

آپ کی تین مُہریں مجموعی طور پر اٹھارہ تحریروں پر دستیاب ہوئی ہیں۔ نیز پانچ تحریروں کی نقل ہے آپ کی مُہر کی علامت ہے۔[1] یوں تو آپ سے پہلے اس خاندان کے کئی بزرگوں کے سنین

---

[1] کول متوسط مُہر "العبد حبیب اللہ بن شیخ امان اللہ مفتی" بر نقشہ مابعد ۱۰۵۱ھ، ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۹۲ھ ۔ ۔ رجب ۱۰۶۲ھ، ۔ جمادی الآخر ۔، ذیقعد ۱۰۶۰ھ ۔ (۲) مُہر: "شد حبیب اللہ مفتی مقتدی علماء دین" ۲۵ جمادی الاول ۱۰۹۲ھ ۔ شوال [illegible]

پیدائش محفوظ ہیں۔ مگر اولادِ حضرت قاضی قوام الدین میں ۔۔۔ تاریخ پیدائش محفوظ ہے۔ آپ شاہنشاہ جہانگیر کے عہد میں ۲۱ جنوری ۱۶۱۹ء (۴ صفر ۱۰۲۸ھ) کو تولد ہوئے اور شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۱۲ مئی ۱۶۸۲ء (۵ جمادی الاول ۱۰۹۳ھ) کو ہم میں فوت ہوگئے۔

۱۱۔ **مفتی عزیز اللہ شہید:** آپ مفتی حبیب اللہ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی مہر "شد عزیز اللہ مفتی مقتدی علماء دین ۱۰۹۳ھ" ہمارے پاس، جمادی الثانی و ۲ رجب ۱۰۹۷ھ کی تحریروں پر محفوظ ہے۔ کیونکہ مدرسہ عزیزیہ اور بعض شاہی خدمات کے سلسلہ میں آپ اکثر دہلی میں رہتے تھے۔ اس لیے آپ کی نیابت میں آپ کے فرزند خدمت افتاء کو انجام دیتے رہتے تھے۔ آپ کی شہادت ۴ محرم ۱۱۰۹ھ کو ہوئی۔ آپ کا تفصیلی حال اگلے باب میں آئے گا۔

۱۲۔ **مفتی محمد جعفر:** مفتی عزیز اللہ کی شہادت کے بعد پرگنہ ہم کی خدمتِ افتاء آپ کے برادرِ خورد مفتی محمد جعفر کے سپرد ہوئی اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے پانچ اور مفتی ہوئے۔ آپ کی مُہر "العبد محمد جعفر ولد شیخ حبیب اللہ مفتی ۱۱۰۹ھ" دستیاب ہو سکی ہے آپ ۱۱۰۹ھ ۱۶۹۷ء سے ۱۱۱۶ھ ۱۷۰۴ء تک عہد عالمگیر اورنگ زیب میں مفتی کے منصب پر فائز رہے۔

۱۳۔ **مفتی عبدالرزاق:** مفتی محمد جعفر کے فرزند اکبر تھے۔ اپنے والد کے بعد ۱۱۱۶ھ میں پرگنہ ہم کے مفتی مقرر ہوئے۔ آپ کی گول متوسط مُہر "عبدالرزاق ابن شیخ جعفر مفتی ۱۱۱۹ھ" ۹ رجب ۱۱۵۱ھ تک کی متعدد تحریروں پر پائی گئی ہے۔[1] آپ اتالیس سال خدمت افتاء انجام دیتے رہے

(حاشیہ از صفحہ گزشتہ) ۲۵ ربیع الاول ۱۰۵۶ھ ۔ (۲) مُہر: "شد حبیب اللہ مفتی مقتدی علمائے دین ۱۰۶۰ھ" ۲۲ ربیع الاول ۱۰۶۹ھ کی نقل جو بعد میں ہوئی۔ ۲۹ شعبان ۱۰۶۹ھ، ۱۱ محرم ۱۰۸۰ھ (۳) نشان مُہر مٹی: ۲۲ ربیع الاول ۱۰۶۹ھ، ۲۰ شعبان ۱۰۷۰ھ، ۱۱ محرم ۱۰۸۰ھ، غرہ ربیع الثانی ۱۰۸۱ھ، ۲۷ ربیع الاول ۔

حاشیہ صفحہ ہذا

[1] ۲ اور ۵ جمادی الاول ۱۱۲۸ھ، ۲۲ جمادی الآخر و ۲ شوال ۱۱۲۹ھ، ۱۲ ربیع الاول ۱۱۳۶ھ ۱۷ اور ۲۸ ربیع الاول و ۲ رجب ۱۱۳۰ھ، ۲۱ محرم و ربیع الثانی و ۲۵ و ۲۶ رجب ۱۱۴۲ھ، ۲۹ ربیع الثانی ۱۱۴۶ھ، ۹ رجب ۱۱۵۱ھ

۱۴۔ مفتی عبدالرحمٰن: مفتی محمد جعفر کے فرزند ثانی تھے آپ کی مربع متوسط طغرائی مہر "عبدالرحمٰن ابن محمد جعفر مفتی ۱۱۵۵ھ" ہمارے پاس موجود دس تحریروں پر محفوظ ہے۔ ۱۱۵۵ھ تک منصب افتاء پر فائز رہے۔

۱۵۔ مفتی محمد عثمان: مفتی عبدالرحمٰن کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ آپ کی خورد مثمن پہلو مہر "محمد عثمان ابن شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ محمد جعفر مفتی ۱۱۷۵ھ" بلا تاریخ مابعد ۱۱۶۵ھ ۱۴ رجب اور رجب ۱۱۷۹ھ کی تحریروں پر پائی گئی ہے۔ دو پشتوں کے بعد آپ کا نسلی سلسلہ منقطع ہو گیا۔

۱۶۔ مفتی حبیب اللہ ثانی: شیخ عبدالخالق بن مفتی عبدالرحمٰن بن مفتی محمد جعفر کے فرزند تھے۔ آپ کی گول متوسط مہر "شد حبیب اللہ مفتی زائر بیت العتیق ۱۱۸۹" ۵ محرم ۱۱۸۱ھ اور ۲ ربیع الثانی ۱۱۹۵ھ کی تحریروں پر موجود ہے۔ اول الذکر تحریر پر یہ مہر بعد میں بطور تصدیق لگائی گئی ہے۔ الحاج قاری مفتی حبیب اللہ ثانی دو مرتبہ حج کرنے گئے۔ پہلی مرتبہ ۱۱۸۱ھ یا اس سے قبل۔ اس مرتبہ کے حج کے سفر میں آپ نے علماء سے جو استفادہ کیا اسے ایک کتاب کی صورت میں قلم بند کر دیا۔ کتاب کا نام اورادِ حبیبیہ ہے اور سن تصنیف ۱۱۷۱ھ (۵۸-۱۷۵۷ء) ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ قاری وضاحت حسن صاحب (۶۷ ؍ ا) کے پاس ملتان میں ہے۔ اس کتاب کے مندرجات کی تفصیل ضمیمہ میں ملاحظہ ہوں مفتی حبیب اللہ ثانی کا سلسلۂ نسب آگے نہیں چلا۔

۱۷۔ مفتی غلام التقیا: آپ مفتی محمد جعفر کے سب سے چھوٹے فرزند شیخ غلام انبیاء کے فرزند ثانی تھے۔ معیار الانساب میں آپ کو مفتی لکھا ہے۔ آپ کی تین مہریں محفوظ رہ سکی ہیں تینوں خورد مستطیل شکل کی ہیں۔ پہلی مہر "غلام التقیا صدیقی ۱۱۶۹" دوسری "غلام التقیا ۱۱۸۲" اور تیسری "غلام التقیا ۱۲۰۹" ہے۔ ۵ شعبان ۱۲۲۹ھ کی ایک تحریر پر آپ کی مہر ہے اس کے نیچے قلم سے مفتی لکھا ہوا ہے۔ آپ کے زمانہ میں جھجر پر ایسٹ انڈیا کمپنی قبضہ ہو گیا تھا اور مفتی کی سرکاری حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے مہر پر لفظ مفتی نہیں ہے۔ آپ کی اولاد کا سلسلہ دو نسلوں کے بعد ختم ہو گیا۔ جھجر کے آخری مفتی غلام التقیا کے پو...

ے ۱۳ جمادی الاول ۱۱۹۸ھ، غرہ جمادی الثانی و ۱۲ جمادی الثانی و ۱۲ رمضان ۱۱۶۳ھ، غرہ رجب ۱۱۶۵ھ، ۱۲ ...

شیخ عظیم الدین بن امیر کبیر شیخ غلام المرتضی ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد افضل ... کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ نے حضرت ہادی ہریانہ کے حالات پر دو کتابیں تحریر کیں پہلی کتاب "صراط المستقیم" جو تفصیلی حالات پر مشتمل تھی اب مفقود ہے۔ دوسری کتاب "انیس الاتقیاء" جو مجمل حالات پر مشتمل ہے ہمارے مجموعۂ کتب کی زینت ہے۔

مفتی محمد جعفر بن مفتی حبیب اللہ کی اولاد سے پانچ مفتی ہوئے۔ ایک زمانہ تھا کہ یہ کنبہ علم و فضل اور دولت و ثروت کے اعتبار سے تمام علاقہ ہریانہ میں ممتاز تھا۔ مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے مظالم اور پھر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی دار و گیر نے یہ حالت کر دی کہ جنگ آزادی کے بعد اس بڑے اور معزز کنبہ سے صرف ایک فرد شیخ عطا حسین باقی رہ گئے اور وہ بھی جھجر میں روزگار کے ذرائع مسدود پا کر رہتک جا بسے۔ ان کی اولاد میں سے صرف چھ افراد حیات ہیں۔ ابرار حسن (۲۷)، محمد حسن (۲۰) اور صدیق الحسن (۲۸) شاجان اور تین بچے۔

مفتیانِ رہتک اور جھجر

پرگنہ جھجر کی مسندِ افتاء کو زینت دینے کے علاوہ اس خانوادہ سے بعض حضرات رہتک اور جھجر کے مفتی بھی رہے۔ جن میں مفتی ضیاء الدین (۵۹ ب) اور مفتی صدر الدین (۱۸ ب) کا تذکرہ باب میں آئے گا۔

(ج) سلسلۂ محتسبان

محتسب امن اور اخلاق عامہ کا نگران ہوتا تھا۔ پرگنہ جھجر کا یہ منصب بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کی ابتداء تک اس خاندان کے افراد کے پاس رہا۔ مفتی کے فرائض میں پہلے احتساب بھی شامل تھا۔ ساتویں مفتی شیخ محمد تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ کثرتِ کار کی وجہ سے ۱۱۰۱ھ میں مفتی کے فرائض سے احتساب نکال دیا گیا اور شیخ عبداللہ بن مفتی محمد اپنے والد کی حیات میں محتسب مقرر ہوئے۔

۱۔ شیخ عبداللہ: شیخ عبداللہ سے اوپر ان کی سات پشتیں پرگنہ جھجر کی خدمت افتاء انجام دیتی رہی تھیں۔ جن میں سے تین کے سپرد اس پرگنہ کی خدمتِ قضا بھی تھی۔ آپ سلسلۂ

محتسبان کے مورث اعلیٰ تھے اور اس منصب پر اپنے والد کی حیات میں ۹۷۱ھ/۱۵۶۳ء سے فائز ہوئے۔ یہ منصب بلا انقطاع آپ کی اولاد کے پاس نسلاً بعد نسلاً ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی دورِ حکومت تک رہا۔ شاہ اوحد مولوی بدر الدینؒ (باب ۳) اور حضرت شاہ غلام جیلانیؒ آپ کی اولاد سے تھے۔ آپ کی اولاد میں سے اس وقت پانچ سو تریپن (۵۵۳) افرادِ حیات ہیں جن کا ذکر باب میں ۹ و سے ۱۳۰ نمبروں پر آئے گا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محتسب کا منصب ایک معزز عہدہ ہوتا تھا اور محتسب کوتوالِ علاقہ ہونے کے علاوہ، علم و تحقیق کے کاموں میں بھی مشغول رہتا۔ آپ کی ایک متوسط مہر "عبداللہ بن محمد عبدالمجید حاکم کہ محتسب در شرع و محقق در دین خاتم شد" ۴ صفر ۹۹۹ھ سے ۲۶ ذیقعدہ ۱۰۲۶ھ (۵ نومبر ۱۶۱۷ء) عہد جہانگیری تک کی چھ تحریروں پر ہمارے پاس محفوظ ہے۔ط اس مہر کے ناموں میں مفتی عبدالمجید آپ کے دادا اور مفتی محمد حاکم پردادا تھے۔ فرمانِ اکبری مجریہ ۱۷ ربیع الثانی ۹۸۲ھ (ضمیمہ ۷) کی رُو سے آپ کو اور آپ کے لواحقین کو ۲۰۰ بیگھہ یعنی ۳۰۰ ایکڑ اراضی بطور مدد معاش ملی۔ آپ کی دختر نور بی بی کو جو زمین عطیہ دی تھی اس پر محمد نصیر خاں (خان خطاب ہے۔ ۴ ط ب) بن مفتی شیخ نظام الدین نے عہد جہانگیر میں محلہ قضات ہم کی مسجد موسوم بہ نرخی جی کی مسجد تعمیر کرائی۔

۶- **شیخ محمد فاضل:** شیخ عبداللہ محتسب کے فرزندِ اکبر تھے۔ آپ محتسب کے علاوہ نرخ نویس بھی تھے۔ نرخ نویس بازار کے اتار چڑھاؤ کے اعداد و شمار براہِ راست مرکزی حکومت کو بھیجتا تھا۔ ناپ تول کے پیمانوں کی پڑتال بھی اس کے فرائض میں تھی۔ یہ ایک قسم کا پرائس کنٹرول انسپکٹر ہوتا تھا۔ بعد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورِ حکومت کی ایک تحریر مورخہ ۲ مئی ۱۸۲۹ء (۲۷ شوال ۱۲۴۴ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ نرخ نویس کا حق الخدمت ایک آنہ فی دکان، آدھ سیر غلہ فی گاڑی، پاؤ سیر فی اونٹ، ایک چھٹانک فی مرکب ہوتا تھا۔ آپ کی مُہریں "بندہ فاضل ابن عبداللہ نرخی و محتسب است زام اللہ ۱۰۲۸" و "بندہ فاضل ابن شیخ عبداللہ نرخی و محتسب زام اللہ ۱۰۴۲" ۱۱ ۲۷ شوال ۱۰۱۰ھ عہد

ط ۱۷ صفر ۹۹۹ھ، ۱۶ ربیع الاول ۱۰۰۶ھ، ۱۷ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ، ۹ شعبان ۱۰۱۶ھ، ۱۹ ذی الحجہ ۱۰۲۰ھ، ۲۷ ذیقعدہ ۱۰۲۶ھ

اورنگ زیب عالمگیر تک کی سات نظائر پر موجود ہیں۔

آپ سے پہلے بھی خاندان سے نرخ نویس رہے ہیں جن میں سے ہمیں صرف دو کا علم ہو سکا۔ ایک سلسلہ قضاۃ کے شیخ عبدالصمد اور دوسرے سلسلہ خطیبیاں (باب ۲) سے محمد محمود ثانی ابن منتجبۃ المشائخ العظام شیخ محمد جیو خطیب۔ اول الذکر کے دستخط "عبدالصمد ولد عبدالرحیم نرخ نویس کتبہ بخطہ" ۹ شعبان ۱۰۱۲ھ کی تحریر پر پائے گئے ہیں اور ثانی الذکر کی مہر "شیخ محمود نرخ نویس ابن شیخ جیو خطیب" چھ تحریروں پر محفوظ ہے۔ ان کا مزید تذکرہ (باب ۲) میں آئے گا۔

۳- **شیخ محمد رستم:** شیخ محمد فاضل کے فرزند تھے۔ آپ کی مُہر "بندہ رستم ابن شیخ محمد فاضل نرخی و محتسب زام اللہ" ۴ رجب ۱۰۹۶ھ اور ربیع الاول ۱۱۰۰ھ کی تحریروں پر موجود ہے۔

۴- **شیخ نصیر الدین:** آپ کی مُہر "نصیر الدین ابن شیخ رستم محتسب احدٔ محمد شاہ بادشاہ" کے عہد کی متعدد تحریروں پر محفوظ ہے۔ط

۵- **شیخ شرف الدین:** آپ کی مہر "شیخ شرف الدین محتسب ولد شیخ نصیر الدین ۱۱۴۸ھ" رجب ۱۱۶۷ھ تک کی کئی تحریروں پر محفوظ ہے۔ آپ نے محلہ کی اس مسجد کی تعمیر نو کرائی جو نرخی جی کی مسجد کے نام سے معروف تھی۔ یہ مسجد پہلی مرتبہ عہد جہانگیر میں آپ کے جدامجد شیخ عبداللہ محتسب (باب ہذا) کی دختر نور بی بی کی زمین پر شیخ محمد نصیر خاں (خان خطاب ہے۔ ۴ ط ب) نے تعمیر کرائی تھی اس پر ایک کتبہ تھا:

عنوش نہادہ بنائے انور بیگ	مسجد شرف دیں بشہر ہم
سال تاریخش از خرد جستم	"عاقبت خوب" گفت خوش قلم
	۱۱۶۸

اس کتبہ میں انور بیگ حاکم شہر کا نام ہو سکتا ہے۔ اور شرف دین دراصل شیخ شرف الدین نرخ نویس و محتسب ہیں۔

ط مواہیر سے ثابت ہے کہ شیخ نصیر الدین محتسب اس خاندان سے چوتھے محتسب تھے اور شیخ محمد رستم محتسب کے فرزند تھے۔ آپ کی مہریں ہمارے پاس حسب ذیل تاریخوں کی تحریروں پر محفوظ ہے: ۲۸ شعبان ۱۱۲۵ھ، ۲۰ جمادی الثانی و ۱۰ شوال ۱۱۲۹ھ، ۱۸ ربیع الاول ۱۱۳۷ھ، ۶ اور ۲۰ ربیع الاول ۱۱۳۸ھ، ۱۲ اور ۱۵ محرم و ۱۰ ربیع الثانی و ۲۵ رجب ۱۱۴۲ھ، ۲۰ شوال و ۵ ذیقعدہ ۱۱۴۴ھ، ۹ ربیع الثانی ۱۱۴۷ھ، ۲۴ جمادی الاول ۱۱۴۸ھ، ۱۷ شعبان ۱۱۵۰ھ، ۹ رجب ۱۱۵۱ھ، ۲۴ رمضان ۱۱۶۲ھ

٦- شیخ عظیم الدین: آپ کی مہر "عظیم الدین محتسب بن شیخ شرف الدین" ۵ محرم ۱۱۸۱ھ سے ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء تک کی تحریروں پر موجود ہے۔ مہم پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا براہ راست قبضہ ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء میں ہوگیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کمپنی کے دورِ حکومت میں کچھ سال تک محتسب کا عہدہ برقرار رہا۔ آپ پرگنہ مہم کے آخری محتسب تھے۔ آپ کے پوتے شیخ قطب الدین بن شیخ کریم الدین ۱۸۵۷ء کی دارو گیر میں کہیں رُوپوش ہوگئے یا بجرم بغاوت میں پھانسی پاگئے۔ شیخ قطب الدین کے اکلوتے بیٹے شیخ بدرالدین تھے جن کے اکلوتے فرزند شیخ شہاب الدین لاولد فوت ہوئے اور اب اس سلسلہ محتسبان سے کوئی حیات نہیں۔

(۵) دیگر مناصب

اس باب میں اب تک پرگنہ مہم کے ان مناصب (قاضی، مفتی، محتسب اور زرخی) کا ذکر ہُوا ہے جو حضرت مولانا افتخار الدینؒ بن حضرت قاضی قوام الدین بجنیری ثم رہتکی کی اولاد میں تمام مسلم عہدِ حکومت میں رہے۔ ان کے علاوہ اس خانوادہ سے بعض حضرات شاہی دبیر، شاہی طبیب اور پنجہدار بھی رہے۔ شاہی دبیروں میں مفتی فضل اللہ بن مفتی قادن دبیرِ ہمایوں بادشاہ کا اسی باب میں ذکر ہوچکا ہے۔ شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دبیر مفتی عزیز اللہ شہیدؒ بن مفتی حبیب اللہ کا اگلے باب میں بیان ہوگا۔ مملکتِ اودھ کے چیف سیکرٹری شیخ وزیر الحق بن قاضی بہرام الحق (۳۱ ب) ریاست ٹونک کے چیف سیکرٹری پیرجی امین الدین ابن مولوی کریم الدین کا ذکر باب ۸ میں ہوگا۔

الباشے نوابین میں راجہ جودھپور کے طبیبِ خاص حکیم ببر علی کا ذکر باب ۹ میں ہوگا۔ مملکت اودھ سے منسلک دو گرامی الحاتہ حکیم عزیز الحق اور حکیم ولی اللہ کا ذکر یہاں کردیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا سلسلہ نسب منقطع ہوچکا ہے۔

حکیم عزیز الحق: آپ شیخ حفیظ الحق بن حکیم قاضی فضل الحق (۳۱ ب) کے فرزند تھے۔ والیٔ اودھ واجد علی شاہ کے طبیبِ خاص تھے اور لکھنؤ کے سرکاری دار الشفا کے ناظم۔ ایک موقعہ پر واجد علی شاہ بیمار ہوگئے۔ نازک مزاجی کسی دوا کی متحمل نہ تھی۔ حکیم عزیز الحق نے نرگس کی ٹٹیوں اور خواب گاہ کے چھڑکاؤ کے پانی میں دوا کا جوہر ملا دیا اور نواب واجد علی شاہ صحت یاب ہوگئے اور بارہ گاؤں انعام میں دیئے۔ یہ جاگیر زیادہ تر یوپی کے موجودہ ضلع کھیری لکھیم پور میں تھی۔ جن میں سے مواضعات گوکن، دلاور پور، افتخار نگر، حکیم پور گرنٹ، ایک ٹھکانا اور محمدی [illegible]

حکیم صاحب موصوف کی اولاد میں پانچ لڑکیاں تھیں۔ یہ جاگیر حکیم صاحب کی وفات ۱۸۵۵ء پر ان پانچ لڑکیوں اور مرحوم کے برادرِ بزرگ مولوی فیاض الحق (۳۱ ب) کو پہنچی۔ اسی جاگیر کی وجہ سے محمدی میں اولاد حضرت قاضی قوام الدینؒ کا ایک حصّہ آباد ہوگیا۔

حکیم ولی اللہ: حکیم احسن اللہ بن شیخ خیر اللہ کے فرزند تھے۔ آپ کے اجداد میں سے شیخ محمد محمود درج نویس اور منتخب المشائخ العظام شیخ محمد جیو کا اجمالی ذکر اس باب میں ہوچکا ہے اور مزید حالات باب ۶ میں درج ہوں گے۔ یہ مولانا کبیر الدین بن حضرت قاضی قوام الدینؒ کی اولاد سے تھے۔ نوابانِ اودھ کے طبیب تھے۔ لکھنؤ کے محلہ حسین گنج میں آپ کی اقامت تھی۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ جن میں صرف ایک فرزند بدیع الدین عرف حکیم صفدر علی کے صرف ایک فرزند ممتاز علی تھے۔ شجرہ الیاس میں ممتاز علی کے ایک فرزند کا نام غلام محی الدین لکھا ہُوا ہے جن کی بابت ہمیں مزید علم نہیں۔

مفتی عبدالرحمٰن بن مفتی محمد جعفر کے فرزند نصر الدولہ محمد احسان خاں بہادر نصرت جنگ شاہ عالم ثانی کے دورِ حکومت میں ریاست الوریا جے پور کی افواج کے کمانڈرانِ چیف تھے۔ اس سے پہلے آپ پرگنہ مہم کے امیرِ عدل بھی رہ چکے تھے۔ آپ کا مزید تذکرہ باب ۸ میں نمبر ۲ ب کے تحت کیا جائیگا۔

باب ۳

علماء و مشائخ سلسلۂ افتخاریہ

گزشتہ باب میں مولانا افتخار الدینؒ بن زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ کی اولاد میں سے صرف ان حضرات کا ذکر کیا گیا ہے جو مسلم عہدِ حکومت میں کسی سرکاری منصب پر فائز رہے۔ لیکن یہ سب حضرات محض منصب دار ہی نہیں تھے۔ انہی منصب داروں میں علما و مشائخ بھی تھے۔ ان میں سے بہت سے حضرات کا شعار تبلیغ و اشاعت دین رہا ہے۔ خانوادۂ افتخاریہ کے علماء و مشائخ میں سے جن جن کے حالات کا ہمیں علم ہو سکا ہے ان کا اس باب میں بیان ہوگا۔

حضرت مفتی عزیز اللہ شہیدؒ

ولادت: ہم۔ ضلع رہتک۔

شہادت: ۴ محرم ۱۱۰۹ھ ۱۳ جولائی ۱۶۹۷ء سونی پت ضلع رہتک۔

مفتی عزیز اللہ شہیدؒ کے جدِ اعلیٰ قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدینؒ بن حضرت قاضی قوام الدینؒ جنیدی ثم رہتکی کو ۶۸۷ھ ۱۲۸۸ء میں سلطان معز الدین کیقباد نے پرگنہ ہم کا قاضی اور مفتی بنا کر بھیجا۔ اس وقت سے بلا انقطاع خدمتِ افتاء مفتی شہید کے اجداد سر انجام دیتے رہے۔ آپ کے اجداد میں سے پرگنہ ہم کے دس مفتی ہوئے۔ جن میں تین قاضی بھی تھے۔ آپ کے والد بزرگوار مفتی حبیب اللہ ابنِ مفتی نظام الدین اس پرگنہ کے دسویں مفتی تھے۔ مفتی عزیز اللہ شہیدؒ نے ہم کے دار العلوم میں اپنے والد سے تعلیم حاصل کی جو اس مدرسہ کے سربراہ تھے۔

اس زمانہ تک دہلی نے علوم دین میں وہ مرکزیت حاصل نہ کی تھی جو اسے آپ کے پوتے شاہ نجم اللہؒ کے ہم عصر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے زمانہ میں حاصل ہوئی۔ شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے مولانا عزیز اللہ کے علم و فضل سے متاثر ہو کر انہیں دہلی میں قیام کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اورنگ زیب کا ابتدائی عہد حکومت تھا۔ قلعہ معلیٰ سے آپ کے تعلقات کی صحیح نوعیت تو متعلقہ فرامین تلف ہو جانے کی وجہ سے متعین نہ ہو سکی۔ البتہ ہمارے پاس تین شاہی فرامین مصدرہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۷۱ھ، ۹ جمادی الثانی ۱۰۷۲ھ اور ۲۹ ربیع الاول ۱۰۷۳ھ محفوظ ہیں جن پر آپ کی مہر "عزیز اللہ بندہ اورنگ زیب ۱۰۷۱" لگی ہوئی ہے۔ اس مہر کے اوپر مولانا عزیز اللہ کی قلم سے یہ حکم لکھا ہوا ہے کہ "حسب المسطور عمل نمانند" یہ ایک معمول تھا۔ ایسے شاہی فرامین صدر الصدور کی مہر سے صادر ہوا کرتے تھے۔ آپ صدر الصدور تو نہیں تھے ممکن ہے اس کے نائب ہوں یا شہنشاہ کے دبیر خاص۔

دہلی میں آپ کی ذات مرجع خاص و عام ہو گئی۔ آپ نے دہلی میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جسے ہم سہولت کے لئے آئندہ مدرسہ عزیزیہ دہلی کے نام سے یاد کریں گے۔ دہلی میں یہ مدرسہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد بزرگوار شاہ عبد الرحیمؒ (۱۰۵۴ھ - ۱۱۳۱ھ) کے مدرسہ رحیمیہ سے پہلے قائم ہوا تھا۔ کسی محقق کو اس کی تفصیلات ضرور دریافت کرنی چاہئیں۔ ہمیں اس مدرسہ کی ایک آدھ جھلک مفتی شہیدؒ کے فرزند حضرت شاہ نصر اللہؒ کی مثنوی جنون المجانین میں نظر آتی ہے۔ ۱۰۷۸ھ میں جب شاہ نصر اللہؒ کی عمر نو سال کی ہو گئی تو مفتی شہیدؒ نے انہیں اپنے مدرسہ میں پڑھانے کے لئے ہم سے طلب فرمایا۔ پہلے آپ کو قرآن ناظرہ پڑھایا پھر حفظ کرانا شروع کیا۔ مگر شاہ نصر اللہ شہیدؒ جلال دہلویؒ کے زیر اثر جذب و مستی کے عالم میں رہنے لگے اور اس خیال کا اظہار کیا کہ قرآن کے الفاظ علم معرفتِ خداوندی میں حارج ہیں تو والد بزرگوار نے سرزنش فرمائی کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ صحیح علم قرآن سے حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے قرآن، حدیث اور بزرگانِ دین کی لکھی ہوئی کتب خاص طور پر مولانا روم کی مثنوی معنوی اور شیخ ابن العربی کی کتابیں اپنے والد بزرگوار سے پڑھیں۔ اس سے مدرسہ عزیزیہ دہلی کے نصاب کا کچھ اندازہ ہوتا ہے وہاں علم قرآن کو اولیت حاصل تھی۔ حدیث، مغازی اور دیگر علماء کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ آپ کے فرزند اکبر حضرت حافظ مولانا شاہ رزق اللہ الملقب بحافظ عالم خاں اپنے وقت کے امام مغازی تھے وہ بھی اسی مدرسہ عزیزیہ دہلی کے فارغ التحصیل تھے۔ علاوہ حضرت شاہ نصر اللہؒ کے مفتی شہیدؒ کے تمام بیٹے، پوتے اور پڑپوتے حافظ قرآن تھے۔ مثنوی جنون المجانین کے متعلقہ اشعار یہ ہیں:

بعد ازاں نہ ساتگی برمن نمود — آیت ہجرت بمن آمد فرود
آیت ہجرت کتابِ والدی — آیت ہجرت خطابِ والدی
حضرت والد طلب کردہ مرا — شوق دیدارش طرب کردہ مرا
بعزیز اللہ نام پاک او — جامِ رحمت از خدا بر خاک او
أَضَلَّهُمُ اللهُ الرَّحِيمُ بِسِرِّهِ — قَدَّسَ اللهُ الكَرِيمُ بِسِرِّهِ
تا بدہلی رفتہ بودم اے جواد — روز اوّل جذبِ حق برمن فتاد
من زامرآں بزرگ راز گوئی — در کتابِ حق بکردم جستجوی
بچہ ایں اطفال کردم ختم او — لیک دل غافل نہ شد از فہم او
باپدر گفتم کاے استاد من — دل کشد از جاں بآں جواد من
تو مرا شلق زنی بر حفظ او — جذب حق فیاں کند از لفظ او
نورِ حق مارا بسوئے خود کشید — چشم حق مارا بروئے حق کشید
والدِ من گفت باس کاے پسر — ایں خیالت می برد از رہ گذر
رہ گذر یعنی صراطِ مستقیم — از چنیں وسواس بگذر شو علیم
ایں خیال و وہم شیطانی بود — علم قرآن خواں کہ رحمانی بود

ایں علوم و ایں تجلیات حق — شد مرا از فیض والد در سبق

باعث دیگر شنو اے مولوی — بود حبِ والدم در مثنوی
در نوازش ہائے خود آں اوستاد — می نوشتہ گاہے گاہے در رشاد
گاہے پسر من تو دارم یک نیاز — بر فصوص شیخ حق شرحے بساز
حل قرآن و حدیث پر طرب — حل مولانا و ہم شیخ عرب
بلکہ حل جملہ شور اہل حق — با عزیزہ خویش داری در سبق

ان اشعار سے مفتی عزیز اللہ شہیدؒ کے اپنے خیالات اور مدرسہ عزیزیہ کے نصاب پر معمولی سی روشنی پڑتی ہے۔ نہ معلوم اس مدرسے سے کس کس عالم نے تعلیم پائی۔ ہمیں اس مدرسے کے فارغ التحصیل علماء میں مفتی شہیدؒ کے نامور فرزندان — حافظ مولانا شاہ رزق اللہؒ، حضرت

شاہ نصر اللہؒ اور حافظ شاہ عبد اللہ — کے علاوہ مثنوی جنون المجانین سے ایک اور بزرگ کا نام معلوم ہو سکا ہے۔ یہ بزرگ سید امان اللہؒ تھے۔ اور شاہ نصر اللہؒ کے ہم کتب تھے۔ سید امان اللہ عہدِ اکبری کے مشہور بزرگ شیخ عبد الغنی سونی پتی کی اولاد سے تھے۔ شاہنشاہ اکبر نے امام ناصر الدین سونی پتی کے مزار کے نام دس دیہات کر کے شیخ عبد الغنیؒ کے سپرد کر دیئے تھے۔ اس پائے کے بزرگ تھے کہ حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کے والد بزرگوار ان کی ملاقات کے لئے مدت تک خواہاں رہے[1]۔ شاہ نصر اللہ فرماتے ہیں:

ایں جنوں زد جوش بر سید اماں — فیض با داریم ما زو ہمرہاں
ذرہ بے رنگی حق را در عیاں — یافتہ در جان خود آں بے نشاں
میر عبد اللہ میر عاشقاں — دوست می دارند او را در جہاں
اہلِ سنت دائماً با نصرت اند — عاشقان و عارفانِ حضرت اند
در زمانِ شاہ اکبر پیش ازیں — بود زیشاں سیدی از اہلِ دیں
نام آں شیخ خدا عبد الغنی — بود ز آتش فارغ از کبر و منی
در شریعت بود راسخ پائے او — در حقیقت با خدا ماوائے او
چند کس ز اولاد آں عبد الغنی — در شریعت دیدہ ام با روشنی
ہست از اولاد او سید اماں — رہنمائے اہل حق اندر جہاں
از امان اللہ شد اللہ یار — فاضل و صالح بعجز و انکسار
مشرب کشف و شہود اہلِ حق — وارد آں اللہ یارم در سبق

مدتے بودیم با او ہم سبق
پیشِ آں شیخ عزیز مہو حق

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی تصنیف امداد فی مآثر الاجداد میں شیخ عبد الغنی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ (توضیح ہماری ہے) "ایں فقیر از بعض احفاد شیخ عبد الغنی (سونی پتی بن عبد الحکیم) مذکور استماع نمود کہ وے رحمۃ اللہ علیہ عالم و متورع بود و جلال الدین اکبر بادشاہ او را مکرم و معظم داشتے۔ بعد ازاں کہ بادشاہ الحاد ورزید و از رشتہ الفت برگشت" (ص ۳) بادشاہ دوازدہ دیہ وقف مزار امام ناصر الدین در سونی پت (ضلع رہتک) کردہ شیخ عبد الغنی را متولی نمود۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی از شیخ مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ نقل کردہ کہ ایشاں فرمودند حضرت والدِ من مدتے جویاں بودند ملاقات شیخ عبد الغنی را کہ درویشے بود از شہر سونی پت بس معروف و بزرگ۔ (ص)

شاہ نصر اللہؒ نے مثنوی جنون المجانین اپنے والد بزرگوار مفتی عزیز اللہ شہیدؒ کے ایما پر لکھی تھی۔ اس کے کچھ شعر لکھ کر مصنف نے مفتی شہیدؒ کے ملاحظہ کے لیے پیش کیے۔ مفتی عزیز اللہ شہیدؒ نے انہیں پسند فرمایا اور اس پر یہ شعر لکھ دیا۔

جنون المجانین اے کارساز — قبول او فتد خدمت اہل ناز

آپ سلسلہ نقشبندیہ میں سید جلال دہلویؒ کے مرید تھے۔ جو سید ابو العلا اکبر آبادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ اس تعلق کی وجہ سے عمر کے آخری حصہ میں ایک ایسا دور بھی آیا کہ آپ علم الکلام سے بیزار اور وحدت وجود کے حامی ہو گئے۔ چنانچہ شاہ نصر اللہؒ فرماتے ہیں۔

والد و شیخم عزیز اللہ بود — عالم و فاضل خدا آگاہ بود
محو حق آں شیخ من عبد العزیز — مرشد من بود او در جملہ چیز
مستی توحید شطحیات حق — بود آخر در زبانش در سبق
از کلامی بود بیزار آں امام — در جہاں چوں نصرتی بود آں ہمام

اپنے والد بزرگوار مفتی حبیب اللہ کی وفات پر شیخ عزیز اللہ شہیدؒ پرگنہ مہم کے مفتی مقرر ہوئے۔ آپ کی مہر "شد عزیز اللہ مفتی مقتدی علماء دین ۱۰۹۳" ہمارے پاس ۶ جمادی اول اور ۲ رجب ۱۰۹۷ھ کی تحریروں پر محفوظ ہے۔ آپ کا قیام دہلی میں تھا اس لئے آپ کے فرزندان پرگنہ مہم کی خدمتِ افتاء انجام دیتے رہتے تھے۔

آپ کی شہادت غالباً شورش درگا داس میں اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۴ محرم ۱۱۰۹ھ / ۴ جولائی ۱۶۹۷ء کو سونی پت میں ہوئی۔ وہیں مرقد مبارک ہے۔ سونی پت آج کل ضلع رہتک کی ایک تحصیل کا صدر مقام ہے۔ حضرت شاہ نصر اللہ المتخلص نصرتی نے مثنوی جنون المجانین میں آپ کی تاریخ شہادت دی ہے۔

در جہاں وقتی چو شورش گرد — ہستی موہوم خود را دور کرد
اندر آں ہجرت صدر الانام — یک ہزار و یک صد و نہ بود تمام
در چہارم از محرم اے فلاں — گشت داخل در شہیدان جہاں
با حسین و با حسن شد روح او — برد کشتی در سلامت نوح او
مرقدش در شہر سونی پت روشن است — در زیارت زائراں را جوشن است
نصرتی در فوت او شد نوحہا
کرد با شور و فغان و نوحہا

مفتی عزیز اللہ شہیدؒ کے تین فرزند تھے۔ بڑے فرزند مولانا حافظ شاہ رزق اللہؒ، دوسرے حضرت شاہ نصر اللہ اور تیسرے حافظ شاہ عبد اللہؒ۔ ان تینوں کا ذکر اسی باب میں کیا جائے گا۔

مولانا حافظ شاہ رزق اللہؒ

ولادت: قبل ۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۴ء مہم ضلع رہتک۔

وفات: ۱۱ جمادی الاول ۱۱۶۸ھ / ۱۷۵۵ء سے کچھ قبل۔

آپ مفتی عزیز اللہ شہیدؒ ابن مفتی حبیب اللہ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ نے دہلی میں اپنے والد کے مدرسہ عزیزیہ میں تعلیم پائی۔ آپ کے علم و تقویٰ سے متاثر ہو کر آپ کو قلعہ معلی میں شہزادوں کی تعلیم پر مامور کیا گیا اور حافظ عالم خاں کا خطاب عطا فرمایا۔ شاہنشاہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد شاہ عالم، بہادر شاہ، جہاندار شاہ، فرخ سیر اور محمد شاہ کے عہدِ حکومت میں بھی آپ قلعہ معلی سے متعلق رہے۔ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے کی آپ کی ایک مہر "حافظ عالم خاں فدوی بادشاہ غازی" ہمارے پاس دو تحریروں پر محفوظ ہے۔ پہلی تحریر تخمیناً ۱۱۳۸ھ / ۱۷۲۶ء کی ہے اور دوسری ۸ شعبان [illegible] کی ہے۔ اول الذکر پر جو آپ کی مہر لگی ہوئی ہے اس کے نیچے آپ کی قلم سے یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں:

"اطلعت علیہ کتبہ احقر الفضلاء، تراب اقدام العلماء، خادم العلوم و مغازی حافظ عالم خاں مدرس المشہور دار الخلافہ شاہجہان آباد ہند جاگیردار و متوطن پرگنہ مہم سرکار حصار"

حضرت محمد یحییٰ المعروف بہ شاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ متوفی ۱۱۴۴ھ حضرت شاہ بدر الدینؒ ارباب ہذا کے پیر و مرشد تھے۔ شیخ وقت شاہ خوب اللہ نے بزرگانِ چشت کے حالات پر ایک کتاب ملوک الاعتقاد لکھی۔ جس کا مصنف علیہ الرحمۃ کی قلم مبارک کا لکھا ہوا ایک نسخہ ہمارے مجموعہ کتب کی زینت ہے۔ اس میں ایک مقام پر آپ نے حافظ عالم خاں سے اپنی ملاقات کا ذکر فرمایا ہے۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے۔ بحوالہ شیخ صدیقی ساکن مہم۔ آپ فرماتے ہیں کہ حافظ عالم خاں قلعہ معلی دہلی کی چوبی مسجد میں مدرس ہیں۔ انہوں نے فضیلت کو درویشی اور درویشی کو منصب داری سے ملا دیا ہے۔ سلسلہ علیہ میر ابو العلاء سے منسوب ہیں۔ مگر اس سلسلے سے باہر جو نقشبندی ہیں ان سے گہرے تعلقات ہیں۔

* ملاقات با حافظ محمد عالم خاں مدرس مسجد چوبی واقع درون قلعہ شاہجہان آباد کہ فضیلت

ما بدرویشی و درویشی را با منصب داری جمع کردہ اند و از منتسبان سلسلہ علیہ امیر ابوالعلا
اند قدس سرہ و با درویشان طریقہ نقشبندیہ غیر این سلسلہ سنیہ محرم تہا دارند ذکری ازین
مقولہ درمیان آمد و از تغیر نسبت تدبیر این طریقہ انیقہ و عدم آن تغیر مذکور کہ ہم گہ
نسبت علائیہ بضم عین ہمین نسبت علائیہ بفتح عین است در پیران ما ہرگز آن را تغیر
نداد فقط"

آپ کی وجہ سے دہلی میں تقریباً نصف صدی تک علم و عرفان کا چراغ روشن رہا۔ آپ کا انتقال ۱۱۵۵ھ سے پہلے ہوا کیونکہ ۱۱ جمادی الاول ۱۱۲۶ھ کی ایک تحریر میں آپ کو مرحوم لکھا ہے۔

حضرت شاہ نصر اللہ نصرتیؒ

ولادت: ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء مہم ضلع رہتک۔

وفات: ۱۴ رجب سن نامعلوم مہم۔

حضرت مفتی عزیز اللہ شہیدؒ بن مفتی حبیب اللہؒ کے فرزند ثانی شاہ نصر اللہؒ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں تولد ہوئے۔ آپ کی شادی قاضی محمد اسعد (باب ۲) قاضیٔ پرگنہ مہم کی دختر میمونہ سے ہوئی اور ایک دختر امتہ الرسول ہوئیں جن کی شادی حضرت شاہ نجم اللہؒ الملقب بہ حافظ عالم خاں سے ہوئی۔ یہ اتفاق ہے کہ آپ کی طرح آپ کے بعد خاندان کے تین اور چوٹی کے بزرگ شاہ کمال اللہ (باب ۵) شاہ غلام جیلانیؒ (باب ہذا) اور ہادیٔ ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضانؒ شہیدؒ کی بھی نسل نہ چلی۔ انسانی عظمت کی انتہا یہ ہے کہ وہ افسانہ بن جائے اور خاندان سے یہ مقام صرف حضرت شاہ نصر اللہ قدس سرہٗ کو حاصل ہوا ہے۔ ۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے حوادث میں ایک مثنوی موسوم بہ جنون المجانین کے علاوہ آپ سے متعلق تمام تحریری سرمایہ غارت ہو گیا۔ اہل کمال نے خوب لکھے ہیں۔ مگر خرق عادت واقعات کا ایک انبار رہ گیا ہے کہ عوام کے نزدیک یہی شان ولی اللہی ہے۔ ہم ایسی تین روایتیں نقل کرتے ہیں:

۱۔ حضرت شاہ نصر اللہؒ کے بھتیجے شاہ نجم اللہؒ قلعہ معلی دہلی میں کتاب دار یعنی شاہی کتب خانہ کے ناظم تھے۔ ایک روز شاہ نصر اللہؒ اس کتب خانہ میں تشریف لے گئے اور ایک کتاب طلب فرمائی۔ شاہ نجم اللہؒ نے کتابوں کی ایک گڈی پر چڑھ کر اوپر سے وہ کتاب اتار

دی۔ اس گڈی میں کلام پاک کا ایک نسخہ بھی تھا۔ اس جسارت پر آپ نے سرزنش فرمائی۔ نعوذ باللہ نجم اللہ نے کہا کہ اگر قرآن پر قرآن رکھ دیا جائے تو کیا ہرج ہے۔ اس غرور زہد و علم پر آپ نے اظہار ناراضگی فرمایا اور کہا کہ اگر تمہیں اپنے علم پر اس قدر ناز ہے تو آؤ اور قرآن کی پہلی سورت سناؤ۔ اس پر شاہ نجم اللہ اتنے حواس باختہ ہوئے کہ بسم اللہ بھی بھول گئے متصوفانہ زبان میں یوں کہئے کہ مرشد نے جو کچھ سکھایا تھا وہ اپنے تصرف باطنی سے واپس لے لیا۔ بھتیجے سے کہا کہ تم اس منصب کے اہل نہیں۔ میرے ساتھ چلو۔

۲۔ ایک روز ایک مرید ہم سفر تھا۔ راستہ میں دریا پڑا۔ شاہ نصر اللہؒ نے فرمایا میرا ہاتھ تھام لے اور نصر اللہ کا ورد کرتا چل۔ عین منجدھار میں پہنچے تھے کہ مرید نے پیر و مرشد کو اللہ کے نام کا ورد کرتے سنا تو وہ بھی بجائے نصر اللہ کے اللہ اللہ کہنے لگا۔ مگر وہ فوراً ہی ڈبکیاں لینے لگا۔ آپ نے اسے بازو سے سہارا دیا اور فرمایا: تجھے کیا معلوم اللہ کیا ہے۔ تو نصر اللہ کہتا چل۔ اس نے نصر اللہ کا ورد شروع کر دیا اور دونوں دریا کو پار کر گئے۔

۳۔ روایت ہے کہ آپ رویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیا کرتے تھے۔ ہمارے زمانہ میں بھی اس مقصد کے لئے بعض لوگ آپ کے مزار پر چلہ کشی کیا کرتے۔ آپ کی چچا زاد بہن بی بی ساجدہ زوجہ شاہ لطف اللہ سہ ہزاری و نائب گورنر لاہور کئی روز تک اصرار کرتی رہیں کہ زیارت کرائی جائے۔ ایک روز آپ نے فرمایا: اچھا تو لال جوڑا پہن کر خوشبو لگا لے۔ میں ابھی آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں یہ خاتون سج دھج کے بیٹھ گئیں۔ آپ باہر سے ان کے خاوند شاہ لطف اللہ کو بلا لائے اور فرمایا۔ لطف اللہ تیری بیوی کا تجھ سے دل بھر گیا ہے۔ دیکھ یہ دوسرے بیاہ کی تیاری کر رہی ہے۔ ان الفاظ نے اس عفیفہ پر بجلی کا کام کیا۔ وہ رونے لگیں اور روتے روتے سو گئیں اور زیارت رسول سے مشرف ہوئیں۔ یہ خاتون حضرت شاہ عبد الحکیم مہمی قدس سرہ العزیزؒ (باب ۵) کی والدہ محترمہ تھیں۔

قطع نظر ان زبانی روایات کے حضرت شاہ نصر اللہؒ کی تصانیف میں سے صرف ایک فارسی مثنوی جنون المجانین، محفوظ رہ گئی ہے۔ جس سے آپ کے حالات و معتقدات کا کچھ علم ہوتا ہے۔ ہمارے پیش نظر اس مثنوی کا جو قلمی نسخہ ہے اس کی کتابت مثنوی کی تصنیف سے اکثر سال بعد، ۸ ربیع الثانی ۱۱۷۷ھ (۱۲ ستمبر ۱۷۶۳ء) کو شاہ عالم ثانی کے عہد میں الور کے رنگ محل

میں تمام ہوئی۔ جیساکہ کاتب نے خاتمہ پر لکھا ہے:

"تمام شد نسخہ جنون المجانین در شرح فصوص الحکم شیخ محی الدین محمد بن علی العربی قدس سرہٗ فی علوم الاولیاء والملیین و بعضی واردات قدسیہ نیز خوانند و از بعضی بفصل الخطاب موشح گردانند۔ من کلام تراب الانبیاء والاولیاء مجنون الحق و مجذوب اللہ المسمی بغلام احمد عرف نصر اللہ سلمہ اللہ و ابقاہ و مد ظلہ علی من اجواہ فی الشہر ربیع الثانی بتاریخ ہفدہم فی الوقت یکپاس روز برآمدہ بود۔ یوم الاربعہ در بلدہ شہر الود پائین قلعہ در رنگ محل ترقیمت جنون المجانین شیخ ابوالحسن ولد شیخ امام الدین عرف شیخ چھنو۔ رب اغفر وارحم اللّٰھم ارحم جسد الکاتب من النار۔ فرد

من نوشتم صرف کردم روزگار
من نمانم ایں بماند روزگار

بعہد شاہ عالم غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ سنہ ۱۱۸۱ھ"

اس مثنوی کے کاتب اول مصنف علیہ الرحمہ کے خلیفہ شیخ عبدالواحد تھے چنانچہ فرماتے ہیں

کاتب ایں مثنوی عبدالوحید   اے خدا او را بکن شیخ رشید
فیض ربانی نصیبش کن مدام   جذب رحمانی بجنبش کن مدام

ان اشعار کے اوپر کاتب شیخ ابوالحسن نے یہ سرخی دی ہے:

"در تعریف خلیفہ عبدالواحد کہ کاتب ایں مثنوی جنون المجانین بود و نیز از برادری مصنف ہم بود نور اللہ مرقدہٗ"

شیخ عبدالواحد کی اولاد سے محمد فاروق، عبدالرؤف، منظور احمد اور احمد حسین صاحبان کا ذکر باب میں ۔۵ تا ۵۔۵ نمبر پر آئے گا۔

مثنوی کی اندرونی شہادت ہے کہ مصنف کا نام نصر اللہ اور تخلص نصرتی تھا۔ فنا فی الرسول ہونے کی نسبت سے اپنے آپ کو غلام احمد اور فنا فی اللہ ہونے کی حیثیت سے وجہ اللہ بلا تکلف لکھ دیتے تھے چنانچہ

بر غلام احمد خود کن نظر   تا شود مقبول اے خیر البشر

عبد رحماں آں امام دو مند   نام نصر اللہ وجہ اللہ کرد

عبدالرحمن مصنف علیہ الرحمہ کے مرشد تھے۔ شاہ نصر اللہؒ کے والد حضرت مفتی عزیز اللہ شہیدؒ ابن مفتی حبیب اللہ (باب) تھے

حضرت صدیق آں جد من است   حضرت فاروق آں سید من است

نصرتی صدیقی آمد در نسب   نصرتی نعمانی آمد در حسب

والد و شیخم عزیز اللہ بود   عالم و فاضل خدا آگاہ بود

آں حبیب اللہ مفتی جد من   بود زہدے ملتزم در جد من

مثنوی جنون المجانین کی تکمیل کے روز یعنی رمضان سنہ ۱۱۰۹ھ مطابق مارچ ۱۶۹۸ء کو اپنی عمر تینتیس سال بتائی ہے

سال عمر من سی و سہ سال بود   کایں جنون الاولیا در من فزود
از زمان ہجرت خیر الانام   یک ہزار و یک صد و نہ بود تمام
در نہم بودیم در شہر صیام   منتہا شد ایں کتاب نیک نام

اپنے وطن نم ضلع رہتک کا ذکر فرماتے ہیں:

ایں نمم را فتنہ الدجم بحراں   ور نمم ایں عم بعد از زمن محواں
اَلْحَمْدُ دَمُ السُّعُوْدِ فَمُ الاَکْبَر   حسن وجہ اللہ فیہ ھو الاتم
رَبِّہٖ فَانِیْ بِبَاقِیْ وَجْھِنَا   رَبَّنَا فَانِیْ بِبَاقِیْ وَجْھِنَا
ہادی شاں شو بدین احمدی   معرفت شاں دہ بنور سرمدی
دین و دنیا را بایشاں کن وفا   بر من مسکین خود کن ایں عطا

مثنوی میں اپنے چچا مفتی محمد جعفرؒ، برادر بزرگ مولانا حافظ شاہ رزق اللہ الملقب بحافظ عالم خاں (حافظ) برادر خورد شیخ عبداللہ (قاسم) خسر قاضی مجاہد اور برادری میں سے دو بزرگ محمد عاشق خطیب (باب ج) اور ان کے فرزند شیخ محمد زاہد کا نام بھی آیا ہے۔ ان میں سے صرف پہلے دو کی اولاد کا سلسلہ نسب جاری ہے۔

یا الٰہی من سپردم مر ترا   حافظ و قاسم دگر جعفر سخی

تا قیامت نام شاں را تازہ دار — فیض خود بر ہر سہ بے اندازہ دار

آں مجاہد قاضی ملک خدا — بر شریعت باد دائم مقتدا

خادمم را کن قبول خویشتن — تا شود فارغ ز دنیا ہمچو من

عاشق صدیق ما را کن قبول — قاتلِ زندیق ما را کن قبول

بر نواز من بدہ فیض نماز — بر کریم من بدہ فیض نیاز

آپ نے جس طرح راہ سلوک طے کی اس کا اس مثنوی میں کہیں کہیں ذکر آیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے ابتدائے عشق الٰہی ہے۔ طفلی میں مجھے جنون ہو گیا تھا۔ (جنون: دنیوی معاملے سے توجہ ہٹا کر ہمہ تن اللہ کی طرف مشغول ہو جانا) پانچ سال کی عمر میں اپنے جدِ بزرگوار مفتی حبیب اللہ متوفی ۱۲۰۲ھ کے مکتب میں حاضری دیا کرتا تھا۔ جس سے میرے خمیر میں سادگی پڑ گئی۔—

جس روز میرے جد مفتی حبیب اللہ نے میری رسم بسم اللہ ادا کرائی اسی روز میں سب کچھ سیکھ گیا۔ نو سال کی عمر میں والد بزرگوار نے مزید حصولِ علم کے لیے دہلی میں طلب کر لیا۔ وہاں میں سلسلۂ ابو العلائیہ کے ایک بزرگ سید جلالؒ کی پہلی ہی نظر میں سب پڑھا پڑھایا بھول گیا۔ سید جلالؒ نے پدر بزرگوار سے فرمایا کہ آپ کا سعادت مند بیٹا اس نو عمری میں قطب کے درجہ پر پہنچ گیا ہے۔ چالیس روز تک مجھ پر جذبِ حق کی واردات ہوتی رہیں تو حضرت والد نے فرمایا کہ علم دین حاصل کرو۔ ان کے ارشاد پر میں نے تعلیم قرآن حاصل کرنا شروع کی اور دوسرے بچوں کی طرح قرآن پاک ختم کر لیا مگر دل فہم قرآن سے غافل نہ تھا۔ پھر پدر بزرگوار سے جو میرے استاد بھی تھے عرض کیا کہ آپ مجھے قرآن حفظ کرا رہے ہیں اور میرا دل ہر وقت یاد الٰہی میں لگا رہتا ہے۔ مجھ پر نورِ حق کی تجلیات ہوتی رہتی ہیں۔ میں بے اختیار ہو جاتا ہوں۔ جس سے مجھے نسیان ہو گیا ہے اور میں دوسرے عالم میں رہنے لگا ہوں۔ حضرت والد صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اے بیٹے یہ شیطانی وہم ہے۔ علم قرآن حاصل کرو تاکہ یہ توہمات دور ہو جائیں۔ یہ صحیح ہے کہ تعلیم دین یعنی علم قرآن ہے اسی سے خدا راضی ہوتا ہے

آپ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں نے جلوۂ حق دیکھا اور بار بار یہ مشاہدہ ہوا۔ خدا نے مجھے بے حرفی علم پڑھایا جس کی تفہیم سے عقل عاجز ہے۔ ایک مدت تک پا برہنہ دیوانہ وار ویرانوں میں پھرتا رہا۔ کبھی وجد آ جاتا اور کبھی رقص کرنے لگتا یا شور کرنے لگتا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل کیا اور مجھے تمام علم حاصل ہو گیا۔ میں نے تمام مقامات سلوک طے

کر لیے۔ میری نظر سے اول و آخر اور ظاہر و باطن کا امتیاز اٹھ گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔—

بشنوید اے عاشقان با صفا — پارۂ حالِ من از راہِ وفا

نصرتی روزے کہ از مادر بزاد — غیرِ عشقِ حق از و نامد بیاد

سرِّ اَن اُعرَف از و ظاہر نمود — کُنتُ مخفیّاً از و با ہر نمود

نُصرتی را بُود در طفلی جنوں — اولیا بودند او را رہنموں

ہادیانِ راہ یعنی انبیا — ظلِّ شاں بر نصرتی بود اے فتا

نصرتی در مکتبِ مولائے خویش — گفت بسم اللہ و فارغ شد ز پیش

چوں معلم دید حالِ نصرتی — گفت خوش بخ بخ بقالِ نصرتی

آں حبیب اللہ مفتی جدِّ من — بود روزے معتصم در جسدِ من

سادہ بود آں مرد از وہم عقول — ظلِّ خویش انداخت بر من آں قبول

سادگی ہائیش مرا ہم سادہ کرد — وہم و عقل و علم بندہ از سجادہ کرد

بعد ازاں نہ سالگی بر من نمود — آیت ہجرت بمن آمد فزود

آیت ہجرت کتابِ والدی — آیت ہجرت خطابِ والدی

حضرتِ والد طلب کردہ مرا — شوقِ دیدارش طرب کردہ مرا

بد عزیز اللہ نامِ پاکِ او — جامِ رحمت از خدا بر خاکِ او

اَصلَحَہُ اللہ الرّحیمُ بِسرّہٖ — قدّسَ اللہُ الکریمُ سرّہٗ

در طلب از بہرِ علم خود شدم — مجملِ خود را مفصّل می بدم

تا بدہلی رفتہ بودم اے جواد — روزِ اوّل جذبِ حق بر من فتاد

جذبِ حق بر من چناں شورش نمود — کز الف با تا فراموشے فزود

یک نگاہِ سیدِ شاہِ جلال — کرد نفسِ ما دراں دم او حلال

من ز بیہوشی شدم مدہوشِ حق — من ز بیخویشی شدم از جوشِ حق

با پدر گفتا کہ ایں فرزندِ تو — قطبِ حق گردد سعادت مندِ تو

ایں بشارت داد ما را آں امام — در جنوں بودم چہل روزے تمام

بعد ازاں والد من گفت اے پسر — علمِ دینی را بخواں جانِ پدر

من ز امرِ آں بزرگ راز گوی — در کتابِ حق بکردم جستجوی

بچو ایں اطفال کردم ختم او — یک دل غافل نہ شد از فہم او
باپدر گفتم کہ اے استاد من — دل کشد از جاں بآں جوادِ من
میرسد بر من پیاپے نورِ حق — میرسد ایں بستیم از طورِ حق
طورِ حق یعنی خیالِ عنصری — خاک گردد در جلالِ اکبری
ہچو موسیٰ در روش پویم زخود — ہچو عیسیٰ راز میگویم زخود
روح ختم نہ پدر نہ مادرم — مست ختم نورِ حق اندر برم
ہستی خود را نمی یابم کہی — راہِ من گم شد نمی دانم رہی
تو مرا مشق زنی بر حفظِ او — جذبِ حق نسیاں کند از لفظِ او
جذبِ حق بر من فزاید بر دوام — سعی تو بر لفظِ قرآں مستدام
یا ز جذبِ حق فراموشی کنم — یا بایں شاہد ہم آغوشی کنم
جذبِ حق بر من نمی آرد بیاں — تو چہ می گوئی بمن اے مرد دیں
اختیارم نیست اے استادِ من — یک زماں دادی بدہ از دادِ من
نورِ حق ما را بسوئے خود کشید — چشمِ حق ما را بروئے حق کشید
اے پدر بگذار ما را اندکے — سوئے بیہوشی روم یک چندکے
بیہشی با من ہمی خوش آیدم — عالمے دیگر مرا می بایدم
والدِ من گفت با من کاے پسر — ایں خیالت می برد از رہگذر
رہگذر یعنی صراطِ مستقیم — از چنیں وسواس بگذر شو علیم
ایں خیال و وہم شیطانی بود — علمِ قرآں خواں کہ رحمانی بود
علم گر خوانی خدا دانی شود — سعی کن تا جہل تو فانی شود
اندراں ایام دیدم حق بخواب — گفت نصر اللہ ما را زود یاب
من ہمیشہ انتظارت می برم — سوئے من آ تا ترا من در برم
مدتے دیدم خدا را ایں چنیں — کرد با من التفات آں نازنیں
علمِ بے حرفی بمن تعلیم کرد — عقل کے ایں علم را تفہیم کرد
مدتے بیہوش و دیوانہ شدم — پا برہنہ سوئے ویرانہ شدم
گاہ دید و گاہ رقص و گاہ شور — گاہ ہمچو مرغ گاہے ہمچو مور

فضلِ حق بر من عنایت کرد جام — علمِ ظاہر شد ازو حاصل تمام
طالبانِ علم را فائق شدم — حق تعالیٰ را بخود ذائق شدم
بعد ازاں شوقِ خدا کلی نمود — ہستی حسّی و عقلم را ربود
طے شدہ ما را مقامات تمام — برد توحیدی خداوندی زمام

اعتبارِ اول و آخر برفت
امتیازِ باطن و ظاہر برفت

آپ نے تمام تعلیم اپنے والد مفتی عزیز اللہؒ سے پائی:

ایں علوم و ایں تجلیاتِ حق — شد مرا از فیضِ والد در سبق

والدِ شیخم عزیز اللہ بود — عالم و فاضل خدا آگاہ بود
محرمِ حق آں شیخِ من عبدالعزیز — مرشدِ من بود او در جملہ چیز

مثنوی کے آغاز میں مصنف نے سہروردیہ اور نقشبندیہ سلاسل کے ان خانوادوں کا ذکر کیا ہے جن سے آپ کو ارادت تھی۔ نو سال کی عمر میں آپ ابوالعلائی سلسلہ کے بزرگ سید جلال سے متاثر ہوئے اور ان کے انتقال پر ایک مدت تک ان کے روضہ پر خاکروبی کرتے رہے:

مدتے بر روضۂ شیخ جلال — خاک روبی کردہ ام من ماہ و سال

آپ سید جلال دہلوی کے پیر بھائی حضرت عبدالرحمٰن کے مرید تھے۔ تاریخ بیعت ۳ ربیع الاول [illegible] (۱۹ دسمبر ۱۷۶۶ء) ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کا مرقد قاسم کوٹ (راجستھان بھارت) میں ہے

قبلۂ من روئے رحمانی بود — کعبۂ من جانِ سبحانی بود
در ربیع الاولِ ماہ وفات — پائے بوسش حاکم شد اے ثقات
از زمانِ ہجرتِ خیر البشر — بود یک صد یک ہزاری خوش سیر
در سیوم تاریخ ماہ نقشبند — گشتہ ام از صوفیانِ حق پسند

آپ کا نقشبندیہ شجرۂ طریقت یہ ہے: شاہ نصر اللہ، حضرت عبدالرحمٰنؒ، شیخ لعل خانؒ، سید امیر ابوالعلاؒ (متوفی ۹ صفر ۱۰۶۱ھ ۲۲ جنوری ۱۶۵۱ء مرقد آگرہ)، خواجہ امیر عبداللہؒ خانش خواجہ محمد یحییٰ (ابن خواجہ ابوالفیض ابن خواجہ محمد عبداللہ ابن خواجہ عبیداللہ معروف باحرار)

حش خواجہ عبدالحق دبن خواجہ عبداللہ بن خواجہ عبیداللہ مذکور را جدش خواجہ عبیداللہ احرار، خواجہ
یعقوب چرخی، خواجہ بہاء الدین نقشبند صاحب طریقہ۔

فقہی مسلک میں حضرت شاہ نصر اللہؒ اہل سنت والجماعت تھے۔

نصرتی دارد عقائد را درست — بر طریق اہل سنت نیست سست

بوحنیفہ آں سراج امت است — پیشوائے عالماں ملت است
کوہ طور ایں دیدۂ بینا بود — بے علوم بوعلی سینا بود

مثنوی جنون المجانین میں حضرت شاہ نصر اللہؒ کے ذاتی حالات لکھنے کے بعد ہم مثنوی کا ذ[کر]
کرتے ہیں مصنف علام فرماتے ہیں کہ حضرت والد بزرگوار مفتی عزیز اللہ شہیدؒ نے خواہش کا اظہار فرما[یا]
کہ میں مثنوی معنوی کی طرز پر ایک مثنوی کہوں۔ جس میں قرآن، حدیث اور بزرگانِ دین کی تعلیمات
جو میں نے سبقاً سبقاً والد بزرگوار سے پڑھی ہیں ان کا بیان آ جائے۔ مثنوی مولانا روم اور شیخ اکبر کی
فصوص الحکم کے اہم مسائل کی اس میں خاص طور پر تشریح ہو۔ میں نے نو سے ابیات پر مشتمل ا[یک]
کا پہلا جنون نظم کر کے پیش کیا تو پدر بزرگوار نے اسے پسند فرمایا۔ بعد ازاں کئی سال تک کچھ نہ ک[ہہ]
سکا۔ جب مجھ پر حقیقت کا راز فاش ہو گیا میں نے اسے پھر نظم کرنا شروع کیا۔ فرماتے ہیں:

باعثِ دیگر شنو اے مولوی — بود حبِ والدم در مثنوی
از فصوصِ شیخ محی الدین عرب — اعتقادے داشتہ با صد طرب
در نوازشہائے خود آں اوستاد — می نوشتہ گاہ بے گاہے در رشاد
کاے پسر با من تو دارم یک نیاز — بر فصوصِ شیخ حق شرحے بساز
نظم باشد بر طریقِ مثنوی — مثنوی معنوی مولوی
حالِ قرآن و حدیث پر طرب — حل مولانا و ہم شیخ عرب
بلکہ حل جملہ شورِ اہلِ حق — با عزیزِ خویش داری در سبق
من ز بہرش در جنون خویشتن — از دلِ حق در یافتم اندر سخن
نو زدہ بیتے نوشتہ بہر او — تا شود راضی ز من آں راز جو
بود اول از جنوں ایں کتاب — دید و گفت از سر لطف ایں خطاب
کایں جنون الاولیا را کن تمام — وارداتِ خویش دہ با من مدام

وارداتِ واردات اولیا است — اقتباساتِ علوم انبیاء است
بعد چندے از شروع مثنوی — در گرفتہ بندہ را جذبِ قوی
مدتے خاموش بودم از کلام — سالہا مدہوش گشتم در انام
حیرتے آمد نصیبم ہر طرف — مدتے دیدم سراسر در شرف
بعد چندے جوش زد دریائے راز — چوں کلیم اللہ گشتم در نیاز

مثنوی جنون المجانین چار سو اڑتالیس صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ پر اوسطاً بارہ شعر ہیں
یعنی بیچ میں طویل سرخیاں اور نثری تشریحات ہیں۔ کل پانچ ہزار کے قریب اشعار ہیں۔ مصنف
علیہ الرحمۃ نے اسے حضرت شیخ محی الدین محمد ابن العربی کی کتاب فصوص الحکم کی شرح بتایا ہے
مگر یہ مثنوی ان معانی میں شرح نہیں کہ اس میں فصوص کی اشکال حل کی گئی ہوں۔ ہاں اس کا مرکزی
خیال ضرور فصوص سے لیا گیا ہے۔ اس میں مشائخ اور اولیا کی کسی تعلیم، تحریر یا واقعہ کو نظم
کر کے اس کا نام جنون رکھا ہے۔ لہٰذا جنون المجانین سے مراد ہے کہ ان بزرگوں کی باتیں جنہوں نے
دنیا کی دلچسپیوں سے کنارہ کش ہو کر صرف اللہ تعالےٰ سے سروکار رکھا۔ ہاں اس مثنوی میں اتنا
اہتمام ضرور کیا گیا ہے کہ جہاں انبیائے کرام کا ذکر آیا ہے وہاں جنون کی بجائے ذکر شمہ احوال
لکھا۔ مصنف نے اس مثنوی کے مندرجات سے تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

عروج مقام شیداں کہ بہ بیستی منکشف مے شود و از توجہ پیر کامل و ہدایت در راہ
سلوک، و شریعت و منزل ناسوت و نفس امارہ و طریقت و منزل ملکوت و نفس لوامہ
و حقیقت و منزل جبروت نفس ملہمہ و معرفت و منزل لاہوت و نفس مطمئنہ و مرتبہ روحا
و نور المنور و در شرح فصوص الحکم و تعریف شیخ محی الدین محمد بن علی العربی رحمۃ اللہ علیہ
لقب ایشاں شیخ اکبر و حالات و دیگراں اولیا اللہ تعالےٰ اکثر منسوخ نمودیم و تعریف
والد بزرگوار خود و بہ اولادشان ہائے دیگرہ احوال لطفی خویش و تعریف بلاقی نام سالکین کہ
بر ایشاں مبتلا شدہ بودم و پنج مناجات و ہم ختم کتاب و ہر یک قصہ علیحدہ علیحدہ
دریں کتاب ذکر کردہ خواہد شد۔

اس تعارف کے بعد ہم اس مثنوی سے بلا تبصرہ کچھ کلام درج کرتے ہیں۔ ممکن ہے ہماری طرح
بعض ناظرین بھی ان اشعار میں سے بعض پر چونک پڑیں لیکن ترتیب پر ہمیشہ یہ مشورہ سننے میں آیا ہے

گنگ ہے عاشقاں در کار رب — جوششِ عشق است نے ترکِ ادب

انتخاب از مثنوی جنون المجانین

جل و علم ایں ہر دو گشتہ آں حق   جامع الاضداد باشد شان حق

نیست رہبانیت اندر کیش من   کیش من اسلام، حق در پیش من

حبس انفاس و توجہ سوئے حق   شرک باشد پیش عارف در سبق

ہیچ حیدر از علوم احمدی[1]   باخبر شو از خودی در بے خودی

مَاصفا خُذ، مَاکَدِر دَعْ مذہبم   ذرہ ذرہ ما ادا دیت مشربم

من مرید ذرہ ہائے کائنات   من علام نیک دید با صد ثبات

عابد اسم الٰہی دہری است   منکر ایں اسم میداں تشری است

شیخ ابو الفتح آں قریش در شہور   معنی دہر آورد اندر نمود

دہر آمد عابد اسم الہ   لَا تَسُبُّوا الدَّهْر برخواں رمز شاہ

انبیاء اندر نبوت اسم دہر   پیش خود کردند اے دانائے شہر

شد ز دہر ایں اختلافات امور   دہر بردہ پور عمراں را بطور

معنی لو کان موسیٰ فی الحیات   ما وسعہ الا اتباعی فی الجنات

اختلاف طور ہائے عالماں   باعث دہر است پیش کاملاں

دہر دادہ جوش طوفاں را بنوح   دہر ابراہیم را دادہ فتوح

عارف و کامل بود دانائے دہر   صاحب حکمت بود بینائے دہر

تابع دہر است بینائے زماں   بندہ دہر است دانائے زماں

دہر آمد باعث اطوار خلق   دہر آمد قسم انوار خلق

---

[1] علامہ اقبالؒ کی مثنوی اسرار خودی سے ساڑھے دو سو سال پہلے یہ بات کہی گئی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے کلام کے شعر کی تعبیر کتنے بے جا نہ ہوگا۔

مظہر اعظم بود وقت اے پسر   وقت را دریاب اے نور بصر

وقت باشد سیف قاطع در جہاں   وقت خواید سر زماں سترِ نہاں

دہر دادہ جملہ عالم را نظام   دہر دادہ جملگی ما را قوام

مناجات گنجو الخرافات

از جنوں حالا شاجب ستے زنیم   ختم شورش بر خرافات زنیم

اے خدا ما ربِ ارباب تو ایم   اے خدا ما در نایابِ تو ایم

اے خدا از کد خدایان تو ایم   اے خدا ما بے نوایان تو ایم

اے خدا کردم ترا در بندگی   زیں سبب شرمندہ ام در زندگی

ہادی و مہدی توئی اے جان من   تو منی و من توئی بر ہان من

اے خدا من خالق و مخلوق تو   اے خدا من عاشق و معشوق تو

اے خدا گر من نبی بودم بجا   ایں خدائیہات کے بودی ترا

از منت آمد خدائی در وجود   از منت کردی ہمہ ملک شہود

از منت گشتی تو غفار و کریم   از منت گشتی تو ستار و رحیم

از منت گشتی تو بے نام و نشاں   از منت گشتی تو پیدا و نہاں

از منت رزاق عالم گشتہ   از منت انوار عالم گشتہ

از منت کردی تو ایں ارض و سما   از منت داری تو ایں فضل و عطا

از منت قرآن خود کردی ظہور   از منت انوار حق دادی بطور

وقت آں آمد کہ بر ختم جنوں   با تو گویم از جنوں اے رہنمو

بے تو من گر در گفتم محو کن   از جنون من ہرچہ گفتم عفو کن

توبہ کردم از خدائیہائے خویش   آدم من در جدائیہائے خویش

از طفیل مصطفےٰ نور وجود   نصرتی را در مدام اندر شہود

از طفیل مصطفےٰ اے ذوالمنن   نصرتی را کن ازاں خویشتن

اس مناجات کے ہم نے تمام اشعار نقل نہیں کئے ہیں۔

شاہ نجم اللہ قدس سرہ

پیدائش ۱۱۰۳ھ ۱۶۹۱ء

وفات ۲۴ محرم ۱۱۸۹ھ ۲۵ مارچ ۱۷۷۵ء

حضرت مولانا شاہ رزق اللہ الملقب بہ حافظ عالم خاں ابن مفتی عزیز اللہ شہیدؒ کے جلیل القدر فرزند، صوفی، حافظ، طبیب، عالم، مدرس، مصنف اور منصبدار تھے۔ محمد شاہ بادشاہ نے آپ کے والد بزرگوار کی وفات پر آپ کو بھی حافظ عالم خاں کا خطاب دے کر قلعہ معلی میں شہزادوں کی تعلیم پر مامور کیا۔ آپ شاہی کتاب دار یعنی ناظم کتب خانہ شاہی بھی تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت میں ۱۱۰۳ھ ۱۶۹۱ء میں تولد ہوئے اور چھیاسی سال کی عمر پاکر ۲۵ مارچ ۱۷۷۵ء (۲۴ محرم ۱۱۸۹ھ) کو شاہ عالم ثانی کے عہد میں دہلی میں انتقال ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے ہم عصر اور عمر میں ان سے ایک سال بڑے تھے۔ متاخرین کی غفلت سے اس جلیل القدر ہستی کے کارنامے محو ہو چکے ہیں۔ آپ کی تصانیف میں سے زمانہ کی دست برد سے صرف ایک کتاب نجم الثاقب بچی رہ گئی تھی وہ ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گئی۔ اب صرف چار قدیم تحریروں میں آپ کے بارے میں چند اشارات دستیاب ہو سکے جنہیں تبرکاً یہاں درج کیا جاتا ہے۔

ہمارے مجموعہ کتب میں ایک قلمی کتاب انشاء محمدی ہے۔ اس کے دیباچہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت شاہ نجم اللہ قدس سرہ العزیز الملقب بحافظ عالم خاں ترک دنیا کے مروجہ غلط مفہوم کے قائل نہ تھے:

"خاکپائے درویشاں مسیح الزماں زاہدی ہانسوی المخاطب بمحمدی قادری ملتمس است بخدمت صاحبان سخن و سخن پرورانِ والا فن کہ از فراہم آوردن چندی رقعات بعلیس قریب الفہم مقصود نہ آں است کہ خود را در زمرہ منشیاں گرداند بلکہ اطاعت امر والا مرشدی علیہ الرحمۃ شیخ نجم اللہ المخاطب بحافظ عالم خاں بر برد و مغفور ساکن پرگنہ ہم کہ با تقضائی الطاف کریمانہ و اشفاق مربیانہ در حالت حیات بزبان گوہر فشاں مینت ترجمان فرمودہ بودند کہ تصنیف و تالیف بنابر فائدہ عوام منجملہ طاعات و حسنات است و خالی از ثواب عظیم نیست۔"

حضرت شاہ سلام اللہ (راقم) نے اپنی مثنوی و کلیات کے خاتمہ پر ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۲ء

میں یہ نوٹ دیا۔

"بدانکہ شاہ نجم اللہ صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ چوں اول بیعت در طریقہ نقشبندیہ از عبد اللطیف قدس سرہ نمودند خود را در طریقہ نقشبندیہ نمودہ شدہ ہم قادری و چشتی و سہروردی۔ چنانچہ از کتاب مستطاب مسمّٰی بہ نجم الثاقب کہ تصنیف ایشاں است معلوم می شود۔ حضرت شاہ نجم اللہ صاحب سلمہ اللہ از حضرت شاہ عبد اللطیف و ایشاں از حضرت سید جلال دہلوی و ایشاں از حضرت میر ابو العلا قدس سرہٗ۔"

کنز الآثار میں آپ کی ایک چوکور مہر سنہ جلوس عالمگیر ثانی ۱۱۷۳ھ (۶۰-۱۷۵۹ء) کی نظیر یہ ہے۔ آپ کے دستخط "حافظ عالم خاں عرف شیخ نجم اللہ خط" غرہ جمادی الثانی ۱۱۶۲ھ ۲۲ ربیع الاول ۱۱۷۰ھ اور ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۷۱ھ کے تحریر کردہ کاغذات پر ہے۔ نیز آپ کے دستخط "حافظ عالم خاں بن حافظ عالم خاں مرحوم" ۱۱ جمادی الاول ۱۲۰۸ھ کی نظیر یہ موجود ہیں۔ آپ اپنے چچا حضرت شاہ نصر اللہ کے داماد تھے۔

حضرت حافظ شاہ نجم اللہ قدس سرہ العزیز المخاطب بحافظ عالم خاں بن حضرت حافظ شاہ رزق اللہ المخاطب بحافظ عالم خاں بن مفتی عزیز اللہ شہیدؒ کی اولاد سے اب انتیس افراد حیات ہیں جن میں یہ خاکسار مصنف بھی ہے۔

حضرت شاہ سلام اللہ آپ حافظ علیم اللہ بن حافظ عبد اللہ بن حضرت مفتی عزیز اللہ شہیدؒ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ شاہ نجم اللہ کے بھتیجے اور ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے خسر تھے۔ آپ کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ اس باکمال ہستی کے حالاتِ زندگی بھی دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔ حضرت شاہ نجم اللہ کی وفات کے بعد آپ ان کی جگہ قلعہ معلی میں شہزادیوں کی تعلیم پر مامور ہوئے۔ حالات خواتین (قلمی) مصنفہ عائشہ بیگم صاحبہ مرحومہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دہلی میں رہا کرتے تھے اور مالی حالت بہت اچھی تھی۔

آپ حضرت شاہ عبد العزیز فاروقی محدث دہلویؒ کے ہم عصر تھے۔ آپ کی وساطت سے چودہ سال کی عمر میں حضرت شاہ محمد رمضانؒ (راقم) حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ شاہ عبد القادرؒ نے کلام پاک کا اردو میں جو ترجمہ کیا ہے اس کی زبان ہریانی ہے۔ جبکہ مترجم علیہ الرحمہ کی اپنی زبان دہلی کی ٹکسالی اردو تھی۔ ایک روایت ہے کہ اس ترجمہ کی زبان میں حضرت شاہ سلام اللہ کا ہاتھ تھا۔ آپ کا مرقد مبارک بمقام دہلی مہندیوں میں حضرت شاہ عبد العزیز

محدث دہلویؒ کی خانقاہ میں ہے۔

روضۃ الرضوان میں آپ کا ایک کشف درج ہے۔ توسین ہماری ہیں:

"دہلی میں آپ کے دیاری ہرہانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے خسر مولانا محمد سلام اللہ صاحب کو جو روحانی تار پہنچا اس کی کیفیت جناب نانی صاحبہ یعنی حضرت شہید علیہ الرحمہ کی زوجہ محترمہ (بنت شاہ سلام اللہ) اس طرح بیان فرماتی ہیں کہ عجیب اتفاق تھا کہ عین شہادت کے روز یعنی ۲۰ جمادی الاول سنہ ۱۲۴۱ھ کو اپنے والدین کے ہاں دہلی پہنچی مجھے دیکھتے ہی حضرت والد فرمانے لگے کہ تم کیوں آگئی ہو اور پھر میری والدہ کو مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ اس کو جلد رخصت کر دو۔ والدہ صاحبہ کو آپ کا یہ فرمانا برا معلوم ہوا اور وہ شکوہ کرنے لگیں تو انہوں نے ملامت سے فرمایا کہ اس کا اپنے گھر ہی چلا جانا بہتر ہے۔ اس کی تھوڑی دیر بعد بیٹھے بیٹھے آپ نے ایک نعرہ مارا اور کہا ہائے افسوس دوسری جانگساہی بھی ٹوٹ گئی۔ یہ کہہ کر چارپائی سے لیٹ گئے کہ آٹھ روز تک چارپائی سے نہ اٹھے۔ جمعرات کا دن آیا تو حسبِ معمول والدہ صاحبہ نے ارواح اموات کے لئے ایصال ثواب کا سامان کیا۔ آپ نے فاتحہ دی اور فرمایا کہ میں نے تو محمد رمضان کی بھی فاتحہ دے دی ہے۔ کیونکہ ان کی روح مجھے عالم ارواح میں نظر آ رہی ہے۔ اس کے بعد مجھے بہت جلد واپس کر دیا چنانچہ وہاں (مہم) پہنچ کر چند روز بعد ہی مندسور (وسط ہند) سے آپ کی شہادت کی ظاہرہ خبر بھی آ پہنچی (ص ۲۱۱)"

اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ۱۷ فروری سنہ ۱۸۲۶ء تک حیات تھے۔ اسی کنبے کے ایک بزرگ حضرت شیخ امیر اللہ شہید جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء (۲۵ ب) نے اپنی بیاض میں مندرجہ ذیل نوٹ دیا ہے:

"خاتمہ مثنوی منظومہ و کلیات مصنفہ شاہ سلام اللہ صاحب بدستخط خاص: تمام شد بتاریخ بست و ششم شہر شعبان المعظم سنہ ۱۱۹۲ھ۔ سلام اللہ الصدیقی الحنفی والمہدی غفر اللہ لہ ولوالدین خیر حسن علیہا ..... ی در قصبہ مہم سرکار حصار در حویلی شاہ ہدایت مرحوم وقتیکہ پاس روز برآمدہ باشد از عہد شعب"

اس اقتباس میں منقوطہ جگہ سے کاغذ پھٹا ہوا ہے۔ اس کلیات سے شیخ امیر اللہ شہید (۲۵) نے وہ نظم بھی نقل کی ہے جس کا منظوم اردو ترجمہ ہم خطبات حمی میں جمعہ کے خطبوں میں سنتے آئے

ہیں۔ ہم کہیں کہیں سے اس کے چار شعر نقل کرتے ہیں:

چو عمر از دہ گذشتہ تا کہ دانست — نشاید مرترا چو غافلاں زیست
نشاط عمر باشد تا بسی سال — چو چہل آمد فرو ریزد پر و بال
پس از پنجہ نماند تندرستی — فزوید در تن تو ضعف و سستی
چو شصت آمد نشست آمد بدیدار — بسن ہفتاد ماند زالت کار

حکومت وقت کی نظروں میں حضرت شاہ سلام اللہ کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ بار بار کے انعام و اکرام سے ہوتا ہے۔ نیز اس امر سے ہوتا ہے کہ شاہ عالم ثانی بادشاہ نے اپنے دورِ عسرت میں آپ کے والد بزرگوار حافظ علیم اللہ کے چار روپے یومیہ نقد مقرر کیے ہوئے تھے۔ واضح ہے کہ اس دور میں قصبہ میں ایک بنی بنائی حویلی اسی روپے کو مل جاتی تھی اور قاضی پرگنہ کو چار آنہ یومیہ اور سو روپے سالانہ اور خلعت عیدین ملتے تھے۔ اس وقت چار روپے کی قوتِ خرید آج کل کے اسی روپے کے برابر تھی۔ ہم یہ فرمان حرف بحرف نقل کرتے ہیں۔ اس پر بخشی الملک سیف الدولہ نجف قلی خاں بہادر مظفر جنگ فدوی بادشاہ غازی شاہ عالم ۱۱۹۶ سنہ ۲۴ گول مہر لگی ہوئی ہے۔

متصدیان حال و استقبال پرگنہ قصبہ مہم بدانند حافظ علیم اللہ بوجہ معیشت نداشت لہذا ونظر پرداخت مبلغ چار روپیہ یومیہ بر آمدنی سائر راہداری پرگنہ مذکور از حضور مقرر کردہ شد۔ باید کہ وجہ یومیہ مذکور ہر روز بلا ناغہ از آمدنی سائر چبوترہ راہداری پرگنہ مسطور بحافظ مذکور رسانیدہ باشند کہ صرف مایحتاج خود کردہ بدعاء ازدیاد عمر و دولت مشغول مواظبت باشد۔ مرقوم دوم ربیع الاول

شاہ اوحد مولوی بدرالدین چشتی القادریؒ

ولادت: سنہ ۱۱۱۵ھ سنہ ۱۷۰۳ء مہم ضلع رہتک

وفات: ۲۶ شوال سنہ ۱۲۰۵ھ ۵ مئی سنہ ۱۷۹۱ء مکہ معظمہ

شیخ عبداللہ بن مفتی محمد عہد اکبری میں پرگنہ مہم کے محتسب تھے۔ آپ کے برادر اکبر مفتی نظام الدین اسی پرگنہ کے منصب افتاء پر فائز تھے۔ مفتی نظام الدین کی اولاد میں سے بعض علماء مفتی عزیز اللہ شہیدؒ، شاہ رزق اللہؒ، شاہ نصر اللہؒ، شاہ نجم اللہؒ اور شاہ سلام اللہؒ کا اجمالی تذکرہ اسی باب میں کیا جا چکا ہے۔ شیخ عبداللہ محتسب کے حالات گزشتہ باب میں فصل محتسبان

میں درج ہو چکے ہیں۔ آپ کی وفات پر خدمت احتساب آپ کے فرزند اکبر شیخ محمد فاضل اور ان
کی اولاد کے سپرد رہا۔ شیخ عبداللہ محتسب کے دوسرے فرزند شیخ محمد حاتم تھے جن کے فرزند شیخ
عبدالرسول کا نام معیار الانساب میں غلام رسول لکھا ہے۔ مگر معرف الانساب، اسناد الاشجار، ذخیرہ
اور کنز الانساب میں ہر جگہ عبدالرسول نام لکھا ہوا ہے۔ ۱۲ محرم ۱۰۸۰ھ ۵ جون ۱۶۶۹ء عہد اورنگ
زیب عالمگیر کے ایک قسمت نامہ میں آپ کی اپنی مہر کے دستخط ہیں: "عبدالرسول ولد شیخ حاتم"
بخط آپ کے فرزند شیخ عبدالکریم اور ان کے فرزند مولوی فخرالدین تھے۔

مولوی فخرالدینؒ کے اجداد ۱۰۰۶ھ ۱۵۹۷ء سے مہم میں رہتے تھے۔ آپ کی پیدائش بھی
اسی شہر میں ہوئی۔ آپ ۹ جمادی الثانی ۱۱۵۱ھ ۱۷۳۸ء سے پہلے عہد محمد شاہ بادشاہ میں اپنے
وطن مہم کو چھوڑ کر رہتک میں اقامت اختیار کر چکے تھے کیونکہ اس تاریخ کی ایک تحریر میں درج
ہے کہ آپ نے محمد واسع وغیرہ ساکنان قلعہ رہتک کو آٹھ روپے قرض دیے۔ ۱۰ شعبان
۱۱۶۰ھ اور ۱۰ رمضان ۱۱۶۳ھ کے بیع ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تاریخوں کو آپ نے
اپنی مہم والی جائداد فروخت کر دی۔ آپ کی اولاد میں سے اس وقت پانچ سو پچپن افراد حیات
ہیں۔ اولاد حضرت قاضی قوام الدینؒ میں سے آپ کے کسی ہم عصر کی اتنی اولاد نہیں۔ آپ
کے فرزندان میں سے تین فرزند شاہ بدرالدینؒ، مولوی بدیع الدین اور شیخ صدرالدین کا سلسلہ
اولاد جاری ہے۔

شاہ بدرالدینؒ عہد اورنگ زیب عالمگیر میں ۱۱۱۵ھ ۱۷۰۳ء میں مہم میں تولد ہوئے
مہم میں آپ اس مکان میں رہتے تھے جو نزلی جی کی مسجد کے شمال میں سڑک پار واقع تھا اور
بعد میں قاضی والا کے نام سے معروف ہوا۔ یہ مسجد آپ کے جد اعلیٰ شیخ عبداللہ محتسب کی دختر
نوری بی کی زمین پر عہد جہانگیر میں تعمیر کرائی گئی تھی۔ آپ نے اپنے والد بزرگوار کے ساتھ
ترک وطن کر کے قلعہ رہتک میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کے فرزند حضرت شاہ غلام جیلانیؒ
نے اسناد الاشجار میں ایک جگہ آپ کو مہمی وطناً اور دوسری جگہ مہمی وطناً رہتکی سکنۃً لکھا ہے
شاہ فرخ سیر کے نام پر ہریانہ کے حاکم دلیل خاں بلوچ الملقب نواب فوجدار خاں
نے گوڑ گاؤں سے تیرہ میل کے فاصلے پر فرخ نگر شہر آباد کیا۔ جب اس نئے شہر میں ایک

۱؎ چہار لیاں سلوک ص ۱۰۸ ۲؎ اسناد الاشجار ذخیرہ (۱) نیز رسالہ نبض نگر مصنفہ شاہ امام الدین
بن شاہ صلاح الدین بن شاہ بدرالدینؒ

مدرسہ قائم کیا جانے لگا تو یہی نواب مہم سے حضرت شاہ بدرالدینؒ کو فرخ نگر لے گیا اور
اس مدرسہ کی صدارت آپ کو پیش کی۔ یہاں ایک شب آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے خواب میں بشارت دی کہ شیخ محمد گمتھلی آئیں گے۔ ان کا خرقہ قبول کر لینا۔ گمتھلا انبالہ کے
پاس ہے۔ آپ ان کے انتظار میں رہے۔ ایک روز حضرت شیخ محمد تشریف لائے اور معانقہ
معانقہ کیا۔ بس اس معانقہ نے آپ کا سینہ عشق الٰہی سے بھر دیا۔ آپ نے حضرت شیخ محمد گمتھلیؒ
سے خرقہ چشت طریق صابریہ پایا اور سلاسل خمسہ چشتیہ، صابریہ، قادریہ، سہروردیہ، مداریہ،
قلندریہ میں ماذون و مجاز ہوئے۔ یہ قبول خرقہ ۱۱۴۲ھ ۱۷۳۱ء سے پہلے کی بات ہے۔

آپ کے مستفیضین کی فہرست طویل ہے۔ آپ نے حضرت محمد حیات گنگوہیؒ ابن
شیخ محمد بن شیخ محمد صادق بن شیخ فتح اللہ بن شیخ نور اللہ بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ
سے خرقہ خلافت کے علاوہ خطاب چشتی القادری پایا اور حضرت نور قادری قیسی تبریزی
نے آپ کو خطاب اوحد شاہ دیا جس کی وجہ حضرت مراد شاہ لاہوریؒ نے یہ بتائی ہے۔

نہ شد او کسے از ہمسرانش — خطاب شاہ اوحد شد از انش

دوسرے کاملین جن سے آپ نے فیض پایا اور اجازت حاصل کی، شاہ عبداللہ جنیدیؒ،
حضرت شاہ کریم اللہ قادریؒ۔ شاہ نور قمر گجراتی، شاہ محمد فاخر الہ آبادی متوفی ۱۱۶۴ھ ۱۷۵۱ء اور
ان کے والد شیخ محمد یحییٰ المعروف بشاہ خوب اللہ الہ آبادیؒ متوفی ۱۱۴۴ھ ۱۷۳۱ء ہیں۔ کیونکہ
آپ کے منتسبین بکثرت ہیں۔ لہٰذا ہم نے ضروری سمجھا کہ آپ نے جو خلافت نامہ اپنے فرزند شاہ
غلام جیلانیؒ (باب ہذا) کو عطا فرمایا تھا اسے اس کتاب کے آخر میں ضمیمہ ۹ میں درج کر دیں
یہ خلافت نامہ اصل قاری وضاحت حسن صاحب (ر ۷ ل) کے پاس موجود ہے اور اسناد الاشجار
اور قانون سلوک میں بھی نقل ہو چکا ہے۔

حضرت شاہ بدرالدینؒ کی دینی خدمات اور زہد و اتقا سے متاثر ہو کر شاہ دہلی نے
آپ کو تین سو سات بیگھہ یعنی ۱۹۱ ایکڑ اراضی موضع کوتانہ ضلع میرٹھ اور موضع پاڑہ نواح
رہتک میں دی۔ اس کی تصدیق فرمان شاہی مجریہ ۱۱ رمضان ۱۱۸۲ھ کو مہر نواب نجیب خاں
کی رو سے ہوئی۔ یہ جاگیر ابواب مذرانہ سرکار اور پنجم حصہ سے بری تھی۔ ۱۱۸۳ھ میں اس جاگیر
کے لئے پھر سے تصدیق کی ضرورت پیش آئی تو شاہ عالم ثانی کی طرف سے ان کے ولی عہد نے

۱؎ قانون سلوک ۱۱۲ و ملت راجستانی ص ۵

اس کی تصدیق کی۔ یہ تصدیق نامہ محمد احسن الدین صاحب (۱۹۲ الو) کے پاس محفوظ ہے۔ پر کلاں بیضوی مہر ہے: "جواں بخت بہادر ولی عہد ابن شاہ عالم بادشاہ ابن بادشاہ محمد عزیز الدین عالمگیر ثانی ۲۴"۔ ہم اس فرمان کو یہاں نقل کرتے ہیں:

عاملان حال و استقبال پرگنہ رہتک سرکار حصار مضافات صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بدانند۔ حقائق و معارف آگاہ مولوی شاہ بدرالدین چشتی القادری بحضور التماس گزرانیده که املاک دعاگو در سواد قصبہ پرگنہ رہتک و بعضے دیہات آں جا از قدیم الایام مقرر است و ہمیشہ واگذاشت ماندہ امیدوار است کہ پروانہ واگذاشت بدستور سابق مرحمت شود۔ لہذا ارقام عنایت رقم مے شود کہ املاک حقائق آگاہ را بدستور سابق از حضور معاف و واگذاشت دانستہ از تعلقہ مومی و جہی مزاحم و معترض نشوند کہ حاصلات آں را صرف احتیاج خود نمودہ بدعائے دولت ابدیت مشغول باشد۔ دریں باب تاکید مزید دانستہ حسب المسطور عمل آرند۔ بتاریخ چہارم شہر صفر المظفر ۲۴ جلوس ارقام یافت" یعنی ۴ صفر ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۲ء۔

حقائق و معارف آگاہ مولوی شاہ بدرالدین چشتی القادری رہتک میں مرہٹہ گردی سے دل برداشتہ ہو گئے۔ ایک روایت ہے کہ جب ۱۷۸۵ء میں مرہٹے رہتک میں آئے تو ان کے سردار کو نہانے کے لئے ایک چوکی کی ضرورت پڑی۔ کسی نے بتایا کہ قلعہ میں ایک درویش سنگ مرمر کی چوکی پر بیٹھ کر عبادت کرتا ہے۔ چنانچہ کچھ مرہٹے آپ کے گھر آئے اور چوکی لے گئے۔ اس پر آپ نے اس شہر میں مزید قیام کو نامناسب سمجھتے ہوئے عزم اودھ کیا۔

اذکار قلندری میں پیر فرحت بخش نے اپنے پیر و مرشد اور برادر اکبر حضرت قلندر شاہ (۱۷۷۱ - ۱۸۲۹) کی سوانح عمری لکھی ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ہے۔ ہماری درخواست پر جناب ابوالفضل پیر غلام دستگیر نامی لاہوری متوفی ۱۹۶۱ء نے اسے ۱۹۵۶ء میں شائع کرایا۔ حضرت قلندر شاہ جناب نامی مرحوم کے خاندان سے ایک جلیل القدر بزرگ تھے۔ پنجاب میں سکھا شاہی کا دور دورہ ہوا تو پیر کرم شاہ لاہور سے لکھنؤ تشریف لے گئے۔ واپسی پر شاہجہان پور کے قریب ۱۸۱۱ء میں ٹھگوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کے اہل و عیال شاہجہان پور سے (یوپی کے ایک ضلع کا صدر مقام ہے) بانس بریلی چلے گئے۔ وہاں جاکر شہید کے فرزند مراد شاہ نے راجہ سورت سنگھ کی ملازمت اختیار کر لی اور یہ سلسلہ ملازمت

سال تک رہا۔ آپ کے بڑے بھائی قلندر شاہ بھی ساتھ تھے۔ اذکار قلندری [illegible] صفحہ تک تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ کس طرح حضرت قلندر شاہ حضرت شاہ بدرالدین کے حلقۂ مریدین میں شامل ہوئے۔ مصنف کتاب جو حضرت قلندر شاہ کے چھوٹے بھائی اور مرید تھے لکھتے ہیں (تلخیص و ترجمہ):

مولوی بدرالدین رہتکی کچھ عرصے سے رونق افروز بریلی تھے۔ حضرت قلندر شاہ نے آپ کا نام سنا تو دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اگلے روز بحر امواج، دریائے وجدان، شیر بیشۂ ولایت، نہنگ عمان ہدایت، حامی دین متین شاہ اوحد المعروف مولوی بدرالدین چشتی القادری کے در دولت پر حاضر ہو کر دربان کی معرفت اذن باریابی حاصل کیا اور اس خلاصۂ اولیا نے ان کے سپرد پانی اور استنجے کے ڈھیلے مہیا کرنے کی خدمت کی۔ یہی خاندان عقیدت سرشت کا طریقہ تھا۔ جب تک جناب مولوی صاحب سو نہ جاتے یہ در دولت پر حاضر رہتے۔ اسی عقیدت و خدمت میں ایک عرصہ گزر گیا مگر انہوں نے یہ تک نہ پوچھا کہ قلندر شاہ کہاں سے آئے ہو اور کس لئے آئے ہو۔ قلندر شاہ بڑی ریاضت و عبادت کرتے رہے اور نہایت اطاعت شعاری کے ساتھ حضرت کی خدمت میں مشغول رہے اور اپنی بیتابی کا اظہار بڑی ہی پُرزور غزلوں میں کرتے رہے۔ یہ غزلیں بھی اذکار قلندری میں درج ہیں۔ ایک روز اس احسن الوجود کا دریائے جود جوش میں آیا اور حضرت قلندر شاہ کو بیعت سے مشرف کیا۔

کچھ عرصہ بعد لکھنؤ میں اس ذات گرامی کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا۔ ماہ رمضان کے ابتدا میں شدت عارضہ تپ و اسہال ہوئی۔ عید کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو اس خوشی میں تیمارداروں اور عقیدت مندوں کا اجتماع ہوا۔ مگر زوال کے وقت عارضہ کا عود ہوا۔ ہر چند علاج کیا مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ بالآخر ۲۰ شوال ۱۲۰۲ھ ۱۷۸۸ء کو ظہر کے وقت آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ لکھنؤ میں محلہ ام نگر کے شمال میں ایک باغ ہے۔ اس مسجد کی پشت پر ایک وسیع و خوشنما قطعۂ زمین تھا وہیں دفن کیا گیا۔ حضرت قلندر شاہ نے اسی سال اس پر مسقف و منقش مقبرہ تعمیر کرایا اور خود اس مزار کی جاروب کشی کرتے رہے۔ اگلے سال مراقبہ میں تھے کہ اجازت

مل گئی اور حضرت قلندر شاہ نے مرقد کا طواف کر کے دوہلی شریف اور الہ آباد کے لئے روانہ ہوئے۔ وہاں چار سال گزار کر پھر ایک سال مرقد شاہ اوحد پر حاضر رہے۔ پھر اس خلاصہ اولیا شاہ اوحد کی روح پر فتوح نے حکم دیا کہ پنجاب جا کر گم گشتگان کو ہدایت کرو۔

حضرت قلندر شاہؒ کے برادر بزرگ غلام رکن الدین المعروف بہ شاہ مراد بخش متوفی ۱۲۱۵ھ ۱۷۹۶-۹۷ء بھی بریلی میں شاہ بدرالدینؒ کے مرید ہوئے۔ آپ کے حالات زندگی تاریخ جلیلہ مصنفہ پیر غلام دستگیر نامی اور پنجاب میں اردو مصنفہ حافظ محمود شیرانی سے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ ایک صوفی شاعر تھے اور صاحب دیوان تھے۔ اردو اور فارسی میں اس روانی سے شعر کہتے تھے کہ گویا یہ ان کی مادری زبانیں ہیں۔ میرامن دہلوی کا قصہ چہار درویش ابتدائی اردو نثر کا ایک شہ پارہ ہے۔ اسے میرامن نے ۱۸۰۱ء میں فارسی سے اردو جامہ پہنایا، مگر شاہ مراد بخش متوفی ۱۷۹۶-۹۷ء نے میرامن سے پہلے اسے اردو میں نظم کرنا شروع کیا تھا۔ آپ کی وفات کی وجہ سے یہ ادھورا رہ گیا۔ آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ نظم میں پہلی مرتبہ آپ نے لفظ اردو زبان کے معنوں میں استعمال کیا۔

یہ قصہ جو ہے چار درویش کا   اگر نظم ہو تو بہت ہے بجا
ولیکن ہو اردو زباں میں بیاں   کہ جاتی ہے ہر ایک کو یہ ادا

(مثنوی مراد العین ۔ رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۲۰ء)

آپ کثیر التصنیف بزرگ تھے۔ آپ کی مثنوی مراد العاشقین (۱۲۱۵ھ ۱۸۰۰ء) طبع ہو چکی ہے۔ اس میں آپ اپنے پیر و مرشد شاہ اوحد مولوی بدرالدینؒ کی مدح میں لکھتے ہیں۔

ایں مدیح مرشد عالی جناب   آنکہ از وے عالمے شد آفتاب
شاہ اوحد شیخ بدرالحق و دیں   رہنمائے پس نکھتوی داں بایقیں
بیا اے ساقی و جامے ام دہ   بیا پر از رہ لطف و کرم دہ
کہ گرم راہ مدحت مشرق درپیش   تم سرا پائے مرشد خویش
یہ مرشد قبلہ دل کعبہ جاں   سپہر مہر ما مہر درخشاں
بعالم نیّر برج ہدایت   جہاں کرامت کان ولایت
جنید وقت و معروف زمانہ   چو شاہنشاہ بلطف می یگانہ

زنسل او کسے از ہمہ انش   خطاب شاہ اوحد شد از انش
ز مہر او کہ بدرالحق و دین است   منور سینۂ اہل یقین است
زفیض حضرت یحییٰ و افضل   بامداد ہمہ پیران اکمل
وز ارشاد شہ فتح محمد   کہ بود آں مفخر اولاد احمد
بود فیضش الٰہی تا دم حشر   باحیائے طریق اربع و عشر
دمے در خدمت آں شیخ بودن   بود فیض دو عالم را ربودن
خوشا اوقات آں جان برادر   گرامی تر زجان شاہ قلندر
کہ حاضر ماندہ با اخلاص نیکو   زصدق دل بخدمتگاری او
مرا از خدمتش قسمت جدا ساخت   بمحنتہائے ہجراں مبتلا ساخت
ز درد دوری آں پیر کامل   بسے افتاد بر من کار مشکل
ہمہ شب تا سحر بہ بستر خواب   منم چوں ماہئے بے آب بیتاب
بہر شہرے کہ مارا سیر گاہ است   سواد لکھنویش نگاہ است
زہ بایم وطن گو ہست لاہور   دلے چوں ماندہ ام از خدمتش دور
بہر شے خاناں خود دہم پشت   کہ مارا فرقت او بے اجل کشت
دلے بس کار صعب و مشکل افتاد   چساں زم چوں کنم پا در گل افتاد

مگر بر لطف حق مارا یقین است
کہ ناش جامع المتفرقین است

شاہ بدرالدینؒ نے قمری حساب سے نوے سال عمر پائی۔ شاہی دربار، صوفیاء، امراء اور عوام میں آپ کی جو قدر و منزلت تھی اس سے آپ کی اولاد نے کبھی مالی فائدہ نہیں اٹھایا۔ آپ کا روحانی فیض جن متعدد خلفاء سے اب تک جاری ہے۔ ان میں سے ہمیں صرف دو کے نام معلوم ہو سکے۔ ایک حضرت قلندر شاہ لاہوریؒ اور دوسرے حضرت شاہ غلام جیلانیؒ جن کا ذکر ابھی آئے گا۔

آپ کی زوجہ خدیجہ بنت مفتی عبدالرحمٰن صدیقی الملمی (باب ۲) کے بطن سے دو فرزند شاہ احمد الدینؒ، شاہ غلام جیلانی اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ اس زوجہ کے انتقال کے بعد آپ نے دوسری شادی بی بی نادرہ بنت شیخ اکبر علی فاروقی (خاندان شاہ ولی اللہ) سے کی اور تین فرزند شاہ شجاع الدینؒ

مولوی شہاب الدین، شاہ کریم الدین اور تین لڑکیاں تولد ہوئے۔ ان میں سے ہم حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کے مختصر حالات زندگی اسی باب میں درج کریں گے۔ حضرت شاہ بدر الدینؒ کی اولاد سے اس وقت تین سو چھتیس افراد حیات ہیں جن کا باب میں ۵۹ سے ۱۰۴ نمبر تک ذکر ہوگا۔

تبرکات میں سے آپ کی ایک کمری تاری وضاحت حسن صاحب (۶۷ و) کے پاس ہے اور ہمارے پاس حسب ذیل تحریریں ہیں۔

غرہ رجب ۱۱۶۹ھ کی ایک تحریر پر آپ کی بیضوی خورد مُہر "بدر الدین چشتی القادری" لگی ہوئی ہے اور مُہر کے اوپر آپ کی قلم مبارک سے "شہد بما فیہ فقیر بدر الدین چشتی القادری" لکھا ہوا ہے۔ آپ کی یہی مہر ۹ رجب ۱۱۵۵ھ اور ۵ محرم ۱۱۸۱ھ کے کاغذات پر ہے۔ ۹ رجب والی تحریر پر شاہ عبد الحکیم نہمیؒ (دباب) اور راقم کے جدِ اعلیٰ شیخ قمر اللہ (۲۲ ب) کے دستخط ہیں۔ رجب ۱۱۶۹ھ کی ایک تحریر پر آپ کے دستخط ہیں۔ "فقیر بدر الدین چشتی القادری" مدد معاش مرقومہ ۱۱ رمضان ۱۱۸۲ھ بمہر نجیب خاں اور اس کی تصدیق محررہ ۴ صفر ۱۱۹۷ھ بمہر دارا جواں بخت بہادر ابن شاہ عالم ثانی۔

شاہ غلام جیلانی قدس سرہ

ولادت: ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء

وفات: ۱۰ شوال ۱۲۳۵ھ / ۲۰ جولائی ۱۸۲۰ء، رہتک۔ جمعرات

حقائق و معارف آگاہ شاہ اوحد مولوی بدر الدین چشتی القادریؒ کے فرزند ثانی مورد افضال یزدانی حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکی احمد شاہ بادشاہ کے عہد میں تولد ہوئے۔ ابھی خورد سال تھے کہ والدہ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے ماموں محمد احسان بن مفتی عبد الرحمان بن مفتی محمد جعفر صدیقی المسمی (دباب) ان دنوں اودھ میں ایک بڑے فوجی عہدے پر مامور تھے۔ وہ آپ کو اپنے ساتھ اودھ لے گئے اور وہاں بہترین تعلیم دلائی۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں آپ اپنے ماموں جان کے ساتھ الٰہ آباد تشریف لے گئے اور وہاں رہ کر شاہ غلام قطب الدینؒ ابن شاہ محمد فاخر الٰہ آبادیؒ ابن شاہ خوب اللہؒ سے تعلیم پاتے رہے۔ آپ شاہ محمد اجملؒ کے دائرہ میں رہتے تھے۔ حضرت شاہ محمد اجمل بھی ان دنوں شاہ غلام قطب الدینؒ سے تعلیم پا رہے تھے۔

الٰہ آباد میں تعلیم پاکر آپ پھر اپنے ماموں جان کے پاس واپس چلے گئے اور ان کی جاگیر کے انتظام پر مامور ہوئے۔ بیس بائیس سال کی عمر میں آپ اپنے ماموں جان کی وساطت سے نواب شجاع الدولہ والیٔ اودھ کی فوج میں چار پلٹنوں کے سردار ہو گئے۔ یہ صاحب سیف جہاں جاتے صوفیا کی صحبت سے فیض یاب ہوتے۔ فوج میں آپ کے زہد و اتقا کے چرچے رہتے دوران ملازمت آپ کا جو شعار رہا اسے حضرت شاہ محمد اجملؒ نے حافظ شیراز کے ایک مصرع میں بیان فرمایا: ع

کر بخدمت سلطان بہ بند صوفی باش

شاہ محمد اجملؒ الٰہ آبادی اپنے اجازت نامہ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۹ء بمہر اجمل محمدی ۱۱۹۱ھ میں شاہ غلام جیلانیؒ کی بابت فرماتے ہیں۔ اصل اجازت نامہ قاری وضاحت حسن صاحب (۷۰ ل) کے پاس ہے اور اساد الاشجار میں نقل ہوا ہے:

سالک مسالکِ طریقت، ناسکِ حقیقت، صاحب ہمت بلند، طالب مطلب ارجمند، آمادۂ ظہور انوار تجلی، مستعد رموز اسرار متعالی، حداثق خداطلبی و خداشناسی، سرمست بادہ حق بینی و حق اساسی، فارغ از قید ہر چیز، مقبول قلوب صافیہ اہل تمیز، مورد افضالِ یزدانی، برادر دینی میاں شاہ غلام جیلانی سلمہ اللہ تعالیٰ و ابقاہ و اوصلہ اللہ تعالیٰ الی ما تمناہ ابن قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین جناب کرامت مآب مولوی بدر الدین سلمہ اللہ المعین ...... سابق ازیں کہ زمانہ گذشتہ در سن دوازدہ سیزدہ سالگی ہمراہ خال صاحب کمال باعثِ اتحاد مولوی صاحب مذکور برائے زیارت مزار قطبین و کاملین حضرت شیخ محمد افضل الٰہ آبادی و حضرت شاہ خوب اللہ الٰہ آبادی قدس سرہما وارد الٰہ آباد شدند و چند مدت بطریق کسب علوم ظاہری بدائرہ ما اقامت ورزیدند۔ دراں اوان فقیر کاتب الحروف بخادم اوصاف موصوف ہم کسب علوم ظاہری مے کرد چنانچہ باتفاق یک جا شب و روز بخدمت سراسر فیض و برکت حضرت برادر قبلہ دین و دنیا افضل المتاخرین فخر الاولین والآخرین حضرت شاہ غلام قطب الدین روحی فداہ مرتبۂ اتفاق تحصیل علوم می افتاد۔ بعد چندے کہ مہاجرت بمیاں آمد و مدتے براین بگذشت فقیر را سفر بلدہ مہدی گھاٹ و بلدہ لکھنؤ رو داد و اتفاق ملاقات با ہم افتاد

صحبت ہائے دیرینہ بیاد آمد و صحب صحبت ہا در سفر چند صباح گذشت۔
ہر چند دراں ایام شاہ غلام جیلانی مذکور بلباس دنیاداری اوقات میگذرانیدند
و بمصداق آنکہ ع

کہ بخدمتِ سلطاں بہ بند صوفی باش

چاشنی فقر و درویشی بباطن خود داشتند و باوجود اشتغال امور دنیوی میلان طبیعت
باعمال و اشتغال بدل شاں متمکن بود۔"

نواب شجاع الدولہ کی ملت کش روش سے دل برداشتہ ہو کر شاہ غلام جیلانیؒ اپنی ملازمت
سے مستعفی ہو گئے اور خرقہ درویشی اختیار کیا۔ اور مدت بعد شاہ محمد اجملؒ سے پھر ملنے کے لئے
الہ آباد تشریف لے گئے۔ مذکورہ بالا اجازت نامہ میں شاہ محمد اجمل آگے چل کر فرماتے ہیں کہ اس
وقت شاہ غلام جیلانی عمداً جاہ و ثروت ترک کر کے راہ درویشی اختیار کر چکے تھے اور باوجودیکہ
اس راہ کی کٹھن منزلیں طے کر چکے تھے مگر مزید کی طلب رکھتے تھے۔ چنانچہ:

"چوں الحال بتاریخ بست و چہارم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲۰۲ھ یک ہزار و دو صد و دوم ہجری
علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ برائے ملاقات فقیر و زیارت مزارات قطبین
خوشین کاملین قدس سرہما شاہ غلام جیلانی مذکور آمدند۔ دیدم کہ ترک لباس دنیوی
و ثروت و جاہ خود عمداً کردہ رہ نورد طریق وصول الی اللہ شدہ اند و کما ینبغی سالک
ایں راہ مستقیم شدہ اند۔ باوجودیکہ بسیار از منازل ایں راہ صعب طے کردہ اند
و بمنزل مقصود رسیدہ اند لیکن پائے طلب از سعی نکشیدہ اند۔"

خاندان کے مشائخ میں حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ نے
جتنے زیادہ خانوادوں سے کسب فیض حاصل کیا اور کسی بزرگ نے نہیں کیا۔ ہم جو پایان سلوک
سے آپ کے نسبت ہائے ولایت کی تعداد نقل کرتے ہیں: چشتیہ ۳۰، قادریہ ۲۸، نقشبندیہ
۱۲، سہروردیہ ۳۳، مداریہ ۹، گازرونیہ ۵، طیفوریہ ۲، کبرویہ ۱۰، ادہمیہ ۴، اویسیہ ۲، خضرویہ
۹، سمریہ ۲، رفاعیہ ۹، مغربیہ مدینیہ ۱، ضنبیہ او نغوتیہ ۱، ہمدانیہ ۱، جابیہ ۱، فردوسیہ ۲،
زاہدیہ ۱، شطاریہ ۲، عیسویہ ۲، اصل الاصول ۲، کل ۱۹۴۔ اس قدر فیض حاصل کرنے کے
باوجود آپ نے سعی طلب کبھی ترک نہ کی اور جب بھی کبھی ماذون مجاز بنائے جاتے آپ فکر مند
ہو جاتے کہ آیا آپ اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکیں گے یا نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ والد

ماجد بزرگوار نے میری ظاہری اور باطنی تربیت شب و روز کی مگر میں اپنے اندر ان امور کے اجرا کی
طاقت نہیں پاتا۔

سہ کس را حق بر آدمی زاد — یکے پیر و دوم اب، سوم اوستاد
مرا از اول دریں دیرینہ مکتب — کہ ہم پیر و ہم اوستاد و ہم اب

رحمۃ اللہ علیہ توجہ ظاہری و باطنی در حق ایں ناکارہ داشتند و شب و روز پرورش
ظاہری و باطنی می فرمودند و بعد چندے خرقہ فقر را از مرشد خود یافتہ بفقیر عنایت فرمودند
و از سلاسل طبقات تفصیل ذیل کہ بخدمت اوشاں رسیدہ بودند۔ فقیر را ماذون و
مجاز ساختند و برائے اجرائے ایں امور اذن فرمودند۔ چوں حالت فقیر را ایں
منوال است کہ ؎

اگر براہ نرفتم بود ز شامتِ من — وگرنہ در حق ما رہنما نہ کرد دریغ

چوں لیاقت اجرائے ایں امور در خود نیافتم اندیشیدم کہ اجرائے علم کچھ طور باید کرد۔

(اسناد الاشجار)

ازاں بعد آپ نے اپنے والد ماجد کا اجازت نامہ نقل کیا ہے (ضمیمہ ۹) اسناد الاشجار میں
آپ نے وہ تمام اجازت نامے نقل فرمائے ہیں جو آپ کو ملے۔ ان میں سے بعض میں اجازت
حدیث بھی شامل ہے۔ اسناد الاشجار کا ایک قلمی نسخہ ہمارے پاس ہے۔

حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کے دینی اور معاشرتی کارہائے نمایاں آپ کے زہد و اتقا کے چرچوں
میں گم ہو گئے۔ قانون سلوک (ص ۱۱۲) اور روضۃ الرضوان (ص ۵۲) میں ہے کہ آپ نے بارہ برس
نمک کھانا ترک کئے رکھا۔ دن کو روزہ رکھتے اور بھوک لگتی تو رات کو نباتی یعنی پتوں پر گزارہ
کرتے۔ اس روایت کو اتنی شہرت حاصل ہے کہ عوام و خواص کی زبان نے آپ کو سرتاج الزہاد
کا خطاب دیا۔ آپ دائم الصیام اور عابدِ شب گزار تو ضرور تھے مگر تارک غذا ہونے میں مجھے کچھ
شک ہے۔ یہ چیز اس خاندان کے مزاج و روایات کے خلاف ہے۔ نیز آپ نے جن بزرگوں
سے فیض حاصل کیا ان کی حیاتِ پاک میں بھی ہمیں اس روش کا شائبہ تک نہیں ہو سکتا۔ غالباً
بات یہ تھی کہ اپنے والد بزرگوار کی وفات ۱۱۷۹ھ کے بعد آپ نے فریضہ حج ادا کیا۔ دوسری
بار آپ غوث الاعظم شاہ عبدالقادر جیلانیؒ اور دوسرے بزرگوں کے مزارات کی زیارت کے لئے
بغداد وغیرہ تشریف لے گئے اور وہاں سے پاپیادہ مراجعت فرمائے وطن ہوئے تو آپ کی

طبیعت جواب دے بیٹھی تھی۔ یہاں تک کہ بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ اطبا نے صحت کی بحالی کے لیے ماشوں کی مقدار میں خوراک تجویز کی۔ اس خدمت پر آپ کے خلیفہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید صدیقی ملمی (باب ۵) مامور ہوئے۔ طبع اقدس کی صفائی کا یہ حال تھا کہ ان ماشوں کی خوراک میں جب بھی کمی بیشی ہو جاتی آپ فرما دیتے کہ ایمانداری کرو۔ ہماری عبادت میں فرق آتا ہے۔ اس بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ آپ آخری عمر میں ٹانگوں سے بھی معذور ہو گئے۔ روضۃ الرضوان میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے مگر اس بارہ برس کے ترک غذا والی روایت سے علیحدہ۔

آپ کی پہلی زوجہ واجدہ بنت شاہ مبارک (۳۱) ابن شاہ عبدالحکیم حسنی تھیں۔ ان کے انتقال پر آپ نے ایک نوسلہ سے شادی کی۔ مگر اولاد کسی سے نہ ہوئی۔

جناب پیر غلام دستگیر نامی متوفی ۱۹۶۱ء کے خاندان کے بزرگ حضرت قلندر شاہ لاہوریؒ آپ کے پیر و مرشد اور والد شاہ بدرالدینؒ کے مرید تھے۔ ان صوفی شاعر کا چند صفحات پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ جناب نامی مرحوم نے ہمیں حضرت قلندر شاہؒ کا ایک منظوم مکتوب دکھایا۔ اس کے چار شعر اچھی طرح پڑھے نہیں جاتے وہ چھوڑ دیئے گئے۔

نامہ قلندر شاہ بنام شاہ غلام جیلانی

صبا از من برو پیش شہنشاہ — شاہنشاہ کہ دادند فقر را راہ
شہے فرماندہے ملک ہدایت — شہے زیبندۂ تاج ولایت
شہے دانائے اسرار نہانی — شہے کو را نہ باشد مثل ثانی
شہے سیاح بیدائے طریقت — شہے صباحِ دریائے حقیقت
شہے کانِ مروت بحرِ احساں — شہے سرچشمۂ فیضانِ احساں
شہے موصوف اخلاق حمیدہ — شہے از غیر و غیریت رمیدہ
شہے مسند نشینِ راہ فنائی — شہے کو یافتہ از خود رہائی
شہے فرمانروائے ملک دلہا — شہے آزاد قیدِ آب و گل ہا
شہے کز فیض او گشتہ مفخر — ہزاراں بے نوائے چو قلندر
اناں صد ہا قلندر یک قلندر — نم بنگہ نداری گر تو باور
بگویم با تو نام نامی او — صبا بشنو کہ اسم سامی او
باطراف ہمہ نزدیک ہم دور — غلام شاہ جیلانیست مشہور

شوم گر در ثنائش نکتہ پرداز — ز کام خامہ ام خواہد نشد باز
ہزاراں دفتر و صد نامہ گر من — کنم انشا بوصفِ آں اگر من
نگردد از ہزاراں آں یکے ہم — ادا از وصفِ آں شاہ مکرم
ز وصفش چوں شدم مجبور و معذور — کنم با تو پیامِ خویش مذکور
کہ چوں در بارگاہش باریابی — قدم بوسی کنی از من شتابی
پس آنگہ عرض داری حالتِ ما — کہ اے شاہ سریر سروری یا
قلندر را خطِ فرمانِ والا — بروں نہ نہاد ہرگز پائے خود را
مشرف در حضور فیض گنجور — بگفتہ تا ہنوز او راست مجبور
مونعہا کہ گشتہ مانع او — دراں تقصیر از وے نیست نیکو
نخواہد تا کہ آں حی توانا — نمی جنبید ز جائے خویش شاہا
نگیرد او ز خود ہرگز قرارے — دریں جا یک چو ہست اختیارے
بدستِ دیگرے معذور دارش — ز تقصیر و گناہ مغفور دارش
نمودم عرض ایں احوال مجمل — ز حالِ پر ملال زار مفصل
وزاں پس اے صبا بہرِ سعادت — قدم رنجہ کنی با صد ارادت
طواف از ما ادا کن بر مزارش — پس آنگہ حالتِ من عرض دارش
شہے اوحد کہ بدر الدین نامش — بود زیبا شہے گر من غلامش
بگویم مہر چرخ چارمیں را — کزیں دنیا منور کرد دیں را
منور کرد آں بدرِ زمانہ — بہ نیساں کز فروغ شمع خانہ
قلندر بود برگے بے نوائے — غریب و مفلس و بیکس گدائے
بود گر جائے ہر موئے زبانے — و در ہر یک زباں صد داستانے
کنم تا صد ہزاراں سال لیکن — ادائے وصف آں شہ نیست ممکن
غرض چوں در رسی بر روضۂ خاص — بخوانی فاتحہ از ما باخلاص
پس آنگہ بر مزارش جبہ سائی — طوافش ہفت بار از من نمائی
فراغت چوں ز آدابِ زیارت — کنی بادِ صبا ہمت کارت
ہزاراں بندگی ہا از غلامی — کہ دارد از غلامی احترامی

کریم الدین مارا نیز از ما
رسانی صد نیاز و بندگی ہا
درونِ خانہ ہم از من رسانی
بآداب بیاں بکنی کہ دانی
دگر از من بہر یک آشنائے
سلام شوق گو و ہم دعائے

نیچے سے تیسرے شعر میں شاہ غلام جیلانیؒ کے سب سے چھوٹے بھائی مولوی کریم الدین کا نام آیا ہے۔

تصانیف

آپ کی مندرجۂ ذیل کتب و رسائل کا ہمیں علم ہو سکا ہے:

(۱) رسالہ زبدۃ السالکین: اس میں سالکوں کے لیے تمام مہینوں کے ادعیہ اور نمازیں درج ہیں۔
۲۔ کلام پاک کی چند سورتوں کی تفسیر بطریق تصوف
۳۔ شجرات ہندی: اس کا قانون سلوک صفحہ ۱۶ پر ذکر ہے۔
۴۔ لطائف السلوک
۵۔ رسالہ اعمال الامراض: اس کا ایک قلمی نسخہ قاری وجاہت حسن صاحب (۷۰ء) کے پاس ہے
۶۔ رسالہ خلاصۃ الاعمال؛ " " " " " " "
۷۔ رسالہ لطائف المریدین؛ " " " " " " "
۸۔ رسالہ خرائط المریدین: ہمارے پاس اس کے دو نسخے ہیں ایک حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید مہمی رابشؒ کی قلم کا اور دوسرا شیخ کرم علی ولد شیخ عظیم اللہ سکنہ قصبہ رہتک کا جس کی کتابت ۱۲۳۲ھ میں ہوئی۔
۹۔ آداب پیر و مرید: چودہ صفحے کا رسالہ ہمارے پاس ہے۔
۱۰۔ رسالہ طریقۃ الہدیٰ: شاہ محمد اسماعیل شہید مہمی رابشؒ کا کتابت کردہ یہ بیس صفحوں کا رسالہ ہمارے پاس ہے
۱۱۔ رسالہ اظہار الاخفاء دعا حب و مکن: اکیس صفحوں کا یہ رسالہ شاہ محمد اسماعیل مہمیؒ کی قلم سے ہمارے پاس ہے۔
۱۲۔ اسناد الاشجار: ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں مصنف علیہ الرحمۃ نے سلوک کے ان ایک سو چھالیس خانوادوں کے شجرے دیئے ہیں جن سے آپ کو فیض پہنچا۔ ان

میں چند اجازت ناموں کی حرف بحرف نقل بھی ہے، ضمنی طور پر بعض صوفیا کے حالات اور مسائل سلوک کا بیان بھی مصنف نے کیا ہے۔ شاہ بدیع الدین مدارؒ کے حالات و تعلیمات پر اس میں سیر حاصل بحث ہے۔ اس کتاب میں مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنا نسبی کرسی نامہ بھی دیا ہے۔ جسے ہم نے اپنی اس تالیف میں کئی جگہ نقل کیا ہے اور ضمیمہ میں اسے پورا نقل کیا ہے ۲۵۵ صفحے کی یہ کتاب ۱۲۲۰ھ ۱۸۰۵ء کی تصنیف ہے اور مصنفؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا اس کا ایک قلمی نسخہ ہمارے مجموعۂ کتب کی زینت ہے۔

۱۳۔ رسالہ اثبات ..... عدم تغایر ممکن الوجود: اس کے صرف ابتدائی دو صفحے ہمارے پاس ہیں۔ نام ابھی پڑھا نہیں جاتا

۱۴۔ چوپائیاں سلوک: آپ کے جملہ رسائل و کتب میں سے صرف یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ چوپائی ترجمہ ہے رباعی کا۔ آپ کی اُردو رسم الخط میں ہندی رباعیات کے مجموعہ کو پہلی مرتبہ پروفیسر مولوی سعید الدین صدیقی الرہتکی (۶۹ ب) نے شائع کرایا۔ پھر اس کی شرح حافظ نور علی صاحب رہتکی نے قانون سلوک کے نام سے ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۰ء میں مطبع نعمہ بازار جزل لائبک ایجنسی امرتسر سے طبع کرا کے شائع کی۔ قانون سلوک کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کے مختصر حالاتِ زندگی اور ایک سو چار رباعیوں کی اُردو شرح ہے یہ کتاب ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب پر پروفیسر حافظ محمود شیرانی مرحوم نے اپنے مضمون "ہریانی میں تالیفات" میں تبصرہ کیا ہے۔ اس مضمون کا متعلقہ حصہ ہم اورینٹیل کالج میگزین لاہور کی فروری ۱۹۳۰ء کی اشاعت سے نقل کرتے ہیں۔

"یہ چوپائیاں خالص ہریانی زبان میں لکھی گئی ہیں اور فن کی رو سے ان پر نظر ڈالتے ہوئے بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعری کی حامل ہیں۔ ہندوستان میں ہندی گو شعراء کے طبقے میں ایسے پاکیزہ خیالات و شریف جذبات کے ترجمان بہت کم شعراء ہوئے ہیں۔ کبیر اور بلھے شاہ کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔

موضوع کے لحاظ سے یہ رباعیاں طالب صادق کے لئے درس تلقین ہیں جن میں طلب مرشد کامل، تجرید و تفرید، طلب صادق، عشق کامل، استغراق، محویت و دیگر مراتب عرفان کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں۔ مگر ان میں لیا منفر

بھی موجود ہے جس سے عوام بھی متمتع ہو سکتے ہیں۔ ان رباعیوں کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کا آخری مصرع بالعموم کسی نہ کسی ضرب المثل پر آ کر ختم ہوتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایجاز و اختصار کی بہترین مثال ہیں اور اسی لئے مصنف کو ان کی شرح کی ضرورت پیش آئی جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ ۱۳۱۶ھ میں انور علی رہتکی نے اس کی اردو شرح موسوم بہ قانون سلوک لکھی ہے اور یہ شرح میرے سامنے ہے۔

رباعیوں کا نمونہ دیتے وقت میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے ہر رباعی کا مختصر سا مطلب بیان کر دیا جائے اور بعد میں اصل رباعی نقل کر دی جائے تاکہ ان کے مطالب میں دقت نہ ہوئے۔

دنیا کی مذمت: کہتے ہیں کہ اس دنیا پر کون اعتماد کر سکتا ہے۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ اس سے کہیں کیا نفع ہوا تو نتیجہ صفر نکلتا ہے۔ وہ صرف نمائش اور دکھاوے کے لئے ہے۔ لیکن ہر حال میں بے فیض۔ کیسُو کو دیکھتے نہیں جب پھولتا ہے کس قدر خوش آئند اور خوشنما نظر آتا ہے مگر ہمیشہ بے ثمر ہے بالفاظ دیگر دنیا دیکھنے کی ہے برتنے کی نہیں۔

ایسے جگ کو تپیا وے   جب ڈھونڈے جب کچھ نہ پاوے
دیکھن کا پرنت بھاوت   کیسو پھولے سدا نپوت

ترغیب عمل: جو کچھ کرنا ہے ابھی کرو۔ تمہیں موقع حاصل ہے۔ اگر موقع کھو دیا تو کفِ افسوس ملتے رہو گے۔ زمانہ تمہاری عمر عزیز کو لحظہ بہ لحظہ اور دمبدم گھٹاتا جا رہا ہے۔ یاد رکھو جب کولھو چلتا ہے۔ موگری بنا کرتی ہے۔ اس سے تیل تیار کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد استطاعتِ عمل نیک ہے۔ موگری سے خالی کھوٹیاں ٹھوکی جاتی ہیں۔ اس سے اشارہ ہے سر پیٹنے اور افسوس کرنے کی طرف۔ نیک عمل کا وقت کھو دیا تو سر پیٹنا اور افسوس کرنا پڑے گا۔ کہتے ہیں۔

کرلے جو کچھ کرنا ہو   پھر نرا پچھتانا ہو
یہ جگ تیرا بھی پھن پھنے   کولھو کٹے اور موگری بنے

اعمالِ نیک و بد: تمہارے اعمال اگر نیک ہیں تو بہشت مقام ہے۔ اگر برے ہیں تو دوزخ ٹھکانہ ہے جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ نیک عمل کو آفریں اور بد عمل کو پھٹکار ہے۔

بھلی کرے تو سرگ بسائے   پونجی بری نرگ لے جائے
جیسا بوے ویسا کاٹے   دھرمی بچے اور پاپی چھے

اصلی اور نقلی پیر: جب شہرِ عشق کی گدڑی بگڑ گئی کم مایہ بنئے سیٹھ بن جاتے ہیں۔ اوچھی پونجی سے دوکان آرائی کی وہی مثل صادق آئی کہ اندھوں میں کانا راجہ

جب پیم نگر کی اوجڑی پینٹھ   سگرے بنئے ہو گئے سیٹھ
اوچھی پونجی ہوا بناؤ   اندھوں بھیتر کانا راؤ

ہادی کی ضرورت: سالک کو تنہا جانے میں بھٹک جانے کا خطرہ ہے نابینا تنہا جاتا ہے اور گر گر پڑتا ہے۔ لغزشوں اور غلط رویوں کے بعد پیر کامل تلاش کر۔ ٹوٹی گاڑی تو بڑھئی کے دروازے پر ہی لائی جاتی ہے۔

آپ چلے تو بھولو چلے   اندھا دوڑے گر گر پڑے
بھول بھٹک کے گرو سنوار   گاڑی ٹوٹی کھاتی دوار

جھوٹے پیروں کی خدمت: فرماتے ہیں کہ شیخ نائی نام رکھ کر پیر بنتے ہیں مرید بناتے ہیں اور انہیں بہکاتے ہیں۔ زبانی جمع خرچ سے راہِ معرفت طے کرانے کے مدعی ہیں اور عمل میں پیادہ ہیں۔ ان پیروں کی مثال ایسی ہے کوئی اناڑی نائی ہو اور بچے کا سر چھیل کر رکھ دے۔

ناؤں رکھا کر گرو کہلائے   چیلے پکڑے اور بہکا دے
بھوگ کا مارگ باتوں کہیلے   اناڑی نائی سر کو چھیلے

شغل عبادت اور مرشد کی طلب: جب تک شیخ کامل ملے بیکار نہ رہو۔ اپنا وقت عبادتِ الٰہی میں گزارو۔ دیکھتے نہیں نیاتالی نہیں بیٹھتا اور کچھ نہیں تو باٹ ہی نوتتا رہتا ہے۔

جب لگ گرو سے بھینٹ نہ ہو   دن رات سگرے مست سو
[illegible]

پیر کے ارشاد سے تساہل: جب ہادی کامل مل جائے لازم ہے کہ اس کے ارشاد و تلقین پر مبتدی کاربند ہو ایسا نہ ہو کہ اس کی ہدایت پر تساہل سے کام لو ورنہ بدنصیب رہو گے۔

جب لگ نہ گرو کا ساتھ — کیسے پاوے ہر کی بات
گڑ پاوے اور ہو بیلا — کمبختی کا آٹا گیلا

اس بحث کو جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ شیخ کی ہدایت کو کھلے کانوں سے سنو اور غور کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو۔ اگر وہ بال رنگنے کا حکم دے تو بال رنگ دو۔ قاعدہ ہے کہ انسان جس ملک میں جاتا ہے اسی ملک کے اوضاع و اطوار اختیار کر لیتا ہے۔ خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہتے ہیں:

گرو کے بینیں جی کے سن — ہردے چھن چھن پورا گن
اس کے کتنے رنگ کیس — جیسا دیس ویسا بھیس

نفس امارہ: تمہارے اندر ایک چور ہے جیسے بنے اس کا زور توڑ جب اس کا زور ٹوٹے گا تب راہِ راست پر آئے گا۔ مال حرام، حرام ہی جائے گا۔

ایک ہے تیرے اندر چور — جہاں ملے بل اس کا توڑ
ٹوٹے جب وہ سیدھا بن جا — باپی مل پراپت جا

خصائل ذمیمہ: دشمنان باطنی یعنی حرص و شہوت و غضب وغیرہ تعداد میں بے شمار ہیں اور سب تیری مخالفت میں ہیں۔ ان سے اسی وقت امن ہیں ہے گا جب انہیں سولی دے دی جائے۔ یہ سب رہزن ہیں اور سب کی ایک زبان ہے۔

گھٹ کے بیری گے نجان — کام پڑے پر سب مل جان
بچے بھی جب دیوے سولی — چوروں ٹولی ایک ہی بولی

صفاتِ مذمومہ کا علاج ریاضت ہے: یہ باطنی دشمن جھوٹی باتیں بنا بنا کر تجھے برباد کرتے ہیں۔ اور تیرے قلب کو ورغلاتے ہیں۔ ریاضت کر اور انہیں راہِ راست پر لا۔ مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے۔

جھوٹی باتیں تجھ کو کھووین — اندر تیرے سب مل سووین
کشٹ کرے تو ہو جاں سانچے — مار کے آگے بھتنا ناچے

ریاضت و مجاہدہ: مجاہدے کے بغیر راہ معرفت نہیں ملتی اور اتنا چل کہ اہلِ قافلہ سے جا ملے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اضافت افعال کی جو اب بتقاضائے انانیت اپنی طرف کر رہا ہے ترک کر دے اور توفیق الٰہی شاملِ حال ہو۔

بن کشٹی نہ مارگ ملے — یہاں تک چل جو سنگ جا رلے
پرگے تب جب کرتب چھوٹے — بل کے جاگوں چھینکا ٹوٹے

طلبِ صادق: راہِ خدا میں طلبِ صادق ضروری ہے۔ نادان ڈر یگا اور گرے گا۔ حصولِ مراد میں دیر لگنے سے مت گھبرا اور صبر سے کام لے۔ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ہوتی ہے۔ پہلے کودوں ہوتی ہے پھر دھان:

پدی دھن کا پوری کرے — مورکھ دوڑے گر گر پڑے
دن بیتن کا مت کر گیان — پہلے کودوں پاچھے دھان

دل بیار دست بکار: مراقبہ کر عادۃً توجہ الی اللہ سے کام لو اور عشق الٰہی کی شراب پیتے رہو آہستہ آہستہ تمہاری رسائی ہوگی۔ بے صبر مت بنو۔ تیل اور تیل کی دھار دیکھو۔

ہر سے گیان لگا اور جی — مدھوا اس کا چپ چپ پی
دھیرج دھیرج پاوے بار — دیکھ تیل، تیل کی دھار

عبادت کی غرض و غایت: کہتے ہیں عبادت کا مقصد قرب اللہ ہونا چاہیے نہ کہ جنت۔ بہشت کے لئے عبادت عاشقِ صادق کے نزدیک جہنم سے بدتر ہے ؎

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

جیسے کوئی شخص دنبہ دے کر مینڈھا
جنت کے واسطے ترک دنیا ایسا ہے
لے۔ ایسا شخص عشقِ حقیقی کے ذوق سے ناآشنا ہے۔ خود ناقص ہے
اور دوسروں پر نکتہ چینی کرتا ہے۔

ہر کو بیچے اور مانگے سرگ — بری جانے اس کو نرگ
چھوڑے دنبہ لیوے مینڈھا — ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا

عبادتِ خالص: عبادت میں سالک کے لئے خلوص شرط ہے۔ وصالِ
حق اور قُربِ جنت دو مختلف راستے ہیں۔ دورنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جاؤ۔
ورنہ تمہاری وہی کیفیت ہوگی جو دھوبی کے کتے کی ہے۔ گھر کا ہے نہ گھاٹ کا۔

ایک ڈگ ہوپی کن چلے — دھیرے دھیرے ہر سے ہے
دبدھا میں من جاوے چاٹ — دھوبی کا کتا گھر نہ گھاٹ

سالک کی راہ میں دشواریاں ہیں وصول الی اللہ کا راستہ آسان نہیں ہے
اس کی منزلیں کٹھن ہیں۔ جب منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ تب جانو کہ فائز المرام
ہوئے ورنہ اس راہ میں قدم قدم پر دشواریاں حائل ہیں اور خطرہ سامنے کھڑا ہے
ان منازل میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اونٹ چڑھے مسافر کو کتا کاٹ لیتا ہے
آپ لوگوں کو مرزا غالب کا شعر یاد ہوگا۔

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

لیکن شاہ صاحب کہتے ہیں۔

ہر کو مارگ سمیح سجان — پوری پڑے تب لاگے دھیان
تس پر ڈرہے گھاٹے باٹے — اونٹ چڑھے بھی کتا کاٹے

جذب و استغراق: جو شخص عشقِ الٰہی میں غرق ہے وہ ماسوا اللہ سے
بے تعلق ہو جاتا ہے۔ نہ اس پر کسی کی تعریف کا اثر ہوتا ہے نہ تنقیص کا۔ وہ
اپنے حال میں مست ہے۔ ساون سوکھا نہ بھادوں ہرا۔

جس کی دھن ہر ساتھ لگے — پھر وہ سب سے ٹوٹ رہے
تاں کبھی چکنا ناں کبھی روکھا — ساون ہرا نہ بھادوں سوکھا

محویتِ حقیقی: جب محبوب کی دھن ہے تو پھر زمانے کے گرم و سرد، راحت و
غم کی تمیز باقی نہیں رہنی چاہیئے۔ جب اوکھلی میں سر دیا تو موسلوں کا ڈر کیا۔ جب ناچنے نکلے تو پھر حیا کیسی۔

جب دھن لاگی پے کے رنگ — تتا سیلا ایک ہی رنگ
پھر کیا سوچے ایسا ویسا — ناچن نکلی گھونگھٹ کیسا

یہاں حافظ محمود شیرانی کے مضمون سے اقتباس ختم ہو گیا۔ "پنجابی زبان و ادب کی تاریخ" کے
نام سے عبدالغفور قریشی صاحب کی کتاب ۱۹۵۶ء میں تاج بک ڈپو اردو بازار سے شائع ہوئی۔ اس
میں حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کی چار چوپائیاں بھی نقل کی ہیں مگر آپ کے نام کے ساتھ سید لکھ دیا۔
گو لغوی اعتبار سے آپ کے نام کے ساتھ سید لکھے جانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا مگر اس کے
اصطلاحی معنے "اولادِ حسنینؓ" ہو گئے ہیں اس لئے اس کا استعمال درست نہیں۔ ایسی غیر محتاط تحریریں
جب پرانی ہو جاتی ہیں تو اپنی قدامت کے باعث خواہ مخواہ مستند سمجھی جانے لگ جاتی ہیں
شاہ غلام جیلانیؒ کی وفات بہتر سال کی عمر میں ۱۲۰۸ھ میں ہوئی۔ مزار مبارک قلعہ رہتک کے
عین وسط میں محلہ کی جامع مسجد سے تیس چالیس گز مشرق میں ہے۔ قیام پاکستان کے بعد قبر ہموار کر
دی گئی ہے اور اس پر کمیٹی کا نمبر ۲۲ ڈالا گیا ہے

تاریخ وفات

قطب زماں مقبول خدا کے شاہ غلام جیلانی — امیری چھوڑ فقیری لیتی زہد کیا لاثانی
بارہ برس تک ناج نہ کھایا جسم ہوا نورانی — تم مدینہ زیارت کر کے قرب علاؤ الدین دانی
شہر شوال رات سترھویں واصل ہوئے سبحانی — غیاث الدین ہے خادم ان کا مشکل ہوا آسانی

دیگر

وَلَاذُ خَلَتِکُمْ جَنّٰتٍ
۱۲۰۸ھ

غیاث الدین آپ کے بھائی شاہ احمد الدین کے فرزند تھے (۵۹ ب)

خلفا

آپ کے خلفاء کے ذریعے آپ کا فیض جاری ہے ہمیں آپ کے گیارہ خلفاء کے نام معلوم
ہو سکے ہیں جن میں سے پہلے آٹھ اپنے خاندان سے ہیں۔

۱۔ مولوی کریم الدین (۹۴ ب) بن شاہ بدرالدین۔
۲۔ شاہ شجاع الدین (۴۲ ب) بن شاہ بدرالدینؒ۔
۳۔ شاہ غیاث الدین (۵۹ ب) بن شاہ احمد الدین بن شاہ بدرالدینؒ۔

۴۔ مولوی امام الدین (باب ہذا) بن شاہ احمد الدینؒ بن شاہ بدر الدینؒ۔
۵۔ شاہ منیر الدین (۱۰۵ب) بن شاہ نصیر الدین صدیقی الرہتکی۔
۶۔ حافظ شمس الدین (۱۰۷ب) بن شیخ عظیم الدین صدیقی الرہتکی (۱۰۸ب)
۷۔ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ نہمی (باب۳)
۸۔ قاضی کمال الدین ذوالفقری رہتکی۔
۹۔ مولوی کاظم۔ پنجابی کٹڑہ دہلی میں رہتے تھے۔
۱۰۔ حاجی قاسم دہلوی۔

ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ۵) آپ کے خلفاء میں سے نہیں تھے مگر فیض ضرور پایا تھا۔

تبرکات

(۱) مادی یادگاروں میں آپ کی دو ٹوپیاں، ایک چغہ، شاہ بدر الدینؒ کا اجازت نامہ، شاہ محمد اجملؒ الہ آبادی کا اجازت نامہ اور رسائل اعمال الامراض، خلاصۃ الاعمال اور لطائف المریدین۔ قاری وضاحت حسن صاحب (۶۷ و) کے پاس ہیں۔

۲۔ آپ کے کچھ کپڑے اور ایک کٹورہ اسحاق الدین صاحب (۶۸ و) کی ہمشیرہ صابری بیگم صاحبہ بیوہ شفیق الدین مرحوم (۵۹ و) کے پاس ہیں۔ شفیق الدین کو اپنی والدہ کفایت النساء بیگم دختر شاہ رفیع الدین بن مولوی کریم سے ملے تھے۔ شاہ رفیع الدین کے اولاد نرینہ نہ تھی۔ مولوی کریم الدین حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔

۳۔ راقم کے پاس آپ کے کتب و رسائل میں سے قانونِ سلوک، اسناد الاشجار، رسالہ اذکار اخفا، رسالہ طریق الہدیٰ، رسالہ اثبات، رسالہ شرائط المرید، رسالہ آداب پیر و مرشد ہیں۔

مولوی امام الدینؒ

آپ شاہ احمد الدین بن شاہ اوحد مولوی بدر الدینؒ کے منجھلے فرزند تھے۔ مولوی ضیاء الدینؒ آپ سے بڑے بھائی تھے اور مولوی بہاؤ الدین چھوٹے۔ آپ کے والد شاہ احمد الدینؒ حضرت شاہ غلام جیلانیؒ (باب ہذا) کے چھوٹے بھائی تھے ان کا ذکر باب ۷ میں نمبر ۵۹ پر آئے گا۔ مولوی امام الدینؒ عالم باعمل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ اپنے چچا حضرت شاہ غلام جیلانیؒ

کے مرید و خلیفہ تھے۔ سنہ ۱۸۰۶ء میں ریاست دوجانہ قائم ہوئی جس کا صدر مقام دوجانہ آج کل ضلع رہتک میں ہے۔ بانی ریاست نواب عبد الصمد خاں کا انتقال سنہ ۱۸۲۶ء میں ہوا۔ ان کے جانشین نواب دوندے خاں متوفی سنہ ۱۸۵۰ء نے ریاست میں ایک قاضی کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے یہ منصب مولوی امام الدینؒ کو پیش کیا۔ آپ اپنے وطن رہتک سے ہمیشہ کے لئے دوجانہ تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کی اولاد قیام پاکستان تک مقیم رہی۔ آپ کو دوجانہ کا منصب قضاء سنبھالے ہوئے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ہندو دیوان کے ایماء پر انگریز پولیٹیکل ایجنٹ نے نواب صاحب موصوف کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ نواب صاحب قاضی موصوف کے فیصلوں کے خلاف اپیل سنا کریں۔ آپ نے نواب صاحب سے فرمایا "میں قرآن و سنت کے مطابق فیصلے کرتا ہوں۔ اگر آپ کتاب و سنت کی مجھ سے زیادہ فہم رکھتے ہیں تو اپیل سن سکتے ہیں"۔ نواب صاحب مجبور تھے لہٰذا مولوی امام الدینؒ ریاست کے منصب قضاء سے مستعفی ہو گئے۔

آپ کے تبحر علمی اور روحانی مدارج کو دیکھتے ہوئے نواب دوندے خاں نے اشاعت اسلام کا واسطہ دے کر آپ کو دوجانہ میں مقیم رہنے پر آمادہ کر لیا اور آپ کا تیس روپے ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ رہنے کے لئے وہ محل دے دیا جس میں بعد میں انگریزی ڈاک خانہ بنا۔ یہ محل آسیب زدہ خیال کیا جاتا تھا۔ ہندو دیوان کا خیال تھا کہ آپ تنگ آکر ریاست کی سکونت ترک کر دیں گے۔ ریاست میں اب تک مشہور ہے کہ اس محل میں جنوں کا سردار رہتا تھا۔ اس نے ایک روز آپ کے خادم کو تنگ کیا تو آپ نے عمل کے زور سے اس سردار کو گرفتار کر لیا اور قتل کی دھمکی دی۔ اس سردار نے عرض کیا کہ اگر میں قتل کر دیا جاؤں گا تو میرے پیروکار بے قابو ہو کر انسانوں کو ستائیں گے۔ اگر میری جان بخشی کر دی جائے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں اور میرا کوئی پیروکار کسی زمانہ میں بھی آپ کے متبعین میں سے کسی کو تنگ نہ کرے گا۔ آپ کو وہاں رہتے ایک عرصہ گزر گیا اور کوئی حادثہ پیش نہ آیا تو غیر مسلم بھی آپ کے گرویدہ ہو گئے۔ اس زمانہ میں لوگوں پر کہیں جن سوار ہو جاتے تھے تو کہیں کسی بدروح کا اثر ہو جاتا۔ جس کسی پر اس ذہنی بیماری کا اثر ہوتا لوگ دور دور سے آپ کی خدمت میں لے آتے۔ اس کا نفسیاتی اثر یہ ہوتا کہ مریض اچھا ہو جاتا۔ یہ سلسلہ آپ کی اولاد میں اب تک جاری ہے۔ چنانچہ آپ کے پڑپوتے قاری وضاحت حسن صاحب (۶۷ ل) عرس کرانے ہر سال ملتان سے دوجانہ جاتے ہیں اور گرد و نواح کے دیہات کے متعدد آسیب زدہ ہندو مریض ان کے پاس لائے جاتے ہیں اور شفا پاتے ہیں۔

دوجانہ اور اس کے گرد و نواح میں قیام پاکستان تک کی دو صدیوں میں جو اشاعت و توسیع ہوئی اور مسلمانوں میں جس قدر علوم دین پھیلے اور جو اصلاح رسوم ہوئی۔ ان میں سے اکثر مولوی امام الدینؒ اور بعد میں آپ کی اولاد کی بدولت ہوئی۔ نیز ۱۸۵۷ء کی دار و گیر میں اور اس کے بعد خاندان کے دورِ ابتلاء میں، دوسری مسلم ریاستوں کی طرح دوجانہ بھی افرادِ خاندان کا مامن بنا۔

آپ کے نقل کردہ رسائل میں سے انیس رسائل قاری صوفی وجاہت حسن صاحب (۶۷) کے پاس محفوظ ہیں۔ یہ رسائل زیادہ تر لکھنؤ، دہلی اور دوجانہ میں بیٹھ کر نقل کئے گئے ان میں سے کم و بیش نصف رسائل آپ نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں نقل کئے جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں طب صوفیا کی تعلیم کا لازمی جزو تھی۔ ان سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آج کل کے مقابلہ میں اس زمانہ میں حصولِ علم کے لئے کتنے سفر کرنے پڑتے اور کیا کیا صعوبتیں اٹھانی پڑتیں۔ آپ کے نقل کردہ رسائل میں دس طب پر ہیں۔ ان میں فوربس کی میٹریا میڈیکا بھی ہے۔ اس کا کلکتہ میں ۱۸۴۱ء میں اردو ترجمہ ہوا تھا اور تین سال بعد آپ نے اسے نقل کر لیا یعنی آپ کی نظر طبِ جدید پر بھی تھی۔ اس رسالے کے اب سولہ نسخے باقی ہیں

آپ عربی فارسی اور اردو میں شعر بھی کہا کرتے تھے۔ آپ کے پوتے قاری فیض الحسن مرحوم (۶۷) کی بیاض میں آپ کا ایک گیارہ شعری قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے ؎

رسول اللہ نور عین نور — بکل الخلق اصلُ فی الظہوری

اس بیاض میں آپ کا کہا ہوا ایک اردو قصیدہ بھی ہے جس کے پچیس شعر ہیں مطلع ہے

حمد لاتا ہوں خدا کی بر زباں — اور نعتِ مرسلِ آخر زماں

اب ہم کلیات قلندر شاہؒ سے دو خطوط نقل کرتے ہیں جو ہمیں مخدوم پیر غلام دستگیر نامی مرحوم لاہوری کے دولت کدہ واقع محلہ چلہ بیبیاں اندرون موچی دروازہ پر دیکھنے کا موقع ملا۔ شاہ بدر الدینؒ کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ حضرت قلندر شاہ شاہ بدر الدینؒ کے مرید تھے۔ ان خطوط میں جو شعر صاف پڑھے نہیں جاتے وہ حذف کر دیئے گئے ہیں۔

نامہ قلندر شاہ بنام میاں امام الدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طرفہ درے نادرہ روزگار — دریم است نہ بحر قدیم

گوہرے ہر بحر از و نابدار

بلکہ دو صد بحر رواں ز آب او — نے نے جہاں قطرہ ز آبش بگو

نامہ بنام گوہر کان علم — بلکہ محیط و یم و عمانِ علم

عالم دوراں و علیم زماں — تازہ کن علم و ادب در جہاں

مردمک دیدہ اہلِ یقیں — روشنی چشم شہ بدر دیں

نام شہم برد ز دستم زمام — ماند سلوک خرد نا تمام

عقل ز من دامن خود را کشید — دستِ جنوں چاک گریباں درید

بد منیر فلک راہ بری — مہر سپہر شرف و برتری

اوحدِ دوراں خود اندر کمال — در ہمہ اقران عدیم المثال

پیر من و مرشد و استادِ من — سرخوش در رہ دیں زادِ من

برد ز من صبر و قرارم ربود — بادیہ پیمائے جنونم نمود

موی کشاں آہ کشم خویش را — باز ازیں وادی سود افزا

روئے بشہزادۂ دیں آورم — شاخ شجر گیرم بر خوش برم

اے بجہاں یافتہ عزت تمام — در صفِ دیں نام تو گشتہ امام

سلمہ اللہ بعز و کمال — تا کہ بود دورہ ایں ماہ و سال

شاہ چو از بندہ خود یاد کرد — از ہمہ بند غم آزاد کرد

بندہ ام و بندہ ام و بندہ ام — سر بقدم گاہے تو افگندہ ام

شوقِ قدم بوسی تو روز و شب — در دلم افگندہ عجب تاب و تب

ہست امیدم کہ شوم راہ سپر — در رہِ وصل تو کنم باز سر

ختم کن نامہ و تحریر آں — نامہ بری جوی سازم رواں

نامہ برم عاشق پیرانِ خویش — ہست فقیرے ز فقیرانِ خویش

فتح دیں نام غلامِ شما — از دل و جاں فدوی نام شما

راقم ایں نامہ قلندر بنام — ہست دعا گوئے تو ہر صبح و شام

عہدہ او ہست نجوم صوبہ دار

الفت ما کردہ بدل اختیار

جواب نامہ از مولوی امام الدینؒ بنام قلندر شاہؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش قدیم است ز لوح حکیم

نیست چو حرف عجیب غریب — یوجد فی کلام حبیب

مجمل مضمون کہ نور قدم — یافت در فاتحہ بائے بسم

باز دہم مطلب ما فی الضمیر — ہر کسے کوست بعالم شہیر

نام ز خاور شدہ تا باختر — معدن عرفان ہمہ سر تا بسر

جودی مردم علم الیقین — عین یقین گشتہ حق الیقین

ہست ز اصحاب جدِ امجدم — گوہر قابل سرش تا قدم

شاہ قلندر شدہ نام شریف — باد چو شاہ شرف اسمش لطیف

عم خودش گرچہ بگویم سزاست — خوردی خود را نایم بجاست

پس ز رہ لطف بزرگانہ — رحمت و شفقت مردانہ

کرد ز اصحاب خودش فتح دیں — آنکہ ز دنیاست از و فتح دیں

سوئے من تنگ ہمہ خاندان — چو مہ پُر نور سبک تر رواں

نکہت جاں بخش شمال صبا — جلوہ نما کرد نوید وفا

غنچہ دل گل شدہ شگفت ازیں — فرح نمودار شد اندر رواں

ایں ایں خواب کہ بیداری است — بلکہ از فضل تو مرا یاری است

مرسل ایں خام رسالہ امام — در نظر تحفہ تو والسلام

اوپر ہم نے دو طویل نظموں کے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ اسی کلیات قلندر شاہ میں مولوی امام الدینؒ کے نام حضرت قلندر شاہؒ کا ایک اور منظوم خط ہے۔ مولوی امام الدینؒ کا انتقال گڑ... ضلع جھجر میں ہوا۔ مدفن قلعہ رہتک میں حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کے پہلو میں ہے۔ رتانون سلوک سیاہ الانساب اور نسب نامہ الیاس میں تاریخ وفات ۱۲ شعبان ۱۲۶۱ھ ۱۴/ اگست ۱۸۴۵ء دی ہوئی ہے۔ آپ کی دختر نیک اختر کا نکاح خلیل الرحمن ۱۹ بیٹا بن قاضی غلام حسن سے ہوا۔ اصل کابین نامہ ہمارے پاس ہے۔ یہ نکاح یکم جمادی الاول ۱۲۶۱ھ کو ہوا۔ اس میں دلہن کے والد مولوی امام الدین کو مرحوم لکھا ہے اور نکاح دلہن کے بھائی مولانا حافظ الدین کی ولایت میں

ہوا۔ مولوی امام الدینؒ کے پانچ فرزندوں میں صرف ایک فرزند مولانا حافظ الدین کا سلسلہ اولاد جاری ہے۔

الحاج مولانا قاری حافظ الدینؒ

ولادت: ۲۷ رمضان ۱۲۴۳ھ ۱۲ اپریل ۱۸۲۸ء رہتک

وفات: ۱۲ محرم ۱۳۲۵ھ ۲۷ فروری ۱۹۰۷ء دوجانہ

مولوی امام الدینؒ بن شاہ احمد الدینؒ بن شاہ بدر الدینؒ کے پانچ فرزندوں میں سب سے بڑے مولانا حافظ الدین تھے۔ اپنے ہم عصروں میں خاندان کے فاضل ترین بزرگ تھے۔ دوجانہ میں اپنے پدر بزرگوار کی نگرانی میں تعلیم پائی۔ نو برس کی عمر میں کلام پاک حفظ کر کے رمضان شریف میں محراب سنائی۔ والد کے انتقال پر دہلی میں چھ سال تک مشہور فاضل مولانا امام بخش صہبائی سے فارسی پڑھی۔ مولانا صہبائی کے زور دینے پر آپ نے عربی کی طرف توجہ کی۔ اور عربی علم و ادب صرف و نحو، لغت و عروض، فقہ، تفسیر، حدیث، ہیئت، ہندسہ، حساب اور فن مناظرہ کی تعلیم پائی۔ مکہ معظمہ جا کر سید احمد حسین مکی سے علم حدیث کی تکمیل کی۔ وہاں سے نجد، بحرین اور مسقط کی راہ مراجعت فرمائے وطن ہوئے (۱۸۵۳ء)

دوجانہ پہنچ کر آپ نے درس و تدریس اور خطابت کا سلسلہ شروع کیا۔ اپنے تایازاد بھائی مولوی ضیاء الدین متوفی ۱۲۹۳ھ بن شاہ غیاث الدین سے خرقہ خلافت اور حضرت شاہ غلام جیلانیؒ و شاہ بدر الدینؒ کے تبرکات پائے۔ صرف ریاست دوجانہ ہی نہیں بلکہ تمام ہریانہ میں تجوید قرآن و فن قرأت میں آپ امام کا درجہ رکھتے تھے اور اولاد حضرت قاضی قوام الدینؒ میں آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ اور آپ کے فرزند قاری سید حسن شبّر اور پوتے قاری شیخ محسن سبحان نے حرمین شریفین میں فن قرأت کی تعلیم پائی۔

آپ کے معتقدین کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ آج بھی آپ کی کراماتوں کے چرچے ہیں۔ مگر آپ کی اصل کرامت یہ تھی کہ آپ نے دینی علوم کو عام کیا اور مسلمانوں کی کئی بری رسموں کی اصلاح کی۔ تحریک بوکان کے بھی آپ سرگرم کارکن تھے۔ اپنے خاندان میں زر مہر کی مقدار ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ اور ایک سونے کا ٹکا (اشرفی) تھا۔ ۱۸۹۳ء میں آپ نے ایک محضر نامہ تیار کیا۔ اس پر خاندان کے باشعور حضرات کے دستخط لے کر زر مہر دس ہزار روپیہ مقرر کیا۔ دوجانہ میں محلہ علی عالم میں آپ نے چھ ہزار روپے

کے صرف سے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ آپ کا متصل مزار اسی مسجد کے پہلو میں ہے۔

حکیم شکور الدین مرحوم (۴۹ ب) نے ایک نظم میں آپ کا سراپا بیان کیا ہے۔ کشادہ پیشانی، آنک
تیل اور اونچی، دونوں رخساروں پر مسّے تھے۔ داڑھی ٹھوڑی پر زیادہ تھی اور ادھر ادھر چھدری سی
متین تھے مگر بات کرتے وقت چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ہوتی۔ اسّی سال کی عمر پائی مگر آخر عمر تک تما
اور بصارت معمول پر تھیں۔ آپ کا سلسلۂ اولاد جاری ہے (۶۶ تا ۶۸)

آپ کے آٹھ آٹھ ورقی دو رسالے "مرآۃ المحمدی" اور "نجاتِ دارین" طبع ہو چکے ہیں۔ کتاب "الوارث" کے نام سے آپ کا ایک روزنامچہ بھی محفوظ ہے۔ جس میں ۱۸۸۵ء سے ۱۸۹۰ء تک کی آپ کی شب و روز کی مصروفیات درج ہیں۔ یہ روزنامچہ عربی میں ہے اور آپ کے پڑپوتے تار وجاہت حسن صاحب (۶۷) کے پاس ہے۔ شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ بیاض فیض احسن (۴۸) میں آپ کی ایک مثنوی ہے جس میں آپ کے زمانۂ طالب علمی کے حالات ہیں۔ اسی بیاض میں آپ کے چند قصیدے ہیں۔ مثنوی کا مطلع ہے:

بنام خدا داور بے چگوں   فرازندۂ آسمان بے ستوں

آپ کے تین فرزند تھے مولوی زین الدین قاری سید حسن شبر اور مولوی سید حسین شبیر جن میں سے پہلے دو کی اولاد کا سلسلہ جاری ہے (نمبر ۶۶ تا ۶۸)

باب ۲

سلسلۂ کبیریہ

مولانا کبیر الدینؒ

ہندوستان میں صدیقیانِ رہتک و ہم کے مورثِ اعلیٰ زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ بخیری ثم رہتکی تھے۔ آپ کے دو فرزند تھے: مولانا افتخار الدینؒ اور ان کی اولاد میں سے بعض منصب داروں اور مشائخ کا ذکر گذشتہ دو ابواب میں کیا گیا ہے۔

مولانا کبیر الدینؒ رہتک میں متولد ہوئے۔ دہلی میں تعلیم پائی۔ قاضی محمد حسن صدیقی الصمی متوفی کی ایک تحریر (ضمیمہ ۵) کے مطابق سلطان معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ھ = ۱۲۸۷ء میں مولانا کبیر الدینؒ کو ہم کا خطیب، متولی اور میر عدل مقرر کیا۔ آپ اور آپ کے بھتیجے قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدینؒ رہتک سے جا کر ہم میں سکونت پذیر ہوئے۔ مولانا کبیر الدینؒ کی اولاد اس قصبہ میں ۱۹۴۷ء تک آباد رہی اور قیامِ پاکستان پر ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آگئی۔ آج بتاریخ ۸ ستمبر ۱۹۶۲ء مولانا کبیر الدینؒ کی اولاد سے تین سو ساٹھ افراد حیات ہیں۔

مولانا کبیر الدینؒ کا ہم میں انتقال ہوا۔ مرقد مبارک دھولی قبر کے نام سے معروف ہے یہ قبر قصبہ ہم کے مغربی تالاب کے جنوب میں اس کچی سڑک کے کنارے پر ہے جو ہم سے توشام ضلع حصار جاتی ہے۔

پرگنہ ہم کی خدمات، خطابت، تولیت اور میر عدل مولانا کبیر الدینؒ کے بعد آپ کی اولاد میں متواتر چلتی رہیں۔ خدمات تولیت اور میر عدل تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ابتدائی عہدِ حکومت ۱۸۰۹ء میں ختم ہو گئیں۔ البتہ خطابت اس خاندان میں ۱۹۴۷ء تک رہی۔ اس باب میں

محمد ہادی، منظور احمد، منصیر احمد، مشکور احمد، انوار احمد، مختار احمد اور افتخار احمد صاحبان آپ کے سات فرزند ہیں۔ ان کا بیان نمبر ۱۳۱ اور میں آئے گا۔

میر عدل اور حاکمِ شرع

مولانا کبیر الدینؒ کی اولاد میں خطیب و متولی کے علاوہ بعض حضرات میر عدالت یا میر عدل اور حاکم شرع بھی رہے ہیں۔ یہ مناصب عہدۂ قضاء سے مختلف ہیں۔ اسناد الاشجار میں میر عدل کی بجائے داروغہ عدالت لکھا ہے۔ جن حضرات کے نام کے ساتھ ان میں سے کوئی منصب لکھا ہوا کنز الآثار میں محفوظ رہ سکا ہے ان کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے سے پہلے کا فرزند ہے:

۱۔ شیخ محمد سلیمان بن مولانا کمال الدین بن مولانا غیاث الدین بن مولانا ظہیر الدین بن مولانا کبیر الدینؒ: مہر "سلیمان اہتمام شرع فلاشی لعادله المنیع الغالب علی جمیع امرہٖ" بر تحریر ۱۷ صفر ۹۹۹ھ، ۱۷ ربیع الثانی ۱۰۰۶ھ۔

۲۔ شیخ محمد مبارک: مہر "مبارک بہت سلیمان یقین امور شرع متین ۱۰۲۶ھ" یہ مہر ۴ محرم ۱۰۷۲ھ تک کی تحریر پر ہے۔

۳۔ شیخ محب اللہ عرف محمد حاجی بن شیخ سیف اللہ بن شیخ محمد مبارک: مہر "محب اللہ سیف اللہ یقین اہتمام امور شرع متین ۱۰۷۴ھ"

۴۔ شیخ اکرام اللہ: مہر "اکرام بن محب اللہ یقین اہتمام امور شرع متین ۱۱۰۷ھ" یہ مہر ۱۹ شوال ۱۱۱۵ھ تک کی تحریر پر ہے۔

۵۔ شیخ ظہور اللہ: مہر (۱) "ظہور اللہ ابن اکرام اللہ یقین اہتمام امور شرع متین ۱۱۳۰ھ" (۲) "ظہور اللہ ابن اکرام اللہ یقین اہتمام امور شرع متین" بر تحریر ۵ محرم ۱۱۸۱ھ

۶۔ شیخ احسن اللہ: مہر "شیخ احسن اللہ ولد ظہور اللہ اہتمام امور شرع ہو ۱۱۸۹ھ" بر تحریر ۲ ربیع الاول ۱۱۹۵ھ۔ ۲۶ فروری ۱۷۸۱ء کو شیخ احسن اللہ قتل نہیں ہوئے۔

۷۔ شاہ عبدالعظیمؒ بن شاہ عبدالحکیمؒ بن شیخ عطاء اللہ بن شیخ سیف اللہ بن شیخ محمد مبارک مذکور الصدر: مہر "شیخ عبدالعظیم اہل یقین اہتمام امور شرع متین و سکاک ۱۲۲۶ھ" اور حاشیہ میں "وافوض الامری الی اللہ نصر من اللہ فتح قریب" بر تحریر ۱۷ شوال ۱۲۲۶ھ

یعنی ۴ ۲ اکتوبر ۱۸۱۲ء۔ واضح رہے کہ مہر پر ۱۸۱۰ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہو چکا تھا۔ یہ مہر اگر کسی منصب کو ظاہر نہیں کرتی تو انگریزی حکومت سے متعلق خاندان کے عزائم آزادی کا مظہر اور کھلے بندوں اظہار کرتی ہے۔

ان سات بزرگوں کے علاوہ دو بزرگوں کی مہروں پر "حاکم شرع" پایا گیا ہے۔ ان میں سے پہلے مولانا کبیر الدینؒ کی اولاد میں ہیں اور دوسرے مولانا افتخار الدینؒ کی اولاد ہے۔

۱۔ شیخ محمد جیو بن شیخ محمد جمال بن شیخ محمود اوّل: مہر "شیخ جیو بن جمال بن محمود حاکم شرع شد بعون ودود" بر تحریر ۱۷ صفر ۹۹۹ھ۔

۲۔ قاضی اشرف بن قاضی احمد بن قاضی محمد اسحاق: مہر "عبدہٗ اشرف ولد قاضی احمد حاکم شرع شریف"

ان خدمات کے علاوہ مولانا کبیر الدینؒ کی اولاد میں بعض سرکاری مناصب بھی رہے ہیں۔ جن میں قابل ذکر عہدہ پنج ہزاری ہے۔ اس عہدہ پر دو بھائی شاہ کمال اللہ اور شاہ لطف اللہ ابنائے شیخ سیف اللہ متمکن رہے۔ نگران کے رجحان طبع، شہرت اور کام کی مناسبت سے ہم ان کا ذکر اگلے باب میں کریں گے۔

باب ۵

مشائخ و علمائے سلسلۂ کبیر یہ

۱۔ حضرت شاہ کمال اللہؒ

ولادت: مہم ضلع رہتک۔

وفات: ۲۲ محرم ۱۱۵۵ھ ۱۰ مارچ ۱۷۴۲ء مہم۔

صاحبِ روضۃ الرضوان کے بیان کے مطابق حضرت شاہ کمال اللہؒ بن عطاء اللہ منصب پنج ہزاری پر فائز تھے۔ اور لاہور میں کتب خانہ شاہی کے مختار۔ ایک بزرگ میر ایوب بدخشی نقشبندی لاہور میں وارد ہوئے۔ شاہ کمال اللہ بھی ان کی زیارت کے لئے گئے۔ میر ایوب اس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ آپ ایک طرف مؤدب بیٹھ گئے۔ میر صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ اٹھا کر آپ کو دیا۔ آپ نے کھا لیا۔ کچھ دیر بعد میر صاحب نے اس لقمہ کی لذت کا حال پوچھا آپ نے جواب دیا: "لذت لقمہ تا بدہان، چوں فرو رفت لذت را چہ نشاں" (لقمہ کی لذت صرف منہ میں ہوتی ہے جب آگے چلا جاتا ہے تو لذت بھی نہیں رہتی) میر صاحب نے فرمایا: "میاں کمال اللہ یہی حالت دنیائے ناپائیدار کی ہے، جلد ہی اس کی سب لذتیں فنا ہو جاتی ہیں، اسی واسطے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ۔ یعنی دنیا میں مسافرانہ زندگی بسر کرو۔ زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ کہ یہ دیر پا مقام نہیں ہے" ان باتوں میں خدا جانے کیا جادو بھرا تھا کہ گھر آ کر سرکاری خدمت سے مستعفی ہو گئے اور میر ایوب بدخشیؒ کی خدمت میں رہنا شروع کیا۔ یہاں آپ نے سلوک نقشبندیہ مجددیہ طے کیا۔

انتقال مہم میں ہوا۔ آپ متاہل نہیں ہوئے۔ آپ کے بھتیجے شاہ عبدالحکیمؒ نے کمالِ ایوبی کے نام سے آپ کی سوانح عمری لکھی تھی جو ایک آتش زدگی میں ضائع ہو گئی۔ میر ایوب بدخشی نے سنہ ۱۱۹۱ھ ۱۷۷۷ء میں امیر الامرا جہاں داد خان کے ایماء پر مثنوی معنوی کی شرح لکھی تھی جس کے دفتر ششم کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعہ پیرزادہ میں موجود ہے۔

۲۔ حضرت شاہ لطف اللہؒ

ولادت: مہم ضلع رہتک

وفات: قبل از ۱۱۵۵ھ ۱۷۴۲ء مہم۔

شاہ لطف اللہ بن مولانا عطاء اللہ بن مولانا سیف اللہ میر عدل بن مولانا محمد مبارک میر عدل بن مولانا محمد سلیمان میر عدل بن مولانا کمال الدین الملقب بہ کمال خان خطیب و متولی بن مولانا غیاث الدین خطیب و متولی بن مولانا ظہیر الدین خطیب بن مولانا کبیر الدینؒ بن زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین بجنیری ثم رہتکیؒ۔

آپ نے اپنے برادر بزرگ شاہ کمال اللہ کے منصب پنج ہزاری سے مستعفی ہونے پر منصب سہ ہزاری پایا اور نائب گورنر لاہور بنائے گئے۔ اپنے پدر بزرگوار مولانا عطاء اللہ کے نام کی مناسبت سے آپ کو "عطا محمد خاں" شاہی خطاب ملا۔ زمانۂ ملازمت میں مہم کی رہائش کے لئے ایک محل بنوایا۔ روضۃ الرضوان کے بیان کے مطابق آپ سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۸ء سے پہلے منصب پنج ہزاری پر فائز ہوئے۔ مرقد شاہ کمال اللہؒ کے پہلو میں خانقاہ کلاں مہم میں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کے مجموعہ پیرزادہ کے قلمی نسخوں کے نمبر ۱۵۹۹ پر ایک مختصر لغاتِ فارسی ہے۔ اس پر شاہ لطف اللہؒ کے بیٹے کے پڑپوتے خان بہادر پیرزادہ محمد حسین عارف ایم۔ اے۔ سی۔ آئی۔ ای (باب ۱۰) کے ہاتھ کا یہ نوٹ ہے: "عطا محمد خان صاحب کہ در لاہور نائب صوبیدار بودند و منصب سہ ہزاری داشتند در زمان محمد شاہ ترک ملازمت کردہ بہ مہم آمدند۔ مزار ایشاں در خانقاہ کلاں۔ لطف اللہ خود را کمال الٰہی و ایوبی نوشتہ اند"۔ محمد شاہ بادشاہ کا عہدِ حکومت سنہ ۱۷۱۹ء سے سنہ ۱۷۴۸ء تک تھا آپ کی شادی خاندان میں ہی مفتی حبیب اللہ کی پوتی بی بی ساجدہ بنت عبدالقدوس سے ہوئی اور ایک فرزند عبدالحکیم اور دو لڑکیاں تولد ہوئے۔ شاہ عبدالحکیم کا ذکر ابھی کیا جائے گا۔

۳۔ حضرت شاہ عبدالحکیم الحکیمؒ

ولادت: ۱۱ رجب سنہ ۱۱۲۱ھ ۵ ستمبر سنہ ۱۷۰۹ء لاہور

وفات: ۲۰ جمادی الثانی سنہ ۱۱۸۶ھ ۸ نومبر سنہ ۱۷۷۳ء ہم

حضرت شاہ عبدالحکیم اورنگ زیب عالمگیر کے جانشین بہادر شاہ اوّل کے عہدِ حکومت میں لاہور میں تولد ہوئے جہاں آپ کے والد شاہ لطف اللہ الملقب بہ عطا محمد خاں نائب گورنر تھے۔ فیض گوہر تاریخی نام ہے۔ آپ کے نامور تایا حضرت شاہ کمال اللہؒ نے تمام عمر شادی نہ کی تھی۔ انہوں نے آپ کی تربیت اولاد کی طرح کی۔ ویسے بھی اس خاندان میں بالعموم بیٹوں سے زیادہ بھتیجوں سے محبت رہی ہے۔ تایا بھتیجے میں یہ تعلق خاطر اس حد تک تھا کہ شاہ عبدالحکیم بیس اکیس سال کی عمر تک اپنی ولدیت کمال اللہ لکھتے رہے۔ چنانچہ ۲ رجب سنہ ۱۱۳۸ھ اور غرہ ربیع الثانی سنہ ۱۱۴۳ھ کے کاغذات پر آپ کے دستخط "عبدالحکیم ولد شیخ کمال اللہ بخطہٖ" ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ بعد میں ہر جگہ اپنی اصلی ولدیت لکھی ہے۔ اپنے تایا سے سلسلہ نقشبندیہ میں فیض پایا۔

اپنے والد کے اکلوتے فرزند تھے۔ مہربان تایا لاولد تھے۔ گھر میں دولت کے انبار تھے۔ ناز و نعم میں پرورش ہوئی۔ پہلے والد کا انتقال ہوا پھر سنہ ۱۷۵۳ء میں شفیق تایا اور پیر و مرشد نے دنیا کو خیرباد کہا۔ ابھی ان صدموں سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ علاقہ میں خوفناک قحط پڑ گیا۔ مخلوق اس طرح مرتی رہی جس طرح خزاں میں پتے جھڑتے ہیں۔ آپ نے اپنی دولت بے دریغ اور بسرعت قحط کے مارے سسکتے ہوئے انسانوں میں تقسیم کر دی۔ یہ استعارہ نہیں حقیقت ہے کہ آپ کے پلنگ کے پائے سونے کے تھے۔ لیکن دو ہی سال میں یہ کیفیت ہو گئی کہ جب سنہ ۱۱۷۰ھ سنہ ۱۷۵۶ء میں حضرت خواجہ عبدالواحد رومی مدینہ منورہ سے چل کر دوران سفر ہم پہنچے تو آپ انہیں صرف باجرے کی کھچڑی پیش کر سکے۔ ان بزرگ کا آپ کے محل کے تہ خانے میں چند روز قیام رہا۔ انہی بزرگ نے آپ کو روشن ضمیر کا خطاب دیا۔ آپ پہلے مرید نہ کیا کرتے تھے۔ خواجہ موصوف کے اصرار پر آپ نے معدودے چند کو بیعت سے مشرف کیا۔ تاہم آپ کے عقیدت مندوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔

ان دنوں نواب نجیب الدولہ سلطنتِ دہلی کے اہم ترین منصب یعنی امیر الامرائی پر فائز تھے۔ یہ مرید ہونے کے لئے آئے۔ آپ اس وقت اپنے محل کے سامنے گلی میں جھاڑو دے رہے

تھے۔ پہلے چوبدار اطلاع دینے آیا اور آپ سے دریافت کیا کہ شاہ عبدالحکیم صاحب کا کونسا مکان ہے۔ فرمایا کیوں پوچھتے ہو۔ اتنے میں نواب صاحب کی سواری آ پہنچی۔ آپ نے فرمایا عبدالحکیم اسی بندے کا نام ہے۔ نواب صاحب فوراً سواری سے اتر گئے۔ آپ انہیں اپنے محل کے مردانے میں لے گئے جہاں ایک بوریا بچھا ہوا تھا۔ اسی پر نواب صاحب بھی بیٹھ گئے۔ چند دیہات کی سند معافی اور ایک طشت میں رکھ کر کچھ اشرفیاں پیش کیں۔ آپ نے دیہات لینے سے انکار کر دیا اور نقدی میں سے ایک روز کا خرچ لے کر باقی رقم اسی وقت غربا اور مساکین کو بھجوا دی۔

شاہ کمال اللہؒ، میر ایوب بدخشیؒ اور خواجہ عبدالواحد رومی مدنیؒ کے علاوہ آپ نے سید احمدؒ سید الہ دیا، حضرت جان محمدؒ اور شیخ الہ داد حسین قصوریؒ سے بھی استفادہ کیا۔ آپ کے پوتے حضرت ہادی ہریانہ شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ہذا) کے پیر و مرشد حضرت محمد عبدالعظیم گیلانی پانی پتی نے اپنی تصنیف مصباح السالکین کا اپنی قلم سے لکھا ہوا ایک نسخہ حضرت ہادی ہریانہ کو دیا تھا۔ جو ہمارے ذخیرہ کتب کی زینت ہے۔ اس میں ایک جگہ مصنف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ہانسی میں شاہ عبدالحکیم سے اکتساب فیض کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"در ہانسی در خدمت مولوی عبدالحکیم نیز مستفید شدم چنانچہ عادت ایشاں چنیں بودہ تا در قید حیات بودند ہرگز روز عرس حضرت قطب جمال ہانسوی قدس سرہ ناغہ نکرده و دم از ہانسی دہ کردہ است۔ روزے بندہ در خدمت حضرت مولوی صاحب در مقبرہ منورہ قطب جمال ہانسوی قدس اللہ سرہ نشستہ بود چونکہ وقت یافتم استفسار حال خود کردم۔ حضرت مولوی صاحب مرا اجازت آیت "وَمَن یَتَّقِ اللّٰہَ" فرمودند چنانچہ اول مرتبہ کہ در جناب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم باریافتم از برکت اقدام ایشاں بودہ۔" (ص ۲۴۶)

انکساری، مہمان نوازی اور فقر آپ کے خاص اوصاف تھے۔ محلہ کے گلی کوچوں میں جہاں بھی کوڑا پڑا دیکھتے اسے خود ہی اٹھا کر پھینک دیا کرتے۔ اگر کوئی مہمان یا مسافر آ جاتا اور گھر میں سامان مہمان داری نہ ہوتا تو بے دریغ کسی مکان کے کونے کی کڑیاں ہی بیچ دیتے۔ (روضۃ الرضوان ص ۱۸) ایک روز شب قدر کا جلوہ ہوا۔ آپ نے دعا مانگی۔ یا اللہ! مجھے اور میری اولاد کو فقر و فاقہ عنایت فرما۔ (روضۃ الرضوان ص ۱۹) اس عجیب و غریب دعا کے چرچے آج تک آپ کی

اولاد میں رہتے ہیں۔ حقہ نوشی سے اس قدر متنفر تھے کہ وصیت نامہ میں اپنی اولاد کے لئے رقم فرما گئے کہ تماکو پینے والا اور کھانے والا میرے محل میں سکونت نہ کرے۔ (روضہ ص ۲۰)

حضرت شاہ عبدالحکیم ہمی ہریانی زبان کے ابتدائی مصنفین میں سے ہیں۔ روضتہ الرضوان سے آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف کا علم ہوتا ہے:

۱۔ کمال ایوبی: اس میں شاہ کمال اللہ اور میر ایوب بدخشی کے حالات و مقامات کا ذکر ہے ایک آتش زدگی میں ضائع ہوگئی۔ فارسی میں تھی۔

۲۔ رسالہ علم الفرائض: یہ رسالہ فارسی میں تھا۔ ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

۳۔ منقبتیں: حضرت غوث الثقلینؒ اور حضرت معین الدین اجمیریؒ کی مدح فارسی نظم میں۔ ان میں سے دوسری مدح روضتہ الرضوان میں درج ہے۔ نیز اپنے تایا شاہ کمال کا قطعہ تاریخ بھی کہا اور روضتہ الرضوان میں درج ہے۔

۴۔ دہیز نامہ بی بی فاطمہ: اس ہریانی نظم کے ہمارے پاس تیس شعر محفوظ ہیں: دو شعر ہیں۔

دنیا و دیں کے کام میں گزراں نے اپنی یوں کہا
عبدالحکیم او پر فضل اپنا کیا رب سے سبھی
تابع محمد آل اور اصحاب اولیاان کا
تمت کیا ہے نسخہ دہیز حضرت بی بی فاطمہ

۵۔ خواب نامہ پیغمبر: پروفیسر حافظ محمود شیرانی مرحوم اپنے مضمون "اردو کی شاخ ہریانی میں تالیفات" مطبوعہ اورنٹیل کالج میگزین کی اشاعت فروری ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہیں:

خواب نامہ پیغمبر۔ فہرست کتب خانہ اودھ میں اسپرنگر نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور محمد جیون کی تصنیف مانا ہے۔ (فہرست صفحہ ۱۱) لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ میرے پاس مختلف شہادتیں ہیں جن کی رو سے یہ کتاب شاہ عبدالحکیم کی تصنیف قرار پاتی ہے۔

۱۔ میرے پاس خواب نامہ کا جو نسخہ ہے اس کے خاتمہ پر عبارت ذیل درج ہے:

"ایں کتاب خواب نامہ صلی اللہ علیہ وسلم من تصنیف مقبول رب الکریم شاہ عبدالحکیم بتاریخ یازدہم ذیقعدہ ۱۲۷۹ھ بدستخط زشت خط بندہ پراگندہ عاصی معاصی احقر العباد من عباد اللہ شیخ عنایت اللہ ولد شیخ حافظ امام بخش متوطن

دہلی در شہر رہتک صورت اتمام یافتہ" گویا عنایت اللہ اسے شاہ صاحب کی تصنیف مانتا ہے۔

۲۔ روضتہ الرضوان موسوم بتذکرۃ الرمضان میں خواب نامہ و جہیز نامہ حضرت شاہ عبدالحکیم کی مصنفات میں شمار ہوئے ہیں (ص ۲۰) شاہ محمد رمضان شاہ عبدالحکیم کے پوتے تھے۔ اس لئے تذکرہ نگار کو جو اسی خاندان کے ایک فرد ہیں شاہ عبدالحکیم کے حالات و مصنفات کا صحیح علم ہو سکتا ہے۔

۳۔ لیکن سب سے اہم شہادت وہ ہے جو اصل رسالہ یعنی خواب نامے میں درج ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ یہ کہانی اصل میں فقیر رومی نے بزبان فارسی لکھی تھی اور عبدالحکیم نے اس کی ہندی کر دی ہے۔ چنانچہ

یہ کہانی خوش کہی رومی فقیر — کرم اپنے سیں تو اس کا دستگیر
فارسی اس عقی کہانی یہ کہی — ہندوی میں چاہتا اس کی ہی
ہندوی اس کی کری عبدالحکیم — کرم کر اپنا تو اس پر اے کریم

اس شہادت کی بنا پر ہم اسے شاہ عبدالحکیم کی تصنیف مانتے ہیں۔ خواب نامہ کل آٹھ صفحے کا رسالہ ہے جس میں فی صفحہ اٹھارہ سطریں ہیں۔ اس کا افتتاحی شعر ہے:

شکر حق کہتا ہوں پہلی بات مان — شرم میری راکھیو ہر بات مان

خاتمہ کا شعر ہے ۔

پیار میں دلے بندہ سب خلق سیں — پیار کرتا ہے خدا سب خلق سیں

۔۔۔ خواب نامہ کی زبان محبوب عالم اور ساکرم کی زبان کے مقابلہ میں نہایت سہل اور آسان ہے اس میں ٹھیٹ ہندی الفاظ بہت کم لائے گئے ہیں۔ اور زبان اس عہد کی اردو کے نہایت قریب آگئی ہے۔ اگرچہ ہریانی کی اکثر خصوصیات موجود ہیں۔ فعل مستقبل میں جمع غائب کا فرق نمایاں ہے مثلاً مضارع

اتاں پیاری لگاں مجتاپ سیں

اور مستقبل ع

کس طرح چھوٹانگے اس سیں عام و خاص

اس زبان کی ایک خصوصیت

کی جاتی۔ لفظ کو توڑ مروڑ کر وزن کا تابع کر دیا جاتا ہے۔ میں اس کی دو مثالیں دیتا ہوں۔ مثال: آئندہ میں بڈھے اور جوان کے لفظ زیرِ غور ہیں ؎

استاں تیری بڈھے یا جواں ہوں ان عذابوں سے کبھی خالی نہ ہوں

آنے والی مثال میں تشدید کا استعمال ملاحظہ ہو ؎

دیکھ لیا کچھ نہوا کار گر

کہا کا استعمال: کہا اے بابا تیرا کیا حال ہے

ہر روز کی مثال: آوتی ہے ان پہاڑوں سے ہروز

یہاں خواب نامے کے خاتمے سے کچھ ابیات دیئے جاتے ہیں تاکہ نمونہ معلوم ہو جائے۔ مصنف نے ان اشعار میں شیخ ابراہیم بن ادھم بلخی متوفی ۲۶۱ھ کی ایک حکایت نقل کی ہے جو دوستی دوستانِ خدا کے اخلاقی پہلو پر روشنی ڈالتی ہے ؎

شاہ ابراہیم ادھم ایک رات دن تھا خدا کی یاد میں سب جان تن
دیکھتا کیا ہے فرشتہ ہے کھڑا لکھتا ہے کاغذ کے اوپر کچھ کھڑا
پوچھا کیا کرنے لگا کچھ کام تو جب فرشتے نے کہا تبلاہی دوں
نام اس کے دوستوں کا میں لکھا کیا نبی اصحاب اور کیا اولیا
جب کہا میرا بھی اس میں نام ہے کہا کچھ نام ہے نہ نشان نہ گام ہے
رو پڑا ادھم جو ایسی بات سن کہا حق آگے جو اپنے دھیان سوں
جو نہیں ہے نام میرا اے خدا دوستوں کی دوستی میں رکھ سدا
دوستوں کی دوستی مجھ دل ہے بات میری سانچ ہے تو مان لے
حکم حق آیا فرشتے کو تبھی نام اس کا رکھ سرے پر تو ابھی
جو کوئی ہے دوست میرے دوست کا دوست ہے جو دوست ہووے دوست کا
دوست میرا جان کر کر دوستی میں بھی رکھتا ہوں اسی سیں دوستی
پیار سیں والے بندہ سب خلق سیں پیار کرتا ہے خدا سب خلق سیں"

یہاں پر حافظ محمود شیرانی کے مضمون سے اقتباس ختم ہوا۔ شاہ عبد الحکیمؒ کا مزار خانقاہ کلاں میں ہے آپ کے دو فرزند شاہ مبارک اور شاہ عبد العظیم تھے۔ دونوں کا سلسلہ اولاد جاری ہے۔

شاہ عبد العظیمؒ مجذوب

آنوار

وفات: ۶ شوال ۱۲۴۳ھ ۱۲ اپریل ۱۸۲۸ء ۷۶ جم

آپ شاہ عبد الحکیمؒ کے فرزند ثانی تھے۔ لڑکپن میں ایک مرتبہ آپ کے دادا شاہ لطف اللہؒ کی خانقاہ کے قریب کسی جاٹ کی بھینس نے گوبر کر دیا۔ آپ یہ بے ادبی برداشت نہ کر سکے اور کہا کم بخت مر نہ گئی۔ یہ کہنا تھا کہ بھینس نے تڑپ کر جان دے دی۔ جاٹ کی شکایت پر شاہ عبد الحکیمؒ نے بیٹے کی جواب طلبی کی تو انہوں نے جواب دیا کہ اس نے خانقاہ شریف کی بے ادبی کی تھی، آپ کا ارشاد ہو تو کہہ دوں کہ کھڑی ہو جائے، یہ سنتے ہی حضرت شاہ عبد الحکیم نے اپنا لعابِ دہن بیٹے کی زبان پر مل دیا۔ اسی وقت آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔

اس جذب و کیفیت کے عالم میں آپ سے کئی کرامات کا ظہور رہا۔ بارش نہ ہوتی تو لوگ آپ کے پاس دعا کے لئے آتے اور آپ کے فرمانے پر مرنڈ نامی تالاب کے کنارے جمع ہو کر دلیہ پکاتے۔ کڑھاؤ چڑھوا کر آپ چلچلاتی دھوپ میں تالاب کے وسیع پختہ گھاٹ پر بیٹھ جاتے اور پکارتے۔ "دلیہ پکے کھیل کھیل، مینہ برسے جھیل جھیل، اللہ میاں مینہ دے" بچے بھی آپ کے ساتھ کہتے جاتے۔ بارہا ایسا ہوا کہ اسی موقع پر کسی جانب سے ایسا بادل آیا کہ جل تھل ہو گیا۔

کسی کا ہدیہ آتا تو آپ اس میں سے ایک حصہ رکھ کر باقی سب حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور فرماتے یہ حصہ امیر خان کا ہے۔ چند روز بعد امیر خان (بعد میں نواب امیر محمد خان والیٔ ٹونک) کے لشکر نے نم کے باہر ڈیرہ ڈال دیا۔ اگلا دن دسہرے کا تھا۔ امیر خان کے لشکر کا مرہٹہ سردار دسہرے کے روز جہاں بھی ہوتا اس مقام کو لوٹ لیتا۔ قصبہ کے ہندوؤں نے شاہ عبد العظیمؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی۔ آپ خود لشکر میں تشریف لے گئے اور امیر خان کو تلقین کر کے اسی وقت کوچ پر آمادہ کر دیا۔

نواب فیض محمد خانؒ (۱۲۰۳ھ ۱۸ ۱ء) والیٔ جھجر کے خلاف مرہٹوں نے مورچہ لگایا۔ نواب صاحب نے دعا کی درخواست کی۔ عین مقابلہ کے وقت آپ نوابی لشکر کے پیچھے پیٹھ کر کے بیٹھ گئے اور سامنے ایک پکی اینٹ کھڑی کر لی۔ طرفین میں توپیں داغی جانے لگیں تو آپ نے

ے یہ بیان روضۃ الرضوان میں ہے۔ غالباً یہ واقعہ نواب فیض محمد خان کے پیشرو کے عہد میں پیش آیا۔

کھڑی اینٹ پر نشانہ لگانا شروع کر دیا۔ چند مرتبہ کی سعی کے بعد اسے گرا دیا۔ اس کے گرتے ہی نعرہ لگایا "وہ مارا۔ وہ مارا" عین اسی وقت مرہٹہ سردار کے گولہ لگا اور مرہٹوں نے شکست کھائی۔

مندرجہ بالا واقعات روضۃ الرضوان سے نقل کئے گئے ہیں۔ ان پر راقم کا تبصرہ غیر ضروری ہوگا۔ قصبہ مہم ۱۸۰۶ء سے ۱۸۰۹ء تک نواب عبدالصمد خان والیٔ دوجانہ کی عملداری میں تھا۔ نواب صاحب حضرت شاہ عبدالعظیم کی بڑی عزت کرتے تھے۔ انہوں نے شاہ صاحب کو ۱۸۰۸ء میں ایک بھینی اور اس کے توابع سارنگ اور راتو بطریق نیاز پیش کئے۔ بھینی کو پنجابی میں ڈھوک کہتے ہیں۔ یہ بھینیاں قصبہ مہم سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ آپ کی مُہر "شیخ عبدالعظیم اہل یقین، اہتمام امور شرع متین و سکاک ۱۲۲۶" تھی جس کے حاشیہ پر "وافوض امری الی اللہ نصر من اللہ وفتح قریب" لکھا ہوا تھا۔ یہ مہر ۲ شوال ۱۲۲۷ھ کے ایک کاغذ پر پاس ہے۔ آپ کے دو فرزند شاہ محمد رمضان شہیدؒ اور شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ تھے جن کے حالات زندگی آگے کی سطور میں بیان ہوں گے۔

ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ

ولادت: ۱۱۸۳ھ ۱۷۶۹ء مہم

شہادت: ۲۰ جمادی الاول ۱۲۴۰ھ ۱۸ جنوری ۱۸۲۵ء مندسور وسط ہند۔

مرقد: خانقاہ مہم ضلع رہتک۔

محمد رمضان نام تاریخ تولد کا مظہر ہے۔ آپ کی تصنیف آخرگت کا شعر ہے ؎

محمد اور رمضان دونوں ملیں   ہزار اور یک صد تراسی بنیں

آپ شاہ عبدالعظیم مجذوب بن شاہ عبدالحکیم نہمیؒ بن شاہ لطف اللہؒ الملقب بعطا محمد خان سہ ہزاری اور نائب صوبیدار لاہور کے فرزند اکبر تھے۔

بچپن

حضرت ہادی ہریانہ شاہ محمد رمضان شہیدؒ ابھی چار سال کے تھے کہ درویش منش فاضل دادا کا انتقال ہوگیا۔ والد مجذوب تھے۔ چنانچہ آپ کی تربیت کا بار تمام تر آپ کی والدہ ماجدہ پر پڑا۔ خاندان کے معمول کے مطابق آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی والدہ سے پائی۔ آپ کی والدہ آپ کو اور اپنے مجذوب شوہر کو لے کر ہر سال چند ماہ کے لئے موضع کاہنور چلی جایا کرتی تھیں۔ مسلم راجپوتوں کا یہ قصبہ مہم سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ضلع [illegible] یہ راجپوت ٹولیاں بنا کر لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ جو کچھ لوٹ کر لاتے اس کا دسواں حصہ شاہ عبدالعظیم مجذوب کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔

حضرت ہادی ہریانہؒ چودہ سال کے تھے کہ ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک روز کاہنور میں اپنے ہم عمروں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ آپ نے ایک پتھر اٹھا کر پھینکا کہ درخت کے اوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف چلا جائے۔ تین دفعہ کی کوشش کے باوجود ناکام رہے۔ ایک ہمجولی نے کہا۔ اگر میں پھینک دوں تو کیا انعام دو گے؟ آپ نے فرمایا کہ پاس تو کچھ نہیں البتہ تمہارے مرنے کے بعد دو رکعت نماز نفل پڑھ کر تمہاری روح کو بخش دوں گا۔ وہ ہمجولی پتھر پھینکنے میں کامیاب ہوگیا اور واہ واہ کے بعد بات آئی گئی ہوئی۔ قضائے الٰہی کچھ روز بعد وہ لڑکا فوت ہوگیا۔ آپ نے وعدہ پورا کیا مگر رات کو خواب میں دیکھا کہ مرحوم ایفائے وعدہ کا مطالبہ کر رہا ہے۔ بیدار ہو کر آپ نے دوگانہ پڑھا اور اس کا ثواب روح کو بخش دیا۔ مگر رات کو پھر مطالبہ ہوا۔ غرض کئی مرتبہ ایصال ثواب کیا اور ہر مرتبہ مرحوم کو مطالبہ کرتے ہوئے پایا۔ آپ نے اس کے سبب پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ نذرانوں میں دھاڑ کی لوٹ کا مال آتا ہے اور وہ شرعاً حرام ہے اور یہی رزق حرام قبولِ دعا میں حارج ہے۔ والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم جو کچھ کھا رہے ہیں وہ جائز نہیں۔ اس بے سہارا خاتون نے جواب دیا کہ یہاں تو یہی ہے اگر ہمت ہے تو کہیں حلال روزی جا تلاش کرو۔ آپ اسی وقت والدہ سے اجازت لے کر بغیر کچھ کھائے پئے چل کھڑے ہوئے اور پا پیادہ دہلی جا پہنچے۔ (روضۃ الرضوان صفحات ۴۱ تا ۴۲)

حصول تعلیم

ان دنوں آپ کے خاندان کے ایک بزرگ حضرت شاہ سلام اللہؒ زہابؒ جو بعد میں حضرت ہادی ہریانہؒ کے خسر ہوئے قلعہ معلّی دہلی میں شہزادیوں کی تعلیم پر مامور تھے۔ ان کی وساطت سے آپ حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے حلقۂ درس میں شامل ہوگئے اور چودہ سال تک علوم ظاہری و باطنی سے فیض یاب ہوتے رہے۔ ہفتہ میں دو بار منگل اور جمعہ کو شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے برادر بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے استفادہ کرتے رہے اور آپ سے سبقاً سبقاً ان کے والد امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصانیف قول الجمیل اور کتاب انتباہ پڑھیں اور دونوں کی اجازت پائی۔ دہلی میں یہ سلسلہ تعلیم ۱۱۹۶ھ سے ۱۲۱۱ھ (۱۷۸۳ء سے ۱۷۹۶ء) تک چودہ سال جاری رہا۔

مزید استفادہ

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل بزرگوں سے کسبِ فیض کیا۔

۱۔ حکیم غلام حسین عرف حکیم سکھوا گوہانویؒ
۲۔ میر فتح علی شاہ دہلویؒ
۳۔ حضرت شائستہ خاں دہلویؒ
۴۔ شاہ ارادت اللہ دہلویؒ: قصبہ گجڑا اسلام علاقہ مارواڑ کے رہنے والے تھے۔
۵۔ سید غلام قطب الدین فرخ آبادیؒ
۶۔ حضرت شاہ غلام جیلانی صدیقی الرہتکیؒ (باب ۳)
۷۔ شاہ محمد عبدالعظیم گیلانی لاہوری ثم پانی پتی متوفی ۱۲۲۶ھ شاہ محمد رمضانؒ نے آپ کے سلسلہ قادریہ کا اجرا کیا۔ قادریہ سلسلہ طریقت اس طرح ہے: ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ۔ شاہ محمد عبدالعظیم گیلانی ثم پانی پتی۔ سید حفیظ اللہ قادری متوفی ۱۱۸۸ھ ساکنہ بڑی کھاٹو علاقہ مارواڑ۔ شاہ عبداللطیفؒ۔ شیخ بدھا۔ شیخ فتح محمدؒ۔ شیخ الہ داؒ۔ شیخ عبدالقادر ثالثؒ۔ سید محمد غوثؒ۔ شیخ زین العابدینؒ۔ سید عبدالقادر ثانیؒ۔ پیر شمس الدینؒ۔ مخدوم سید شاہ میرؒ۔ سید بدر علیؒ۔ سید مسعودؒ۔ سید صوفیؒ۔ سید ابو نصرؒ۔ سید سیف الدین عبدالوہابؒ۔ حضرت عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ۔

شخصیت

آپ کا قد میانہ تھا۔ بازوؤں کے اعتبار سے ساوت تھے یعنی بازو اس قدر طویل تھے کہ ہاتھ کی انگلیاں گھٹنوں کے قریب پہنچ جاتی تھیں۔ جسم بھرواں تھا۔ رنگ گندمی سرخی مائل، پیشانی چوڑی، ابرو کشادہ، سینہ فراخ اور ریش قطع تھی۔ حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکیؒ (باب ۳) فرمایا کرتے تھے کہ ہزاروں کوس کا سفر کیا۔ اچھی سے اچھی مخلوق الٰہی نظر سے گزری مگر آپ کی ظاہری صورت کا بھی کوئی انسان نہ دیکھا۔ باطنی اوصاف تو کجا (روضۃ الرضوان) سفرِ حج کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کے رفقاء میں سے جو واپس آئے بیان کرتے تھے کہ آپ کی وجاہت اور شباہت کو دیکھ کر بعض عرب سرگوشیاں کر رہے تھے کہ ہندوستان کا بادشاہ ہے جو درویشوں کے بھیس میں آیا ہوا ہے۔

صاحب روضۃ الرضوان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مسٹر ولیم فریزر اور دہلی کے ریذیڈنٹ مسٹر اکٹرلونی کو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا وعظ سننے کا شوق تھا۔ حضرت دہلویؒ نے اپنے

وعظ میں خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام کے فضائل اور مناقب بیان فرمائے۔ اختتام وعظ پر اکٹرلونی نے دریافت کیا کہ کیا اب بھی مسلمانوں میں کوئی ایسا ہے جو صحابہ کے مشابہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہے۔ انہوں نے شوقِ زیارت کا اظہار کیا۔ تاریخ مقرر ہو گئی۔ ہم نے شاہ محمد رمضانؒ کو بلا کر اندر بٹھا لیا مگر انہیں بتایا کچھ نہیں۔ اس روز مدرسہ میں ایک جمِ غفیر موجود تھا۔ مسٹر اکٹرلونی بھی آئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب دہلویؒ شاہ محمد رمضانؒ کا ہاتھ پکڑے باہر نکلے اور فرمایا:

"میں اپنا وعدہ پورا کرتا ہوں۔ مثل اصحاب کرام یہ صاحب میاں محمد رمضان صدیقی مہمی ہیں۔"

مجمع میں سے کسی نے پوچھا کہ مثلِ اصحابِ کرام در سیرت یا در صورت؟ آپ نے فرمایا: "ہم در صورت وہم در سیرت۔" اس وقت شاہ محمد رمضانؒ پر رقت طاری ہو گئی اور روتے ہوئے فرمایا کہ ہاتھی کا بوجھ گھوڑے پر رکھا جا رہا ہے۔" (ص ۶۷،۶۸)

ہادی ہریانہ

آپ کی زندگی کے سینکڑوں واقعات نقیب الاولیاء اور روضۃ الرضوان میں درج ہیں۔ اگر ان کے ساتھ ان روایات کا ذکر کیا جائے جو اب تک لوگوں کی زبان پر ہیں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے۔ بزرگانِ دین سے متعلق روایات سینہ بہ سینہ چل کر کیا سے کیا بن جاتی ہیں۔ مگر اس پر حیرت ہے کہ آپ سے متعلق روایات نہ غیر العقول نہیں اور نہ انہوں نے آپ کو ایک افسانوی شخصیت بنایا۔ یہ زبانی روایات بنیادی طور پر آپ کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں۔ تاہم زبانی ہیں اس لئے کسی تاریخ کی کتاب کے لئے مستند شمار نہیں ہو سکتیں۔ آپ کے اتنے ٹھوس کارہائے نمایاں موجود ہیں کہ زبانی روایات کا سہارا لئے بغیر آپ کی سوانح عمری مرتب کی جا سکتی ہے۔ آپ نے معاشرہ میں اتنی زیادہ اور ایسی خوشگوار تبدیلیاں کی ہیں جن کے اثرات اب تک محسوس کئے جا سکتے ہیں۔ بقولِ مصنف نقیب الاولیاء:

"ہریانہ، میوات اور سوتر میں ہزاروں کافر آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اور بلا مبالغہ لاکھوں نے کفر و شرک سے آپ کے ہاتھ پر توبۃ النصوح کی۔" (ج ۲ دفتر ص ۵)

لاہور کے اورینٹل کالج میگزین کی اشاعت فروری ۱۹۳۲ء میں محقق حافظ محمود شیرانی مرحوم حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ ہریانہ دیس کے صحیح معنوں میں مصلح اور ہادی ہیں۔ ان کی عملی زندگی کے کئی پہلو ہیں یعنی تعلیمی، روحانی، اصلاحی اور ادبی۔"

ہریانہ کی حالت

حضرت ہادی ہریانہؒ کی اصلاحی تحریک کا آغاز ۱۷۹۶ء میں ہوا۔ یہ تحریک اپنے

بانی کی رہنمائی میں انتیس سال تک چلتی رہی۔ اس عرصہ کا بیشتر حصہ اور اس سے پہلے کے کچھ سال کو ہریانہ (اضلاع رہتک، حصار اور متصلہ علاقے) کا دور بدامنی سمجھنا چاہیئے۔ تمام مسلم عہد حکومت میں یہ علاقہ صوبہ دہلی کا حصہ رہا۔ پایۂ تخت کے قرب کے باعث یہاں کا نظم و نسق بھی مثالی رہا۔ مغل عہد حکومت کے دورِ پیری میں بادشاہ کے ایجنٹ یعنی وکیل مطلق کی حیثیت سے ۱۷۸۵ء میں مرہٹوں نے اس علاقہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان کی سکھوں اور جاٹوں کی روز روز کی باہمی لڑائیوں نے علاقہ کا امن تباہ کر دیا۔ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر ایسٹ انڈیا برٹش کمپنی کا قبضہ ہو گیا اور ایک مدت تک علاقہ ہریانہ میں کم و بیش جنگل کا قانون رائج رہا۔ لاقانونیت نے یہاں کے جنگجو جاٹوں اور راجپوتوں کی خوئے غارت گری کو اور بھی ہوا دی۔ کمپنی کی حکومت نے اندھا دھند فوج کی بیگار، عجیب و غریب نظام عدل اور کمر توڑ نظام مالیہ سے دیہی خود مختاری کا خاتمہ کر دیا۔ بہت سے دیہات تباہ ہو گئے۔ لوگوں نے ہل چھوڑ کر لوٹ مار اور غارت گری کو اپنا پیشہ بنا لیا۔

علاقہ میں مسلم راجپوت کل آبادی کا تقریباً دسواں حصہ تھے۔ ملکی بدنظمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندو جاٹوں اور راجپوتوں نے انہیں تبدیلیٔ مذہب کی وجہ سے ختم کر دینے کا پروگرام بنایا۔ جن قصبات و دیہات میں مسلم راجپوت اکثریت میں تھے وہاں تو یہ پامردی سے حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے رہے مگر جہاں یہ اقلیت میں تھے وہاں ہندوؤں سے تہذیبی مصالحت پر مجبور ہو گئے اس تہذیبی مصالحت کی حدیں ارتداد سے جا ملی تھیں۔ جیسا کہ ہم آئندہ صفحات میں بتائیں گے حضرت ہادیؒ کی تحریک نے اس مصالحت کو ختم کر دیا۔ مگر چند حالتوں میں یہ تہذیبی مصالحت اتنی مستقل ثابت ہوئی اور صرف نو مسلم جاٹوں تک اگر ہم نے سینکڑوں مولاجاٹ (مسلم جاٹ) دیکھے جو تہذیب و تمدن، رسوم، تہوار اور جزوی طور پر عقائد کے اعتبار سے ہندو جاٹوں سے قطعی مختلف نہ تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کے نام بھی رام سنگھ، رام دین اور جے سنگھ ہوتے تھے۔

ہر شخص کو علم ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر تک ہریانہ کی بعض مسلم اقوام اپنی نومولود لڑکیاں کو زندہ یا مار کر دفن کر دیا کرتی تھیں۔ جس گروہِ انسانی میں دختر کشی جیسی سنگدلانہ رسم موجود ہو اس میں اور کسی بھلائی کی تلاش بے سود ہے۔ پیر پرست اور قبر پرست مسلمان آپ نے دیکھے یا سنے ہوں گے مگر بت پرست مسلمان ہریانہ میں پایا جاتا تھا۔ مسلم راجپوتوں کی اکثریت کے ہندوؤں سیتلا دیوی کی پوجا کرتی اور ٹھاکر دواروں میں جاکر رسوم عبادت ادا کرتی۔ توہم پرستی

تو اب تک دنیا کے ہر ملک میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ مگر ہریانہ میں زرین خاں، ماموں الٰہ بخش، سلطان سخی سرور، گوگا اور لونا چماری کی ارواح کو مسلم راجپوتوں میں بڑی حد تک دیوتائی درجہ حاصل تھا جو بعض ہندوؤں نے خیالی دیویوں اور دیوتاؤں کو دیا ہوا ہے۔ ماسوائے اس کے کہ مسلمان ان کے بت نہ بناتے تھے۔

خان بہادر پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد فضلی (باب ۹) حضرت ہادی ہریانہؒ کی شہادت کے ساڑھے پینسٹھ سال بعد ضلع حصار میں ضلع دار تھے۔ وہاں کے معمر راجپوتوں کی زبانی روایات اور ہادی ہریانہؒ کے زمانہ کی تحریروں اور نظموں وغیرہ کو سامنے رکھ کر اپنی تصنیف نقیب الاولیاء میں ضلع حصار کے علاقہ سوتر کے مسلم راجپوتوں کی حالت یوں بیان کی ہے:

"عرب جاہلیت میں جیسا کہ قبیلہ قبیلہ کا بت جدا تھا اسی طرح سوتر میں ہر ایک کام کے واسطے نئی بدعت اور نیا شرک قوم کا مسلمہ آئین ہو رہا تھا۔ کیا مرد کیا عورتیں کھلے بند کفار کی رسوم کے پابند تھے۔ دھڑے سے سلطان دیئی کو پوجتے تھے۔ پیپل، جنڈ، کیکر کی پرستش کرتے تھے۔ آگ کو دیئی، چراغ کو دیوتا جانتے تھے...... ان کا عقیدہ تھا کہ جس گھر میں آٹھوں پہر آگ موجود رکھی جاوے گی وہ گھر نہ صرف افلاس کی تاریکیوں سے محفوظ رہے گا بلکہ آگ کی جوت سے نعمتوں کی برکات کا نور اس گھر کے در و دیوار پر سورج بن کر چمکتا رہے گا:"

یہی مصنف اپنی تصنیف سیمرغ میں علاقہ ہریانہ کے مسلم راجپوتوں کی معاشرتی حالت کا اس طرح نقشہ کھینچتے ہیں:

ہے جو ہریانہ میں قوم راجپوت
سر بسر ہے میرے دعوے کا ثبوت

ان کا یہ آئین یہ دستور تھا
ہر کوئی اس رسم پہ مجبور تھا

لڑکی جب ہوتی تھی پیدا لاکلام
زندہ درگور اس کو کرتے تھے تمام

جانتے تھے کسرِ شاں داماد کو
قتل کرتے دخترِ ناشاد کو

ہر قبیلہ میں یہ رسم عام تھی
زندگانی موت کا پیغام تھی

لڑکیوں ہی کی نہ تھی کچھ گت بری
شرک سے تھی ملک کی حالت بری

سیتلا کو پوجتے تھے جا بجا
یہ مرض گویا کہ اک معبود تھا

ہولی دیوالی مناتے تھے تمام
کافروں کی رسم پہ تھے خاص و عام

مانتے تھے بھوت پریوں کی نیاز — جانتے تھے ان کو اپنا کارساز
زین خاں کی منتوں کا زور تھا — شرک ہی کفار کا سب طور تھا
ہر گلی کوچہ میں باشور و فغاں — تھا علم گوگا کی چھڑیوں کا نشاں
تھا کوئی ٹونا چاری کا غلام — ٹوٹکوں میں جانتا تھا اپنا کام
شیخ سدو کی نیازوں کا تھا زور — مول تھا بکروں کا بس کچھ سے کچھ اور
ہر بشر کے شرک سے لیل و نہار — تھا زباں پر نعرہ یا دم دار
ٹھاکروں کی بھینٹ پڑھتی تھی کہیں — غیر کے سجدے میں گھستے تھے جبیں
گودتے تھے نیل سے اپنا بدن — اک نئی تصویر تھا ہر عضو تن
میتوں پر سوگ رکھتے سال بھر — بین کرتے ان کے حال و قال پر
جانتے تھے دست بردی کو کمال — شیر مادر تھا انہیں غیروں کا مال

ان ابیات میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ محض شاعری نہیں بلکہ اس وقت کے ایک ہریانی مصنف حافظ رحمت خاں کی کتاب تحفہ ایمانی اور حضرت ہادی ہریانہ کی تصانیف سے اس کے حرف حرف کی تائید ہوتی ہے۔ اس نظم میں آگے چل کر جناب فضلی بتلاتے ہیں کہ تحریک ہادئ ہریانہ نے ان میں سے ہر ایک مذموم رسم کا خاتمہ کر دیا:

غیب سے ظاہر ہوا ابر کرم — جس کا سر مرکز تھا نیاں ہم
حضرت رمضانؒ نے باعزم درست — وعظ پر باندھی کمر ہمت کی چست
قوم کو تعلیم کی تلقین کی — قوم کو باتیں سکھائیں دین کی
ان کو سمجھائے نقصاں کھول کر — ٹھیٹ موتی ان کی بولی رول کر
ہوگئی اک آن میں کایا پلٹ — شرک و بدعت کا گیا دفتر الٹ
گل ہوا رسم جہالت کا چراغ — ہوگیا سرسبز پیغمبر کا باغ
لڑکیاں لڑکوں سے پیاری ہوگئیں — باغ میں پھولوں کی کیاری ہوگئیں
شرک میں ڈنکا بجا اسلام کا — راجپوتوں کا فلک پر غل مچا
اوندھے منہ جو لے دیوتاؤں کے ہوئے — ڈیڑھ پونے ماسواؤں کے ہوئے
زین خاں نے کی رہ ملک فرار — لب کو بھولا نعرہ یا دم دار
کفر پر غالب ہوا حق کا چلن — شیخ سدو کا ہوا بکرا ہرن

گل ہوا دیبی کی منت کا چراغ — ہے دلِ شیطاں میں حسرت کا یہ داغ
سر نگوں گوگا کا جھنڈا ہوگیا
آتش نارِ جہل ٹھنڈا ہوگیا

اگر اس وقت ان قبائل کو ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو اس کا قوی امکان تھا کہ ۱۸۰۳ء میں مسلمانوں کے ہاتھ سے زمامِ حکومت جانے کے بعد یہ اپنی قدیم حالت کفر پر لوٹ جاتے اور اس طرح خود بھی خسارے میں رہتے اور مسلمان بھی ان لاکھوں جری بہادروں سے محروم رہ جاتے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا۔ یہ حقیقت ہے شاہ محمد رمضانؒ کی اصلاحی تحریک کی بدولت دولتِ ایمان سے مالا مال ہونے کے علاوہ اب یہی قبائل تمدنی، معاشی اور اخلاقی اعتبار سے اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں سے بدرجہا بہتر ہیں۔ خدا نے یہ کام اپنے ایک نیک بندے سے کس طرح لیا۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

کارکنوں کی تربیت

ہر مصلح کو تحریک چلانے کے لئے کارکن درکار ہوتے ہیں۔ آپ نے مسلم راجپوتوں ہی میں سے چن چن کر ان لوگوں کو تربیت دی جو فطرتاً نیک اور اپنے گناہ بھرے ماحول سے بیزار تھے۔ تحریک کے کارکنوں میں ایسے حضرات بھی پائے جاتے ہیں جو پہلے ہندو یا عیسائی تھے اور آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام لاکر ایک نومسلم کے سے جوش اور ولولے سے کام کرتے تھے آپ ہر طالب کو بیعت نہیں کیا کرتے تھے مگر جسے بیعت کر لیتے وہ آپ کے رنگ میں رنگا جاتا۔ گرمی میں اپنے آبائی محل کے تہ خانے میں قیام ہوتا تھا۔ وہیں بیسیوں درویش آپ کے زیرِ تربیت رہتے تھے۔ باقی درویش محلہ اور شہر کی مساجد میں ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ درویشوں کی یہ جماعت خود کھیتی کیاری کر کے اپنے اور مسافروں کے لئے غلہ مہیا کرتی۔ کھیتی کے لئے زمین مسلم راجپوتوں نے دے دی تھی جسے دوہلی کہتے تھے ان دوہلیوں کے سرکاری واجبات اہلِ دِہ ادا کرتے اور آمدنی تحریک کا سرمایہ ہوتی۔ ان میں سے ہم کانہی، پوٹھی، اوڈھنگ اور خانک کی دوہلیاں ۱۹۴۷ء تک شاہ محمد رمضانؒ کے ورثا کے پاس تھیں۔ مسافر خانے میں ایک ایک وقت میں سو سو درویش اور مسافر طعام پاتے اور آپ روکھی سوکھی پر بسر اوقات کرتے۔ صبح چنے کی روٹی چھاچھ کے ساتھ اور شام کو نمکین باجرے کا دلیہ آپ کی عام خوراک تھی۔ آپ کی اہلیہ خود چکی میں اناج پیسا کرتیں اور سوت کاتا کرتیں حالانکہ ان خاتون کے والد حضرت شاہ سلام اللہ کا شمار دہلی کے رؤسا میں ہوتا تھا۔

درویشوں کی جماعت میں احمد نامی ایک گاڑی بان تھا جو ہندو جوگی سے مسلمان ہو کر آپ کی خدمت میں رہتا اور آپ کی رتھ چلایا کرتا تھا۔ اس کی نازبرداریاں دیکھ کر ایک بار آپ کے پیرومرشد سید محمد عبدالعظیم لاہوری ثم پانی پتی نے فرمایا: "میں نے بارہا سوچا کہ تمہارے پاس سینکڑوں آدمی کیونکر کھنچے چلے آتے ہیں اور آکر جانے کا نام نہیں لیتے اور جو جاتے ہیں تو روتے ہوئے جاتے ہیں۔ آج معلوم ہوا کہ تمہارا حلم سب کو کھینچ لیتا ہے" (روضۃ الرضوان ص)

ان درویشوں میں ایک انگریز یا فرانسیسی بھی تھا جو دہلی میں آپ کا وعظ سن کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوا (نقیب الاولیاء، نیز سی حرفی حافظ رحمت خاں)

ایک تبلیغی دورہ اپنے درویشوں کی معیت میں آپ بالعموم سال کے گیارہ مہینے وطن سے باہر رہتے۔ ایک تبلیغی دورے کا تذکرہ روضۃ الرضوان میں ہوا ہے اور تفصیل نقیب الاولیاء جلد دوم دفتر دوم میں دی ہوئی ہے اقتباسات آخرالذکر کتاب سے ہیں:

ایک مرتبہ آپ ہانسی میں حضرت قطب جمال ہانسوی کی درگاہ میں قیام فرما تھے۔ عرس کا موقع تھا۔ علاقہ علاقہ کے لوگ حصولِ فیض کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے ضلع حصار کے علاقہ سوتر کا ایک وفد آیا۔ اس وفد میں شاہ محمد لودلہ۔ مولوی نور محمد سکنہ رانیہ، حافظ رحمت خاں سکنہ موسٹی کھیڑہ اور قاضی غلام محمد فتح آبادی بھی تھے۔ انہوں نے عرض کیا۔ "آپ کے فیض برکات سے ہریانہ اور تمام ملک ریں سوئے حصار رسوم قبیحہ سے نجات پا چکا ہے۔ لوگ فسق و فجور سے تائب ہو چکے ہیں۔ دختر کشی کی دیرینہ رسم مفقود ہو چکی ہے لیکن سوتر اور بھٹیانہ میں ہنوز خاص و عام اسی بلا میں گرفتار ہیں" - (ص ۴۹)

یہ باتیں سن کر آپ بہت ملول ہوئے اور بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوئے۔ اگلے روز اپنے درویشوں کو لے کر ہانسی سے چل پڑے۔ راستہ میں بستی بستی وعظ و تلقین فرماتے ہوئے بگیڑ پہنچ گئے یہ مسلم راجپوتوں کا قصبہ تھا اور حصار کی تحصیل فتح آباد سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں آپ نے کئی روز قیام کیا۔ پہلے روز وعظ فرما رہے تھے سانگا نامی نمبردار نے اٹھ کر کہا کہ ہمیں شریعت کے احکام ماننے میں کوئی عذر نہیں مگر اپنی لڑکیوں کو زندہ رکھ کر کسی کا سالہ یا سسر بننا ہمیں گوارا نہیں — اپنے بزرگوں کی طرح ہم اس بات کو بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ اپنی چچازاد بہن کو نکاح میں لے آئیں۔

سانگا اس علاقہ میں با اثر تھا اور اس کے ہم خیالوں کی بھی کمی نہ تھی۔ تاہم آپ کی

شخصیت اور آپ کے وعظ کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہاں کی اکثریت آپ کے ہاتھ پر ان دونوں برائیوں اور دوسری مشرکانہ رسوم سے تائب ہو گئی۔ وہاں کے پڑھے لکھے لوگوں میں آپ نے اپنی مصنفات تقسیم فرمائیں۔ اور ہدایت کی کہ انہیں محلہ محلہ اور گھر گھر پڑھ کر سنایا جائے۔ دوران قیام گردو نواح کے دیہات کے لوگ آکر آپ کے ہاتھ پر تائب ہوتے رہے۔ یہاں آپ نے حافظ مستقیم کو اپنا خلیفہ مقرر کر کے فتح آباد کا عزم کیا۔

فتح آباد میں لدھو نامی تمن دار نے آپ کی سخت مخالفت کی مگر جلد ہی ہموار ہو گیا۔ آپ کی موجودگی ہی میں اس قصبہ کے تقریباً تمام مسلمان دختر کشی سے تائب ہو گئے اور باہمی رشتہ داریوں پر عمل درآمد شروع ہو گیا۔ یہاں قاضی غلام محمد کو خلیفہ مقرر کر کے آپ مواضع عیاکی، اہرواں، بھونہ وغیرہ کا دورہ کر کے اپنے وطن تشریف لے گئے۔

اس تمام سفر میں ایک دیندار راجپوت حافظ رحمت خاں ساکن موسٹی کھیڑہ آپ کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے ایک سی حرفی میں حضرت شاہ محمد رمضان کے فضائل اور کام کا ذکر کیا ہے۔ یہ سی حرفی نقیب الاولیاء جلد دوم دفتر دوم میں نقل ہوئی ہے۔ حروف تہجی کی ترتیب میں کل اٹھائیس بند ہیں جن میں سے ہم صرف تین یہاں نقل کرتے ہیں:-

(ع) عین عجائب تیرا سایا — جان تہہ دلی وعظ سنایا
اک فرنگی دوڑا آیا — ترت فرت ایماں لے آیا
ہور میں کی کراں بیاں
حضرت ہادی شاہ رمضانؒ

(غ) غرور تکبر والے — پینے جیڑے خمر پیالے
دیکھ تینوں ہوئے خوشحالے — تائب ہو چھڈن بد چالے
تابع تیرے جن وانساں
حضرت ہادی شاہِ رمضانؒ

(ق) قصہ سُت دھیاں والا — قتل اولاد اوہنا ندا چالا
مار دھیاں کردے منہ کالا — اوتھے گیوں تو کڈھ کنالا
دیکھ تینوں ہوئے حیراں
حضرت ہادی شاہ رمضانؒ

مسلم غیر مسلم کی کوئی تمیز نہ تھی۔ پاس دوا ہوتی تو وہ بھی مفت دے دیتے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ اس قسم کی ہمدردی ہمیشہ اور ہر جگہ تبلیغی مساعی میں ممد رہی ہے۔

دورانِ سفر جہاں مسجد نہ ہوتی وہاں تعمیر مسجد کی تحریک کر دیتے۔ جھم میں جامع مسجد تو قدیم تھی۔ اس کی ضروری مرمت اور استرکاری آپ نے کرائی۔ رہتک میں بیوپاریوں کی خوبصورت مسجد آپ کی ترغیب و تحریض سے ہی تیار ہوئی۔ اس کی بنیاد بھی آپ کے دستِ مبارک سے رکھوائی گئی۔ انہی بیوپاریوں نے پاکستان آکر ملتان کی گڑ منڈی میں جو عالیشان مسجد تعمیر کرائی ہے۔ اس سے متعلق مدرسہ کا نام مدرسہ رمضانیہ رکھا ہے۔ رہتک کی عیدگاہ بھی آپ ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ ایک موقع پر آپ نے یہاں خود بھر بھر کر مٹی ڈھوئی۔ موضع مرڈودھی ضلع رہتک کی مسجد نمبرداروں کی مخالفت کے باوجود آپ نے تعمیر کرائی۔ موضع بلیالی میں صرف ایک غیر آبادسی مسجد تھی۔ آپ کی مساعی سے وہاں آٹھ مسجدیں ہو گئیں۔ یہ دیکھ کر ارد گرد کے دیہات نے بھی پیروی کی۔ ہانسی میں ایک مرتبہ حضرت قطب جمال ہانسویؒ کی خانقاہ کے میدان میں وعظ فرما رہے تھے۔ تین ہزار ہریانوی فوجی جوان بھی حاضر تھے۔ یہ جون الیگزانڈر کے ماتحت تھے۔ دورانِ وعظ بارش شروع ہو گئی۔ کسی نے چھتری کھولی تو کسی نے چادر تانی مگر کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اختتامِ وعظ پر آپ نے اس جگہ پر ایک مسقف عمارت کی تحریک کی۔ کرنل الیگزانڈر کو اس کا علم ہوا تو اس نے جوانوں سے چندہ جمع کر کے آپ کی خدمت میں تین ہزار روپے بھیج دیئے۔ آپ کے برادرِ اصغر حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ ہی کی نگرانی میں ایک عالیشان عمارت کھڑی ہو گئی۔

مسلم راجپوتوں میں تعمیر مساجد کا شوق پیدا ہوا تو وہ رفتہ رفتہ اسلام سے قریب تر ہوتے گئے۔ یہ مساجد جہاں عبادت گاہوں کا کام دیتی تھیں وہاں ہر گاؤں میں ہر مسجد ایک مرکز محسوس کی حیثیت رکھتی۔ اس سے پہلے ان برائے نام مسلمانوں کے جذبۂ عبودیت کی تسکین کسی ٹھاکر دوارے یا دیبی کے مندر میں ہوتی تھی۔ ان کا جداگانہ کوئی معبد تھا نہ مرکز۔ ان مساجد کو مرکز تحریک بنا کر آپ نے اصل کام شروع کیا۔ ان کے بن جانے سے مسلم راجپوتوں کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ ہم اپنے ہم نسل ہندو راجپوتوں سے جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ اس احساس کے پیدا کرانے کے بعد آپ نے حکیمانہ طریق سے ان کی خوئے غارت گری اور ایک کر کے بہ رسمِ شرک ختم کر دی۔

ضلع حصار کے ایک حصہ میں پنجابی زبان بولی جاتی ہے بند (ع) میں اس فرنگی کا حوالہ ہے جو آپ کے درویشوں کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا۔ بند (غ) میں مسلم راجپوتوں کی کثرت شراب نوشی کی طرف اشارہ ہے۔ آج بھی ہریانہ کے ہندو راجپوتوں کے کم و بیش ہر گھر میں شراب کی بھٹی ہے۔ بند (ق) میں موضع جھنڈا علاقہ پٹیالہ کا وہ واقعہ بیان ہوا ہے جس کے خود حافظ رحمت خاں عینی شاہد تھے۔ رواج سے مجبور ہو کر ایک بدنصیب باپ اپنی چھ لڑکیوں کو پہلے دفن کر چکا تھا اور اب ساتویں لڑکی کو دفن کر کے آ رہا تھا۔ حضرت ہادی ہریانہ ایک جگہ وعظ فرما رہے تھے اور لوگ آ آ کر آپ کے ہاتھ پر رسمِ دختر کشی سے تائب ہو رہے تھے۔ یہ شخص بھی روتا ہوا آیا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ آپ اسی وقت قبرستان تشریف لے گئے۔ قبر کھدوائی تو لڑکی ایک مٹی کے برتن میں زندہ پائی گئی۔ لڑکی کو باپ اپنے گھر لے گیا۔

حکیمانہ تبلیغ کے اثرات

بچپن میں آپ کا قیام مسلمان راجپوتوں کے قصبہ کانور میں اکثر رہا۔ یہاں رہ کر آپ نے ان قبائل کی زندگی کا ہر پہلو دیکھا۔ ان کی نفسیات سے واقف ہوئے۔ ان کی زبان پر بھی قدرت حاصل کی۔ اس ہریانی زبان کا کرخت لہجہ عوام کی فطرت سے ہم آہنگ تھا۔ اس لئے تبلیغ بھی مؤثر ثابت ہوئی۔

علاقہ کے قریہ قریہ میں جا کر آپ نے اسلام کا پیغام پہنچایا۔ علاوہ ازیں آپ نے اس پیغام کی بیسیوں کتابوں میں تشریح کی۔ ان کتابوں میں سے بیشتر کی زبان ہریانی ہے۔ اس طرح آپ نے اس بولی کو اس قابل بنا دیا کہ اس میں طریقت اور شریعت کے مسائل بیان کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ ساتھ ہی تحریک کے لئے مذہبی ادب کا ذخیرہ پیدا کر کے اسے دیہاتی بنا دیا۔ مگر جن کے لئے یہ کتابیں لکھی گئیں وہ باستثنائے چند حرف شناسی سے نابلد تھے۔ اس کے لئے آپ نے شعر کو وسیلۂ اظہار بنایا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اس تحریک کے کارکنوں اور ائمہ مساجد کے ذریعے یہ اشعار ان پڑھ عوام تک پہنچ گئے۔ شعر کی اثر آفرینی مسلمہ ہے۔ اس طرح احکامِ قرآنی، احادیث، سیرت نبویؐ، ضروری مسائل فقہ آپ کی حیات ہی میں ہر کہ و مہ کی زبان پر جاری ہو گئے۔ آج ہزاروں ابجد ناشناس ایسے ہیں جنہیں کبھی علما کی صحبت نصیب نہیں ہوئی مگر ان اشعار کی بدولت ضروری مسائل فقہ سے واقف ہیں۔

طب میں آپ کو دسترس تھی جس گاؤں میں جاتے وہاں مریضوں کا معائنہ کرتے اور اس

بری رسوم میں سب سے بری دختر کشی تھی۔ ہادی ہریانہؒ نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ اس طرف دی۔ اس انسانیت سوز رسم کا خاتمہ تحریک کے ابتدائی پانچ چھ سال میں ہو گیا تھا۔ یعنی مسلم عہد حکومت ہی میں ہو گیا تھا۔

مسلمان اور بت پرستی ایک سمجھ میں نہ آنے والی بات ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ ہریانہ کے مسلم راجپوتوں کی اکثریت ٹھاکر دواروں میں جا کر پوجا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں چیچک کا مرض عام تھا۔ ایک دفعہ یہ بیماری شروع ہو جاتی تو علاقہ کے ہزاروں لوگ اس کا شکار ہو جاتے۔ کوئی گھر نہ ہوتا جس میں دو ایک اموات نہ ہو جائیں اور جو بچ رہتے وہ بھی بدشکل ہو جاتے۔ علاج کی غیر موجودگی میں انسان اپنے آپ کو اس موذی مرض کے مقابلہ پر عاجز پاتا تھا۔ یہ عام خیال تھا کہ سیتلا دیوی ناراض ہو کر یہ بلا عوام پر چھوڑ دیتی ہے اس کا مداوا اس طرح کیا جاتا کہ موضع رندھانہ (دھنانہ) میں سیتلا دیوی کے کریہہ المنظر اور ہیبت ناک بت کی بڑے اہتمام سے پوجا کی جاتی۔ مسلمان راجپوت بھی اپنی قدیم عقیدت کے ساتھ اس کی پوجا کرتے اور گلگلے اور پوڑے پکا کر نذر گزارتے۔ سیتلا دیوی کے مندر رہتک جھجر اور بدھلان میں بھی تھے کسی حتمی علاج کی غیر موجودگی میں اس مشرکانہ رسم سے مسلم راجپوتوں کو پاک کرنا کار دارد تھا۔ آپ نے سالہا سال کی کوشش کے بعد اس رسم کفر کا خاتمہ کیا۔ کچھ تو اسلامی حمیت پیدا کر کے اور کچھ ایک متوازی رسم جاری کر کے سیتلا دیوی کی ذات سے عقیدت کا دھارا بدل کر دوسری طرف کر دیا۔ چنانچہ آپ نے میٹھے روزے کا اجرا کیا اس روز لڑکیاں بڑی بڑی میٹھی روٹیاں پکاتیں اور عورتیں ان روٹیوں سے روزہ افطار کرتیں۔

ہندوؤں کے مختلف الخیال فرقوں میں صرف ایک عقیدہ مشترک ہے اور وہ ہے احترامِ گاؤ۔ کچھ نو مسلم راجپوت بھی اپنے اجداد کی طرح گائے کا بیجا احترام کرتے تھے۔ وہ لوگ جن کا پیشہ ہی جدال و قتال تھا اور جن کے نزدیک انسان کے خون کی کوئی قیمت نہ تھی اپنی ڈکیتیوں تک کو مارڈانا جن کا قومی شعار تھا ان کے نزدیک گائے کو ذبح کرنا ایک گ تھا! ان کے ذہن سے ہندوانہ خیال نکالنے کے لئے ضروری تھا کہ گائے کے گوشت ان کی کراہت کم کی جائے۔ اس کے لئے آپ نے بی بی مریم کے روزے کا اجرا کیا۔ روزہ بعض لوگ اب تک ستو رجب کو رکھتے ہیں۔ عوام اس رسم کو روٹ بوٹ کہتے ہیں اس روز گائے کے گوشت کا بھنا ہوا ایک پاؤ کا بوٹ روغنی روٹی پر رکھ کر عزیزوں

میں تقسیم کیا جاتا۔ ایک زمانہ میں ہریانہ کے مسلمانوں میں یہ رسم وہی درجہ رکھتی تھی جو آج شیعوں میں کونڈوں کو حاصل ہے۔

جہالت اور توہم پرستی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہریانہ میں جب کوئی بیمار ہو جاتا تو بالعموم یہ یقین کر لیا جاتا کہ اسے نظر لگ گئی ہے یا اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے یا اس پر کسی جن یا کسی بدروح کا اثر ہے۔ اپنے اپنے زمانہ میں گوگا، زین خاں، لونا چماری، شیخ سدو اور ماموں اللہ بخش نے بڑی شہرت پائی تھی۔ ان اصلی یا فرضی شخصیتوں کے گرد افسانوں کا ایک طومار لگ گیا تھا۔ علاقہ کی ایک بھی عورت کو یہ جرأت نہ ہو سکتی تھی کہ وہ منہ سے لفظ جن ادا کر دے۔ بامر مجبوری اگر یہ نام لینا پڑتا تو ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی میں جن کی بجائے ماموں جن کہہ دیا کرتیں۔ جب کسی پر جادو یا جن یا بدروح کا اثر فرض کر لیا جاتا تو ان میں سے کسی ایک کی خبیث روح سے استمداد طلب کی جاتی۔ منتیں مانی جاتیں۔ عملیات سے جن اتارے جاتے۔ حضرت شاہ محمد رمضانؒ سے ایسی درخواستیں دن رات کی جاتیں مگر جن یا بد روح اتارنے کے لئے آپ نے کبھی مروجہ طریقہ استعمال نہیں کیا۔ ہمیشہ دوا سے علاج کیا البتہ وہ دعا ہر مریض کے لئے مانگا کرتے تھے۔ آپ نے ان تمام مشرکانہ رسوم کا خاتمہ کر دیا ہم آپ کی تصنیف عقائد عظیم سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو گا کہ ہریانہ کی نو مسلم اقوام میں اس وقت کون کون سی مشرکانہ رسوم تھیں:

"..... طاغوت اسے کہتے ہیں جیسے کوئی ایک زبردست کو ڈرتا ہوا پوجے۔ جیسے بھوت یا پریت کا اوتار (اوتاری)۔ جیسے شیخ سدو کا بھو کی باؤلی ہونے کے ڈر سے بکرا یا بکری یا سرور سلطان کے ڈر سے کہ کوڑھی کر دے گا، پر اس کو سجدہ کرے یا کسی کو پوجے یا بھدر یعنی کالی گائے یا گوگا کے ڈر سے کہ سانپ سے کٹوا دے گا رت جگا کرے۔ سیتلا کے ڈر سے خوشامد کا (ما) بت خانے میں جا کر بت پوجنے لگے تو کفر میں پڑا۔

اور وثن وہ چیز ہوتی ہے کہ اللہ تعالے نے ایک چیز کو عجائب یا خوبصورت پیدا کیا اور کوئی اوسے پوجنے لگ جاوے۔ جیسے اللہ تعالے نے گنگا کا اچھا پانی پیدا کیا اور کوئی اسے پوجنے لگ جاوے یا پتھر میں آگ نکلنے لگے کوئی دیبی نام رکھ کر کوئی حاجت مانگنے لگے یا سجدہ کرے۔ یا کسی بزرگ کے مزار کا جاہ و جلال

دیکھ کر سجدہ کرنے لگے..... جیسے حویلی بنائے۔ اس میں ایک طاق پیر کا ٹھہرا دیا
یا ایک بت خانہ بنا کر کسی بزرگ کا نام لے کر زمین کو لیپ دیا۔ یا تعزیہ بنا کر اوس
کی طرف معاملہ کربلا کا کرنے لگے یا بیاہ میں چاک پوجنے یا کاغذ پر کعبۃ اللہ کی
صورت لکھ کر اوس کی طرف سجدہ کرنے لگے۔ یا طواف کرنے لگے یہ سب شرک
ہے۔" (صفحات ۳۴-۳۵)

نو مسلموں اور ان کی اولاد کو ہندوؤں سے تمیز کرنا مشکل تھا۔ ہریانہ کے ہندو بھی داڑھی
رکھ لیا کرتے تھے۔ آپ نے یہ نہایت ہی مفید کام کیا کہ مسلم راجپوت مردوں نے دھوتی چھوڑ
کر تہبند اختیار کیا اور خواتین نے گھاگرا ترک کر کے پاجامہ۔

ان اور ایسی ہی بہت سی اور باتوں کا یہ اثر ہوا کہ معاشرتی اعتبار سے مسلم
راجپوت اپنی قدیم ہندو برادریوں سے قطعی مختلف ہو گئے۔ رسم دختر کشی ختم ہو گئی۔ رہزنی
چھوڑ کر زراعت اور فوجی ملازمت کے سے پیشے اختیار کئے۔ اخلاق و عادات میں ایک
انقلاب برپا ہو گیا۔ جمود ٹوٹا اور ترقی پذیر معاشرہ ظہور میں آیا۔ ہر طرف قال اللہ اور
قال الرسول کے چرچے ہونے لگے۔ متعدد غیر مسلم اپنے عقائد اور رسم و رواج کے مقابلہ
پر ایک بہتر نظامِ حیات کو دیکھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ آپ کے دستِ حق پرست پر
ہزاروں غیر مسلم اسلام لائے۔ ان نو مسلموں کی اولاد اس وقت پاکستان میں ہے۔ جن میں سے بعض
کو ہم بھی جانتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ پر جن ہندوؤں نے اسلام قبول کیا ان میں سے دو خدمتِ
اسلام اور زہد و اتقا میں اس درجہ کو پہنچے کہ انہیں آپ کے خلیفہ بننے کا امتیاز حاصل ہوا۔
ان کا ذکر اس بیان کے آخیر میں خلفاء کے سلسلہ میں آئے گا۔ کوئی ایسی تحریر دستیاب نہ ہو سکی
جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ ہندو اپنے مذہب کے لئے آپ کو ایک خطرہ سمجھتے تھے۔ ایسا ہونا
تو ضرور چاہیئے تھا مگر تعجب ہے کہ صورتِ حال اس سے مختلف تھی۔ دورانِ سفر راستے میں وہ گاؤں
بھی پڑتے تھے جہاں تمام تر ہندوؤں کی آبادی ہوتی تھی۔ آپ بستی سے باہر کسی درخت کے نیچے
بیٹھ جاتے۔ ہندو بھی زیارت کے لئے آتے اور جب آپ وہاں سے اٹھ کر چلے جاتے تو توہم پرست
ہندو جاٹ اس جگہ کو اتنا مقدس سمجھنے لگتے کہ وہاں ایک چبوترہ بنا دیتے۔ ۱۹۴۷ء تک کئی ہندو
دیہات کے باہر شاہ رمضان کے چبوترے موجود تھے۔ ممکن ہے اب بھی ہوں۔ اس نیک نفس
پاکباز عظیم شخصیت کی ذات سے غیر مسلموں کی عقیدت کچھ ایسی غیر متزلزل تھی کہ آپ کی شہادت کے

ڈیڑھ صدی بعد بھی آپ کے خاندان کے ہر فرد کو ہندو عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ یہاں تک کہ
۱۹۴۷ء میں جب اور مقامات کی طرح ضلع رہتک میں بھی جنگل کا قانون رائج ہوا اور انسانوں
نے درندوں سے زیادہ سفاکی دکھائی اور انیس ہزار بے گناہ مسلمانوں کو صرف ضلع رہتک میں شہید کر
دیا۔ اس پُر آشوب زمانہ میں بھی مہم میں وہ محلہ محفوظ رہا جہاں ہادی ہریانہ کا خاندان آباد تھا۔
یہی نہیں بلکہ ہندو جاٹ انخلا کے وقت اپنی بیل گاڑیوں میں بٹھا کر ان میں سے بعض کو بحفاظت
قصبہ کاہنور میں چھوڑ گئے جہاں سے وہ پاکستان آ گئے۔

مخالفت

اگر کسی مصلح کی مخالفت نہیں ہوئی تو سمجھ لیا جائے کہ اس نے معاشرہ میں کوئی اہم
تبدیلی نہیں کی۔ ہندوؤں کی طرف سے مخالفت کا تو کوئی بیان ہم تک نہیں پہنچا۔
البتہ حکومت نے آپ کی جاگیر ضبط کر لی اور بعض مسلمان نمبردار اور تمن دار اس تحریک کو ناکام بنانے
میں اپنے تمام وسائل حرکت میں لے آئے۔ عوامی بیداری اور دینداری سے اس طبقے کے مفاد
پر زد پڑتی تھی۔ تکلیف دہ مخالفت ان لوگوں کی طرف سے ہوئی جن سے تعاون کی توقع تھی۔

حضرت ہادی ہریانہؒ کے درویشوں کی جماعت میں ایک ممتاز بزرگ مولوی نور محمد صاحب
تھے۔ ان کا وطن تورانیہ تھا مگر اقامت بگھیڑ میں اختیار کی ہوئی تھی۔ رام پور کے فارغ التحصیل تھے
اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ محمد رمضان سے عقیدت میں اتنا غلو کرتے کہ فرماتے "جس شخص پر حضرت
شاہ محمد رمضانؒ کی حویلی کی خاک اڑ کر پڑ جائے وہ جنتی ہو جاتا ہے۔" مگر جب حضرت شاہ صاحبؒ
نے حافظ مستقیم کو بگھیڑ میں اپنا خلیفہ مقرر کیا تو یہ بزرگ جماعت سے کنارہ کشی کر گئے۔
تحریک کے تمام اچھے پہلوؤں کو نظر انداز کر کے آپ کے وحدت وجود پر عقیدے کو خوب اچھالا۔
کفر کے فتوے حاصل کئے۔ مولوی صاحب موصوف کے معتقدین میں سے خواتین اپلے تھاپتی
جاتیں اور ہر تھاپ کے ساتھ منہ سے کہتی جاتیں۔ "رومی کافر — جامی کافر — نمی کافر ہے"
مولوی صاحب نے حضرت ہادی ہریانہؒ کی کتاب بلبل باغ نبی کے مقابلہ پر پنجابی نظم میں شہباز شریعت
لکھی۔ بلبل کے مقابلہ پر شہباز لانے سے دم خم کا اندازہ ہوتا ہے۔ انداز یہ ہے۔

شہباز رسالہ شریعت والا پائے پیا دیچ ڈھاراں
سنو رنگیلی بلبل ماری چڑیاں لکھ ہزاراں

رنگیلی بھی حضرت شاہ محمد رمضان کی ایک تصنیف ہے۔ آپ کی ایک اور تصنیف اثر گت
سے متعلق ارشاد ہوا ہے

قر بلبل والے آخرگت ہک ہور کتاب بنائی
جس وچ لکھے کفر الاسیں سن تو مومن بھائی

بات یہاں تک بڑھی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کو حکم بنایا گیا جنہوں نے شاہ
کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہ فیصلہ روضۃ الرضوان، نقیب الاولیاء اور ہماری تصنیف ہادی ہریانہ
میں نقل ہوا ہے۔ نیز اس کے عربی حصّہ کی شرح تحفۂ مظفریہ کے نام سے مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی
صاحب نے لکھی تھی جو حال ہی میں حیدرآباد دکن سے فیصلۂ شاہ صاحب دہلوی کے نام سے شائع
ہوئی ہے۔ مولوی نور محمد صاحب ایک پکے موحد تھے۔ آپ نے ضلع حصار کے علاقہ سوترے
بدعت کا خاتمہ کرنے میں بڑا ہی گراں قدر کام کیا مگر مخالفت میں نیک نفس لوگوں کی زبان اور قلم
کیا کچھ نہیں نکل جاتا۔ تعجب اس پر ہے کہ تمام اشتعال انگیزی کے جواب میں حضرت ہادی ہریانہ
اشارۃً بھی اپنی تصانیف میں ایک حرف بھی مولوی نور محمد صاحب سے متعلق نہیں لکھا۔

تصانیف | اب سے نصف صدی پیشتر صاحب نقیب الاولیا نے لکھا:

”آپ کی تصانیف کی مقبولیتِ عام کا یہ بلا مبالغہ حال ہے کہ میوات، ہریانہ، سوترا، نواح دہلی غرض ملک کے ہر حصّہ میں کوئی گھر خالی نہیں جہاں عقائدِ عظیم، آخرگت، بلبل باغ نبی موجود نہ ہوں۔“

ہمیں آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف کا علم ہے۔ ان میں سے پہلی سات اور آخری ہمارے
پاس ہیں:

(۱) عقائدِ عظیم (۲) آخرگت (۳) بلبل باغ نبی (۴) رنگیلی (۵) وصیت نامہ (۶) ترجمہ قصیدہ امالی
(۷) ادب بچھوکرہ: ہریانی نظم میں بچوں کی تعلیم کے لئے مجموعہ نصائح ہے (۸) بوڑھی بیاض
(۹) فتاویٰ محمدی: ہریانی نظم۔ (۱۰) رسالہ برق لامع: ہریانی نظم (۱۱) رسالہ رمضانی: علم فرائض
(۱۲) رسالہ رد روافض: ایک شیعہ عالم کے سوالات اور اعتراضات کا فارسی نثر میں جواب (۱۳)
متفرقات: یہ کسی کتاب کا نام نہیں۔ اس میں منظوم شجرے، بعض بزرگوں کی شان میں فارسی
میں قصائد، حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کے نام فارسی میں ایک خط، اوراد و وظائف اور اعمال و
کے بارے میں بعض تحریریں۔ ان میں سے ہم پہلی چھ سے تعارف کراتے ہیں۔

۱۔ عقائدِ عظیم | ہریانی نثر میں عقائد پر ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری
کے مجموعہ پیرزادہ میں نمبر ۱۶۸۳ پر ہے جس کے کاتب پیر فلاح الدین (۱۵

یہ کتاب کم از کم چار مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ پہلی مرتبہ سرسید احمد خاں کے بڑے بھائی سید محمد خاں
نے اپنے سید المطابع سے شائع کیا۔ دوسری مرتبہ مولوی محمد حسین آرام پوری نے فخر المطابع دہلی
سے شائع کرایا۔ ازاں بعد مولوی مشتاق احمد (۱۳۰۵ھ) اور پیر حافظ محمد قاسم (۱۳۴۰ھ) نے اسے شائع
کرایا۔ ہمارے پیش نظر فخر المطابع ایڈیشن ہے۔ آغاز:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ
رسولہ وآلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔ اس پیچھے سن کہ یہ رسالہ عقائد کے
ذکر میں۔ الٰہی اس میں جو حق ہو سو بلوایا ہوا در تو قبول کر لو اور اپنے مقبولوں کے دلوں
میں قبول کروایا ہوا اور جس چیز سے تو اور تیرا دوست بیزار ہوا سے اپنے فضل و کرم
بچوایو۔ مسلمانوں سے عرض ہے جو اس میں کچھ نقصان پاویں بتا دیں اور بولی کی تکرار
نہ کریں کیونکہ یہ باہر کے لوگ جو عربی فارسی سے بہرہ نہیں رکھتے ان کو سمجھانے کو ہے
اور انہیں کی زبان میں لکھی گئی ہے کہ آسانی سے سمجھیں اور نام اس رسالہ کا عقائد عظیم
رکھا گیا ...... اور اس کے اکٹھے کرنے والے کا نام محمد رمضان ہے۔“

اب دو مختصر اقتباس ملاحظہ ہوں:

سوال: بندگی کسے کہتے ہیں؟

جواب: بندگی اوسے کہتے ہیں کہ امر خدا کا بے ریا بموافق مسنون کے ادا کرے۔“ (ص ۲۴)

نکتہ: قریب کہتے ہیں نزدیک کو اور اقرب کہتے ہیں نزدیک تر کو۔ تو آدمی بعض قریب
کو دیکھ سکتا ہے جیسے اپنے ہاتھ پاؤں کو۔ اور بعض ایسی چیز ہوتی ہے کہ سامنے آنکھ
کے ہو اور بینائی کو دکھائی نہ دے جیسے آنکھ کو آنکھ کی بینائی نہیں دکھتی۔ مگر قیاس
سے کر اور کی دیکھ کر اپنے اوپر قیاس کر لیا کہ ہماری بھی ایسی ہے۔ اور جان اپنے
قریب ہے اور دریافت نہیں ہوتی اور پھر آپ فرماتے ہیں کہ ہم اس سے بھی نزدیک
ہیں تو دریافت کیونکر ہوں۔“ (ص ۴۲)

۲۔ آخرگت | ہریانی نظم میں حالات بعد الموت کا بیان ہے۔ اس موضوع سے جدید تعلیم یافتہ
حضرات بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں۔ خوفِ آخرت کا فقدان ہمارے معاشرے
کی اکثر خامیوں اور برائیوں کا ذمہ دار ہے۔ یہ کتاب ۲۵۲۲ (دو ہزار پانچ سو بائیس) ابیات
پر مشتمل ہے۔ تاریخ تصنیف نام سے نکلتی ہے:

آخرگت میں تاریخ ہے اس کتاب — ہے پھر آخرت نامہ نام کتاب

۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۰۶ء

مولوی رحمت اللہ کا قول ہے "آخرگت دیکھا کرو۔ اس وقت ایسی کتاب کوئی اور تالیف نہیں ہوئی" (روضۃ الرضوان ص ۷۰) یہ کتاب بڑی ہی مقبول رہی ہے۔ کئی مرتبہ طبع ہوئی۔ پہلی مرتبہ مصنف علیہ الرحمۃ کی شہادت سے چوبیس سال بعد ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۶ء میں مطبع میرزائی دہلی میں چھپی۔ اس کے حاشیہ پر مولوی محمد علی کی آثارِ محشر ہے۔ اس ایڈیشن کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے۔ مجلس پریس دہلی کا ایک مطبوعہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں ہے۔ اسے مطبع نامی دہلی نے بھی [illegible] میں طبع کیا۔ یہ کتاب راجپوت پریس رہتک سے مولوی مشتاق احمد (۳۱ء ب) نے اور ان کے فرزند پیر غلام مصطفےٰ مرحوم نے ۱۹۲۹ء میں ملتان سے شائع کرائی۔ حضرت ہادیٔ ہریانہ کی صرف یہی کتاب ہے جو پاکستان میں اب تک طبع ہوئی ہے۔ مولوی محمد ساکن لکھوکی نے اس کا ترجمہ بہ اضافۂ بعض مضامین پنجابی زبان میں کیا۔[1] اب ہم اس کے جستہ جستہ شعر نقل کرتے ہیں۔ جن کی تشریح ضروری نہیں:

تری ذات ہے وحدہٗ لاشریک — میں دیدار تیرے کی چاہوں ہوں بھیک
فضل اور کرم اپنے سے اے کریم — مجھے علم اپنے کا کر تو علیم

دعایاں مرن کی کبھی تو نہ مانگ — کہ شاید کبھی ہووے نیکی کا سانگ

پناہ تیری چاہوں ہوں اس علم سے — کہ جس سے نہ ہو فائدہ کچھ ہمیں

کوئی بے ادب طعن رب کو کرے — تو شیطان اس شخص کو جان لے
جو مجلس میں یہ ذکر کرنے لگے — اوسے دے اٹھا یا تو خود اٹھ رہے

۳۔ بلبل باغ نبی: ہریانی نظم میں تقریباً ساڑھے چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے آخیر میں تاریخ تصنیف ۱۲ رجب ۱۲۲۶ھ ۲ اگست ۱۸۱۱ء دی گئی ہے۔ ہمارے پاس حافظ غلام حیدر کا کتابت کردہ نسخہ ہے جو عہد محمد اکبر شاہ بادشاہ میں لکھا گیا۔ ایک

[1] حافظ محمود شیرانی: مضمون "ہریانی میں تالیفات" مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۳۲ء ص ۲۸

قلمی نسخہ ملتان میں قاری صوفی وضاحت حسن صاحب (۷۶ل) پاس ہے۔ ایک قلمی

کی تاریخ ۱۹ شوال ۱۲۶۷ھ ۱۸۵۱ء ہے۔ کتاب بلبل باغ نبی ایک سے زیادہ مرتبہ شائع ہو چکی ہے۔ ہمارے پاس اس کا وہ مطبوعہ نسخہ ہے جو مولوی مشتاق احمد (۳۵ب) نے ۱۳۲۵ھ میں مطبع مفید عام آگرہ میں طبع کرایا۔ کتاب کے موضوعات راہ سلوک، مسائل فقہ، اخلاقیات، حقوق و فرائض، آدابِ محفل، شمائل النبی، اسمائے باری تعالیٰ وغیرہ ہیں۔

۴۔ رنگیلی: ہریانی زبان میں ایک سو نواسی اشعار پر مشتمل ہے۔ ہمارے پاس اس کے دو قلمی نسخے ہیں۔

۵۔ وصیت نامہ: ہریانی نظم میں کل ستاون شعر ہیں۔ ہمارے پاس اس کے دو قلمی نسخے ہیں۔ اس نظم کو شاہ محمد رمضانؒ کی تعلیم کا نچوڑ سمجھنا چاہیے۔ مگر اس کی زبان اب بہت کم لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ بغیر ایزاد مضامین اس کا منظوم ترجمہ سید عطاء الحق مدرس عربک ہائی سکول دہلی نے کیا۔ اور ۱۹۱۲ء میں دہلی سے شائع کرایا۔ اس کا ایک نسخہ ہمارے پاس بھی ہے۔ نمونہ:

تجھ کو دے تعلیم جو تیرا بڑا — اس کو لینے سے نہ منہ کو موڑنا
اپنے رتبہ پر نہ اترانا کبھی — ہے تواضع ہی نشانی بزرگ کی
باجماعت تم پڑھو دائم نماز — تاکہ ہو جائے درِ مقصود باز
ہو جو جاہل شرع سے باہر فقیر — مت بنانا اس کو ہرگز اپنا پیر
اپنی شہرت سے سدا کرنا حذر — ہے مصیبت اور آفت کا یہ گھر
مت بنا تکیہ مکان و خانقاہ — دردِ سر ہے مفت کا یہ خواہ مخواہ
نہ پہن بودے پرانے پارچات — کر حذر ریشم سے اے عالی صفات
شیخ گر ملتا نہیں ہے متقی — اہل دل اور تابع فرمان نبی
کیوں ہوا ہے بوالہوسوں کا اسیر — کیا نہیں کافی تجھے قرآن پیر
کیا نہیں شافع تجھے کافی رسول — ڈھونڈتا ہے کیوں شفاعات فضول

سفر حج: ۱۸۲۲ء میں آپ سات مخلصین کو ساتھ لے کر فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے۔ ساحل سمندر تک کچھ سفر پیدل کیا اور کچھ بہلی پر۔ راستہ میں پڑنے والے ہر مقام پر آپ وعظ و تلقین فرماتے گئے۔ وسط ہند (مدھیہ پردیش) کے شہر مندسور میں کئی روز تک قیام رہا۔ ہر روز وعظ ہوتا اور لوگ جوق در جوق شرکت کرتے۔ کچھ بوہرے بھی آپ کے

کے وعظ سے متاثر ہو گئے تو بوہرہ جماعت نے آپ کے جلسوں میں گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ حج قریب تھا اس لئے آپ جہاز پر سوار ہو گئے۔ جہاز میں بھی وعظ و تلقین کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔ آپ کے گرد ہمیشہ ہجوم لگا رہتا۔ حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس کے بعد آپ عازم ہندوستان ہوئے۔

شہادت

حج سے واپسی پر مندسور میں آپ کا شاندار استقبال ہوا۔ آپ نے مسجد میں قیام فرمایا۔ اس مسجد کے پاس کچھ بوہروں کے مکان تھے۔ خلاف معمول منگل کے روز آپ نے کپڑے بدل کر خوشبو لگائی۔ آپ اور آپ کے ہمراہی نماز کے بعد مسجد میں اب تک اوراد و معمولات و مشاغل میں مصروف تھے کہ بوہروں کی ایک جماعت شور و غل کرتی ہوئی مسجد میں آگھسی۔ اس وقت مسجد میں آپ کے پانچ ہمراہی حاجی رحمت خان، حاجی گل محمد ولایتی، حاجی نور محمد کاہنوری، حاجی قمر الدین سکنہ وانگ ضلع حصار اور سید عبدالقادر تھے۔ نیز سید احمد علی کرنالی، قاضی معین الدین مانڈل گڑھ والے اور پرتاپ گڑھ کے قاضی صاحب مصروف عبادت تھے۔ قاضی صاحب پرتاپ گڑھ پچاس آدمیوں کو ساتھ لے کر آئے تھے کہ حضرت ہادی ہرپانہ کو اپنے ہاں لے جائیں۔ یہ پچاس آدمی شہر میں کسی اور جگہ مقیم تھے۔ مسجد میں مقیم ان حضرات نے بوہرہ ہڑبازوں کو مسجد سے نکالنے کی کوشش کی۔ اسی اثنا میں ایک مسلح ٹولی نے مسجد پر حملہ بول دیا۔ حاجی رحمت خان نے بندوق اٹھائی اور شست باندھی ہی تھی کہ آپ نے روک دیا اور فرمایا پہل کر کے ثواب گھٹاتے ہو۔ ان سے بندوق چھین لینی چاہی۔ بندوق نیچے گر گئی اور اس کا کندہ ٹوٹ گیا۔ فوراً حملہ آوروں نے بندوقیں چلا دیں۔ اس پر اجازت لے کر حاجی رحمت خان اور حاجی گل محمد خان ولایتی تلواریں میان سے سونت کر اٹھے۔ سات آٹھ بوہروں کو زخم آئے۔ باقی نے راہ فرار اختیار کی۔ یہ بوہرے ساتھ کے مکان پر چڑھ کر گولیاں برسانے لگے۔ سب جاں نثاروں نے ہادی ہرپانہ کو بیچ میں لیا کہ آپ پر آنچ نہ آئے۔ اتنے میں بوہروں کی ایک مسلح جماعت مسجد کا دروازہ توڑ کر اندر آگھسی۔ یہ جمعیت بہت بڑی تھی۔ ان میں بیالیس تو زیدی عرب تھے جو نشانہ بازی میں مشہور تھے اور بوہروں نے ایسے موقعوں پر استعمال کرنے کے لئے ملازم رکھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ سینکڑوں اور تھے۔ دست بدست لڑائی میں کچھ دیر تک مقابلہ رہا۔ آخر وہ شجر ولایت کے برگ و بار جھڑنے لگے۔ سب سے پہلے حاجی رحمت خان نے زیر ناف گولی کھائی اور شہید

ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کے بعد قاضی معین الدین مانڈل گڑھ والے کی باری آئی۔ پھر سید عبدالقادر نے جام شہادت پیا۔ بعد ازاں سید احمد علی صاحب جاں بحق تسلیم ہوئے۔ حاجی گل محمد صاحب کے دونوں پاؤں کٹ گئے اور حاجی نور محمد صاحب کے اول ایک کاری زخم تلوار کا لگا۔ پھر ایک گولی ران میں ایسی لگی کہ بیتاب ہو کر گر پڑے۔ حاجی قمر الدین اور قاضی جی پرتاپ گڑھ والے بھی سخت مجروح ہوئے۔

قافلہ سالار حضرت شاہ محمد رمضانؒ ساتھیوں کی شہادت سے پہلے ہی بازو میں دو گولیاں کھا چکے تھے۔ ان بہادروں کے شہید ہونے کے بعد دو گولیاں اور آپ کے سینہ مبارک میں آکر لگیں۔ ایک گولی جبین مبارک میں ایسی آکر لگی کہ دماغ کو چیرتی ہوئی دوسری جانب نکل گئی۔ آپ سجدے میں گر پڑے اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔

یہ واقعہ ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۰ھ ۱۰ جنوری ۱۸۲۵ء کا ہے۔ ابھی حملہ آوروں کا جوش انتقام ٹھنڈا نہ ہوا تھا انہوں نے ہادی ہرپانہؒ کی نعش پر خنجر اور تلواروں کے پینتالیس زخم لگائے اور آپ کا سامان اور قیمتی کتب خانہ لوٹ کر چلے گئے۔ ہادی شہید کے باقی ماندہ ساتھی جو کہ ناکہ بندی کی وجہ سے پہلے نہ آسکے تھے اب آگئے۔ زخمیوں کو پانی پلایا اور شہیدوں پر آنسو بہا کر چادریں ڈال دیں۔

فوراً ہی ایک آدمی نیمچ چھاؤنی بھیجا گیا۔ جہاں ایلگزانڈر کا رسالہ پڑا ہوا تھا اور جس میں ہادی ہرپانہ کے معتقد ہریانی سپاہی تھے۔ قاضی شہر حاکم مندسور کے پاس اطلاع لے کر گئے لیکن وہ پہلے ہی فتنہ پردازوں سے ملا ہوا تھا۔ لوگ افسوس کرتے ہوئے مسجد میں جمع ہوگئے اور پھر شہر میں ہر طرف فساد برپا ہو گیا۔ لوگوں نے بوہروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کرنل ایلگزانڈر نے ایک دستہ فوج مندسور بھیجا۔ شہر کا انتظام فوج نے اپنے ہاتھ میں لیا تو فساد فرو ہوا۔ قاضی شہر نے آپ کی نعش کو پالکی میں رکھا اور دوسرے شہداء کو چارپائیوں پر ڈالا۔ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد باقی شہداء تو وہیں دفن کر دیئے گئے اور آپ کی نعش کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ نیمچ چھاؤنی لے گئے۔ وہاں مٹی کے تابوت میں رکھ کر بعد ماہ کی میعاد پر نعش بانک سپرد خاک کر دی گئی۔

حضرت ہادی ہرپانہ شہیدؒ کے برادر اصغر شاہ محمد اسماعیلؒ پانیس معتقدین اور سولہ

[illegible] صفحات ۱۰۰ تا ۱۰۹

کہاروں کو ساتھ لے کر ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۴۰ھ کو نیچ پہنچ گئے۔ ۵ شوال کو تابوت نکلا اور زخمی ہمراہیوں کو ساتھ لے کر یہ قافلہ ہم کو روانہ ہوا۔ راستہ میں ہر بستی کے لوگ جوق در جوق زیارت کو آتے اور ہر جگہ نمازِ جنازہ ادا کی جاتی۔ جب یہ قافلہ ہم پہنچا تو گرد و نواح کے لوگ اور سارا قصبہ امنڈ پڑا۔ قصبہ کے باہر ہی تمام رات نمازِ جنازہ ہوتی رہی۔ ۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۰ھ کو آپ ہم میں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ بعد میں اس قبر پر شیخ بہا دل بخش تحصیلدار اور رئیس باول کاٹھی نے سادہ سا مقبرہ بنوا دیا۔ کچھ عرصہ بعد جھجر کے سپہ سالار عبدالصمد خاں نے اس پر استرکاری کرائی۔ آپ کے عرس ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ جمادی الاوّل کو ہوتے رہے ان عرسوں کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں صرف ختمِ قرآن اور نعت خوانی ہوتی۔ قوالی کی بھی اجازت نہ تھی۔

اولاد

آپ نے صرف ایک شادی کی جس سے دو فرزند اور تین لڑکیاں ہوئیں۔ فرزند تو صغر سنی میں وفات پا گئے۔ لڑکیوں کی اولاد چلی۔

خلفا

گو آپ کا نسبی سلسلہ جاری نہیں مگر آپ کا روحانی فیض جاری ہے جن خلفاء کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں۔

۱۔ مولوی شاہ محمد غوث گنگوہیؒ: شاہ عبدالکریم چشتی کے فرزند تھے جو عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد سے تھے۔ آپ سے ہادی ہریانہؒ کے بھتیجے اور داماد شاہ عبدالغنی ہمیؒ نے خرقۂ خلافت پایا۔

۲۔ شیخ معظم الدین ہمیؒ: خاندان سے صرف یہی آپ کے خلیفہ تھے۔ ان کی اولاد کا سلسلہ جاری نہیں۔ انہوں نے شاہ محمد رضاؒ کے حالات پر فارسی میں دو کتابیں انیس العشق اور صراط العرفان لکھیں۔ اول الذکر کا وہ قلمی نسخہ ہمارے پاس ہے جس کے کاتب خود مصنف ہیں۔

۳۔ میاں جی محمد شاہ ولایتی
۴۔ میاں امیر حسین علی
۵۔ قاضی غلام محمد فتح آبادی
۶۔ پیر جی شہاب الدین ساکن جھنجھنو
۷۔ میاں شاہ محمد بودلہ ساکن بگھیڑ
۸۔ حافظ رحمت
۹۔ حافظ مستقیم
۱۰۔ قاضی دیندار نابینا
۱۱۔ حافظ قلندر بخش
۱۲۔ مولوی احمد یار خاں فتح پوری

۱۳۔ میاں جلال شاہ
۱۴۔ میاں جماعت علی شاہ
۱۵۔ میاں حاجی خدا بخش ساکنہ اہروال ضلع حصار
۱۶۔ مولوی خدا بخش ڈسکوی: آپ عسل پور کے رہنے والے تھے۔ سائیں رحمت شاہؒ کے والد تھے۔ ذات کے راجپوت۔ حافظِ قرآن اور عالم باعمل تھے۔
۱۷۔ پیر امیر بخش: موضع بلیالی ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔
۱۸۔ قاری محمد بیگ دہلوی: آپ کے علاوہ حضرت ہادی ہریانہ نے اور کسی کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت نہیں کیا۔
۱۹۔ حافظ محمد ضیاء الدین: مولوی معین الدین نارنولی کے فرزند تھے۔ انہوں نے ہادی ہریانہؒ کے نظریہ وحدت وجود پر خیالات ایک رسالہ میں جمع کئے ہیں۔
۲۰۔ میاں شاہ پیر محمد: موضع متانیاں نواح بھٹنڈا کے رہنے والے تھے۔ اوائل عمری میں موضع شیر خاں والا علاقہ پٹیالہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ سائیں رحمت شاہ ڈسکوی اور فتح محمد نابینا ایسے بزرگ آپ کے مرید تھے۔
۲۱۔ میاں معصوم علی: نارنول علاقہ پٹیالہ میں مادر زاد عریاں پھرا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ہادی ہریانہؒ وہاں تشریف لے گئے تو اسی حال میں سامنے آ کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا: جا کپڑے پہن۔ ننگا مت پھر۔ اسی وقت حالت جذب سے ہوش میں آ گئے۔ انہوں نے عمر بھر انگریزوں کے ملازمین اور متوسلین کے ہاں کھانا نہیں کھایا۔
۲۲۔ میر حیدر علی نارنولی۔
۲۳۔ میاں عبداللہ شاہ درویش: موضع منگالہ کے کائستھ تھے۔ حضرت ہادی ہریانہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔ دہلی میں رہا کرتے تھے۔ ان کے مشہور خلفاء میں میر اشرف علی، میر ہاشم علی دہلوی، حاجی نور محمد کاہنوری اور میاں لال شاہ ریواڑی والے تھے۔
۲۴۔ میاں منور شاہ لاہوری: پہلے ہندو سادھو تھے۔ حضرت ہادی ہریانہؒ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ

ولادت: سنہ ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۶ء کاہنور ضلع رہتک۔

شہادت: ۲۰ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۴ھ ۱۲ فروری سنہ ۱۸۵۸ء جیل خانہ حصار

آپ ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے چھوٹے بھائی اور شاہ عبد العظیم بن شاہ عبد الحکیمؒ کے فرزند تھے۔ راجپوتوں کے مشہور قصبہ کاہنور میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والدین اپنے وطن ہم سے اکثر جاتے رہتے تھے۔ وہیں ایک راجپوت خاتون کا دودھ پیا جسے آپ کی اولاد اب تک تعظیم کے ساتھ دادی جھونہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

آپ فضلائے روزگار میں سے تھے۔ فنِ موسیقی پر ایک رسالہ لکھا جس کے صرف چار صفحے ہمارے پاس رہ گئے ہیں۔ علم طب کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ اس فن میں آپ کا مصنفہ یا نقل کردہ سولہ صفحے کا ایک رسالہ ہمارے پاس ہے۔ شعر کا بھی اچھا ذوق تھا۔ ہمارے پاس آپ کے تصنیف کردہ یا نقل کردہ بیس رسائل ہیں جن میں رسالہ ریاض الادویہ (تصنیف عہد ہمایونی) شاہ غلام جیلانیؒ (رباب ۲) کے رسائل طریق الہدیٰ اور اظہار اخفا، شاہ شرف الدین یحییٰ منیری کا رسالہ فنا، حضرت ابو سعید بن فضل اللہ احمد المحمد الحسینی کے رسائل ہدایت الطالبین اور ارشاد السالکین اور مولانا عضد الدین کا رسالہ فضل المتاخرین قابلِ ذکر ہیں۔ آپ کی تین بیاضیں بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ایک میں دعائیں، عملیات اور کتاب آئینہ احمدی ہے۔ دوسری میں غزلیں اور نظمیں اور تیسری میں اپنے سفر لکھنؤ و الہ آباد ۱۲۳۷ھ کے حالات ہیں۔ اس بیاض کا نام آپ نے خود بیاض حاصل السفر رکھا ہے اور اس پر پشت پہلو مہر عظیم شہ بجائے حکیم اسمٰعیلؒ لگی ہوئی ہے۔ آپ کی ایک بیاض مصلح الدین صاحب (۱۵۳ ل) کے پاس ہے۔ اس بیاض میں دعائیں، عملیات، سفر الہ آباد کے حالات، صوفیا کے بعض اقوال حضرت شاہ محمد افضل الہ آبادیؒ کی لکھی ہوئی ایک طویل تضمین، حضرت شاہ غلام جیلانیؒ (رباب ۲) کے اس تعزیت نامہ کی نقل جو انہوں نے محمد محفوظ خاں بہادر (۲۰ ب) کی شہادت پر ان کے فرزند کو بھیجا ہے۔

آپ ایک عالم باعمل تھے۔ والد مجذوب تھے۔ بڑے بھائی حضرت ہادی ہریانہ سال میں گیارہ مہینے گھر سے باہر رہتے۔ چنانچہ ہوش سنبھالتے ہی گھر اور جاگیر کا انتظام و دربست آپ

کے کاندھوں پر آپڑا۔ نواب عبد الصمد خاں والئ دوجانہ نے جو جاگیر ۱۸۰۶ء آپ کے والد محترم کو نذر کی تھی۔ اس کی دیکھ بھال بھی آپ ہی کرتے۔ کمپنی کے ابتدائی دورِ حکومت میں اس جاگیر کی تصدیق و توثیق بھی آپ ہی کی ساعی سے ہوئی۔ حضرت قطب جمال ہانسویؒ کی خانقاہ کے میدان میں جو عمارت حضرت ہادی ہریانہؒ کی ترغیب و تحریض سے بنی اس کی تعمیر آپ کی نگرانی میں ہوئی۔ ہادی ہریانہؒ کی نعش مبارک آپ ہی نیچ چھاونی سے لائے اور آپ کے اہتمام میں ہی خانقاہ تعمیر ہوئی مگر آپ نے اپنی زندگی میں اس خانقاہ کو تکیہ نہیں بننے دیا۔ حتیٰ کہ یہاں قوالی کی بھی اجازت نہ دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خانقاہ شریف کے معاملات ہمیشہ شرک و بدعت سے پاک رہے۔

جب ہادی ہریانہؒ سے ناراض ہو کر ریذیڈنٹ علاقہ دہلی ولیم فریزر نے آپ کی جاگیر ضبط کر لی تو شاہ محمد اسمٰعیلؒ کو والئ ٹونک نے اپنے ہاں بلا لیا۔ جب تک آپ ٹونک میں رہے آپ کو سات روپے یومیہ ملتے رہے اور جب وہاں سے ہم تشریف لے آئے تو تاحین حیات آپ کو ریاست سے تین روپے یومیہ ملتے رہے اس زمانہ میں روپے کی قوتِ خرید آج سے کم و بیش بیس گنا تھی۔

آپ کا قد میانہ تھا۔ گندم گوں گول چہرہ۔ اکثر انگمہ (انگرکھا) پہنتے، دستار باندھتے۔ پاجامہ غرارے دار پہنتے اور زری کی پاپوش استعمال فرماتے۔

آپ نے بہت سے بزرگوں کی صحبت میں رہ کر راہِ سلوک طے کی۔ تین ماہ کے لئے الہ آباد میں شاہ محمد فاخر ابنِ شاہ خوب اللہ کے خانوادہ سے بھی استفادہ کیا۔ آپ مرید و خلیفہ حضرت شاہ غلام جیلانیؒ (رباب ۲) کے تھے۔ جن کا سلسلہ چشتیہ قادریہ آپ سے بھی جاری ہوا ہمیں آپ کے صرف چار خلفاء کے نام معلوم ہو سکے ہیں: آپ کے فرزند مولوی سیف الرحمٰنؒ شہید جنگِ آزادی، حافظ سراج الدینؒ، حافظ نکھا ساکن موضع باہمن والا ضلع حصار اور حضرت راج شاہ۔ ان میں سے آخر الذکر بزرگ کے حالات پر ایک کتاب ملت راجشاہی طبع ہو چکی ہے۔ ان کا مدفن سوندھ شریف ڈاک خانہ تاوڑو تحصیل نوح ضلع گوڑگاؤں میں ہے صوفیائے میوات میں ان سے زیادہ محترم شخصیت کا ہمیں علم نہیں۔ یہ بزرگ میو آل تھے۔ ان کا شجرۂ نسب یہ ہے: راج خان ولد سمیع خان ولد عظمت خان ولد روپ چند ولد سور ولد ترتا ولد پہاڑ۔

جنگ آزادی کے وقت آپ کی قمری حساب سے چوہتر سال عمر تھی۔ رہتک ضلع پر انگریزی اقتدار ختم ہو چکا تھا۔ سرفروشوں کا ایک دستہ پندرہ سو افراد پر مشتمل دہلی سے ہانسی جا رہا تھا۔ راستہ میں مہم میں ٹھہر گیا۔ یہاں اس دستہ کے سردار نے ایک ہندو بقال مسمی بابر اور اس کے کچھ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ لوگ جنگ آزادی کی مساعی میں رکاوٹ ڈالتے تھے۔ بابر بقال کے رشتہ دار اور تحصیلدار مہم کا باپ بزرگ شہر حضرت شاہ محمد اسمٰعیلؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پاؤں پکڑ کر التجا کی کہ ان کی مدد کی جائے۔ اپنے ہم وطنوں کی ہمدردی میں آپ نے سفارش کی اور بابر بقال اور دوسرے رہا کر دیئے گئے

جنگ آزادی ناکام ہوئی۔ انگریزی فوج غالباً سکنرز ہارس دبعد کی فسٹ بنگال لانسرز بھوانی سے مہم کی طرف آ رہی تھی۔ ابھی مہم سے تین میل کے فاصلے پر موضع سیسر پہنچی تھی کہ تحصیلدار مہم، بابر بقال اور بعض نمبرداروں نے اس کا استقبال کیا اور آفیسر کمانڈنگ کے کان بھرے کہ مہم میں شاہ محمد اسمٰعیل اور ان کا خاندان شر و فساد کا بانی تھا۔ چنانچہ آفیسر کمانڈنگ نے عبدو خاں اور شہاب خاں نمبرداروں کو حضرت شاہ محمد اسمٰعیلؒ کو لینے کے لئے بھیجا۔ آپ اپنے فرزند مولوی سیف الرحمٰن کو لے کر موضع سیسر پہنچ گئے۔ جہاں دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ آپ کو حصار اور آپ کے فرزند کو رہتک بھیج دیا گیا۔ آپ کی جائداد ضبط کر لی گئی اور گھر کا تمام اسباب نیلام کر دیا۔

جنگ آزادی کے تینتالیس سال بعد آپ کے نامور فاضل پوتے خان بہادر پیرزادہ محمد حسین عارف ایم۔ اے (بابے) نے اپنی نظم "موتیوں کا ہار" میں ضمنی طور پر اس گرفتاری کا حال لکھا ہے۔

اس کو گزرے تیس اور چالیس سال — حق نے بھیجا ہند پر اپنا وبال
ہو گئی کچھ بدگمانی دل نشیں — کمپنی کی فوج بگڑی ہر کہیں
ایک لشکر یا کہوں قہرِ خدا — ایک چھوٹے شہر سے ہو کر گیا
لوگ واں کے دیکھ یہ ڈرنے لگے — جستجو ہمدرد کی کرنے لگے
اک ولیِ حق کا تھا اس جا قیام — قطبِ وقت اور عہد کا اپنے امام
پاس اس کے آئے وہ سب ڈرتے — التجا کی تا شفاعت وہ کرے

ے قصبہ مہم ے حضرت شاہ محمد اسمٰعیل

رحم آیا ان کو ان کے حال پر — ہو لیا وہ ساتھ ان کے بے خطر
فوج سے کر کے سفارش برملا — شہر اپنا لوٹ سے بچوا لیا
کچھ دنوں کے بعد پھر بدلی ہوا — دور دورہ مخبروں کا ہو گیا
ہر جگہ پر ہو گیا شر و فساد — خوب نکلے سب کے پھر ذاتی عناد
عقل چل دی حاکموں کو کر سلام — سر چڑھا ان کے جنونِ انتقام
دعویٔ تہذیب سب نکلا دروغ — عقل کو غصے کے آگے کیا فروغ
عقل اور تہذیب جب جاتی رہے — آدمیت پھر کہاں باقی رہے
حاکموں کی ہو گئیں عقلیں خفیف — بے گناہ مارے گئے لاکھوں شریف
ایک مجرم کی جگہ سو بے خطا — مار ڈالے پر نہ دل ٹھنڈا ہوا
ایسے نازک وقت میں وہ باصفا — حاسدوں کی سعی سے پکڑا گیا
باغِ عرفاں کا گلِ صد برگ تر — دشمنوں کو خار آتا تھا نظر
موذیوں نے یہ خبر حاکم کو دی — سازش اس کی باغیوں کے ساتھ تھی
باغیوں کے ورنہ کیوں جاتا وہ پاس — اور ان کو کیا پڑا تھا اس کا پاس
یہ نہ کی تحقیق حاکم نے ذرا — کیوں گیا تھا کام اس نے کیا کیا
تھی کسے فرصت بھلا تحقیق کی — لگ رہی تھی ملک میں اک آگ سی
تھی یہی کافی انہیں بس اک دلیل — ہے یہ موقع ہوں بڑے سلے ذلیل
جن کے ہو کہنے میں اک خلقِ خدا — مصلحت رکھنا نہیں ان کا بجا
ہو جو اللہ زار میں ڈوڈا بلند — خود پسندوں کو نہیں آتا پسند
اعتراض ان پر ہے اب کرنا فضول — ہوں یہی شاید حکومت کے اصول
بے گناہ تھا شوقِ حق میں تر زباں — مثنوی کا شعر یہ تھا بر زباں

دشمنِ طاؤس آمد پرِّ او
اے بسا شہ را بکشتہ فرِّ او

حضرت شاہ محمد اسمٰعیلؒ کے ایک اور پوتے مولوی عبدالشکور روضۃ الرضوان میں لکھتے ہیں:

سرکارِ انگریزی نے آپ کو صدر ضلع حصار میں نظر بند کر دیا۔۔۔۔۔ پنجشنبہ کا دن تھا تو آپ نے حسبِ معمول دودھ چاول پر فاتحہ دلوائی۔ خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے۔ اگلا

مطابق 13 فروری 1858ء جمعہ

دن جمعہ کا تھا۔ جمادی الآخر کی ۲۸ ویں تاریخ ۱۲۷۴ھ اور صبح کا وقت تھا کہ آپ ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور اسی روز اسی ابتلاء میں جانِ شیریں جان آفریں کے حوالے کی۔" (ص ۴۲)

آپ کے ایک اور پوتے خان بہادر پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد فضلی (بابِ ۱) نے آپ کی منقبت میں ایک قصیدہ کہا ہے جس کے ستائیس شعروں میں سے پانچ یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ قصیدہ گلبانگِ سخن میں شائع ہو چکا ہے۔

خدیو خطۂ عرفاں حرکت خدائی کمال — خدائیگاں طریقت محمد اسمٰعیل
شہے کہ نقش نگینش بود بنجاتم او — عظیم شد ز عطائے علیم اسمٰعیلؒ
شہید تیغ رضا آنکہ فی سبیل اللہ — نمود از سر تسلیم خون خویش سبیل
چہ باک نعش ترا بعد مرگ از آتش — کہ ہست آتشِ نمرود گلستانِ خلیل

زمانہ بیں کہ چہ با روزگار با بر کرد
نہ برد جاں بسلامت ز روزگار رحیل

دوسرے شعر کا مصرعِ ثانی آپ کی مہر کا سجع تھا۔ چوتھے شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ جنونِ انتقام میں انگریزوں نے چاہا کہ آپ کی نعش غائب کر دی جائے تاکہ آپ کے معتقدین اسے دیکھ کر اور زیادہ مشتعل نہ ہو جائیں۔ بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ دہکائی گئی اور آپ کی نعش کو اس میں ڈال دیا مگر آگ نے بھی اس شہید ملت رحمۃ اللہ علیہ کی نعش پر اثر نہ کیا۔ آخری شعر میں بابر سے مراد وہ بنیا ہے جس نے آپ کے خلاف مخبری کی تھی۔ اس بنئے کو کچھ سوا اٹھارہ بگھہ (یعنی ۲۰، ۲۷ ایکڑ) اراضی یمین پشت کی معافی پر ملی۔ سترہ سال بعد ۲۹ اپریل ۱۸۷۵ء کو بابر ولد چتر چند کو آپ کے کسی عقیدت مند نے قتل کر دیا۔ پولیس کو قاتل کا سراغ نہیں ملا۔

آپ کی شہادت سے متعلق تمام روایات اور تحریری مواد دیکھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ محبسِ حصار میں آپ کو پھانسی دی گئی۔ مگر آپ کی ہر دلعزیزی کے پیشِ نظر یہ مشہور کر دیا کہ آپ نے دودھ اور چاول کھائے جس سے آپ کو ہیضہ ہو گیا اور آپ جیل میں وفات پا گئے۔

نسیم احمد امروہی نے روزنامہ الجمعیت دہلی کی ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۷ء کی اشاعت میں آپ کے فرزند مولوی محمد یحییٰ کی بیاض سے آپ کا قطعۂ تاریخ شہادت نقل کیا ہے۔ یہ قطعہ مہتاب خان ساکن کڑکوکا علاقہ کشن گنج ساچوتانہ کا کہا ہوا ہے۔

جناب شاہ اسمٰعیل مہمی — وہ تھے مقبول اور اللہ کے پیارے

اذیت اور سختی بہت دیکھی — سوا اسلام کے کچھ نہ پکارے
کیا اسلام پر جی کو فدا ان — پکڑ کر لے گئے تھے جب نصاریٰ

کہی مہتاب نے تاریخ رحلت
شہید ہو جنت اعلیٰ میں سدھارے

آپ کی اولادِ نرینہ میں سے شاہ عبدالغنی، شاہ عبدالسمیع، ابوالحسن مولوی سیف الرحمٰن شہید مولوی محمد یعقوب، پیر محمد شاہ غوث اور شاہ محمد یونس کا سلسلۂ اولاد جاری ہے (نمبر ۵، ۲۵ تا ۴۲ دابِ ۱) ایک فرزند مولوی محمد یحییٰ کے اولاد ہوئی مگر اب اولادِ نرینہ کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ شاہ محمد اسمٰعیل شہید کی اولاد میں سے اس وقت ڈیڑھ سو کے قریب افراد حیات ہیں اور سب پاکستان میں ہیں۔ آپ کو آپ کے ہم نام مجاہد شاہ محمد اسمٰعیل شہید بالاکوٹ سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔ آپ کی قبر حصار میں تھی بعد میں جب وہاں ریلوے سٹیشن بنا تو مال گودام بناتے وقت اسے ہموار کر دیا۔

شاہ عبدالغنی مہمیؒ

ولادت: ۲ محرم ۱۲۲۸ھ، ۳۰ جنوری ۱۸۱۳ء مہم جمعہ

وفات: ۲۱ رجب ۱۳۰۸ھ، ۲ مارچ ۱۸۹۱ء دوجانہ جھجھر

مرقد: خانقاہ مہم ضلع رہتک۔

شاہ محمد اسمٰعیل شہید مہمی کے سات بیٹوں میں سے سب سے بڑے شاہ عبدالغنی تھے۔ مادہ تاریخ ولادت ذوالفقار علی ہے۔ شاہ محمد غوث گنگوہی، سید محمد نبیرہ حضرت حفیظ اللہ کھاٹوہی، پیر جی رمضان علی تبتی اور جانشین شاہ محمد عبدالعظیم گیلانی پانی پتی، مولانا محی الدین مدراسی، جناب زید ابوالولا مصنف حزب البحر، شاہ محمد اسحاق نبیرہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے فیض حاصل کیا۔ شاہ ابو سعید دہلوی نقشبندی مجددی سجادہ نشین شاہ غلام علی، مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی، حضرت اللہ بخش تونسوی سجادہ نشین شاہ سلیمان تونسویؒ سے آپ کے تعلقات نہایت مخلصانہ تھے۔ موصوف کے حالات پر جو تذکرے اب تک لکھے گئے ہیں ان میں ایک عام قاری کے لئے سب سے دلچسپ اور ہلکے پھلکے انداز میں لکھی ہوئی کتاب تذکرہ غوثیہ ہے۔ یہ حضرت غوث علی پانی پتیؒ کے حالات میں ہے۔ شاہ عبدالغنیؒ سے عمر میں بڑے تھے۔ پہلی ملاقات ہوئی تو بڑے ہونے کے باوجود شاہ عبدالغنی کے پیروں کو ہاتھ لگایا اور حج کے موقع پر خانہ کعبہ میں اپنا جبہ عنایت فرمایا۔

شاہ عبدالغنی بھی حضرت شاہ محمد غوث گنگوہیؒ ہادی ہریانہ کے خلیفہ ابن شاہ عبدالکریم چشتی از ابنائے شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے خلیفہ مجاز تھے اور انہی کے توسط سے حضرت ہادیؒ ہریانہ شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ہذا) کے سجادہ نشین کہلائے۔ ہمارے پاس شاہ عبدالغنی کے قلم سے اس اجازت نامہ کی نقل موجود ہے جو حضرت گنگوہیؒ نے شاہ عبدالغنی کو دیا۔

آپ زہد و اتقاء، صبر و شکر، حلم و میانہ روی، علم و فضیلت جیسے اخلاق درویشانہ کے حامل تھے۔ سبے پور، جاورہ، دوجانہ اور فرخ نگر کے والی آپ کے معتقدین میں سے تھے۔ ذاتی جائداد بھی تھی مگر مالی حالت ویسی ہی متوسط تھی جیسے خاندان کے اور کنبوں کی۔ علاقہ مارہ کی بستی کھاچروں کی ایک کسبی نے دو سو روپے اور ایک منجولی پیش کی کہ مرید کر لیں۔ آپ نے انہیں لینے سے انکار کر دیا اور مرید کرنے کے لئے شرط لگا دی کہ پہلے پیشے سے تائب ہو جائے۔ ایک دفعہ ہانسی میں مرزا ولی بیگ رئیس نے نذر گزاری۔ یہ رئیس تمام ہندوانہ رسوم کے ساتھ ہولی بھی منایا کرتا تھا۔ آپ نے بھری محفل میں یہ نذر قبول کرنے سے انکار کر دیا اور رئیس ہانسی تائب ہو گیا۔

آپ کے تعمیری کاموں میں مہم کے مدرسہ رمضانیہ کا قیام تھا۔ جس کی تاریخ تاسیس آپ کے بھتیجے خان بہادر پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد نے کہی جو ہم گلبانگِ سخن سے یہاں نقل کرتے ہیں:

شیخ آفاق مرشدِ کامل ... شبلیِ وقت مردِ حق آگاہ
پیر دانا بہ خیر آگاہی ... معرفت دستگاہ شرع پناہ
شاہ عبدالغنی جہانِ کمال ... زیب سجادگیِ رمضان شاہؒ
چوں پے فیض عام مدرسہ ... کرد تعمیر حسبۃً للہ
بہر تقسیم سال تعمیرش ... دل من بود دیدہ چشم براہ

از دلِ علم و از کمال عمل
چشمۂ فیض شد رقم ناگاہ

۱۲۳۸ + ۳۰ + ۳۰ = ۱۲۹۸ھ

آپ کے خلفاء جن سے فیض جاری ہوا یہ ہیں:

۱۔ حافظ جان محمد مہمی راجپوت
۲۔ سید اکبر علی دہلوی
۳۔ میاں مراد شاہ
۴۔ میاں ہوشناک راجپوت سکنہ اکانوالی ضلع حصار

۵۔ مولوی حافظ محمد مستقیم فاضل دیوبند سکنہ ابروان ضلع حصار۔
۶۔ میاں حاجی ابراہیم ہانسوی مہاجر مکی۔
۷، ۸۔ دو بھائی حکیم معین الدین اور مولوی غلام کبریا سکنہ موضع لاہلی ضلع حصار
۹۔ الحاج فضل علی صدیقی الٰہی ابنِ نذر علی: آپ سلسلہ کبریہ سے تھے۔ بسلسلہ اولاد آگے نہ چلا۔
۱۰، ۱۱۔ مولوی سلام الدین و مولوی سعید الدین فرزندان شاہ عبدالسمیع صدیقی امہمیؒ۔
۱۲، ۱۳۔ آپ کے فرزندان پیر تاج الدین و پیر وزیر الدین جن میں سے آخر الذکر آپ کے جانشین بھی تھے۔

انتقال دوجانہ میں ہوا۔ اپنے خسر اور تایا حضرت ہادی ہریانہؒ کی خانقاہ واقع مہم میں دفن ہوئے۔ رشید الرحمٰن صاحب ایم اے نے تاریخ وفات کہی:

شمع بزم معرفت حضرت شہ عبدالغنی ... شد نہادہ از قضائے ایزدی کنجِ عدم
روشنی نور عرفاں گشت پنہاں از نظر ... خاک بر سر ریخت ہر اہلِ ارادت از الم

زانکہ پرسیدند ہر یک سالِ ترحیل از رشید
او پئے تفہیم گفتہ بلبلِ باغِ ارم

۱۳۰۸ھ

آپ کی شادی حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی دختر سے ہوئی۔ پانچ فرزند ہوئے: محمد سلیمان، محمد شاہ، عبدالشکور، تاج الدین اور وزیر الدین۔ ان میں سے آخری دو کی اولادِ نرینہ کا سلسلہ جاری ہے (نمبرہ ۱۲ تا ۱۳)۔ تیسرے فرزند الحاج مولوی عبدالشکور (۱۸۴۳ء تا ۱۹۱۵ء) کے سوانح ان کے خلیفہ سید عطاء الحق نے تفریح القلوب کے نام سے دہلی سے طبع کرائے۔ انہوں نے جوانی میں والد کے ساتھ حج کا فریضہ ادا کیا۔ مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی، مفتی عنایت اللہ کاکوروی، مولانا لطف اللہ اور مولوی فیض الحسن سہارنپوری آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ آپ اولاد نرینہ سے محروم رہے مگر آپ کی دختر عائشہ بیگم صاحبہ والدہ پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۲) نے حالات خواتین نامی کتاب لکھ کر بہت سے مردوں سے زیادہ کام کر دکھایا۔ مولوی عبدالشکور نے ایک اور مفید یادگار تذکرۃ الرضوان موسوم بہ تذکرۃ الرضوان چھوڑی ہے۔ یہ کتاب آپ کی تالیف ہے۔ مگر اس کی تہذیب و ترتیب و اشاعت آپ کے خلیفہ سید عطاء الحق مدرس علوم شرقیہ اینگلو عربک ہائی سکول دہلی کے ہاتھوں میں ہوئی۔ یہ کتاب مولوی صاحب کے انتقال کے وقت زیر طبع تھی۔ اور دو ماہ

بعد دہلی سے ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی۔ اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو ہم اس باب کو اس تفصیل کے ساتھ نہ لکھتے۔ اور نہ ہی ہمیں شاہ کمال اللہ اور شاہ لطف اللہ کے ان حالات کا علم ہو سکتا جو ہم گزشتہ باب میں لکھ آئے ہیں۔ ہم مولوی صاحب کو اس اعتبار سے خاندان کے محسنین میں سے سمجھتے ہیں۔ روضۃ الرضوان میں ایک نامکمل شجرۂ نسب بھی شائع ہوا ہے۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ مولوی صاحب موصوف نے اپنے ہم عصروں کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اس کتاب میں جو شجرہ شائع کیا ہے اس میں اپنے دادا کی اولاد میں سے ان حضرات کا نام اڑا دیا جن سے آپ ناخوش تھے۔ بے شک یہ ایک بڑی فروگذاشت ہے مگر یہ سہو سید عطاء الحق کی نا واقفیت کی بنا پر ہوا۔ مولوی صاحب نے جو مسودہ سید صاحب کو بھیجا تھا اس میں کوئی شجرۂ نسب نہ تھا۔ یہ مسودہ ہمارے پاس ہے۔ مولوی صاحب کے مرض الموت کے زمانہ میں یا انتقال کے بعد سید عطاء الحق کو خیال پیدا ہوا کہ شجرہ بھی شامل کر دیا جائے۔ تعجب یہ ہے کہ اس شجرے میں پیرزادہ ابراہیم حنیف کے والد (مولوی صاحب کے داماد اور بھتیجے) کا نام بھی نہیں۔

باب ۶

بعض اکابرین

اس باب میں ہم زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ کی اولاد میں سے ان مشاہیر کا ذکر کریں گے جنہوں نے ہندوستان گیر شہرت حاصل کی اور برطانوی عہدِ حکومت میں فوت ہو گئے۔ کتاب کی ترتیب ایسی ہے کہ پیرزادہ ابراہیم حنیف کا حال ہم باب ۸ میں نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ لاولد فوت ہوئے لہٰذا ان کا ذکر بھی اسی باب میں ہو گا بعض اور مشاہیر اس باب میں جگہ پانے کے مستحق تھے مگر افسوس ہے کہ اپنی انتہائی کوشش کے باوجود ہم ان کے مستند حالات جمع نہ کر سکے۔

طوطیٔ دکن الحاج حافظ مولوی نظام الدین

ولادت: صفر ۱۲۷۳ھ اکتوبر ۱۸۵۶ء جھجر (اب ضلع رہتک میں)

وفات: ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ ۴ اکتوبر ۱۹۲۶ء حیدر آباد دکن

قاضی محمد سعید ابن شیخ عبد الصمد کا ذکر باب ۴ میں آ چکا ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی شیخ محمد رفیق تھے۔ ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۰۰ھ ۲۲ جنوری ۱۶۸۹ء کی ایک تحریر پر آپ کے دستخط "محمد رفیق ولد عبد الصمد بخط" ہیں۔ یہ تحریر ہمارے پاس ہے۔ ایک جدید شجرے میں انہیں قاضی لکھا ہے۔ غالباً یہ القاب آنام ضلع حصار کے قاضی کی ایک مہر "قاضی رفیق نعمانی خادم شرع شریف محمد ۱۱۲۲" سے ہوا ہے جو ان کے ہم عصر تھے۔ شیخ محمد رفیق کے چار فرزندوں میں سے صرف شیخ عبد الرحمٰن کا سلسلہ اولاد جاری رہا۔ شیخ عبد الرحمان کی مہر "شیخ عبد الرحمٰن" ۲۵ رجب ۱۱۴۲ھ ۲ فروری ۱۷۳۰ء کی ایک

تحریر پر محفوظ ہے۔ آپ کے اکلوتے فرزند عبدالمومن اور ان کے فرزند عبدالمہیمن تھے۔ شیخ عبدالمہیمن
کی زرعی زمین کی تفصیل ہمارے پاس محفوظ ہے یہ ستر سے زیادہ قطعات پر مشتمل تھی[1]۔ ۵ شعبان ۱۲۲۰ھ
کی ایک تحریر پر آپ کے دستخط "عبدالمہیمن ولد عبدالمومن بخط" موجود ہیں۔

شیخ عبدالمہیمن کے دو فرزند تھے: شیخ عبدالصمد اور شیخ فیض الدین۔ دونوں نقل مکان کر کے
جھجر جا بسے[2]۔ پروفیسر علاؤالدین خمس صدیقی (نمبر ۲) کی روایت ہے کہ نواب فیض محمد خاں والی جھجر
(۱۸۱۱ - ۱۸۳۵) نے مولوی عبدالمہیمن سے درخواست کی کہ ریاست جھجر کے لئے مہم سے کوئی مفتی
بھیجا جائے۔ آپ نے اپنے فرزند شیخ عبدالصمد کو اس خدمت کے لئے جھجر بھیج دیا۔ چنانچہ آپ
وفات تک اس منصب پر فائز رہے۔ اسی ماخذ سے ہمیں معلوم ہوا کہ مفتی عبدالصمد اور نواب
عبدالرحمن آخری والئ جھجر کو دہلی میں فوارے کے نزدیک ۲۳ دسمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے جنگ
آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں پھانسی دی۔

مفتی عبدالصمد شہیدؒ کے فرزند شیخ صدرالدین متوفی ۱۸۶۵ء انگریزی فوج میں رسالدار میجر
تھے۔ آپ کی مہر "شیخ صدرالدین ولد عبدالصمد ۱۲۴۰ھ" کنز الآثار میں ایک خط اور ایک رہن نامہ پر
ثبت ہے۔ یہ خط شیخ صدرالدین نے قاضی محمد حسن (باب ۱) کو لکھا تھا کہ رقم بھیج دی جائے۔ رہن نامہ
۵ ربیع الثانی ۱۲۴۹ھ ۲۲ اگست ۱۸۳۳ء کا تحریر کیا ہوا ہے اور بحق قاضی غلام حسن عرف نانا
محمد حسن (باب ۲) ہے۔

شیخ صدرالدین کے بڑے فرزند شمس الدین انگریزی فوج میں حوالدار تھے۔ یہ نہایت
خوبصورت اور قد آور نوجوان تھے۔ چھاؤنی بڈھ کھیڑہ علاقہ ہوتی مردان میں کسی نے آپ کو ۱۸۷۰ء
میں زہر دے دیا جس سے وفات پائی۔

شیخ شمس الدین کے نامور فرزند حافظ مولوی نظام الدین تھے۔ تین سال کے تھے کہ والد
کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ نو سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا اور رمضان شریف میں محراب سنائی۔ اسی

[1] تحریر رجب ۱۲۵۵ھ، ۲۵ بگھہ خام + ۸ بگھہ + ایک قطعہ + ۵ بگھہ خام + ۹ بگھہ + چار قطعے + چھ بگھہ + سات بگھہ خام + نو بگھہ + ایک قطعہ + ایک قطعہ + ۹ بگھہ خام + ۱۸ بگھہ + ۲ بگھہ + ...

[2] پیرزادہ ابراہیم حنیف معرف الانساب میں شیخ عبدالصمد کے بارے میں لکھتے ہیں: "شیخ فیض الدین و شیخ عبدالصمد بن شیخ عبدالمہیمن بزمانہ نواب فیض محمد خاں والی از قصبہ مہم بقصبہ جھجر نقل مکان کردند و جھجر مسکن ساختند و اولاد شاں تا حال در آنجا مقیم ہستند۔ بزبانی مولوی نظام الدین"

سال دادا جان انتقال کر گئے۔ پندرہ سال کے تھے کہ چچا نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا اور اب
بظاہر بے آسرا ہو گئے۔ رفتہ رفتہ تمام زرعی زمین حتیٰ کہ سکنی مکان تک رہن رکھنا پڑا۔
پھر جھجر میں دیہاتی چٹھی رساں ہو گئے۔ جھجر میں خطیب جامع مسجد مولوی عبدالرحیم مرحوم کی بڑی
ہی قدر و منزلت تھی جس سے متاثر ہو کر آپ نے بھی حصول علم دین اور تبلیغ کو اپنا نصب العین
بنا لیا۔ حصول علم کے لئے آپ پانچ چھ سال دہلی میں رہے۔ یہاں آپ کو میلاد خوانی کا شوق
پیدا ہوا۔ علامہ شبلی نعمانی نے آپ کو ندوۃ العلماء کا سفیر منتخب کیا۔ آپ نے کلکتہ کو اپنا صدر مقام
بنایا۔ اس سلسلہ میں مانڈلے، ابین اور اکیاب بھی گئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم بھی آپ کی شیریں بیانی
سے متاثر تھے۔ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم نے مولانا ابوالکلام آزاد کی سوانح عمری شائع کی ہے
اس سوانح عمری میں مولوی نظام الدین کا دو مرتبہ ذکر آیا ہے۔

ستائیس سال کی عمر میں آپ نے فریضۂ حج ادا کیا۔ آپ کے استاد مولوی عبدالحق صاحب
تفسیر حقانی نے دہلی میں ایک تبلیغی جماعت انجمن ہدایت الاسلام کے نام سے بنائی۔ یہ انجمن
آریہ سماج کی شدھی کی تحریک کا جواب تھی۔ آپ اس انجمن کے مبلغ کی حیثیت سے برصغیر کے
ہر صوبہ اور ہر ضلع میں گئے۔ ۱۹۱۳ء میں آپ اس انجمن کی سفارت لے کر حیدرآباد دکن گئے
اس سفارت کے صدر آپ تھے۔ ان تمام سفر کا ایک گروپ فوٹو آپ کے فرزند ریاض الدین صاحب
(نمبر ۱) کے پاس ہے۔ مدرسہ نظامیہ میں جلسہ ہوا۔ حاضرین کی تعداد ایک لاکھ کے قریب بتائی
جاتی ہے۔ نظام حیدرآباد بھی سامعین میں سے تھے۔ تقریر سن کر نظام نے آپ کو سوا سو روپے
ماہانہ پر حیدرآباد ہی میں رکھ لیا اور اصلاح المسلمین کا کام سپرد کیا۔ اگلے سال آپ جھجر سے بال
بچوں کو مستقلاً حیدرآباد دکن لے گئے۔

حیدرآباد میں گھر پر ہی آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ صبح کے وقت ایک گھنٹہ
درس حدیث دیتے۔ بارہ ربیع الاول، ۲۷ رجب اور شب قدر کے موقعوں پر مکہ مسجد میں آپ کی
تقریر سننے کے لئے نظام حیدرآباد بھی آتے۔ مولوی فصیح اللہ حسینی ابن سید محمد بغدادی، مولوی
معین الدین حسینی اور مولوی محمد حسن خاں ندوی واعظ کانپور آپ کے خاص تلامذہ میں سے تھے۔
آپ صوفی مولوی محمد حسین چشتی مرادآبادی کے مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ حلقہ مریدین خاصا وسیع
تھا۔ آپ کا سلسلہ خلفاء کی معرفت جاری ہے۔ آپ کے فرزند اکبر حکیم معین الدین صاحب
(نمبر ۸) آپ کے جانشین ہوئے۔ مگر وہ مرید نہیں کرتے۔ سرخ و سپید رنگ تھا۔ جسم بھرا ہوا

اور قدر بیانہ تھا۔ محنت، استقلال، رحم دلی اور خدا ترسی آپ کے خاص اوصاف تھے۔ پیسہ کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ وفات کے وقت صرف تیس روپے پاس تھے جو کفن پر خرچ کرنے کی تاکید کر گئے۔ البتہ ذاتی کتب خانہ گرانقدر تھا۔

آپ کے تین فرزند ہیں۔ حکیم ڈاکٹر معین الدین، ریاض الدین اور پروفیسر علاؤ الدین صاحبان جن کا ذکر باب میں ۱۸ تا ۲۰ نمبروں پر آئے گا۔

خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین ایم اے۔ سی آئی ای

ولادت: ۱۰ محرم ۱۲۷۳ھ ۱۰ ستمبر ۱۸۵۶ء

وفات: ۱۰ شوال ۱۳۴۶ھ ۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء دہلی۔ بروز جمعۃ المبارک

پیرزادہ محمد حسین عارف کے نامور والد ابوالحسن مولوی سیف الرحمٰن شہید (۱۸۱۹ء-۱۸۵۷ء) ابن شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ ابن شاہ عبدالعظیمؒ ابن شاہ عبدالحکیمؒ ابن شاہ لطف اللہ الملقب بہ... بابت تھے۔ مولوی سیف الرحمٰن شہیدؒ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے مگر خود مرید نہ کرتے تھے۔ ہمارے پاس آپ کے بھتیجہ مولوی عبدالشکور (بابت) کی ایسی تحریریں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سیف الرحمٰن شہید صاحب طریقت تو ضرور تھے مگر اس سے کسی بھی قسم کی مالی منفعت کو قطعی ناجائز سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ سجادہ نشینی کو بھی ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نہایت ہی زیرک اور ہوشمند صائب الرائے بزرگ تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے علاوہ تھے۔ والد بزرگوار کی زرعی اراضی کا اس حسن و خوبی سے انتظام کیا کہ تعصب کے غیر مسلم زمیندار آپ سے حسد کرنے لگے۔

۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی چھڑ گئی۔ مجاہدین کا ایک دستہ دہلی سے ہانسی جاتے وقت تم سے گزرا۔ مولوی سیف الرحمٰن نے اس دستہ کو اپنی خدمات پیش کر دیں اور آپ اعزازی رسالدار بنا دیئے گئے تھے۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے جنگ آزادی میں کیا حصہ لیا مگر اس تحریک کی ناکامی پر آپ کو گرفتار کر کے رہتک لایا گیا۔ اور ۲۰ ربیع الثانی ۱۲۷۴ھ ۲۵ نومبر ۱۸۵۷ء کو اس خونی درخت پر پھانسی دی گئی جو اب گورنمنٹ کالج کی حدود میں ہے۔ آپ کا مرقد محلہ "قلعہ" میں شاہ ولایت کی مسجد سے باہر ہے۔ یکم جمادی الثانی ۱۲۳۴ھ ۲۸ مارچ ۱۸۱۹ء تاریخ پیدائش ہے۔

اپنے والد اور دادا کی شہادت کے وقت پیرزادہ محمد حسین کی عمر چند ماہ تھی۔ پھر مصائب کا

وہ دور شروع ہوا جس کی بھٹی سے نکل کر انسان کندن بن جاتا ہے۔ آپ کے برادر بزرگ حکیم علاؤ الدین (۱۸۵۰ء) آپ سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ حکیم صاحب موصوف نے آپ کی پرورش اور تربیت کی چنانچہ اپنی تصنیف موتیوں کا ہار میں لکھتے ہیں:

ہار ڈال اس کے کہ جو ہے مستحق	وہ، دیا جس نے تجھے پہلا سبق
ہے یہ سب تعلیم کا جس کی اثر	پرورش کا جس کی ہے یہ سب ثمر
وہ جنید وقت شبلیٔ زماں	اصمعیٔ ہند ارسطوئے جہاں
یعنی وہ اخ مکرم ذو مقام	ہے علاؤ الدین احمد جس کا نام
اس کے ہیں احسان تجھ پہ بے حساب	نام ہے اس کے تقدس کی کتاب

آپ خاندان سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اعلیٰ انگریزی تعلیم پائی۔ ۱۸۷۱ء میں دہلی سے

تعلیم

انٹرنس (موجودہ سیکنڈری سکول سرٹیفیکیٹ اگزامینیشن) دیا اور تمام پنجاب کے کامیاب امیدواروں میں پانچویں نمبر پر اور مسلمانوں میں سرفہرست کامیاب ہوئے۔ انٹرنس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ ابھی تک پنجاب یونیورسٹی وجود میں نہ آئی تھی۔ ۱۸۷۹ء میں آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ مضامین انگریزی، ریاضی اور فلسفہ تھے۔ اسی سال آپ پنجاب کے ہائی پروفیشنسی ان آرٹس کے امتحان میں اوّل آئے۔ ۱۸۸۰ء میں آنرز ان آرٹس کے امتحان میں آپ پنجاب میں واحد کامیاب امیدوار تھے۔ اس شاندار کامیابی پر آپ کو میکلوڈ میکلوڈ میڈل ملنے کے علاوہ میکلوڈ پنجاب عربک فیلو بھی بنا دیا گیا اور آپ اورنٹیل کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔

اورنٹیل کالج لاہور میں آپ ۱۸۸۱ء سے ۱۸۹۵ء تک تعلیم دیتے رہے۔ پنجاب یونیورسٹی ۱۸۸۲ء میں قائم ہوئی اور ۱۸۸۴ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے فارسی فرسٹ کلاس میں پاس کیا۔ ۱۸۸۷ء میں آپ اسی کالج میں صدر شعبہ اردو تھے۔ ایم اے پاس کرنے کے بعد آپ اس کالج میں ریاضی اور فلسفہ بھی پڑھانے لگے۔ آپ پنجاب کی جماعت قانونی کے رکن اور اخبار انجمن پنجاب کے ایڈیٹر بھی تھے۔ نیز آپ کے سپرد دارالترجمہ تھا۔ یونیورسٹی کالج انگریزی اور عربی سے ادب و سائنس کی کتابوں کا اردو ترجمہ کراتا تھا۔ اس کام کی نگرانی اور طباعت آپ کے ذمہ تھے۔ اس حیثیت سے آپ نے خود بھی متعدد کتابوں کا ترجمہ کیا جن کی تفصیل ذرا بعد میں پیش کی جائے گی۔

ملازمت

۱۸۹۵ء میں ای اے سی کے امتحان میں امتیاز سے کامیابی حاصل کر کے آپ سول سروس

میں آ گئے۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں ڈسٹرکٹ جج (موجودہ سینیر سب جج) بنا دیئے گئے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں آپ ڈپوٹیشن پر کشمیر گئے اور وہاں نئے ہائی کورٹ کا اجرا کیا جس کے آپ واحد جج تھے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں آپ ڈویژنل اور ایڈیشنل سیشن جج بنا کر حصار بھیج دیئے گئے۔ جہاں سے سنہ ۱۹۱۲ء میں ریٹائر ہو کر آپ اپنے وطن لوٹ گئے لیکن کچھ عرصہ بعد آپ نے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

تعمیری کام

علمی ذوق، استقلال، قوت عمل آپ کے خاص اوصاف تھے آپ جہاں رہے وہاں اپنی کوئی نہ کوئی یادگار چھوڑی۔ اپنے وطن بھیرہ میں محلے کی بڑی مسجد کے سامنے کے حصہ پر نیلی روغنی ٹائلیں لگوائیں۔ ملتان کی عیدگاہ کی تعمیر نو آپ کے اہتمام میں ہوئی۔ اسی پر آپ کے نام کا پتھر لگا ہوا ہے۔ کشمیر میں چار سال رہے۔ ذبیحہ گاؤ اور شرح سود پر آپ کے معرکۃ الآرا فیصلوں سے دربار کشمیر ہراساں ہو گیا۔ اب سے ساٹھ برس پہلے کشمیری مسلمان کی جو دردناک حالت تھی اس کا نقشہ آپ نے اپنی نظم آئینہ کشمیر میں اس طرح کھینچا ہے۔

اگرچہ ہر جگہ افلاس کا غلبہ ہے خطہ میں — مسلمانوں کا لیکن حال یاں بالکل برا دیکھا
نہ ان میں علم اور دولت نہ عزت اور حکومت ہے — تجارت کے اصولوں سے انہیں نا آشنا دیکھا
اگر حرفت ہے آدھا پیٹ بھرتے ہیں جنداں میں — تو اس پر بھی حریفوں کا دہانِ اژدہا دیکھا
نہ ہے دربار میں ان کی رسائی اور نہ لشکر میں — مگر ہاں کفش برداروں میں اک دو کو کھڑا دیکھا
دفاتر اور مدارس اور عدالت میں ہیں وہ عنقا — ہوا کیا پانچ دس کے جو گلے میں پڑ تلا دیکھا
قصور ان کا ہے خود کچھ اور کچھ ہے دوسروں کا بھی — بیاں کرنا بتفصیل اس کو میں نے نارَوا دیکھا
علاج اس ذلت و افلاس کا پوچھو اگر مجھ سے — تو ملتا نسخہ اس کے واسطے تعلیم کا دیکھا
اگر ہو اتفاق اس کثرت تعداد کے ہمراہ — تو یہ جانوں کہ تم نے کام سب اپنا بنا دیکھا
فقط ہے اتفاق اور کوشش کی کمی ورنہ — ذہانت میں نہ میں نے کوئی تم سا دوسرا دیکھا
تمہارے بھائی بھی پنجاب کے دیں گے مدد تم کو — کہ ایسے وقت میں کب بھائی کو دیتے دغا دیکھا

یہ طویل نظم سنہ ۱۹۰۹ء میں کہی تھی جب آپ کشمیر ہائی کورٹ کے واحد جج تھے۔ ایسے ذمہ دار عہدے پر ہوتے ہوئے ایک انسان ایک خوابیدہ قوم کو بیدار کرنے کے لئے اور کیا کہہ سکتا ہے۔ یہ نظم اس وقت کے ہر ایک پڑھے لکھے کشمیری مسلمان کی زبان پر تھی۔ بلکہ مسلمانوں سے متعلق حصے کو چھوڑ کے باقی نظم ہندو کشمیریوں کو بھی یاد تھی۔ اس نظم کے مندرجہ بالا اشعار حذف کر کے اسے انڈین ینگ ایجنسی نے سناتن دھرم پریس امرت سر سے شائع کرایا جس کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے۔ ہم نے کشمیر

کے بعض سربرآوردہ معزز حضرات کو یہ کہتے سنا کہ کشمیریوں کی موجودہ بیداری کی بنیاد پیرزادہ صاحب نے رکھی۔ آپ نے کشمیر کے محکمۂ انصاف میں کئی مسلمانوں کو ملازم رکھا۔ آپ سے پہلے وہاں اس محکمہ میں صرف دو چار مسلمان چپڑاسی تھے۔ ہمارے محترم دوست قائد کشمیر چودھری غلام عباس کے والد کو بھی پیرزادہ صاحب نے اہلمد رکھا تھا۔ چودھری صاحب موصوف نے اس بارے میں راقم الحروف کے نام جو خط لکھا اسے پورا نقل کیا جاتا ہے۔

مکتوب گرامی قائد کشمیر چودھری غلام عباس صاحب

۴۰۔ میو روڈ راولپنڈی
۲۴ مئی سنہ ۱۹۶۳ء

محترمی صدیقی صاحب۔ سلام مسنون

معافی چاہتا ہوں۔ کچھ عرصہ سے مسلسل علالت کی وجہ سے آپ کے خط کا جواب جلد ارسال نہ کر سکا۔

پیرزادہ صاحب مرحوم کے متعلق، جیسا کہ میں نے زبانی عرض کیا تھا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ وہ ریاست سے مراجعت کے وقت والد مرحوم کو زریں مرغوں کے دو جوڑے دے گئے تھے غالباً اس کے علاوہ اور بھی چیزیں تھیں۔ میری عمر اس وقت ۷ سال سے زائد نہ ہوگی۔ اس لئے پیرزادہ صاحب کے متعلق میری یادداشت کے نقوش دھندلے سے ہیں۔

ہوش سنبھالنے پر والد صاحب ان کے متعلق اکثر باتیں کیا کرتے تھے اور جب میں کالج میں داخل ہوا تو ان کے ضمن میں اکثر و بیشتر باتوں کا مجھے براہ راست علم ہوا۔

پیرزادہ صاحب مرحوم اس وقت ریاست کشمیر میں پہلے مسلمان جج ہائی کورٹ مقرر ہوئے تھے۔ وہ زمانہ سیاسی یا قومی احساس کا بالکل نہ تھا۔ اس لئے کہ مسلمان اقتصادی اور تعلیمی مجبوری سے دبے ہوئے تھے اور ہندو چھائے ہوئے اور حکومت غالباً غیر ارادی طور سے متعصب تھی۔ پیرزادہ صاحب پہلے مسلمان شدہ افسر تھے جنہوں نے مسلمانوں کی پس ماندگی کو شدت سے محسوس کیا اور اپنے زمانہ ملازمت تک اپنی بساط سے بڑھ کر ملازمت وغیرہ کے سلسلہ میں ان کی علانیہ حوصلہ افزائی کی۔ اس زمانہ میں ہائی کورٹ کا صرف ایک ہی جج ہوا کرتا تھا اس لئے عدلیہ پیرزادہ صاحب کے ماتحت تھی۔ انہوں نے صرف ہائی کورٹ کے دفتر ہی نہیں بلکہ تمام ماتحت اداروں میں کافی ملازم اور منصف اور سب جج مقرر کئے۔ اسی

وجہ سے ان کو ریاست سے غالباً قبل از وقت واپس ہونا پڑا۔

علاوہ ازیں پیرزادہ صاحب بے حد ہمدرد، متدین اور متورع بزرگ تھے۔ ۱۹۳۰ء تک جبکہ ہری سنگھ کے خلاف جاری سیاسی تحریک کا عملی آغاز نہیں ہوا تھا یا پیرزادہ صاحب تھے یا بعد میں لکھنؤ کے شیخ مقبول حسین صاحب شہر بال حکومت کشمیر ان کے پرچے اور تعریفیں زبان زد مسلمانان ریاست اقتراناً اور مسلسل جاری رہیں۔ ۱۹۳۰ء کے بعد تو حکومت کو امر مجبوری مسلمانوں کے سامنے جھکنا پڑا۔

امید ہے کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔

نیازمند غلام عباس

ملازمت سے ریٹائر ہو کر آپ دہلی میں مقیم ہو گئے اور عمر کے بقایا پندرہ سال انتہائی مصروفیت میں گزارے۔ آپ بیک وقت تعلیمی، علمی و ادبی، اصلاحی و تبلیغی اور سیاسی و انتظامی کاموں میں منہمک رہے۔ بلدیہ دہلی کے نائب صدر رہے۔ صدر خود ڈپٹی کمشنر باعتبار عہدہ ہوتا تھا۔ جامع مسجد دہلی، مسجد فتح پوری دہلی اور اینگلو عربک کالج دہلی کی کمیٹیاں مسلمانان دہلی کی دینی اور دنیوی تعلیم کی ذمہ دار تھیں۔ آپ ان تینوں کمیٹیوں کے سیکرٹری رہے۔ دہلی یونیورسٹی ۱۹۲۲ء میں قائم ہوئی آپ اس کے محرکین میں سے تھے اور یونیورسٹی کورٹ، ایگزیکٹو کونسل، اکاڈمک کونسل اور فیکلٹیوں کے ممبر تھے۔ وفات تک آپ دہلی یونیورسٹی لائبریری کے آنریری لائبریرین بھی رہے۔ اس یونیورسٹی نے آپ کو ایم اے کی اعزازی (Ad eundem) ڈگری بھی دی۔

اب بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ طبیہ کالج دہلی کے قیام میں پس پردہ کس کا ہاتھ تھا۔ دراصل آپ کے پیش نظر کام رہتا تھا نام نہیں۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان آپ کے نہایت ہی بے تکلف اور عزیز ترین دوست تھے۔ حکیم صاحب موصوف کو ان کی پیشہ ورانہ مصروفیات اور سیاسی دلچسپیوں کے باوجود اس عظیم کام کے لئے تیار کرنا صرف اور صرف پیرزادہ صاحب کا کام تھا۔ پیرزادہ صاحب نے طبیہ کالج کے قیام کی سکیم تیار کی اس کی تکمیل کا ذمہ لیا تو مسیح الملک اس پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ طبیہ کالج کمیٹی قائم ہوئی جس کے سیکرٹری مسیح الملک تھے اور جائنٹ سیکرٹری پیرزادہ محمد حسین۔ آپ نے کارکن تلاش کئے، پیسہ جمع کیا اور آدھی آدھی رات تک موقع پر بیٹھ کر اپنی نگرانی میں اس فخر مشرق ادارے کی عمارات بنوائیں۔ کالج جاری ہوا تو اس کا دروبست انتظام آپ کے ہاتھ میں تھا۔ مسیح الملک انتظامی امور میں دخل نہ دیا کرتے تھے

آپ کے انتقال پر اس کالج کے سٹاف اور طلباء کے شدید اصرار پر آپ کو اس کالج کے احاطے میں ایک ممتاز جگہ دفن کیا گیا۔

شاید دہلی کے مسلمانوں کا کوئی اجتماعی کام ایسا نہ تھا جس میں آپ شریک نہ ہوں۔ چنانچہ آپ دہلی صوبائی مسلم لیگ کے صدر بھی رہے اور آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک سالانہ اجلاس کے صدر مجلس استقبالیہ بھی۔ آریہ سماج نے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی جو تحریک شدھی کے نام سے چلائی تھی۔ اس کے تدارک کے لئے مسلمانوں نے کئی تبلیغی انجمنیں قائم کیں۔ مرکزی جمعیت تبلیغ اسلام کا ۱۹۲۷ء میں وہ یادگار جلسہ ہوا جس کی صدارت نو مسلم انگریز الحاج لارڈ ہیڈلے فاروق نے کی تھی۔ اس جلسہ کی مجلس استقبالیہ کے صدر پیرزادہ صاحب تھے۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبۂ صدارت پڑھا اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ہمارے پاس ہے۔

کتب خانہ

آپ کا گراں قدر کتب خانہ ڈاکٹر مولوی میاں محمد شفیع مرحوم مہتمم پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے لئے دو ہزار تین سو روپے کے عوض آپ کی وفات کے بعد ۱۹۲۹ء میں لاہور لے آئے۔ یہ ذخیرہ کتب مجموعہ پیرزادہ کے نام سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی زینت ہے اس میں خطی نسخوں کی تعداد ۱۶۵ ہے اور مطبوعہ کتابیں ۸۰۹ ہیں۔

مترجم

دہلی دربار ۱۹۱۱ء کی رپورٹ گورنمنٹ آف انڈیا نے شائع کی تھی۔ اس رپورٹ کے ۲۸۱ صفحہ پر پیرزادہ صاحب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

پیرزادہ مولوی محمد حسین، خان صاحب (۱۸۹۷ء)، خان بہادر (۱۹۱۰ء)، ایم اے پنجاب یونیورسٹی (۱۸۸۳ء)؛ ڈویژنل اینڈ سیشن جج حصار۔ آپ ہم ضلع رہتک کے قدیم اور معزز قریشی خاندان سے ہیں۔ دہلی کے پٹھان سلاطین اور مغل شاہنشاہوں کے ماتحت اس خاندان کے متعدد افراد اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ اضلاع حصار، رہتک، کرنال اور گوڑگانوں کے مسلم راجپوتوں کو حلقۂ اسلام میں لانے اور ان کی اصلاح کرنے میں اس خاندان نے نمایاں کام کیا ہے۔ پیرزادہ محمد حسین خان کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور آپ نے علم ہیئت، علم سکون سیالات، اصول قانون، دستوری قانون، معاشیات

اور فلسفہ کی کتابوں کا اردو ترجمہ کرکے اردو ادب کو مالا مال کر دیا۔" (ترجمہ)

اس تعارف کے آخیر میں جن تصنیفات اور تراجم کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں سے ہمیں گیارہ کا علم ہے۔ یہ سب ترجمے لاہور میں ہوئے۔ ان میں سے پہلے دس ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۳ء تک کئے جب کہ آپ میکلوڈ عربک فیلو تھے۔

۱۔ رسالہ علم سکون سیالات۔

۲۔ مفتاح الافلاک یا علم ہیئت: ۱۸۸۳ء میں انجمن پنجاب نے شائع کیا۔

۳۔ تشریحات قوانین انگلستان: ۱۸۸۲ء میں مطبع گلزار محمدی لاہور میں طبع ہوئی۔

۴۔ اصول قانون: یہ ترجمہ بھی مطبع گلزار محمدی لاہور میں طبع ہوا۔

"Pirzada Maulvi Mohammad Husain, Khan Sahib (1897), Khan Bahadur (1910), M.A. of the Punjab University (1883), Divisional and Sessions Judge, Hissar. He belongs to a very old and respectable Qureshi family of Maham, District Rohtak. Several members of the family held high posts under the Pathan Kings and the Mughal Emperors of Delhi. The family played a conspicuous part in the conversion and reformation of the Mohammadan Rajputs in the Districts of Hissar, Rohtak, Karnal and Gurgaon. Pirzada Mohammad Husain Khan has done much for enriching the vernacular literature by translating works on Astronomy, Hydrostatics, Jurisprudence, Constitutional Law, Political Economy and Philosophy into Urdu and is the author of many books in addition."

۵۔ منطق استقرائی: یہ کتاب ۱۸۸۲ء میں انجمن پنجاب نے شائع کی۔

۶۔ علم اصول قانون: ۱۸۸۶ء میں مطبع انجمن پنجاب لاہور میں طبع ہوئی۔

۷۔ رسالہ سیاست مدن۔

۸۔ سر ویلیم ہملٹن صاحب کے فلسفہ کا خلاصہ۔

۹۔ رسالہ علم سیارات۔

۱۰۔ رسالہ اقسام حقیقت اراضی و طریق ہائے مالگذاری مروجہ ہند۔

۱۱۔ سفرنامہ ابن بطوطہ: عجائب الاسفار کے اس حصّہ کا ترجمہ جو ہندوستان سے متعلق ہے۔ تین بار طبع ہو چکا ہے۔ پہلی دفعہ ۱۸۹۸ء میں دار الاشاعت پنجاب لاہور سے شائع ہوا۔ دوسری مرتبہ ۱۹۲۰ء میں شیخ نذیر حسین شریف حسین تاجر کتب محلہ گڑھیا جامع مسجد دہلی نے شائع کیا۔ تیسری مرتبہ حال ہی میں کراچی کے ایک ناشر کتب نے بغیر ورثاء کی اجازت کے شائع کیا۔ اور غضب یہ کیا کہ اس کا دیباچہ اس کے ساتھ شائع نہیں کیا بلکہ سفرنامہ ابن بطوطہ حصّہ اول کے ساتھ شامل کر دیا جس کے مترجم کوئی اور صاحب ہیں۔ پیرزادہ صاحب کے ترجمے متعلق اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ سفرنامہ ابن بطوطہ کے اس حصّہ کا ترجمہ کسی بھی زبان میں اس سے بہتر نہیں ہوا۔ شیخ محمد اکرام سی ایس پی اس ترجمہ کی بابت لکھتے ہیں:

"اس سفرنامے کا اردو ترجمہ خان بہادر مولوی محمد حسین نے بڑے سیر حاصل اور فاضلانہ حواشی اور تشریحات کے ساتھ شائع کیا ہے جن سے ترجمہ کی قدر و قیمت اصل کتاب سے دو چند ہو گئی ہے" (آب کوثر مطبوعہ فیروز سنز لاہور بار سوم ص ۲۰۵)

مندرجہ بالا تراجم میں سے پہلی پانچ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ہیں۔ نمبر ۵ اور ۶ ہمارے پاس ہیں۔

شاعر

پیرزادہ صاحب شاعر بھی تھے۔ عارف تخلص تھا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں اپنے استاد محمد حسین آزاد کے زیر اثر نیا راستہ اختیار کیا۔

آنکھیں تو نے دیکھی ہیں آزاد کی ‏ طرز نو کی نظم کے استاد کی

جہاں تک سادگی اور روزمرہ کا تعلق ہے حالی اور داغ سے بھی متاثر تھے۔

داغ اور حالی ہیں اس فن کے امام ‏ ہیں سلامی ان کے اہل فن تمام

کون اپنے سحر پر نازاں نہیں — پر کھلانا سانپ کا آساں نہیں
شوخیٔ طرزِ بیاں ان پر ہے ختم — سادہ کاری زباں ان پر ہے ختم

۱۹۰۸ء میں فیروز پور میں تھے۔ وہاں مرزا ارشد گورگانی سے اصلاح لی۔

جستجو ہے کیوں کسی استاد کی — پاس ہے جب میرزا عبد الغنی
مستند ہے ہند میں جس کی زباں — نقلِ محفل جس کی ہے طرزِ بیاں

عارف ہمی کا مختصر سا کلام مشرقی شریفانہ معیاری زندگی کی صحیح عکاسی کرتا ہے۔ وہ خود ایسی ہی زندگی کی ایک علامت تھے۔ یہاں قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ ان کی نظم گوئی گل و بلبل کے فرضی افسانوں سے پاک ہے۔ یہاں رندی اور ہوس ناکی کی اصطلاحات کو تصوف کا لبادہ بھی نہیں پہنایا گیا۔ زبان پر اور اظہار پر پوری قدرت رکھتے تھے۔ آپ کی مندرجہ ذیل مثنویاں اور نظمیں شائع ہو چکی ہیں:

۱۔ عقدِ گوہر موسوم بہ موتیوں کا ہار: ۱۳۲۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ مثنوی معنوی کی سو حکایات کا اسی بحر میں اردو ترجمہ ہے۔ ہر حکایت بیان کرنے کے بعد عارف ہمی نے اس سے کوئی سبق آموز نتیجہ اخذ کیا ہے۔ پہلی بار ۱۹۰۷ء میں رفاہِ عام پریس لاہور سے شائع ہوئی۔ دوسری بار دو سال بعد شائع ہوئی۔ غالباً بعد میں بھی شائع ہوتی رہی۔ علامہ اقبال کے قطعات تاریخ۔ قطعہ تاریخ خان زادی محرم علی چشتی لاہوری، قطعہ تاریخ میر کرامت علی امرت سری اس کے ساتھ شائع ہوئے ہیں۔ بعید نہیں کہ علامہ اقبال کو مولانا رومی کی ذات سے جو عقیدت تھی یہ کتاب اس کا نقطۂ آغاز ہو۔ ہم یہاں ایک حکایت نقل کرتے ہیں۔

حکایت (۱۵)

ایک کشتی پر ہوا نحوی سوار — تھا کہیں جانا اسے دریا کے پار
تھا نہ کچھ خطرہ موافق تھی ہوا — باتیں کشتی بان سے کرنے لگا
پوچھا جب وہ کر چکے کچھ راہ طے — نحو میں بھی آپ کو کچھ دخل ہے
سن کے کشتی بان نے یہ عرض کی — مولوی صاحب نہ کیجے دل لگی
نحو کہتے ہیں کسے کیا ہے وہ شے — نحو یہ کس جانور کا نام ہے
ہنس کے نحوی نے کہا جی واہ واہ — تم نے اپنی عمر کی آدھی تباہ

جس کو نحو آتی نہیں حیوان ہے — نام ہی کا وہ فقط انسان ہے
ناخدا نحوی کا سن کر یہ خطاب — سٹ پٹایا دل میں ہو کر لاجواب
یک بیک بادِ مخالف جب چلی — اور کشتی بھی بھنور میں جا پھنسی
ہوش نحوی کے وہیں پرّاں ہوئے — دست و پا سب خوف سے بیجاں ہوئے
تب کہا نحوی سے کشتی بان نے — مولوی صاحب سنبھل کر بیٹھیے
اب کوئی دم میں ہے کشتی ڈوبتی — کچھ نہیں باقی امیدِ زندگی
موت آتی ہے نظر مجھ کو یہیں — تیرنا بھی جانتے ہو یا نہیں
یوں دبی آواز سے اس نے کہا — تیرنا تو میں نہیں کچھ جانتا
پائی پڑھنے سے نہ فرصت اے قدر — تیرنا بھی سیکھتا اے خوش سیر
یہ بھی بولا طنز سے پھر واہ جی — عمر تم نے مفت کل برباد کی

نتیجہ

جسم کی ورزش کا کر تو التزام — رکھ یہی تاکید بچوں کو مدام
ورزشِ جسمی کا تم رکھو خیال — وقت تو اس کے لئے بھی کچھ نکال

۲۔ حکایاتِ لقمان
۳۔ خون کے پیاسے: یہ اردو نثر میں قصہ ہے۔
۴۔ قصیدہ بانت سعاد: اس نام کے مشہور عربی قصیدہ کا منظوم ترجمہ ہے۔
۵۔ قصیدہ بردہ ۱۳۲۵ھ: عربی قصیدہ کا ترجمہ۔ اختتام پر بیس شعروں میں مترجم نے بارگاہِ نبوی میں اپنا حال عرض کیا ہے جس کے آخری دو شعر یہ ہیں:

آپ کے خلق و محبت سے نہیں ہرگز بعید — ہو جو عارف پر عنایت سے کبھی چشمِ کرم
یعنی کھنچ جائیں بنا بر وحشت و دریا کی تمام — حکمِ حق سے پاس ہو جائیں مدینہ اور حرم

حرم آپ کا وطن تھا۔

۶۔ منظوم ترجمہ آیت الکرسی
۷۔ امیدِ معرفت
۸۔ خیر مقدم
۹۔ زاہدِ خشک
۱۰۔ پیرِ مغاں
۱۱۔ شرابی اور اس کی بیوی
۱۲۔ عروسِ دنیا
۱۳۔ خدا خود میر ساماں ہے ہر اک بے برگ و ساماں کا

۱۴۔ تین قطعات   ۱۵۔ عدل اور قوم

۱۶۔ ذکر العارفین: خاکی کی نظم ورد المسلمین (۱۰۹۶ھ) کا ترجمہ (۱۳۲۹ھ) ہے۔

۱۷۔ یادِ حق: عراقی کی نظم پر تضمین ہے۔ کل آٹھ بندوں میں سے تین یہ ہیں:

کب تلک آخر تلاشِ آب و ناں   تا بکے محوِ خد و خالِ بتاں
چھوڑ فخرِ علم و ذکرِ خانداں   بگذر اے غافل ز فکرِ این و آں
یاد حق کن تا بمانی جاوداں

کب تلک الٹے گا کاغذ کے ورق   کب تلک لے گا کتابوں سے سبق
پردۂ اوہام کر اک بار شق   تا فراموشت بگردد غیرِ حق
در حقیقت ہستی دیگر مداں

مغزِ معنی کے لئے ہیں لفظ پوست   کہ زباں سے اوست اپنی یا اوست
پھر بھلا اک دم نہ دل سے یادِ دوست   چوں فراموشت شد آنچہ در دل دوست
ذاکری گرچہ نہ جنبانی زباں

۱۸۔ تضمین وفدِ انصاری: مولانا شبلی کی نظم پر تضمین ہے۔ کل ستائیس بند ہیں جن میں سے سات بند پیش کئے جاتے ہیں۔

کرے گی شکر کیا اس کا زباں انساں کی بیچاری   مگر ہے فرض بندے کا ہے ذکرِ خدا جاری
جبیں کو خاک پر رکھ کر بصد عجز و بصد زاری   ادا کرتے ہیں ہم شکرِ جنابِ حضرتِ باری
کہ آئے خیریت سے ممبرانِ وفدِ انصاری

سنی آرہ تیماں اور طیاری میں عجلت کی   نہ آتش کی پروا کی، نہ زر کی اور نہ شہرت کی
سمندر پار کے غازیانِ دیں کی نصرت کی   ہزاروں کوس جاکر حامیوں کی اپنے خدمت کی
یہی تھا دردِ اسلامی یہی تھی رسمِ غمخواری

کسی عابد کو تم سی یہ عبادت مل نہیں سکتی   کسی زاہد کو تم سی یہ ریاضت مل نہیں سکتی
کسی صوفی کو تم سی استقامت مل نہیں سکتی   کسی کو خواب میں بھی یہ سعادت مل نہیں سکتی
مریضوں کے لئے وہ آپ کی راتوں کی بیداری

جریحِ تشنہ کو تلوار کا پانی پلا دینا   بلکتے بچے کو گولی کا تر لقمہ بنا دینا
بلانا باپ کو بیٹی کی بے شرمی دکھا دینا   گھروں کو لوٹنے کے بعد زندوں کو جلا دینا
نئی تہذیب کے تم نے نئے قانون بھی دیکھے ہیں

نہیں معلوم ہیں جو جو مصائب جھیل کر جاں پر   لڑے دلدادگانِ دیں۔ قرباں ان کے ایماں پر
لہو کی ندیاں دیکھی ہیں تم نے کوہ و میداں پر   لہو کی چادریں دیکھی ہیں رخسارِ شہیداں پر
زمیں پر پارہ ہائے سینہ پر خوں بھی دیکھے ہیں

عجب کیا ہے حمیت کا اگر چشمہ اُبل آئے   عجب کیا شوکتِ اسلام کا نعم البدل آئے
عجب کیا ہے کوئی فاروق بھی ہم میں نکل آئے   عجب کیا ہے اگر بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

کوئی بھی بات عاجز کی اگر جاتی ہے واں مانی   پہنچتی ہے اگر واں تک صدائے آہِ انسانی
اگر ریشِ سفیدِ پیر پر ہے فضلِ ربانی   دعائے کہنہ سالاں ہے اگر مقبولِ یزدانی
تو اب دستِ دعا ہے اور یہ شبلی نعمانی

۱۹۔ فضلِ خدا:

خدا کے اپنے بندوں پر ہیں جو الطافِ پنہانی   اسے معلوم کر سکتا ہے کب یہ فہمِ انسانی
جب اس کا فضل ہوتا ہے بوقتِ عین دشواری   دلِ غمگیں سے ہو جاتی ہے زائل سب پریشانی
یہ اکثر دیکھتے ہو تھا ابھی وہ غم سے پژمردہ   وہی دل ہے ابھی بشاش، اسی دل کو ہے حیرانی
نہ ہو مایوس رحمت سے بوقتِ رنج اے غافل   کہ صبر و شکر میں مضمر ہے فضل و لطفِ رحمانی
قضارا تو اگر پھنس جائے نرغہ میں مصائب کے   توکل اس خدا پر کر، نہیں جس کا کوئی ثانی
خدا کی بارگاہ میں لا وسیلہ ذاتِ احمد کو   کہ حل ہو جائے گی تیری ہر اک مشکل بآسانی
وسیلہ ایک اس کا ہی رہے گا حشر تک قائم   وسیلے اور باقی سب یہیں رہ جائیں گے فانی
طریقہ چھوڑ کر اس کا جو رستہ اور ڈھونڈے گا   نہ حاصل ہوگا عارف کچھ بجز یاس و پریشانی

سلام اس تربتِ اقدس پہ بھیجو ہر طرف سے تم
کہ جس کا سبز گنبد ہے نشانِ رحمِ ربانی

۲۰۔ مینڈک اور شہزادی کا قصہ: دو سو چھپن اشعار پر مشتمل ایک کہانی ہے۔ اس تعداد میں غائتی تاریخ اور دعا بھی شامل ہے۔ منظر کشی ملاحظہ ہو:

غمِ تنہائی سے اُکتا گیا جی   تو ٹھانی ایک دن سیرِ چمن کی
اکیلی وہ گئی سیرِ چمن کو   کیا شرمندہ رخ سے یاسمن کو
کہیں جا موتیا کا پھول توڑا   کہیں شوخی سے فوارے کو چھوڑا

کہیں سنبل کا لے کر تازیانہ / اڑایا شاخ پر گل کا نشانہ
زباں لی کھینچ سوسن کے وہاں سے / کہ غنچے تنگ تھے اسکی زباں سے
جب اس کو دیکھ غنچہ مسکرایا / تو منہ اس کا شرارت سے چڑایا
کہیں بادام کو آنکھیں دکھائیں / کہیں پستہ سے جا باتیں بنائیں
غرض جب تھک گئی وہ پھر پھرا کر / تو بیٹھی اک جگہ سبزہ پہ آ کر
عجب اک لطف و فرحت کا سماں تھا / ہوا ٹھنڈی تھی اور چشمہ رواں تھا

پرندے گا رہے تھے سُر ملا کر
مزہ لیتا تھا سبزہ سر ہلا کر

۲۱- آئینۂ کشمیر: یہ نظم ۱۹۰۰ء میں کشمیر میں کہی گئی۔ اس میں راستہ کا حال، مری نگر کا بیان، نواح شہر کا نقشہ، کشمیر کے موسم، باشندے اور مسلمان چند ایک عنوان ہیں۔ پوری نظم ۸۰ ابیات پر مشتمل ہے۔ یہ نظم منظرکشی، انسانی ہمدردی، ملی سوز اور جرأت اظہار کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس نظم سے بعض حضرات کو یہ معلوم کر کے تعجب ہوگا کہ اس وقت راولپنڈی سے سری نگر تک تانگے جاتے تھے۔ مسلمانوں سے متعلق اشعار پہلے پیش کئے جا چکے ہیں۔ ابتدائی شعر ہے۔

یہ سچ کہتے ہیں جس نے کاشمیر پر فضا دیکھی / تو اس دنیا میں گویا گلشن جنت نما دیکھی

اور راستہ کا حال اس طرح بیان ہوا ہے۔

نہیں کچھ قابل ذکر اس کے رستے کی بھی تکلیفیں / بغیر از رنج تن کس نے خوشی کے در کو وا دیکھا
کبھی دیکھا کہ تانگہ آسماں سے باتیں کرتا ہے / کبھی تحت الثریٰ کی سمت اسے جاتا ہوا دیکھا
مسافر کا نہ پوچھو حال اس دم دل کی دھڑکن سے / اگر بچہ کوئی ٹوٹا ہوا نیچے گرا دیکھا
سوا سو کوس تک دونوں طرف دیوار پتھر کی / نظر تھی بند، پھر تم کر تا ہیں کیا کہ کیا دیکھا
کبھی اوپر کو جو دیکھا تو سمجھا اب گرا پتھر / کبھی دیکھا اگر نیچے نظر کا سر پھرا دیکھا
چڑھائی پر مری کے وہ سڑک پُر پیچ ہیں پیچاں / کہ گویا گرد طوبے کے سفید اک اژدہا دیکھا
پہاڑوں کا عجب عالم بیاں میں آ نہیں سکتا / ہر اک حالت اور ہیئت کو جب دیکھا نیا دیکھا
کبھی ٹریاں مادر زاد ننگوں کی طرح بالکل / جٹا دھاری کوئی پتوں سے سر تا پا ہرا دیکھا
کسی کے تن پہ تھی سبز و سیہ مخمل کی برساتی / کوئی سر پہ لپیٹے برف کی چٹی ردا دیکھا

۲۲- جوان بیٹے کو باپ کی وصیت: آپ کے تین فرزند تھے۔ بشیر احمد، شریف احمد اور حنیف احمد ان میں سے آخری دو اور ان کی اولاد کا ذکر باب ۰ میں ۱۴۵ سے ۱۵۰ نمبروں پر آئے گا۔ بشیر احمد بیرسٹر ایٹ لا تھے۔ انگلستان میں علامہ اقبال کے ساتھ ہی لا کی ڈگری لی۔ اس وصیت نامہ کا اسلوب بڑا ہی پیارا ہے۔

جوان تر اور میں پیر کہن سال / مرا جاتا ترا آتا ہے اقبال
ہوا مجھ سے نہ کوئی کام کا کام / پریشانی ہوا آخر کو انجام
گناہوں میں گنوائی عمر رفتہ / گزارے یوں ہی سال و ماہ و ہفتہ
کوئی نخل عمل ایسا لگاتا / کہ جس کے پھل کو میں اس وقت کھاتا
مگر بے فائدہ افسوس سے کیا / کہ پچھتائے نہیں اب کام بنتا
جو اوقات عمل تھے کھو دیئے سب / جگہ پھولوں کے کانٹے بو دیئے سب
تری مٹھی میں ہے سرمایۂ خیر / ترے سر پر ہے چتر سایۂ خیر

....

تعلم کا مگر رکھ شوق دائم / حواس خمسہ میں جب تک کہ قائم
نہ چھوڑو علم کو چاہے کہیں ہو / فرنگ اس کا ہو معدن یا کہ چین ہو
عمل کر اس پہ جو تو نے پڑھا ہے / کہ علم بے عمل قہر خدا ہے
عمل کا مل چکے خلعت تو پھر کر / اسے اخلاص کی بو سے معطر
خدا کی ہے اگر تجھ پر عنایت / تری ہر کام میں ہوگی یہ غایت
کہ خوش ہو تجھ سے تیرا حق تعالیٰ / یہی مقصد ہے ہر مقصد سے اعلیٰ
غرض تیری نہ کوئی درمیاں ہو / ریا کا بھی نہ کچھ اس میں نشاں ہو
رہے گا اپنی ہر کوشش میں ناکام / اگر تو چاہتا ہے کام میں نام

غریبوں سے میل جول کی طرف اشارہ ہے:

علاوہ کے سفر کو دائیں لگائیں / تو وہ چند اپنی عزت کو بڑھائیں

تعدد ازواج کی بابت فرمایا:

نہیں گر کوئی امر سخت مانع / تو رہنا ایک ہی بیوی پہ قانع
کبھی بھی دوسری شادی نہ کرنا / اور اپنی خانہ بربادی نہ کرنا

مندرجہ بالا منظومات میں آخری اٹھارہ یک جا خزینہ معارف یعنی مجموعہ نظم عارف کے نام سے رحمانی پریس دہلی میں طبع کرا کے نذیر حسین حافظ محمد شریف حسین تاجران کتب محلہ گڑھیا دہلی نے شائع کیں۔ قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد اور پیر کشمیر جدا جدا بھی طبع ہو چکی ہیں۔ پیرزادہ صاحب پر ہمارا ایک مفصل مضمون اورینٹل کالج میگزین لاہور کی مئی ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔

خان بہادر ابوسلیمان پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد فضلی

ولادت: ۱۲۷۳ھ ۱۸۵۶ء مہم ضلع رہتک۔

وفات: ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۸ھ ۲۰ مئی ۱۹۳۰ء مہم

خان بہادر مظفر احمد فضلی کے دادا حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ مہمی کا ذکر گذشتہ باب میں آ چکا ہے۔ آپ کے والد بزرگوار پیر محمد شاہ غوث (۱۸۳۱ - ۱۹۱۵ء) طویل القامت، فربہ اندام مضبوط اعضا، رنگ گندمی سرخی مائل، آواز بلند، بارعب بزرگ تھے۔

مظفر احمد مادۂ تاریخ تولد ہے۔ اپنے وطن مہم سے ورنیکلر مڈل پاس کرنے کے بعد دینی تعلیم کے حصول کے لئے لکھنؤ چلے گئے۔ پھر اپنے تایا مولوی محمد یحییٰ کے وساطت سے ٹونک میں پندرہ روپے ماہانہ پر نواب صاحب کے زمرۂ مصاحبین میں شامل ہو گئے۔ آپ کے خسر اور ماموں شیخ جمیل اللہ (م ۱۹۰۴ء) ڈپٹی کلکٹر انہار نے وہاں سے بلا کر ۱۸۹۰ء میں ضلعدار لگوا دیا۔ اس حیثیت سے آپ اضلاع حصار، کرنال اور لائل پور میں رہے۔ پھر ڈپٹی کلکٹر ہو گئے اور اضلاع منٹگمری، ملتان، لاہور، شیخوپورہ، امرتسر اور فیروزپور میں رہے۔ ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقع پر پانی کی بہم رسانی کا کام آپ کے سپرد تھا۔ اسی سال آپ کو خان بہادر کا خطاب ملا۔ ملازمت سے ریٹائر ہو کر دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی جہاں بازار سبزی منڈی میں آپ کی سکنی جائداد کٹرہ سلیمان یا ڈپٹی مظفر احمد کے نام سے معروف تھی۔ انتقال مہم میں ہوا اور حضرت بادشاہ ہریانہ شاہ محمد رضا (دیکھیے باب ۵) کی خانقاہ کے احاطے میں دفن ہوئے۔ آپ کی اولاد کا ذکر باب ۸ میں نمبر ۱۷۲ سے ۱۸۰ پر آئے گا۔

ملازم ہونے سے پیشتر شیخ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں پانچ سال رہے اور بیعت ہو کر سلسلہ قادریہ نقشبندیہ کا خرقہ خلافت پایا۔ اپنے پیر و مرشد کے نام کی رعایت سے فضلی تخلص اختیار کیا۔ شیخ موصوف کی وفات پر آپ کے سجادہ نشین سید احمد میاں سے تجدید

بیعت کی۔ دوران ملازمت ضلع گجرات میں شاہ ثناء اللہ المعروف بشاہ خرابات کی صحبت میں چلہ کشی کی۔ جن دنوں آپ کا قیام پنڈی شیخ موسیٰ ضلع لائل پور میں تھا آپ نے پیر رستم علی شاہ ہاشمی المعروف بہ پیر گھوبے شاہ سے سلسلۂ مداریہ کی نسبت حاصل کی۔ شاہ محمد عبدالعظیم گیلانی لاہوری ثم پانی پتیؒ کے سجادہ نشین سے جن حالات میں فیض حاصل کیا اس کا ذکر آپ کی تصنیف نقیب الاولیاء جلد دوم دفتر دوم کے صفحہ ۲۷ پر اس طرح ہے،

"پیرجی اشرف علی صاحب نبیرہ شاہ رمضان علی متبنیٰ شاہ محمد عظیم گیلانی صاحب ولایت پانی پت ہمارے تمام خاندانی بزرگوں کے قدیم محسن ہیں۔ لیکن ان کی جناب میں ہم کو بے تکلفانہ شرف باریابی حاصل نہ تھا۔ تالیف نقیب الاولیاء کے بعد غیب سے چانک ظاہر ہوئے اور شاہ محمد عظیم کے مزارِ مقدس پر لے جا کر دستار سجادہ نشینی حضرت شاہ محمد عظیمؒ میرے سر پر اپنے دست مبارک سے باندھی۔ میرے سر کو جو خاک زمین افتادگی تھا آسمانِ شرف پر پہنچا دیا۔"

آپ کا قد متوسط اور رنگ گورا چٹا سرخی مائل تھا۔ مختصر داڑھی رکھتے تھے۔ عام طور پر انگرکھا، چوڑی دار یا چوڑی موری کا پاجامہ اور کامدار جوتہ پہنتے۔ آنکھوں میں ایک مرعوب کن چمک تھی۔ جس علاقے میں آپ رہے وہاں کے رؤسا اور عوام آپ کی مٹھی میں ہوتے اور بالعموم آپ کی ذات ہی مرجع خاص و عام ہوتی۔ زمیندار اپنی اغراض کے لئے آتے۔ دیندار عوام روحانی فیض کے متلاشی ہوتے۔ صوفیا اور سجادہ نشین آپ کو ہم پلہ سمجھ کر راہ و رسم بڑھاتے۔ ایک طبقہ آپ کے حضور میں اپنی علمی تشنگی دور کرنے آتا۔ آپ کے اور آپ کے خاندان کے عوام پر اثرات سے فائدہ اٹھانے کے لئے انگریز حاکم آپ کی خاطر مدارات کرتے۔ غیر ملکی سیاح اور دلبے حاجتمند آپ کے نوادرات دیکھنے اور ان میں سے کچھ حاصل کرنے کی سعی میں لگے رہتے۔ آپ اکثر کو ایک چاول پر پوری قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ لکھوا کر دے دیا کرتے تھے۔ مگر بعض ایسے بھی تھے جو کچھ نہ کچھ لئے بغیر نہ ٹلتے۔ آپ کے دوست لارڈ ڈبلیو ایچ ہیلی چیف کمشنر دہلی ان خوش قسمت لوگوں میں سے تھے۔ جو آپ سے چند نوادرات لینے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ اپنے خط محررہ ۲۵ جنوری ۱۹۱۶ء نمبر ۶۰۷ میں ان عطیات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی فہرست لکھتے ہیں:

"...... (۲) کتاب جامع الاصول جس کے متعلق یقین ہے کہ نویں صدی ہجری کے عشرہ اول میں لکھی گئی۔ اور جس کے متعلق آپ نے مجھے بتایا تھا کہ ایک جرمن ایجنٹ نے چھ ہزار روپے

کی پیشکش کی ہوئی ہے (۴) شاہ جہان کے عہد کی اقتصادیات پر ایک کتاب (۵) ایک اور کتاب جو ہند و مذہبی رسوم سے متعلق ہے (۶) شاہجہان کے رفیق شاہ شجاع کی دو خوریاں جن میں سے ایک پر اس کا نام کندہ ہے اور جن کے متعلق آپ نے مجھے بتایا کہ دربار کے موقع پر ان کے لئے چار ہزار روپے پیش کئے گئے (۷) متعدد ذاتی اشیا جن میں قالین پردے، سنجارا کا جگ۔ ایک رائفل، تلوار اور ریوالور شامل ہیں (ترجمہ) ڈاکٹر جانسٹن آئی سی ایس کے خط نمبر ۴۷۶ ہوم بنام بنک آف بنگال حیدر آباد دکن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تحائف میں سے صرف ایک کتاب جامع الاصول نظام حیدر آباد نے بارہ ہزار روپے میں خریدی۔ اس داد و دہش کے باوجود آپ کے پاس نوادرات کا نہایت عمدہ ذخیرہ تھا۔ ان میں سے آپ سب سے زیادہ اہمیت ان تبرکات کو دیتے تھے جو ورثتاً آپ تک پہنچے اور جنہیں آپ نے شیشے کے کیس میں رکھا ہوا تھا اور صرف خاص خاص عقیدت مندوں کو کڑی شرائط کے ساتھ ان کی زیارت کراتے تھے۔ ان تبرکات کی تعداد دس تھی۔

آپ کی وفات کے بعد یہ تبرکات آپ کے بھتیجے اور داماد پیرزادہ شفیق احمد صاحب (۱) کے پاس رہے۔ ۱۹۴۷ء میں وہ بمشکل اپنی جان بچا کر اپنے مکان واقع سبزی منڈی دہلی سے خالی ہاتھ پاکستان آسکے۔ اور یہ تبرکات دہلی ہی میں رہ گئے۔

آپ کو کتب بینی اور کتب جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ آپ کے کتب خانہ کا جو بیان ہم نے مختلف حضرات سے سنا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاندان میں کسی اور شخص کے پاس اتنا بڑا ذخیرہ کتب کبھی نہ ہوا۔ کتب کی تعداد تیس ہزار کے قریب بتائی جاتی ہے۔ یہ بے بہا ذخیرہ بھی ۱۹۴۷ء میں ہم میں رہ گیا۔

ہمارے نزدیک آپ کی زندگی کا روشن ترین پہلو آپ کا علمی انہماک اور ادبی ذوق تھا۔ اردو، فارسی اور عربی پر یکساں قدرت تھی اور تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ اردو میں نثری سرمایہ بھی چھوڑا مگر ۱۹۴۷ء میں یہ سب کچھ اس بری طرح برباد ہوا کہ ہم ندامت محسوس کر رہے ہیں کہ آپ کی تصنیفات کی مکمل فہرست بھی پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ صاحبزادہ عرفان احمد (۲) نے آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف بتائی ہیں۔

۱۔ فریادِ قرابت (۱۹۰۵ء): خاندان میں اس کتاب کو بڑی شہرت رہی۔ بڑی عمر کی خواتین میں اکثر کے اس کے کچھ شعر یاد ہوں گے۔ کل پانچ سو کے قریب شعر ہیں۔ پہلے ۱۲ صفحوں میں نثر اور نظم میں دیباچہ ہے۔ حمد کے بعد فرماتے ہیں۔

عزیزوں کے ہاتھوں سے اندوہگیں	۔ اقارب کے ظلموں سے غمخوار و حزیں
جگر خستۂ خنجر اقربا	خرد بستۂ بند دامِ ہوا
نصیبوں کا دکھیا باحوالِ زار	ز سر تا بپا شکوۂ روزگار

اور پھر اقربا کے خلاف ایک دفتر شکایات کھل جاتا ہے۔ اس کتاب کو منشی غلام قادر تاجر کتب حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ نے شائع کیا۔ اس کا ایک نسخہ ہمیں پیرزادہ نذیر احمد صاحب (۳) نے عنایت فرمایا ہے۔

۲۔ گلبانگ سخن (۱۹۰۵ء): ایک سو ستر صفحوں کی یہ کتاب جناب فضلی کے فارسی کلام پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور کی تقریظ اور مولوی بہاالدین بہائی متوطن تھیلا ضلع سکھر کی کہی ہوئی تاریخ طباعت ہے۔ یہ کتاب بھی منشی غلام قادر تاجر کتب حافظ آباد نے شائع کرائی۔ کتاب میں حمد و نعت، غزلیات، قصائد اور رباعیات ہیں۔ اس کے ۹۲ سے ۹۶ صفحوں پر بعض بزرگوں کی تاریخہائے وفات ہیں۔ اپنے جد بزرگوار شاہ محمد اسماعیل شہید کی منقبت میں ستائیس شعر ہیں۔ ایک قصیدہ خویش و اقربا کے مظالم پر ہے جس کے شروع کے اشعار اپنے وطن بہم کے بارے میں ہیں۔

السلامت اے بہم اے حضرت خیر البلاد	اے ز شر ہر بلا ایزد نگہدار تو باد
دیہاں اے تازہ کارِ حسن و خوبی دیہاں	تازہ باش اے غازہ رخسارِ معشوقِ مراد
مرحبا اے یادگارِ نزہتِ باغِ ارم	حبذا اے نو بہارِ گلشنِ مینو سواد
حُسن بر خاکِ جگر گیر تو می نازد بلی	خیزد از خاکِ ہمایونِ تو عذرا یا سعاد
چشمۂ آب تو باشد ہمدمِ آبِ حیات	گوشۂ دشتِ تو باشد رشکِ ربعِ سعاد
فیضِ تاثیرِ تو بہ اعجازِ ہوا	بردماند یاسمنہا از سرِ شاخِ قتاد
ما اگر دوریم از تو، تو ز ما نزدیک باش	یعنی حبیبِ جانِ ما از یادِ تو خالی مباد
روضۂ رضواں توئی روداد رکانت گواہ	بعد ازیں حاجت نباشد بہر دیگر استشہاد

دشمنم شیطاں و من آدم بہم خلدِ بریں
چوں نگویم دوستاں آدرخ بہم را خیر باد

ایک غزل میں اپنے وطن کی زباندانی کا ذکر کیا ہے ؎

نخواہم رفت درایراں پہ تحصیل زبان دانی   کہ کاشانست در ہندوستاں کاشانۂ خویشم

اب ہم گلہائے سخن سے چند شعر اور دو غزلیں پیش کرتے ہیں،

برتر از آسمانست پایۂ ما   آسمانست زیر سایۂ ما

شادم بدلفریبیٔ امید وصل یار   از سادگی تقیں محالات می کنم

کام دل از فلک نمے خواہم   بر جراحت نمک نمے خواہم

اے ماہ برج اصفیا اے مہر تو ایمان من   اے جان من قربان تو یکشب بیا مہمان من
در ماندہ و زارِ توام مشتاق دیدار توام   رنجور بیمار توام، دیدار تو درمان من
آوخ بتان آذری با عشوہ ہائے مرمری   کردند از جادوگری صد رخنہ در ایمان من
ہاں از نگاہ من نگر حال تباہ من نگر   روز سیاہ من نگر اے مہر نور افشان من
شد از غم جاں سوز من شام غریباں روز من   اے ماہ شب افروز من بائے ملعہ بر جان من
در دست خوانِ عشق تو کو مہماں عشق تو   من میزبانِ عشق تو غم نعمت الوان من
من مصطفےٰ را چاکرم تاج و کمر را در خورم   فغفور باشد کہترم، دارا بود دربان من
صدیق اکبر جد من فرجد تو فرجد من   جد تو باشد جد من آن تو باشد آن من
فضلی ہمی در غمت خوں می خورد جاں می کند
روحی فداک المدد مولائے من سلطان من

گریہ در عمر گر سود نداد   نقش بر آب کشیدیم عبث
عشق محتاج براہین نبود   جیب ناموس دریدیم عبث
دین گزیدیم و ز دنیا رفتیم   نسیہ بانقد خریدیم عبث
غیرت از غیر بریدن می گفت
فضلی از خویش بریدیم عبث

۳- نقیب الاولیاء دستخط ۱۹۱۴ء: پیر حیدر علی شاہ ہاشمی ساکنہ پنڈی شیخ موسیٰ ضلع لائلپور نے صاحب زادہ عرفان احمد (م ۱۴۷۱) سے روایت کی کہ انہوں نے نقیب الاولیاء کے سترہ مطبوعہ حصے دیکھے ہیں۔ ہاشمی صاحب موصوف کے ذخیرہ کتب سے لے کر صاحب زادہ صاحب نے ہمیں نقیب الاولیاء جلد دوم دفتر دوم کا ایک مجلد نسخہ بھیجا ہے جو ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے اس پر میر کرامت اللہ میر امرت سری کی تقریظ ہے۔ اس نسخہ میں بتایا گیا ہے کہ شاہ محمد رمضانؒ کے مناقب دفتر اوّل میں بیان ہو چکے ہیں۔ اس دفتر میں تفصیل کے ساتھ مولوی نور محمد صاحب ساکنہ مانیہ و نگیر ضلع حصار کی حضرت ہادی ہریانہ شاہ محمد رمضانؒ کے خلاف مہم کا بیان ہے۔ اس تنازعہ میں شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے جو فتویٰ دیا تھا وہ بھی اس کتاب میں پورا نقل ہوا ہے۔ اس فتویٰ کے عربی حصّہ کی تشریح مولوی مشتاق احمد انبیٹھوی نے تحفۂ مظفریہ کے نام سے کی تھی وہ بھی اس میں درج ہے۔

۴- یمرغ: ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب گذشتہ) کی تصنیف بلبل باغ نبی کے رد میں مولوی نور محمد صاحب نے ایک منظوم کتاب شہباز شریعت لکھی۔ اس اختلاف پر دو اور کتابیں جرعہ اور شیر رسول لکھی گئیں۔ جناب فضلی نے اس اختلافی چڑیا گھر میں یمرغ کا اضافہ کیا۔ نمونہ:

حضرت رمضان جہاں معرفت   مہر عرفاں آسمانِ معرفت
رازدانِ سنتِ خیر الانام   عارف حق، نکتہ دانِ معرفت
ناز ہے تیرے عمل پہ علم کو   ہے عمل تیرا نشانِ معرفت
کر دیا ثابت بیان راز کے   ہے شریعت ترجمانِ معرفت
بلبل باغِ نبی کا حرف حرف   سر بسر ہے داستانِ معرفت
مرحبا رنگ رنگیلی کی بہار   رنگ پر ہے گلستانِ معرفت
دیکھو آخر گت کو گر دیکھی نہ ہو   شہر شرع میں دکانِ معرفت
مرحبا علم عقائد کی کتاب   ہے گرامی ارمغانِ معرفت
باز گیا اور باز کی پرواز گیا   جو اڑے پر آسمانِ معرفت
باز سے کہہ دو کہ باز آ لاف سے   جوش پر ہے قہرمانِ معرفت
نغمہ زن فضلی ہے یا گلزار میں   بلبل شیوہ زبانِ معرفت

بلبل باغ نبی ارگملی، آخرگت، عقائد عظیم حضرت ہادی ہریانہ شاہ محمد رمضانؒ کی نعتیں ہیں اور بازِ شہباز شریعت، مولوی نور محمد صاحب کی تصنیف ہے۔

۵۔ کارنامۂ اسلام: زیادہ تر بزرگانِ دین کی مدح اور منقبت میں ہے۔ بیچ بیچ میں غزلیں بھی ہیں۔ نمونہ:

بیا اے کہ ہجرت چہا ساختیم	چو راحت بدردِ بلا ساختیم
در انداختیم از میاں خرقہ را	فنا را بعینِ بقا ساختیم
نبودیم مردِ علی قلبِ حق	ہوائے ہوس را ہوا ساختیم
در افتاد بندے کہ در کارِ ما	چو در ناق گرہے کشا ساختیم
گزشتن ز راہت چو مشکل نمود	ز افتادگی ہا عصا ساختیم
بہ بزمِ شہادت مدام از سرود	ز لا نفی ہر ما سوا ساختیم

۶۔ مثنوی لسان العرفان: رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں ایک طویل مثنوی ہے۔ طبع ہو چکی ہے مگر ہماری نظر سے نہیں گزری۔

۷۔ تفہیم القرآن: اردو میں قرآن پاک کی تفسیر ہے۔ سولہ سیپارے طبع ہو چکے تھے۔ آپ کے انتقال پر آپ کے برادرِ اصغر خان صاحب ڈپٹی پیر منور احمد صاحب (۶۷ اب) نے اس کی تکمیل کی۔ یہ تکملہ مسودہ کی شکل میں صاحبزادہ عرفان احمد (م ۷۰ء) کے پاس ہے۔

۸۔ قصیدہ بلیغ البیان: اپنے پیر و مرشد شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی منقبت میں ہے۔ دو مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ پہلی مرتبہ چار صفحوں پر اور دوسری مرتبہ باضافہ اشعار آٹھ صفحوں پر۔

۹۔۱۰۔ فریادِ فضلی اور مثنوی وارداتِ دل: ان دو کتابوں کا ہم نے قصیدہ بلیغ البیان میں اشتہار دیکھا ہے۔

۱۱۔ مثنوی رازِ بیخودی: آپ کی جس کتاب کو برِ صغیر پاک و ہند میں کچھ شہرت حاصل ہوئی وہ مثنوی رازِ بے خودی تھی۔ ۱۹۱۵ء میں علامہ اقبال کی مثنوی اسرارِ خودی شائع ہوئی۔ تو صوفیائے کرام کے حلقہ میں ہلچل مچ گئی۔ اس پر کئی طرف سے اظہارِ ناراضگی ہوا۔ اس موقع پر پیرزادہ صاحب نقیب الصوفیاء کی حیثیت سے میدان میں اتر آئے اور اسرارِ خودی کے جواب میں مثنوی رازِ بے خودی لکھی۔ مثنوی اسرارِ خودی میں حافظ شیرازی کے متعلق صوفیا کے نزدیک یہ اشعار قابلِ اعتراض تھے۔

ہوشیار از حافظ صہبا گسار	جامش از زہرِ اجل سرمایہ دار
نیست غیر از بادہ در بازارِ او	از دو جام آشفتہ شد دستارِ او
چوں جرس صد نالہ رسوا کشید	عیش ہم در منزلِ جاناں ندید
آں فقیہِ ملتِ مے خوارگاں	آں امامِ ملتِ بے چارگاں
گوسفند است و نوا آموختہ است	غمزہ و ناز و ادا آموختہ است
دلربائیہائے او زہر است و بس	چشمِ او غارت گرِ شہر است و بس
از بزایماں ایں زیرک تر است	پردۂ گوشش حجابِ اکبر است
بگذر از جامش کہ در مینائے خویش	چوں مریداں حسن دارد حشیش
محفلِ او در خورِ ابرار نیست	ساغرِ او قابلِ احرار نیست

بے نیاز از محفلِ حافظ گذر
الحذر از گوسفنداں الحذر

حافظ شیرازی کے ساتھ اس سے پہلے اتنی جسارت بھلا کس نے کی تھی۔ ہم نے خود پیرزادہ صاحب کی مثنوی رازِ بے خودی نہیں دیکھی۔ اسے مطالعہ کرنے والوں میں سے بعض نے اس کا ذکر ہم سے کیا۔ اس کے کچھ شعر ہمیں آغا محمد بخش صاحب ایم اے سکنہ کوٹ چھٹہ ضلع ڈیرہ غازیخان نے لکھ کر بھیجے۔ پھر ہماری نظر سے علامہ اقبال کی مثنوی اسرارِ خودی پر حافظ محمد اسلم جیراجپوری کا وہ تبصرہ گذرا جو پہلے رسالہ الناظر بابت ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا اور پھر فاضل تبصرہ نگار کی نظرِ ثانی کے بعد جامعہ ملیہ دہلی کے رسالہ جوہر کے اقبال نمبر ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ حافظ اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب نے مثنوی میں خواجہ صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ اگر نہ لکھتے تو بہتر تھا۔"

پیرزادہ مظفر احمد فضلی کے بارے میں قدرے بے تکلفی سے لکھا:

"پیرزادہ صاحب نے اس دھوم دھام سے اس مثنوی کا جواب لکھا ہے کہ وہ بھی اصل بحث کو نظر انداز کر گئے اور صرف افلاطون اور حافظ کی مدح سرائی اور ڈاکٹر صاحب پر تشنیع بست کرنے میں رہے۔ بہ گوسفند کے جواب میں شغال اور کہیں خر بنا دیا اور دشمنِ اسلام اور رہزنِ اسلام وغیرہ خطابات بخشے۔"

اس تبصرہ میں پیرزادہ صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار بھی نقل کئے ہیں:

خود زما خیلے بسے وحشت سگال — جامہ زن در نیل دستاں چو شغال
فلسفی فطرت ز دیں برگشتگاں — در بیابانِ جنوں سرگشتگاں
عقل و دین و داد را دشمن ہمہ — در لباس سخن گاں رہزن ہمہ
از دم گفتار دستاں داستاں — فلسفہ در دل تصوف بر زباں
دشمن جاں آمدند اسلام را — رہزن جاں آمدند اسلام را
وائے برایں پختگان عقلِ خام — اولیاء را میش و بز کردند نام

از دم کمِ شغالاں الحذر
الحذر از بد سگالاں الحذر

پیرزادہ صاحب کہتے ہیں:

از خودی پیغارہ زن اسلاف را — کردہ پامالِ جنوں انصاف را
بندۂ دنیا بہ دنیا دیں فروش — سر بسر ملت فروش آئین فروش
الادب پیغارہ بر مستاں مزن — شیشۂ خود بر سرِ سنداں مزن
در گذر ما ز بادہ خوار اے محتسب — مست را معذور دار اے محتسب

آگے کہا:

ہر چہ گفتی از خودی حاشا غلط — سر بسر از لفظ تا معنی غلط
در حیات کس خودی را نیست بار — در حرم مزدور دیواں را چہ کار
از خودی گمذ رکہ کار ایں است و بس — خاصہ علم را اشعار ایں است و بس
اے خودی را مرکب خود شناختی — دبۂ دریائے نیل انداختی
اے خیال خامت اسرارِ خودی — پختہ کار راز پندار خودی
زہر را تریاق می گوئی بگوئے — بر ہلاکِ خویش می پوئی بپوئے
در عیارستان بازار صفا! — سکۂ قال تو باشد نارروا
اے کہ حافظ را شماتت می کنی — رند میکش را ملامت می کنی

اے بعلمِ خویش مغرورِ عمل
تو چہ دانی سرِ مستانِ ازل

... علامہ اقبال کی نظر سے بھی گزری۔ چنانچہ حافظ محمد اسلم جیراجپوری

کو اپنے خط محررہ ۱۰ / مئی سنہ ۱۹۱۹ء (مندرجہ اقبال نامہ حصہ اول ص ۴۰ ہ) میں لکھتے ہیں۔
"پیرزادہ مظفر الدین صاحب نے میرا مقصد مطلق نہیں سمجھا۔ تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرون اولیٰ میں اس کا لیا جاتا رہا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں۔"

یہاں مظفر احمد کی بجائے مظفر الدین سہوِ قلم ہے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حافظ شیرازی کے متعلق اقبال کے جن اشعار پر پیرزادہ صاحب نے اعتراض کیا تھا۔ علامہ اقبال نے اسرارِ خودی کے دوسرے ایڈیشن میں انہیں حذف کر دیا۔

پروفیسر پیرزادہ ابراہیم حنیف

ولادت: ۱۲ / جمادی الاول سنہ ۱۳۰۹ھ ۱۶ / دسمبر سنہ ۱۸۹۱ء مہم ضلع رہتک

وفات: ۱۲ / شوال سنہ ۱۳۷۹ھ ۹ / اپریل سنہ ۱۹۶۰ء سیالکوٹ۔

پیرزادہ ابراہیم حنیف ابن پیرزادہ عبد المجید ابن پیر تاج الدین ابن شاہ عبد الغنیؒ ابن شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ تمام عمر اپنوں اور غیروں کے لئے معمہ بنے رہے۔ کچھ لوگ انہیں عالم بے بدل، وقت کا غزالی، سچا موحد اور اسلام کی ڈھال کہتے سنے گئے ہیں تو بعض انہیں گمراہ نابغہ، دریدہ دہن اور بد خو وغلط قسم کا انسان بتاتے ہیں۔ عام طور پر عظیم شخصیتوں سے متعلق ہی آراء کا اس قدر اختلاف ہوا کرتا ہے۔

راقم الحروف کو ان کی وفات سے چار مہینے اور دس دن پہلے ان سے ملنے کا آخری موقع ملا۔ گورا چٹا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ گال پچک گئے تھے۔ وضع قطع اور نفاستِ لباس سے بالکل بے نیاز تھے۔ جسم نحیف اور لاغر تھا۔ اس حالت میں بڑی بڑی بادامی روشن آنکھوں سے بیچارگی کی بجائے رعب و دبدبہ کا اظہار ہوتا تھا۔ کیا مجال کہ کوئی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تھوڑی دیر بھی بات کر سکے مجھے خیال پیدا ہوا کہ اس چراغ سحری کے حالات زندگی قلم بند کر لینے چاہئیں چنانچہ میں نے کہا:

"ماموں! اپنے حالات زندگی تو لکھوا دیں۔"

"چھوڑو۔ کوئی مفید کام کرو۔"

یہ کہہ کر انہوں نے موضوع بدل دیا۔ ایک گھنٹہ بعد خود انہوں نے مہم کا ذکر چھیڑا تو میں نے غنیمت

"آپ کو ہم چھوڑے چالیس سال ہو گئے۔ اپنے بچپن کے حالات تو بھول گئے ہوں گے؟"
اس "بھول گئے ہوں گے" پر چونکے اور یہ بتانے کے لئے کہ ان کی یادداشت کتنی اچھی ہے
گویا ہوئے۔ میرے ہاتھ میں پہلے ہی کاغذ نہیں تھے۔ تو سنیے ہماری ہیں:

"مجھے ایک بات یاد ہے۔ چار سال کی عمر میں بسم اللہ (مولانا حکیم) علاؤ الدین (۱۰۵ ب)
نے پڑھائی۔ ابا زندہ تھے۔ ایک مہینہ چھ دن بعد مرے۔ پھر حافظ نصیر الدین کے مدرسہ میں جانے لگا
دادی کے تھے۔ وہ چلے گئے تو بوبو محمدی سے پڑھنے لگا۔ کون بوبو محمدی؟"

ایسے سوال کرکے وہ سامع کو متوجہ رکھتے تھے۔ در بسا اوقات ایسے موقعوں پر سوال کرتے کہ
ایک باخبر اور چوکنا انسان بھی الجھن میں پڑ جاتا۔ مگر وہ یہ گوارا نہیں کرتے تھے کہ ان کی مجلس میں
ان کے علاوہ اور کوئی بولنے کی جسارت کرے۔ اس لئے خود ہی جواب دے دیتے۔ نقاہت
کے باعث چھوٹے چھوٹے فقروں میں مطلب ادا کرتے مگر آواز بڑی صاف تھی چنانچہ سلسلۂ کلام جاری

"شیخ محمد ولی کی بیوی۔ باقر علی (۲) کی تائی۔ پھر (مولوی) رئیس الدین کے پاس خانقاہ میں
بیٹھ گیا۔ سرکاری مدرسہ میں بھی جانے لگا۔ بہت چھوٹا تھا۔ اماں نے اٹھا لیا۔ خود پڑھانے لگیں
پھر مدرسہ میں داخل ہو گیا۔ چوتھی جماعت میں مدرسہ سے جی چرانے لگا۔ پکڑ دھکڑ ہوتی تو چھپ
گئے۔ ورنہ کہیں چھپ رہے۔ میں بیمار پڑ گیا۔ ڈاکٹر ظہور الدین رہتکی (۹۵ ب) تمہاری نانی کے علاج
کو آئے۔ ان کی دوا سے میں بھی اچھا ہو گیا۔ مگر مدرسہ نہیں گیا (مولوی) رئیس الدین کے مدرسہ جانے
لگا۔ وہاں ابراہیم خاں مجھے چڑاتا۔ میں نے مدرسہ چھوڑ دیا۔ پھر حافظ امیر احمد (۱۰) کے مدرسہ میں
بٹھایا۔ میں نے سات سیپارے حفظ کر لیے۔

"ماموں عزیز الرحمن (۲۰ ب) سے مجھے کتابوں اور تصویروں کی چاٹ پڑی اور سراج الرحمن
(۹ ب) سے شعر کا چسکا۔ ماموں عزیز مجھے قصے اور ناول پڑھنے کو دیتے۔ میں چھ سال کا تھا۔ داستان
امیر حمزہ اچھی طرح پڑھ لی تھی۔ ان سے لے کر میں نے طلسم ہوشربا، قصص الانبیاء، انوار الاخلاق،
روضۃ الشہداء، گل بکاولی، فسانۂ آزاد اور بہت سے قصے پڑھے۔ ابا کے مرنے کے بعد باجی (نانا)
کے گھر رہا کرتے۔ رشتہ داروں میں کسی نے مدد نہ کی۔ سب جلتے تھے۔ سب خبیث تھے۔ بھائی
نے تیاری کرا کے مجھے پانچویں میں داخل کرا دیا۔ خیر میں نے اردو مڈل کیا (۱۹۱۱ء) میں بعمر ۱۹ سال
چار ماہ اپنے سکول میں اور ضلع کے سکولوں میں اول رہا۔ وکٹوریہ جوبلی وظیفہ ملا۔ میں نے اس سے

فائدہ نہ اٹھایا۔ باجی (یعنی نانا مولوی عبداللہ شکور۔ باب گذشتہ) انگریزی کے خلاف تھے۔

"مڈل پاس کرکے ٹونک چلا گیا ماموں سعید الدین کے پاس۔ کون سعید الدین؟ قوام الدین
(۲۰) کے دادا بھائی۔ وہ ٹیا ہٹیرہ میں ناظم (ڈپٹی کمشنر) تھے۔ میں نے سیاہ نویسی سے تحصیلداری
تک کا کام سیکھا۔ ملازمت نہ ملی۔ چھ مہینے وہاں رہا۔ واپس آ گیا (خان بہادر پیرزادہ ڈپٹی) مظفر احمد
(باب ہذا) کے پاس مرت سر چلا گیا۔ میں نے کام سیکھ کر ضلعداری (دراصل پٹواری) کا امتحان دیا۔ بڑے
اچھے نمبر آئے مگر مجھے کام پر نہ لگایا۔ میں ہم آ گیا۔ یہاں باجی (نانا) کا چوراسی سال کی عمر میں انتقال
ہو گیا۔ اب میں دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ (عمر ۲۰ سال) ملنے والے سب دشمن تھے۔ میں اکیلا کس کس
کا مقابلہ کرتا۔ باجی کے چہلم پر سب مرید جمع ہوئے اور مجھے جانشینی کی پگڑی پہنا دی۔

"میں پھر ٹونک چلا گیا۔ تیاری کرکے وکالت کا امتحان دیا۔ پانسو میں چار سو اٹھتیس نمبر آئے
قانون شہادت، انشا پردازی اور دستور العمل مال کے پرچوں میں پورے پورے نمبر آئے تھے۔ سند
موجود ہے۔ مجھ سے پہلے ریاست کی تاریخ میں کوئی درجہ اول میں کامیاب نہ ہوا تھا۔ یہ ۱۹۱۳ء کی بات
ہے۔ میں نے ٹونک میں وکالت شروع کر دی۔ وہاں چھ سال رہا۔ لاکھوں کمائے۔ وہاں کے امراء مجھ سے
حسد کرنے لگے۔ ٹونک چھوڑنا پڑا۔ ہم آ گیا (۱۹۱۹ء)۔

"ہم آیا یہاں بھی سازشیوں کی کمی نہ تھی۔ پھر ایک واقعہ پیش آیا۔ مجھے جان کا خطرہ ہو گیا
میں دلی چلا گیا۔ تاریخ یاد ہے۔ مارچ کی گیارہ تھی اور سنہ ۲۱ء۔ اس کے بعد صرف ایک دفعہ ہم گیا۔
مکان کا تصفیہ کرنے۔ میں، اماں اور خورشید دلی میں شاہ تارا کی گلی میں رہنے لگے۔ مسجد فتح پوری
میں ایک مہینہ پڑھ کر منشی فاضل کا امتحان دیا اور پاس ہو گیا (۱۹۲۱ء) اگلے سال ادیب فاضل کیا۔

"پھر ایم بی ہائی سکول، مدرسہ مسجد فتح پوری، ہائی سکول مہرولی اور رامجس ہائی سکول دلی میں پڑھایا
ہر جگہ حاسدوں سے واسطہ پڑا کسی جگہ پورے ایک سال بھی نہیں رہا۔ پھر تین سال رامجس کالج میں
فارسی کا پروفیسر رہا۔ جب شردھانند (شاتم رسول) کے قاتل عبدالرشید (شہید) کو قتل کی سزا ملی
استعفیٰ دے دیا (۱۹۲۷ء)۔ دو سال اور دلی میں رہا۔ ۱۹۲۹ء میں لاہور آ گیا۔"

یہاں تک کہنے پائے تھے کہ کھانا آ گیا۔ چارپائی پر بیٹھے بیٹھے شوربے کے ساتھ ایک چپاتی
کھایا۔ مگر اس آپ بیتی کو پھر کبھی نہ چھیڑا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے کاغذات میں حیات
استاذ کے نام سے ان کی خودنوشت سوانح عمری لکھی ہوئی ملی۔ یہ ۱۹۳۳ء تک کے حالات پر مشتمل ہے
اور ان کے زبانی بیان کی تصدیق ہی نہیں کرتی بلکہ اس میں حیران کن جزئیات بھی ملتی ہیں۔ حیات استاذ

کے علاوہ ساٹھ صفحوں پر مشتمل ایک زائچہ ولادت بھی ہے جو انہوں نے مشہور منجمین کی مدد سے [illegible] میں تیار کیا۔ ایک بیاض میں ان کا شاعرانہ کلام ہے۔ ایک بیاض میں سفروں کی تفصیل ہے اور میزان لگا کر لکھا ہے کہ یکم جنوری ۱۹۲۲ء تک کل ۳۰۴ سفر کئے جن میں ۲۶۸۷۶ میل فاصلہ طے کیا۔ ان بیاضوں اور ان کی اپنے متعلق اور تحریروں کو پڑھ کر میں تو کچھ ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنی ذات سے متعلق اتنی واقفیت نہیں رکھتا جتنی اس نابغۂ روزگار نے۔

ان کے والد پیرزادہ عبدالمجید ایک فرشتہ خصلت انسان تھے۔ امین یا قانون گو تھے۔ جس وقت ان کا انتقال ہوا پیرزادہ ابراہیم حنیف پانچ برس کے تھے۔ یہ اپنے نانا الحاج مولوی عبدالغفور (باب ۵۱) کی کفالت میں چلے گئے۔ شاہ عبدالغنیؒ (باب ۵۱) کی وفات کے وقت ان کے تین عزیز حیات تھے: مولوی عبدالشکور، پیر تاج الدین (۲۶ ب) اور پیر وزیرالدین (۲۰ ب)۔ مولوی عبدالشکور پیرزادہ ابراہیم کے ماموں تھے اور پیر تاج الدین دادا۔ ان دونوں کو نظرانداز کرتے ہوئے شاہ عبدالغنیؒ نے اپنے سب سے چھوٹے فرزند پیر وزیرالدین صاحب کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا۔ نانا اور دادا کی اس مفروضہ حق تلفی کی آواز پیدائش کے دن سے پیرزادہ صاحب کے کان میں پڑ رہی تھی۔ بچپن میں ان کی والدہ نے انہیں رشتہ داروں سے چھپا چھپا کر رکھا اور ان کے دل میں یہ بات بٹھا دی کہ تمام رشتہ دار تیرے جانی دشمن ہیں۔

پیرزادہ صاحب کی زندگی پر ان کی والدہ عائشہ بیگم صاحبہ کا بڑا ہی گہرا اثر تھا۔ یہ خاتون چھبیس سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں اور چھپن سال بیوگی میں گزار کر بیاسی سال کی عمر میں (۱۹۵۷ء) سیالکوٹ میں فوت ہوئیں۔ یہ پڑھی لکھی تھیں۔ محلہ میں لڑکیوں کے مدرسہ میں معلمہ بھی رہیں۔ انہوں نے حالاتِ خواتین کے نام سے ایک بڑی ہی مفید کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اپنے خاندان کی [illegible] سو سال کی خواتین کا نسوانی زبان میں حال ہے۔ زبان بھی مصنفہ کی اپنی نہیں بلکہ جن الفاظ میں انہوں نے بڑی بوڑھیوں سے ان کے اپنے اور ان بڑی بوڑھیوں کی نانیوں اور دادیوں کے حالات سنے بعینہٖ انہی الفاظ میں لکھ دیئے۔ ایسے واقعات کا انتخاب کیا ہے کہ چلتی پھرتی گویا زندگی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اس کتاب کی اہمیت تاریخی کے علاوہ لسانی بھی [illegible] یہ خاتون عمر بھر بیٹے کی چارپائی کی پٹی سے اپنی چارپائی کی پٹی لگا کر سوئیں۔ جب پیرزادہ [illegible] کی شادی ہو گئی اور جتنے دن یہ گھر بسا ان خاتون کی چارپائی خاوند بیوی کے چارپائیوں کے [illegible] ہوتی اور بیٹے کو ایسی باتیں بتائی جاتیں۔

"وائے بیٹا۔ دیکھو نا۔ روٹی ڈال رہی تھی۔ بہو سے کہا روٹی کھا لے۔ وہ پاس آ کے بیٹھ گئی۔ میں نے سالن اتار دیا۔ اپلے پاس پڑے تھے۔ میں اندر گئی۔ آ کے کیا دیکھوں کہ بہو اپلوں سے سالن کھا رہی ہے۔ باؤلی ہے۔"

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ سعادت مند بیٹے کو ماں کی بات کا یقین آ جاتا مگر یہ ازدواجی رشتہ زیادہ دیر قائم نہ رہا۔ ۱۹۲۰ء میں پیرزادہ صاحب نے طلاق دے دی۔ اس کے بعد پیرزادہ صاحب نے شادی نہ کی۔ قطع نسل کا ماں بیٹوں کو مرتے دم تک افسوس رہا۔ ماں اسی برس کی تھیں کہ ایک روز راقم الحروف کی والدہ محترمہ ان سے ملنے گئیں۔

"امی جی اچھا ہوا تو آ گئی۔ میرے حنیف کے بیٹا ہوا ہے۔"

"کب ہوا۔ کہاں سے ہو گیا۔ کب میں شادی کر لی؟"

"بہو انگلستان میں ہے۔ بچہ بھی وہیں ہے۔"

"میں تو دودھ دھلائی لوں گی۔"

"ہاں یہ پانچ روپے تو اب لے لے جب بہو آئے گی تو سو دوں گی۔"

لطف یہ ہے کہ ساٹھ سالہ فاضل بیٹے نے بھی اس بے بنیاد بات کی تائید کر دی۔ ان ماں بیٹوں کے علاوہ اس گھر کا ایک اور فرد تھا: خورشید عالم (۱۹۰۸ء-۱۹۴۸ء) یہ پیرزادہ صاحب کے بڑے بھائی عبدالحمید متوفی ۱۹۰۸ء کا فرزند تھا۔ اس خطرے سے کہ اس نومولود کو اس کی ماں جان سے نہ مار دے بچہ کو کبھی ماں کی گود میں نہ جانے دیا۔ دودھ بھی اس طرح پلایا جاتا کہ دادی بچے کو اپنی گود میں لئے کھڑی رہتیں اور پاس کھڑی ہوئی ماں دودھ پلاتی جاتی۔ جب خورشید عالم کی بیوہ والدہ نے نکاح ثانی کر لیا تو اس کے بعد ماں کو بچے کی شکل نہ دیکھنے دی یہاں تک کہ ماں دیوانی ہو گئی۔

انسان کو انسان سے جس قدر محبت ہو سکتی ہے وہ پیرزادہ صاحب کو اپنے بھتیجے خورشید عالم سے تھی۔ اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جاتا کہ دشمن مار نہ ڈالیں۔ اس کا زائچہ ولادت نکلوایا گیا۔ اس کی زندگی کا ادنیٰ سے ادنیٰ واقعہ بھی پیرزادہ صاحب نے ایک علیحدہ بیاض میں لکھا ہے۔ اگر کسی صبح ذرا دیر سے اٹھتا تو ماں بیٹا بے چین ہو جاتے۔ اس کی توجیہات کی جاتیں اور اپنے جذبات کو پیرزادہ صاحب قلمبند کرتے۔ اس کے متعلق جتنے خواب دیکھے وہ لکھے گئے اور ان کی تعبیر بھی۔ پیرزادہ صاحب بمبئی سے ٹونک گئے اور یہ بچہ ایک سال تک بمبئی میں اپنی دادی کے پاس رہا۔ اس ایک

سال میں پیرزادہ صاحب نے اس دس گیارہ سال کے بچے کو جتنے خط لکھے ان کا اندراج رجسٹر میں کیا اور پھر خود ہی ماہانہ اوسط نکال لی — ۲۸ ۲/۳ خطوط ماہانہ اوسط نکلی۔ ایک روز ان کی عمر کا حساب نکالا اتنے سال، اتنے مہینے، اتنے دن۔ پھر ان کے گھنٹے بنائے۔ پھر منٹ اور پھر سیکنڈ اور لکھا کہ اس وقت خورشید عالم کی عمر اتنے سیکنڈ ہے۔ لاہور آکر خورشید عالم نے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ ماں بیٹے کے لئے یہ خیال بھی ناگوار تھا کہ خورشید عالم ان کی ذات کے علاوہ اور کسی انسان میں دلچسپی لے۔ یہ رنگ تربیت اتنا پختہ تھا کہ خورشید عالم وفات کے وقت چالیس سال کے تھے مگر شادی نہ کی تھی۔

اس گھر میں یہی تین افراد تھے۔ کسی مہمان کو گھر میں سونے کی کبھی اجازت نہ ملی۔ کبھی کوئی گھریلو ملازم نہ رکھا۔ ماں اسی بیاسی سال کی ہو گئیں۔ ہاتھ میں اس حد تک رعشہ ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آگ جلانے میں پوری ماچس کی ڈبی خرچ ہو جاتی مگر خود ہی تین چار کچی پکی روٹیاں ڈال لیتیں۔ ضبطِ نفس کا یہ عالم تھا کہ اپنے گھر میں پیرزادہ صاحب نے شاید ایک مرتبہ بھی پرتکلف کھانا نہ کھایا ہو۔ یہی حال لباس کا تھا۔ دو سادہ سے جوڑوں سے زیادہ نہ ہوتے۔ پان، سگرٹ، حقہ تو کبھی شوقیہ بھی استعمال نہ کئے۔

مڈل پاس کرنے کے بعد پیرزادہ صاحب نے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں درخواست بھیجی۔ اس درخواست پر علامہ شبلی نعمانیؒ کا جواب آیا:

"جنابِ من۔ السلام علیکم۔ ندوہ میں کوئی وظیفہ اس وقت خالی نہیں۔ سو روپے ماہوار اس مد پر خرچ کئے جاتے ہیں اور اس سے زیادہ گنجائش نہیں۔"

شبلی ۲ راگست ۱۹۱۱ء

اس کا پیرزادہ صاحب کو اتنا افسوس تھا کہ اس کی شدت بارہ سال بعد بھی کم نہ ہوئی چنانچہ ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں:

"اب جب خیال آتا ہے کلیجہ پر سانپ لوٹ جاتا ہے اور دل سے بے اختیار یہ آہ نکلتی ہے کہ اے اللہ سب کو معاف کروں گا مگر مولوی شبلی کی یہ فروگذاشت ہرگز نہ معاف کرونگا۔ جب فیصلہ کا دن ہوگا تو اپنے ذوقِ علم کی ایسی حسرتناک موت کا مرثیہ پڑھونگا اور مولانا شبلی پر ذوقِ علم کے خون کا دعویٰ کروں گا۔" (حیاتِ ناشاد)

ایک بیچارے علامہ شبلی نعمانیؒ پر کیا منحصر ہے۔ پیرزادہ صاحب کی تحریریں شاہد ہیں کہ ان

کا جس سے بھی واسطہ پڑا وہ لازماً برا تھا اور انہوں نے اسے کبھی معاف نہیں کیا۔

ماں سے ہجرت پیرزادہ صاحب کی زندگی کا ایک اہم واقعہ تھا۔ اس پر انہوں نے بہت کچھ لکھا۔ شدتِ جذبات سے چشمہ شعر بھی ابل پڑا حالانکہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی شعر موزوں نہیں کیا اور نہ بعد میں شعر کہے۔ یہ دور صرف ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء کا تھا۔ ان دنوں یہ نواب سراج الدین سائل سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔ ایک بزرگ اور ان کی اولاد پر ایک بیباک اور طویل مثنوی لکھی۔ اتنی زوردار کہ سودا کی ہجویات اور جان صاحب کی ہزلیات بھی اس کے مقابلہ میں پھیکی معلوم ہوں۔ اس میں خیالی دشمنوں کی جی بھر کر خبر لی ہے مگر اسے مشتہر نہیں کیا۔ صرف دل کی بھڑاس نکال کے رکھنے کے بعد اپنی زندگی میں کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا۔ علاوہ ازیں اس دور میں انہوں نے کچھ نے، غزلیں اور نظمیں بھی کہیں۔ ناگفتنی کو چھوڑتے ہوئے ہم صرف گفتنی سے کچھ نمونہ پیش کرتے ہیں:

تھیں دعائیں لب پہ، دل میں درد تھا، آنکھوں میں نم
اس طرح چھوڑا سراپا فضل نے ہائے ہم

پھرنے کو ہیں کہتے ہیں چلو ہم چلو — دیکھو صورت تو ذرا ہیں یہ بلانے والے

زہے نصیب وہ گھر ہمیں نصیحت دیں — قضا و قدر بھی ورثہ میں جن کو لعنت دیں

بک کے افسردہ طبع کہنے لگا یوں ہمدم
حزن سے چہرہ ترا کس لئے افسردہ ہے
دن کو چین راتوں کو آرام نہیں تجھکو نصیب
دل میں اک درد اٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
پا کے حالت پوچھ لے دوست فسانۂ فراق
بدسلوکی نے کیا مجھ کو گھلا کر آخر

کیوں گھلا جاتا ہے جی میں ہے ترے کیا غم
یاس سے کس لئے آنکھیں ہیں سدا پر نم
للہ بتلا، کہیں آتا تو نہیں یاد ہم
ہم نے غربت میں سنا دوست سے جب نام ہم
بےکسی قتل کئے ڈالتی ہے ہاں ہمدم
غربت اور یادِ وطن کرتے ہیں ہر وقت ستم

دہلی میں پیرزادہ صاحب اعلیٰ درجہ کا علمی ذوق لے کر گئے۔ اب تک وہ کئی علمی اور تحقیقی کام کر چکے تھے جن کا ذکر ذرا بعد میں آئے گا۔ دہلی میں ان دنوں خلافت کے چرچے تھے اور گلیوں میں بچوں کی ٹولیاں

بولی اماں محمد علی کی   جان بیٹا خلافت پہ دے دو

گاتی پھرتی تھیں۔ یہ وہی آواز تھی جس کی مخالفت کرنے کی وجہ سے انہیں سیم چھوڑنا پڑا تھا۔ یہ دہلی میں نو سال رہے مارچ ۱۹۲۱ء سے دسمبر ۱۹۲۹ء تک۔ ان جیسی صلاحیت رکھنے والے کے لئے چنداں مشکل نہ تھا کہ وکالت ترک کر کے گزر اوقات کی کوئی اور سبیل کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحان پاس کر کے یکے بعد دیگرے چار سکولوں میں ملازمت اختیار کی۔ وہ دہلی کے علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے اور بغیر کسی ڈگری کے حامل ہوتے ہوئے محض اپنی ٹھوس علمی قابلیت کی بنا پر رام جس سٹی کالج دہلی میں فارسی کے لیکچرر لگ گئے اور دہلی یونیورسٹی نے اس تقرر کی منظوری دے دی۔

اب دہلی میں خلافت کی بجائے شدھی کے چرچے تھے۔ ہندوؤں کی جارحیت سے مسلمان بڑا خائف تھا۔ شاتم رسول شردھانند کے قاتل عبدالرشید کو عدالت سے پھانسی کی سزا ملی۔ ۱۵ نومبر ۱۹۲۷ء کو پیرزادہ صاحب نے گھر بیٹھے کالج کے مینجر کو اپنا استعفیٰ دے دیا۔

"جناب من! چونکہ میرا ضمیر مجھے آئندہ کام جاری رکھنے کی اجازت نہیں دیتا اس لئے میں اپنی پوسٹ سے مستعفی ہوتا ہوں۔ مہربانی کر کے استعفا منظور کیا جائے۔"

پیرزادہ محمد حنیف پرشین لیکچرر

انہوں نے رواں مہینے کے چودہ روز کی تنخواہ ایک ہندو ادارے سے لینا بھی گوارا نہ کی۔ مسلمانوں کو ہندو بنانے کی تحریک کے توڑ میں مسلمانوں نے بہت سی انجمنیں قائم کیں۔ پیرزادہ صاحب نے ان میں سے کسی کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک نہ کیا کیونکہ ان انجمنوں کی تمام تر کارگزاری مدافعانہ تھی اور یہ بات ان کی افتادِ طبع کے خلاف تھی۔ ہندوؤں سے نبٹنے کے لئے انہوں نے ہندی اور سنسکرت زبان سیکھی۔ ہندو مت کا مطالعہ اصل ماخذوں سے کیا۔ وید، اپنشد، منو شاستر اور پران پڑھے اور ڈیفنس آف اسلام، آل محمد اور سری کرشن اسمبلی کے نام سے جماعتوں کے قیام کا اعلان کیا جن کے وہ خود واحد عہدیدار اور کارکن تھے۔ ۱۹۲۶ء کے اخیر میں انہوں نے ایک رسالہ موسومہ "دولاپی کا تحفہ" شائع کیا۔ اس میں بتایا کہ سری کرشن ایک غیر آریہ اسرائیلی پیغمبر

رام اور ابراہیم ایک ہی پیغمبر کے دو نام ہیں۔ رام غیر آریائی لفظ ہے۔ تورات اور انجیل میں براہم ابرام (کنیت ابو رام) یعنی رام کا نام آیا ہے جو کثرت استعمال سے ابراہام اور ابراہیم بن گیا۔ اسی رسالہ میں اعلان کیا کہ ہم نے سری کرشن اسمبلی قائم کی ہے اس پر ۱۸ جنوری ۱۹۲۷ء کے اخبار ملاپ لاہور نے دو کالمی دوہری سرخیاں جڑیں: "ایک مسلمان نے بھگوان کرشن چندر کو اسرائیلی پیغمبر بنا دیا۔" "سری کرشن کے نام پر ایک اسمبلی بھی قائم کر دی۔" پانچ روز بعد دہلی کے اخبار الامان نے اپنی ۲۳ جنوری ۱۹۲۷ء کی اشاعت میں اس رسالہ کو پورا نقل کیا۔ رسالہ جنرل نیوز دہلی نے ۲۲ ستمبر ۱۹۲۸ء کی اشاعت میں پیرزادہ صاحب کی تحقیق کو سراہا۔ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۰ء کے پیغام صلح لاہور اور ۳۰ نومبر ۱۹۳۰ء کے اخبار حمایت اسلام لاہور نے اس رسالہ کو پورا نقل کیا۔ ۲۷ نومبر ۱۹۳۰ء کے اخبار ریاست لاہور میں اس رسالہ پر تبصرہ ہوا۔

شردھانند کا قتل پیرزادہ صاحب کی زندگی کا ایک اہم ترین موڑ تھا۔ ان کے رسالے "دولاپی کا تحفہ" پر پریس نے بڑا ہی حوصلہ افزا تبصرہ کیا۔ خود اعتمادی تو ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اب انہیں یہ احساس ہوا کہ اپنے جوہر دکھانے کا میدان ہاتھ آ گیا۔ انہوں نے اسی سلسلہ کے تین اور ٹریکٹ شائع کئے: آل محمد، شردھے مت بلاؤ اور اپیل بنام آریہ صاحبان۔ پہلے رسالہ میں لفظ آریہ کی تحقیق کر کے راجپوتوں اور جاٹوں کو غیر آریہ بتایا۔ دوسرے رسالہ پر، جون ۱۹۳۱ء کے پیغام صلح لاہور میں ریویو شائع ہوا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ پیرزادہ صاحب نے لاہور کے عیسائی رسالہ المائدہ میں یہ دعوے دہرایا کہ عربی ام الالسنہ ہے۔ لفظ مندر مفعل کے وزن پر عربی ہے اور اس کی جمع منادر بھی عربی طریق پر ہے جیسے مسجد سے مساجد۔

ہندوؤں کی دیکھا دیکھی عیسائیوں نے بھی اپنی تبلیغی مساعی تیز کر دیں۔ ان کے جواب میں مسلمانوں نے جو مدافعانہ رویہ اختیار کیا ہوا تھا پیرزادہ صاحب اس سے مطمئن نہ تھے۔ اصل ماخذوں سے عیسائیت کا مطالعہ کرنے کے لئے انہوں نے یونانی اور عبرانی زبانیں سیکھیں۔ عیسائیت پر ان کا رسالہ مراسلہ بنام ہیڈ آف کامبرج مشن دہلی شائع ہوا جس میں انہوں نے لکھا:

".....میری عبرانی اردو لغات میں دس ہزار کے قریب عبرانی اور سامیٹک الفاظ کی فلالوجی لکھی جا چکی ہے..... کتاب مقدس کے اردو، فارسی، عربی ترجمے اصل عبرانی کے لحاظ سے غلط ہیں۔ یہی حال غالباً عہد نامہ جدید کا ہو گا۔ بدقسمتی سے اس کی اصل عبرانی کتابیں معدوم ہیں اور اب سارا مدار یونانی نسخوں پر ہے۔ ان میں اب عبرانی کا صرف ایک

آدھا جملہ باقی ہے۔ مگر ازاں جملہ خاص جملہ ایلی ایلی لما سبقتنی کا ترجمہ تو بے شک
غلط ہے اور اس کا تعلق زبور ۲۲ سے بھی ٹھیک نہیں۔ زبور میں سبقتنی کا لفظ
نہیں بلکہ عذبتنی ہے اور ان دونوں کے مفہوم اور معانی میں بے حد فرق ہے۔"

اس پورے مراسلہ کو تین موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ الجمعیۃ دہلی نے ۲۷ جولائی ۱۹۲۸ء
کو شائع کیا "عیسائیت کی بنیاد ہل گئی"۔ "عبرانی اناجیل سے اسلامی عقیدے کا اثبات" "حضرت
مسیح مصلوب نہیں ہوئے" اور ساتھ ہی ایڈیٹر نے یہ نوٹ دیا:

"مراسلہ نگار صاحب ایک مدت سے مذاہب کی تحقیق اور ان کی جوہری باتوں پر ناقدانہ
نقد و نظر فرما رہے ہیں اور جس موضوع پر آپ قلم اٹھاتے ہیں اس کے تمام پہلوؤں پر
غور و فکر کے ساتھ ہی اس کے لوازمات اور ادبی خصوصیات میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں"

یہی مراسلہ اخبار جنرل نیوز نے ایک نوٹ کے ساتھ اپنی یکم جنوری ۱۹۲۹ء کی اشاعت
میں شائع کیا۔ دہلی ہی میں انہوں نے ایک رسالہ "من انصار اللہ" (۱۹۲۸ء) شائع کیا۔ جس میں
انہوں نے کہا: "میں ہر محقق مذہب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ دنیا کے ہر مسلمہ علمی معیار پر اسلام کی
صداقت مجھ سے حاصل کر سکتے ہیں (؟)" یہ پمفلٹ اخبار الجمعیۃ دہلی نے اپنی ۵ نومبر ۱۹۲۸ء کی
اشاعت میں نقل کیا۔ لاہور آکر انہوں نے "اپیل بنام عیسائی صاحبان" اور "بنام پرنسپل [illegible]"
نامی ٹریکٹ شائع کئے۔ آخر الذکر ایک عیسائی ادارہ ہے۔ عیسائی مشنریوں میں پہلے دہلی اور بعد
میں ٹنیولی (مدراس) کے بشپ ریورنڈ ایف جے ویسٹرن پیرزادہ صاحب کے بڑے مداح تھے
انہوں نے پیرزادہ صاحب سے الجھنے کی کبھی کوشش نہ کی۔ بلکہ ہمیشہ تالیف قلوب کا نسخہ استعمال
کرتے رہے۔ کچھ ایسا ہی رویہ علی گڑھ میتھوڈسٹ ایپسکوپل مشن کے بشپ ریورنڈ راک ویل کلینسی
کا تھا۔ ان دونوں کے پیرزادہ صاحب کے نام بیسیوں خطوط موجود ہیں جن میں کسی مذہبی اختلاف
کا ذکر نہیں۔ ہندی نژاد عیسائیوں سے ان کی کبھی نہ بنی۔ دہلی کے پادری احمد مسیح، اخبار نور افشاں
لاہور کے ایڈیٹر پادری غلام مسیح اور ریورنڈ جی سی چیٹرجی ایم اے سے ان کی ہمیشہ نوک جھونک
رہی۔ پادری احمد مسیح کی ایک اینٹ کے جواب میں جو پتھر پھینکا اس کی سختی ملاحظہ ہو:

"نظر بریں میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ اگر عمر کا تقاضا نہیں تو جناب پولوس کی اس پالیسی
کا اثر ضرور ہے کہ جھوٹ بولنا ذرا بھی گناہ نہیں بشرطیکہ اس طرح کلیسا کی حمایت ہو سکے۔
چرچ آف انگلینڈ کے خداوندانِ دولت کو خوش کرنے کے لئے ہمارے دیسی مظلوم بھائی

اگر اتنا بھی نہ کر سکیں تو پھر وہ کس مرض کی دوا ٹھہریں گے اور مشن کا گرا دانہ کیونکر ہضم ہوگا"
مالی مشکلات میں گھرے ہوئے ایک شخص کے لئے دو تین سال کے عرصہ میں ہندی، سنسکرت
یونانی اور عبرانی زبانیں سیکھ لینا ایک معجزہ ہے۔ خودنمائی کا جذبہ خواہ وہ کتنا ہی شدید ہو انسان
سے یہ کام نہیں کرا سکتا۔ یہ خدمتِ اسلام کی سچی لگن تھی کہ بغیر وسائل کے اور باقاعدہ کسی یونیورسٹی
میں پڑھے بغیر پیرزادہ صاحب یہ زبانیں سیکھ گئے۔ اس میں قطعی شک نہیں کہ عیسائیت اور ہندومت
کے متعلق ان کا مطالعہ بڑا وسیع تھا اور اصل ماخذوں سے تھا۔ اپنے وسیع مطالعہ کی بنا پر وہ بہت
کچھ اور بہت اچھا لکھ سکتے تھے مگر حیرت ہے کہ ان کے مصنفہ رسائل میں ایک بھی رسالہ ایسا نہیں
جو دائمی اقدار کا حامل ہو۔ بدقسمتی سے ان کا اندازِ تحریر عیسائی مشنریوں اور ہندو پرچارکوں سے
مختلف نہ تھا۔ وہی مناظرانہ للکار، دل آزارانہ فقرے اور ذاتی حملے وہ اپنا شعار بنا بیٹھے۔ یہ دیکھ
کر خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر انہیں علامہ شبلیؒ کی تربیت میسر آجاتی تو یہ جوہر قابل اسلام کی کچھ مخصوص
خدمت سرانجام دے جاتا۔ یہ ٹھیک ہے کہ اس دور کی مناظرانہ فضا میں انہوں نے "واہ واہ" سے
اپنی جھولی خوب بھری ہوگی۔ ان کی تحریروں سے مسلمانوں کی کچھ حوصلہ افزائی اور غیر مسلموں کی حوصلہ شکنی
ہوئی ہوگی۔ ارتداد کی آندھی کا بھی کچھ زور ٹوٹا ہوگا مگر پیرزادہ ایسے فاضل اجل سے اس سے
کہیں زیادہ توقع وابستہ کی جا سکتی تھی۔

دسمبر ۱۹۲۹ء میں پیرزادہ صاحب اپنی والدہ اور بھتیجے کو لے کر دہلی سے لاہور آ گئے اور
یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں قادیانیت کو اسلام کے لئے اندرونی خطرہ محسوس کیا۔ مرزا غلام احمد
صاحب کی تمام مطبوعہ تحریریں مطالعہ کیں۔ قادیانیوں کا تمام پراپیگنڈا لٹریچر پڑھا اور براہ راست
مرزا بشیر الدین محمود صاحب اور مولانا محمد علی صاحب ایم اے کو مناظرہ کی دعوت دی۔ مولانا محمد علی
لاہوری کو ۱۰ فروری ۱۹۳۲ء کو رجسٹرڈ پوسٹ کارڈ لکھا کہ میں اپنے رسائل آپ کی خدمت میں بھیج چکا
ہوں۔ جن میں سے بعض کو آپ نے اپنے مسلک میں شامل کر لیا ہے۔ مثلاً اپنے نام کے ساتھ مولانا
لفظ ترک کر دیا ہے اور مثیلِ مسیح کی احمدی اصطلاح ترک کر دی ہے اور مثیلِ عیسیٰ پر انحصار کر لیا ہے"
اس کے بعد انہوں نے رسالہ "اہل اسلام اور اہل الکتاب سے اپیل" شائع کیا جس میں جماعت احمدیہ
لاہور سے خط و کتابت شامل تھی اور آخر میں نوٹ دیا: "آج شب کو مسٹر محمد علی کے ایجنٹ نے
مجھے قتل کی دھمکی دی ہے قبل ازیں ایک مرزائی کی شرارت سے مجھ پر حملہ ہو چکا ہے"۔
بچپن کی ٹریننگ کی وجہ سے پیرزادہ صاحب جو کبھی لڑائی لڑنے کے عادی تھے۔ علیا ...

ہندوؤں اور قادیانیوں کے بعد ان کی توجہ مسلمان علماء کی طرف ہوئی۔ ویسے ان کا اختلاف دنیا کے تقریباً ہر زندہ اور مرحوم مسلمان کے عقائد و عمل سے تھا۔ ان کے مذہبی رسائل میں آلِ محمد، "تفسیر آلِ محمد، الکوثر کی تفسیر"، خالص اسلامی صلوٰۃ (اہل القرآن اور بقول ان کے چکڑالویوں کی نماز پر اعتراضات)، ازدواجی نماز (حافظ محمد اسلم جیراجپوری کے نماز کے بارے میں خیالات پر اعتراضات)، مولانا اشرف اللہ تعالےٰ سے الموسوم بہ مولوی ازم مردہ باد، مسلم غیور بیدار باش، اسلامی کلنڈر ہیں۔

ان رسائل پر اسی نوعیت کے جرائد یعنی اخبار نیرِ اسلام لاہور، پیغام صلح لاہور، شمع شریعت کانپور، رسالہ اشاعت القرآن لاہور (اہل القرآن کا جریدہ) وغیرہ میں تنقید ہوئی۔ اپنے رسائل میں پیرزادہ صاحب نے بتایا کہ اپنے آپ کو آلِ محمد کہو۔ نماز پڑھنا مجوسیوں کی پیروی ہے۔ موجودہ ہجری تقویم غیر اسلامی ہے مسلمان غلط مہینہ میں روزہ رکھتے ہیں۔ غلط تاریخ کو حج ادا کرتے ہیں۔ نام کے ساتھ مولوی لکھنا شرک ہے۔ امام بخاریؒ مجوسی الاصل تھے۔ انہوں نے اسلام بگاڑنے کے لئے حدیث کی کتاب گھڑ لی۔ پیرزادہ صاحب نے اپنی تفسیر القرآن لکھنا شروع کی۔ اس کے نامکمل اور بے ترتیب مسودات دس بکسوں میں موجود ہیں۔ ان کی تمام مذہبی تحریروں کو پڑھنے کے بعد، جو کہ بڑا ہی پتہ ماری کا کام تھا، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک مذہبی انارکسٹ اپنے ذوقِ تخریب کی تسکین کر رہا ہے۔ انکے نزدیک ہر مسلّمہ عقیدہ اور عمل غلط ہے۔ مگر انہوں نے کہیں نہیں بتایا کہ حق کیا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس تقلید اشتمال قوتِ حافظہ کے مالک نے یہ کام دن کا چین، راتوں کا آرام قربان کرکے کیا، ازدواجی زندگی اور راحتِ دنیا سے بے نیازِ محض ہو کر کیا تو علم و اخلاص کی برتری میں تشکیک پیدا ہو جاتا ہے۔ ذہنِ انسانی کی نیرنگیاں ملاحظہ ہوں۔ اسی ذہنی ساخت کے سینکڑوں پڑھے لکھے ان کے ہم خیال تھے۔ ان میں نواب، ناگردل، وکلا، اکثر دۃ کے ائمہ مساجد و مناظرین، کلرک، تجار اور طلبا و طالبات سب ہی تھے۔ ان معتقدین میں سے جو شخص بھی ان کے زیادہ نزدیک تھا اس سے متعلق ان کی اتنی ہی زیادہ بری رائے تھی جیسے وہ قلم بند کرتے رہتے تھے۔ بداعتمادی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

بچپن میں اپنے ماحول کے خلاف ذہنی طور پر مسلح رہنے کی جو عادت پڑ گئی تھی اس کی شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا جس سے نکل کر ان کا واسطہ زیادہ ترکشادہ ماحول سے پڑا۔ وہ تمام دنیا کو اپنا احمقات سمجھنے لگے۔ وہ لوگوں کو مبارزت پر للکارتے اور پلٹ پلٹ کر حملہ کرتے اور بھگے

کو زندہ رہنے کی ہی ایک صورت ہے۔ انہوں نے ایک استفتاء تیار کیا: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا اللہ ہی دہر ہے یا نہیں۔ نیز اللہ کو دہر کہنا، الحاد، کفر و شرک اور زندیقی ہے یا نہیں"۔ اسے چھپوا کر علماء کے پاس بھیج دیا۔ ان علماء میں مولوی اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ، مفتی محمد شفیع، خواجہ مسعود بخاری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا مودودی اور مولانا علی الحائری کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ یہ حضرات فتویٰ دیں گے کہ دہر خدا نہیں اور میں مشتہر کروں گا کہ ان علماء نے امام بخاریؒ کو دہریہ، مشرک اور زندیق قرار دے دیا ہے۔ یہ ہتھیار اوچھا پڑا۔ ان حضرات کے جواب سے مطلب پورا نہ ہوا تو پیرزادہ صاحب نے انہیں کرارے کیلے خطوط لکھے۔ مفتی کفایت اللہ کو لکھا: "سردست صرف فتویٰ مطلوب ہے تائید یا تردید سے کوئی تعلق نہیں اس لئے آپ کا قبل ازمرگ واویلا محض عبث ہے"۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو لکھا: "آپ ناظرین اہل حدیث کو ان حالات اور واقعات سے بے خبر رکھ کر گمراہ کرنے کے ٹھیکیدار بننا چاہتے ہیں۔ اور دراصل آپ کے پاس کوئی جواب موجود نہیں"۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کو لکھا: "حدیث فان اللہ ھو الدھر سے آپ پر جو بدحواسی اور ہذیان طاری ہو گیا اسے دیکھ کر آپ کی حالتِ زار پر میرا دل بہت کڑھا اور آپ کی اخلاقی موت اور تہذیب و علمیت کا جنازہ دیکھ کر مجھے آپ کے ہم مشرب پسماندگان سے پوری ہمدردی ہے"۔ جب اس اندازِ تحریر پر ان بزرگوں نے سکوت اختیار کر لیا تو پیرزادہ صاحب نے فخریہ اعلان کیا "ہم نے ان مجوسی ملاّؤں کو لاجواب کر دیا"۔

انہوں نے "داعی الی اللہ" کے نام سے ایک ماہانہ رسالہ بھی شائع کرنا چاہا جس کے صرف دو پرچے نکلے۔ پہلا شمارہ یکم شعبان ۱۳۵۲ھ کا تھا۔ اس میں مولانا ثناء اللہ امرتسری کا تعارف ان شاندار الفاظ میں کروایا ہے: "مزامیر الشیطان ملاّ لہو الحدیث ثناء اللہ صاحب" اور لکھا: "امرتسری روایتی ملاّں کی خاطر تواضع کے لئے یہ آرگن جاری کیا جا رہا ہے"۔

پیرزادہ صاحب کی تحریریں عیسائیوں، ہندوؤں اور قادیانیوں کے خلاف بعض مسلمانوں کے اخبارات اور رسائل میں چھپتی رہیں لیکن جب انہوں نے مسلّمہ عقائد کے خلاف قلم اٹھایا تو ان اخبارات و جرائد نے انہیں شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ پیرزادہ صاحب نے ان مضامین کو بلاتکلف غیر مسلموں کے جرائد میں چھپوانا شروع کر دیا۔ یہ جرائد بڑی طمانیت کے ساتھ اپنے چٹپٹے تبصروں کو شامل کر کے ان مضامین کو شائع کرتے رہے۔ ہم نے لاہور کے عیسائی رسالہ

المائدہ میں ان کے یہ مضامین دیکھے ہیں۔

اگست ۱۹۳۳ء : ملّا نوہوش کرو۔

ستمبر ۱۹۳۳ء : حدیث۔

اکتوبر ۱۹۳۳ء : روایت پرستوں کی مجوسی نماز

نومبر ۱۹۳۳ء : روایتی نماز کی تلاش۔

جنوری ۱۹۳۵ء : نمازوں کے لئے تحقیقاتی کمیٹی کی ضرورت۔

ضوابط کے متعلق ابوالاعلیٰ مودودی سے بھی استفسار کیا تھا۔
رواۃ بخاری اور ابوالشیطان لہ
انہوں نے رسالہ ترجمان القرآن کی اشاعت شعبان ۱۳۵۲ھ میں اس کا جواب دیا۔ پھر پیرزادہ بخاری
لاقسبوالسہ ھو کے متعلق استفسار کیا۔ اس دوسرے استفسار کے جواب میں مولانا مودودی نے
ترجمان القرآن کی رمضان ۱۳۵۲ھ کی اشاعت میں تحریر کیا۔

آپ کے اصل استفسار کا جواب دینے سے پہلے اس طرز عمل کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا
ہوں جو آپ نے اس سلسلہ میں اختیار کیا ہے۔
میں نے آپ کا وہ مضمون پڑھا ہے جو آپ نے عیسائیوں کے رسالہ المائدہ میں روایتی نماز
کی تلاش کے عنوان سے لکھا ہے۔ آپ کے جذبات کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن کم از کم
میرے جذبات یہ ہیں کہ اگر مجھے خدانخواستہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے جھگڑا کرنا بھی ہوگا تو
غیر مسلموں کے سامنے جاکر کبھی ایسا نہ کروں گا۔ کجا کہ وہ جھگڑا کسی مذہبی مسئلہ میں ہو اور اس
سے غیر مسلموں کو اسلام اور مسلمانوں پر استہزا کرنے کے لئے اچھا خاصا سامان تفریح ہاتھ آتا ہو
میں سمجھتا ہوں کہ کوئی مسلمان بھی جس میں ذرا سی بھی اسلامی غیرت ہوگی ایسا کرنا پسند نہ کرے گا۔
بلکہ مجھے تو ابھی تک عیسائیوں، ہندوؤں اور دوسرے مذہب کے پیروؤں میں بھی کوئی مثال
ایسی نہیں ملی کہ کسی شخص نے خود اپنے ہم مذہبوں کے مذہبی عقائد کا مذاق اڑانے یا ان پر
طعن کرنے کے لئے کسی دوسرے مذہب والوں کے اخبار کو ذریعہ بنایا ہو۔ پھر آپ تو
ماشاء اللہ داعی الی اللہ ہیں۔ ابراہیم حنیف آپ کا اسم گرامی ہے۔ آپ کی غیرت نے
یہ کس طرح گوارا کیا کہ مسلمانوں سے مذہبی مسائل میں جھگڑا کرنے کے لئے ان لوگوں کے رسالہ
کو وسیلہ بنائے جو اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اور اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ کے قائل
ہیں جن کے سامنے ایک داعی الی اللہ کو تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ

اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کی دعوت پیش کرنی چاہیے تھی۔ ان کے سامنے آپ اپنے آپس کے
اختلافات پیش فرما رہے ہیں۔ اور وہ بھی اس انداز میں کہ دوسروں کی نگاہوں میں جمہورِ
اسلام کے عقائد اور ان کے مذہب کا استخفاف ہو۔

آپ نے اپنے مذکورہ بالا مضمون میں جو زبان استعمال کی ہے اور جس انداز سے حدیث زیر
بحث اور اس کی صحت کے قائلوں اور عموماً حدیث کے ماننے والوں پر نقد فرمایا ہے۔ اس
سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج کل مناظرہ کا جو عام رنگ ہے اسی قسم کے مناظرے کی اسپرٹ
آپ کے اندر بھی بھری ہوئی ہے۔ اس اسپرٹ کا اظہار آپ کے مندرجہ بالا خط سے بھی
ہوتا ہے۔ نیز آپ کا یہ فعل بھی اسی اسپرٹ کا مظہر ہے کہ آپ نے یہ خط رجسٹری کے ذریعے
سے میرے نام ارسال فرمایا ہے۔ گویا خط بھیجنے سے پہلے ہی اپنے مخاطب کے متعلق آپ
کافی بدگمان تھے اور اس کے مقابلہ میں قانونی احتیاطیں برت لینا ضروری سمجھتے تھے تاکہ
آئندہ اس پر گرفت کی جا سکے۔ اس ذہنیت اور اس جنگی روح کو دیکھ کر میں نہ چاہتا تھا کہ
آپ کے اس عنایت نامہ کی طرف توجہ کروں کیونکہ میں پیشہ ور مناظر نہیں ہوں۔ زبانی
اور قلمی کشتیوں کے دنگل آراستہ کرنا میرا شیوہ نہیں۔ جس مباحثہ کا مقصد احقاق و تحقیق
نہ ہو اس میں ایک منٹ صرف کرنا تضیع اوقات سمجھتا ہوں لیکن اس کے باوجود میرا
ضمیر مجھے مجبور کر رہا ہے کہ آپ کی اصلاح خیال کے لئے کم از کم ایک مرتبہ ضرور کوشش
کی جائے۔

اس سے آگے مولانا مودودی نے تفصیل کے ساتھ استفسار کا جواب دیا ہے۔ پیرزادہ صاحب
مودودی کے ساتھ زیادہ بیباک ہو جایا کرتے تھے۔ ان کی مطبوعہ تحریروں میں ایسے جملوں کی کمی نہیں بخاری
امت زدی کا پاجیانہ اہتمام؟ زبانی گفتگو میں تو وہ اس قدر آگے بڑھ جاتے تھے کہ صحابہ کبار پر بھی
زبان درازی کر جاتے۔ مگر ہم اس دل آزار بیان کو طول نہیں دینا چاہتے۔ ہم کٹ حجت اور بے لگام
مذہبی انارکسٹ پیرزادہ ابراہیم حنیف کے تذکرہ کو چھوڑتے ہوئے بحر العلوم ابراہیم حنیف کا ذکر
کرتے ہیں اگر یہ بزرگ خدمت اسلام کو اپنے پروگرام میں شامل نہ کرتے تو شاید ان سے کوئی ایسا علمی
یادگار کام سرزد ہو جاتا کہ رہتی دنیا تک ان کا نام احترام سے لیا جاتا۔ انہوں نے کبھی چھوٹے موٹے
کام پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ جس کام کو شروع کیا ایسا تھا جو بڑے بڑے اداروں کے کرنے کا ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ان کا کوئی کام پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا۔ کام کو اتنا پھیلاتے جاتے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ محنت برائے محنت کے قائل ہیں۔ یا عمرِ خضر کی توقع کئے بیٹھے ہیں۔ ان کی بیشتر ادبی اور تحقیقی کوششیں اس ابتدائی زمانہ کی ہیں جب ان میں مناظرانہ جنگی روح نے حلول نہ کیا تھا۔ ان کی علمی مساعی کا ہم سلسلہ وار ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ انسان اور اس کی فلاسفی: یہ مسودہ ۱۷×۲۶/۴ سائز کے ۴۰۴ صفحوں پر مشتمل ہے۔ سرورق پر لکھا ہے کہ یہ کتاب سنہ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۶ء تک لکھی گئی یعنی ابتدا اس وقت کی جب یہ ساتویں جماعت میں پڑھتے تھے اور حرف آخر اس زمانہ میں لکھا جب یہ رامجس کالج دہلی میں فارسی کے لکچرر تھے۔ اس مسودہ کا مطالعہ کر کے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس نابغۂ روزگار کو کسی اچھے دار العلوم میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملتا تو یہ علمی دنیا کا درخشندہ ستارا ہوتا۔ زیرِ نظر کتاب کو قاموس العلوم کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ اس میں علم کی متعدد شاخوں پر سیر حاصل واقفیت ہے۔ قدیم وجدید نظریات پیش کئے ہیں۔ موضوعات کی طویل فہرست میں سے چند ایک یہ ہیں: فلسفہ قدیم وجدید، علم النفس، مسئلہ ارتقاء، ہند و فلسفہ، تشریح علم الابدان، کیمیا، طبیعات، مصوری، نقاشی، ہیئت، ریاضی، تقویم، موسیقی، رسم الخط، فصاحت و بلاغت، علم الصرف، علم بیان، عروض، فن معمہ، جبل، رمل، نجوم، رجال الغیب، تفاول، علم الرؤیا، جوتش، شگون، جنون، منطق، مسمریزم، علم الاخلاق، جغرافیہ، خوراک، خاندان، معاشرہ، فلسفہ، جذبات، فلسفۂ عشق، فلسفۂ شہوات، جبر و قدر، علم الاصنام پرستی، مذہب۔

۲۔ مشرقی شاعری اور حسن و عشق: اس کتاب کا مسودہ محفوظ ہے۔ اسے بعض اہلِ علم نے پڑھ کر اس پر تبصرے لکھ دیئے جو پیرزادہ صاحب نے شائع کرائے۔ تبصرہ نگاروں میں حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی، لالہ سورج نرائن مہر، سید اولاد حسین شاداں بلگرامی، مرزا حیرت دہلوی اور سائل دہلوی ہیں ان کی آرا کے بعض حصے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

ا۔ "میں نے کہیں کہیں سے اس کتاب کو دیکھا جو اپنی نوعیت ہی میں نہیں بلکہ اپنی خصوصیت میں بھی لاثانی ہے۔ اردو میں یہ پہلی کتاب ہے جس میں زیادہ مطالعہ اور جفاکشی سے کام لیا گیا ہے۔ مشرقی مذاق شاعری کی ایک مکمل کتاب ہے۔ یہ حصہ پیرزادہ ابراہیم حنیف صاحب جیسے محقق کا تھا۔ جس کی دل سے میں داد دیتا ہوں"۔ میرزا حیرت بقلم خود ۵ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء۔

ب۔ انسان اور اس کی فلاسفی اور حسن و عشق کی فلاسفی من تصنیف منشی فاضل جناب پیرزادہ صاحب ابراہیم حنیف بعض مقامات سے دیکھی۔ یہ کتاب ان کی وسعتِ نظر اور اعلیٰ قابلیت اور دماغی قوت پر دال ہے۔ اگر یہ شائع ہوگئی تو بہت سے لوگوں کی معلومات میں معتدبہ اضافہ کرے گی اور اردو زبان میں ایک خاص اور مفید اضافہ ہوگا ..... سید اولاد حسین شاداں بگرامی پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور ۲۵ر جولائی سنہ ۱۹۲۱ء

ج۔ "..... پیرزادہ ابراہیم حنیف صاحب ..... نوجوان ہیں مگر علوم وفنون میں اتنا ملکہ اور عبور حاصل کیا ہے جو سو برس کی عمر والوں کو نصیب نہیں ہو سکتا ..... آپ کی تازہ تصنیف جو میری نظر سے گذری ہے سامنے میں عجیب و غریب کہہ سکتا ہوں۔ اگر یہ کتاب لندن یا برلن میں لکھی جاتی تو غالباً اس کے مصنف کی اتنی قدردانی ہوتی کہ وہ مالا مال ہو جاتا اور لوگ اس کے دیکھنے کے لئے آستانہ پر حاضر ہوا کرتے ..... پیرزادہ ابراہیم حنیف میرے نزدیک اس دور میں علامہ جلال الدین دوانی یا ابو نصر ثانی ہیں"۔

فقیر حقیر ناصر نذیر فراق دہلوی - ۱۵ر جون سنہ ۱۹۲۳ء

ذ۔ اک ہنر ہے کوششِ اہلِ ہنر کو دیکھنا
چاہیئے دردِ دل و دردِ جگر کو دیکھنا

صورت کوئی ہو پیار آتا ہے اس کو حسن گوش
آنکھ کا ہے اقتضا زیر و زبر کو دیکھنا

حق کو لازم ہے نیک و بد کی کرنا تمیز
دیکھنے کی طرح واجب ہے جدھر کو دیکھنا

روبرو سائل کے حسن و عشق کی تالیف ہے
خواہش اس کی اس مطول مختصر کو دیکھنا

اعتبار اہلِ تالیف اس قدر ہے معتبر
اعتباری آنکھ سے اس معتبر کو دیکھنا

قدر کرنی چاہیئے اس صاحبِ تالیف کی
دیکھ کر اس کو نہ ہرگز سیم و زر کو دیکھنا

پیرزادہ ہے یہ مسم سی مقدس جانے کا
جبکہ ایثارِ تحقیق آگے چل کر دیکھنا

ہم اس کا ہے حنیف اور خضر سکا بو حنیفہ
اس پسر کو دیکھنا اور اس پدر کو دیکھنا

ہے دعا سائل کی یہ پروان چڑھ جائے کتاب
ہو مبارک اس کا ہر عالی نظر کو دیکھنا

نواب سراج الدین احمد سائل دہلوی"

یہ کتاب مسودہ کی شکل میں نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں سات مشرقی زبانوں کے شعراء کے پچاس ہزار سے زیادہ منتخب اشعار ہیں۔ عربی کے تین ہزار پانچ سو (۳۵۰۰) اتنے ہی ہندی کے اردو رسم الخط میں، فارسی اور اردو کے اکتالیس ہزار نو سو پچانوے (۴۱۹۹۵)۔ عبرانی کے آٹھ سو اشعار کا اردو ترجمہ، پنجابی کے پانچ سو اور سنسکرت کے دو سو اردو رسم الخط میں۔ اس مسودہ کو دیکھ کر

پیرزادہ صاحب کی وسعت مطالعہ، محنت اور ذوق شعری کی داد دیئے بغیر نہیں رہا جا سکتا مگر کتابی شکل میں اس کی اشاعت کوئی بھی مقصد پورا نہ کرے گی۔

۳۔ اردو ترجمہ مقامات حریری: یہ مسودہ بھی محفوظ ہے۔

۴۔ اردو کلاسیکل ڈکشنری: وہ کام جس کے لئے پیرزادہ صاحب نے راتوں کی نیند حرام کی اس لغت کی تیاری تھی۔ اس کی اشاعت کے سلسلہ میں انہوں نے وزارت تعلیمات پاکستان سے ۱۹۵۵ء میں خط و کتابت کی۔ انہوں نے لکھا: "اس ڈکشنری میں جملہ اردو الفاظ کے روٹس، اوریجن اور ریفرنس کمپیریٹو فلالوجی اور اٹمالوجی کی روشنی میں بہت تحقیقات کے ساتھ درج کئے گئے ہیں۔" ایک اور خط میں لکھا: "اس کا مکمل مسودہ بیس ہزار صفحات پر موجود ہے۔" تیسرے خط میں بتایا: "اس میں جس زبان کا لفظ لکھا ہے وہ اسی زبان کے رسم الخط میں ہے اس لئے اس کی اشاعت برطانیہ کلاں ہی میں ممکن ہے۔" وزارت تعلیمات نے ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب سے درخواست کی کہ وہ اس لغت کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا کر حکومت کو مشورہ دیں۔ یہ تو معلوم نہیں کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے حکومت کو کیا رپورٹ پیش کی مگر اس پر پیرزادہ صاحب نے ۱۶ر دسمبر ۱۹۵۲ء کو ڈپٹی ایڈوائزر وزارت تعلیم حکومت پاکستان کو جو خط لکھا اس کا ایک حصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

"وزارت تعلیمات پاکستان کراچی کے پروانہ نمبری مورخہ ۲۱ر اکتوبر ۱۹۵۲ء کی تعمیل میں جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب آف انجمن ترقی اردو کراچی مورخہ ۱۳ر دسمبر ۱۹۵۲ء بروز پیر ہمارے دفتر میں برائے معائنہ اردو کلاسیکل ڈکشنری مرتبہ اردوئے معلی اکیڈمی کراچی تشریف فرما ہوئے۔ ہم نے حسب الحکم آنجناب کو تمام ریکارڈ کا معائنہ کرا دیا اور جو کچھ انہوں نے ملاحظہ کے لئے طلب فرمایا ان کی خدمت میں فی الفور پیش کر دیا۔

ڈاکٹر عبدالحق صاحب موصوف یہاں پر اردو کے بہترین نمائندہ مشہور ہیں لیکن افسوس کہ عبرانی، یونانی، لاطینی، جرمنی، فرنچ، روسی، ژند و پاژند، سنسکرت وغیرہ امہات اردو کلاسیکل زبانوں سے ناواقفیت کے باعث اور بالخصوص بین الاقوامی کمپیریٹو فلالوجی نہ جاننے سے وہ ہمارے ورک کو سمجھ ہی نہ سکے۔"

پھر کچھ ناگفتنی کے بعد لکھا:

"ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی دکان سے مقابلتاً ارزاں لغت اردو گرامر کی جو کتابیں شائع کی ہیں دراصل وہ اپنی اس بزنس کے مقابلہ میں اور کسی کے ورک کی قدر سے بالکل

عاری ہیں۔"

یہ اقتباس پڑھنے کے بعد آپ اس ہیچمدان سے اس لغت پر تبصرہ کی جسارت کی توقع نہ کریں۔ جس چیز کو انہوں نے اردو کلاسیکل ڈکشنری کا نام دیا ہے اس کے مسودات پندرہ بکسوں میں محفوظ ہیں مگر مرتب و مکمل نہیں۔ اگر یہ مکمل ہو کر ترتیب پا جاتی تو اردو زبان کی پہلی معقول و معیاری لغت ہوتی۔ مگر زندہ انسانوں میں ہم کسی ایسے عالم کی موجودگی سے لاعلم ہیں جو اس کی تکمیل کر سکے۔

۵۔ تفسیر قرآن: پیرزادہ صاحب کا چالیس جلدوں میں اردو میں تفسیر قرآن شائع کرانے کا ارادہ تھا۔ اس سلسلہ میں ان کے لکھے ہوئے نوٹس تیرہ بکسوں میں بند ہیں۔ نامکمل و بے ترتیب اور سارے ہی بے کار۔

ایسا معلوم ہوتا ہے پیرزادہ صاحب تحقیق برائے تحقیق کے قائل تھے۔ اس کے بعد ان کا مقصد حیات یہ تھا کہ اس تحقیق کو ہوا نہ لگ جائے وہ اسے نہ کسی کو دکھاتے نہ شائع کرتے۔

ماہر انساب: یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ اس نابغہ روزگار کی تمام عمر کی سعی و تحقیقات اکارت گئیں۔ زیر مطالعہ کتاب کے محدود نقطہ نظر سے اگر انہوں نے کوئی مفید کام کیا ہے تو وہ اپنے خاندان کے نسب نامہ سے متعلق تھا۔ اس خاندان میں ان سے بہتر کوئی ماہر انساب نہیں ہوا۔ خاندان پر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے وہ بنیادی نسب نامہ محفوظ کر لیا جس کی بعد کے نسب نگار تکمیل کرتے رہے۔ خاندان کے نسب ناموں کی تاریخ ہم اس کتاب کے آخری باب میں درج کریں گے ——— یہاں اتنا بتا دینا کافی ہے کہ شیخ امداد الحق کا مرتبہ نسب نامہ انہیں ۱۹۱۰ء میں مل گیا اور پھر اپنی وفات یعنی نصف صدی تک انہوں نے اس کا کسی سے ذکر نہ کیا اور نہ کسی کو دکھایا۔ اسے بنیادی نسخہ بنا کر انہوں نے ایک نسب نامہ ترتیب دیا جس کا نام معرف الانساب رکھا۔ معرف الانساب کی تیاری میں انہوں نے جو تحقیق و کاوش کی ہے اسے دیکھ کر بے ساختہ ان کے حق میں منہ سے کلمات تحسین نکلتے ہیں۔ ہم شیخ امداد الحق کے مرتبہ نسب نامہ (معیار الانساب) کی حفاظت اور معرف الانساب کی تیاری کو پیرزادہ صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھتے ہیں۔ ایک اور چیز جسے انہوں نے محفوظ کیا وہ خاندان سے متعلق دو سو کے قریب قدیم تحریریں (خطوط، رہن نامے، ہبہ نامے، قسمت نامے، استشہاد نامے، کابین نامے، عدالتی فیصلے، بعض خطوط اور شاہی فرامین) ہیں۔ شاید قدرت کو یہ چیزیں محفوظ کرانی مقصود تھیں کہ پیرزادہ صاحب ۱۹۱۹ء میں ترک وطن پر مجبور ہو گئے اور دس سال بعد لاہور آ گئے وہ ۱۹۲۹ء

کی نقل مکانی میں یہ بے بہا دولت بھی تباہ ہو جاتی۔

رنبیس کالج سے سبکدوش ہونے کے بعد ان کی گزر اوقات درسی کتب پر تھی جو وہ وقتاً فوقتاً لکھتے رہے۔ لاہور آکر انہوں نے آل انڈیا لٹریری بک سوسائٹی اور اردوئے معلی اکیڈمی کے نام سے دو ادارے قائم کئے اور پہلی جماعت سے دسویں جماعت کے لئے اردو کی کتابیں لکھیں جن میں سے آٹھویں جماعت تک کی کتابیں بمبئی، اجمیر، الہ آباد، بہار، صوبہ سرحد، کشمیر اور پنجاب میں بطور امدادی کتب محکمہ تعلیمات نے منظور کیں۔ انہی درسی کتابوں کے سلسلہ کی ایک کتاب "درس غالب" تھی۔ اس میں غالب کے اردو دیوان کو صحت کے ساتھ ردیف وار ترتیب دیا۔ التزام یہ کیا گیا کہ صرف غزلیات ہی نہیں بلکہ دیگر اصناف سخن کو بھی ساتھ ہی ردیف وار ترتیب دیا۔ یہ مجسمہ بدگمانی تھے۔ اس لئے انہوں نے درسی کتابوں کا کاروبار چلانے کے لئے کسی کو اپنے ساتھ نہیں ملایا نہ کوئی ملازم رکھا۔ جب تک ان کے بھتیجے خورشید عالم حیات رہے کاروبار چلتا رہا مگر صرف اتنا کہ دال روٹی چلتی رہی۔ قیام پاکستان پر یہ کاروبار بھی دھیما پڑ گیا اور خورشید عالم کی وفات (۲۸-۹-۵۸ء) پر تو بالکل بند ہو گیا۔ یہاں تک کہ بقایا سٹاک کو فروخت کرنے کے ۱۹۶۹ء میں نصف قیمت کا اعلان کیا۔ اس کے بعد کوئی کتاب نہ چھپوائی اور اس مرد قلندر کے دن عسرت و تنگدستی میں گزرنے لگے۔ حالانکہ کرایہ مکان کے علاوہ ان ماں بیٹوں کا ماہانہ خرچ بمشکل چالیس روپے ہوگا۔ اس کے لئے بھی انہیں آخری عمر میں دوسروں کا مرہون منت ہونا پڑا۔ ان کے معتقدین میں سے ایک پبلک پراسی کیوٹر اور رحیم یار خاں کی ایک نیک دل خاتون منی آرڈر کے ذریعے انہیں کبھی کبھی سو پچاس روپے بھیج دیتے۔ وہ منی آرڈر کوپن اور دونوں کے لکھے ہوئے خطوط محفوظ ہیں۔

انہوں نے عمر میں جس قدر خط لکھے وہ یا تو رجسٹری کر کے بھیجے یا انڈر پوسٹل سرٹیفکیٹ اور ان کی نقل بھی ضرور رکھی۔ انہیں جن حضرات نے خطوط لکھے وہ سب محفوظ ہیں۔ ان کا مطالعہ بڑا دلچسپ ہے۔ ان کے مکتوب نگاروں میں سے بعض یہ ہیں: علامہ شبلی نعمانی، علامہ سر محمد اقبال، ڈاکٹر سر ضیاء الدین، سر عبدالقادر، سر چھوٹو رام، چودھری لال چند، میر غلام بھیک نیرنگ، [illegible] ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام دہلی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، چودھری غلام احمد پرویز، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، شیخ محمد امین بیرسٹر، خان بہادر مظفر احمد فضلی، محمد عثمان فارقلیط دہلوی، سید اولاد حسین شاداں بلگرامی، عندلیب شادانی، عبدالعلیم، محمد الدین المخاطب بہ ولی اللہ سجادہ نشین خانقاہ شعیبیہ تجارہ راجپوتانہ،

صاحبزادہ محمد ضیاء الدین سجادہ نشین سیال شریف، خان بہادر احمد خاں آنریری مجسٹریٹ ڈیرہ اسماعیل خاں، حکیم نیر واسطی، غلام یٰسین انبالوی، شمس العلماء سید احمد شاہی امام جامع مسجد دہلی، نواب محمد جہانگیر والی مانگرول، دیوان سید آل رسول علی خاں سجادہ نشین درگاہ شریف خواجہ اجمیری، سورج نرائن مہر، برہمانند بھارتی، صاحبزادہ لالہ رگھوناتھ سہائے۔ ریورنڈ ڈاک ویل کلیمنٹس، ریورنڈ ایف بے دیشرن صاحبان۔ ان میں سے جن چوٹی کے آدمیوں کے خطوط ہیں وہ پیرزادہ صاحب کے کسی خط کے جواب میں ہیں۔ علاوہ ازیں مذہبی مناقشوں پر ان کے نام خطوط لکھنے والوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ اس خط و کتابت کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ پیرزادہ صاحب "مولوی" یا "مولانا" کو گالی سمجھتے تھے اور اکثر مکتوب نگار ان کے نام کے ساتھ یہ لقب لکھ دیا کرتے تھے۔ لفافہ کھولنے سے پہلے پیرزادہ صاحب لفظ مولانا پر خوب دل لگا کر سیاہی پھیرتے۔

انہیں جہاں بھی رہتے دیکھا اس حالت میں دیکھا کہ جس کمرے میں رہتے اس کا دروازہ اندر سے بند ہوتا۔ کوئی ملنے آتا تو دروازہ کھولنے سے پہلے اچھی طرح اطمینان کر لیتے کہ کون ہے۔ جس کمرے میں ان کا سامان ہوتا اسی میں رہائش رکھتے۔ کیا مجال کہ ان کی غیر موجودگی میں وہاں پرندہ بھی پر مار سکے۔ یہ سامان میں بائیس سال سے تو ہم نے بھی ہمیشہ اس حال میں دیکھا کہ ٹین کے صندوقوں یا لکڑی کی پیٹیوں میں بند ہے۔ اس پر ٹین کی پتیاں جڑی ہوئی ہیں اور اوپر بوری منڈھی ہوئی ہے جس کا منہ سلا ہوا ہے۔ یہ بکس کمرے کے تین طرف دیواروں کے ساتھ اوپر نیچے چھت تک رکھے ہوتے۔ جو بھی ان سے ملنے جاتا اس کی خواہش ہوتی کہ معلوم کیا جائے کہ ان بوریوں میں کیا بند ہے۔ سینکڑوں حریصوں نے ان بکسوں کے حصول کے لئے عقیدت مندی کا لبادہ اوڑھ کر ان کی خدمت کرنا شروع کیا۔ وقت پڑنے پر کچھ مالی امداد بھی کرتے رہے مگر یہ اس قدر زیرک تھے کہ نگاہیں دیکھ کر دل کی بات تاڑ جایا کرتے تھے۔ عمر کے آخری دس بارہ سال ایسے گزرے کہ وہ ان بکسوں کو جان سے لگائے شہر در شہر پھرتے رہے۔ کبھی کسی معتقد کے ہاں ایک کمرے میں، کبھی کسی کرایہ کے کمرے میں اور کبھی ہوٹل میں۔ جب بھی انہیں اپنے میزبان یا عقیدت مند کی نیت پر شبہ ہوتا یہ فوراً سامان لدوا کر کسی دوسرے شہر چلے جاتے۔ چنانچہ لاہور، منٹگمری، رحیم یار خاں، کراچی اور سیالکوٹ تک یہ بکس ان کے ساتھ ساتھ پھرتے رہے۔ اکثر کہا کرتے تھے کہ ان میں میری چالیس سال کی تحقیقات کے مسودے ہیں۔ لندن میں جا کر چھپواؤں گا۔ پاسپورٹ کا انتظام کر رہا ہوں۔ وفات کے وقت ان بکسوں کی تعداد ساٹھ تھی۔ انتقال کے چھ ماہ بعد تک یہ سیالکوٹ کے ٹھیکیدار [illegible] بخش کی تحویل میں

ہے۔ جب پیرزادہ صاحب کے ورثاء کی تحریری اجازت لے کر سیالکوٹ گیا تو محبی میاں بشیر احمد
ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کی اعانت سے مقامی پولیس نے پورا تعاون کیا۔ باقاعدہ رپورٹ درج
پولیس نے روزنامچے میں تفصیلی فہرست اشیا درج کی۔ اس پر محبی خواجہ محمد صفدر ایڈووکیٹ
قائد حزبِ اختلاف مغربی پاکستان اسمبلی، مسٹر محمد انور ایڈووکیٹ، محبی غلام محمد حاضر صاحب،
صاحب وغیرہ معززین شہر نے دستخط کئے۔ جس شخص نے نصف صدی تک مذہبی، ادبی اور علمی
میں ہلچل سی مچائے رکھی اس کی ضروریاتِ زندگی کس قدر مختصر تھیں: ایک کھٹولا، دری، تکیہ
کھیس، رضائی، دو جوڑے کپڑے، سب نہایت معمولی اور میلے کچیلے — جوتہ، بالٹی، لوٹا، انگیٹھی
سلور کی دیگچی، ڈھکنا، دو چمچے، ایک پیالہ، ایک مٹی کی صراحی اور بس۔ معززینِ شہر کی موجودگی میں
یہ اشیاء وہیں غربا میں تقسیم کردی گئیں۔ باقی اٹھاون بکسوں کو کھولا تو اس رازِ سربستہ کا انکشاف ہوا جن
کی ٹوہ میں سینکڑوں حریص لگے رہتے تھے۔ تیرہ بکسوں میں درسی کتابیں، ان کے مسودے، تصویریں
اور قاعدوں کے بلاک۔ اٹھائیس بکسوں میں تفسیرِ قرآن اور اردو کلاسیکل ڈکشنری وغیرہ کے منتشر
اور بے ترتیب مسودات، پانچ بکسوں میں مذہبی مناقشوں پر مطبوعہ ٹریکٹ، چار بکسوں میں عیسائیت
قادیانیت اور ہندومت سے متعلق ٹریکٹ اور کتابیں، پانچ بکسوں میں ان کے شاگردوں کے
مقدمات کے کاغذات، پرانے اخبار اور رسائل، ایک بکس میں خطوط، ایک بکس میں اپنے خاندان سے
متعلق کاغذات اور شجرے، دو بکسوں میں کتابیں۔ ان کے مسودات کی مفت پیشکش انجمن ترقی ا
پنجاب پبلک لائبریری اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کو کی ہوئی ہے۔

شمشاد احمد بن سجاد احمد بن پیرزادہ الحاج محمد اسلم صدیقی

باب

سلسلۂ افتخاریہ سے جو حضرات پاکستان آئے

اس باب کی ترتیب یہ ہے کہ اگلے تین صفحوں میں زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین
...ثم رہتکیؒ کے خلفِ اکبر مولانا افتخار الدینؒ کی اولاد کا جزوی شجرہ دے کر اسے تیس شاخوں میں
تقسیم کیا گیا ہے۔ صاحبِ شاخ کا نمبر انگریزی طرز کے عدد میں ڈالا گیا ہے۔ ان میں سے اگلے
صفحوں میں ہر شاخ کے کنبوں کے سرپرستوں کی ترتیب وار فہرست دی گئی ہے۔ یہ اپنے اپنے
کنبے کے وہ سرپرست ہیں جو ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے یا کسی اور ملک میں مقیم تھے۔ یہ تعداد ایک
سو تین بنتی ہے۔ سرپرست کنبہ سے ذکور میں سے وہ فرد مراد ہے جس کا باپ یا دادا حیات نہ ہو
ہر سرپرست کنبہ کے نام کے ساتھ اردو طرزِ اعداد میں کوئی نمبر ملے گا۔ یہ اس سرپرست کنبہ کا مستقل
نمبر ہے جو اس نام کے ساتھ اس کتاب میں ہر جگہ ملے گا۔

کنبوں کے سرپرستوں کی فہرست کے بعد ایک ایک کرکے نمبر وار ہر سرپرستِ کنبہ کا حال
دیا گیا ہے۔ پھر اسی نمبر کے تحت الف جزو میں اس سرپرست کی اولاد کا حال ہے اور ب جزو میں
اس کے آباؤ اجداد کا۔ مولانا افتخار الدینؒ کی اولاد سے اس وقت ایک ہزار تیرہ (۱۰۱۳) افراد
بقیدِ حیات ہیں۔

قاضی ہدایت اللہ بن قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدینؒ

شمشاد احمد بن سجاد احمد بن محمد اکرم رحمۃ اللہ علیہم

- قاضی محمد
  - حامد
    - قاضی مبارز الدین
      - قاضی محمد اسحاق
        - قاضی عبدالرحیم
          - عبدالصمد
            - قاضی محمد سعید
              - محمد تقی
                - فتح علی
                  - قاضی محمد کرم
                    - محمد شرف
                      - عبدالرحیم
                        - عبدالکریم
                          - ۱ (حالات صفحہ ۱۸۱ پر)
                  - قاضی علی اکبر
                    - قاضی محمدی
                      - قاضی غلام حسن
                        - 2 (حالات صفحہ ۱۸۶ پر)
                      - غلام حسین
                        - ولی اللہ
                          - 3 (حالات صفحہ ۱۹۰ پر)
                    - شیخ احمد
                      - حامد علی
                        - فضل الرحمان
                          - 4 (حالات صفحہ ۱۹۱ پر)
            - محمد رفیق
              - عبدالرحمان
                - عبدالرحمن
                  - عبدالمبین
                    - مفتی عبدالصمد
                      - صدر الدین
                        - 5 (حالات صفحہ ۱۹۸ پر)
- مفتی قادن
  - مفتی فضل اللہ
    - مفتی محمد حاکم
      - مفتی عبدالمجید
        - مفتی محمد
          - مفتی نظام الدین 6 تا 14 صفحہ ۱۷۷ دیکھیں
          - عبداللہ
            - محمد حاتم
              - عبدالرسول
                - عبدالکریم
                  - فخر الدین
                    - 15 تا 50 (صفحہ ۲۰۱ پر دیکھیں)

مفتی نظام الدین بن مفتی محمد (اسمائے اجداد ۱۷۶ صفحہ پر)

- مفتی امان اللہ
  - مفتی حبیب اللہ
    - مفتی عزیز اللہ شہید
      - شاہ رزق اللہ
        - شاہ نجم اللہ
          - 6 (حالات صفحہ ۲۰۲ پر)
    - مفتی محمد جعفر
      - مفتی عبدالرحمن
        - محمد احسان
          - محمد مسعود
            - عطا حسین
              - 7
    - محمد اسلم
      - قاضی نور الحق
        - شناء الحق
          - فضل الحق
            - حفیظ الحق
              - فیاض الحق
                - عیاذ الحق
                  - 8 (حالات صفحہ ۲۱۹ پر)
                - ریاض الحق
                  - 9 (حالات صفحہ ۲۲۰ پر)
                - سراج الحق
                  - ۱۰ (حالات صفحہ ۲۲۲ پر)
          - بہاؤالحق
            - 11
      - محمد فاروق
        - محب اللہ
          - مہر اللہ
            - امیر اللہ
              - فقیر اللہ
                - 12 (حالات صفحہ ۲۲۴ پر)
    - ہدایت اللہ
      - محمد ذاکر
        - عبدالواحد
          - جماعت اللہ
            - علیم اللہ
              - 13 (حالات صفحہ ۲۲۵ پر)
- محمد نصیر
  - عبدالمنعم
    - محمد مراد
      - محمد شاہ
        - شیخ محمد
          - غلام محمود
            - محبوب علی
              - 14 (حالات صفحہ ۲۳۰ پر)

مولوی فخر الدین مہمی ثم رنگی بن عبدالکریم (سلسلہ اجداد ۶، ۷ صفحہ پر)

- شاہ بدر الدین
  - شاہ غلام احمد الدین
    - غیاث الدین 15
    - امام الدین 16
    - بہاء الدین 17
  - شاہ غلام جیلانی
  - شاہ شجاع الدین
    - غلام سرور الدین
      - سعید الدین 18 (حالات صفحہ ۲۶۹ پر)
      - تاج الدین 19 (حالات صفحہ ۲۷۲ پر)
      - معین الدین 20 (حالات صفحہ ۲۷۹ پر)
      - نور الدین 21 (حالات صفحہ ۲۸۲ پر)
  - مولوی شہاب الدین
    - وجیہ الدین شہید 22 (حالات صفحہ ۲۸۳ پر)
    - عزیز الدین
      - فصیح الدین 23 (حالات صفحہ ۲۸۸ پر)
  - مولوی کرم اللہ 24
- مولوی بدیع الدین 25
- مولوی صدر الدین
  - عظیم الدین
    - شمس الدین
      - حسین الدین 26 (حالات صفحہ ۳۰۲ پر)
      - معز الدین 27 (حالات صفحہ ۳۰۶ پر)
      - فیاض علی 28 (حالات صفحہ ۳۰۹ پر)
    - رستم علی 24
    - بہادر علی 30

پاکستان آنے والے کنبوں کے سرپرستوں کی ترتیب

1 اولاد عبدالکریم	(۱۷) امین الرحمٰن	(۳۳) محمود الحق	(۴۹) محمود اللہ
(۱) فصیح الدین	5 اولاد صدر الدین	9 اولاد ریاض الحق	13 اولاد عظیم اللہ
(۲) ریاض الدین	(۱۸) معین الدین	(۳۴) رمضان الحق	(۵۰) محمد فاروق
(۳) ظل الرحمٰن	(۱۹) ریاض الدین	(۳۵) فرقان الحق	(۵۱) عبدالرؤف
(۴) فیاض الرحمٰن	(۲۰) علاء الدین	(۳۶) عمران الحق	(۵۲) منظور احمد
(۵) لطیف الرحمٰن	6 اولاد نجم اللہ	10 اولاد سراج الحق	(۵۳) احمد حسین
(۶) باقر علی	(۲۱) راغب اللہ	(۳۷) ضیاء الحق	14 اولاد محبوب علی
2 اولاد غلام حسن	(۲۲) طالب اللہ	(۳۸) اشتیاق الحق	(۵۴) محمد یوسف
(۷) حسام الدین	(۲۳) منظور الحق	(۳۹) اندراج الحق	(۵۵) محمد محسن
(۸) عطاء الرحمٰن	(۲۴) شفاء اللہ	11 اولاد بہرام الحق	(۵۶) محمد مستحسن
(۹) سعید الرحمٰن	(۲۵) ضمیر الدین	(۴۰) اعتماد الحق	(۵۷) ظفر الحسن
(۱۰) مجید الرحمٰن	(۲۶) محمود الرحمٰن	(۴۱) اقتدار الحق	(۵۸) محمد اسحٰق
3 اولاد ولی اللہ	7 اولاد عطاء حسین	(۴۲) انظار الحق	15 اولاد غیاث الدین
(۱۱) وحید الدین	(۲۷) امیر حسن	12 اولاد فقیر اللہ	(۵۹) ضمیر الدین
(۱۲) ضیاء الدین	(۲۸) محمد حسن	(۴۳) شیخ الاسلام	(۶۰) کبیر الدین
(۱۳) ظفر احمد	(۲۹) صدیق الحسن	(۴۴) ابو عبید اللہ	(۶۱) دبیر الدین
4 اولاد فضل الرحمٰن	8 اولاد عیاض الحق	(۴۵) زبیر اللہ	(۶۲) نصیر الدین
(۱۴) حبیب الرحمٰن	(۳۰) نثار الحق	(۴۶) فرحت اللہ	(۶۳) ہمایوں فر
(۱۵) بشیر الرحمٰن	(۳۱) اسرار الحق	(۴۷) انعام اللہ	(۶۴) اثیر الدین
(۱۶) مطیع الرحمٰن	(۳۲) نور الحق	(۴۸) امین اللہ	(۶۵) عمیر الدین

(باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

16 اولاد امام الدین

(۶۶) حبیب احمد
(۶۷) فیض الحسن
(۶۸) غلام ربانی

17 اولاد بہاء الدین

(۶۹) مفید الدین
(۷۰) مستفید الدین
(۷۱) منصور علی

18 اولاد سعید الدین

(۷۲) قیام الدین
(۷۳) سرور سعید
(۷۴) شمس الاسلام

19 اولاد تاج الدین

(۷۵) کفیل احمد
(۷۶) خلیل الدین

20 اولاد عین الدین

(۷۷) عزیز الدین
(۷۸) قیام الدین
(۷۹) نہال الدین
۸۰ سعید الدین

(۸۱) امتیاز الدین
(۸۲) محبوب عالم

21 اولاد نور الدین

(۸۳) معین الدین

22 اولاد حمید الدین

(۸۴) سرور الدین
(۸۵) عثمان الدین
(۸۶) صدیق الدین
(۸۷) قطب الدین
(۸۸) صابر علی

23 اولاد فصیح الدین

(۸۹) سمیع الدین
(۹۰) ولی الدین
(۹۱) ریاست علی
(۹۲) اعجاز علی
(۹۳) ظہیر الدین

24 اولاد کریم الدین

(۹۴) حکیم الدین
(۹۵) انعام الدین
(۹۶) احتشام الدین

(۹۷) محمد اسلم
(۹۸) محمد آصف
(۹۹) سلطان احمد
(۱۰۰) اقبال احمد
(۱۰۱) بدر الدین
(۱۰۲) اعجاز الدین
(۱۰۳) اعزاز الدین
(۱۰۴) علیم الدین

25 اولاد بدیع الدین

(۱۰۵) عقیل الدین
(۱۰۶) حسین الدین

26 اولاد حسین الدین ×

(۱۰۷) نجم الدین
(۱۰۸) شفیق الدین
(۱۰۹) خلیق الدین
(۱۱۰) رفیق الدین
(۱۱۱) ارشاد الدین
(۱۱۲) حمید الدین
(۱۱۳) عبدالقدوس
(۱۱۴) محب الدین
×

27 اولاد معز الدین

(۱۱۵) یامین الدین
(۱۱۶) بشیر الدین
(۱۱۷) طیب الدین

28 اولاد فیاض علی

(۱۱۸) محمد مسلم
(۱۱۹) محمد اسلم علی
(۱۲۰) ابراہیم علی

29 اولاد رستم علی

(۱۲۱) شفاعت علی
(۱۲۲) افضل علی
(۱۲۳) مستجاب علی
(۱۲۴) ایوب علی
(۱۲۵) حشمت علی
(۱۲۶) جمشید علی
(۱۲۷) کفایت علی
(۱۲۸) کاظم علی
(۱۲۹) سجاد علی

30 اولاد بہادر علی

(۱۳۰) حیات علی

اسا ولاد عبدالکریم بن عبدالرحیم فہمی

عبدالکریم بن عبدالرحیم فہمی
- عبدالحلیم
  - عبدالغفور
    - صبیح الدین
      - فصیح الدین (۱)
      - ممتاز الدین
        - ریاض الدین (۲)
  - عبدالرحمان
    - حفیظ الرحمن
      - سراج الرحمن
        - فضل الرحمن (۳)
      - فیاض الرحمن (۴)
      - لطیف الرحمن (۵)
- عبدالعلی
  - مظہر علی
    - باقر علی (۶)

ا۔ **فصیح الدین** (۱۸۷۰-۱۹۵۳ء)

محکمہ انہار میں ہیڈ منشی تھے۔ لاہور میں انتقال ہوا۔

و۔ آپ کے فرزند صبیح الدین المولد ۱۹۱۹ء لاہور میں ملازم ہیں۔

۲۔ ریاض الدین (المولد ۱۹۰۲ء)

(۲۲۴-۳۵ مریڑ حسن راولپنڈی (عارضی))

بھرواں جسم، مجلسی عادت، شعبۂ برقیات میں سرکل ہیڈ ڈرافٹسمین ہیں۔ جہلم ضلع رہتک میں پیدا ہوئے۔

و۔ آپ کے خلف اکبر غیاث الدین ۱۹۳۴ء میں جوگندر نگر ضلع کانگڑہ میں پیدا ہوئے۔ واپڈا میں ٹیلیگرافر ہیں۔ دوسرے فرزند ایاز الدین ۱۹۳۵ء میں جہلم میں پیدا ہوئے باقی دو فرزند ابداقبال المولد ۱۹۵۵ء اور حفیظ اقبال المولد ۱۹۵۰ء ہیں۔

ب۔ آپ کے والد ممتاز الدین ممتاز (۱۸۶۷-۱۹۳۸ء) جہلم میں تولد ہوئے۔ جوگندر نگر میں انتقال ہوا جہاں وہ شعبۂ برقیات میں ہیڈ ڈرافٹسمین تھے۔ جسم بھرواں اور قد میانہ تھا۔ ممتاز تخلص تھا۔

نمونۂ کلام:

شہیدانِ رہِ آئین و ملت — قتیلانِ رہِ تسلیم و محبت
نگہ دارانِ راہ و رسمِ منزل — ہمیشہ رہتے ہیں بے رنج و کلفت

پیشِ نظر جو طیبہ بلند طور آیا — دل میں سرور آیا آنکھوں میں نور آیا

ازل کی بزم میں شیدائی جمالِ سرور کا — مجھے آبائی ورثہ میں ملا ہے بس یہی ترکہ

(منقول از قلمی بیاض)

جوگندر نگر جانے والی پہاڑی ریل گاڑی

نمودار ہوتے ہی وقتِ سحر — تھی صناعی صانع کی پیشِ نظر
کہیں زلفِ پیچاں کی مانند ریل — چلی کھاتی بل اور عجب کرتی کھیل
کہیں وادیٔ کوہ میں تھی رواں — اڑاتی دھواں اور کرتی فغاں
کہیں تھی سرنگوں میں جلک جلک ٹاں — کبھی قلۂ کوہ پہ تھی رواں
کہیں خشک ٹیلے کہیں کھیتیاں — کہیں صاف میداں کہیں چوٹیاں
کہیں چشمۂ آبِ شیریں رواں — مزہ جس سے پاتے ہیں کام و زباں
وہ وقتِ سحر اور پیارا سماں — بجز ایسی وادی یہ منظر کہاں
گریلی کو کر کے عبور ایک دم — تلمدرا دے میں ہے رکھتی قدم
کبھی بان گنگا کے ساتھ ساتھ — چلی جاتی ہے دور تک بائیں ہاتھ
کہیں باتھو اور بان گنگا کا جوڑ — ہے جو اک نہایت خطرناک موڑ
عبور اس کو کرتی ہے یہ بے درنگ — بھلیر آکے پڑتی ہے دھندلی نگہ

(منقول از اخبار تعلیم لاہور ۲ ستمبر ۱۹۳۲ء)

ممتاز الدین حسان کے والد معین الدین (۱۸۵۳-۱۹۱۹ء) کا مہم میں انتقال ہوا۔ قد چھوٹا تھا اور دل محبت بھرا۔ نہایت اجلا لباس پہنتے۔ قصبے کے مشہور تیراکوں میں سے تھے۔ ان کے والد عبد الغفور متوفی ۱۸۸۰ء کے متعلق سنا ہے کہ ریاست ججھر میں عہدیدار تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا۔ انگریزوں نے انہیں گرفتار کرنا چاہا مگر یہ بچ بچا کر قصبہ مہدی ضلع لکھیم پور کھیری (اودھ) پہنچ گئے اور ملکہ وکٹوریہ کے اعلان معافی تک رشتہ داروں میں روپوش رہے۔ عبد الغفور کے والد عبد الحکیم متوفی ۱۸۶۰ء قصبہ مہم کے سرآوردہ حضرات میں سے تھے۔ ہمارے پاس ۸ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ اور ۲۲ جمادی الثانی ۱۲۶۱ھ کے لکھے ہوئے دو بیعناموں پر آپ کے دستخط ہیں۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد آپ بڑی بڑی آزمائشوں میں ڈالے گئے۔ آپ کے ایک فرزند عبد الغفور روپوش ہو کر مہدی علی گئے۔ ایک داماد مخدوم بخش بن احمد حسن (از اولادِ مفتی محمد جعفر) اسی دار و گیر میں ایسے مفقود الخبر ہوئے کہ پھر ان کے متعلق کسی نے کچھ نہ سنا۔ دو اور داماد وجیہ الدین شہید (م ۸ ب) اور امیر اللہ شہید (۲۵ ب) کو انگریزوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کی پاداش میں پھانسی دی۔ عبد الحکیم کے والد عبد الکریم کی گواہی شیخ عبد الکریم بادنہ ۲۹ رمضان ۱۲۳۲ھ ۱۸۱۷ء اگست

کی ایک تحریر پر موجود ہے۔ ان کے والد عبد الرحیم کے ۱۱ جمادی الاول ۱۱۶۸ھ ۲۳ فروری ۱۷۵۵ء کے لکھے بیعنامے پر دستخط موجود ہیں۔ شیخ عبد الرحیم کے برادرِ خورد کے بارے میں شیخ امداد الحق معیار الانساب میں لکھتے ہیں: "متقیداز مہم برخاستہ در قصبہ تال بھوپال رفتہ سکونت اختیار کردند و ہمانجا نکاح ہم ساختند۔ اولاد ہم گردیدہ ہمونجا مانند۔ ہیچ احوال شان معلوم نیست۔" شیخ عبد الرحیم کے والد قاضی محمد شرف اپنے والد قاضی محمد مکرم کی وفات پر کچھ عرصہ تک منصب قضا پر فائز رہے مگر جلد ہی ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی علی اکبر پرگنہ مہم کے قاضی بنا دیئے گئے۔ شیخ محمد شرف کے شہادتی دستخط ہمارے پاس آٹھ بیعناموں پر محفوظ ہیں[1]۔ یہ بیعنامے ۱۱۲۳ھ سے ۱۱۶۲ھ تک کے ہیں۔ قاضی محمد مکرم اور ان کے اجداد کا حال ب میں آچکا ہے۔

۲۔ ظل الرحمٰن (المولد ۱۹۲۴ء دہلی) مورخہ ۱۴ جنوری بروز جمعہ
A/91 - بی ۹ سلور کوارٹرز۔ ابی سینیا لائنز۔ کراچی
محکمہ تعمیرات عامہ میں ملازم ہیں۔ اور خیاطی کا کام بھی کرتے ہیں
اولاد میں چار لڑکیاں ہیں۔ نسیم بانو۔ رخشندہ جہاں (نعیم بانو، وسیم بانو) فہیم باز۔

(ب) آپ کے والد منشی سراج الرحمٰن (۱۸۰۵-۱۹۴۵ء) کا دہلی میں انتقال ہوا۔ وہیں اخبار رسائل کی کتابت کیا کرتے تھے۔ پستہ قد، سلامت رو، مرنجاں مرنج اور نہایت سادہ لوح بزرگ تھے۔ شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ مبتلا تخلص تھا۔ ہمارے پاس آپ کا ایک خط محفوظ ہے۔

منشی سراج الرحمٰن کے والد مولوی محفوظ الرحمٰن (۱۸۵۰-۱۹۲۳ء) قد آور تھے۔ بدن چھریرا تھا اور داڑھی بھرواں۔ ریاست جھالاواڑ (راجستھان) میں سر رشتہ دار فوجداری تھے۔ وہیں انتقال ہوا۔ خط پاکیزہ تھا۔ آپ کے کئی خطوط ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ خاندان کے نسب نامے سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ شاعر بھی تھے۔ محفوظ اور کبھی نیرنگ تخلص کرتے تھے۔ وحید الدین نیرنگ کاکوروی کے تلامذہ میں سے تھے۔ بیاض مہم میں رہ گئی۔ آپ کے فرزند فیاض الرحمٰن صاحب حسب ذیل شعر آپ کا بتاتے ہیں:

فکرِ عقبیٰ، غمِ دنیا و تمنائے وصال — سینکڑوں جھگڑے لگا رکھے ہیں اس جان کے ساتھ

راجہ جھالاواڑ کی توصیف میں رام بھرونکا نام سے ایک مسدس لکھی۔ یہ مسدس ۲۵ مارچ ۱۹۲۵ء

---

[1] یہ بیعنامے ۹ ربیع الثانی ۱۱۳۶ھ، ۴ جمادی الاول ۱۱۵۶ھ، ۱۲ رمضان ۱۱۶۲ھ، ۲۰ ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ، ۵ شعبان ۱۱۶۱ھ، ۱۰ جمادی الاول ۱۱۶۲ھ، ۲۰ رجب ۱۱۶۳ھ، ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ کے ہیں۔

کوہیل پریس بھالا وار میں طبع ہوئی۔ بھائی ضیاء الحق صاحب (۲۷) اس بار کراچی سے مجھ سے ملنے
آئے تو اس کا مطبوعہ نسخہ بھی ساتھ لائے۔ نمونہ:

ڈھونڈے گا جو پائے گا کرن ہار پھل کمائے — مہا کام جس نے کئے مہا پرش کہلائے
کرم یوگ کے کار نے بڑھ بھاگی ہو جائے — بڑے لوگ نے سانچ کہا ہے کرتا ہی کچھ پائے
رام بھرو نکے بیٹھ کر سب کا مجرا لے
جیسی وا کی چاکری ویسا وا کو دے

اس کے سب محتاج ہیں جو کرتا دھرتا ہو — وہی ہے پیارا رام کا کام کرے سے جو
وہ اکشریہ پریم کے دھیان رکھ کر سن لو — جس کو پی چاہے یہاں وہی سہاگن ہو
رام بھرو نکے بیٹھ کر سب کا مجرا لے
جیسی وا کی چاکری ویسا وا کو دے

اگر کرم پتے نہیں اور نا کچھ کرنی کی — اور نا کچھ کینی چاکری اور میلا کیا ہو جی
پھر تو اس کو رام نے یہی دکشنا دی — روکھی سوکھی کھائے کے ٹھنڈا پانی پی
رام بھرو نکے بیٹھ کر سب کو مجرا لے
جیسی وا کی چاکری ویسا وا کو دے

کرم یوگ کے کار سے کس نے پایا راج — کون ہے بیرا بنس میں کہاں ہے کل کی لاج
وہ شری بھوانی سنگھ جی مہاراج دھراج — سدا بھوانی داہنے اور اٹل ہے جن کا راج
رام بھرو نکے بیٹھ کر سب کو مجرا لے
جیسی وا کی چاکری ویسا وا کو دے

یکرنگ اس سنسار میں تیرا کیا تھا کام — نا کوئی کارج ہی کیا نا لینا ہر نام
لکھ دینا پرتمانے تیسا ان میں نام — دو بھیدا میں دونوں گئے مایا ملی نہ رام
رام بھرو نکے بیٹھ کر سب کا مجرا لے
جیسی وا کی چاکری ویسا وا کو دے

مولوی محفوظ الرحمن کے والد عبدالرحمن کا انتقال یکم شوال ۱۲۷۶ھ ۲۲ اپریل ۱۹۶۰ء کو ہوا
یہ عبدالحکیم کے فرزند تھے جن کا ذکر نمبر (۲ ب) پر آچکا ہے

۴۔ فیاض الرحمان (المولد ۱۸۹۳ء)

مکان نمبر ۱۰۹ نزد تھانہ۔ قصبہ لالیاں۔ ضلع جھنگ

قد چھ فٹ کے قریب اچھرا بدن۔ بینائی اور صحت اچھی ہے۔ جنگ عظیم میں بغداد میں ڈرافسمین تھے۔ ۱۹۲۰ء میں واپس آگئے۔ چند سال بعد پھر بغداد چلے گئے اور وہاں سے بحرین۔ جہاں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک ہیڈ ڈرافسمین رہ کر پاکستان آگئے۔ آج کل لالیاں ضلع جھنگ میں واپڈا کے نئے بجلی گھر میں اوورسیر ہیں۔

۱۔ آپ کے فرزند اکبر الطاف الرحمن المولد ۱۹۱۷ء بچپن میں دو سال عراق میں رہے۔ دیولالی ضلع پونا سے فزیوتھراپی یعنی برقی علاج کی تربیت حاصل کر کے سند لی۔ آل انڈیا ریڈیو دہلی اور مجلس وضع قوانین ہند میں ٹرانسپورٹیشن کے اسسٹنٹ سپروائزر رہے۔ پاکستان آ کر کمبائنڈ ملٹری ہاسپٹل کراچی سے فزیوتھراپسٹ کلاس ون کا کورس پاس کیا۔ گیارہ سال سنٹرل ہاسپٹل کراچی میں اسسٹنٹ فزیوتھراپسٹ رہے اور اب یہی کام سنٹرل گورنمنٹ ہاسپٹل راولپنڈی میں کر رہے ہیں۔ قد نکلتا ہوا ہے اور بدن اکہرا ہے۔ محنت و استقلال آپ کے اوصاف ہیں۔ آپ کی اولاد میں پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ (پتہ ۲/۲۵ رابرٹ لائن۔ ویسٹ ریج۔ راولپنڈی چھاؤنی)

فیاض الرحمان کے دوسرے فرزند کمال الرحمن (۱۹۲۹ - ۱۹۶۲ء) کا لائل پور میں انتقال ہوا۔ بغداد میں پیدا ہوئے تھے۔ صاحب اولاد تھے۔ تیسرے فرزند فاروق الرحمن المولد ۱۹۳۲ء بحرین میں پیدا ہوئے۔

۵۔ لطیف الرحمن (المولد ۱۹۰۹ء)

۵/۶ برنس لائن کراچی 25-10-65

قد میانہ ہے اور جسم بھر واں۔ ذہین اور خوش مزاج ہیں۔ مذہبی ادب کے مطالعہ کا شوق ہے۔ چیف انجینئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کراچی کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ منشی فاضل اور بی۔ اے ہیں۔

۱۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ بڑے فرزند رؤف لطیف ۱۹۳۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ انگلینڈ میں انجینئرنگ کی تعلیم پا رہے ہیں۔ دوسرے فرزند نجم الثاقب المولد ۱۹۵۷ء ہیں۔

۶۔ باقر علی (۱۹۰۵ - ۱۹۵۱ء)

عقب اناج منڈی رینالہ خورد ضلع منٹگمری۔

بھرواں جسم تھا اور آواز گرجدار۔ بے دھڑک اور خوش مزاج تھے۔ گرداور قانون گو تھے۔ انتقال لاہور میں ہوا۔ مدفن رینالہ خورد میں ہے۔

ا۔ آپ کی اولاد میں پانچ فرزند ہیں۔ بڑے فرزند معظم تقدیر نیشنل بنک آف پاکستان شہر اوکاڑہ میں کلرک ہیں۔ دوسرے فرزند تنویر الاسلام سائنس انٹر پاس کر کے جرمنی چلے گئے۔ وہاں مکینیکل انجینئرنگ کی تعلیم پا رہے ہیں۔ تیسرے فرزند توصیف الاسلام نے امسال بی اے کا امتحان دیا ہے اور اقبال احمد زیر تعلیم ہیں۔ پانچویں فرزند توقیر الاسلام ہیں۔

(ب) آپ کے والد مظہر علی (۱۸۵۶-۱۹۱۲ء) حصار میں نقل نویس اور عرائض نویس رہے اور دادا عبدالعلی (۱۸۰۸-۱۸۹۶ء) ان بزرگوں میں سے تھے جن کے عصا کی آواز سن کر محلے کے لوگ اور بچے گھبرا جاتے تھے۔ فوج میں ملازم تھے۔ سبکدوش ہو کر محلے میں قرآن پڑھایا کرتے تھے۔ ہر بچے نے ان سے قرآن پاک پڑھا۔

یہ ان بزرگوں میں سے تھے جن کا ہر جاننے والا دلی احترام کرتا تھا۔ آپ کی مہر شیخ عبدالعلی ۱۲۷۸ھ ربیع الاول ۱۲۸۸ھ سنہ ۱۸۷۱ء اور ۱۰ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۱ھ سنہ ۱۸۸۴ء کی تحریروں پر ہمارے پاس محفوظ ہے۔ شیخ عبدالعلی کے والد عبدالکریم اور ان کے اجداد کا ذکر اسی باب میں نمبر ۱ ب پر آچکا ہے۔

ج — اولاد قاضی غلام حسن بن قاضی محمد قاسم علی

قاسم علی
نظام الدین
حسام الدین (۷)

خلیل الرحمن
جلیل الرحمن
حمید الرحمن — عطاء الرحمن (۸)
سعید الرحمن (۹)
مجید الرحمن (۱۰)

۷۔ حسام الدین (۱۸۹۶-۱۹۵۹ء) آفسر

چھچکوس ضلع رہتک میں برانچ پوسٹ ماسٹر رہے ہیں کراچی میں انتقال ہوا۔ مسکین طبع اور نیک چلن انسان تھے۔

ا۔ آپ کے تین فرزندوں میں سے بڑے ضیاء الدین المولد سنہ ۱۹۲۴ء شعبہ برقیات میں ٹیکنیشن ہیں۔ (پتہ۔ مارٹن روڈ۔ انکوائری آفس۔ کوارٹر نمبر ۲ عقب بلاک ۳۶ کراچی)

(ب) حسام الدین صاحب کے والد نظام الدین کا فروری سنہ ۱۹۰۲ء میں حصار میں انتقال ہوا۔ نیک خصلت اور بامزاج بزرگ تھے اور دادا قاسم علی المتوفی سنہ ۱۸۶۲ء منکسر المزاج، دبلے، پتلے اور پستہ قد تھے۔ داڑھی مختصر تھی۔

نظام الدین کے ایک [illegible] بھائی قطب الدین تھے جنہوں نے عظیم آباد پٹنہ میں دوسری شادی کر لی تھی۔ اس عظیم آبادی خاتون سے دو فرزند فخر الدین اور فصیح الدین عرف محمد تقی تولد ہوئے تھے جن کے حالات کا ہمیں علم نہیں۔ قاسم علی کے والد قاضی غلام حسن المعروف بقاضی محمد حسن اور ان کے اجداد کا باب ۲ میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

۸۔ عطاء الرحمن منظر (المولد ۱۹۰۵ء)

قاضی عطاء الرحمن مادہ سن پیدائش ہے۔ محکمہ برقیات میں سٹور کیپر ہیں۔ آج کل کوئٹہ میں ہیں۔ منظر تخلص ہے۔ حضرت سیماب اکبر آبادی سے اصلاحِ سخن کراتے رہے۔ سنہ ۱۹۲۵ء سے آپ کا کلام اور مضامین رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں التجا بحضور خواجہ خواجگان کے عنوان سے ایک مسدس شائع کرائی۔ کل سترہ بند ہیں۔ پہلا بند ہے۔

تیری کاوش کی جبین سائی تھا ذوقِ انتہا میرا
خدا کا شکر ہے پورا ہوا یہ مدعا میرا

مجھے آیا ہے اخیر میں بخت رسا میرا — بجز تیرے نہیں کوئی جہاں میں آسرا میرا
ہے تیرے روضۂ اقدس پہ جلوہ نورِ یزداں کا
شبِ تاریک میں بھی لطف ہے صبحِ درخشاں کا

اپنی والدہ کی وفات پر جو مرثیہ کہا اسے پڑھ کر علامہ اقبالؒ کا مرثیہ "والدہ مرحومہ کی یاد میں" یاد آجاتا ہے۔ طویل مرثیہ سے چار بند ملاحظہ ہوں۔

اے عدم آباد اے شہرِ خموشاں کی زمیں — گوہرِ نایاب ہیں تجھ میں بہت خلوت گزیں
سچ بتا ہے کونسی ایسی کشش تجھ میں نہاں — اپنے بچے کو تڑپتا چھوڑ کر آتی ہے ماں
ہاں ترے گوشے میں اک میری بھی جنت دفن ہے — میری دنیا دفن ہے میری مسرت دفن ہے
تیری بستی میں لٹا میرا متاعِ کارواں
تیرے ہی ویرانے میں ٹوٹا ہے مجھ پر آسماں

گو کہ ہے تربتِ مادر نہیں کعبہ سے کم — دفن ہے وہ تجھ میں جنت جس کے ہے زیرِ قدم
تیری مٹی میں ہے پوشیدہ مرا لطفِ حیات — تیری مٹی میں ہے پنہاں میری ساری کائنات
تیری مٹی میں چھپا ہے زندگی کا آفتاب — عمر بھر کی حسرتیں ہیں تجھ میں میری محوِ خواب
تیری مٹی میں ملا میری تمناؤں کا خوں — اب نہیں ممکن میسر ہو مجھے صبر و سکوں
مل گئے مٹی میں اوراقِ کتابِ زندگی
روح تھی جس میں وہ کھو بیٹھا ہوں بابِ زندگی

معترف ہوں اس کا میں خدمت نہ تیری کر سکا — بندۂ خدمت کر رہا ہوں عفو کی ہے التجا
یاد بھی ہے کچھ تجھے اے ساکنِ باغِ جناں — تھی کبھی آغوش میں تیرے کبھی ننھی سی جاں
پرورش میں جس کی تجھ کو کچھ نہ اپنا ہوش تھا — صبح ہو یا شام گہوارہ ترا آغوش تھا
ہوں وہی برگشتہ قسمت بخت واژوں کا شکار
جس کی اک لمحہ کی فرقت بھی تجھے تھی ناگوار

آہ لیکن اب یہ حالت ہے کوئی پرساں نہیں — دردِ قسمت نے دیا وہ جس کا کچھ درماں نہیں
دھیمے دھیمے ٹمٹماتا ہے چراغِ زندگی — ہے کوئی دم میں چھلکنے کو ایاغِ زندگی
یاد ہے دل میں تری لو اب کوئی حسرت نہیں — تیرے احساں بھول جاؤں یہ مری فطرت نہیں
رحمتِ حق کی تری تربت پہ ارزانی رہے
تیری ہستی موردِ الطافِ رحمانی رہے

شعر میں تنقیدی اور مزاحیہ مضامین لکھتے رہے ہیں۔ تاریخ نکالنے میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ خاندان کے بیسیوں بچوں کے تاریخی نام آپ کے رکھے ہوئے ہیں۔ آپ کے رشتہ کے بھائی انوار الدین صاحب کا انتقال ہوا تو تاریخ وفات نکالی: قاضی انوار الدین تھی = انوار الدین خلد آشیانی = ۱۳۵۹ھ

۱۔ آپ کے فرزند اختر سعید المولد ۱۹۲۶ء، احمد سعید المولد ۱۹۳۰ء اور اقبال حمید المولد ۱۹۴۰ء لاہور میں تجارت کر رہے ہیں۔

۸۔ آپ کے والد حمید الرحمن (۱۸۰۰-۱۹۲۳ء) اچھے تن و توش کے خوش پوش اور خوب رو بزرگ تھے۔ عمدہ حقہ اور پان کا شوق تھا۔ بڑے دلیر اور اعلیٰ درجہ کے شہسوار تھے۔ ریاست پٹیالہ اور دوجانہ میں تحصیلدار تھے۔ محکمہ انہار میں امین بھی رہ چکے تھے۔

حمید الرحمن کے والد جلیل الرحمن (۱۸۲۶-۱۹۱۲ء) طویل القامت تھے۔ رنگ سرخ و سپید تھا۔ ایک عرصہ تک ریاست دوجانہ کے میر منشی (چیف سیکرٹری) رہے۔ بھوانی ضلع حصار میں انتقال ہوا۔ ان کے والد خلیل الرحمن متوفی ۱۲۹۹ھ شریعت پناہ قاضی غلام حسن المعروف بقاضی محمد حسن کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ ہمارے پاس ۲۱ جمادی الاول ۱۲۶۰ھ ۹ جون ۱۸۴۴ء کا تحریر کردہ کابین نامہ محفوظ ہے جس کی رو سے آپ کا نکاح بی بی سکینہ بنت مولوی امام الدین جاب(۳) سے ہوا۔ اس پر آپ کی چھوٹی سی مربع مہر ہے اور دستخط خلیل الرحمن بخطہ بھی ثبت ہیں۔

۹۔ سعید الرحمن (۱۸۸۵-۱۹۵۶ء)

جسم دوہرا تھا اور آواز کراری۔ خوش مزاج۔ صاف گو اور متعبد بزرگ تھے۔ کسی کو مشکل میں پاتے تو مشورہ ضرور دیتے۔ محکمہ مال میں پٹواری تھے۔ لاہور میں انتقال ہوا۔ عطاء الرحمن منظر(۱) نے محترم سعید الرحمان صدیقی سے مادہ تاریخ وفات نکالا۔ ۱۳۷۶ھ

۱۔ آپ کے فرزند اکبر ظفر سعید المولد ۱۹۲۲ء نہایت مخلص، مستقل مزاج اور صالح نوجوان ہیں۔ ریلوے میں ملازم ہیں۔ آج کل لاہور میں ہیں۔ دوسرے فرزند اظہر سعید دو سال کے تھے کہ شفیق چچا مجید الرحمن صاحب (۱) نے متبنیٰ بنا لیا۔ اب بھی انہی کے پاس رہتے ہیں۔ محکمہ صحتِ عامہ میں اکاؤنٹس کلرک ہیں۔

۱۰۔ مجید الرحمن (المولد ۱۸۹۲ء)

(۱) ۴۰ چیمن سٹریٹ نمبر ۶۔ پرانی انارکلی۔ لاہور

سینتالیس سال محکمہ انہار کی ملازمت کرنے کے بعد ہیڈ ڈرافٹس مین (گریڈ ۱) کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ ہر ایک کے کام آتے رہتے ہیں۔
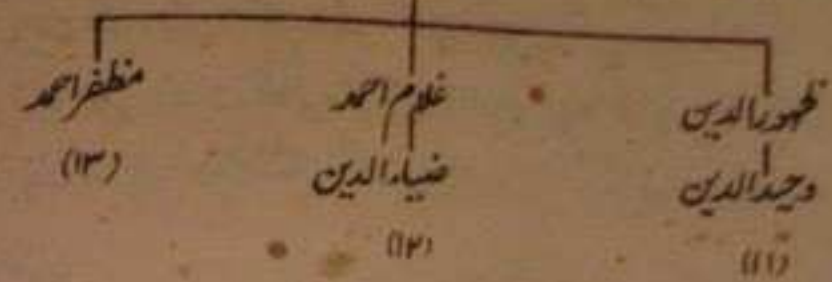
۱۱- **وحید الدین** (متوفی ۱۹۷۳ء)

راولپنڈی میں انتقال ہوا۔ اولاد میں صرف ایک دختر ہے۔

۱۲- **ضیاء الدین**

حصار سے آکر گجرات وطن بنایا۔ عمر بیالیس سال کے قریب بتائی جاتی ہے۔ ایلی ٹریننگ کالج سہالہ ضلع راولپنڈی میں اے۔ ایس۔ آئی سٹاف ہیں۔

و- آپ کے والد غلام احمد ضلع کچہری حصار میں ہیڈ تھے۔ دل محبت بھرا تھا۔ حصار میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ ان کے والد ولی اللہ نے مہم کی سکونت ترک کی اور حصار چلے گئے تھے۔ ولی اللہ کے والد غلام حسین دبلے پتلے متوسط قد کے وضعدار بزرگ تھے۔ رنگ گندمی تھا اور داڑھی چھوٹی۔ شخصیت بڑی ہی بارعب تھی۔ مہم کی جامع مسجد کے ایک چبوترے پر آپ کا تخت بچھا رہتا تھا۔ لوگ سامنے مودب بیٹھے رہتے۔ ۱۰ جمادی الاول ۱۲۶۰ھ ۸ جون ۱۸۴۴ء کی ایک تحریر پر آپ کے دستخط "گواہ شد غلام حسین ولد قاضی محمدی" ہمارے پاس محفوظ ہے۔ آپ کی نعش باہر سے آئی۔ مدفن مہم میں قبرستان موسوم بہ ابدال میں ہے۔ آپ کے والد قاضی محمدی اور اوپر کی پشتوں کا باب ۲ میں ذکر آچکا ہے۔

۱۳- **مظفر احمد** (۱۸۷۸-۱۹۶۱ء)

ریٹائر ہونے کے وقت دہلی میں پوسٹ ماسٹر درجہ اول تھے۔ وہاں سے رہتک چلے گئے ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگئے۔ ملتان میں انتقال ہوا۔ آپ کا خیال آتے ہی مجھے آپ کی یہ نصیحت یاد آجاتی ہے کہ شباب آرہا ہو تو ہرگز نہ روکو۔ زندگی کو نفاست اور ضابطے سے گزارنا آپ کو خوب آتا تھا۔ لباس کی نفاست آخر دم تک تھی۔ کنبہ پرور مخیر اور ہمدرد بزرگ تھے۔ پیدا ہانسی میں ہوئے تھے۔

و- آپ کے فرزند محمد احمد ۱۹۲۵ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ راولپنڈی میں کاروبار کرتے ہیں۔
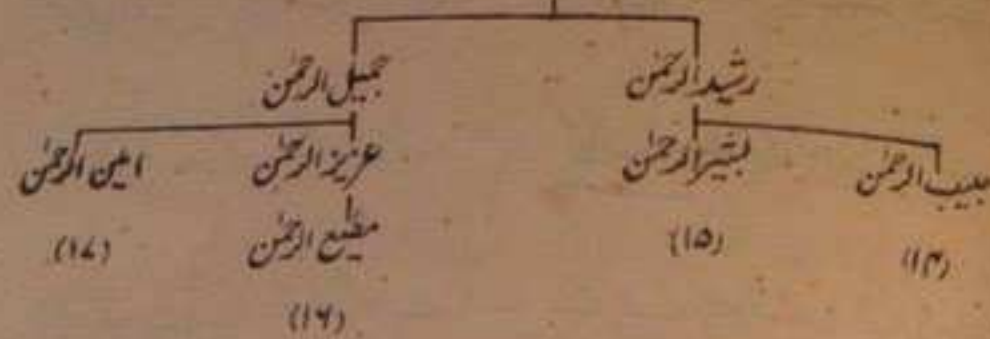
۱۴- **حبیب الرحمن** (۱۸۹۲-۱۹۵۷ء)

دبلے پتلے تھے اور قد میانہ تھا۔ تنہائی پسند اور خوش پوش تھے۔ محکمہ ڈاک و تار میں سب پوسٹ ماسٹر تھے۔ انتقال موضع عارف والا ضلع منٹگمری میں ہوا۔

(ا) آپ کے اکلوتے فرزند محبوب الرحمن ملتان میں واپڈا کے شعبہ برقیات میں ہیڈ کلرک ہیں۔ ایران بھی ہو آئے ہیں۔

(ب) آپ کے والد رشید الرحمن (۱۸۵۶-۱۹۲۸ء) کا قد میانہ۔ بدن بھاری۔ رنگ گورا تھا۔ شرعی پاجامہ بند گلے کا کوٹ، سر پر صافہ یا بید کی بنی ہوئی ٹوپی پہنا کرتے تھے۔ پاکی اور صفائی کا غیر معمولی اہتمام کرتے۔ ان دنوں دیسی ریاستیں اپنے ارد گرد کے برٹش اضلاع میں اپنے معاملات کی پیروی کے لئے اپنے نمائندے بٹھا رکھتی تھیں جنہیں وکیل ریاست کہا جاتا تھا اور جن کی حیثیت سفیر کی سی تھی۔ آپ کئی سال تک حصار میں ریاست پٹیالہ کے وکیل رہے۔ پھر میونسپل کمیٹی بھوانی ضلع حصار میں بائیس برس تک انسپکٹر اور سپرنٹنڈنٹ چنگی رہے۔ ریٹائر ہو کر مہم آگئے جہاں انتقال ہوا۔ آپ خاندان کا نسب نامہ بھی رکھتے تھے۔ جو کتابی شکل میں تھا۔ ہر صفحہ پر پندرہ خانے تھے۔ نام، نام والد، نام والدہ، نام دادا دادی، نام زوجہ نام والد اور والدہ زوجہ، زوجہ کے دادا، دادی، نانا اور نانی کے نام۔ اولاد ذکور اور اولاد اناث اور کیفیت۔ یہ نسب نامہ تو ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گیا مگر اس نسب نامہ رشیدی کی ہمارے پاس جزوی نقل ہے۔ ہمارے پاس آپ کے لکھے ہوئے کچھ خطوط بھی ہیں۔ نسب نگاری کا شوق آپ کو شیخ امداد الحق عرف محمد احمد (۴م ب) کی صحبت میں ہوا۔ تاریخ گوئی میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ آپ کی کہی ہوئی شاہ عبدالغنی کی تاریخ وفات ہم باب ۵ میں درج کر چکے ہیں۔ مولوی محمد اصغر (۹م ب) کی والدہ امیہ سے تھیں۔ ان کے والد مولوی سلام الدین نے بچے کا تاریخی نام پوچھا۔ معاً فرمایا "اصغر" کہا اگر لڑکی ہو جائے تو۔ بلا تامل جواب دیا "صغریٰ"۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ قاضی اور رشید تخلص تھے۔ کلام ضائع ہو گیا۔ آپ کے حسب ذیل اشعار

آپ کی دختر نے عنایت فرمائے ہیں۔

چلے جو دوشِ عزیزاں پہ سوئے گورستاں — عدم میں شور تھا پیدل گئے سوار آئے

یہ تو پوچھیں مرے مرقد سے گزرنے والے — کیا گزرتی ہے تری جان پہ مرنے والے

پوچھتے گھر مرے آئے کہ یہ گھر کس کا ہے — بے بلائے چلے آئے یہ اثر کس کا ہے
سر مرا دیکھ کے مقتل میں تجاہل کے طریق — ٹھوکریں مار کے پوچھا کہ یہ سر کس کا ہے

رشید الرحمٰن کے والد فضل الرحمٰن (۱۸۲۰ء - ۱۸۹۴ء) حم میں فوت ہوئے۔ اچھے تعلیم یافتہ اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔ حم کے سرکاری مدرسہ میں سب سے پہلے آپ ہی سرکاری مدرس مقرر ہوئے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین کا ایک لشکر دہلی سے ہانسی کی طرف چلا۔ امیرِ لشکر کوئی شہزادہ تھا یا شہزادہ مشہور ہو گیا تھا اور فضل الرحمٰن اس کے صلاح کار اور نائب تھے۔ اس لشکر کا حم اور ہانسی کے درمیان پٹیالہ کی فوج سے مقابلہ ہوا۔ مجاہدین کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ شہزادہ چھپ چھپا کر حجاز چلا گیا۔ اور فضل الرحمٰن بھیس بدل کر اپنے خالو عزیز اللہ صدیقی کے پاس محمدی ضلع کھیم پور کھیری چلے گئے۔ ملکہ وکٹوریہ کے اعلان معافی کے بعد حم آئے اور کچھ عرصہ بعد دربار پٹیالہ میں ملازم ہو گئے۔ وہاں کئی سال ملازم رہے۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا مگر کلام ضائع ہو گیا۔ ۵ رجب سنہ ۲۵ھ سنہ ۱۸۶۳ء کے ایک کابین نامہ پر آپ کی شہادت فضل الرحمٰن ولد حامد علی محفوظ ہے۔ آپ کے خطوط میں سے دو خط محفوظ ہیں جو آپ نے اپنی والدہ کو لکھے۔

فضل الرحمٰن کے والد حامد علی کے دستخط "حامد علی ولد شیخ احمد بخط" ۸ ربیع الاول سنہ ۱۲۴۵ھ، نومبر سنہ ۱۸۲۹ء کی تحریر پر محفوظ ہیں۔ یہی دستخط ایک اور تحریر پر ہیں جو سنہ ۱۲۴۴ھ کے بعد کی ہے۔

حامد علی کے والد شیخ احمد کے دستخط "شیخ احمد ولد شیخ علی اکبر بخط" ۲۵ شعبان سنہ ۱۲۲۰ھ ۸ نومبر سنہ ۱۸۰۵ء اور "شیخ احمد ولد قاضی علی اکبر بخط" ۲۹ رمضان سنہ ۱۲۳۲ھ ۱۲ اگست سنہ ۱۸۱۷ء کی تحریروں پر ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

شیخ احمد کے والد قاضی علی اکبر اور ان کے اجداد کا ذکر باب ۲ میں ہو چکا ہے۔

۱۵- بشیر الرحمٰن (۱۸۹۶ - ۱۹۵۲)

محکمہ برقیات میں ڈویژنل ہیڈ ڈرافٹس مین کی اسامی سے ریٹائر ہوئے اور لاہور میں وفات پائی۔ قد نکلا ہوا تھا اور جسم دبلا پتلا۔ رنگ سرخ و سپید تھا۔ مزاج میں ظرافت اور سنجیدگی کا خوش گوار امتزاج

۵- آپ کے فرزند اکبر ارشاد الرحمٰن (عرش صدیقی) المولود سنہ ۱۹۲۷ء پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے انگلش (۱۹۵۵ء) ہیں اور ایمرسن کالج ملتان میں پروفیسر ہیں۔ خاندان کے جن حضرات نے اب تک ایم اے کیا ہے وہ نہایت ہی ناسازگار حالات میں کیا۔ آپ بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔ قدم قدم پر حوادث کے تھپیڑے ایسے لگے کہ زمانہ طالب علمی میں ہی پختہ کار ہو گئے۔ آپ کا شمار ملک کے ادیبوں میں ہوتا ہے۔ رسالہ دستور میں آپ کا افسانہ "دیہار روزگار" شائع ہوا اور بہت پسند کیا گیا۔ "صحرا" بھی آپ کا افسانہ ہے۔ افسانہ "اک جہاں سب سے الگ" رسالہ تعمیر انسانیت میں شائع ہوا۔ چیخوف کا ترجمہ "باپ" قندیل میں شائع ہوا۔ ترگنیف کا ترجمہ "سرخ پھول" بھی شائع ہو چکا ہے۔ ادبِ لطیف، ادبی دنیا، ماہِ نو، لیل و نہار، روزنامہ امروز وغیرہ میں بھی آپ کے افسانے اور شاعرانہ کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ دو تنقیدی مضامین بھی اشاعت پا چکے ہیں۔ مگر اب افسانہ و نظم سے ہٹ کر ناول نگاری کی طرف رجحان ہے۔ آپ کا ایک ترجمہ "امیر علی کی سرگزشت" شائع ہو چکا ہے۔ پتہ: ۱۹۱ نواں شہر ملتان

نمونۂ کلام:

چمن سے اٹھ کے وہ گل جائیں تو کہاں جائیں — جنھیں وطن کی فضائیں نہ سازگار آئیں
حیات مانگ کے لی تھی نہ موت مانگیں گے — نہیں طریق ہمارا کہ ہاتھ پھیلائیں
تہی حیات سے ہے دامنِ شبِ تیرہ — چلو جھپٹ کے ستاروں سے زندگی لائیں
جہاں ہے ہم سے کہ ہم وہ نسیمِ گلشن ہیں — چلیں تو پیار کی خوشبو فضا میں پھیلائیں
یہ دل کہ مدفنِ صد آرزو ہے برسوں سے — کرو وہ بات کہ مدفن پہ پھول اگ آئیں
نظر فریب ہے ہر دم جہاں کی صد رنگی — یہ اور بات ہے ہم زندگی کا غم کھائیں

بفیضِ جذبۂ پنہاں عرش ہم وہاں ہیں جہاں
نظر اٹھا نہ سکیں لب سے کچھ نہ کہہ پائیں

(مطبوعہ لالہ زار لاہور)

اٹھاؤ تیغ مگر کم لگن نہ ہونے دو — فسردہ یارو فضائے چمن نہ ہونے دو
وفا کے نام پہ مٹتے رہو پہ کچھ نہ کہو — فنا حکایتِ دار و رسن نہ ہونے دو
سجاؤ خونِ جگر سے رخِ عروسِ خیال — اداس بزم چراغِ سخن نہ ہونے دو
چمن سے حسن چھپے، شہر میں ہوں بن پیدا — خدا کے شہر کو یوں اہرمن نہ ہونے دو
پکارتا ہے مجھے دشتِ آرزو کا جمال — مجھے سنبھالو مجھے بے وطن نہ ہونے دو

بناؤ دل کو لباسِ غمِ مرہم کمال — اے متاعِ گراں کا کفن نہ ہونے دو

یہی ہے عرش تقاضائے آرزوئے وصال

سدا تڑپتے رہو کم جلن نہ ہونے دو — (مطبوعہ سویرا لاہور)

گیت

اپنا آپ بچا کے رکھیو، جگ سے ساجن میرے

اس نگری کے کھونٹ کھونٹ میں بھاگے پھریں لٹیرے

رہتے ہیں سونے گھٹ میں سوئے گھور اندھیرے

سانپوں سے، کانٹوں سے بھرے ہیں دھن والوں کے ڈیرے

اپنا آپ بچا کر رکھیو، جگ سے ساجن میرے

روپ ہے تیرا دھوپ سا ساجن نین ترے جیون تارے

ہونٹ ترے جیوں کومل کلیاں، چنچل نگ ہیں سارے

بال ہیں تیرے کالے کالے، ساون کے ہرکارے

اور پڑی ہے کوٹ جگت میں جاگ رہے ہیں لٹیرے

اپنا آپ بچا کر رکھیو، جگ سے ساجن میرے

دکھنا پانے کی چاہت میں اپنا آپ گنوا دو

من مندر کو کھنڈر بنا دو، نین دیئے بجھا دو

سونے کی اگنی سے کھیلو گھر میں راکھ بچھا دو

رونے سے پھر کب بستے ہیں اجڑے شام سویرے

اپنا آپ بچا کر رکھیو، جگ سے ساجن میرے

(مطبوعہ ادبِ لطیف لاہور)

غزل

ترے شہر میں زبوں ہیں شب و روز مے گساراں — کبھی محتسب کا کھٹکا کبھی خوف شہریاراں

یہ حفاظتِ چمن ہے کہ ہوں گل مکینِ زنداں — یہ تحفظِ جنوں ہے ہو سپردِ سنگِ باراں

تری لے تو بھی ہے میرے سوزِ دل کی خالق — تجھے زیب دے رہا ہے یہ غرورِ تاجداراں

چلو آج چل کے دیکھو مرے شہرِ خار و خس کو — کہ خدائے دستِ گلشن ہے خبر دو بہاراں

کرو اس خرد کا ماتم کہ دکھا رہا ہوں سب کو — یہ اداس عالمِ دل، یہ عنایتِ نگاراں

میں ہوں طائرِ فسردہ میری ہمرہی نہ چھوڑو — مرے قہقہے رفیقو، ہیں رہینِ لطفِ یاراں

وہی ہاتھ عرش جس نے چمن و فنا کو لوٹا

اسی دستِ ناز میں ہے سرِ رشتۂ بہاراں — (مطبوعہ قندیل لاہور)

غزل

اگرچہ مرگِ دوام تھی غم کی پہنائی — ترے خیال میں ڈوبے تو زندگی پائی

بھرا ہوا تھا گلوں سے بہار کا دامن — مگر ہوائے زمانہ ہمیں نہ راس آئی

ہر اک بہار نے دی تیری زندگی کی خبر — ہر اک خزاں نے مری داستاں دہرائی

سب اک طلسمِ تمنا و شوق ہے ورنہ — نہ تو ہے شورشِ دوراں نہ میں ہوں سودائی

نجوم و ماہ نے ظلمت میں ڈھونڈ لیں کرنیں — بھٹک رہے ہیں مگر روشنی کے شیدائی

ادھر بھی عرش کبھی شمعِ دل سے لو نکلے

اسی خیال میں جاگے اسی میں نیند آئی

(مطبوعہ یادگار لاہور و معیار گجرات)

غزل

دل خوں ہے دل کا حال رقم ہو تو کس طرح — دل سے قلم کا فاصلہ کم ہو تو کس طرح

دل ہے کہیں دماغ کہیں اور ہم کہیں — شیرازۂ حیات بہم ہو تو کس طرح

کیونکر کہیں کہ درد نہیں حاصلِ حیات — پیشِ نظر جو ہے وہ عدم ہو تو کس طرح

دل بے زبان، زباں سے چھنی طاقتِ سخن — مائل ادھر مزاجِ صنم ہو تو کس طرح

دل کش تو ہے یہ ترکِ تعلق کا مشورہ — خود پر مگر یہ طرفہ ستم ہو تو کس طرح

میں اور میرے گرد یہ تنہائیِ سفر — اے دل علاجِ سوزِ الم ہو تو کس طرح

کیوں ضد ہے شہریار کو اے عرش اس قدر

یہ سر کہ وقفِ دار ہے خم ہو تو کس طرح

(مطبوعہ لیل و نہار لاہور)

عرش صدیقی کے چھوٹے بھائی اعجاز الرحمٰن محکمۂ برقیات میں ہیڈ ڈرافٹس مین ہیں۔ دو دوسرے چھوٹے بھائی حامد صغیر اور اختر محمود دسویں جماعت پاس کر چکے ہیں اور لاہور میں ملازم ہیں۔

۱۶- مطیع الرحمان (المولود ۱۹۰۹ء)

۷ — چوبرجی گورنمنٹ کوارٹرز- لاہور

قد میانہ، چھریرا بدن اور رنگ گورا ہے۔ خاموش طبع اور مرنجاں مرنج ہیں۔ مطالعہ کا شوق ہے۔ قابل اور غیر معمولی دیانت دار ہیں۔ محکمہ برقیات میں آفس سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

(- آپ کی اولاد میں پانچ فرزند ہیں۔ نعیم الرحمٰن، مجیب الرحمٰن، محمد علی، احمد علی اور محمد نجیب۔

(ب) آپ کے والد عزیز الرحمان (۱۸۸۶-۱۹۱۹ء) کا قد نکلا ہوا تھا۔ بدن دبلا پتلا تھا اور رنگ گورا۔ خوش پوش و خوش گفتار تھے۔ محکمہ انہار میں منشی تھے۔ "وفات یافت عزیز یگانہ مطلق" مصرعہ تاریخ وفات ہے۔

عزیز الرحمان صاحب کے والد پیر جمیل الرحمٰنؒ (۱۸۶۳-۱۹۲۴ء) نے دینی تعلیم گھر پر اور خاص طور پر اپنی والدہ سے پائی جو ایک فاضل خاتون تھیں۔ مڈل پاس کر کے اپنے والد کے پاس ریاست پٹیالہ میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ریاست گوالیار کے محکمہ جنگلات کے صدر دفتر میں اہل کار ہو گئے ۱۹۰۳ء میں اس ریاست کی سرکاری زبان اردو سے ہندی کر دی گئی تو آپ نے ملازمت ترک کر دی اور عزم وطن کیا۔ آپ کے مرشد اور خسر مولانا حافظ الدین (باب ۳) کے کئی مرید ریاست میں اعلیٰ عہدوں پر تھے انہوں نے آپ کو وہیں روک لیا اور چھاؤنی کی جامع مسجد کا خطیب مقرر کیا۔ آپ کے مواعظ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ مرہٹہ اور دوسرے ہندو سردار اور رئیس بھی آپ کا خطبہ سننے آتے۔ آپ گوالیار میں خطیب عیدین بھی تھے اور سرکاری ہاتھی پر سوار ہو کر عیدگاہ لے جائے جاتے۔ خوش اعتقاد مریدوں نے آپ کی کرامات کے چرچے شہر شہر پہنچا دیئے۔ اس قدر و منزلت کے باوجود مزاج میں استغنا تھا۔

پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۶) معرف الانساب میں لکھتے ہیں:

"عابد زاہد اور سچے مسلمان ہیں۔ کثرت تلاوت سے قرآن مجید گویا حفظ ہو گیا ہے۔ اس زمانہ میں بلحاظ دین داری اور تہذیب اخلاق نہایت مرنجاں شان رکھتے ہیں۔" (ص ۲۷)

خاندان اور خاندان سے باہر نیکی کی ایک نادر مثال تھے۔ ہم نے کسی بدگو کو بھی آپ کی برائی کرتے نہیں سنا۔ غیر معمولی پاکیزگی نفس کے باعث آپ کی زندگی سلف صالحین کا سچا نمونہ تھی۔ آپ کا قد میانہ اور رنگ گورا چٹا تھا۔ بھری ہوئی داڑھی اور بڑی بڑی غلافی آنکھیں تھیں۔ انتقال رہتک میں ہوا تو آپ کے فرزند اصغر امین الرحمٰن (۱۷) نے دو تاریخ ہائے وفات کہیں۔ صنعت صوری و معنوی میں: "پنج شنبہ بست ماہ شعبانؒ" = ۱۳۴۲ھ اور صنعت تخرجہ میں: "وزباغ طریقت

گل رنگیں برخاست" ۱۷۲۲-۳۸۰ = ۱۳۴۲ھ۔ جمیل الرحمٰن کے نامور والد فضل الرحمٰن کا ذکر نمبر ۶ پر ملاحظہ ہو۔

۱۷- امین الرحمٰن (المولود ۱۸۹۸ء)

۱۲ کیا بجی گلی ۱۱۱ کرشن نگر - لاہور

رودجانہ میں اپنے نانا مولانا حافظ الدینؒ (باب ۳) کے گھر میں پیدا ہوئے۔ کئی جگہ سول اور فوجی ملازمت کرنے کے بعد ۱۹۲۶ء میں محکمہ برقیات میں آئے اور اڑتیس سال ملازمت کرنے کے بعد چیف انجینئر کے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ کی اسامی سے ریٹائر ہوئے۔ دراز قد، دوہرا بدن، گندمی رنگ، بوزہ چہرہ، کم گو اور خوش مزاج۔ آپ کی مدد اور توجہ سے کئی نوجوان برسر روزگار ہوئے۔ امین تخلص ہے لیکن اب صرف شاعری کی ایک صنف تاریخ گوئی کا شوق ہے۔ اس کتاب کے صفحات پر جگہ جگہ آپ کی کہی ہوئی تاریخیں یا آپ کے رکھے ہوئے تاریخی نام موجود ہیں۔ راقم الحروف پر بڑی شفقت کرتے ہیں اور اس کتاب کی تیاری میں آپ نے بڑی مدد کی ہے۔

(- آپ کے فرزند اکبر عبید الرحمٰن المولود دہلی ۱۹۳۵ء ہفتہ کے روز دوپہر کے وقت پیدا ہوئے۔ اس دن دوسرا روزہ تھا۔ امین الرحمٰن نے "نصف شنبہ دومین شہر صیامؒ" (۱۳۴۳ھ) صنعت صوری و معنوی میں مصرعہ تاریخ ولادت کہا۔ آپ نے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کر کے لاہور میں بیٹھے بیٹھے بجلی اور وائرلیس انجینئرنگ کے کئی غیر ملکی امتحان پاس کئے اور پھر ۱۹۴۹ء میں انگلستان چلے گئے۔ وہاں لندن یونیورسٹی کے ایک انجینئرنگ کالج میں داخل ہو کر چار سال کا کام دو سال میں ختم کر کے ٹیلی کمیونیکیشن انجینئرنگ کا ڈپلوما لیا۔ پھر برٹش انسٹی ٹیوٹ آف ریڈیو انجینئرز کے گریجویٹ شپ کا امتحان نمایاں نمبروں سے پاس کیا۔ ساتھ ہی لمبے ٹائپ کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ ۱۹۵۲ء میں واپس پاکستان آکر حکومت پاکستان کے محکمہ سول ایوی ایشن میں کمیونی کیشن انجینئرنگ لگ گئے۔ دس سال بعد مستعفی ہو کر لاہور آگئے اور فی الحال میسرز علی اومٹوز میں انجینئر ہیں۔ لمبا قد، گندمی رنگ، بھرا ہوا بدن، کتابی چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں اور بال گھونگریالے ہیں۔ ان کے دو فرزند ہیں۔ عرفان جمیل اور رضوان جمیل۔

عبید الرحمٰن کے چھوٹے بھائی فضل الرحمٰن المولود ۱۹۳۰ء گورنمنٹ کالج لاہور سے بی ایس سی کر کے ۱۹۵۲ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے وہاں درجہ اول میں گیس انجینئرنگ کا امتحان پاس کیا۔ شمالی انگلستان میں بیڈ لائے کے مقام پر امپیریل کیمیکل انڈسٹریز میں ٹیکنیکل آفیسر ہیں۔ قد نکلا ہوا اور جامہ زیب نوجوان ہیں۔ طبیعت میں نرمی ہے۔ وہیں انگلستان میں ایک انگریز لڑکی سے شادی کی۔ بچوں کے نام جمیل، امین اور انور ہیں۔ پتہ: الف رحمان - ۳ ڈنیل روڈ - ریڈ کار یورک شائر - انگلینڈ۔ فضل الرحمٰن کی بہن تنویر بانو بی اے پنجاب (۱۹۶۰ء) ایم اے پنجاب (۱۹۶۲ء) ہیں۔

5 —— اولاد صدر الدین بن مفتی عبد الصمد

شمس الدین

مولوی نظام الدین

معین الدین (۱۸) — ریاض الدین (۱۹) — علاء الدین (۲۰)
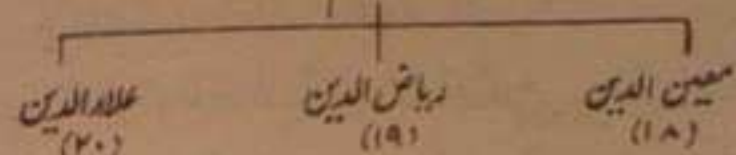
۱۸- معین الدین (المولد ۱۹۰۳ء)

مکان نمبر ۳۴، اے کلاس محلہ ملک پیٹ اعظم پورہ سمنٹ بلاکس حیدر آباد دکن

حکیم معین الدین جھجر ضلع رہتک میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ ۱۹۱۴ء میں مستقلاً حیدر آباد دکن چلے گئے۔ وہاں طبیہ کالج حیدر آباد سے امتیازی سند لی اور سونے کا تمغہ حاصل کیا۔ ۱۹۳۶ء میں طبیہ کالج دہلی سے فاضل طب وجراحت کی سند لی اور حیدر آباد دکن میں ملازمت کر لی۔ نظامیہ جنرل ہاسپٹل کے سپرنٹنڈنٹ اور طبیہ کالج حیدر آباد کے پرنسپل تھے کہ ۱۹۵۵ء میں ریٹائر ہو گئے۔ طب پر آپ کے تحقیقی مضامین متعدد طبی رسائل میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ قد میانہ ہے جسم سے دُبلے پتلے ہیں۔ مطالعہ کا بڑا شوق ہے۔ آپ کا ذاتی ذخیرہ کتب گراں قدر ہے۔ غیر معمولی طور پر محتاط ہیں۔ نہایت ہی باضابطہ اور خاموش زندگی بسر کرتے ہیں۔ اپنے والد کے خلیفہ اور جانشین ہیں مگر مرید نہیں کرتے۔

(ا) قیام پاکستان کے بعد آپ کی پہلی زوجہ اپنے آٹھ لڑکوں اور تین لڑکیوں کو لے کر حیدر آباد سے لاہور آ گئی تھیں۔ اور اب نمبر ۱، سری رام سٹریٹ کرشن نگر لاہور میں مقیم ہیں۔ لاہور آ کر آپ کے فرزندان نے ناسازعد حالات میں جس محنت و جانفشانی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور جس طرح ایک دوسرے کو پڑھاتے رہے وہ اوروں کے لئے ایک مثال ہے۔ آپ کے خلف اکبر اظہر الدین ظہیر ۱۹۲۷ء میں جھجر میں پیدا ہوئے۔ بی۔ ایس۔ سی، بی۔ ٹی، ایم۔ اے اردو (۱۹۶۲ء) - ایم۔ اے فارسی (۱۹۶۳ء) ہیں۔ فی الحال اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی گیٹ لاہور میں سائنس پڑھاتے ہیں۔ دوسرے فرزند پروفیسر محی الدین ۱۹۲۹ء میں پیدا ہوئے۔ بی کام (عثمانیہ)۔ ایم۔ اے اسلامیات پنجاب (۱۹۵۶ء)، ایم۔ اے عربک پنجاب (۱۹۶۱ء)۔ ولایت حسین اسلامیہ کالج ملتان میں پڑھاتے ہیں۔ تیسرے فرزند انوار الدین ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ پنجاب سے ایم ایس سی فزکس کیا اور گورنمنٹ کے وظیفہ پر ڈیڑھ سال میلان (اٹلی) میں جیو فزسٹ کی ٹریننگ حاصل کی۔ اب جیولوجیکل سروے آف پاکستان کوئٹہ میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں۔ رئیس الدین ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۹ء

میں پنجاب سے بی ایس سی کیا اور اب نشتر میڈیکل کالج ملتان کے فائنل ایئر میں ہیں۔ باقی چار فرزند انیس الدین المولد ۱۹۳۹ء، ضیاء الدین المولد ۱۹۴۳ء، نجم الدین المولد ۱۹۴۵ء اور نعیم الدین المولد ۱۹۴۷ء کالجوں میں پڑھ رہے ہیں۔

(ب) حکیم معین الدین کے والد مولوی نظام الدین کا ذکر باب ۶ میں آ چکا ہے۔

۱۹- ریاض الدین (المولد ۱۹۰۹ء)

$\frac{1031}{4}$ گلی پھولوں والی۔ گڑ منڈی ملتان۔

دہلی میں تولد ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں حیدر آباد دکن چلے گئے۔ وہیں تھرڈ ایئر تک تعلیم پائی۔ نظامت تعلیمات حیدر آباد دکن میں اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ تھے کہ سقوط حیدر آباد ہو گیا۔ اور آپ ۱۹۵۲ء میں ملتان چلے آئے۔ اب وہاں محکمہ خوراک میں سینئر کلرک ہیں۔

ا۔ آپ کے چار فرزند ہیں: خلف اکبر رضی الدین المولد ۱۹۳۰ء ایم۔ ایس سی کلاس میں پڑھتے ہیں۔ دوسرے فرزند رفیع الدین المولد ۱۹۴۲ء بی۔ اے میں اور تیسرے فرزند سیف الدین المولد ۱۹۴۵ء گیارھویں میں اور سب سے چھوٹے صفی الدین المولد ۱۹۴۸ء نویں جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔

۲۰- علاؤ الدین (المولد ۱۹۱۹ء)

صادق پبلک سکول بہاولپور۔

کسی انجمن میں بیٹھے ہوں آپ کو دور سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ پروفیسر شمس صدیقی (علاؤ الدین) ہیں۔ لطائف و حکایات، شعر و شاعری، اقبالیات اور آپ بیتی آپ کے موضوعات ہیں۔ محفل خواص ہو تو ٹھوس علمی باتوں کی بھی آپ کے پاس کمی نہیں۔ اپنے سے چھوٹوں سے بھی اس طرح ملتے ہیں کہ گویا چھوٹے آپ ہی ہیں۔ ولادت جھجر ضلع رہتک میں ہوئی۔ ۱۹۱۴ء میں آپ کے والد بزرگوار نے حیدر آباد دکن میں مستقل سکونت اختیار کر چکے تھے۔ شمس وہیں تعلیم پاتے رہے ایم اے اسلامیات (۱۹۵۵ء) اور ایم اے اردو (۱۹۶۱ء) ہیں۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۶ء تک جاگیردار کالج حیدر آباد اور پھر ۱۹۵۲ء تک نظام کالج حیدر آباد دکن میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۵۲ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور ۱۹۵۶ء سے صادق پبلک سکول بہاولپور میں صدر شعبۂ اسلامیات ہیں۔ بہاولپور کی کوئی علمی، ادبی یا مذہبی مجلس ہو آپ ضرور مدعو ہوں گے۔ آپ کو تقریر پر بھی مجبور کیا جائے گا اور مشاعرہ ہو تو کلام سنانے کا بھی ضرور تقاضا ہو گا۔ شمس تخلص ہے۔ ترنم سے بھی پڑھتے ہیں۔ راقم الحروف نے کئی بار اس کتاب میں شامل کرنے کے لئے انتخاب کلام کا تقاضا کیا مگر ہر بار طرح

دے گئے اور اس گل کی مہک سے قارئین کو محروم کر گئے۔

و۔ آپ کے دو فرزند ہیں: خلف اکبر مسعود اختر جاوید ۱۹۴۰ء میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کی فورتھ ٹرم میں زیر تربیت ہیں۔ دوسرے فرزند محمود اختر شاہد [illegible] میں پیدا ہوئے۔ کالج میں پڑھ رہے ہیں۔ آپ کی تین لڑکیوں میں سے بڑی تھرڈ ایئر میں، دوسری بی اے میں اور تیسری گیارھویں میں پڑھ رہی ہیں۔

ثناء احمد بن سجاد احمد بن پیرزادہ الحاج محمد اعظم صدیقی

6 — اولاد شاہ نجم اللہ بن شاہ رزق اللہ

- قمر اللہ
  - صفت اللہ
    - خواجہ بخش
    - خدا بخش
    - ثناء اللہ
    - اظہار اللہ
      - راغب اللہ (۲۱)
      - طالب اللہ (۲۲)
      - منظور الحق (۲۳)
      - شفیع اللہ (۲۴)
  - صبغت اللہ
    - امیر اللہ شہید
    - بشیر الرحمٰن
    - ضمیر الدین (۲۵)
- درویش محمد
  - اسد علی
  - عبد اللہ
  - عبد الرحمٰن
  - محمود الرحمٰن (۲۶)
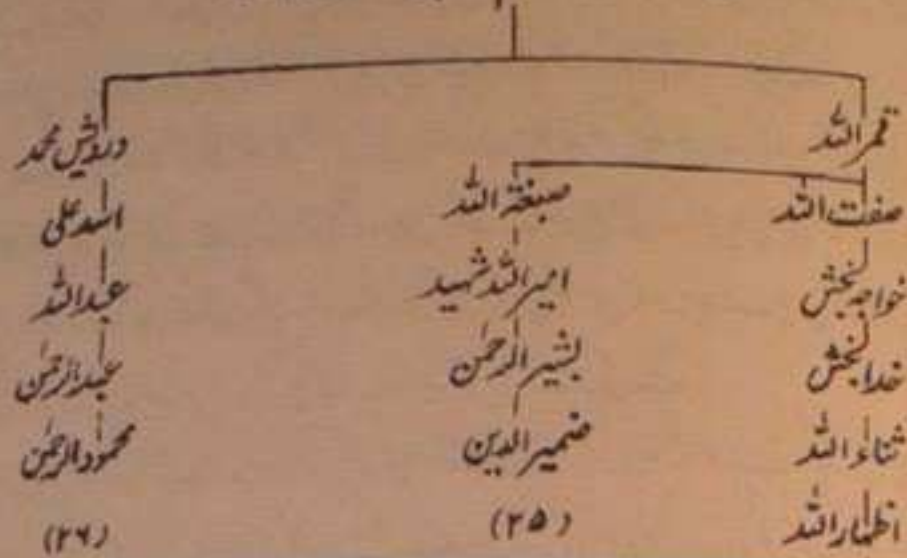
۲۱۔ **راغب اللہ** (المولد ۱۹۰۶ء)

میرے برادر بزرگ ہیں۔ متعدد بار حج کر چکے ہیں۔ کراچی میں کاروبار کرتے ہیں۔

۲۲۔ **طالب اللہ** (المولد ۱۹۱۰ء)

۲۲۳ وارڈ نمبر ۱ محلہ ملک ٹیلہ۔ ملتان

مولد مہم ضلع رہتک ہے۔ ملازمت کے سلسلے میں آسام تک کی سیاحت کا موقع ملا۔ کئی جگہ ملازمت کی اور کئی بار تجارت شروع کی۔ بھائیوں پر جان چھڑکتے ہیں، صاف دل، صاف گو، نڈر اور زندہ دل ہیں متوسط القامت، اچھریا بدن - ابھری ہوئی پیشانی۔

ا۔ آپ کے سات فرزند ہیں۔ خلف اکبر آفتاب احمد (المولد ۱۹۴۴ء رہتک) اس سال سیکنڈری سکول سرٹیفکیٹ کا امتحان دے رہے ہیں، قد آور ہیں۔ دوسرے فرزند شکور احمد (المولد ۱۹۴۷ء رہتک) ایف ایس سی (میڈیکل) کلاس میں ہیں۔ باقی پانچ فرزند مسعود احمد، محمد اسلم، محمد آصف، محمد امین اور سلیم احمد ملتان میں تولد ہوئے۔

ب۔ ہمارے والد اظہار اللہ (۱۸۷۷ء-۱۹۴۲ء) کا مولد و منشا قصبہ مہم ضلع رہتک ہے۔ گیارہ سال کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ کھاری باؤلی دہلی کی ایک بڑی فرم میں منشی (اکاؤنٹنٹ) تھے۔ تجارتی حساب کتاب میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ بھائی صاحب (۲۱) کو ایک رات بٹھا کر حساب کتاب لنڈا اور ہندی میں رقوم لکھنا سکھا دیا۔ ان معدودے چند نیک انسانوں میں سے تھے جو غیبت اور ضرر رسانی

سے اجتناب کرتے ہیں۔ ان کی برائی کسی زبان سے نہیں سنی گئی۔ حد درجہ متواضع اور ملنسار تھے۔ دہلی میں آپ کا گھر اہلِ وطن کا مہمان خانہ تھا۔ خوش مزاج ایسے تھے کہ روتوں کو ہنسا دیتے۔

ہمارے دادا ثناء اللہ متوفی ۱۹۲۸ء ریاست بیکانیر میں تھانیدار تھے۔ اکل حلال پر اس قدر زور تھا کہ تفتیشِ جرائم کے لئے جاتے تو آٹا، دال، نمک، مرچ حتیٰ کہ لکڑیاں بھی ساتھ لے جاتے۔ چھٹی پر مہم آئے ہوئے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ آپ کا تحریر کردہ اپنا کرسی نامہ ہمارے پاس محفوظ ہے جسے ہم اس کتاب کے آخر میں ضمیمہ ۴ میں درج کیا ہے۔ یہ تحریر ۱۸۹۸ء کی ہے۔

دادا ثناء اللہ کے والد خدا بخش متوفی ۱۸۶۹ء کا مولد و منشا مہم ہے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے جو داروگیر کی اس میں یہ روپوش ہو گئے تھے۔ ان کے گھر کا تمام اثاثہ نیلام کر دیا گیا۔ آپ کے دستخط "خدا بخش ولد خواجہ بخش" ۸ ذی قعدہ ۱۲۸۰ھ، ۱۵ اپریل ۱۸۶۴ء کی ایک تحریر پر ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

خدا بخش کے والد خواجہ بخش کی جاگیر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ایکٹ نمبر ۳ ۱۸۳۳ء کی رو سے ضبط کر لی تھی۔ اس ایکٹ کی رو سے سب کی جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ ہمارے پاس وہ استشہاد موجود ہے جس پر انہوں نے مہم کے انتیس سربرآوردہ حضرات کے دستخط کروائے کہ ضبط شدہ چار سو بیگہ (دو سو پچاس ایکڑ) اراضی شاہان قدیم کے عہد سے ان کے اجداد کی ملکیت رہی ہے۔ یہ اراضی واگزار نہ ہو سکی۔ یہ استشہاد نامہ ۱۸۴۰ء کا ہے۔

خدا بخش کے والد حافظ صفت اللہ تھے۔ آپ کی شہادت دو استشہاد ناموں میں محفوظ ہے۔ ان میں سے ایک جامع مسجد مہم کی امامت کے بارے میں ہے اور پیر زادہ عبد السلام (۱۳۲۱) کے پاس ہے۔ دوسرے استشہاد نامے پر شریعت پناہ قاضی غلام حسن (باب ۲) نے ۲ شوال ۱۲۲۷ھ، ۳ نومبر ۱۸۱۲ء کو ان کی شہادت درج کرائی۔ یہ دوسرا استشہاد نامہ اس کتاب کے ضمیمہ ۸ میں نقل کیا گیا ہے۔ ان کی والدہ شاہ عبد الحکیم مہمی (باب ۴) کی دختر تھیں اور ان کی ہمشیرہ ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی (باب ۵) کی خوشدامن تھیں۔

حافظ صفت اللہ کے والد حافظ قمر اللہ کے دستخط "قمر اللہ ولد حافظ عالم خان عرف شیخ نجم اللہ" ہمارے پاس ۱۱۷۳ھ سے ۱۱۷۹ھ تک کی کچھ تحریروں پر محفوظ ہیں۔ حافظ قمر اللہ کے والد حضرت شاہ نجم اللہ

---

[1] کنز الآثار، ۱۴ جمادی الاول ۱۱۵۶ھ، غرہ جمادی الثانی ۱۱۶۲ھ، ۲۵ اور ۲۶ ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ، ۲ ربیع الثانی ۱۱۷۱ھ اور ۲۰ رجب ۱۱۷۳ھ۔

الخطاب: حافظ عالم خان (شاہی خطاب) ابن شاہ رزق اللہ بن مفتی عزیز اللہ شہید اور ان کے اجداد کا ذکر اس کتاب کے باب ۲ میں ۲۲ سے ۵۳ صفحوں پر کیا جا چکا ہے۔ اس سلسلہ کے افراد کے دستخطوں اور مہروں کے عکس ۶۱ اور ۶۲ صفحات پر دیئے جائیں گے۔

۲۲- منظور الحق (پیدائش ۱۹۱۷ء)

کیڈٹ کالج حسن ابدال

یہ مآثر الاجداد کا مؤلف ہے۔ قد ساڑھے پانچ فٹ۔ وزن پورا ڈیڑھ من۔ گندمی رنگ۔ کشادہ پیشانی۔ یکم اپریل ۱۹۵۴ء کو کیڈٹ کالج حسن ابدال قائم ہوا۔ اسی تاریخ سے اس کالج میں پڑھا رہا ہوں۔ اس جنت ارضی میں ایک بنگلہ مع فرنیچر رہائش کے لئے بلا کرایہ ملا ہوا ہے۔ رہائش گاہ کے ایک طرف کالج کے سینئر لڑکوں کی رہائش و تربیت گاہ ہے جس کا میں ہاؤس ماسٹر ہوں اور دوسری طرف اوپن ایر تھیئٹر ہے جس میں ہر ہفتہ فلم دکھائی جاتی ہے جو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ کالج کا ذریعہ تعلیم انگریزی ہے۔ بس اس ایک خامی کے علاوہ یہ ایک معیاری درسگاہ ہے۔ صبح سات بجے کام شروع کرتا ہوں۔ دن میں دو تین گھنٹے فرصت مل جاتی ہے۔ رات کے دس بجے طلبا پڑھائی سے فارغ ہوتے ہیں اور پندرہ منٹ بعد سو جاتے ہیں۔ انہیں سلا کر گھر جاتا ہوں اور گھنٹہ دو گھنٹے مطالعہ کر کے سو جاتا ہوں۔ اوقات فرصت اپنے مختصر سے ذاتی کتب خانہ میں گزارتا ہوں جس میں ہوتے ہوتے تین ہزار کے قریب کتابیں جمع ہو گئی ہیں۔ اس سال تنخواہ سات سو تیس روپے ماہانہ مل رہی ہے۔ کچھ آمدنی تصنیف و تالیف اور امتحانی پرچوں سے ہو جاتی ہے۔

دہلی سے چونسٹھ میل مغرب میں ضلع رہتک کا قصبہ مہم ہے جسے مسلمان مہم شریف کہتے تھے۔ اسی قصبہ کے محلہ پیرزادگان میں تولد ہوا۔ نام تاریخ پیدائش کا مادہ ہے۔ بچپن کے سات سال دہلی میں گزرے۔ مہم، بھوانی، ڈیرہ غازی خاں اور رہتک میں پڑھ کر پرائمری کا امتحان پاس کیا۔ میٹرک گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج رہتک سے کیا۔ کالج میں اول آیا۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہ تھی۔ پہلی جماعت سے ہر امتحان میں اول آ رہا تھا۔ یہ اندھوں میں کانا راجہ والی بات ہے۔ تعلیمی اعتبار سے ضلع رہتک بہت ہی پسماندہ تھا۔

رہتک سے انٹر کرنے کے بعد ایم اے او کالج امرتسر سے ۱۹۳۹ء میں بی اے پاس کیا۔ کالج میں دوم آیا۔ ریاضی اور فلسفہ اختیاری مضامین تھے۔ اگلے سال گورنمنٹ سنٹرل ٹریننگ

کالج لاہور سے ایس۔ اے۔ وی اور اس سے اگلے سال بی ٹی کیا۔ اولادِ زبدۃ الاولیا حافظ
قوام الدین ؒ میں خان بہادر مولوی محمد حسین پہلے ایم اے تھے (۱۸۹۲ء) پورے ستر سال بعد
اس خاندان میں دوسرا ایم اے مرد یہ راقم الحروف ہُوا۔ اُس وقت میں تین بچوں کا باپ تھا۔
ایم اے کی ڈگری لے لینا قابلِ فخر ہے نہ لائقِ ذکر۔ کہنے کی بات یہ ہے کہ والدِ بزرگوار
کے انتقال کے بعد گھر کی مالی حالت بری نہیں بلکہ یکسر تھی ہی نہیں۔ ساتویں جماعت کے بعد
گھر سے ایک پیسہ نہیں لیا۔ حتیٰ کہ رہائش، لباس، خوراک کا بار بھی گھر پر نہ ڈالا۔ اگر کل لین
دین کا حساب کیا جائے تو زمانہ طالب العلمی میں میں نے کچھ اوپر چار سو روپے سے گھر کی خدمت
کی ہوگی۔ اور یہ میرا فرض بھی تھا۔

کالج میں مکہ بازی اور دوڑوں اور پھلانگوں میں کئی انعام لئے۔ گورنمنٹ مڈل سکول رہتک
گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج رہتک اور ایم اے او کالج امرتسر کی فٹ بال ٹیموں کا کپتان رہا
اور گورنمنٹ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کی فٹ بال ٹیم کا سیکرٹری رہا۔ کالج کی ادبی محفلوں میں بھی
بھرپور حصّہ لیتا رہا۔

دورانِ تعلیم ہی اپنی صلاحیتوں کا جائزہ لے کر میں نے معلمی کے پیشے کا انتخاب کر لیا تھا
مجھے اس انتخاب پر کبھی تاسف نہیں ہُوا۔ بلکہ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر کسی اور راہ پر پڑ جاتا تو اب
تک بھٹکتا پھرتا۔ کیا خدا کی اس عنایت کا شکریہ ادا ہو سکتا ہے کہ قیامِ پاکستان سے اب تک میرا
پڑھایا ہُوا ایک شاگرد بھی یونیورسٹی یا بورڈ کے امتحان میں فیل نہیں ہُوا۔ مجھے تو اپنے کسی ایسے شاگرد
کا بھی علم نہیں جس نے میرے مضمون میں فرسٹ ڈویژن کے نمبر نہ لئے ہوں۔ شاید اس کی وجہ
یہ ہو کہ مایوسی مجھ سے کتراتی ہے۔

سیاست میں میری عملی دلچسپی کا آغاز مارچ ۱۹۴۱ء کی اس پاکستان کانفرنس سے ہُوا جو
پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے لاہور میں منعقد کی اور جس کی صدارت قائدِ اعظم نے کی۔
اس کانفرنس میں قائدِ اعظم نے پاکستان رورل پراپیگنڈا کمیٹی کے قیام کا اعلان کیا۔ اس کمیٹی کے
رکن پاکستان کانفرنس کے پانچ بنیادی کارکن تھے۔ جن میں سے ایک راقم الحروف بھی تھا۔ پوری
روداد تو اس وقت کے اخباروں اور ۳/اگست اور ۱۱/ستمبر ۱۹۶۲ء کے روزنامہ نوائے وقت لاہور
کے پرچوں میں مل سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ رہتک، انبالہ اور راولپنڈی کی شہری مسلم لیگوں کی تشکیل
جدید راقم الحروف کی مساعی سے ہوئی۔ اسی سلسلہ میں جھجر، سونی پت، بہادر گڑھ، گوہانہ، کلانور

گڑگانواں، نوح، جگادھری، لدھیانہ، جگراؤں، جالندھر، مدار، ہوشیارپور، گجرات اور
گوجر خاں کا دورہ کیا۔ لدھیانہ اور راولپنڈی میں پاکستان کے حق میں پہلا پبلک جلسہ منعقد کرایا
اور تقاریر کیں۔ لاہور کا دلی دروازہ مجلسِ احرار کے جلسوں کے لئے مخصوص تھا۔ پنجاب مسلم
سٹوڈنٹس فیڈریشن کے کارکنوں نے لاہور کے بازاروں کے چوکوں میں سر سکندر حیات نواز اخبارات
انقلاب اور شہباز جلائے اور اسی روز یعنی ۳۰/جولائی ۱۹۴۱ء کی شام کو دلی دروازے کے
باہر جلسہ کیا۔ اس اجتماع کو راقم الحروف نے بھی خطاب کیا۔ اس دروازے پر پاکستان کے حق میں
یہ پہلا پبلک جلسہ تھا۔

۷/اور ۸/مارچ ۱۹۴۲ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا دوسرا سالانہ اجلاس راولپنڈی
میں منعقد ہُوا۔ اس کا محرک، منتظم اور صدرِ مجلسِ استقبالیہ راقم الحروف تھا۔ اسی سن میں
آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاسِ خصوصی الہ آباد میں ہُوا۔ سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ نواب زادہ
لیاقت علی خاں شہید کی دعوت پر اس اجلاس کی مجلسِ موضوعات میں شرکت کی۔ ایسی ہی ایک
دعوت پر اسی سال آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کے موقع پر کونسل کے اجلاس میں شرکت
کی۔ ۸/اور ۱۰/ستمبر کو مجموعی طور پر چھ گھنٹے تک بمبئی میں قائدِ اعظم کے دولت کدہ پر ان سے شرفِ
ملاقات حاصل ہوا۔

۱۹۴۷ء اگست، ستمبر اور نصف اکتوبر میں رہتک مسلم لیگ کا دفتر راقم کے زیرِ ہدایت
کام کرتا رہا۔

جس روز ضلع میں قتلِ عام شروع ہُوا اس سے صرف ایک روز پہلے میں نے دفتر کا
چارج لیا۔ سابق آئی این اے کے کیپٹن ممتاز احمد خاں نہایت خلوص اور جانفشانی سے
میرے پی اے کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ان ڈھائی مہینوں میں یہ معمول رہا کہ صبح سویرے
منہ اندھیرے دفتر چلا جاتا اور مغرب کے وقت یا کرفیو کے وقت سے ذرا پہلے گھر آ جاتا۔
جو کچھ ان ڈھائی مہینوں میں کیا اس کی تفصیل تو اسی کتاب میں کسی اور جگہ آئے گی۔ مختصر
یہ کہ ضلع کی ایک لاکھ اٹھتر ہزار مسلم آبادی میں سے کم و بیش انیس ہزار مسلمان
ہندوؤں نے شہید کر دیئے۔ ضلع سے باہر ہماری خبر نہیں جاتی تھی۔ حالات نے ایسی
سنگین صورت اختیار کر لی تھی کہ کسی مسلمان کے لئے سفر کرنا تو ایک طرف بازار سے سودا
لانا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ ایسے میں دل نے یہ گوارا نہ کیا کہ کسی کارکن کو دہلی بھیجا جائے اور

اس کی جان کو خطرہ میں ڈالا جائے۔ نتائج سے لاپرواہ ہو کر خود ہی ایک روز گھر سے نکل پڑا۔

قلعہ رہتک سے نکل کر ہندو آبادی میں سے ہوتا ہوا جھجر سٹینڈ پر پہنچا۔ ان دنوں ایک یا دو لاریاں جھجر جایا کرتی تھیں۔ ٹکٹ لے کر لاری میں بیٹھ گیا۔ میرے علاوہ تمام مسافر ہندو تھے۔ یہ لوگ مزے لے لے کر مسلمانوں کے قتل کی باتیں کر رہے تھے۔ خیر میں جھجر پہنچ گیا۔ یہاں کا ہر مسلمان میرا واقف تھا۔ مجھے دیکھ کر انہیں سخت تعجب ہوا اور کچھ ڈھارس بھی ہوئی۔ تین چار روز کوشش کر کے نواب صاحب دوجانہ نے دو جیپوں میں اپنی فوج کے جوان میرے ساتھ کر دیئے۔

معلوم ہوا تھا کہ نئی دہلی میں رہتک مسلم لیگ کے صدر راؤ خورشید علی خاں ایڈووکیٹ رائل ہوٹل میں مقیم ہیں کیونکہ وہ کسی صورت رہتک نہ جا سکتے تھے۔ میں انہیں ساتھ لے کر ہائی کمشنر پاکستان مقیم دہلی سے ملنا چاہتا تھا۔ رائل ہوٹل کے دروازے پر جا کر میں جیپ سے اترا۔ وہاں ایک مسلمان ریاست کی جیپوں کا کھڑا ہونا خطرے سے خالی نہ تھا اس لئے انہیں کہہ دیا کہ وہ دوجانہ ہاؤس چلے جائیں۔

میں ہوٹل میں گیا۔ منیجر نے بتایا کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں۔ اس وقت صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا۔ منیجر کے کمرے سے گیٹ تک اور گیٹ سے کناٹ پلیس تک پہنچا۔ وہاں ایک تانگہ بان چاوڑی بازار کی صدا لگا رہا تھا۔ اس میں تین نوجوان لڑکے بیٹھے تھے۔ چوتھا میں بیٹھ گیا۔ راستہ میں یہ تینوں لڑکے اور تانگہ بان اپنی اپنی بہادری کے قصے بیان کر رہے تھے۔ تانگہ اجمیری دروازے میں داخل ہوا تو ایک نوجوان نے کہا: "رات تو مزہ ہی آ گیا۔ ہم بارہ بجے گھر سے نکلے (ایک طرف اشارہ کر کے) اس مکان کے آگے جمع ہو گئے۔ دو فوجی گورکھے ادھر سے آئے۔ کہنے لگے آؤ تمہیں شکار بتائیں۔ بس اس گلی میں مسلمان رہ گئے تھے۔ کل آٹھ دس گھر تھے اور ہم صرف پانچ تھے۔ ان گورکھوں نے ہمیں پٹرول لا کر دیا۔ ہم نے باری باری سب گھروں میں آگ لگا دی۔ سالے سب جل بھن گئے۔"

یہ کام انہوں نے کرفیو کے وقت میں کیا۔ خیر حوض قاضی آیا اور میں تانگے سے اتر کر روڈگران کی طرف چلا جہاں بھائی حبیب الدین (۱۱۷) رہتے تھے۔ مجھے وہاں دیکھ کر ان سب کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آتا تھا کیونکہ ان تک یہ افواہ پہنچ چکی تھی کہ رہتک پر حملہ ہو چکا

ہے اور تمام مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ یہ ہمارا کئی دن تک سوگ کر چکے تھے اور ہماری ارواح کو ایصال ثواب بھی کر چکے تھے۔

جب میں نے پاکستان ہائی کمیشن کے دفتر واقع "گل رعنا" نئی دہلی جانے کے ارادے کا اظہار کیا تو انہوں نے مجھے اس ارادے سے باز رکھنے کے لئے دہلی کی خطرناک صورت حال سے مجھے آگاہ کر دیا۔ مگر میں نے اگلی صبح انہیں خدا حافظ کہا اور محلہ روڈگران سے چل پڑا۔ سڑک پر آیا تو اور سواروں کے ساتھ میں بھی ایک تانگے میں بیٹھ گیا۔ جب آٹھ دس تانگوں میں سواریاں ہو گئیں تو ایک ساتھ گھوڑوں کو ہانک دیا گیا۔ حوض قاضی سے چاوڑی بازار میں مڑے۔ تانگے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ کوئی تین چوتھائی بازار طے کیا ہو گا کہ اچانک ہم سے ایک تانگہ چھوڑ کر پچھلے تانگے کے گھوڑے کے آگے دو دستی بم آ کر پھٹے۔ گھوڑا پچھلی ٹانگوں کے بل سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس کی پچھلی سیٹ کی دونوں سواریاں سڑک پر گر پڑیں۔ ان میں سے ایک مرد تھا اور ایک برقعہ پوش خاتون۔ متصلاً ساتھ کی تنگ گلی سے تین ہٹے کٹے نوجوان نکلے۔ تینوں کے ہاتھ میں خنجر تھے۔ دو خنجر تان کر کھڑے ہو گئے اور ایک نے اس خاتون کو اٹھایا اور گلی میں لے گیا۔ اس خاتون کے ساتھی کے سر پر تو دو خنجر لہرا رہے تھے۔ مگر مجھ بے غیرت کو نہ معلوم کیا ہو گیا تھا ایک مسلمان خاتون کی بے حرمتی ان گنہ گار آنکھوں سے دیکھتا رہا۔ تانگہ تیزی سے چلتا چلتا جامع مسجد پہنچ گیا۔

وہاں پہنچ کر گل رعنا کے لئے تانگہ کرنا چاہا۔ کوئی ایک درجن تانگے والوں سے پوچھا ہر ایک کا کم و بیش یہی جواب تھا: "ہماری موت نے دھکا نہیں دیا جو وہاں جائیں"۔ خیر وہاں سے پرانے قلعہ تانگے عام جا رہے تھے۔ میں بھی وہاں چلا گیا۔ وہاں دہلی کے لاکھوں اجڑے مسلمانوں کا کیمپ تھا۔ پرانے قلعہ سے پیدل ہی گل رعنا چل پڑا۔ راستہ معلوم نہ تھا۔ راستے میں ہندو مل رہے تھے۔ کسے گمان ہو سکتا تھا کہ ان سڑکوں پر آج کوئی مسلمان بھی چل رہا ہے۔ کچھ دور جا کر ایک خاکروب سے گل رعنا کا پتہ دریافت کیا۔ اس نے پہلے تو معنی خیز نظروں سے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر راستہ بتا دیا۔ کچھ سمجھ میں آیا اور کچھ نہیں آیا۔ اور یہ بھی اندازہ نہیں کہ اس نے واقعی میں ٹھیک راستہ بتایا۔ تین گھنٹے ادھر ادھر بھٹکتا پھرا اور بالآخر منزل مقصود پہنچ گیا۔

پاکستان کے ہائی کمشنر کا دفتر کیا تھا سرائے بنا ہوا تھا۔ ایک کمرے میں میو لیڈر چودھری یٰسین خاں ایڈووکیٹ ایم ایل اے ملے۔ یہ اپنے خاندان کے معتقدین میں سے ہیں بغلگیر ہوئے

اور ایک ایک کا نام بنام حال پوچھا اور کہنے لگے "میں یہاں ایک ہفتہ سے پڑا ہوں، میری کوئی نہیں سنتا۔ تم نے یہ خطرہ فضول مول لیا۔"

میں سوشل سیکرٹری سے ملا۔ عرض مدعا کے بعد انہیں صفحات پر ٹائپ شدہ یادداشت پیش کی۔ انہوں نے کہا آج ہائی کمشنر اس کا مطالعہ کریں گے آپ کل ملیں۔ میں پیدل پرانے قلعہ پہنچا اور وہاں سے تانگے میں گھر اور اگلے روز اسی راستے سے پھر سوشل سیکرٹری کے پاس گیا۔ کہنے لگے آج تو وہ بڑے مصروف ہیں۔ پرسوں ملیئے گا۔ پرسوں گیا تو پھر اپنا تعارف کرانا پڑا۔ ٹائپ شدہ یادداشت کی تلاش ہوئی، کبھی اس ٹرے میں دیکھا تو کبھی اس دراز میں۔ کہنے لگے وہ تو نہیں ملتی ایک اور دے جاؤ۔ میں چٹ اٹھا کر سیدھا ہائی کمشنر کے پاس گیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ وہ تمام باتیں ہمدردی کے ساتھ اور غور سے سنتے رہے۔ پھر اپنی مجبوریاں گنوا کر کہنے لگے۔ اس بارے میں آپ وزیرِ اعظم پنجاب نواب افتخار حسین خاں آف ممدوٹ سے لاہور جا کر مل لیں۔ میں ہوائی جہاز میں آپ کی سیٹ کا انتظام کرائے دیتا ہوں۔ کیونکہ وہاں سے پاکستان آ کر جانا محال نظر آتا تھا اس لئے میں نے یہ پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی اور گھر چلا آیا۔ دہلی سے ججھر ہوتے ہوئے رہتک ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ ساٹھ میل طے کرنے کے لئے اتنی ہی بار موت کا سامنا ہوا لیکن تجربہ ہوا کہ موت وقت سے پہلے نہیں آتی۔

رہتک میں میری واپسی حیران کن تھی اکثر کو یہی خیال تھا کہ میں مارا جا چکا ہوں گا۔ مجھے خود اپنے اوپر تعجب ہے میں نے یہ سفر اختیار کرکے موت کے منہ میں چھلانگ لگائی اور یہی سمجھا کہ فٹ بال کھیل رہا ہوں۔

رہتک آ کر معلوم ہوا کہ راؤ خورشید علی خاں پولیس کی حفاظت میں دہلی سے رہتک آ گئے تھے۔ انہوں نے مسلم لیگ کا کاروبار سنبھالا اور میری عقل بہانہ جو نے حیلے تراشنے شروع کر دیئے اور رفتہ رفتہ میں نے اپنے آپ کو مسلم لیگ کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا۔ کچھ دن بعد ہی یہ اعلان ہوا کہ انبالہ ڈویژن کے مسلمان پاکستان جائیں گے اور کچھ روز بعد ریڈیو پاکستان لاہور سے اعلان ہوا کہ سرکاری ملازمین کے انخلاء کے لئے جو فوجی کنوائے رہتک جا رہا ہے اس میں میرے اور میرے لواحقین کے لئے بھی سیٹیں ہیں۔

تین نومبر کو ہم نے اپنا وہ وطن چھوڑا جہاں ہمارے جدِ اعلیٰ سات سو سال پہلے آ کر آباد ہوئے تھے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے مجھے ترکِ وطن کا اتنا بھی افسوس نہیں تھا جتنا

ایک پنسل کھو جانے کا ہوتا ہے بلکہ اپنی سعیِ پیہم سے حاصل کئے ہوئے نئے وطن میں جانے کی خوشی تھی۔

راستہ جس طرح کٹا یہ ایک طویل داستان ہے۔ مختصراً ہم کرنال، انبالہ اور لدھیانہ میں ایک ایک رات کاٹ کر آگے بڑھے۔ ہجومِ خطرات میں میرا دماغ معمول سے کچھ زیادہ ہی پرسکون ہوتا ہے۔ بیاس کے پل پر کچھ دن پہلے مہاجرین کی دو ریل گاڑیوں کو روک کر سکھوں نے اس کے مسافروں کو شہید کر دیا تھا۔ ان گاڑیوں میں اپنے خاندان کے کچھ افراد بھی تھے۔ اس وقت تک ہمیں علم نہیں تھا کہ ان کا کیا بنا۔ اس مقام سے خونی واقعات کی بڑی ہی دلخراش یادیں وابستہ تھیں۔ ہمارے کنوائے نے پل پار ہی کیا تھا کہ ایک موٹر لاری بگڑ گئی۔ اسے درست کرنے کے لئے کچھ دیر کنوائے ٹھہرا۔ یہ ایسا مقام تھا کہ یہاں زیادہ دیر کنوائے کو ٹھہرایا نہیں جا سکتا تھا۔ کوئی زنجیر بھی نہ تھی کہ اسے کسی اور ٹرک کے ساتھ باندھ دیا جاتا۔ میں مُصر تھا کہ اس بگڑی ہوئی موٹر لاری کو سکھ درندوں کے لئے چھوڑ کر باقی کنوائے آگے نہیں جانا چاہئیے۔ مگر کنوائے کمانڈر نفیس سب کو خطرے میں ڈالنا نہیں چاہتے تھے۔ دوسری گاڑیوں میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ کنوائے کمانڈر نے کہا۔ امرتسر کچھ زیادہ دور نہیں۔ شام ہو چلی ہے وہاں پہنچ کر ایک لاری واپس لے آنا۔ اس بگڑی ہوئی لاری میں زیادہ عورتیں تھیں اور کچھ بوڑھے اور بچے۔ اس میں ہمارے کنبہ کے آٹھ افراد تھے: میرے خسر پیرزادہ فخرالدین، ان کے دو لڑکے محمد حسین (محمد میاں) اور ذکی الدین احمد (احمد میاں)، ان کی چار لڑکیاں سرور، صدیقہ (میری اہلیہ)، انور، منورہ اور تنویر (اہلیہ برادرِ عزیز شفاءاللہ) اور میرا لڑکا احمد منصور جس کی اس وقت عمر چودہ مہینے تھی۔ یہ برخوردار اوپر کا دودھ پیا کرتے تھے اور پچھلے تین دن سے انہیں دودھ نہیں ملا تھا یہاں تک کہ پانی بھی صرف دو دفعہ مل سکا تھا۔ ہم حیران تھے کہ یہ بچہ کس طرح زندہ ہے۔

ہم نے برین گنوں سے مسلح دو سپاہی ان کی حفاظت کے لئے چھوڑے اور کاروان آگے چل پڑا۔ امرتسر پہنچ کر ہم نے ایک جیپ اور ایک لاری لی اور فوراً واپس چل پڑے۔ محلہ شریف پورہ کے پاس ہمیں ہندوستانی فوج نے روک لیا اور کہا کہ واپس جانے کے لئے لاہور میں متعین فلاں ہندوستانی فوجی افسر سے اجازت نامہ لینا پڑے گا۔ ہر چند انہیں صورتِ حالات سے آگاہ کیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

میرا دماغ ہجومِ وساوس کی آماجگاہ بن گیا اور قوتِ برداشت جواب دے بیٹھی۔ جا کر افسر انخلاء کے دفتر میں کوشش کی وہاں بھی ناکامی ہوئی۔ فیصلہ کیا کہ کنوائے فوراً لاہور چل پڑے

ہم پاکستان کی طرف چل رہے تھے۔ وہ منزل مقصود سامنے تھی جس کے لئے مسلمانوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ واہگہ سرحد پار کر کے سرزمین پاک پر قدم رکھا۔ اس زمین پر قدم رکھا جس کے حصول کے لئے اپنی جان کو کبھی وقعت نہیں دی مگر اس وقت میری آنکھوں سے غم کے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ ۶ نومبر ۱۹۴۷ء

یہیں لاکر لاہور کے نزدیک والٹن کیمپ میں ڈال دیا گیا۔ سردی خاصی تھی۔ بغیر سائبان کے زمین پر سب بیٹھ گئے۔ سامان کوئی ساتھ تھا نہیں۔ اس وقت اندازہ ہوا کہ ہماری خواتین میں بے پناہ قوتِ برداشت ہے۔ آہ و بکا ہے نہ سیاپا۔ بس زبان گنگ ہوگئی اور آنسو خشک ہوگئے۔ خورشید امن تو آتے ہی بے ہوش ہوگئیں۔ ان سب کو بھوکا پیاسا اس غیر حالت میں چھوڑ کر سیدھا ریزی ڈنسی گیا جہاں انخلاء کے کمشنر کا دفتر تھا۔ وہاں شبینہ ڈیوٹی پر جو حضرات تھے انہیں ماجرا کہہ سنایا مگر آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ انہیں شب و روز مجھ ایسے ہی لوگوں سے واسطہ پڑتا تھا ان پر کیا اثر ہوتا۔ کہا کل آنا۔

گئی رات واپس والٹن کیمپ پہنچا۔ صبح اٹھتے ہی پھر ریزی ڈنسی چلا گیا۔ یہاں جواب ملا کہ مدد نہیں بھیجی جا سکتی۔ سارے دن کی ناکام تگ و دو کے بعد والٹن کیمپ پہنچا۔ یہاں اب تک اڑ کر کسی کے منہ میں کھیل بھی نہیں گئی تھی۔ کیمپ میں ہیضہ پھیلا ہوا تھا۔ دھڑا دھڑ اموات واقع ہو رہی تھیں مگر اتنا تھا کہ یہاں عزت و ناموس کو خطرہ نہ تھا۔ خیال آتا تھا تو بیاس کے پل کا نہ جانے کیا بنا ہوگا۔ کہیں وہ سکھوں کے ہاتھ تو نہ چڑھ گئے ہوں گے۔ حکومت مدد نہیں کرتی۔ پیدل چلوں تو کتنے دن میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ ان کی حفاظت میری ذمہ داری تھی۔ ساری عمر کے لئے ضمیر کی ملامت سے بہتر یہ ہے کہ اس کی تلاش میں مارا جاؤں۔ تمام رات ایسے ہی منصوبے بناتے آنکھوں میں کٹی۔

صبح ہوئی کنبہ کی ایک خاتون تانگہ میں آئیں اور بتایا کہ بیاس کے پل پر رہنے والے سب بخیریت آگئے ہیں اور اب ریاض الدین (۲) کے ہاں ہیں۔

پاکستان آکر میری تمام ملی سرگرمیوں کا خاتمہ ہوگیا اور لفظ سیاست سے چڑ ہوگئی۔ ہاں جو صلاحیتیں جو کبھی قومی کاموں کے لئے وقف تھیں۔ اب مطالعہ، تصنیف و تالیف اور خاص طور پر فرائض منصبی کی بجا آوری میں کام آتی ہیں۔ اب ملت کی بہبودی کے لئے کوئی بڑا منصوبہ نہیں بناتا۔ اپنے محدود حلقہ میں یہ حقیر کام کیا کہ ۱۹۴۷ء سے اب تک ریاضی پڑھا رہا ہوں اور خدا کے

فضل و کرم کا شکر گزار ہوں۔

اخبار و رسائل میں ۱۹۴۲ء سے کبھی کبھی میرے مضمون شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۱ء تک لاہور زون کے مدارس میں میری تین کتابیں لازمی کتب ریاضی کے طور پر پڑھائی جاتی رہیں۔ یہ کتابیں معیاری جیومیٹری (برائے جماعت ششم)، معیاری الجبرا و جیومیٹری (برائے ہفتم، ہشتم) تھیں۔ دو سوانحی کتب سالار مسعود غازی اور بادیٔ بریاں بھی طبع ہو چکی ہیں تاریخ ریاضی اور اقبالیات پر تین کتابوں کے مسودے منتظر طباعت ہیں۔ یہ ہے اس شخص کی داستان حیات جس پر الطافِ خداوندی بے پایاں ہیں مگر جس سے اب تک کوئی بھی خدمتِ اسلام بن نہ آئی۔

۱۔ میری اولاد میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ بڑا لڑکا احمد منصور ۱۳ ستمبر ۱۹۴۶ء کو رہتک میں پیدا ہوا۔ کیڈٹ کالج حسن ابدال سے فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کیا اور امسال یعنی ۱۹۶۴ء میں گورڈن کالج راولپنڈی سے ایف ایس سی (میڈیکل) کا امتحان دیا ہے۔ دوسرا لڑکا ارشد محمود ۸ ستمبر ۱۹۴۸ء کو ملتان میں پیدا ہوا۔ کیڈٹ کالج حسن ابدال میں ایف ایس سی (سیکنڈ ایئر) کلاس میں پڑھ رہا ہے۔ میٹرک میں وظیفہ لیا۔ اس سے پہلے بھی وظیفہ لیتا رہا ہے۔ تیسرا لڑکا احمد رضا ۱۰ اکتوبر ۱۹۵۰ء کو ملتان میں پیدا ہوا۔ اور کیڈٹ کالج حسن ابدال کی نویں جماعت میں پڑھ رہا ہے۔ لڑکیوں میں بڑی ربیعہ ثروت (پیدائش ۷ ستمبر ۱۹۵۲ء) کنونٹ سکول واہ کی پانچویں جماعت میں ہے ملتان میں پیدا ہوئی تھی۔ باقی دو بچیاں تابندہ (پیدائش ۱۲ جولائی ۱۹۶۱ء) اور عین البدر (پیدائش ۲۲ مئی ۱۹۶۴ء) حسن ابدال میں پیدا ہوئیں۔

۲۔ شفاء اللہ (پیدائش ۱۹۲۴ء)

۱۸ سانڈہ روڈ لاہور۔ فون نمبر ۶۶۲۸۶

قد پانچ فٹ دس انچ، وزن ایک سو ستاون پونڈ۔ ہم میں تولد ہوئے۔ بمبئی، کلکتہ، آسام اور برما تک سفر کر چکے ہیں۔ نقل مکانی کر کے ۶ ستمبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان پہنچے اور اب مستقلاً لاہور میں رہتے ہیں۔ مشہور فرم مغل کریٹ کمپنی کے سیلز مینیجر ہیں۔ کاروباری سوجھ بوجھ اچھی پائی ہے۔ بڑے ہی ملنسار، بردبار، مخیر اور متواضع ہیں۔ صلہ رحمی کا بڑا خیال ہے۔ غربا کی اس طرح مدد کر جاتے ہیں کہ ایک ہاتھ سے اور دوسرے کو خبر نہ ہو۔ والدہ مکرمہ (۱۸۹۲ء-۱۹۶۲ء) کی جو خدمت انہوں نے کی اس پر مجھے بھی رشک آتا ہے۔ ان کے پاس عزیز و اقارب کے فوٹوؤں کا جو گرانقدر ذخیرہ ہے اس کا ذکر صفحہ ۶۲۲ پر

ہوگا۔ مآثرالاجداد کی تیاری میں انہوں نے میری سب سے زیادہ مدد کی۔

ا۔ ان کے چار فرزند اور دو لڑکیاں ہیں۔ سب لاہور میں پیدا ہوئے۔ بڑے فرزند محمد اکرم (پیدائش ۱۳ مارچ ۱۹۵۰ء) کیڈٹ کالج حسن ابدال کی نویں جماعت میں پڑھ رہے ہیں۔ دوسرا محمد منیر (پیدائش ۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء) ساتویں جماعت میں ہیں۔ تیسرے فرزند شاہد عزیز (پیدائش ۴ مئی ۱۹۵۶ء) دوسری جماعت میں ہیں۔ چوتھے فرزند عامر سعید ۷ فروری ۱۹۶۰ء کو پیدا ہوئے۔ رفعت صدیقہ (پیدائش ۲۵ جولائی ۱۹۵۴ء) اور طلعت بانو (پیدائش ۶ جون ۱۹۵۸ء) مدرسۃ البنات کی پانچویں اور پہلی جماعتوں میں پڑھ رہی ہیں۔

۲۵۔ ضمیر الدین (المولد ۱۹۰۰ء)

قد متوسط، لبوتر امر، رنگ پختہ گندمی۔ ڈاک خانے میں کلرک تھے۔ ایک انگلی ضائع ہوگئی تو ملازمت ترک کی۔ پھر حصار میں کاروبار کرتے رہے۔ اب مغلیہ ٹرنک فیکٹری بازار تموا ٹرال راولپنڈی میں ملازم ہیں۔

ا۔ آپ کے اکلوتے فرزند ظہیر الدین ۱۹۵۲ء میں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ زیرِ تعلیم ہیں۔

ب۔ آپ کے والد بشیر الرحمٰن ۱۲۷۱ھ (۵۶-۱۸۵۵ء) میں تولد ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں نہم میں انتقال کیا۔ دُبلے پتلے سے متقی و پرہیزگار اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ ساری عمر جامع مسجد کی خدمت کی۔ دو برس کے ہی چھوٹے تھے کہ آپ کے والد امیر اللہ کو جرمِ بغاوت میں ۱۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو رہتک میں پھانسی دی گئی اور گھر کا اثاثہ ضبط کرکے مکان کو نیلام کر دیا۔ قبل ازیں ۱۸۳۸ء میں کمپنی کی حکومت نے آپ کی جاگیر ضبط کرلی تھی۔

امیر اللہ شہید ایک متدین عالم اور قابل مدرس تھے اپنے وقت کے بہت ہی ہردلعزیز اور باثر بزرگوں میں سے تھے۔ قاضی عبدالرحمان بن قاضی غلام حسن (رباب ۲) اور حکیم مولوی علاؤالدین ایسے فاضل آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے آپ کا تمام علمی سرمایہ برباد کر دیا۔ اس وقت آپ کے اکلوتے فرزند دو سال کے تھے۔ اوروں کے پاس جو کچھ بچا رہ گیا ہے ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اعلیٰ درجہ کا علمی و ادبی ذوق پایا تھا۔ اردو، فارسی اور عربی میں شعر کہا کرتے تھے۔ آپ کی ایک منظوم کتاب کا پہلا ورق ہمارے پاس ہے جس میں حمد و نعت کے بعد سببِ تالیف کتاب کے چند شعر ہیں۔

یکایک مرا زاد ازیں خیال — کنم علم تکثیر بر پنجہ خصال
نخستیں فصل نقش پُر کردن است — دوم فصل وردِ خدا بُردن است
سپس بفصلِ سوم شد بیاں — کہ از وی تو یابی ملک با نہاں
بفصلِ چہارم بیانِ نماز — کہ من یافتم زاں بزرگاں راز

بہ پنجم فصل ذکر کردن خدا — کہ از ذکرِ خالق نہ باشی جُدا

آپ کی ایک بیاض بھی ہمارے پاس محفوظ ہے اس کے شروع اور آخر کے صفحات غائب ہیں۔ اس میں جو رسائل آپ کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ دو صفحات پر ایک اردو نظم کے ۳۶ سے ۶۳ تک شعر ہیں۔ یہ نظم غالباً آپ خطبۂ جمعہ میں پڑھا کرتے تھے۔ خطباتِ علمی میں جو نظم پڑھی جاتی ہے اس کا یہی ماخذ ہے۔

پرجا نہ کیجے گور کی غیبت نہ کیجے اور کی ۳۶ عادت نہ کیجے جور کی یہ تو برا اطوار ہے
ہر اک سے میٹھا بول لو... سب کو کھولیو ۴۲ تو لو تو پورا تولیو زیادہ کی مردار ہے

۲۔ ترجمہ فقہ اکبر: امام اعظم سے منسوب کتاب فقہ اکبر کا اٹھارہ صفحوں پر مشتمل فارسی نثر میں ترجمہ ہے آخر میں مترجم کے دستخط ہیں۔ لکھتے ہیں: "میگوید بندۂ ضعیف خاکپائے مسلماناں کہ بعضی مخلصاں سوال کردند کہ برائی مایاں ترجمہ فقہ اکبر کہ تصنیف امام المسلمین حضرت امام اعظم است رضی اللہ تعالےٰ عنہ بکند تا برمایاں مسائل دین آسان شود۔ پس دیدم کہ رغبت بسیار در عقائد دارند خط عربی نمی دانند و از خواندن مطولات عذر و عجز نمایند۔ شروع کردم در ترجمہ باوردن مسائل دیگر کہ ضروریست مستعیناً باللہ۔ باید دانست از امام اعظم رح در فقہ اکبر است کہ نظر ایں فقیر آمدہ است در یکے مجرد مسائل است بے دلیل و در دیگر مسائل با دلیل است۔ پس ایں ترجمہ ازانست کہ در و مسائل بدلیل است۔"

۳۔ عربی میں خطبہ جمعۃ الوداع۔ پانچ صفحے

۴۔ انتیس اشعار پر مشتمل ایک اردو نظم جس میں بتایا گیا ہے کہ سفر کب کب کرنا چاہیے مطلع ہے

رجال الغیب کا ہے گا یہ احوال — کہ وہ گردش میں رہتے ہیں مہ و سال

۵۔ اکتیس اشعار پر مشتمل اردو فارسی میں نظم "سبحان من ترانی" معلوم نہیں تضمین ہے یا پوری آپ کی نظم ہے۔ دو شعر ہیں:

آدم کہ جدِ ما بود سالارِ انبیاء بود — وردش ہمیں دعا بود سبحان من ترانی
کوئی دلاؤں کو دے دیں دعا جو تم کو — کھلیں تمام دن کو سبحان من ترانی

۶۔ اسی اشعار پر مشتمل ایک فارسی مثنوی۔ اس کے آخر میں دستخط ہیں: "بدستِ خط بدخط امیر اللہ ولد شیخ صبغۃ اللہ ساکن قصبہ نہم بتاریخ دہم ربیع الاول ۱۲۵۶ھ" یعنی یہ ۱۸۴۰ء میں لکھی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایک بزرگ محمد منیر یا احمد منیر نقشبندی سے ۱۱ شوال ۱۲۵۶ھ کو بیعت

بوسے زد،

وصف شیخ خود چہ گویم اے نگار ۶ در نگنجد وصف او اندر حصار

نام پاکش را نگارم اے بشیر ۷ ذرہ گردد راتو بر برق نشیر

یک ز رہ کرد جذبم در رسید ۸ در زمانم دل بسوئے خود کشید

روز دوشنبہ بوقت چاشتگاہ ۹ یازدہ تاریخ از شوال ماہ

یک ہزار و دو صد سال ہجر ۱۰ شش و پنجاہ بہم بنہ بالا دگر

بر دو این نعمت مرا بخشید حق ۱۱ شکر او دارم روز و شب خوانم سبق

اے امیر اللہ تو بس ہشیار باش ۱۲ از ہوا بگذر و اندر کار باش

من غلام نقشبند از جان و دل ۱۳ من نثار نقشبند از آن کل

۷۔ منظوم فارسی ترجمہ عربی قصیدہ غوثیہ: ۲۲ ذیقعد ۱۲۵۶ھ کو پورا ہوا۔

۸۔ سولہ صفحات میں تین خطوط۔ یہ خطوط فارسی میں ہیں۔ نہ معلوم یہ خطوط کسی کو لکھے گئے یا انشائے امیر قسم کی کوئی چیز کا ایک حصہ ہیں۔ پہلے خط میں ان اجزائے بحث ہے جن سے جسم انسانی بنا ہے دوسرے میں ماہیت عناصر بتائی گئی ہے اور تیسرے میں صحبت ناجنس پر سیر حاصل تبصرہ ہے۔ تیسرے خط کے آخر میں ۶ شوال ۱۲۵۶ھ لکھا ہوا ہے۔

۹۔ منظوم فارسی ترجمہ چہل حدیث: ۱۰ محرم ۱۲۵۶ھ کو تمام ہوا۔

۱۰۔ ایک عربی قصیدہ ۷۶ شعروں پر مشتمل محررہ ذیقعد ۱۲۵۶ھ

۱۱۔ منظوم اردو ترجمہ چہل حدیث: ۱۸ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ کو ختم کیا۔ مثلاً افضل العبادۃ طلب العلم کا ترجمہ کیا ہے ؎

ہے افضل عبادت طلب علم کی تو رکھ جستجو روز و شب علم کی

۱۲۔ بیالیس اشعار کی ایک فارسی نظم۔

پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۶) اپنے معرف الانساب میں لکھتے ہیں: شیخ امیر اللہ شہید عرف میاں جی امی زخمی والی مسجد میں سلسلہ درس و تدریس رکھتے تھے، فارسی انشاء پردازی علم طبی وکتابی میں پوری قابلیت رکھتے تھے۔ ان کے زمانہ کے ہندو مسلمان بچے سب ان کے تلامذہ میں سے تھے، شعر بھی کہتے تھے۔ دادے جی اسماعیل کے ساتھ بزمانہ وزیر الدولہ ٹونک بھی گئے۔

لہ تاریخ احمد شہ، توزک امیر

زمانہ کے لحاظ سے استاد تھے۔ غدر کے سلسلہ میں بلا وجہ آپ بھی شہادت سے فائز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔" (ص ۶۵)

بیاض کے علاوہ ہمارے پاس ۱۸۳۲ء سے ۱۸۴۲ء تک کے چار کاغذات پر آپ کے دستخط ہیں نیز ہمارے پاس وہ خط بھی موجود ہے جو دفعدار کرامت علی نے راولپنڈی سے آپ کے نام بھیجا۔ یہ خط ہم دفعدار کرامت علی کے بیان میں نمبر ۵۰ ب پر نقل کریں گے۔

امیر اللہ شہید کے والد صبغۃ اللہ کے دستخط ہمارے پاس چھ کاغذات پر محفوظ ہیں۔ یہ کاغذات ۱۷۹۰ء سے ۱۸۳۳ء کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک کاغذ جو ۱ شوال ۱۲۲۶ھ کو لکھا گیا۔ اس پر آپ کی شہادت ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی (باب ۵) کے قلم سے ہے۔

صبغۃ اللہ کے والد حافظ قمر اللہ بن حضرت شاہ نجم اللہ الملقب بحافظ عالم خاں ثانی کا ذکر نمبر ۲۲ ب پر آ چکا ہے۔

۲۷۔ محمود الرحمٰن

۱۱ جنوری ۱۸۹۶ء کو گوپامئو ضلع ہردوئی میں پیدا ہوئے۔ مسکن قصبہ محمدی ضلع کھیم پور کھیری تھا۔ جہاں سے ۱۹۲۷ء میں کراچی چلے آئے۔ بہت ہی بے فکرے سیلانی ہیں۔ گھر بار کی طرف کبھی نظر نہیں کی۔ اب بھی مفقود الخبر ہیں۔

(ا) آپ کے اکلوتے فرزند مقصود الرحمٰن ۱۵ جون ۱۹۲۳ء کو ہاتھرس یوپی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاس ہیں اور اپنی والدہ سعیدہ بیگم صاحبہ بنت مولوی مسیح الدین قریشی کے ساتھ کراچی میں رہتے ہیں۔

(ب) محمود الرحمٰن کے والد مولوی عبد الرحمٰن (۱۸۵۲ء–۱۹۱۲ء) کا محمدی ضلع کھیم پور کھیری میں انتقال ہوا۔ پہلے سم میں رہائش تھی جہاں سے محمدی چلے گئے

لہ کنز الآثار: (۱) امیر اللہ ولد شیخ صبغۃ اللہ بخطہ" ۲۹ جمادی الثانی ۱۲۲۰ھ اور ۲۹ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ (۲) شہید بافیہ امیر اللہ ولد شیخ صبغۃ اللہ بخطہ" ۱۷ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ (۳) محمد امیر اللہ ولد شیخ صبغۃ اللہ بخطہ" ۱۰ جمادی الاول ۱۲۶۰ھ۔

لہ (۱) گواہ شد صبغۃ اللہ" ۲ ربیع الاول ۱۲۱۰ھ (۲) گواہ شد شیخ صبغۃ اللہ ولد شیخ قمر اللہ بادنہ" ۵ صفر ۱۲۲۰ھ و ۲۵ شعبان ۱۲۲۹ھ (۳) گواہ شد شیخ صبغۃ اللہ ولد شیخ قمر اللہ" ۲۵ شوال ۱۲۲۰ھ (۴) شیخ صبغۃ اللہ بادنہ" ۱۰ شوال ۱۲۲۶ھ (۵) صبغۃ اللہ بخطہ" ۵ ربیع الثانی ۱۲۲۹ھ۔

مولوی عبدالرحمٰن کے والد کا نام عبداللہ تھا اور ان کے والد مشہور طبیب حکیم اسد علی تھے۔ حکیم صاحب کا نام ہمارے پاس ۱۲ شوال ۱۱۹۲ھ ۲۳ نومبر ۱۷۷۸ء کے ایک بیعنامہ کے متن میں ہے اور آپ کے دستخط "شیخ اسد علی" ۱۱ محرم ۱۲۳۲ھ یکم دسمبر ۱۸۱۶ء کی ایک تحریر پر ہیں۔

حکیم اسد علی کے والد حکیم محمد درویش کے دستخط "محمد درویش ولد عالم خاں" ۲ ربیع الاول ۱۱۹۰ھ ۲۲ فروری ۱۷۷۶ء کے ایک بیعنامہ پر محفوظ ہیں۔ حافظ عالم خاں المعروف بہ شاہ نجم اللہ کا ذکر باب ۲ میں آچکا ہے۔

شستہ از احمد بن ستار احمد بن شاہ پیرزادہ الحاج محمد اکمل صدیقی

۷۔ اولاد عطاء حسین بن محمد مسعود

- علی حسین
  - محمد شاہ
    - احمد شاہ
      - امیر حسن (۲۷)
    - محمد حسن (۲۸)
  - ابوالحسن
    - صدیق الحسن (۲۹)

۲۷۔ امیر حسن (المولد ۱۹۲۳ء)

کراچی میں موٹر ڈرائیور ہیں۔

ب۔ آپ کے والد حافظ احمد شاہ شہید (۱۸۸۷ء۔۱۹۴۷ء) فوج میں لانس نائک تھے۔ بہادری کی امتیازی سند اور تین پشتوں تک چار روپے ماہانہ وظیفہ ملا۔ قیام پاکستان کے وقت دہلی کے محلہ بازار گنج میں رہتے تھے۔ جہاں آپ کو ہندو بلوائیوں نے ۲۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو شہید کر دیا۔

حافظ احمد شاہ شہید کے والد حافظ محمد شاہ (۱۸۴۶ء۔۱۹۰۰ء) اور دادا الحاج علی حسین (۱۸۲۲ء۔۱۹۰۰ء) رہتک میں فوت ہوئے۔ آخر الذکر بزرگ واعظ خوش بیان تھے۔ غالباً ۱۸۵۷ء کی دار و گیر میں اپنا وطن مہم چھوڑ کر رہتک جا بسے تھے۔ ان کے اجداد مہم میں ۱۲۸۶ء سے رہتے آئے تھے۔

الحاج علی حسین کے والد عطاء حسین تھے اور ان کے والد محمد مسعود اپنے زمانہ میں پرگنہ مہم کے سب سے بڑے جاگیر دار تھے۔ ان کی جاگیر ۱۸۳۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ضبط کر لی تھی۔ محمد مسعود کے بڑے بھائی محمد محفوظ خاں شہید ۱۸۰۶ء اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے علاقہ کا انتظام کرنے گئے تھے کہ زمینداروں سے مقابلہ پیش آیا اور آپ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ شہید کی زوجہ شاہ بدرالدینؒ (باب ۳) کی دختر تھیں اور دختر ڈاکٹر ظہور الدین رہتکی (۵۹ ب) کی پڑدادی تھیں۔

محمد مسعود خاں کے والد خان بہادر محمد احسان تھے۔ ان کی ایک مہر "محمد احسان میر عدل" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرگنہ مہم کے میر عدل تھے۔ ان کی ایک اور مہر تھی: "نصرالدولہ محمد احسان خاں بہادر نصرت جنگ ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ء)" ایک اور مہر "مستقیم الدولہ محمد احسان خاں بہادر سپہدار جنگ" کی پہلی مہر کنزالآثار میں مندرج ایک تحریر پر ہے۔ دوسری اور تیسری کے الفاظ معیار الانساب اور معرفت الانساب دونوں میں نقل ہوئے ہیں۔ خان بہادر محمد احسان مہم کے محلہ قضاۃ (پیرزادگان)

کے جس مکان میں رہتے تھے وہ بنگلہ کہلاتا تھا۔ اس کا اکثر حصہ چوبی تھا اور ستون ہاتھی دانت کے
تھے۔ یہ وہی مکان تھا جو بعد میں شاہ عبدالغنیؒ (باب ۵) نے خرید لیا تھا اور جس میں پیرزادہ ابراہیم
حنیف (باب ۱۱) رہتے تھے۔ محمد احسان کی ملکیت چوبیس گاؤں تھے اور انہوں نے اپنی اہلیہ کا مہر
ایک لاکھ اسی ہزار روپے اور سونے کا ایک ٹکہ (ٹنکہ = اشرفی) ادا کیا تھا۔ ۱۸۰۳ء میں انگریزوں
کی فوج کے کمانڈر انچیف نے دہلی فتح کیا۔ لارڈ لیک آگے بڑھ کر سکھوں سے ٹکر نہ لینا چاہتا تھا
اس نے دہلی چھوڑ کر جمنا سے ستلج تک کا علاقہ اپنے وفاداروں میں تقسیم کرنا چاہا۔ رہتک سے ہانسی
تک کے علاقہ کی پیشکش خان بہادر محمد احسان کو کی گئی مگر انہوں نے معذرت کی اور جے پور چلے
گئے۔ نہ معلوم وہاں سپہ سالار (کمانڈر انچیف) کی حیثیت سے گئے یا کسی اور حیثیت سے۔ آپ کی قبر
جے پور ریاست کے مشہور قلعہ آمیر کی فصیل کے ساتھ ہے۔ آپ کی اولاد سے محمد حسن صاحب کا بیان
ہے کہ آپ الور کی فوج کے کمانڈر انچیف تھے۔ باب ۳ میں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت شاہ غلام [illegible]
اپنے ماموں کے پاس پورب چلے گئے تھے۔ جہاں عم بزرگوار نے آپ کو چار پلٹنوں کا سردار بنایا
تھا۔ یہ سوتیلے ماموں خان بہادر محمد احسان تھے اور ضرور کسی اہم فوجی عہدے پر مامور ہوں گے۔
خان بہادر محمد احسان کے والد مفتی عبدالرحمان بن مفتی محمد جعفر اور ان کے اجداد کا ذکر باب
میں آچکا ہے۔

۲۸۔ محمد حسن

ہائی سکولوں میں مینول ٹریننگ انسٹرکٹر رہے۔ بڑی ہی باضابطہ زندگی کے عادی ہیں۔
ملتان چھاؤنی میں رہتے ہیں۔

۲۹۔ صدیق الحسن

ملتان میں حسن پروانہ روڈ پر رہتے ہیں۔ ریلوے میں ملازم تھے۔ ریٹائر ہو کر اب معمولی
سی تجارت کرتے ہیں۔

ا۔ شمس الحسن اور قمر الحسن آپ کے دو فرزند ہیں۔
ب۔ آپ کے والد مولوی ابوالحسن پنشنر فوجی سوار تھے۔ اوپر کی پشتوں کا ذکر نمبر ۲، ب ۲
آچکا ہے۔

---

8 اولاد حکیم ضیاء الحق بن حکیم نیاض الحق

- ؟ نثار الحق ؟ (۳۰)
- انصار الحق
  - اسرار الحق (۳۱)
  - افتخار الحق
    - نور الحق (۳۲)
    - محمود الحق (۳۳)

۳۰۔ نثار الحق (ڈاکٹر) ؟
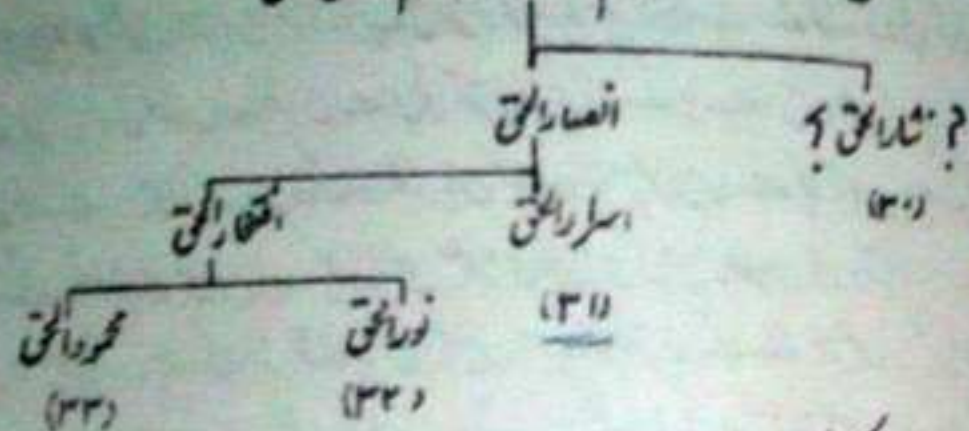
وطن ضلع لکھیم پور کھیری (یوپی) سے رہتک آ گئے تھے۔ وہاں سے برما چلے گئے۔ وہاں خانیا سول سرجن
تھے۔ وہیں ۱۹۱۸ء (؟) میں انتقال ہوا۔ وہاں آپ نے ایک برمی خاتون سے شادی کر لی تھی جس کے
بطن سے بتایا جاتا ہے تین فرزند اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ سب لڑکیوں کی شادی غیر خاندانوں میں ہوئی۔ ان
لڑکیوں کی اولاد مغربی پاکستان میں بتائی جاتی ہے۔ فرزندان کے نام نیاز الحق، امان الحق اور عبدالحق تھے۔
نیاز الحق پیدوم (برما) میں محکمہ آبکاری کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ نہ معلوم یہ اور ان کی اولاد اب کہاں ہے۔
عبدالحق کے متعلق سنا ہے کہ پیدوم میں گھڑیوں کی تجارت کرتے تھے۔

۳۱۔ اسرار الحق (۱۸۷۸ - ۱۹۵۳ء)

مولانا محمد اسرار الحق ٹونک میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپ کے نانا مولوی امین الدین (۹۵ ب)
برسرکار تھے۔ دینی ابتدائی تعلیم پکڑ رام پور اور پھر مدرسہ نعمانیہ لاہور میں تکمیل کی۔ چشتیہ، قادریہ، نظامیہ،
نقشبندیہ سلسلوں میں مرید اور خلیفہ مجاز تھے۔ رہائش قلعہ رہتک میں تھی۔ مگر وعظ و تلقین کے سلسلہ
میں اکثر باہر رہتے۔ ۱۹۲۳ء سے وفات تک جامع مسجد قصابان صدر کراچی کے خطیب رہے۔ آپ کی
شہرت بحیثیت واعظ کی تھی۔ بھاری بھرکم جسم، دراز قامت، کشادہ پیشانی، گورا چٹا رنگ اور نورانی
چہرے کے ساتھ وعظ کرنے کھڑے ہو جاتے تو مجمع ساکت و ساکن گھنٹوں آپ کو سنتا رہتا۔ روزہ رکھ کر
بھی کبھی دو دو تین تین وعظ کر جاتے اور کوئی وعظ دو گھنٹوں سے کم نہ ہوتا۔ صحت ایسی قابلِ رشک
تھی کہ ستر برس کی عمر میں بغیر عینک کے پڑھتے اور کھڑے ہو کر وعظ کرتے۔ پرکشش شخصیت اور خاموش
ماحول کے ساتھ جب آپ کی آواز گرجتی تو پانچ سات ہزار کے مجمع میں آخری صف میں بیٹھے ہوئے لوگ
بھی بآسانی سن سکتے تھے۔ آواز میں لوچ تھا۔ قوتِ حافظہ غضب کی تھی۔ ہندی، سنسکرت اور انگریزی
کے طویل اقتباسات بلاتکلف یادداشت سے پیش کرتے چلے جاتے۔ آپ کی تقریر میں حقائق، دلائل، جذبات

اور سنجیدہ مزاج کا خوشگوار امتزاج ہوتا۔ آپ کی تقریر کو ہر مذہب و ملت کے لوگ ذوق شوق سے سنتے۔ آپ اپنی ہی کہی ہوئی نعتوں اور نظموں سے اپنی تقریر مزین کرتے جاتے۔ ہمیں بھی آپ کا ایک وعظ سننے کا موقع ملا ہے۔ ابھی ایک دردناک واقعہ بیان کیا اور سامعین میں سے کچھ آبدیدہ ہو گئے۔ اور کچھ رونے لگے۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک ایسی پھلجھڑی چھوڑی کہ مجمع زعفران زار ہو گیا۔

برصغیر پاک و ہند کی اکثر چھوٹی بڑی انجمنیں آپ کو تقریر کے لئے بلاتیں۔ انجمن حمایت اسلام لاہور، انجمن اسلامیہ فیروزپور، انجمن اسلامیہ امرتسر، انجمن غوثیہ مونا تھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ یوپی، انجمن ہدایت الاسلام دہلی، انجمن خدام الصوفیہ علی پور سیداں وغیرہ انہیں ہر سال بلاتیں۔ مثنوی مولانا روم خوب پڑھا کرتے تھے۔ مثنوی سن کر ہی غالباً ۱۹۱۰ء کے ایک جلسہ میں سفیر کابل نے آپ کو طوطئ ہند کا خطاب دیا جو جلد ہی لوگوں کی زبان پر چڑھ گیا اور آپ کے نام کا جزو بن گیا۔

آپ کے مواعظ محض گرمئ محفل کا باعث نہ بنتے۔ ان سے لاکھوں کی اصلاح ہوئی اور ان کا دین سے شغف بڑھا۔ کم از کم چار سو غیر مسلم آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام لائے۔ ہمیں برصغیر پاک و ہند کے تقریباً تمام نامور مقررین اور واعظین کو سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی اور ہم عصر کے وعظ سے اثر پذیر ہو کر اتنی تعداد میں غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا ہو۔

خط نہایت پاکیزہ تھا۔ اتنا باریک لکھ سکتے تھے کہ ایک چاول پر پوری سورۂ اخلاص آ جاتی۔ اسرار تخلص تھا۔ حمد و نعت، بزرگان کی مدح اور دیگر اخلاقی نظمیں دیوانِ اسرار کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔ دیوانِ اسرار حصہ اول مطبوعہ ۱۳۴۲ھ دہلی ہمارے پیش نظر ہے۔ کلام معمولی ہے۔ شاید ۱۹۲۸ء کی بات ہے کہ آپ نے علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ کے ایک اجتماع میں نظم پڑھی صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔

امواج پر ہے بحرِ علی پور آج کل — شیطاں لعین ہو گیا کافور آج کل

اخبار زمیندار کے نکتہ نگار کو مسالہ مل گیا اور اس شعر کا فکاہی کالم میں کچھ اس طرح مذاق اڑایا کہ بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس تو سننے میں آئے تھے۔ اب طوطئ ہند نے بحرِ علی پور بھی دریافت کر لیا۔ نمونہ کلام:

ایک نعت سے صرف دو بند:

کچھ شک نہیں کہ جس کو محبت خدا سے ہے — اس کو لگاؤ مجلسِ خیر الوریٰ سے ہے
مقصودِ حق عشق اگر مصطفےٰ سے ہے — حاصل وہ بس حضور کی حبّ و ولا سے ہے

ہاں بزمِ ذکرِ حق و رسولِ انام ہے
ہر مرد و زن کے لب پہ درود و سلام ہے

اسرارِ حق یہ شغل مبارک ہے کس قدر — ذکرِ خدا کی خوبیوں کو سوچے گر بشر
مومن کا قلب جس سے ہو نورانی بیشتر — اس سے زیادہ نسخہ نہیں کوئی پُر اثر

ہاں بزمِ ذکرِ حق و رسولِ انام ہے
ہر مرد و زن کے لب پہ درود و سلام ہے

مرثیہ بر وفات علامہ اقبال سے دو بند:

ادب کی روح فصاحت کی جان تھا اقبال — جواہراتِ معانی کی کان تھا اقبال
وہ فلسفی حقیقت بیان تھا اقبال — کہ فخرِ خطۂ ہندوستان تھا اقبال
جہانِ فانی میں ایسا تھا میہمان اقبال
کہ دے کے درسِ بقا ہو گیا رواں اقبال

وہ فلسفی جلیل اور وہ شاعرِ اعظم — وہ ترجمانِ حقیقت وہ اک ادیب اتم
وہ نکتہ دانِ سیاست و خیر خواہ امم — ہر کون کو ہے اس کی صفات کا ماتم
نہیں ہے حادثہ یہ معمولی اس کی رحلت کا
وہ دورِ حاضرہ میں منتخب تھا امت کا

حضرت طوطئ ہند کا انتقال کراچی میں ہوا۔

۱۲۱و۔ آپ کی اولاد میں سے قیامِ پاکستان کے وقت چار فرزند تھے۔ جن میں سے ایک وفات پا چکے ہیں۔ غیر معمولی ذہانت سب کا وصفِ خاص ہے۔

خلفِ اکبر الحاج حکیم مولانا ابرار الحق متوسط القامت گورے چٹے سنجیدہ بزرگ ہیں۔ فرنگی محل لکھنؤ سے درسِ نظامی اور شاید لکھنؤ ہی سے کامل الطب والجراحت کی سند لی۔ کئی شہروں میں مطب کرتے رہے۔ راولپنڈی چوک صدر میں مطب کرتے تھے کہ خلافت کی تحریک زور پکڑ گئی۔ آپ اس رنگ میں رنگے گئے اور ۱۹۲۲ء میں حسبِ معمول ایک پُرجوش تقریر کی جس کی پاداش میں چھ ماہ قید فرنگ میں رہے۔ قیامِ پاکستان پر کراچی آ گئے۔ ۱۹۶۰ء میں بنیادی جمہوریت کے رکن منتخب ہوئے۔ کراچی میں مطب کرتے ہیں۔ تفسیرِ قرآن بڑے مؤثر انداز میں بیان کرتے ہیں۔ تقریر عالمانہ ہوتی ہے

(پتہ: الف ۳۶/۳ فیڈرل ایریا کراچی ۱۹)

مولانا ابرار الحق کے چار فرزند ہیں۔ بڑے عزیز الحق (المولد ۱۹۲۹ء) دفتر امور خارجہ پاکستان میں اسسٹنٹ ہیں۔ مالی پریشانی نے میٹرک کے بعد ہی ملازمت کے چکر میں ڈال دیا۔ چار سال سفارت پاکستان قاہرہ میں بطور اسسٹنٹ رہے۔ سوڈان وغیرہ بھی گئے اور عربی روانی سے بولنے لگے۔ پھر آٹھ سال سفیر پاکستان متعین تہران کے ساتھ رہے۔ یہاں فارسی بول چال پر قدرت حاصل کی اور عراق و لبنان بھی گئے۔ وہاں سے ۱۹۶۲ء میں واپس آئے۔ جس محنت وجانفشانی سے ان برادرِ عزیز نے اس جہانِ سابقت میں اپنا راستہ تراشا ہے وہ خاندان کے نوجوانوں کے لئے مشعلِ راہ رہے گا۔ عالی ساماں پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں اور خاندان کی حالت پر تڑپتے رہتے ہیں۔ صاحبِ اولاد ہیں۔ (پتہ: وزارت خارجہ کراچی) ان کے چھوٹے بھائی علی الحق (المولد ۱۹۳۱ء) نے ۱۹۶۲ء میں کراچی سے ایم کام پرائیویٹ کیا اور فی الحال مشہور فرم مے اینڈ بیکر کی شاخ کراچی میں سیلز اسسٹنٹ ہیں۔ مولانا ابرار الحق کے تیسرے فرزند الحاج ڈاکٹر متعال بالحق (المولد ۱۹۳۳ء) کو اس خاندان سے پہلا پی۔ایچ۔ڈی ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ آفرین صد آفرین۔ یہ بات نہیں کہ گھر سے خرچ ملتا رہا اور یہ ڈگریاں حاصل کرتے رہے بلکہ آفرین اس بات پر ہے کہ جو کچھ کیا اپنی ہمت سے کیا۔ کماتے رہے اور پڑھتے رہے۔ کراچی یونیورسٹی سے بی۔اے (اکنامکس) کرنے کے بعد وطن سے نکل کھڑے ہوئے۔ مشرق وسطےٰ میں ملازمت اور حج کرتے ہوئے یورپ چلے گئے۔ انٹرنیشنل سکول آف اکنامکس برگیس (بلجیم) سے پوسٹ گریجویٹ کی ڈگری لی۔ جرمنی جاکر وہاں کیل یونیورسٹی میں اپنا مقالہ تیار کیا اور سوئٹزرلینڈ کی باسل یونیورسٹی سے اکنامکس میں پی۔ایچ۔ڈی کیا۔ اب اسی یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنس میں پروفیسری ___ ان کے چھوٹے بھائی علام الحق المولد ۱۹۴۹ء آٹھویں جماعت میں پڑھتے ہیں۔

حضرت طوطئ ہند کے دوسرے فرزند قاری انوار الحق (۱۹۰۰ - ۱۹۴۹ء) نے مشہور قاری عبدالخالق سہارنپوری سے سندِ قرأت پائی تھی۔ مصری لہجہ میں ایسی خوبی سے تلاوت کرتے کہ عرب بھی خوش ہو جاتے۔ عزیز الحق صاحب نے بتایا ہے کہ کراچی میں وفات پائی۔ قاری انوار الحق مرحوم کے خلفِ اکبر نثار الحق میٹرک پاس ہیں۔ کراچی میں مرکزی سیکرٹری ایٹ میں کیشئر ہیں۔ ان میں دادا کی صفات پائی جاتی ہیں۔ مرید بھی کرتے ہیں۔ مشہور میلاد خواں ہیں۔ تین تین ماہ پیشتر میلاد خوانی کا آپ کا پروگرام بنا رہتا ہے۔ قاری انوار الحق مرحوم کے دوسرے فرزند حماد الحق کسی مل میں کام کرتے ہیں۔

طوطئ ہند کے تیسرے فرزند ذکار الحق اختر شادانی (المولد ۱۹۱۰ء) گورنمنٹ ہائی سکول کیمبل پور میں مدرس السنہ شرقیہ ہیں۔ شادانی اس لئے کہ علامہ اولاد حسین شادان بلگرامی سے فارسی پڑھ کر مشق سخن کی

كيا تھا۔ میو سکول آف آرٹس لاہور سے ڈرائنگ اور نجاری کے سند یافتہ ہیں۔ شریف النفس اور شگفتہ انسان ہیں۔ جسم بھرواں ہے اور قد میانہ۔ محنت اور استقلال اور عدم مرعوبیت آپ کے خاص اوصاف ہیں۔ آپ کے دونوں فرزند احتشام الحق اور اظہار الحق ابھی خورد سال ہیں۔ اختر تخلص کرتے ہیں۔ (پتہ: ۹۴ ای کیمبل پور) ایک نعت کے کچھ شعر ملاحظہ ہوں:

مولا جس سے منقعہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو	ہم عاجزوں کے غم کا مداوا تمہی تو ہو
رتبہ بلند سب سے خدا نے جسے دیا	عرشِ بریں پہ جس کو بلایا تمہی تو ہو
ادنیٰ سے اک اشارہ انگشتِ پاک سے	جس نے کیا تھا چاند دو پارہ تمہی تو ہو
وہ جس نے اپنے شانۂ دانش سے بگیاں	فطرت کے گیسوؤں کو سنوارا تمہی تو ہو
تاریک آندھیوں میں جلائی ہیں مشعلیں	ظلمت کدوں میں شمع فروزاں تمہی تو ہو

اختر سے مردہ دل کو عطا زندگی کرو
افسانۂ حیات کا عنوان تمہی تو ہو

طوطئ ہند کے چوتھے فرزند انصار الحق (پتہ: کوارٹر نمبر ۱۰ ڈرگ روڈ کالونی نمبرہ۔ کراچی نمبر ۲۷) میں تعلق توڑیں بہت ہیں۔ پیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ آج کل تجارتی پیشہ کرتے ہیں۔ قوت گویائی ورثہ میں پائی ہے۔ آپ کی فرم کا نام انصار پبلسٹی سروس ہے۔

۳۱ب۔ طوطئ ہند مولانا اسرار الحق کے والد انصار الحق (۱۸۵۱ء - ۱۹۲۳ء) قصبہ محمدی ضلع کھیم پور کھیری (یوپی) میں تولد ہوئے۔ وہ بچپن میں رہتک آ گئے تھے۔ وہیں مستقل سکونت اختیار کی اور وہیں انتقال ہوا۔ دبلے پتلے، طویل القامت، چہرہ کتابی، رنگ بالکل سفید، طبیعت سادہ، منکسر المزاج، نرم دل اور خوش خلق بزرگ تھے۔ فن خطاطی اور بالخصوص خط گلزار کے ماہرین میں سے تھے۔ انگریزی بھی جانتے تھے۔ برما میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر نثار الحق کے زیرِ نگرانی انگریزی کی تعلیم پائی۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ آپ کے کچھ منظوم خطوط اور کچھ مثنویاں الحاج ضیاء الحق (۲۷) کے پاس کراچی میں ہیں۔

انصار الحق کے والد حکیم عیاض الحق کا محمدی میں ۳ ربیع الاول ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) میں انتقال ہوا۔ ان کے والد الحاج مولوی حکیم فیاض الحق (متوفی ۴ رمضان ۱۲۶۹ھ = ۲۱ جون ۱۸۵۳ء) فوج میں ملازم تھے۔ انہوں نے اور مولانا حافظ الدین (رباب ۳) نے ایک ہی سال حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔ واپسی میں بمبئی میں جہاز سے اتر رہے تھے کہ ایک موج بہا کر لے گئی اور نعش نہ ملی۔ عالم و فاضل اور مصنف تھے۔ آپ کی مصنفات میں سے ہمیں صرف مولود نامہ اور قیامت نامہ کے ناموں

کا علم ہو سکا۔ مولود نامہ کا قلمی نسخہ الحاج ضیاء الحق (۲۰۲) کے پاس ہے۔ ۱۲۵۵ھ میں لکھا گیا۔ کل ۱۵۴ صفحے ہیں جن میں سے ۹ سے ۵۸ صفحوں پر بیشتر نثر ہے۔ نمونہ:

مرے ایک مشفق ہیں عبد الکریم   شریعت کے اوپر ہیں وہ مستقیم
جو قصبہ محمدی کا مشہور ہے   اوسی میں مکان ان کا معمور ہے
مکان ان کا ہے میرے گھر کے قریب   خدا نے کیا ان کو صاحب نصیب
کہ ایک دن مجھ سے کہا اے یار من   کہے تو نے اکثر ہیں شعر و سخن
نہیں کوئی مولود نامہ کہا   اسی کا یہ ارمان مجھ کو رہا
خدا کا کرم جب کہ مجھ پر ہوا   رسالہ یہ منظوم میں نے لیا
بسن بارہ سو اور پچپن کہا   ز ہجرت رسول شفیع الورا

سنو حال معراج اے مومناں   کہ فیاض کرتا ہے ہندی زباں

بھرے غار ہوتے ہیں حشرات سے   نہیں خالی ہوتے ہیں آفات سے
توقف ذرا آپ فرمائیے   کروں صاف اس کو تو پھر آئیے
جو تکلیف ہوتی ہر وہ ہو مجھے   تنِ نازنیں پر نہ آئے ٹلے
غرض یہ کہ صدیقؓ عالی گہر   گئے غار کے بیچ میں تب اتر
بہت تنگ و تاریک پایا اسے   کیا صاف تب اس کو صدیقؓ نے
نظر آئے پھر اس میں سوراخ چند   کیا اپنی چادر کے ٹکڑوں سے بند
مگر ایک سوراخ باقی رہا   کوئی پاس ان کے نہ ٹکڑا بچا
انگوٹھے سے پاؤں کے وہ بند کر   کہا آؤ تشریف خیر البشر
خدا کا وہ محبوب داخل ہوا   بزانوئے صدیقؓ سر رکھ دیا
پھر آرام سے آپ واں سو گئے   تعلق سے فارغ نبی سو گئے
پھر اک سانپ آیا بحکم خدا   تو کاٹا انگوٹھا ابو بکر کا
کیا درد سے ضبط صدیقؓ نے   پھر آخر کو آنسو ٹپکنے لگے
گرا اشک چہرہ مبارک پہ جب   پڑے چونک اس وقت شاہ عرب

لگے پوچھنے حال صدیقؓ سے   کہ کیونکر ترے اشک بہنے لگے

....

الٰہی تو یہ خوب ہے جانتا   میں پوتا ہوں حضرت ابو بکرؓ کا

غزل مستزاد در مفارقتِ رسول

جب احمد مرسل ہوئے فردوس سدھارے   افسوس صد افسوس
عالم ہوا تاریک اس اندوہ کے مارے   افسوس صد افسوس
سورج ہوا بے نور بہانے لگا آنسو   منہ ڈھانپ کے اپنا
بے نور ہوئے چرخ پہ مہتاب ستارے   افسوس صد افسوس
جبریل امیں نعشِ پیمبر پہ تھے گریاں   باجملہ ملائک
کہتے تھے دیا داغ ہمیں تم نے پیارے   افسوس صد افسوس
سب اہلِ حرم کلبۂ احزانِ نبی میں   با آہ جگر سوز
کہتے تھے کہ ہم ہو گئے اب گور کنارے   افسوس صد افسوس
بی عائشہ فرماتی تھیں اس طرح سے رو کر   اے خیر پیمبر
تنہا ہمیں تم چھوڑ کے جنت کو سدھارے   افسوس صد افسوس
اے مومنو تھا حضرت حفصہ کا عجب حال   کہتی تھیں کہ ہے ہے
اب شہر مدینے سے اٹھے سائیں ہمارے   افسوس صد افسوس
صدیق و عمر روتے تھے با حال پریشاں   در مسجد نبوی
اور حضرت عثمان بھی رو کر یہ پکارے   افسوس صد افسوس
دل تھامے ہوئے کہتے تھے انصار و مہاجر   یا شاہ جن و انس
تنہا ہمیں تم چھوڑ کے کس سمت سدھارے   افسوس صد افسوس
اور ابن انس مر گئے بس روتے ہی روتے   در فرقت احمد
آنکھوں سے بہے ان کی است خوں کے دھارے   افسوس صد افسوس
اس واقعہ جانکاہ کا احوال لکھوں کیا   فیاض ہو خاموش
پھٹتا ہے کلیجہ مرا اس درد کے مارے   افسوس صد افسوس

نمونہ نثر:

"معارج النبوت" میں نقل ہے کہ حضرت شبلی قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ میرے ہمسایہ
میں ایک شخص مرگیا۔ میں نے اس کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تیرے ساتھ
کیا معاملہ کیا ہے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اے شبلی میں اپنا حال کیا بیان کروں کہ جس وقت
لوگ مجھ کو قبر میں رکھ کر چلے تو منکر نکیر ڈراونی صورت سے میرے پاس آئے اور ان کے ہاتھ
میں آتشیں گرز تھے۔ مجھ سے پوچھا کہ کون تیرا رب ہے اور رسول تیرا کون ہے اور دین
تیرا کیا ہے۔ پس میں ان فرشتوں کی صورت دیکھ کر ڈر گیا اور زبان میری گونگی ہوگئی
جواب نہ دے سکا اور میرے ہوش و حواس جاتے رہے اور ان کے سامنے عاجز ہوگیا
حالانکہ میرا خاتمہ ساتھ ایمان کے ہوا تھا۔ واللہ اعلم میری زبان کیوں بیچ گئی مجھ سے
کیا قصور ہوا ہوگا۔ اسی وقت مجھ کو غیب سے آواز آئی کہ تیری زبان اس لئے بیچ
گئی اور تو گونگا ہوگیا کہ دنیا میں گالیاں اور فحش بکتا تھا۔"

یہ میلاد نامہ اس موضوع پر اور کتابوں سے مختلف ہے۔ عام مولود نامے نور محمدی کی پیدائش
سے شروع ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پر ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر اس میں سیرت پاک
سے جستہ جستہ واقعات لے کر بھی نظم کئے گئے ہیں۔ یہ ۱۲۵۵ھ ۱۸۳۹ء میں لکھا گیا۔

الحاج مولوی فیاض الحق کے چھوٹے بھائی حکیم عزیز الحق متوفی ۱۸۵۵ء لکھنؤ کے دارالشفاء کے
مہتمم تھے اور شاہِ اودھ نواب واجد علی شاہ کے مرض برص کا صرف خوشبو سے علاج کرنے پر آپ کو انعام
جاگیر ملی تھی۔ اس جاگیر میں یوپی کے موجودہ ضلع لکھیم پور کھیری کے مواضع گوکن، دلاد پور، اسفار نگر، بجگو،
گرنٹ اور خاص محمدی میں جو اس وقت ضلع کا صدر مقام تھا چک بڑھیا اور ایک باغ شامل تھے۔
مولوی فیاض الحق کے سپرد اس جاگیر کا انتظام تھا اور وہ محمدی میں رہتے تھے۔

الحاج مولوی فیاض الحق کے والد حفیظ الحق خاندان سے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے قصبہ
کھیری میں اپنا مکان تعمیر کرایا۔ یہ مکان محلہ سید واڑہ میں تھا۔ حفیظ الحق غالباً [illegible] میں تولد ہوئے۔ ملازمت
کے سلسلہ میں دہلی رہے پھر اودھ کی فوج میں کسی عہدے پر مامور ہوکر لکھنؤ چلے گئے۔ دوران ملازمت
محمدی میں قیام رہا۔ انتقال لکھنؤ میں ۲۸ رمضان ۱۲۵۹ھ ۲۲ اکتوبر ۱۸۴۳ء کو ہوا۔

حفیظ الحق کے والد حکیم قاضی فضل الحق ریاست بہادر گڑھ (اب یہ علاقہ ضلع رہتک میں
ہے) کے قاضی تھے۔ اس منصب پر وہ ۱۲۲۸ھ میں فائز تھے۔ ہمارے پاس ان کے دستخط "فضل الحق ولد
شیخ ثناء الحق بخطہ" (مہر) ۱۷ شوال ۱۲۲۷ھ ۱۸۱۲ء کے ایک بیعنامہ پر موجود ہیں جو ہم نے لکھا گیا۔ اس

پر ہادیٔ ہیرانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید محمیؒ (باب ۵) کے بھی شہادتی دستخط ہیں۔
حکیم قاضی فضل الحق کے والد ثناء الحق کی بیضوی خورد نستعلیق خوشخط مہر "ثناء الحق" ۱۵ شعبان ۱۲۱۱ھ
۱۷۹۷ء کی ایک رسید پر ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ان کی وفات ۹ ذی الحجہ کو ہوئی۔ سن نامعلوم ہے۔
ثناء الحق کے والد قاضی نور الحق ریاست بہادر گڑھ کے قاضی تھے۔ وہیں ۱۷ ذیقعدہ ۱۱۷۹ھ
۱۷۶۶ء کو وفات پائی۔ آپ کی مہر "نور الحق بن شیخ محمد اسلم صدیقی ۱۱۶۴ھ" ۱۱ جمادی الاول ۱۱۶۵ھ اور
آپ کے دستخط "نور الحق ولد شیخ محمد اسلم" ۱۰ ربیع الثانی ۱۱۲۲ھ اور ۱۲ رمضان ۱۱۶۲ھ کی تحریروں پر
ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

قاضی نور الحق کے والد شیخ محمد اسلم کے دستخط "محمد اسلم ولد شیخ حبیب اللہ مفتی بخطہ" ہمارے
پاس ۲۷ شوال ۱۰۹۰ھ، ۲۴ رجب ۱۰۹۶ھ، ۱۰ ربیع الثانی و ۱۱ شوال ۱۱۰۰ھ کی تحریروں پر
محفوظ ہیں — آپ کے والد مفتی حبیب اللہ (۱۶۱۹ - ۱۶۸۲ء) اور ان کے اجداد کا تذکرہ باب ۲
میں کیا جا چکا ہے۔

محمدی کی آبادی اس وقت تیس ہزار کے قریب ہوگی۔ خاندان کے افراد دیوی تھان اور شکلاپور
محلوں میں آباد ہیں۔ محلہ دیوی تھان میں کوئی ہندو آباد نہیں اور شکلاپور میں مسلم اکثریت ہے۔ قصبہ
محمدی ریلوے لائن پر واقع نہیں۔ یہ گولا گوکرن ناتھ اور شاہجہان پور ریلوے اسٹیشنوں سے بیس
بیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور یوپی کے ضلع کھیری لکھیم پور میں ہے۔ لکھیم پور سے محمدی پختہ
راستے سے چالیس اور کچے راستے سے تیس میل کے فاصلہ پر ہے اور لکھیم پور لکھنؤ سے پچاسی میل کے فاصلہ
پر ہے۔ کھیری ایک قصبہ ہے جو لکھیم پور ریلوے اسٹیشن سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ضلع کا نام کھیری
لکھیم پور ہے اور صدر مقام لکھیم پور ہے۔ کھیری یا لکھیم پور میں اس وقت اپنے خاندان کا کوئی فرد
نہیں رہتا۔

۴۲۔ نور الحق (۱۹۱۱ء - ۱۹۶۱ء)

[illegible] صوفی محمد نور الحق اختیاری کا انتقال کلکتہ میں ہوا۔ اپنے والد کے خلیفۂ مجاز اور جانشین
تھے۔ اولاد میں صرف چار لڑکیاں چھوڑیں۔

۴۳۔ محمود الحق (المولد ۱۹۲۵ء)

۵-۲/۱۶۱ سعود آباد کالونی۔ ڈاک خانہ ماڈل کالونی۔ کراچی ۲۷۔

قد و قامت اچھا ہے اور کم آمیز ہیں۔ سیرام پور بنگال میں ان کی تمباکو فیکٹری تھی۔ قیام پاکستان

پر ڈھاکہ جاکر مارشل تباکو فیکٹری کھولی۔ یہ پاکستان میں سگار سازی کی پہلی فیکٹری تھی۔ ڈھاکہ میں کاروبار نہیں چل سکا تو کراچی آکر تباکو فیکٹری کھولی۔ اسے چھوڑ کر کراچی میں مارشل پروویژن سٹور کھولا۔ ۱۹۶۱ء سے مرکزی حکومت کے محکمہ سوشل ویلفیئر میں ٹیکنیکل انسٹرکٹر ہیں۔ محمدی ضلع کھیری لکھیم پور میں خاکسار تحریک کے ناظم اعلیٰ تھے۔ پھر تحریک قیام پاکستان میں حصہ لیا۔ بنگال کے سابق بنگال میں مسلم نیشنل گارڈز کے ناظم اعلیٰ تھے۔ پاکستان کو آزادی ملی تو سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔

ا۔ آپ کی اولاد میں آٹھ لڑکیاں ہیں۔

ب۔ محمد محمود الحق صاحب کے والد حضرت حکیم صوفی افتخار الحق چشتی القادری (۲۰-۱۰-۱۸۸۰ء) کو لکھیم پور میں پیدا ہوئے۔ والد سے الگ ہو کر دہلی، لکھنؤ اور بدایوں میں عربی اور طب کی تعلیم پائی۔ طبابت اس حد تک کرتے کہ قوت لایموت کے لئے ازبس ضروری ہو۔ بڑودہ، سورت، علی گڑھ اور کلکتہ میں مطب کیا۔ سولہ روپے وزٹنگ فیس تھی۔ شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے۔ لباس بھی فاخرہ ہوتا۔ بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ بھاری مگر موزوں جسم تھا۔ بارعب چہرہ تھا۔ ایک وقت کھانا کھاتے اور بہت تھوڑا کھاتے مگر باورچی باکمال رکھتے۔ نظام حیدرآباد کا سابق باورچی عظیم اللہ آپ کے پاس ایک مدت تک رہا۔ بڑے ہی عبادت گزار اور شب بیدار تھے اگر کبھی نماز قضا ہو جاتی تو اپنے جسم کو خوب سزا دیتے۔ رومال میں چابیوں کا گچھا بندھا ہوتا اسے اپنے جسم پر اتنا مارتے کہ خون نکل آتا۔ رات کے وقت اپنی زوجہ کے ہاتھ میں قمچی دے کر انہیں بٹھا دیا کرتے تھے کہ اگر اونگھ آئے تو چھڑی لگائیں۔ بڑے ہی سخت گیر تھے۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ غصہ آ جاتا تو الامان الحفیظ۔ ۱۹۲۳ء میں لکھنؤ میں قیام تھا کہ بائیں طرف فالج پڑا جو آخری عمر تک رہا۔ ساتھ ہی کمر پر ایک پھوڑا کاربنکل نکلا جس کا قطر ایک بالشت تھا مگر اس جسمانی تکلیف کے باوجود نہایت صبر و شکر سے عبادت میں مشغول رہتے۔

مسئلہ وحدت وجود میں بڑا غلو کرتے۔ ۱۹۲۳ء میں بعض علمائے ہند نے آپ پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ آپ نے ایک کتابچہ میں ان علماء سے نواسی سوالات کئے۔ اپنے ایک رسالہ "جواز تعزیہ" میں دعویٰ کیا ہے کہ اگر میرے دلائل کو غلط ثابت کر دیا جائے تو میں اپنے پانچ لاکھ مریدوں کے ساتھ شاگرد ہو جاؤں گا۔ آپ کا ایک اور رسالہ رشید رشید تحقیقی بھی شائع ہو چکا ہے۔ ایک اور رسالہ حقیقت بیعت کا مسودہ موجود ہے۔ صوفی شاعر تھے۔ بسمل تخلص تھا۔ آپ کا مجموعہ کلام دیوان بسمل کے نام سے موجود ہے ابھی طبع نہیں ہوا۔ آپ کے فرزند صوفی محمد محمود الحق آپ کی سوانح عمری شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

آپ نے پیری مریدی کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ بڑی ہی جذباتی تقریر کرتے۔ سفری ہند خطاب تھا۔ آپ کے ہاتھ پر متعدد غیر مسلم اسلام لائے جن میں انگریز عیسائی، یہودی، سکھ اور ہندو بھی شامل ہیں۔ پنڈت حبیب الرحمٰن پروفیسر سنسکرت علی گڑھ یونیورسٹی پہلے ہندو تھے۔ آپ کے مواعظ حسنہ سے متاثر ہو کر اسلام لائے۔ وسط ہند کی ریاست راج گڑھ کے راجہ (نواب بہادر حبیب اللہ خان) ڈھاکہ کے خسر کو بھی آپ نے ہی مسلمان کیا۔ انتقال کلکتہ میں ہوا۔ مزار آستانہ افتخاریہ کے نام سے کلکتہ میں تپسیا کے مقام پر ہے۔ آپ کا عرس ۷ اور ۸ جمادی الاول کو ہوتا ہے۔ آپ کے اجداد کا تذکرہ نمبر ۳۱ ب پر ملاحظہ ہو۔

[illegible]

۹ ــــ اولادِ ریاض الحق بن مولوی فیاض الحق

رضوان الحق

عمران الحق	فرقان الحق	رمضان الحق
(۳۶)	(۳۵)	(۳۴)

۳۴۔ رمضان الحق (۱۸۹۳ - ۱۹۵۹ء)

حکیم مولوی رمضان الحق کا مولد و منشا قصبہ محمدی ضلع کھیری لکھیم پور (یوپی) ہے۔ الحاج قاری محمد احسن سے قرآن پڑھا اور ابتدائی تعلیم حاصل کی اور دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور سے سنہ ۱۹۱۶ء میں سندِ فراغت لی۔ دیوبند ہی سے طب پڑھ کر حکیم مختار احمد امروہوی سے شہر بریلی میں طب کی عملی تعلیم پائی اور محمدی جا کر مطب کھول لیا۔ یہ بزرگ پیدائشی مریض تھے اور اپنی وفات تک مریض رہے بخار کے دورے پڑا کرتے تھے مگر آپ کے علاج سے لاکھوں نے شفا پائی۔ تقویٰ آپ کی خصوصیت تھی۔ جہاں شبہ ہوتا کہ اکلِ حلال نہیں وہاں فیس نہ لیتے۔ غربا سے بھی فیس نہ لیتے۔ بلکہ انہیں دوائیاں بھی مفت دیتے۔ ایک مریض خانہ بنایا ہوا تھا جہاں طعام و قیام کا انتظام بھی مفت تھا۔

شکار کا شوق تھا مگر نہ تو بندوق چلا سکتے تھے نہ پیدل چل سکتے تھے اور نہ ہی شکار کا گوشت کھاتے تھے۔ امرا ہاتھی وغیرہ پر بٹھا کرلے جاتے۔ مالی حالت اچھی نہ تھی۔ مجبور ہو کر دو مرتبہ دار العلوم دیوبند میں ملازم ہو کر درس دیتے رہے۔ شاہجہانپور کے عربی مدرسہ میں بھی پڑھاتے رہے۔

جوانی ہی میں پرجوش مبلغ تھے۔ عمر کے ساتھ وعظ و تلقین کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ ضلع کھیری لکھیم پور کے ایک ایک گاؤں میں وعظ کیا۔ محمدی میں ہر سال ایک تبلیغی کانفرنس منعقد کراتے۔ اس موقع کے علاوہ بھی علما کو محمدی میں بلاتے رہتے۔ آزادیٔ ہند کے بعد آپ نے محسوس کیا کہ اپنے وطن محمدی میں دینی تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے آپ نے ایک جامع منصوبہ بنایا۔ مدرسہ کی مالی امداد کے لئے مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا سید محمد میاں دہلوی کے دستخطوں سے اپیلیں شائع ہوئیں۔ محمدی میں مدرسہ انجمن اسلامیہ تو کوئی ایک صدی پہلے سے تھا۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں آپ نے اس میں عربی تعلیم کا انتظام کیا۔ اس کے لئے آپ نے کلکتہ اور ہمالیہ کی ترائی (دگا نجرا) کے دورے کئے۔ اس مدرسہ کے قیام سے پیشتر بھی آپ باقاعدگی سے درس دیا کرتے تھے۔ آپ کے درس میں انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص بھی بڑے شوق سے شرکت کرتے۔ آپ کی یہ درس گاہ اقامتی بھی تھی جس میں بنگال، برما اور افغانستان کے طالب علم بھی حصولِ علم کرتے رہتے تھے۔ یہاں بھی طلبا کے قیام و طعام کا انتظام مفت تھا۔ آپ نے قصبہ کی ایک معمولی سی مسجد کو وسعت دے کر بڑا بنوایا۔ آپ کی چالیس سالہ مساعی کا اثر اذہان پر جو ہوا ہو گا اس کا تو اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ظاہرا ثمر یہ تھا کہ قصبہ کی تمام مساجد آباد ہو گئیں۔ جس مسجد میں نمازِ جمعہ کے لئے بمشکل پچاس مسلمان آیا کرتے تھے اس میں نمازیوں کی تعداد ایک ہزار تک ہو گئی۔ ضلع لکھیم پور کھیری اور اس سے ملحقہ اضلاع میں آپ کی بڑی ہی قدر و منزلت تھی۔

ا۔ آپ کی اولاد میں صرف ایک فرزند حکیم مولوی نظام الحق ہیں جو سنہ ۱۹۲۶ء میں محمدی میں تولد ہوئے۔ فاضل دیوبند ہیں۔ اپنے والد اور حکیم مختار احمد سے تکمیل طب کی۔ محمدی ہی میں طبابت کرتے ہیں۔ جامع مسجد محمدی کے خطیب ہیں۔ آپ کے والد کا قائم کردہ مدرسہ ادارہ محمودیہ بھی آپ کی نگرانی میں چل رہا ہے۔ علاقہ کے لوگ دینی مسائل میں آپ سے رجوع کرتے ہیں۔ صاحبِ اولاد ہیں۔ پتہ: محلہ دیپی استھان قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری۔ انڈیا۔

ب۔ حکیم مولوی رمضان الحق کے والد ڈاکٹر رضوان الحق (۱۸۵۶ - ۱۹۲۶ء) وٹرنری سرجن تھے۔ ان کے والد ریاض الحق حکیم فیاض الحق (۳۱ ب) کے خلفِ ثانی تھے۔

۳۵۔ فرقان الحق (المولد ۱۹۰۲ء اندازاً)

محلہ دیپی استھان قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری۔ یوپی۔ انڈیا۔

مولوی فرقان الحق قاضی علاقہ اور محمدی کی جامع مسجد کے پیش امام ہیں۔ اسی قصبہ کی انجمن اسلامیہ کے مدرسہ اسلامیہ میں مدرس ہیں۔

ا۔ آپ کے خلفِ اکبر برہان الحق قصبہ محمدی کے محلہ بازار گنج میں سائیکل مرچنٹ ہیں۔ صاحبِ اولاد ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی عثمان الحق المولد سنہ ۱۹۳۷ء اور سلمان الحق ابھی تک غیر شادی شدہ ہیں۔

۳۶۔ عمران الحق (المولد ۱۹۰۷ء اندازاً)

ایل ۴۔ کوارٹر نمبر ۳۲۔ بینا روڈ۔ محلہ برمامینس۔ شہر جمشید پور۔ صوبہ بہار۔ انڈیا۔

مولوی عمران الحق ٹاٹا کمپنی جمشید پور میں ملازم ہیں۔

ا۔ محمد ایوب، محمد یعقوب، محمد یوسف اور محمد یونس آپ کے فرزند ہیں۔ ان میں سے اوّل الذکر شادی شدہ ہیں۔

منہاج الحق	احتیاج الحق	اندراج الحق
ضیاء الحق (۳۷)	(۳۸)	(۳۹)

۳۷۔ ضیاء الحق (المولد ۱۹۱۶ء)

کے ۶/۴ ۔ ماڈل کالونی ۔ کراچی ۲۷

الحاج محمد ضیاء الحق بی اے بی ٹی کراچی کے کسی ہائی سکول میں تعلیم دیتے ہیں۔ اور ہو بہو میرے بزرگ ہیں۔ وضع قطع اور شکل وشباہت سے مشرقیت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دُبلے پتلے ہیں۔ رنگ گندم گوں ہے۔ کراچی سے ہر سال موسم گرما گزارنے ایبٹ آباد جاتے ہیں جہاں آپ کے سکنی مکان ہیں۔ راقم الحروف سے انس ہے۔ راستہ میں صرف تین روز میرے ہاں قیام کرتے ہیں۔ پیدائش اپنے نانا مولوی یمین الدین کے ہاں بھوپال کے قصبہ آشٹہ میں ہوئی مگر محمدی کے رہنے والے ہیں۔ ایک جگہ جم کر کام نہیں کر سکے۔ ایسے یونانی ڈویژن سکول شاہجہان پور، ایونگ کرسچن کالج الٰہ آباد، گورنمنٹ جوبلی انٹر کالج، کرائسٹ چرچ کالج اور علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ سنہ ۱۹۴۰ء میں آگرہ یونیورسٹی سے بی اے اور اگلے سال علی گڑھ یونیورسٹی سے بی ٹی کیا۔ ساڑھے پانچ سال آرمی ایجوکیشن کور میں افسر کمشنڈ رہے اور ایک سال جزل اور دہلی میں اسسٹنٹ ری ہیبی لی ٹیشن ایڈوائس آفیسر رہے۔ قیام پاکستان پر کراچی اکاؤنٹنٹ جنرل میں اسسٹنٹ ہوئے۔ مگر پھر محکمۂ تعلیم میں آ گئے۔

ضیاء الحق صاحب کی ایک ہمشیرہ پروفیسر شفیق بانو صاحبہ (مس ایس بی منہاج) جو آج کل بہاول پور کے کالج میں ہیں۔ اس سے قبل گورنمنٹ زنانہ کالج کوئٹہ کی نو سال تک پرنسپل رہی ہیں۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں بی اے اور اگلے سال بی ٹی کیا۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں وہیں سے ایم اے (پرائیویٹ) کر کے جون میں کراچی آ گئیں اور سنہ میں سندھ یونیورسٹی کراچی سے ایم اے جغرافیہ کیا۔ پھر پی۔ ایچ ڈی کی تیاری کرتی رہیں۔ مگر سلسلہ ملازمت میں آ کر یہ کام ادھورا رہ گیا۔ یہ اس خاندان کی خواتین سے پہلی ایم اے ہیں۔ مردوں میں آپ سے پہلے صرف پیرزادہ محمد حسین عارف (باب ۲) نے ایم۔ اے کیا۔

ا۔ الحاج ضیاء الحق کے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں۔

ب۔ آپ کے والد منہاج الحق (۱۸۷۹ - ۱۹۴۳ء) لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ محمدی میں ابتدائی تعلیم پائی اور ڈاکٹر نثار الحق (۳۰) کے پاس برما چلے گئے۔ وہاں ڈاکٹر صاحب موصوف اور ان کے چھوٹے بھائی انعام الحق (۳۱ب) سے انگریزی پڑھی اور کچھ عرصہ ریلوے میل سروس میں سارٹر رہ کر سنہ ۱۸۹۹ء میں محمدی واپس آ گئے۔ یہاں محکمۂ پولیس میں بطور کانسٹیبل بھرتی ہوئی اور حسن کارکردگی کے باعث سنہ ۱۹۱۶ء میں نائب انسپکٹر درجہ اول ہو گئے۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں ریٹائر ہو کر محمدی ہی میں انجمن اسلامیہ کی خدمت کرتے رہے۔ وہیں انتقال ہوا۔ آپ کا جسم بھاری بھرکم مگر کسرتی تھا۔ اعضا مضبوط تھے۔ قدرت نے آپ کو حافظہ اور مشاہدہ کی قوتیں معمول سے زیادہ عطا کی تھیں۔ آپ کی ایک بیاض جس میں منتخب اشعار ہیں آپ کے فرزند ضیاء الحق صاحب کے پاس ہے۔ ڈائری نہایت باقاعدگی سے لکھتے۔ چنانچہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء سے وفات سے آٹھ روز پہلے یعنی ۷ ستمبر سنہ ۱۹۴۳ء تک کی آپ کی ڈائری چار جلدوں میں آپکے فرزند کے پاس ہے۔

منہاج الحق کے والد مولوی سراج الحق (متوفی ۱۹۱۶ء) لکھنؤ میں تولد ہوئے اور لکھیم پور ہی میں فوت ہوئے۔ موہن لال گنج ضلع لکھنؤ میں سب رجسٹرار کے منصب پر فائز رہے۔ ریٹائر ہو کر پھر اپنے وطن محمدی چلے گئے۔ عربی اور فارسی ادب کا ذوق تھا اور قصوں سے خاص لگاؤ۔ آپ کی تصنیفات مسودات کی شکل میں الحاج ضیاء الحق (۳۷) کے پاس ہیں جن میں پدماوت کو مختصر کر کے اردو نثر میں لکھا ہے۔ یہ اردو نثر ایک سو چھپن صفحات پر مشتمل ہے اور یکم اپریل سنہ ۱۹۱۶ء کو تکمیل کو پہنچی۔ ایک اور قصہ گاماں خاتون اپنے سن وفات میں لکھا۔ تینتیس صفحوں میں قصہ سلیمان وبلقیس لکھا۔ فقیر و دختر گداز آپ کا طبع زاد قصہ ہے۔ آخری قصہ کے ایک کردار پیر بزرگ چراغ علی شاہ ہیں۔ یہ مصنف کے کردار کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ قصہ ثمر خان، قصہ نیک بی بی اور قصہ خوش نصیب خان بھی آپ کی تخلیقات ہیں۔ آپ خاندان کا شجرہ بھی رکھتے تھے جو اب محمدی میں محفوظ ہے۔ اس کے لئے آپ نے مہم کا سفر بھی کیا تھا۔ مولوی سراج الحق کے والد الحاج حکیم مولوی فیاض الحق اور ان کے اجداد کا حال اسی باب کے نمبر ۳ ب پر ملاحظہ ہو۔

۳۸۔ احتیاج الحق (۱۸۸۷ - ۱۹۴۴ء)

مولوی احتیاج الحق المعروف بہ ریحان الحق کا مسکن محمدی تھا۔ جوانی میں بسلسلہ ملازمت لکھنؤ اور دہلی میں رہے۔ انتقال بھوپال میں ہوا۔ یہیں آپ کے دو فرزندوں کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ عبد الصمد اور عبد الاحد۔ غالباً بھوپال یا مدھیہ پردیش میں کسی اور جگہ اپنی والدہ کے پاس رہتے ہیں۔

۳۹۔ اندراج الحق (المولد سنہ ۱۹۰۱ء اندازاً)

۵/۲ بی ایریا ۔ لالو کھیت کراچی۔

ھری میں پیدا ہوئے۔ ایک سال دار العلوم دیوبند میں تعلیم پائی۔ مگر تکمیل سے پہلے پولیس میں ملازم ہو گئے۔ دس سال ملازمت کر کے مستعفی ہو گئے اور لکھنؤ کے ایک آزاد کالج میں مدرسی کرنے لگے۔ پاکستان آکر بھی ایک مدرسے میں انگریزی، ریاضی اور جغرافیہ پڑھاتے رہے۔ اب درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ظہیر الحق عرف ہے۔ پھول شاہ اور جلال الدین اکبر ہیں۔ مرد مجاہد ہیں۔ کراچی میں اپنا مکان بغیر کسی راج مزدور کی مدد کے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ سیمنٹ کے بلاک بھی خود بنائے۔

و۔ آپ کے فرزندوں میں سے حمید الحق، وحید الحق، مجید الحق، سعید الحق اور رشید الحق کے ناموں کا ہمیں علم ہو سکا ہے۔

شمشاد احمد بن سجاد احمد بن بشیر زادہ الحاج محمد احمد صدیقی

۱۱ — اولاد قاضی بہرام الحق بن شاد الحق

- احتشام الحق
  - امداد الحق
  - عماد الحق شہید
    - اعتماد الحق (۴۰)
- وزیر الحق
  - اظہار الحق
    - نظار الحق
      - اقتدار الحق (۴۱)
      - انظار الحق (۴۲)
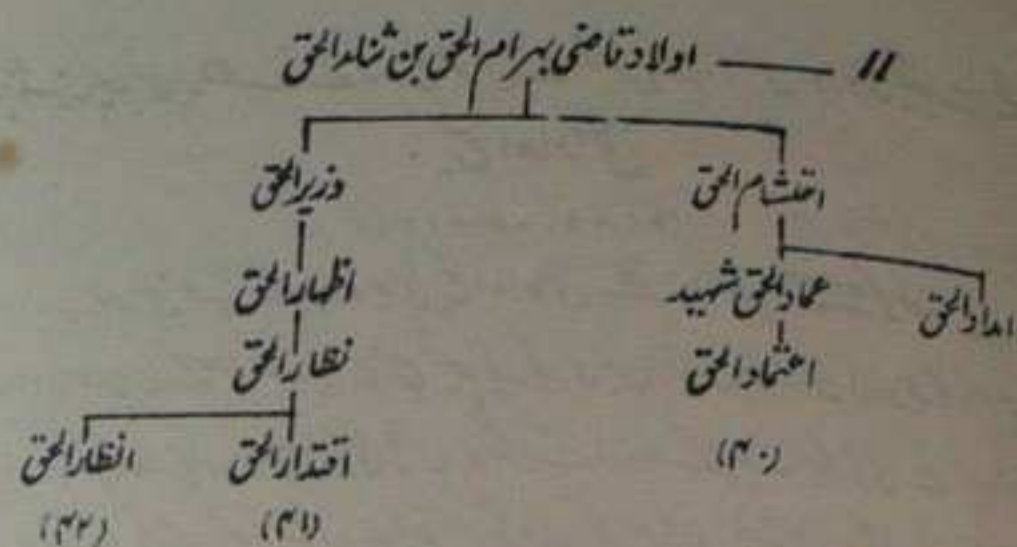
۴۰۔ اعتماد الحق

ڈاکٹر اعتماد الحق مرحوم ۴ جمادی الاول ۱۲۷۶ھ ۱۲ دسمبر ۱۸۵۹ء کو جس میں باپ کی شہادت کے دو مہینے آٹھ دن بعد تولد ہوئے۔ غمزدہ دادا نے "آفتاب جاہ آل احتشام" ۱۲۷۶ھ سے پیدائش کا مادہ نکالا۔ ساڑھے چار سال کے تھے کہ دادا نے بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ ان کے ایک تایا تھے امداد الحق، انہیں بھی عبور دریائے شور کی سزا ملی ہوئی تھی۔ ان کے نانا نجیب الدین (۱۰ ب) اور ماموں عزیز الدین بھی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کی پاداش میں شہید کر دیئے گئے اور اعتماد الحق حوادث زمانہ کے تھپیڑے سہنے کے لئے اکیلے رہ گئے۔

جوانی میں حیدر آباد دکن چلے گئے تھے۔ وہاں سرکاری ایلوپیتھک ڈاکٹر تھے۔ انگریزی ادویات کی ایک بڑی فرم بھی چلا رہے تھے۔ علم و فضل کے علاوہ دولت اور عزت میں بھی ممتاز تھے۔ تمام ریاست میں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ قد آور اور خوش شکل تھے جسم متناسب تھا۔ انتقال ۱۹۲۰ء کے قریب ہوا۔ سنتے ہیں ۱۹۱۱ء میں دہلی دربار کے موقع پر دہلی آئے تھے تو اپنی کار ساتھ تھی۔

و۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ انوار الحق، عبد الحق، اذکار الحق۔ انوار الحق حیدر آباد دکن میں باغ عامہ کے ناظم تھے اور والد کے بعد ادویات کا کاروبار بھی چلاتے رہے۔ سقوط حیدر آباد کے بعد ان جانبوں میں سے ایک بیٹی چلا گیا تھا۔ انوار الحق کے ۱۹۲۵ء میں کم از کم دو لڑکے ضرور تھے۔ جنکی اس وقت بارہ سے پندرہ سال تک عمر ہو گی۔ انوار الحق کا پتہ ہوا کرتا تھا: قریب ریڈیو سٹیشن سیچی گوڑا اور بروحسین ساگر ٹینک حیدر آباد دکن۔

سجاد صدیقی 15/2/69

ب۔ ڈاکٹر اعتماد الحق کے والد عماد الحق شہید، فروری ۱۸۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ چوبیس سال کچھ ماہ کے تھے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کی پاداش میں گرفتار ہوئے اور ۱۵ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو

رہتک میں پھانسی پر لٹکائے گئے۔ مدفن مہم میں ہے۔ تعلیم یافتہ، فاضل اور ذی حیثیت تھے۔

شیخ امداد الحق

(۱۸۲۲ء - ۱۸۹۱ء)

عماد الحق شہیدؒ کے بڑے بھائی شیخ امداد الحق تھے۔ ۹ صفر ۱۲۳۸ھ کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۱۱ رمضان ۱۳۰۸ھ کو قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری میں انتقال ہوا۔ ان کی زوجہ کا نام بھی محمودہ تھا اور یہ ان کے چچا وزیر الحق کی دختر تھیں جو حکومت اودھ کے چیف سیکرٹری تھے۔ یہ شادی [illegible] میں ہوئی۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں مگر سب کا بچپن میں انتقال ہو گیا۔ ایک بچہ امیر الحق کو متبنیٰ بنا لیا۔ شیخ امیر الحق کی اولاد لکھیم پور کھیری میں موجود ہے اور ہمارے خاندان کی شاخ ہونے سے ایسے گہرے تعلقات ہیں کہ باہر کے لوگ یہ محسوس نہیں کر سکتے کہ شیخ امیر الحق اور ان کی اولاد اس خاندان سے نہیں۔

شیخ امداد الحق کا مسکن مہم میں تھا۔ آپ کی مہر "امداد الحق صدیقی ۱۲۸۰" ۱۱ ربیع الاول ۱۲۸۰ھ م ۲۴ جون ۱۸۶۳ء کی تحریر پر ہمارے پاس محفوظ ہے۔ آپ کے دستخط "امداد الحق ولد احتشام الحق بقلم خود" دہم جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ ۸ مارچ ۱۸۸۴ء کی تحریر پر موجود ہیں۔ اپنے مرتبہ نسب نامہ میں آپ نے اپنا نام محمد احمد بھی لکھا ہے۔ مگر یہ خود اختیار کردہ نام چل نہ سکا۔ شیخ امداد الحق بہت خوددار تھے، صاف گو، بے لاگ، درست رو، سیرچشم، ہمدرد، مستقل مزاج، نڈر، بے باک، متحمل، نیک مزاج اور بہت ہی خوبیوں کے بزرگ تھے۔ حسن معنوی کے ساتھ ہی وجاہت ظاہری بھی رکھتے تھے۔ عظیم الجثہ، طویل القامت، گورا چٹا رنگ، بڑی بڑی آنکھیں، بھری ہوئی داڑھی رکھتے تھے۔ نسب نامہ، تواریخ اقوام سے دلچسپی تھی۔ واقفیت عامہ میں صاحب معلومات شہیرہ تھے۔ شطرنج اور گنجفہ کا شوق تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کے پاداش میں آپ گرفتار ہوئے۔ عبور دریائے شور کی سزا ملی۔ تقریباً بارہ سال جلاوطن رہے۔ واپسی پر نہایت مغموم اور دل شکستہ رہنے لگے۔ بھگوا کپڑے پہننے لگے۔ مہم سے دل برداشتہ ہو کر ۱۸۸۲ء کے قریب رہتک چلے گئے تھے۔ یہاں ایک مکان میں رہتے تھے جو ۱۹۴۷ء میں تراب علی فاروقی کے مکان میں بھی۔ رہتک سے محمدی چلے گئے۔

شیخ امداد الحق نے اپنے والد کے مرتبہ سلسلۃ الانساب کے تکملے کے طور پر خود نسب نامہ

[illegible]

مرتب کیا جسے پیرزادہ ابراہیم حنیف مرحوم (دیکھئے باب ۱۷) نے معیار الانساب کا نام دیا ہے۔

شیخ امداد الحق کے قلم کا لکھا ہوا معیار الانساب کا نسخہ ہمارے پاس ہے۔ اس نسخہ کا جائزہ ہم اس کتاب کے آخری باب "خاندان کے نسب ناموں کی تاریخ" میں لیں گے۔

عماد الحق شہید اور شیخ امداد الحق کے والد احتشام الحق کا گھرانہ مہم میں علم و فضل اور دولت میں ممتاز تھا۔ صاحب جاگیر اور معافی دار تھے یعنی آپ کی جاگیر پر سرکاری واجبات وصول نہیں کیے جاتے تھے۔ ۱۸۳۷ء کے ایکٹ ۳ کی رو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے تمام جاگیریں ضبط کر لی تھیں۔ اپنے خاندان سے اس وقت مہم میں جتنے جاگیرداروں کی جاگیریں ضبط ہوئی تھیں، ان سب نے احتشام الحق کو اپنا وکیل مقرر کیا اور جاگیروں سے متعلق تمام کاغذات آپ کی تحویل میں دے دیے۔ یہ جاگیریں واگزار نہ ہوئیں۔ یہ پہلا صدمہ تھا جو آپ کو اٹھانا پڑا۔ ۱۸۵۷ء میں آپ بڑی آزمائش میں ڈالے گئے۔ آپ کے بڑے فرزند امداد الحق کو جلاوطن کیا گیا۔ چھوٹے فرزند عماد الحق شہید کو انگریزوں نے پھانسی دی۔ آپ کے خسر غلام المرتضیٰ بن غلام اتقیاء بن غلام انبیاء بن مفتی محمد جعفر (باب ۱۲) دار و گیر سے بچنے کے لئے ایسے روپوش ہوئے کہ پھر ان کا پتہ نہ چلا۔ آپ کا انتقال مہم میں ۲۶ ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ م ۲۴ جون ۱۸۶۲ء کو ہوا۔ آپ کی مہر "شیخ احتشام الحق ۱۲۳۱" ۲۲ جمادی الاول ۱۲۳۶ھ اور ۸ ربیع الاول ۱۲۴۵ھ ۱۸۲۹ء کی تحریروں پر پائی گئی ہے۔ آپ کی ایک اور مہر "احتشام الحق" ۱۱ جمادی الاول ۱۲۶۰ھ کے ایک کابین نامہ پر ہے۔ نیز آپ کے دستخط "شیخ احتشام الحق ولد شیخ بہرام الحق" ۵ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۹ء کی ایک تحریر پر ہیں۔

شیخ احتشام الحق سے مدتوں پہلے خاندان کا شجرہ لکھا جاتا تھا۔ مگر نسب نامہ کی موجودہ طرح آپ نے ڈالی۔ اس پر تفصیلی بحث اس کتاب کے آخری باب موسومہ "خاندان کے نسب ناموں کی تاریخ" میں ہوگی۔ آپ کے مرتبہ نسب نامہ کا نام سلسلۃ الانساب تھا۔

احتشام الحق کے والد قاضی بہرام الحق کا انتقال ۵ جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ ۴ جنوری ۱۸۲۷ء کو لکھنؤ میں ہوا جہاں احتشام الحق کے چھوٹے بھائی وزیر الحق حکومت اودھ کے چیف سیکرٹری تھے۔ بہرام الحق ریاست بہادر گڑھ جو اب ضلع رہتک میں ہے، کے قاضی تھے۔ آپ کی مہر "بہرام الحق ۱۲۰۹" ۱۱ محرم ۱۲۳۲ھ کی ایک تحریر پر موجود ہے۔ یہ کاغذ آپ کے وطن مہم میں لکھا گیا۔ قاضی بہرام الحق کے والد شاہد الحق بن قاضی نور الحق کا ذکر باب نمبر ۱۳ ب پر کیا جا چکا ہے۔

۴۱۔ اقتدار الحق (المولد ۱۹۰۴ء)

محلہ شکلاپور۔ قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری (یوپی۔ انڈیا)

الحاج محمد اقتدار الحق اپنی سکنی اور زرعی جائداد کی نگرانی کرتے ہیں۔ سیاحت کا شوق ہے حق گو ہیں۔ آپ کے بیوی اور بچے کراچی میں ہیں۔

ا۔ آپ کے دو فرزند ہیں: انتظار الحق ۱۹۳۳ء میں محمدی میں تولد ہوئے اور دوسرے ذوالفقار الحق ناہد ۹ر جنوری ۱۹۳۷ء کو بندرابن متھرا میں تولد ہوئے۔

(ب) آپ کے والد مولوی نظار الحق (۱۸۷۳-۱۹۴۵ء) لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور محمدی میں وفات پائی۔ نام مادہ سن پیدائش ہے (۱۲۹۰ھ) پندرہ سال تک محمدی میں سب رجسٹرار رہے اور پھر اودھ کے کئی ضلعوں میں اسی منصب پر فائز رہے۔ ۱۹۲۸ء میں پنشن پائی۔ متوسط القامت دبلے پتلے اور وضعدار بزرگ تھے۔ لباس ہمیشہ فاخرہ ہوتا۔ مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ اپنی تمام عمر بھی کبھی یہ بات نہ تھی۔ گھر سے باہر بغیر سواری کے نہ جاتے خواہ بازار جانا ہوتا یا جمعہ کی یا عید کی نماز پڑھنے کے لئے۔

مولوی نظار الحق کے والد مولوی اظہار الحق (۱۸۳۰-۱۸۹۷ء) لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ محمدی میں اعزازی سب رجسٹرار تھے وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ دفتر نہ جاتے بلکہ اپنے مردانہ میں کچہری لگاتے۔ جائداد بہت تھی۔ رئیسانہ زندگی بسر کرتے۔ آپ کا شمار اچھے تعلیم یافتہ اور باعلم بزرگوں میں تھا۔ وفات محمدی میں ہوئی۔

مولوی اظہار الحق کے بڑے بھائی مولانا ممتاز الحق لکھنوی (۱۸۲۶؟-۱۹۰۵ء) لکھنؤ میں تولد ہوئے اور لکھیم پور میں انتقال ہوا جہاں وہ مدرس تھے۔ بڑے ہی فاضل تھے۔ آپ کی ایک تصنیف "تشریح احکام الفرقان مسمی بہ عنوان الفرقان" ۱۸۷۹ء میں مطبع نولکشور میں طبع ہوئی۔ اس کے صفحات تو کل ۴۵ ہیں مگر بڑا ہی مفید رسالہ ہے۔ اس کا ایک مطبوعہ نسخہ ہمارے پاس ہے۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔

مولوی اظہار الحق کے والد وزیر الحق غالباً جہم میں تولد ہوئے۔ نواب واجد علی شاہ کے میر منشی بن کر لکھنؤ گئے۔ ۱۸۵۶ء میں واجد علی شاہ معزول ہوگئے تو وزیر الحق انگریزی حکومت میں محمدی کے تحصیلدار مقرر ہوئے۔ زمانۂ علالت میں لکھنؤ گئے تھے کہ وہیں ۲۴ ذیقعد ۱۲۸۱ھ مطابق ۱۸۶۵ء کو انتقال ہوگیا۔

وزیر الحق کے والد قاضی بہرام الحق کا ذکر نمبر ۴ ب پر کیا جاچکا ہے۔

۴۲۔ انظار الحق (المولد ۱۹۱۱ء)

۲/۲-۳ خوب چند روڈ۔ کوئٹہ

میٹرک پاس کرنے کے بعد لکھنؤ کمرشل کالج سے کمرشل کلاس کا ڈپلومہ لیا۔ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک دہلی کے جائنٹ واٹر بورڈ میں کام کیا۔ پاکستان آکر قلات سٹیٹ کے سول سپلائز ڈیپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ لگے اور پھر سپرنٹنڈنٹ ہوگئے۔ اپنے کام میں بڑے ہوشیار ہیں۔ قابلِ اعتماد کارکن ہیں۔ محنت اور دیانت آپ کے خاص اوصاف ہیں۔ منکسر المزاج اور مستقل مزاج ہیں۔

ا۔ آپ کی اولاد میں چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہیں۔ عرفان الحق ۱۹۴۹ء میں کوئٹہ میں تولد ہوئے۔ رضوان الحق ۱۹۵۱ء میں ڈھاڈر (قلات) میں، ریحان الحق ۱۹۵۳ء میں قلات میں پیدا ہوئے اور سلمان الحق ۱۹۵۴ء میں تولد ہوئے۔

12 اولاد شیخ فقیر اللہ بن امیر اللہ

- جمیل اللہ
  - ظہور اللہ
    - شیخ الاسلام (۴۳)
    - ابوجلد اللہ (۴۴)
    - زبیر اللہ (۴۵)
- مراد اللہ
  - مظہر یٰسین
    - فرحت اللہ (۴۶)
  - انعام اللہ (۴۷)
- عنایت اللہ
  - کفایت اللہ
    - امین اللہ (۴۸)
    - محمود اللہ (۴۹)

۴۳۔ شیخ الاسلام (المولد ۱۹۰۹ء)

۴/۴۹ دیانت پورہ۔ کہروڑ پکا ضلع ملتان

صاحب جائیداد ہیں اور اپنی زرعی زمینوں کا انتظام مستعدی سے کرتے ہیں۔ سادگی آپ کا وصفِ خاص ہے۔

ا۔ آپ کی اولاد میں دو فرزند محمد عارف المولد ۱۹۳۶ء اور محمد اسمٰعیل المولد ۱۹۳۹ء ہیں۔

ب۔ آپ کے والد الحاج ظہور اللہ شہید (۱۸۷۱ء – ۱۹۴۷ء) ہجرت کر کے قافلہ کے ذریعہ اپنے وطن نہم ضلع رہتک سے پاکستان آرہے تھے کہ فتح آباد ضلع حصار میں فوت ہو گئے۔ اصطلاحاً ایسے حالات میں وفات شہادت کہلاتی ہے۔ آپ کا جسم چھریرا تھا اور قد طویل۔ ضلعدار ہو گئے تھے مگر خود مستعفی ہو گئے۔ قصبہ کے رئیس اعظم تھے۔ امیر کبیر ہونے کے باوجود فضول خرچ نہ تھے۔ خود بھی بڑی جائیداد پیدا کی۔ علم کیمیا سے دلچسپی تھی۔ نمکیات اور کشتے اچھے بنا لیتے تھے۔ بعض مرکبات کو مفت تقسیم کیا کرتے تھے۔ آپ کا ذخیرہ کتب جو ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گیا بڑا ہی قیمتی تھا۔ تاریخ اسلام کا اچھا ذوق تھا۔ خاندان کے نسب نامہ پر بھی گہری نظر تھی۔ آپ کی قلم سے لکھی ہوئی بہت سے بزرگوں کی وفات کی تاریخیں ہمارے پاس ہیں۔ آپ نے زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین جھجیری ثم رہتکی کے بھتیجے قاضی بندگی شیخ موسیٰ جھجیری ثم گڑھ مکتیسری کی اولاد کا شجرہ بھی تیار کیا اور اس کے لئے بریلی بھی گئے۔ آپ کو نوادرات جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ ۱۹۱۰ء کے رہتک گزیٹیر میں لکھا ہے: "نہم میں ایک اور قابل ذکر قدیم چیز ایک چائنا لوٹا ہے جس پر شاہجہان کا نام کندہ ہے۔ یہ عیاں ہے کہ وہ جعلی نہیں۔ یہ لوٹا دہلی دربار کی نمائش میں رکھا گیا تھا۔ اور پیرزادہ ظہور اللہ کی ملکیت ہے۔" (ص ۴۴) یہ لوٹا آپ کے فرزند الحاج محمد زبیر اللہ (۴۵) کے پاس ہے۔ آپ ڈسٹرکٹ بورڈ کے رکن اور سمال ٹاؤن کمیٹی نہم کے صدر بھی رہ چکے تھے۔ تحریکِ خلافت میں آپ نے دل کھول کر

کارکنوں کی مدد کی۔ اور مسلم لیگ نہم کے صدر بھی رہے۔ آپ کو طریقت سے بھی عملی لگاؤ تھا۔ اپنے ماموں پیر وزیر الدین (۱۴۰ ب) سے خرقۂ خلافت پایا۔ سند میرے پاس موجود ہے۔ آپ کے قلم سے لکھے ہوئے متعدد شجرہ ہائے طریقت اور کچھ خطوط بھی میرے پاس ہیں۔

الحاج ظہور اللہ شہید کے والد ڈپٹی جمیل اللہ (۱۸۳۹ء – ۱۹۲۳ء) کا نہم میں انتقال ہوا۔ بڑے ہی وجیہ اور بارعب بزرگ تھے۔ قد چھ فٹ کے قریب تھا۔ اور جسم بھرواں تھا۔ ۱۸۵۹ء میں محکمہ نہر میں ملازم ہوئے۔ اور ۱۸۹۶ء میں ڈپٹی کلکٹر کے منصب سے ریٹائر ہوئے۔ آپ خاندان سے اولین ڈپٹی کلکٹر انہار تھے۔ ریٹائر ہو کر زیادہ تر دہلی میں رہتے تھے۔ آپ نے ڈپٹی نذیر احمد کے ساتھ اشتراک کر کے صدر بازار دہلی کا ایک کاروباری ادارہ موسومہ "ولایت علی قمر الدین" خرید لیا۔ دہلی میں آپ کثیر الاحباب تھے۔ اکثر قدیم خاندانوں سے ایسے تعلقات تھے جیسے اپنے اقرباء سے ہوں۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے دواخانہ کی فہرست ادویات میں ایک دوائی موسومہ "معجون ڈپٹی صاحب" شامل ہوا کرتی تھی۔ وہ آپ کا ہی عطا کردہ نسخہ تھا۔ مسیح الملک آپ کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ آپ کو چچا کہا کرتے تھے اور یہ بھی انہیں بھتیجا ہی سمجھتے تھے۔ ایک روز حکیم صاحب موصوف، مولانا سید احمد امام جامع مسجد دہلی اور مشہور تاجر حاجی عبد الغفار آپ کی عیادت کے لئے آئے۔ امام صاحب اور حاجی صاحب کمرے میں داخل ہو گئے اور حکیم صاحب کمرے سے باہر دروازے سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ان دونوں کو دیکھتے ہی ڈپٹی صاحب نے پوچھا۔ "کہاں ہے وہ اُلو کا پٹھا کانگرسی" اور جب مسیح الملک کمرے کے اندر گئے تو ان کی سرزنش ہوئی۔

خان بہادر پیرزادہ محمد حسین عارف ایم۔ اے۔ سی آئی ای (۱۴۰ ب ۶) سشن جج کبھی کبھی سرکاری تقریب کے لئے انگریزی سوٹ پہن لیا کرتے۔ ایک روز ایسی ہی تقریب کے لئے سوٹ پہن کر نکلے کہ ان کا سامنا ہو گیا۔ ڈپٹی صاحب موصوف نے ان کے سر سے پاؤں تک نظر ڈالی کر ان کے پیچھے کی طرف دیکھا اور کہا: "حسین کتے کی کسر رہ گئی۔" بس یہ فقرہ کام کر گیا۔ اس روز کے بعد خان بہادر صاحب نے اپنے اس اکلوتے سوٹ کو ہمیشہ کے لئے صندوق میں بند کئے رکھا۔ یہ احترام اور یہ محبت کی باتیں اب قصہ پارینہ معلوم ہوتی ہیں۔

ڈپٹی جمیل اللہ کے والد فقیر اللہ متوفی ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء بڑے ارمانوں کی اولاد تھے۔ اٹھارہ انیس بھائی بہن پیدا ہو کر بچپن میں مر گئے۔ غالباً محکمۂ انہار میں ملازم تھے۔ عمائدین قصبہ نہم میں سے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریزی فوج نے محلہ کا محاصرہ کر کے خانہ تلاشی لی تو خواتین کو

حکم ہوا کہ شیخ فقیر اللہ کے مکان میں چلی جائیں۔ آپ حضرت غوث علی پانی پتی کے مریدوں میں سے تھے۔ حضرت پانی پتی جب ہم آتے تو آپ کے مکان میں قیام فرماتے۔

آپ کی مہر "فقیر اللہ ۱۲۷۴" ۱۲ ربیع الاول ۱۲۷۶ھ کی ایک تحریر پر محفوظ ہے۔ انتقال ... میں ہوا۔

فقیر اللہ کے والد امیر اللہ کی گواہی "شیخ امیر اللہ ولد شیخ مہر اللہ بازنہ" ۱۲۳۲ھ سے ۱۲۴۵ھ تک کی تین تحریروں پر محفوظ ہے۔[1] آپ کے والد رسالدار مہر اللہ تھے۔ جن کی چوکور متوسط مہر "مہر اللہ ولد شیخ محب اللہ ۱۲۰۱" ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۱۱ھ کی تحریر پر پائی گئی ہے۔ نیز پانچ اور تحریروں کے ضمن میں[2] آپ کا نام آیا ہے۔ رسالدار مہر اللہ کے والد محب اللہ کو ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۱۱ھ م ۱۶ جون ۱۷۹۷ء کی ایک تحریر میں مرحوم لکھا ہے اور ان کے والد محمد فاروق کے دستخط "محمد فاروق ولد شیخ محمد اسلم" ہمارے پاس ۱۱۲۵ھ سے ۱۱۵۳ھ تک کے سات کاغذات پر[3] محفوظ ہے۔ شیخ محمد فاروق کے والد شیخ محمد اسلم تھے جن کے دستخط "محمد اسلم ولد شیخ حبیب اللہ مفتی بخط خود" ہمارے پاس ۱۰ شوال ۱۰۸۰ھ، ۴ رجب ۱۰۹۰ھ، ۲ ربیع الثانی و ۱۱ شوال ۱۱۰۰ھ کی تحریروں پر موجود ہیں۔ مفتی حبیب اللہ اور ان کے اجداد کا ذکر (باب ۳) میں آچکا ہے۔

۴۴- **ابو عبداللہ** (المولد ۱۸۹۸ء)

۴/۴۴ دیانت پورہ۔ کہروڑ پکا ضلع ملتان۔

اپنی زمینوں پر زراعت کراتے ہیں۔ طبابت بھی کرتے ہیں۔

ا- آپ کے فرزند محمد ظہور عالم ۱۹۲۶ء میں ہم میں پیدا ہوئے۔ ایف اے پاس ہیں اور ... میں تحصیلدار ہیں۔

۴۵- **زبیر اللہ** (المولد ۱۹۰۲ء)

۴/۴۴ دیانت پورہ۔ کہروڑ پکا ضلع ملتان

---

[1] ۷ شوال ۱۲۴۹ھ، ۱۹ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ اور ۲۲ جمادی الاول ۱۲۶۱ھ

[2] ۵ ذی الحجہ ۱۲۱۰ھ، سلخ محرم و ۲۷ ذی الحجہ ۱۲۱۱ھ، ۷ ربیع الثانی ۱۲۱۲ھ اور ۵ صفر ۱۲۲۰ھ

[3] ۸ شعبان ۱۱۲۵ھ، ۷ جمادی الاول ۱۱۲۸ھ، ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۲۹ھ، ۱۸ ربیع الاول ۱۱۳۱ھ، ۷ ربیع الثانی ۱۱۴۲ھ، غرہ رجب ۱۱۶۵ھ اور ۲۰ ربیع الثانی ۱۱۶۶ھ

۱۹۲۴ء میں حج بیت اللہ کیا۔ اپنی زرعی زمینوں کا انتظام کرتے ہیں۔

ا- الحاج زبیر اللہ کے فرزند غلام جیلانی ۱۹۲۸ء میں ہم میں پیدا ہوئے۔ پہلے محکمہ بحالیات میں تھے۔ اب مدن انجینئرز میں ہائی کمیشن پاکستان کلکتہ کے دفتر میں کام کرتے ہیں۔

۴۶- **فرحت اللہ** (المولد ۱۸۹۹ء)

۲ نہرو سٹریٹ۔ کرشن نگر۔ لاہور

رہتک اور جھنگ ڈسٹرکٹ بورڈوں کے اکاؤنٹنٹ اور سیکرٹری رہے۔ بڑے ہی باخبر اور مجلسی بزرگ ہیں۔ کثیر الاحباب ہیں۔ آپ شریکِ محفل ہوں تو بڑے اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھ سکتے اور چھوٹوں کو چھوٹے ہونے کا زیادہ احساس پیدا نہیں ہونے دیتے۔ ملتِ اسلامیہ کی بہبودی اور برتری کے لئے ان کے سینے میں تڑپتا ہوا دل ہے۔ رہتک میں ملازمت کے دوران بھی ہر مفید مسلم تحریک کے کارکن آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ پاکستان کے حق میں آپ دلائل کے ذریعے ہر مخالف کا منہ بند کر دیتے تھے۔ ویسے بھی بارعب آواز اور پہچانے جانے والی شخصیت رکھتے ہیں۔ خوش خوراک و خوش پوشاک متعد بزرگ ہیں۔

ا- آپ کی اولاد میں چھ فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر ظفر اللہ المولد ۱۹۲۰ء فوج میں جمعدار تھے۔ وہاں سے سبکدوش ہو کر مدت تک راشننگ ڈیپارٹمنٹ میں کام کیا۔ اب محکمہ آبادکاری لاہور میں اسسٹنٹ ہیں۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے تمام بھائی رہتک میں پیدا ہوئے۔ ان کے چھوٹے بھائی رفعت اللہ المولد ۱۹۲۲ء مرکزی محکمہ آبکاری لاہور میں اپر ڈویژن کلرک ہیں۔ ان سے چھوٹے نصرت اللہ المولد ۱۹۲۴ء پاکستان براڈ کاسٹنگ انجینئرنگ بندر روڈ کراچی میں اسسٹنٹ ہیں۔ ان سے چھوٹے حامد اللہ المولد ۱۹۲۶ء زرعی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ پانچویں فرزند نور اللہ المولد ۱۹۳۶ء اوورسیر ہیں۔ اور سب سے چھوٹے عابد افتخار المولد ۱۹۳۹ء ہیں۔

ب- فرحت اللہ کے والد مظہر یٰسین (۱۸۶۰ء - ۱۹۴۵ء) کا مولد ہم ہے۔ انتقال رہتک میں ہوا اور دفن ہم ہے۔ کچھ عرصہ پٹواری نہر رہے مگر مستعفی ہو کر اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ متین دل اور صاف گو بزرگ تھے اور اپنے اجداد کی طرح بڑی عمر میں بھی ان کے اعضاء مضبوط رہے۔

مظہر یٰسین کے والد الحاج حافظ مراد اللہ (۱۸۴۰ء - ۱۸-۹-۱۹۰۹ء) اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔ غیرت مند اور دلیر بزرگ تھے۔ جوانی میں بھی بڑے ہی عابد اور پابند شریعت تھے۔ جامع مسجد ہم کی ایک دیوار پر ان کے ہاتھ سے یہ فقرہ لکھا ہوا تھا: "نوشتہ عاصی حافظ مراد اللہ شیخ صدیقی بتاریخ ۲۱ رمضان المبارک ...... ایں جا معتکف بودم ۱۲۷۵ھ"۔ ہم میں محلہ کی مسجد کے سرانچہ پر بیٹھے تلاوت

کلام پاک کرتے رہتے اور رات کو تہجد پڑھتے۔ سال میں تین مہینے کے روزے رکھتے۔ اعضا مضبوط
اور اپنے اجداد کی طرح قد آور تھے۔ آپ کے اجداد کا حال اسی باب کے نمبر ۴۳ ب پر ملاحظہ ہو۔

۴۷۔ **انعام اللہ** (۱۸۹۵ء۔ ۱۹۵۷ء) منزخوب محلہ شنا سم

بھروان جسم تھا اور رنگت گوری چٹی۔ نیک انسان تھے۔ محنت کر کے اکل حلال کھاتے پنجگانہ نماز ادا کرتے تھے۔ لاہور میں انتقال ہوا۔

ا۔ آپ کے فرزندوں کے نام ذکاء اللہ، عزیز اللہ اور نسیم اللہ ہیں اور لاہور میں رہتے ہیں۔

۴۸۔ **امین اللہ** (المولد ۱۹۰۴ء)

۴۵ وارڈ ۷ کہروڑ پکا۔ ضلع ملتان

مدرسہ غوثیہ کہروڑ پکا کے پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ علامہ اقبال کے کلام کا بیشتر حصہ ازبر ہے۔

ا۔ آپ کی اولاد میں ایک خورد سال فرزند سردار محمد شوکت اللہ ہے۔

ب۔ آپ کے والد منشی کفایت اللہ (۱۸۰۵ء۔ ۱۹۴۳ء) لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ہانسی میں وفات پائی۔
مسکن ہم تھا کچھ عرصہ نقل نویس اور مدرس رہے۔ عرشی تخلص کرتے تھے۔ اردو اور فارسی میں شعر کہتے
تھے۔ ۱۹۳۲ء میں آپ نے مجھے ایک غزل سنائی تھی۔ فرماتے تھے کہ ڈاکٹر اقبال کو یہ غزل لاہور میں سنائی
تھی۔ اس میں پوشیدہ چوٹوں کو علامہ نے خندہ پیشانی سے سنا۔ دو شعر یاد رہ گئے ہیں

یہ کیا سمجھے کہ میں ناآشنا ہوں رسم الفت سے
مجھے محفل میں آنے سے ہے مانع ننگِ عریانی

زباں تلوار سی چلتی ہے لیکن جانتے ہیں وہ
کہاں پنجاب کی اردو کہاں نازِ زباں دانی

جناب عرشی کے والد عنایت اللہ کا ۱۹۰۶ء میں سرگودھا میں انتقال ہوا۔ بڑی سیاحت کی نمازی
کا اعلیٰ ذوق پایا تھا۔ خط نہایت پاکیزہ تھا۔ تاریخ گوئی کا ملکہ بھی تھا۔ تعلیم یافتہ، بامذاق، مہذب اور
غیر معمولی طور پر دیانت دار بزرگ تھے۔ ہمارے پاس آپ کے دستخط محمد عنایت اللہ ولد شیخ فقیر اللہ بقلم خود
۔ جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ کے ایک ہبہ نامہ پر محفوظ ہیں۔ آپ کے اجداد کا تذکرہ نمبر ۴۳ ب پر ملاحظہ ہو۔

۴۹۔ **محمود اللہ** (المولد ۱۹۱۲ء)

۲۰۸ وارڈ نمبر ۹ نواں شہر ملتان۔

ملتان میں تولد ہوئے ملتان میں محکمہ انہار میں ہیڈ ورنیکلر کلرک ہیں۔ کچھ عرصہ عارضی منصفدار بھی رہے

ا۔ آپ کے دو فرزند انوار اللہ تاثیر المولد ۱۹۴۸ء اور محمد احسان اللہ المولد ۱۹۵۶ء ہیں۔ دونوں زیر تعلیم ہیں۔

---

13 ـــــ اولاد عظیم اللہ بن جماعت اللہ صبحی

- کرامت علی
  - کامل حسین
    - الیاس حسین
      - محمد فاروق (۵۰)
      - عبدالرؤف (۵۱)
    - منظور احمد (۵۲)
- عبدالستار
  - علی حسین
    - امیر حسین
      - احمد حسین (۵۲)

۵۰۔ **محمد فاروق** (المولد ۱۹۲۳ء)

دیول وال بین فیکٹری۔ فیکٹری ایریا۔ سرگودھا

تجارت کرتے ہیں۔ ہم میں تولد ہوئے۔

ا۔ آپ کے چار فرزند ہیں: فرید احمد المولد ۱۹۵۱ء، محمد اختر المولد ۱۹۵۳ء، محمد ارشد المولد ۱۹۵۶ء
اور محمد افضل۔

ب۔ آپ کے والد پیر الیاس حسین (م ۱۸۹۴۔ ۱۹۴۰ء) بڑے ہی مسکین طبع تھے۔ قد میانہ تھا۔ ہم میں
وفات پائی۔

پیرزادہ الیاس حسین کے والد الحاج پیر کامل حسین متوفی ۱۹۱۲ء کاملین وقت میں سے تھے۔
قد چھ فٹ سے بھی نکلا ہوا تھا۔ جسم درمیانہ تھا۔ رنگ گورا چٹا۔ نازک چہرہ اس پر دراز ریش۔ گھٹنوں تک
کرتا اور شرعی پاجامہ۔ فوج میں دفعدار تھے۔ تھکا دینے والے فرائض کی بجا آوری کے بعد ریاضت و
عبادت اور ذکر واذکار میں مشغول ہو جاتے۔ فوج میں آپ کے مریدوں کی کافی تعداد تھی۔ انگریز افسر
بھی آپ کا احترام کرتے۔ بڑے ہی حلیم الطبع ہونے کے باوجود قینچی ساتھ رکھتے اور جس مسلم راجپوت
ذی کی مونچھیں دیکھتے کاٹ دیتے۔ مسلم راجپوت کی مونچھیں کاٹ دینا کچھ معمولی بات نہیں۔ ایک دن
خان بہادر پیرزادہ محمد حسین ایم اے سیشن جج کو ہم میں محلہ کی مسجد کے سامنے کھڑا کر کے ان کی مونچھیں
کاٹ دیں اور وہ بھی مؤدب کھڑے رہے۔ میری والدہ بیان کرتی ہیں کہ وہ سات سال کی تھیں۔ دن کے
وقت ایک نزدیکی گھر جانے کے لئے اپنے گھر سے بے پردہ باہر نکلیں وہاں نانے جی کامل کھڑے ہوئے تھے
بلا لے گئے اور جامع مسجد کے کنویں میں الٹا لٹکا دیا کسی کو جرأت نہیں ہوئی کہ احتجاج کرے۔ آپ کے وطن
ہم سے ایک رسالہ گزرا تو آپ نے اس کی چائے سے تواضع کی اور رسالہ کے ہر جوان نے آپ کی خدمت میں

ایک روپیہ بطور نذر پیش کیا۔ آپ پیر صاحب مانکی شریف کے مریدوں میں سے تھے۔ انتقال بھی انکی پیر گاہ
آپ کے خلف اکبر ڈاکٹر محمد یٰسین (۱۸۷۹ء-۱۹۰۹ء) میڈیکل سکول آگرہ کے سند یافتہ تھے۔ اولاد نرینہ
سے محروم رہے۔

الحاج پیر کامل حسین کے والد کرامت علی متوفی ۱۸۶۲ء خاندان کے سربرآوردہ بزرگوں میں سے
تھے۔ رجمنٹ ۱۲ ٹروپ ۵ میں دفعدار تھے۔ راولپنڈی سے انہوں نے جو خطوط اپنے عزیزوں کو لکھے ان
میں سے چند ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ان سے کئی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً ۱۸۴۹ء میں راولپنڈی میں
قرآن دستیاب نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ امیر اللہ شہید (۲۵ ب) کو لکھتے ہیں:۔

"شیخ محمد امیر اللہ بعافیت باشند۔ برادر عزیز القدر عزیز از جان گرامی مش بعد دعا شوق مزید
حیات توفیر درجات مطالعہ باد کہ دریں جا ہمہ وجوہ خیریت است ...... ایشاں
برائے کلام مجید نوشتہ بود۔ صورت اینست کہ دریں جا مقام پنڈی راول کلام مجید
دستیاب نمے شود۔ اگر نوکرے یا کسے سمت لاہور خواہد شد ازانجا خرید نمودہ بدست
کسے مردم معتبر ضرور ضرور ارسال نمایم۔ اگر میاں خدا بخش پسر خواجہ بخش و عبد العلے و
خلیل الرحمٰن را نوکر نمودن منظور باشد تا ضرور ایں جا خود را رسانند۔ اگر نوکرے خود ہمچو
نمایند تا مبلغ دو صد روپے فی نفر ہمراہ خود آرند۔ اگر بندہ یا ما خود اسپ کرانید سے منظور
باشد تا مبلغ دو صد روپے برائے شما ارسالیہ از فقیر اللہ گرفتہ نویسد....؟"

دفعدار کرامت علی کی خط و کتابت کے سلسلہ میں ہمارے پاس ایک نہایت اہم رسید ہے۔ اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ انیسویں صدی کے نصف اول میں خط بھیجنے کا یہ طریقہ تھا کہ خط تھانہ میں دے کر
دو آنے محصول جو ڈاک ادا کئے جاتے اور رسید لے لی جاتی۔ چنانچہ ۱۱ر اپریل ۱۸۴۹ء کو ہسم سے دو خط بھیجے
گئے۔ ایک دفعدار کرامت کو راولپنڈی اور دوسرا کریم بخش کے نام لکھنؤ۔ ایک سادہ کاغذ پر مکتوب الیہ
کا نام اور مقام لکھ کر نیچے دو آنے لکھا ہے اور تھانے دار ہسم کے دستخطوں کے نیچے تھانہ ہسم ضلع
رہتک کی معین شکل کی مہر لگی ہوئی ہے۔ اس کی پشت پر ایک اور رسید ہے جس کی عبارت ہے:۔ ۱۵
جولائی ۱۸۴۹ء ایک قطعہ خط برائے روانگی مقام راول پنڈی موسومہ کرامت علے رجمنٹ ۱۲ محصول اصلی
تفویض تھانہ ہسم۔ العبد..... محرر تھانہ ہسم" اس کے نیچے وہی معین شکل کی مہر ہے۔

دفعدار کرامت علی کے والد عظیم اللہ سے متعلق جو بچی کھچی تحریریں ہم تک پہنچی ہیں ان سے یہ اندازہ
ہوتا ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور کے اس خاندان سے دو متمول ترین کنبوں میں سے ایک آپ کا کنبہ

تھا۔ ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء میں آپ نے اپنی طرف سے فہرست موجودگی فردہائے پارینہ از قسم فرامین وغیرہ[1] تیار
کی۔ اس پر آپ کی مہر عظیم اللہ صدیقی ۱۲۳۳ لگی ہوئی ہے۔ کل ۵۳ عدد فرامین، ملک نامے، بیع نامے
اور قیمت نامے وغیرہ ہیں۔ ان کی تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ذاتی ملکیت ایک چھوٹے موٹے نواب سے
کم نہ تھی۔ اس فہرست کے آخر میں رقمطراز ہیں: "میں یہ نوشتہ برائے اطلاع برخورداران شیخ کرامت علی و
شیخ عبد اللہ لکھ رہا ہوں۔ انکو یہ معاملہ سمجھنا چاہیے اور دادا صاحب اور نانا صاحب شیخ محمد عثمان کے
کاغذات شامل حال یکجا ہیں۔ مگر علیحدہ علیحدہ ہے۔ خبر شرط ہے ۱۲۳۵ھ" مگر اپنی حیات ہی میں شیخ
صاحب موصوف کو یہ صدمہ برداشت کرنا پڑا کہ ایکٹ ۳ ۱۸۳۶ء کی رُو سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے
اوروں کی طرح آپ کی جاگیر بھی ضبط کر لی اور پھر واگزار نہ کی۔ آپ کے پاس سکنی مکان اور معمولی سی
خود خرید زرعی اراضی رہ گئی۔ دولت جاتی رہی مگر مسکنت اور شرافت ان کی اولاد سے اب تک کوئی
انقلاب نہ چھین سکا۔ ہمارے پاس تین[2] ایسی تحریریں محفوظ ہیں جن کے متن میں عظیم اللہ کا نام آیا ہے۔
علاوہ ازیں، ۲ شوال ۱۲۴۴ھ ۲ مئی ۱۸۲۹ء کا لکھا ہوا مختار نامہ منجانب شیخ عظیم الدین ولد شرف الدین
زرخ نویس باب ۲ ہے جس میں تحریر ہے کہ تیر چند دابر بقال کا والد۔ بابر بقال وہ شخص ہے جس نے
۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مخبری کر کے ہمارے خاندان کے کئی افراد کو پھانسی دلائی تھی) وغیرہ محصول
چنگی ادا نہیں کرتے۔ یہ محصول زرخ نویس کا حق الخدمت ہوا کرتا تھا۔ شیخ عظیم اللہ کو مختار بنایا کہ کلکٹر رہتک
کی عدالت میں چارہ جوئی کریں۔ نیز آپ کی ۱۲۰۵ھ سے ۱۲۴۶ھ تک کی چار مختلف مہریں پانچ تحریروں پر
دستیاب ہوئی ہیں یہ تحریریں ۱۸۱۲ء سے ۱۸۳۳ء تک کی ہیں۔

عظیم اللہ کے والد جماعت اللہ پانچ بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ باقی چار عبد الخالق،
رحمت اللہ، شاہ قدرت اللہ اور عزت اللہ تھے۔ پانچوں امیر کبیر تعلیم یافتہ اور ذی عزت تھے۔ لوگ
حسد سے انہیں "پنج بھیا" کہا کرتے پھر ان کی اولاد کے لئے بھی کہنے لگے کہ پنج بھیوں میں سے ہیں[3]۔ ہمارے
پاس آپ کے دستخط تین تحریروں پر موجود ہیں۔ نیز تین[4] ایسی تحریریں ہیں جن کی رُو سے آپ نے زمینیں خرید لیں

---

۱ کنز الآثار ۵ صفر ۱۲۲۰ھ تخمیناً ۱۲۳۰ھ اور ۷ ربیع الثانی ۱۲۳۶ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۸۲۱ء آخرالذکر عدالت فوجداری
دہلی عظیم اللہ کے فرزند کے نام حکم ہے کہ شیخ صاحب موصوف کو باقاعدگی سے ادائیگی کیا کرے۔ ۲ کنز الآثار (۱) مہر
عظیم اللہ صدیقی ۱۲۰۵ھ بر محضر نامہ قاضی غلام حسن ۱۲۰۷ مندرج ضمیمہ کتاب ہذا (۲) چوکور مہر عظیم اللہ صدیقی بر تحریر
۱۵ شعبان ۱۲۳۱ھ و ۹ جمادی الثانی ۱۲۳۰ھ (۳) مہر عظیم اللہ صدیقی ۱۲۴۳ بر تحریر ۱۱ شوال ۱۲۳۶ھ اور (۴) مہر
عظیم اللہ صدیقی ۱۲۴۶ بر تحریر ربیع الثانی ۱۲۴۹ھ۔ ۳ العبد شیخ جماعت اللہ بخطہٖ غرہ رجب ۱۱۶۹ھ جماعت اللہ ولد شیخ
عبد اللہ ۵ شعبان ۱۱۷۱ھ عہد عالمگیر اور عزت اللہ و جماعت اللہ ولدان شیخ عبد اللہ بخطہٖ غرہ رجب ۱۱۶۹ھ
۴ کنز الآثار غرہ جمادی الثانی و ۲۰ جمادی الثانی و ۱۰ رمضان ۱۱۶۲ھ

یہ دستخط اور تحریریں ۵۷ء سے ۱۱۶۵ھ تک کی ہیں۔ آپ کی زوجہ بی بی حکیمہ بنت مفتی محمد عثمان (دیکھئے باب ۲) کا نام ۵ صفر اور ۲۵ شوال ۱۱۳۰ھ کی تحریروں کے ضمن آیا ہے۔

جماعت اللہ کے والد عبدالواحد کو مال و متاع کے علاوہ خدا نے علم و فضل سے بھی نوازا تھا آپ شیخ شاہ نصر اللہ نصرتی (دیکھئے باب ۴) کے مریدین میں سے تھے۔ شاہ نصر اللہ کی مثنوی جنون المجانین ۱۱۱۳ھ کے اولین کاتب آپ ہی تھے۔ اس کا ذکر خود شاہ نصر اللہ نے اس مثنوی میں کیا ہے۔ مثنوی میں عبدالوحید نام آیا ہے مگر عنوان میں عبدالواحد نام آیا ہے اور تصریح کی ہے کہ یہ اسی خانوادے سے ہیں۔ ہم یہ شعر نقل کرتے ہیں:

کاتب ایں مثنوی عبدالوحید — اے خدا او را بکن شیخ رشید

فیض ربانی نصیبش کن تمام — جذبِ رحمانی ببخشش کن مدام

علاوہ ازیں ہمارے پاس ۱۱۱۳ھ سے ۱۱۳۰ھ تک کے آپ کے دستخط پانچ تحریروں پر محفوظ ہیں نیز ۱۰ شعبان ۱۱۴۰ھ کا وہ ہبہ نامہ بھی ہمارے پاس ہے جس کی رو سے آپ نے کچھ زرعی زمین خریدی۔

شیخ عبدالواحد کے والد محمد ذاکر کے دستخط محمد ذاکر ولد شیخ ہدایت اللہ[1] ۱۱ شوال ۱۱۰۰ھ اور ۱۱۰۹ھ عہد عالمگیری کے ایک بخشش نامہ پر ہمارے پاس ہیں۔ شیخ ہدایت اللہ کے دستخط ہدایت اللہ ولد شیخ حبیب اللہ مفتی بخطہٖ (عمدہ) ۱۴ محرم ۱۰۷۳ھ اور ۱۱ محرم ۱۰۸۰ھ کی تحریروں پر ہمارے پاس ہیں۔ آپ نے ۹ ماہ ۱۰۷۸ھ میں اپنا مکان تعمیر کرایا اس پر کتبہ تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لا الٰہ الا اللہ۔ باصدق ابی بکر۔ باعدل عمر۔ با آزرم عثمان باعلم علی بنا نہاد ہدایت اللہ ابن شیخ حبیب اللہ مفتی ۱۰۸۹ھ"

سجاد احمد صدیقی

مفتی حبیب اللہ اور ان کے اجداد کا ذکر باب ۲ میں آ چکا ہے۔ مفتی حبیب اللہ نے غرہ ربیع الاول ۱۰۸۲ھ سنہ ۱۹۷۱ کو اپنی جائیداد تقسیم کی تھی۔ اس قسمت نامہ پر شیخ ہدایت اللہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ "العبد ہدایت اللہ ولد شیخ حبیب اللہ مفتی۔ آنچہ حضرت قبلہ گاہی قسمت کردہ دادند قبول است۔"

۵۱- عبدالرؤف (المولد ۱۹۲۵ء)

ڈیول دال بین فیکٹری۔ فیکٹری ایریا۔ سرگودھا۔

مسکین طبع۔ صوفی منش۔ کم گو اور متقی ہیں۔ سرگودھا میں دال بین فیکٹری آپ کی ہے۔ نیز میانوالی میں آپ کا کاروبار ہے۔

---

[1] کنز الآثار: عبدالواحد ولد شیخ محمد ذاکر بخطہٖ (عمدہ)، شعبان ۱۱۲۵ھ، ۱۴ شوال ۱۱۲۹ھ، ۱۲ و ۱۵ محرم اور ۲۵ رجب ۱۱۳۰ھ

و- آپ کے فرزند جاوید اقبال ۱۹۵۶ء میں سرگودھا میں تولد ہوئے دوسرے فرزند اسی سال تولد ہوئے ہیں۔

۵۲- منظور احمد (المولد ۱۹۰۱ء)

فوت ہو چکے ہیں

مکان نمبر ۷، گلی نمبر ۳۲، ہری اوم سٹریٹ۔ رام نگر۔ لاہور

بلحاظ قد و قامت خاندان میں غالباً طویل ترین ہیں۔ قد ۶ فٹ چار انچ ہے۔ متناسب اعضا اور خوش پوش ہیں۔ اوٹو انجینئر ہیں۔ کامیاب تجارت کرتے ہیں۔

و- آپ کے دو فرزند سعید احمد المولد ۱۹۳۱ء اور رفیق احمد المولد ۱۹۳۳ء الیکٹریشن ہیں۔ تیسرے فرزند محبوب احمد المولد ۱۹۵۵ء ہیں۔

۵۲- احمد حسین

اورنگ آباد کوارٹر نمبر ۱۰/۱۷، ناظم آباد کراچی۔

غالباً موٹر ڈرائیور ہیں۔

ب- آپ کے والد امیر حسین ۱۸۹۱ء میں ٹونک میں تولد ہوئے۔ چندوہ ضلع حصار میں آپ کی زرعی زمین تھی۔ فوج میں ملازم رہے۔ پھر بہادر گڑھ ضلع رہتک کی میونسپل کمیٹی میں محرر ہو گئے۔ وہیں انتقال ہوا۔ امیر حسین کے والد علی حسین (۱۸۶۷ء-۱۹۲۴ء) کا مسکن مبہم ہے۔ چندوہ ضلع حصار میں انتقال ہوا۔ ۱۸۹۷ء-۱۹۰۰ء میں فوج میں ملازم تھے۔ ریاست ٹونک میں بھی ملازم رہے۔ جسم کے چوڑے چکلے تھے۔ علی حسین کے والد عبدالستار بن عظیم اللہ ممبئی میں فوت ہوئے۔ سانولا رنگ گندمی، بڑے وجیہہ۔ قد چھ فٹ سے نکلا ہوا۔ ۱۸۵۹ء میں ولندیزی فوج میں ملازم تھے۔ آپ کے قلم سے لکھی ہوئی علم جفر پر ایک کتاب کا مسودہ ہمارے پاس ہے۔ عبدالستار کے والد عظیم اللہ اور ان کے بزرگوں کا حال اسی باب کے نمبر ۵۰ ب پر ملاحظہ ہو۔

سجاد احمد بن بشیر احمد الحاج محمد ذاکر صدیقی

۵۴۔ یوسف علی

ان کا ۲۹ جمادی الاول ۱۳۰۷ھ ۲۱ جنوری ۱۸۹۰ء کو انتقال ہوا۔ ہندوستان کے صوبجات متوسط مدھیہ پردیش (سی پی) چلے گئے تھے۔ ان کے دو فرزندان ظفر علی اور مظفر علی کا شجرہ الماس میں نام آیا ہے۔ ان کے اجداد کا ذکر ۵۵ ب نمبر پر ملاحظہ ہو۔

۵۵۔ محمد محسن (المولد ۱۹۰۸ء)

حامد منزل۔ محلہ جوائی ٹولہ۔ کٹرہ دنا بیگ۔ لکھنؤ۔

خاندان کے معمر ترین بزرگ ہیں۔ لطف یہ ہے کہ یہ تمام عمر اپنے آپ کو سید سمجھتے اور کہلواتے رہے ان کے خطوط سے معلوم ہوا کہ ان کی ننہال سادات سے ہیں۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ تین چار سال کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ نانی نے پرورش کی اور لکھنؤ میں اپنے پاس رکھا۔ باپ کے پاس نہ جانے دیا۔ جب یہ اکیس بائیس برس کے تھے تو ان کے والد لکھنؤ گئے۔ اور وہاں سے انہیں دو روز کے لئے محمدی ضلع کھیم پور کھیری (یوپی۔ انڈیا) لے گئے اور دو روز کے لئے گڑھی لے گئے جہاں وہ راجہ محمودی کے فرزند کے اتالیق تھے۔ اس کے بعد باپ بیٹے کی ملاقات نہیں ہوئی۔ ان کی شادی ننہال میں ہوئی۔ پندرہ سولہ برس حیدر آباد میں بھی رہے۔

لو۔ آپ کے خلف اکبر جمال محمد المولد ۱۹۳۵ء لکھنؤ میں تولد ہوئے۔ گورنمنٹ سروس میں ملازم ہیں۔ تاحال شادی نہیں ہوئی۔ دوسرے فرزند مصطفےٰ کمال المولد ۱۹۴۰ء لاہور سے میٹرک کرنے کے بعد کہیں ملازم ہو گئے، معرفت شکیل احمد عباسی۔ چوہدری عبد العزیز ہوٹل۔ نمبر ۲۔ ایجرٹن روڈ لاہور۔ تیسرے فرزند سعید احمد المولد ۱۹۴۷ء لکھنؤ میں زیر تعلیم ہیں۔ آپ کی چھ لڑکیاں ہیں جن میں سے بڑی لڑکی جمال عائشہ بی اے ایل ٹی ڈاکٹر عبد السلام سندیلوی کی زوجہ ہیں۔

ب۔ محمد محسن کے والد الحاج قاری محمد احسن ۲۰ جمادی الاول ۱۳۰۴ھ ۱۶ جنوری ۱۸۸۷ء کو دوجانہ میں تولد ہوئے۔ اپنے چچا الحاج امیر علی مکی کے ہاں مکہ معظمہ میں پرورش پائی۔ وہیں فن قرأت پر عبور حاصل کیا۔ عربی فارسی حجازی لہجہ میں بولتے۔ عالم جوانی میں لکھنؤ چلے گئے۔ محمدی ضلع کھیم پور کھیری میں مدرسہ انجمن ترقی تعلیم محمدی قائم ہوا تو مولوی نظار الحق (۱۳ ب) وغیرہ کے ایما پر آپ کو لکھنؤ سے محمدی بلایا گیا۔ اور وہاں آپ پندرہ سولہ سال تک فن قرأت سکھلاتے رہے۔ وہیں دوسری شادی کی اور اولاد ہوئی اور وہیں وفات پائی۔ خدمت قرآن اور استغنا آپ کے خاص اوصاف تھے۔ آپ خاندان کا شجرہ بھی رکھتے تھے۔

الحاج قاری محمد احسن کے والد الحاج مطلوب علی تھے اور والدہ مولوی امام الدین (باب ۱۲) کی دختر تھیں۔ ان کے والد الحاج محبوب علی کا انتقال ۲۸ محرم ۱۲۸۶ھ ۱۰ اپریل ۱۸۶۹ء کو ہوا۔ الحاج محبوب علی نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی دار و گیر کے موقع پر ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی آپ کے داماد عماد الحق شہید (۴ ب) کو انگریزوں نے پھانسی دے دی تھی۔ ایک بار ہندوستان آئے تھے کہ دہلی میں انتقال ہو گیا۔

الحاج محبوب علی مہاجر مکی کے والد شیخ محمود نے ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۹۶ھ ۲۵ نومبر ۱۷۸۲ء کو ایک کھیت موسوم بہ کشت نمبر والا واقعہ محمدی راقم الحروف کے جد اعلیٰ حافظ صفت اللہ (۲۲ ب) کو فروخت کیا تھا۔ یہ کاغذ محفوظ ہے۔ ان کی زوجہ نصر الدولہ محمد احسان خان بہادر نصرت جنگ مستقیم الدولہ سپہدار جنگ صدیقی محمی (۱۱ ب) کی دختر تھیں۔

شیخ محمود کے والد شیخ محمد المعروف بہ شیخ منگا و شیخ منگن کے دستخط ۱۱۲۹ھ سے ۱۱۷۵ھ تک کی نو[۱] تحریروں پر ہمارے پاس محفوظ ہیں۔

شیخ محمد کے والد محمد شاہ کے دستخط "محمد شاہ ولد شیخ مراد بخط" ہمارے پاس پانچ[۲] قدیم تحریروں پر موجود ہیں جو ۱۱۰۹ھ سے ۱۱۳۶ھ تک کی ہیں۔ ان کی والدہ راقم الحروف کے جد اعلیٰ شاہ رزق اللہ الملقب بہ عالم خان (باب ۲) کی دختر تھیں۔

۱۔ شیخ منگا ولد شیخ محمد شاہ بخط، (محمد) ۱۵ محرم ۱۱۴۲ھ، ۲ ذیقعدہ ۱۱۲۲ھ شیخ منگا ولد شیخ محمد شاہ بخط (محمد) ۱۱ شوال ۱۱۵۱ھ، شیخ محمد ولد شیخ محمد شاہ بخط، غرہ جمادی الثانی ۱۱۶۲ھ، ۱۲ جمادی الثانی ۱۱۶۲ھ، ۴ رجب جمادی الثانی ۱۱۶۶ھ، ۵ شعبان ۱۱۷۱ھ

۲۔ کنز الآثار، ۱۲ ربیع الثانی و ۱۰ شوال ۱۱۰۰ ہجری، ۲۲ جمادی الآخر ۱۱۲۹ھ، ۱۲ ربیع الاول ۱۱۳۶ھ اور ۱۱ رجب ۱۱۳۶ھ۔

شیخ محمد مراد ولد شیخ عبد المنعم کے دستخط ۲۵ ربیع الاول سنہ ۱۰۹۶ھ ۱۹ فروری سنہ ۱۶۸۵ء اور ما بعد سنہ ۱۰۹۳ھ عہد عالم گیری کی تحریروں پر ہمارے پاس ہیں۔ نیز ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۰۶۳ھ سنہ ۱۶۵۳ء اور ۱۵ جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۵ھ کی دو تحریریں ہیں جن کے متن میں آپ کا نام آیا ہے۔

شیخ عبد المنعم کے دستخط عبد المنعم بخطہٖ ۱۱ محرم سنہ ۱۰۸۰ھ یکم جون سنہ ۱۶۶۹ء کی ایک تحریر پر محفوظ ہیں اور ۲۷ شوال سنہ ۱۰۸۰ھ کی ایک تحریر کے متن میں ان کا نام آیا ہے۔

شیخ عبد المنعم کے والد شیخ نصیر خاں کو خطاب خانی ملا ہوا تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا آپ کس سرکاری منصب پر فائز تھے۔ شیخ نصیر خاں نے شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں نور بی بی بنت شیخ عبد اللہ ملقب ریان شاہ دروازہ باب ۳ کی وقف کی ہوئی زمین پر مہم میں وہ مسجد تعمیر کرائی جسے سنہ ۱۹۲۶ء تک نرخی جی کی مسجد کہتے تھے۔ شیخ نور [illegible] کے والد مفتی نظام الدین اور ان کے اجداد کا ذکر باب ۲ میں آچکا ہے۔

۵۶۔ **محمد ممتحن علی** (المولد ۱۹۰۱ء)

بر مکان شاہ وصی اللہ نمبر ۲۲۔ روشن باغ ۔ الہ آباد

مولد و مسکن قصبہ محمدی ضلع کھیم پور کھیری (یوپی ۔ انڈیا) ہے اور عارضی طور پر الہ آباد میں مقیم ہیں جہاں وہ غالباً کسی عربی مدرسہ میں تعلیم دیتے ہیں۔ اپنے والد سے تعلیم پائی۔ بزرگوں کی صحبت میں رہنے سے علم دین میں بڑا دخل ہو گیا ہے۔ مطالعہ وسیع ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ شاہ وصی اللہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔

و۔ آپ کے فرزند مولانا محمد یونس المولد سنہ ۱۹۳۴ء دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں اور الہ آباد کے کسی دینی مدرسہ میں معلم حدیث و فقہ ہیں۔

۵۷۔ **ظفر الحسن** (المولد سنہ ۱۹۱۱ء)

جنرل مرچنٹ ۔ قصبہ محمدی ضلع کھیری کھیم پور (یوپی ۔ انڈیا)

نام ہی مادۂ سن پیدائش ہے۔ راجگان محمدی اور ناپارہ ضلع بہرائچ کی جاگیروں کے مختار عام و تحصیلدار رہے۔ اب بساط خانہ کی دکان کرتے ہیں۔

و۔ آپ کے فرزند فیض الحسن المولد سنہ ۱۹۴۲ء گذشتہ سال ایف ایس سی کلاس میں پڑھ رہے تھے۔

۵۸۔ **محمد اسحاق مکی** (۱۸۸۱ء ۔ ۱۹۴۸ء)

مولد و منشا مکہ معظمہ۔ وہیں مدرسہ فخریہ عثمانیہ میں تعلیم پائی۔ یہ مدرسہ سنہ ۱۸۸۱ء میں مولانا قاری عبد الحق گونڈوی ثم مکی نے قائم کیا تھا۔ ان کے اولاد نرینہ نہ تھی اس سے اپنی زندگی کے آخری وقت میں انہوں نے

یہ مدرسہ حضرت قاری محمد اسحاقؒ کے سپرد کر دیا۔ آپ نے مدرسہ کی نظامت سنبھالتے ہی اسے بڑی وسعت دی۔ اس کی مالی حالت درست کرنے کے لئے کئی بار ہندوستان کا سفر کیا۔ اس مدرسہ نے اتنی ترقی کی کہ اس میں مشرق کے ہر ملک کے طلبہ تعلیم پاتے ہیں۔ کئی کئی سو طلبہ بیک وقت حفظ قرآن کرتے ہیں۔ اس میں سعودی عرب کے جدید تعلیمی نظام کے مطابق نصاب بھی پڑھایا جاتا ہے۔ حضرت قاری محمد اسحاقؒ نہر زبیدہ کے ڈیرہ حجاز پورڈ آف دی گورنر بھی تھے۔

و۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ خلف اکبر قاری محمد علی کی پیدائش مکہ معظمہ میں سنہ ۱۳۴۰ھ سنہ ۲۱-۱۹۲۰ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مکہ معظمہ میں حاصل کر کے مزید تعلیم کے لئے مصر چلے گئے۔ وہاں سے آکر سعودی عرب حکومت کی ملازمت اختیار کر لی۔ اپنے والد بزرگوار کی وفات پر مدرسہ عثمانیہ فخریہ کے مہتمم مقرر ہو گئے۔ اب یہ مدرسہ آپ کی نگرانی میں چل رہا ہے۔ پہلے یہ مدرسہ کعبۃ اللہ کے باب ابراہیم کے اوپر والی عمارت میں تھا۔ گذشتہ سال خانہ کعبہ کی توسیع ہوئی تو یہ حصہ بھی حرم شریف میں داخل کر دیا گیا۔ اب یہ مدرسہ کسی اور جگہ چلا گیا ہے۔ حضرت قاری محمد علی اردو بھی اچھی جانتے ہیں۔ میرے پاس ان کے خطوط اردو ہی میں آتے ہیں۔ انہوں نے غالباً ابھی تک شادی نہیں کی۔ (پتہ: مہتمم مدرسہ فخریہ عثمانیہ پوسٹ بکس نمبر ۱۴۳۰ مکہ معظمہ) ان کی والدہ تو خاندان سے تھیں۔ لیکن ان کے چھوٹے بھائی حسن کی والدہ زینب بنت ابراہیم فلی الہندی ہیں۔ حسن مکہ معظمہ میں سنہ ۱۳۶۰ھ میں تولد ہوئے۔ مصر میں ہوائی جہاز کی انجینئرنگ کا امتحان پاس کیا اور اب سعودی عرب کی ہوائی سروس میں ملازم ہیں۔

ب۔ حضرت قاری محمد اسحاق کے والد محبوب علی کا مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔ ان کے اجداد کا تذکرہ اسی باب میں نمبر ۵۵ پر ملاحظہ ہوں۔

15 ـــــ اولاد مولوی غیاث الدین بن شاہ احمد الدین رہتکی

مفتی عیاذ الدین
|
بخشی ظہیر الدین
|
ڈاکٹر ظہور الدین

ضمیر الدین (۵۹) — کبیر الدین (۶۰) — دبیر الدین (۶۱) — سفیر الدین — اثیر الدین (۶۴) — عبیر الدین (۶۵)

نصیر الدین (۶۲) — ہمایوں فر (۶۳)

۵۹- ضمیر الدین (۱۸۷۶-۱۹۵۲ء)

رہتک میں پیدا ہوئے اور ملتان میں وفات پائی۔ پہلے ریاست بھرت پور میں داروغہ جنگلات تھے پھر رہتک میں میونسپل لائبریرین ہو گئے۔ آپ کے کچھ غیر مطبوعہ افسانے اور ایک ناول وفادار بیوی کا مسودہ آپ کے فرزند منیر الدین کے پاس ہے۔ شاعری سے شغف تھا۔ اظہر تخلص کرتے تھے۔ کلام رسائل میں شائع ہوتا رہا مگر یکجا شائع ہونے کی نوبت نہ آئی اور تمام ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گیا۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ملتان اکر جو کچھ کہا اس میں سے کچھ ہدیۂ قارئین ہے:

غزل

جو دہی باعث تسکیں جب پھر درد کا درماں کون کرے
جب ہجری وصل سے بڑھ کر ہو پھر وصل کا ساماں کون کرے

مایوس نگاہیں ڈھونڈتی ہیں اک جلوہ مرے میخانے میں
اب تیرے سوائے رشکِ قمر اس گھر کو شبستاں کون کرے

اظہار محبت تو کر دوں بیکس وہ خفا ہو جائیں گے
اب بیکسی اور تنہائی میں اس دل کو پریشاں کون کرے

اک دل میں خلش سی ہوتی ہے کانٹا سا جگر میں چبھتا ہے
بیتاب ہوں میں وہ بے پروا، مشکل میری آساں کون کرے

اے رشکِ قمر اے سرو رواں بے گلشن دل پر دورِ خزاں
اس اجڑے چمن کو تیرے سوا اب رشکِ گلستاں کون کرے

یہ عشق کی منزل ہے اے دل کچھ کھیل نہیں ہے بچوں کا
خاروں سے الجھ کر صحرا میں خود چاک گریباں کون کرے

ہم خاک بھی ہو کر اے اظہر پہنچے نہ کسی کے دامن تک
جب وہ ہی بچائیں دامن کو پھر چاک بداماں کون کرے

بہت دن رہے ہم یہاں شاد ماں — مگر غم کا اب گھر ہے ہندوستاں
نہ محفوظ دولت نہ ہے آبرو — ہر اک شخص کی اب ہے خطرے میں جاں

رباعی

دانش فریب خوردہ ہے اور کور چشم علم — تاریک ان کی نظروں میں نورِ سحر ہے آج
اہلِ خرد کی نظروں میں جو فعل عیب تھا — اہلِ جہاں کے سامنے وہ ہی ہنر ہے آج

جفائیں سینکڑوں جھیلیں زبانِ آفتہ کی اظہر — محبت میں اگر ثابت قدم نکلے تو ہم نکلے

مدح بیجا نہیں افراطِ محبت کی دلیل — دوست وہ ہے جو ترے نقص بتائے تجھکو

ہیں دیکھی ہوئی میں نے ساقی کی آنکھیں — یہ دل شیخ و واعظ کا قائل نہیں ہے

عمر بھر گو مصیبتیں جھیلیں — حق ہستی مگر ادا نہ ہوا

اہلِ دنیا زخدا عیش جہاں می طلبند — از خدا مردِ خدا عین خدا می خواہد

اے رشکِ خورشید و قمر زلف و رخت شام و سحر — اے اختر تابندہ ترا آسمان کیستی

۱۔ آپ کے چار فرزندوں میں سے دو پاکستان میں فوت ہوئے۔ فرزند اکبر رفیق الدین (۱۸۹۵ء-۱۹۵...
لاولد فوت ہوئے۔ خلف ثانی محمد اسحاق (۱۸۹۸-۱۹۵۰ء) محکمہ تعلیم میں بعنوان ٹریننگ انسٹرکٹر تھے ملتا...

میں انتقال ہوا۔ محمد اسحاق مرحوم کے دو فرزند ہیں: نورالحسن بی اے پاس ہیں۔ تنویر الحسن کسی انشورنس کمپنی کی شاخ کراچی میں سٹینوگرافر بتائے جاتے ہیں۔ (پتہ: ۵۵ نزاہن نواس۔ شکار پور کالونی، کراچی) تنویر الحسن کی بڑی بہن کنیز فاطمہ بی اے آنرز کی شادی آگرہ کے محمد اقبال صاحب بی کام سے ہوئی۔ خاوند بیوی آج کل یورپ میں ہیں۔ دوسری بہن خلیق فاطمہ سینئر کیمبرج پاس ہیں ان کی شادی ڈاکٹر مظفر احمد سے ہوئی۔

ب۔ منشی نیر الدین اظہر کے والد الحاج ڈاکٹر ظہور الدین ظہور (۱۸۵۳ء-۱۹۱۳ء) آگرہ میڈیکل سکول کے سند یافتہ تھے۔ پچیس سال فوج میں ڈاکٹر رہے۔ جن میں سے سولہ سال بنگال لانسرز کے ساتھ رہے۔ ۱۸۹۶ء میں ریٹائر ہوئے۔ اس رجمنٹ کے آفیسر کمانڈنگ کرنل رچرڈسن (بعد میں لیفٹیننٹ جنرل سر جارج رچرڈسن) نے آپ کی سبکدوشی پر جو سند خوشنودی دی اسکے دو فقروں کا ترجمہ ہے:

"ظہور الدین کی حسن کارکردگی کو رجمنٹ نے اس طرح خراج تحسین دیا کہ پانچ سو روپے جمع کر کے انہیں ایک خلعت اور ایک گھڑی پیش کی۔ ہندوستان میں اپنے طویل عرصۂ ملازمت میں، میری یاد میں مجھے ایک بھی دیسی افسر نہیں ملا جس سے ہر مذہب کے لوگ اتنی محبت کرتے ہوں۔"

ملازمت سے سبکدوش ہو کر آپ رہتک میں پریکٹس کیا کرتے تھے اور افرادِ خاندان کا مفت علاج کرتے۔ جھجر بس سٹینڈ پر جو مسجد ہے وہ آپ کی زمین پر آپ کی مساعی سے تعمیر ہوئی اور مسجد ڈاکٹر ظہور الدین کے نام سے معروف ہوئی۔ آپ کی شخصیت بڑی ہی پُر وقار تھی۔ دوہرا جسم۔ نورانی چہرہ۔ تنہائی پسند اور پابند اوقات تھے۔ نثر میں آپ کی کتاب آرائش دارین ہے جس کا مطبوعہ نسخہ آپ کے فرزند الحاج کبیر الدین (۲۰) کے پاس ہے۔ یہ کتاب دہلی میں غالباً ۱۹۰۶ء میں طبع ہوئی۔ شعر گوئی کا مشغلہ بھی جاری رہتا۔ ظہور تخلص کرتے تھے۔

ڈاکٹر ظہور الدین کے والد بخشی مظہر الدین (متوفی ۱۸۶۶ء) دوجانہ میں بخشی تھے۔ آپ کے والد شاہ عیاذ الدین تھے۔ ۲ رجمادی الثانی ۱۲۶۱ھ ۱۸۴۵ء کے ایک بیع نامہ میں لکھا ہے:

"حلیہ شاہ عیاذ الدین ولد شاہ غیاث الدین قوم شیخ ساکن قصبہ رہتک، عمر شصت سال، پیشہ نوکری۔ گندم رنگ، فراخ پیشانی، کشادہ ابرو۔ سیاہ چشم۔ بلند بینی۔ ریش و بروت ابلق۔ دراز قامت۔ فربہ اندام۔ مسہ بر رخسارہ"

مفتی عیاذ الدین کا ۸ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ ۱۰ ستمبر ۱۸۶۳ء کو انتقال ہوا۔ مسکن رہتک تھا۔ آپ نے اپنے والد سے اجازتِ خلافت پائی۔ یہ اجازت نامہ ۲ رشعبان ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۶ء کو تحریر ہوا۔ اور

قاری وضاحت حسن (۶۷ ل) کے پاس ہے۔ مولانا حافظ الدینؒ شاہ عیاذ الدینؒ کے خلفاء میں سے تھے۔ آپ پرگنہ رہتک کے مفتی تھے چنانچہ آپ کی دو مہریں ایک ہی تاریخ کے دو کاغذات پر میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہ دونوں کاغذ ۶ رذی الحجہ ۱۲۲۳ھ ۱۲ رجنوری ۱۸۰۹ء کو رہتک میں لکھے گئے۔ ان دو مہروں میں سے ایک چوکور مہر عیاذ الدین مفتی ۱۲۲۲ ہے اور دوسری گول کلاں مہر عیاذ الدین مفتی دین احمد ۱۲۲۳ ہے۔ گویا آپ بائیس سال کی عمر میں منصب افتاء پر فائز تھے اور اس وقت آپ کے والد اور دادا حیات تھے۔ محمد احسن الدین (۱۹۳ ل) کے پاس ۱۹ شعبان ۱۲۲۹ھ کا محررہ استشہاد نامہ ہے جس پر مہر ہے۔ عیاذ الدین مفتی ۱۲۲۶۔ احسن الدین کے پاس تین کاغذ اور ہیں۔ ۹ ذی الحجہ ۱۲۴۶ھ کی ایک تحریر کی رو سے سمات رحمت النساء بنت شاہ بدر الدینؒ نے اپنی سونی پت کی زمینوں کو شاہ عیاذ الدین اور ان کے والد شاہ غیاث الدینؒ کو تفویض کیا۔ آٹھ آٹھ آنے کے دو سرکاری تمسکات پر آپ کا نام آیا ہے پہلا کاغذ ۵ اپریل ۱۸۴۲ء کا ہے اور دوسرا ۹ جون ۱۸۶۴ء کا ہے۔ تمام کاغذات میں عیاذ کی املا ذ سے ہے۔ قانون سلوک صفحہ ۱۳۵ پر آپ کی یہ تاریخ وفات درج ہے جو غالباً مولوی مبین الدین غمگین (۷۷ ب) کی کہی ہوئی ہے۔

حسرت کہ قضا عیاذ دیں کرد — کو بود بملک معرفت شاہ

باغایت درد گفتہ ام سال — اے شاہ عیاذ دین حق آہ

۱۲۷۶ + ۴ = ۱۲۸۰ھ

مفتی شاہ عیاذ الدینؒ کے والد شاہ غیاث الدینؒ اپنے تایا حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکیؒ (۲ ب) کے خلیفہ و جانشین تھے اور صاحبِ دل، صاحبِ کمال اور صاحبِ تصنیفات بزرگ تھے (قانونِ سلوک ص ۱۱۷) ہماری نظر سے آپ کی کوئی تصنیف نہیں گزری۔ آپ کی کہی ہوئی تاریخ ہائے وفات حضرت شاہ غلام جیلانیؒ کے ذکر میں درج کی جا چکی ہیں۔ وفات ۹ رشعبان ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء کو ہوئی۔ مولوی مبین الدین غمگین (۷۷ ب) نے تاریخ وفات کہی:

آں غیاث الدین شاہ ملکِ زہد — قلبِ من غمگین شد و زارید و گفت

از سرش بنواختہ تاج ممات — رونقِ خلد بریں۔ سالِ وفات

۱۲۵۲

شاہ غیاث الدینؒ کے والد شاہ غلام احمد الدینؒ حضرت شاہ غلام جیلانیؒ (۲ ب) کے چھوٹے بھائی تھے۔ تحریر شاہ غیاث الدین مملوکہ قاری وضاحت حسن نمبر (۶۷ ل) محمد احسن الدین (۱۹۳ ل) کے پاس

۱۹ رمضان ۱۲۲۰ھ ۱۱ دسمبر ۱۸۰۵ء کا ایک فرمانِ شاہی ہے۔ اس پر مستطیل مُہر محمد بخش خان بہادر والد محمد عارف خان بہادر ۱۱۹۵ھ لگی ہوئی ہے۔ اسے ہم پورا نقل کرتے ہیں:

عاملان حال و استقبال پرگنہ رہتک مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد در موضع کوپوست
سی املاک شاہ غلام احمد الدین وغیرہ وارثان حقائق و معارف آگاہ مولوی شاہ بدرالدین
چشتی قادری قدس سرہٗ (۲۰) تعبہ ودیات موضع کوتانہ و پارہ بموجب فرمان عالیشان
و پروانہ حضور از قدیم مقرر، و از ابواب نذرانہ سرکار و پنجم حصہ معاف و مرفوع القلم است
لہذا اجرائے استحقاق حق نمودہ اراضی مذکور موافق ... قدیم معاف و واگزار نمودہ اند
کہ سال بسال معرف وارثان مذکورہ واگزارند و نوعی احکام معترض و مزاحمت نرسانند
و مبلغ سی و شش روپیہ من جملہ نذرانہ سرکار موافق سال گذشتہ و حال معاف دانستہ
..... باشند......"

در موضع پارہ	در موضع کوتانہ
ماحت بیگہ	۱۱ بیگہ

فی التاریخ نوزدہم ۱۹ شہر رمضان المبارک ۲۵ سنہ
موافق ۱۲۲۰ ہجری"

مولوی معین الدین غمگین (۲۲ ب) نے تاریخ وفات کہی:

غلام احمد الدین چوں زدنیا — سوئے ملک بقا رفتہ بصد جاہ
دل غمگیں بہ تاریخش بنالید — غلام احمد الدین آہ باآہ

۱۲۳۴ھ

آپ نے ۱۰ صفر ۱۲۳۴ھ ۸ دسمبر ۱۸۱۸ء کو وفات پائی۔ آپ کے والد شاہ اوحد مولانا بدرالدین اور ان کے اجداد کا تذکرہ باب ۳ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۶۰۔ کبیر الدین احمد (المولد ۱۸۹۶ء)

۱۵ ایچ ۔ مری روڈ ۔ راولپنڈی

الحاج ڈاکٹر کبیر الدین احمد ۱۹۳۰ء کے ایم بی (ہومیو) ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں میٹرک کیا۔ ۱۹۵۲ء تک جنرل ہیڈ کوارٹرز میں دہلی، شملہ اور راولپنڈی میں ملازم رہے اور ڈپٹی اسسٹنٹ ملٹری سیکرٹری کے منصب سے ریٹائر ہوئے۔ یہ منصب میجر کے عہدے کے برابر ہے۔ دوران ملازمت شکل و شباہت

وضع قطع سے ان میں اور کسی انگریز میں تمیز کرنا مشکل تھا مگر پابندِ صوم و صلوٰۃ ہمیشہ رہے۔ ریٹائر ہو کر مشرقی لباس اور قطع ایش میں مشرقی نفاست کے ایک اعلیٰ نمونہ نظر آتے ہیں۔ تمام وقت ذکر و اذکار اور تعلیم و تعلّم میں گزرتا ہے۔ دراز قامت، متناسب اعضا، خوش رو اور خوش پوش بزرگ ہیں، صحت بھی اچھی ہے۔ بڑی بڑی آنکھیں، کشادہ پیشانی، رنگ گورا چٹا۔ اردو انگریزی خط نہایت پاکیزہ ہے اور قوتِ حافظہ غضب کی ہے۔

۱۔ آپ کے خلف اکبر ظہیر الدین احمد نسیم المولد ۱۹۱۵ء منسٹری آف ڈیفنس میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر ہیں۔ دوسرے فرزند شمیم الدین احمد المولد ۱۹۲۷ء آج کل ڈھاکہ میں پاکستان انٹرنیشنل ایرلائنز (پی آئی اے) کے ڈسٹرکٹ منیجر ہیں۔ لوزان (سوئٹزرلینڈ) کی ایک خاتون مس کیلر سے شادی کی تھی۔ رشید شمیم احمد، ریاض شمیم احمد اور رضی الدین احمد تین فرزند بھی تولد ہوئے۔ مگر ۱۹۶۱ء میں اس خاتون کو طلاق دے دی۔ الحاج کبیر الدین احمد کے تیسرے فرزند معظم سلیم ۱۹۳۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں گارڈن کالج راولپنڈی سے بی۔ ایس۔ سی کیا۔ اس کالج کی کرکٹ کلب کے کیپٹن بھی رہے۔ اب لندن میں سلفر بیجز لمیٹڈ کمپنی میں آڈیٹر ہیں۔ وہاں کرکٹ بھی کھیلتے ہیں۔ آپ کے باقی تین فرزند ظفر عباس المولد ۱۹۳۷ء، ذوالزمان المولد ۱۹۴۵ء اور فصیح الزمان المولد ۱۹۵۰ء ابھی زیر تعلیم ہیں۔

۶۱۔ دبیر الدین احمد (المولد ۱۸۹۸ء)

خاندان کے جن افراد کے کردار کی عظمت سے راقم الحروف متاثر ہوا ان میں ایک آپ ہیں۔ طویل القامت، خوبرو اور خوش پوش اور خوش خصال ہیں۔ ساواتی قسم کے بزرگ نہیں۔ نہایت باضابطہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ میٹرک پاس ہیں۔ ریٹائر ہوتے وقت ڈپٹی کمشنر سرگودھا کے ہیڈ کلرک تھے۔ تمام مدت ملازمت نیک نامی میں گزاری۔ تنہائی پسند اور خاموش طبع ہیں۔ زیر مطالعہ تالیف کے لئے میں نے آپ کو خط لکھا تو مشفقانہ سرزنش ہوئی کہ "پدرم سلطان بود" کو چھوڑو اور کوئی تعمیری کام کرو اور یہ بھی تاکید کیا کرو اور کس طرح کرو۔ جب میں سرگودھا جا کر آپ سے ملا تو طبعی ظرافت سے مجبور ہو گئے اور اس سلسلے میں جو کچھ آپ کے پاس تھا بلا تامل میرے سامنے لا کر رکھ دیا۔ ان میں اہم ترین چیز خاندان کا کتابی شکل میں نسب نامہ ہے۔ حکیم شکور الدین (۴۰ ب) کے پاس جو نسب نامہ تھا اسے نقل کر کے اس کی تکمیل کی اور اس کا مقابلہ کاغذات مال سے کیا۔ آپ کی موجودہ زوجہ یعنی راس مسعود تاج محمود سلیم پرویز کی والدہ شاعرہ ہیں۔ انجم تخلص کرتی ہیں۔ انجم صدیقی قلمی نام ہے۔ پورا کلام دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ صرف دو مطبوعہ نظمیں نظر سے گزری ہیں وہی درج ذیل ہیں:

نعت

حبیبِ پاک سے میرا سلام کہہ دینا — جھکا کے سر کو ادب سے احترام کہہ دینا
یہ عرض اپنی ہے اے نیک نام کہہ دینا — ہے بے قرار کوئی تشنہ کام کہہ دینا
تمہاری یاد میں خیر الانام کہہ دینا

درِ حبیب پہ تم جا رہے ہو خوش ہو کر — تم اپنی آنکھ سے دیکھو گے روضۂ پرنور
مچل رہا ہے مرا دل تڑپ رہا ہے جگر — رسولِ پاک ہو عاصی پہ بھی کرم کی نظر
جہاں میں آپ کا ہے فیضِ عام کہہ دینا

بلا بھی لیجئے عاصی کو اب تو روضہ پر — دکھا بھی دیجئے روئے جمال پُرانوار
ہٹا بھی دیجئے رُخ سے حجاب یا سرکار — بسر ہوں اب تو مدینہ میں اپنے شام و سحر
یہی ہے آرزو دل میں مدام کہہ دینا

بلایا آپ نے لاکھوں کو اپنی خدمت میں — مگر فراق ہی لکھا تھا اپنی قسمت میں
تڑپ رہی ہے نظر حضرت تمہاری فرقت میں — یہ غم ہے۔ دم نہ نکل جائے حیف حسرت میں
ہو اس کے کرنے کا بھی انتظام کہہ دینا

تمہاری یاد میں یا شاہ زار زار ہے وہ — غمِ فراقِ مدینہ میں اشکبار ہے وہ
ہر ایک لحظہ و ہر دم بہ اضطرار ہے وہ — قسم خدا کی بلا لیجئے بے قرار ہے وہ
کہ اس غریب کا انجم ہے نام کہہ دینا

(منقول از ماہنامہ حور عید نمبر ۱۹۵۳ء۔ ایک بند چھوڑ دیا گیا)

آہ قائدِ اعظم (نسف)

اے قوم کے سردار مکرم و معظم — اے قائدِ اعظم
تو مردِ مجاہد تھا نہ بھولیں گے تجھے ہم — اے قائدِ اعظم
دنیا میں تری موت سے کہرام مچا ہے — دل ڈوب رہا ہے
یہ صدمۂ جانکاہ قیامت سے نہیں کم — اے قائدِ اعظم
اس صدمۂ جانسوز سے ہر خورد و کلاں کا — ہر پیر و جواں کا
دل درد سے لبریز ہے اور چشم ہے پُرنم — اے قائدِ اعظم
تو نے کیا اس دور میں احسان یہ ہم پر — اے قوم کے رہبر

اونچا کیا اس دور میں اسلام کا پرچم — اے قائدِ اعظم
انجم کی دعا ہے یہی اللہ سے ہر آن — اے مردِ مسلمان
مرقد پہ ترے بارشِ انوار ہو پیہم — اے قائدِ اعظم

(منقول از رسالہ شاہد لاہور اشاعت ۴ر اکتوبر ۱۹۴۸ء)

۱۔ دبیر الدین کے آٹھ فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر بشیر الدین ۱۹۱۹ء میں رہتک میں تولد ہوئے۔ تین سال برسرِ جماعت رہے ہیں۔ محنتی اور شریف النفس ہیں۔ میٹرک پاس کر کے رہتک میں فوٹو گرافی کی دکان کھولی۔ اب کراچی میں یہی کام کر رہے ہیں۔ ...ست کمیٹی رہتک کے سیکرٹری بھی رہے۔ ۱۹۴۲ء میں جب راقم الحروف نے رہتک مسلم لیگ کی از سرِ نو تنظیم کی تو یہ میرے دستِ راست تھے اور جماعت کے سیکرٹری بنائے گئے۔ ۱۹۴۶ء میں خلاف خضر وزارت تحریک میں پیش پیش تھے اور ۱۹۴۷ء میں جب مسلمانوں کا خون پانی سے بھی زیادہ ارزاں تھا یہ ہماری مختصر سی گولہ بارود فیکٹری کے انچارج تھے۔

دبیر الدین کے دوسرے فرزند صفاء الدین المولد ۱۹۲۲ء مالک فوٹو سنٹر حسین آگاہی روڈ ملتان ہیں (گھر: ۲/۳۸۲۴ چوہڑی سرائے ملتان) ان کی سُریلی آواز آج بھی چوتھائی صدی بعد کانوں میں گونجتی ہے۔ یہ نعتیں اور نظمیں پڑھ کر سحر خیزی کا پیغام پہنچاتے تھے۔ رہتک مسلم لیگ کے سرگرم کارکن رہے ہیں۔

تیسرے فرزند سعید الدین دفتر خزانہ سرگودھا میں کلرک ہیں۔ چوتھے فرزند زبیر الدین لاہور میں کسی اچھی ملازمت پر ہیں۔ پانچویں فرزند سلیم اظہر بی ایس سی انجینئرنگ بتائے جاتے ہیں۔ چھٹے فرزند حافظ راس مسعود کراچی میں کسی غیر ملکی فرم میں سٹینو گرافر ہیں۔ باقی دو فرزندوں کے نام تاج محمود اور ندیم پرویز ہیں۔ دبیر الدین کی پانچ زندہ دختروں میں سے ایک مس شمسہ خاتون بی اے بی ایڈ ہیں۔

(۶۲) نصیر الدین (المولد ۱۹۲۲ء)

لفٹننٹ کرنل نصیر الدین احمد معرفت آرڈیننس ڈائرکٹوریٹ جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی۔

خاندان کے پہلے فرد ہیں جو برطانوی عہدِ حکومت اور آزادیٔ پاکستان کے بعد اس فوجی منصب تک پہنچے۔ پیدائش رہتک میں ہوئی۔

۱۔ آپ کے تین فرزند ہیں: پرویز اقبال ۱۹۵۰ء میں کراچی میں تولد ہوئے۔ سہیل احمد ۱۹۵۱ء میں راولپنڈی میں اور نسیم احمد ۱۹۵۳ء میں کوئٹہ میں پیدا ہوئے۔

ب۔ آپ کے والد صغیر الدین (۱۸۹۹-۱۹۴۳ء) کا رہتک میں انتقال ہوا۔ ڈاک خانہ میں کلرک تھے مگر بڑی ہی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ رہتک میں سٹیج ڈرامہ کو آپ نے ہی مقبول بنایا۔ قد آور، خوش شکل

جسیم، فیاض، مہمان نواز، ہر دلعزیز اور مجلسی انسان تھے۔

۶۳۔ **ہمایوں فر** (المولد ۱۹۳۵ء)

ٹھیکیداری کر رہے ہیں۔

۶۴۔ **اثیر الدین** (المولد ۱۹۰۱)

مکان نمبر ۱۰۷۳، حیل ساون کپور، وارڈ نمبر ۴۔ ملتان

قد میانہ، دوہرا جسم، گورا چٹا رنگ، خاموش طبع اور منحنی کل ہیں۔ ۱۹۱۹ء میں میٹرک کیا، بازو کولا رہتک میں برانچ پوسٹ ماسٹر تھے۔ جوتوں کا اپنا کارخانہ بھی تھا۔ اب ملتان میں کاروبار کر رہے ہیں۔

ا۔ آپ کے چار فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر محمد اسلم بی۔ اے المولد ۱۹۳۰ء جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی میں اسسٹنٹ ہیں۔ خلف ثانی محمد محسن المولد ۱۹۳۲ء بی اے کرنے نہ پائے تھے کہ حبیب بنک ملتان میں اکاؤنٹنٹ لگ گئے۔ تیسرے فرزند مظہر جمیل المولد ۱۹۳۹ء میٹرک پاس ہیں اور اپنے والد کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں۔ سب سے چھوٹے محمد حمید رضا المولد ۱۹۴۲ء ہیں۔

۶۵ **عبیر الدین** (المولد ۱۹۰۶ء)

ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ ریلوے کراچی کے دفتر میں اکاؤنٹس برانچ میں ہیں۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی دبیر الدین کے فرزند ظہیر الدین بی ایس سی اور دختر شمسہ خاتون بی اے بی ایڈ کو اپنا متبنیٰ بنایا ہوا ہے۔

---

16 — اولاد مولوی امام الدین بن شاہ احمد الدین

مولانا حافظ الدین

زین العابدین — سید حسن شبر

زین العابدین: سلیم الدین — حبیب احمد (۶۶)

سید حسن شبر: فیض الحسن (۶۷) — غلام ربانی (۶۸)
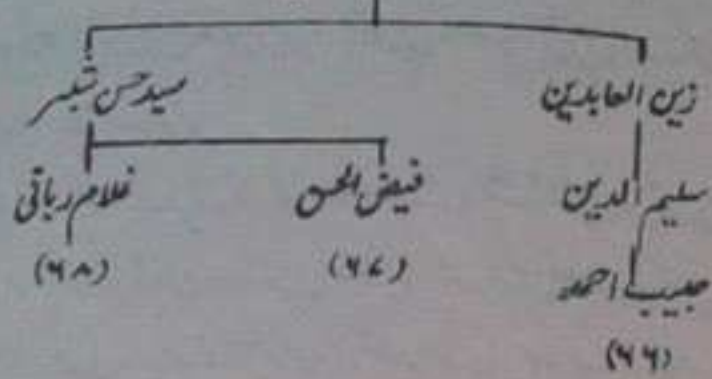
۶۶۔ **حبیب احمد**

میانہ قد، جسم بھرا ہوا اور گورے چٹے تھے۔ تعلیم و تدریس اور پیش امامی شغل رہا۔

ا۔ آپ کے تین فرزند ہیں: مطلوب احمد، محمد احمد اور خطیب احمد۔

ب۔ آپ کے والد مولوی سلیم الدین کا ۱۹۲۶ء میں رہتک میں انتقال ہوا۔ مدفن دوجانہ میں ہے۔ قلندری رنگ کے باکمال اور بڑے اسرار بزرگ تھے۔ کاٹھیا واڑ کے رؤسا آپ کے معتقد تھے۔ بھرت پور کے رئیس الف خاں بھی آپ کے متبعین میں سے تھے۔ رٹمیانہ ٹھاٹھ سے رہتے۔ ایک وقت میں بیسیوں جوڑے جوتے ہوتے اور اتنی ہی شیروانیاں۔ علامہ عندلیب شادانی نے آپ پر ایک مضمون "مولوی سلیم الدین" لکھا تھا جو شائع بھی ہوا۔

مولوی سلیم الدین کے والد مولوی زین العابدین کا دوجانہ میں ۱۹۱۵ء میں انتقال ہوا۔ چندے رہتک کے بیوپاریوں کی مسجد میں پیش امام رہے۔ مگر عمر کا بڑا حصہ دوجانہ میں گزارا۔ بڑے خوش مذاق انسان تھے۔ آپ کے والد کا تذکرہ باب ۳ میں ہو چکا ہے۔

۶۷۔ **فیض الحسن** (۱۸۹۳-۱۹۵۱ء)

نمبر ۳ پیدا ہوئے۔ دوجانہ میں کلام اللہ حفظ کیا۔ اور چودہ سال کی عمر میں مزید تعلیم کے لئے حجاز بھیج دیئے گئے۔ مدرسہ صولتیہ میں داخل ہو گئے۔ چندے بعد مدینہ منورہ جا کر شیخ السادات کے مدرسہ میں تعلیم پانے لگے۔ تین سال میں قرأت اور صرف و نحو کی ادھوری تعلیم پا کر دوجانہ آ گئے۔ رہتک کے مدرسہ خیر المعاد میں پڑھتے رہے پھر کانپور جا کر مولوی سلیمان صاحب سے دورہ حدیث کیا اور مولوی مشتاق احمد سے منطق پڑھی۔ اپنے والد بزرگوار کے خلیفہ مجاز تھے۔ بیعت ثانی حکیم شکور الدین (۴۸ ب) سے کی۔ آپ نے دوجانہ میں مدرسہ اقتداریہ قائم کیا۔ آزادی پاکستان کے بعد آپ کا قیام دوجانہ ہی میں رہا۔ وہیں

انتقال ہوا۔ قاری فیض الحسن کی زندگی کا کارنامہ یہ ہے کہ موضع گڑھا دھجر اور دوجانہ کے درمیان کے
مولا جاٹ ۱۹۴۷ء میں مرتد ہو گئے تھے۔ آپ نے انہیں پھر سے مسلمان کر کے پاکستان بھجوایا۔ [illegible]
گھر موضع جتاوی لاکھا پور ضلع ملتان میں رہتے ہیں۔ صوبہ دہلی میں نجف گڑھ کے قریب موضع [illegible]
کو بھی آپ نے پھر سے مسلمان کیا۔

۱- آپ کے اکلوتے فرزند قاری وضاحت حسن ۱۹۱۵ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ نام مادہ تاریخ پیدائش ہے (۱۳۳۳ھ) قرآن دوجانہ میں حفظ کیا۔ اور درس نظامی کی تکمیل رہتک کے مدرسہ [illegible] میں مولانا حامد علی سے کی۔ اپنے نانا حکیم مولوی شکور الدین (۴۸ب) سے طب پڑھی۔ اپنے والد کے خلیفہ مجاز ہیں۔ چاروں خانوادوں کی اجازت ہے مگر مرید صرف سلسلہ قادریہ میں کرتے ہیں۔

آپ کے تین فرزند ہیں: صباحت حسن، مبشر حسن اور مہدی حسن۔ (پتہ: مکان نمبر ۱۱۴ وارڈ نمبر [illegible] جھجھ منوکا۔ ملتان شہر)

قاری وضاحت حسن کے پاس خاندان سے متعلق گراں قدر ذخیرہ ہے جس سے ہم نے اس کتاب کے بعض حصوں کی تیاری میں مدد لی ہے۔ آپ کے پاس جو اہم چیزیں ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱- نسب نامہ مرتبہ محمد الیاس آثم (۲، ب)
۲- اوراد حبیبیہ مصنفہ الحاج قاری مفتی حبیب اللہ ثانی (باب ۲)
۳- قلمی نسخہ بلبل باغ نبی مصنفہ شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ۵)
۴- وہ خلافت نامے اور اجازت نامے، تبرکات اور قلمی نسخے جو شاہ بدرالدینؒ (باب ۳)، شاہ غلام جیلانیؒ (باب ۳)، شاہ غیاث الدینؒ (۹۵ب)، مولوی امام الدینؒ (باب ۳)، شاہ عیادت [illegible] (۹۵ب) اور مولانا حافظ الدینؒ (باب ۳) کو اپنے مرشدین سے ملے۔ اور جو انہوں نے اپنے خلفا کو دیئے۔
۵- لطائف المریدین مصنفہ شاہ غلام جیلانیؒ (باب ۳)
۶- خانوادۂ افضلیہ الہ آبادیہ کی کتنی قلمی کتابیں۔
۷- مولوی امام الدینؒ (باب ۳) کے تحریر کردہ سترہ رسائل۔
۸- بیاض قاری فیض الحسن۔
۹- شاہ بدرالدینؒ (باب ۳) کا کرتہ
۱۰- شاہ غلام جیلانیؒ (باب ۳) کی دو ٹوپیاں اور ایک جبہ۔

۱۱- مولوی امام الدین کے پاپوش
۱۲- مولانا حافظ الدین (باب ۳) کا عربی میں روزنامچہ۔

(۷۱ب)۔ قاری فیض الحسن کے والد الحاج مولانا قاری سید حسن شبّر ۹ محرم ۱۳۳۶ھ ۱۹۱۸ء کو دوجانہ میں [illegible] دوجانہ میں مولانا حافظ الدین (باب ۳) کی تعمیر کرائی ہوئی مسجد کے اندر دفن ہوئے۔ خط نہایت پاکیزہ تھا۔ تمام طغرے آپ کے ہاتھ کے ہیں۔ مکہ معظمہ میں سات سال رہ کر قاری عبداللہ مصری سے قرأت سبع کی تکمیل کی اور وہ نام پیدا کیا کہ تمام برصغیر میں ایک دو قاری آپ کے ہم پلہ ہوں گے۔ کچھ عرصہ کانپور میں قیام رہا۔ یہاں پانچ سو طلبا تجوید قرآن کیا کرتے تھے۔ آپ کے شاگردوں میں زیادہ ممتاز مولوی شاہ احمد کانپوری تھے جو بعد میں اجمیر اور کلکتہ کے کالجوں میں پڑھاتے رہے۔ اپنے والد الحاج مولانا حافظ الدین (باب ۳) کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ اردو اور عربی میں شعر کہہ لیا کرتے تھے (اپنے خسر حکیم مولانا علاؤالدین (۵۰اب) کی وفات پر جو عربی میں قطعہ تاریخ کہا وہ اگلے باب میں درج ہوگا۔ قاری تخلص کرتے تھے۔ ایک غزل کا مقطع ہے

وعدہ تھا ہر شام کو بات آگئی قاری — اس رشک قمر نے کہیں دھوکا نہ دیا ہو

نعت

جو رتبہ کہ آپ نے پایا ہے کوئی اور وہ پانا کیا جانے
اور جن کو خدا نے پڑھایا ہے کوئی ان کو پڑھانا کیا جانے

گو آپ نبی امّی ہیں اور صاحب علم لدنی ہیں
اور مبلغ حکمت کتنی ہیں کوئی ان کا فسانہ کیا جانے

جو تجھ پہ فدا ہو عشق آثم تیری دید کا شوق ہو اس کو بہم
اور آنکھیں بچھائیں زیر قدم وہ فرش بچھانا کیا جانے

جو بلبل گلشن یثرب ہے وہ عاشق غنچہ و گل کب ہے
شیدائے مدینہ بدل جب ہے وہ اور ٹھکانا کیا جانے

اے ختم رسل اے فخر امم اے فیض رسا اے ابر نعم
جز تیرے کوئی اے بحر کرم کوثر کا پلانا کیا جانے

گو آدم ثانی نوح ہوئے پر اپنی ہی کشتی لے کے ترے
کو زمیں کا بیڑا بغیر ترے کوئی پار لگانا کیا جانے

کوئی لایا زبور، انجیل کوئی، توریت کتاب کسی کو ملی
پر تیرے سوا کوئی اور نبی قرآن کو لانا کیا جانے

گو محفلِ مدح میں نغمہ سرا ہیں اور ہزاروں خوش لہجہ
پر لطف نوا کوئی قاری سا ہاں نعت سنانا کیا جانے

الحاج قاری سید حسن شبّر کے چھوٹے بھائی مولوی سید حسین شبیر کا رہتک میں ۱۱ رجب ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء
کو انتقال ہوا۔ مرقد پر مسقف مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ ریلوے مال گودام کے نزدیک بیری والی سڑک پر ہے۔ نماز
کے بڑے پابند تھے۔ شہر کے بیوپاری آپ کے مرید تھے۔ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خود نیک تھے
دوسروں کو نیکی کی تلقین کرتے۔ انتقال ہوا تو آپ کا جنازہ تمام شہر میں سے جایا گیا۔ ایسا پہلے یا بعد میں
کبھی نہیں ہوا۔ اولاد نرینہ کوئی نہ تھی۔

قاضی سید حسن شبّر کے والد مولانا حافظ الدینؒ کا باب ۳ میں ذکر آچکا ہے

(۶۸) غلام ربانی

کراچی میں رہتے ہیں۔

(د) آپ کے دو فرزند ہیں۔

۱۶ — اولاد مولوی بہاءالدین بن شاہ احمدالدینؒ

- سدید الدین
  - مفید الدین (۶۹)
  - مستفید الدین (۷۰)
- ناصر الدین
  - محفوظ علی
    - مقصود علی (۷۱)

۶۹ - مفید الدین (المولد ۱۹۰۲ء)

۲۷ گورونانک روڈ کرشن نگر - لاہور

اکہرا جسم، متوسط قامت، حلیم الطبع اور نیک نفس ہیں۔ پیدائش رہتک میں ہوئی مگر بچپن اور جوانی اجمیر میں گزرے۔ ریلوے دفتر میں ملازم تھے۔ قیامِ پاکستان پر لاہور آگئے اور ریلوے ہیڈ کوارٹرز کے آفس سپرنٹنڈنٹ کے منصب سے ریٹائر ہوئے اور اب واپڈا کے اکاؤنٹس آفس میں سپرنٹنڈنٹ ہیں۔

ا۔ آپ کے چار فرزند ہیں: بڑے لڑکے وحید الدین ۱۹۲۳ء میں ممبئی میں پیدا ہوئے۔ کہیں ہیڈ ڈرافٹسمین ہیں۔ دوسرے حمید الدین ۱۹۳۰ء میں اجمیر میں پیدا ہوئے۔ تیسرے فرزند سعید الدین ۱۹۳۲ء میں اجمیر میں پیدا ہوئے واپڈا میں کلرک ہیں۔ چوتھے فرزند صلاح الدین ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے

ب۔ آپ کے والد پروفیسر مولوی سدید الدین (۱۸۶۹ء-۱۹۰۹ء) دوجانہ میں تولد ہوئے ۱۸۷۹ء میں مدرسۃ الاسلام دہلی سے سند فراغت حاصل کی۔ ۱۸۸۳ء میں آپ سینٹ جان کالج آگرہ میں شعبۂ السنہ شرقیہ کے صدر مقرر ہوئے۔ قیامِ آگرہ کے دوران ۱۸۸۵ء میں آپ نے انگریزی مڈل کیا اور نجی طور پر انگریزی پر عبور حاصل کر لیا۔ آپ انگریزوں کو بھی اردو اور فارسی پڑھاتے رہے۔ ۱۸۹۸ء میں آپ گورنمنٹ کالج اجمیر میں صدر شعبہ السنہ شرقیہ مقرر ہوئے اور پھر اجمیر کے ہو رہے۔ کثیر التصانیف تھے۔ آپ کے خلفِ اکبر مفید الدین کے پاس آپ کی بعض سندیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا انگریزوں میں بڑا احترام تھا اور آپ نے متعدد درسی کتب لکھیں جن میں تعلیم الفارسی کے دو حصّے تھے۔ خزانہ لغت کے نام سے آپ نے ایک اردو لغت تدوین کی جس کا پہلا حصّہ طبع ہو چکا تھا دوسرا حصہ طباعت کے لئے تیار تھا کہ موت نے مہلت نہ دی۔ شاہ غلام جیلانیؒ (باب ۲) کی چوپائیاں سلوک آپ نے پہلی بار طبع کرائیں۔ شعر گوئی کا شوق بھی تھا۔ قریشی تخلص کرتے تھے۔ العارفین کے نام سے ایک مثنوی لکھی جس میں قرآن اور احادیث کے بعض حصّوں کو نظم کیا۔ ہماری نظر سے آپ کی کوئی تصنیف نہیں گزری۔

وفات اجمیر میں ہوئی۔

پروفیسر سدید الدین کے والد مولوی بہاء الدین کا دوجانہ میں ۵ ارذوالحجہ ۱۳۰۲ھ ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۵ء کو انتقال ہوا جہاں آپ زینت بخش مسند رشد و ہدایت تھے۔ مولوی بہاء الدین کے والد غلام احمد الدین کا حال اسی باب میں نمبر ۵۹ ب پر ملاحظہ ہو۔

۷۰۔ مستفید الدین (المولد ۱۹۰۳ء)

مکان نمبر ۵۳۹ وارڈ نمبر ۴۔ بنگلہ سیوارام ملتان۔

بڑے ہی ماہر خیاط ہیں مگر مدت ہوئی اس کام کو چھوڑ دیا۔ رہتک سے ہجرت کر کے ملتان آ گئے۔

و۔ توحید الدین، توقیر الدین اور محمد یوسف آپ کے فرزند ہیں۔

۷۱۔ مقصود علی

ان کی بابت صرف اس قدر معلوم ہے کہ عمر ۵۰ سال سے کم ہے اور فوج میں ملازم ہیں۔

ب۔ آپ کے والد محفوظ علی کا دہلی میں اور دادا حافظ ناصر الدین کا دوجانہ میں انتقال ہوا۔ حافظ ناصر الدین کے والد مولوی بہاء الدین اور ان کے اجداد کا تذکرہ ۶۹ ب نمبر پر ملاحظہ ہو۔

دیدار 2/11/69

[illegible]

بی - 66-1 ایس [illegible] کراچی 16

[illegible]

18 — اولاد مولوی سعید الدین بن غلام سرور الدین

- رشید الدین
  - نعیم الدین
    - قیام الدین (۷۲)
- فرید الدین
  - محمد الیاس
    - سرور سعید (۷۳)
  - شمس الاسلام (۷۴)
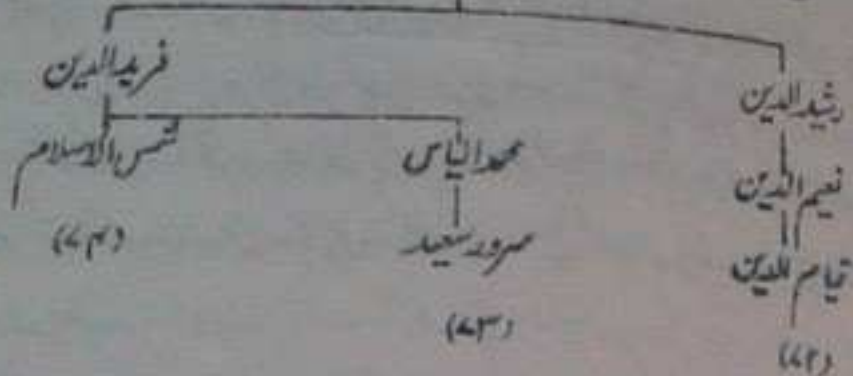
۷۲۔ قیام الدین (المولد ۱۹۱۲ء)

کراچی میں موٹر ڈرائیور ہیں۔

و۔ سلیم الدین، خورشید انور، شمیم الدین اور حبیب الرحمٰن آپ کے چار فرزند ہیں۔

ب۔ آپ کے والد نعیم الدین فارسی کا اچھا ذوق رکھتے تھے۔ بیعت بھی کرتے تھے۔ قصبہ جھنجھو ضلع بلند شہر میں پولیس کچہری میں کسی جاگیر دار کے ہاں ملازم رہے۔ گوہانہ ٹرانسپورٹ میں آفس کلرک بھی رہے پھر دلی میں تجارت کی۔

پیر نعیم الدین کے والد مولوی رشید الدین کا ۲۳ جولائی ۱۹۲۰ء کو دان پور میں انتقال ہوا جو ریاست دان پور ضلع علی گڑھ میں ہے۔ وہاں ہیڈ مولوی اور مہتمم توشہ خانہ تھے۔ اچھے تعلیم یافتہ تھے۔ مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ آپ کے والد سعید الدین کا رہتک میں ۳۰ دسمبر ۱۸۹۱ء کو انتقال ہوا اور ان کے والد شاہ غلام سرور الدین کا کرنال میں ۲۹ ذیقعد ۱۲۷۵ھ ۳۰ جون ۱۸۵۹ء کو انتقال ہوا۔ دفن رہتک میں ہوئے۔ محمد احسن الدین (۱۹۳) کے پاس ۹ اپریل ۱۸۴۶ء کا اٹھ آنے والا سرکاری تمسک ہے جس کے متن میں آپ کا نام آیا ہے نیز اس تمسک پر آپ کے دستخط "غلام سرور الدین" ہیں۔ ہمارے پاس ۲۲ جمادی الاول ۱۲۶۱ھ ۱۸۴۵ء کی ایک تحریر پر آپ کی مہر "غلام سرور الدین ۱۲۱۹" لگی ہوئی ہے۔ ۵ مارچ ۱۹۶۷ء کے رسالہ لیل و نہار لاہور میں بذل حق محمود کا مضمون "مثنوی آبلہ حرارت عشق" شائع ہوا۔ اس میں صاحب مضمون لکھتے ہیں: "اردو میں ہیر رانجھا کا ایک قصہ غلام سرور الدین نے لکھا۔ وہ رہتک کے سررشتہ دار تھے اور ان کے قصے کا قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔ اس کی کتابت ۱۸۵۰ء میں مکمل ہوئی۔"

غلام سرور الدین کے والد الحاج شاہ شجاع الدین کا انتقال ۲۳ رمضان ۱۲۴۸ھ ۱۳ فروری ۱۸۳۳ء کو ہوا۔ "محو ذات ایزدی والا پاک" مادہ تاریخ وفات ہے۔ احسن الدین (۱۹۳) کے پاس

دو کاغذات ہیں جن میں آپ کا نام آیا ہے۔ ایک کاغذ زرعی زمین سے تعلق ہے۔ اور ۲۰ شعبان ۱۲۲۳ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے متن میں آپ کا نام شجاع الدینؒ آیا ہے۔ دوسرا کاغذ ۹ اپریل ۱۸۲۳ء کا ہے۔ اس پر آپ کی مربع مہر "شجاع الدین ۱۲۳۶" لگی ہوئی ہے۔ ہمارے پاس ۱۰ صفر ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء کی ایک تحریر ہے جس پر آپ کے دستخط گواہ شد حاجی شجاع الدین ولد مولوی شاہ بدر الدین چشتی القادری قدس سرہٗ ہیں۔ شاہ بدر الدینؒ کا حال باب ۳ میں ملاحظہ ہو۔

۷۳۔ سرور سعید

۱۹۴۲ء میں دہلی میں تولد ہوئے۔ کراچی میں رہتے ہیں۔

ب۔ آپ کے والد محمد الیاس آثم کا قد لمبا تھا اور جسم دبلا، کشادہ پیشانی تھی۔ حلقۂ احباب بڑا وسیع تھا۔ رہتک میں پیدا ہوئے۔ کرنال میں تعلیم پائی۔ دہلی کی جامع مسجد کمیٹی کے خزانچی تھے۔ اجرت پر کتابت پینٹنگ اور نقشہ نویسی بھی کر لیا کرتے تھے۔ متین اور محتاط تھے۔ آپ کو خاندان میں یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ نے خاندان کے شجرے کی تکمیل کر کے اسے ۱۹۳۵ء میں شائع کرایا۔ یہ مطبوعہ شجرہ ۲۰×۳۰ سائز پر تھا۔ اس میں صرف ذکور کے نام آئے تھے۔ حکیم شکور الدین (م ۱۹۸۰ء) کے ایما پر آپ نے نانا کا نسب نامہ بھی تیار کیا۔ اس نسب نامہ کی تفصیل اس کتاب کے آخری باب میں آئے گی۔ آپ کا لکھا ہوا نسب نامہ جناب قاری وضاحت حسن (۱۹۶۷ء) کے پاس ہے۔ ہمیں آپ کے کلام میں سے ایک رباعی اور ایک تضمین ملی ہے۔ تضمین کا ایک بند ہے۔

تضمین بر نعتِ احمد

ہر ایک درد کی دنیا میں جو دوا ہو گی — وہ الفت آپ کی اے رحمتِ خدا ہو گی
نہیں ہے صاحبِ مہر دو جہاں روا ہو گی — نگاہِ مہر تمہاری جدھر ذرا ہو گی
وہ الفت آپ کی اے رحمتِ خدا ہو گی

رباعی

پھول ہنستے ہیں تو روتا ہوں بہنگامِ بہار — کاش معلوم نہ ہوتا مجھے انجامِ بہار
لوگ کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آئی ہے — میں سمجھتا ہوں کہ گلشن پہ ہے الزامِ بہار

محمد الیاس آثم کے والد فرید الدین (م ۱۸۶۷ - ۱۹۲۹ء) نے عربی اور فارسی کی تعلیم ٹونک اور اجمیر میں پائی۔ عربی، فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے۔ عاجز تخلص تھا۔ بڑے مخیر تھے۔ طوائف اور بے سہارا لوگوں کا اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے نکاح کرا دیا کرتے تھے۔ آپ کے والد

مولوی سعید الدین کا ذکر نمبر ۴۲ ب پر آ چکا ہے۔

۷۴۔ شمس الاسلام (المولد ۱۹۰۵ء)

گلی حکیم شمس الاسلام وارڈ نمبر ۲ کپ بازار ملتان

نویں جماعت پاس کر کے مسجد فتح پوری دہلی میں آٹھ سال تک عربی اور فارسی پڑھی۔ پھر چار سال تک طبیہ کالج دہلی میں پڑھتے رہے اور ۱۹۲۸ء میں سند فراغت لی۔ دس سال تک میونسپل کمیٹی رہتک میں بطور طبیب ملازم رہے اور پھر قیام پاکستان تک رہتک میں طبابت کرتے رہے۔ انیس سال تک رہتک ضلع کی طبیہ کمیٹی کے صدر رہے۔ آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخ رہتک آٹھ سال تک فعال رہی۔ اس کی عاملہ کے رکن تھے۔ دس سال مدرسہ خیر المعاد کی کمیٹی کے جنرل سیکرٹری رہے اور اتنی ہی مدت سیرت کمیٹی رہتک کے سیکرٹری رہے اور ۱۹۳۴-۳۵ء میں مسلم لیگ رہتک کے سیکرٹری رہے۔ آپ کو اولیاء اللہ کے عرسوں سے خاص دلچسپی ہے۔ لوگوں کو عرسوں میں شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے آپ نے ایک انجمن خدام الاولیاء قائم کی جس کے دو سال تک منتظم اعلیٰ رہے آپ رہتک کی نماز کمیٹی کے بھی سرگرم کارکن رہے۔ تاریخ و ادب کا اچھا ذوق پایا ہے۔ رہتک کے میونسپل ہال میں بزمِ ادب کے زیرِ اہتمام مشاعرہ ہوا کرتا تھا۔ آپ پانچ سال تک بحیثیت سیکرٹری ان مشاعروں کا انتظام کرتے رہے۔ خود بھی شاعر ہیں۔

رہتک سے ہجرت کر کے حکیم شمس الاسلام ۱۹۴۷ء میں ملتان آ گئے۔ یہاں تین سال تک انجمن صدیقیاں کے سیکرٹری رہے۔ اس کے بعد پے در پے ایسے حالات سے دوچار ہوئے کہ خدمت کا جذبہ سرد پڑ گیا۔

ا۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر ضیاء الاسلام ۱۹۳۲ء میں رہتک میں تولد ہوئے اور اب نیشنل بنک آف پاکستان کراچی میں فرسٹ گریڈ کلرک ہیں۔ دوسرے فرزند نظر الاسلام ۱۹۴۳ء میں رہتک میں اور تیسرے فرزند عارف الاسلام ۱۹۵۱ء میں ملتان میں تولد ہوئے۔

---

۱۹ —— اولادحافظ تاج الدین بن شاہ غلام سرورالدین

نفیس الدین	خلیل الدین
کفیل احمد (۷۵)	(۷۶)

۷۵۔ کفیل احمد (المولد ۱۹۱۱ء)

بیت الحبیب ۱۰/۱۱۵سی۔ ملیر کالونی۔ کراچی ۲۷

میری باربار درخواست پر الحاج کفیل احمد الماس بیانی نے اپنی حیات کے یہ مختصر حالات لکھ کر بھیجے: "ناچیز راقم الحروف ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء میں بمقام قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری اودھ النڈ میں تولد ہُوا۔ دینیاتی اور مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد ٹیکنیکل لائن اختیار کی۔ تعلیم رنگ وسنگ آرٹ سکول جے پور، ٹیکنیکل سکول لدھیانہ اور اسلامیہ ہائی سکول لدھیانہ وغیرہ میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۳۲ء میں دہلی میں پینٹنگ میں ڈرافٹسمین کا امتحان پاس کیا۔ میکینک کورس جبل پور ۱۹۲۱ء و سپیشل امتحان ۱۹۴۴ء میں بمقام متھرا پاس کیا۔ ۱۹۲۲ء میں ٹوٹے پھوٹے اشعار کا شوق ہوا۔ ۱۹۲۱ء میں نادرات جمع کرنے کا شوق و انساب ظاہر ہُوا۔ ۱۹۱۹ء سے قبل تقسیم یعنی ۱۹۴۷ء تک تمام ہندوستان کے بڑے بڑے مشہور مقامات کا سفر کیا۔ ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۴ء) میں سفرِ حجاز کیا۔ جنوری ۱۹۳۴ء میں لدھیانہ سے کراچی اور یہاں سے فروری کے اول ہفتہ میں رحمانی جہاز براستہ سمندر جدہ ہاں سے مکہ معظمہ اور پھر حج و زیارت بیت اللہ شریف سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پھر جون میں بذریعہ جہاز طوی کراچی آکر اترے اور لدھیانہ پہنچے۔ اسکے بعد ۱۹۳۴ء کے آخیر میں بمقام جے پور مرحومہ راحتہ الحبیب سے عقد ہُوا جس کا شجرہ الماس میں بھی ذکر ہے۔ مرحومہ کے شکم سے ایک دختر عقیل النساء زندہ وسلامت موجود ہے جس کی اکتوبر ۱۹۵۹ء میں میاں جمیل احمد پسر سید احمد سے شادی کر دی ہے۔ یہ لوگ ریاست ٹونک کے رہنے والے ہیں اور سید کہلاتے ہیں۔ میری نظر سے ابھی ان کا شجرہ نسب نہیں گزرا۔ جمیل میاں عزیز الدین (۱۱ شجرہ الماس) کے سالے ہوتے ہیں۔ راحتہ الحبیب مرحومہ کا بعمر ۲۳ سال ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۲ء میں بمقام کراچی انتقال ہُوا اور والدہ محترمہ جنابہ محمودہ بیگم کا بعد قیام پاکستان بعمر ۵۲ سال ۱۳۶۲ھ میں بمقام لاہور انتقال ہُوا۔ سفرِ حج کے علاوہ جدہ سے مکہ معظمہ آنا جانا۔ مکہ معظمہ سے عرفات آنا جانا و مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ اور وہاں سے جدہ سب پیدل سفر کیا۔

ملازمت اور عرصہ پانچ چھ سال تک لدھیانہ میں حاجی محمد اسمٰعیل عبدالحق صاحب کی فرم میں منتظم و منشی رہا۔ جنوری ۱۹۳۳ء میں وہاں سے ملازمت چھوڑ دی۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۱ء تک گورنمنٹ کالج لدھیانہ میں لائبریری اسسٹنٹ کے عہدے پر تعین رہا۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۶ء تک وار سروس میں رہا اور مختلف مقامات مثلاً جالندھر، لاہور، انبالہ، سہارنپور، فیروزپور، جبل پور، بیکانیر، گورکھپور، دہلی وغیرہ میں مختلف اوقات میں فرسٹ کلرک، ہیڈ کلرک، سپروائزر اور انچارج ٹریننگ سنٹر رہا۔ ریلوے انجن ڈرائیوری کی تربیت بھی حاصل کی، بوقت تقسیم ہند ۱۹۴۷ء میں پی۔ ڈبلیو۔ ڈی جے پور میں تھا۔ فرنیچر سیکشن میں منتظم۔

نومبر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آگیا تھا۔ اس کے بعد آتا جاتا رہا اور ستمبر ۱۹۴۸ء کے بعد پھر ہندوستان نہیں گیا اور جب سے یہاں کراچی میں مقیم ہوں۔ ۱۹۵۱ء تک کراچی میں پیرا ماؤنٹ بس سروس میں انسپکٹر انچارج اور ایم یوسف اینڈ کمپنی میں فروٹ وغیرہ سپلائی کرنے پر پاکستان افواج کو منتظم رہا۔ زندگی بھر ملازمت کے ساتھ تحریر و تصنیف و سکے وغیرہ جمع کرنے کا شوق تو تھا ہی لیکن تجارت کا سلسلہ بھی رہا۔ زندگی میں دو ہزار پرانے و مختلف ممالک کے سکے (coins) جمع کئے۔ ساڑھے پانچ سو سکے نیشنل میوزیم پاکستان کو پہلے سکے دیئے تھے اور ساڑھے سات سو اب دیئے ہیں۔ حکومت پاکستان کراچی کو مئی ۱۹۵۶ء میں پہلا اور نومبر ۱۹۵۲ء میں دوسرا چشم چیپ کا اپریشن ہُوا اور پھر جنوری ۱۹۵۵ء میں چشم راست کا جناح اسپتال کراچی میں۔ پہلے صحت میری اچھی تھی ۱۹۳۶ء میں الفاقیہ لدھیانہ میں میرے دوست سردار محمد اسمٰعیل خاں ایم اے۔ یہ پوپل زئی خاندان سے تھے بعد میں تحصیلدار ہوگئے ان کی بیوی مرحومہ کو بسبب مرض مہلک ایک پونڈ خون دیا تھا اس وقت سے صحت بگڑتی گئی۔ بیوی کا انتقال، امراض چشم یہ چیزیں اور اس پریشانی کا سبب بنیں۔ سردار اسمٰعیل خاں کے ایک بھائی سردار محمد جمیل خاں بھی تھے۔ معلوم ہی نہیں یہ لوگ کہاں ہیں۔ ناچیز الماس بیانی ۲۸ ۱۲ ۱۹۶۰

علاوہ ازیں الماس بیانی نے اپنا کچھ کلام بھی ارسال فرمایا تھا اور بعد میں ایک طویل منظوم خط راقم کے نام بھیجا۔ آپکے مرتبہ شجرۂ الماس پر اس کتاب کے آخری باب میں بحث ہوگی۔

ا۔ آپکے ابھی تک کوئی اولادِ نرینہ نہیں۔

ب۔ آپکے والد حافظ مولوی نفیس الدین (۷۴) (۱۸۷۰-۱۹۲۵ء) الملقب بہ ابوسراج عرفی المعروف بہ لال صاحب و مولوی درے باز۔ ہاتھ میں لمبا سا عصا رکھتے اور سیاہ کپڑوں میں ملبوس رہتے۔ بھوپال متاہل ہوئے۔ قرآن حفظ کیا اور دیوبند سے سندِ فراغت لی اور بھوپال کی فوج میں رسالدار ہو گئے۔

وجیہ الدین کے مرید وخلیفہ تھے پیرومرشد کے ایما پر ملازمت ترک کر دی۔ اور مبلغ اسلام بن گئے۔
ت کا شوق تھا، قیام دہلی، رہتک اور جے پور میں رہا۔ تحریک خلافت میں عملی حصہ لیا اور
فرنگ ہوئے۔ عمر کی پچاسویں بہار میں قصبہ بانگرمئو ضلع اناؤ (یوپی۔ انڈیا) میں انتقال ہوا۔ وہیں
مسجد میں مزار ہے۔

حافظ مولوی نفیس الدین کے والد الحاج حافظ تاج الدین کا بھوپال میں ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کو انتقال
ہوا۔ جہاں آپ تحصیلدار تھے۔ ان کے والد غلام سرور الدین کا حال نمبر ۲۱ ب پر ملاحظہ ہو۔

۷۲۔ خلیل الدین آزاد صمدانی (۱۸۹۲ء-۱۹۵۷ء)

بھوپال میں تولد ہوئے جہاں آپ کے والد تحصیلدار تھے۔ انہی سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔
ابھی دس برس کے تھے کہ پدر بزرگوار کے سایہ سے محروم ہو گئے اور دورِ عسرت شروع ہوا۔ بھوپال
میں مولانا ذوالفقار احمد اور مولانا محمد یوسف محدث اور کانپور میں مولانا مشتاق احمد بن مولانا احمد حسن سے
حدیث ومنطق پڑھی۔ مسجد فتح پوری دہلی میں بھی حدیث وفقہ کی تعلیم پائی۔

مالی حالت اتنی تسلی بخش نہ تھی۔ بھرت پور کی پولیس میں کانسٹیبل بھرتی ہوئے اور ترقی کرتے کرتے
سب انسپکٹر ہو گئے۔ مگر کسی قسم کی پابندی آپ کی افتادِ طبع کے خلاف تھی۔ ترک ملازمت کر کے مبلغ اسلام
بن گئے۔ آریہ سماج نے شدھی سنگٹھن چلائی ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں کو مرتد بنایا جا رہا تھا۔ آپ نے جابجا
آریاؤں سے مناظرے کئے۔ تبلیغی سلسلہ میں عدن اور افریقہ بھی گئے۔ تحریک خلافت میں باندہ جیل میں قید
رہے۔ ۱۹۳۱ء میں ایک سال کے لئے ہوٹل بھی کھولا۔ مسلم لیگ نے تحریک پاکستان شروع کی تو آپ
اس کے پرجوش مبلغ بن گئے۔ مولانا شوکت علی، مولانا ظفر علی خاں اور مولانا عبد الحامد بدایونی کے ساتھ مل
کر کام کیا۔ اسی سلسلہ میں ہردوئی (یوپی) کی جیل میں قید بھی رہے۔

آپ کی زندگی مجاہد کی سی زندگی تھی۔ ہمیشہ گھر سے باہر رہتے۔ گھر تو یونہی سال دو سال میں چکر لگا
لیتے۔ مریدوں کی تعلیم کے لئے اکثر بمبئی اور گجرات کاٹھیاواڑ میں رہتے اور تبلیغی وسیاسی سلسلہ میں جگہ
جگہ جاتے۔ ۱۹۱۹ء میں مولانا محمد احمد امین گورکھپوری سے خرقۂ خلافت پایا۔ شاہ علی حسین سے بھی بیعت
تھے جنہوں نے آپ کا نام خلیل اللہ شاہ رکھا اور صمدانی لقب دیا۔

قیام پاکستان کے وقت آپ کی سکونت ہردوئی (یوپی) میں تھی۔ صوبائی حکومت نے آپ کی
گرفتاری کے وارنٹ نکالے ہوئے تھے تو آپ بچ بچا کر تن تنہا راولپنڈی چلے آئے۔ ۱۹۴۸ء میں آپ مری
کے آنریری ریلیف کمیشن آفیسر تھے اور نواب افتخار حسین ممدوٹ وزیر اعظم پنجاب کے ساتھ دوروں میں

جایا کرتے۔ ۱۹۴۹ء میں اپنے بیوی بچوں کو لینے کے لئے بمبئی کے راستے ہندوستان گئے۔ بمبئی میں آپ
اتر گئے۔ اور آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا تاہم آپ مسٹر ابراہیم اسمٰعیل چندریگر کے فرزند کے ہمراہ پاکستان آ گئے
آپ کے بیوی بچوں نے یہ خبر اخبار میں پڑھی اور وہ بھی پاکستان آ گئے۔ آپ ان سب کو لے کر ملتان چلے
گئے جہاں آپ کا انتقال ہوا۔

پھرتی سے نکلتا ہوا قد تھا۔ آواز گرجدار تھی۔ خلافت اور تحریک پاکستان کے حق میں آپ کے
مضامین اخبارات میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ اعلیٰ ادبی ذوق پایا تھا۔ شعر گوئی پر قدرت حاصل تھی۔ خلیل
اور آزاد تخلص کرتے۔ ۱۹۴۱ء سے پہلے کا کلام ضائع ہو چکا ہے۔ بعد کے کلام کا نمونہ آپ کی بیاض سے
انتخاب کر کے لکھا جا رہا ہے۔ یہ بیاض آپ کے فرزند جلیل احمد کے پاس ملتان میں ہے۔

غزل

نہیں رہا تنِ عاشق میں گو کہ دم باقی — مگر ہے دل میں ابھی سوزشِ الم باقی
عدو کا گریۂ غم بھی خوشی کے آنسو ہوا — مری مسرتِ خنداں میں لاکھوں غم باقی
سرِ نیاز ہے سجدے میں ایک مدت سے — مگر ہے دل میں پرستارئ صنم باقی
جناب شیخ کا رشتہ ہوا برہمن سے — مگر ہے جھگڑا بتخانہ و حرم باقی
وہی ہے میکدہ، ساقی وہی ہے مے بھی وہی — نہیں ہے میکشوں میں آج کیف و کم باقی

یہ نامرادئ شبِ غم کی ہے معاذ اللہ
نہیں دعا کا بھی پیشِ خدا بھرم باقی

متفرق اشعار

آئینِ محبت سے نہ ہو کچھ جسے نسبت — تو ایسی خرد سے مجھے بیگانہ بنا دے

کیا غمِ فراق امید وصال کیا — ہم نے تو اپنے آپ کو بھی اب بھلا دیا

حسرتِ عشق کا گر دل پہ کرم ہو جائے — آرزوئے مرگ کی ہو جینے کا غم ہو جائے

قدم جب سے رکھا ہے راہِ وفا میں — اب ہر راہ کو بے خطر دیکھتا ہوں

ہستی کی خبر ہو گئی آنکھیں بھی باقی رہ گئیں
جلوۂ یار دیکھ کر ہوش گیا تو کیا گیا

نہ تو غم کی فکر ہے کچھ مجھے نہ خوشی کی دہر میں آرزو
اے سوزِ زمانہ سے کیا غرض جسے ہو محفلِ ناز میں

انجام مساعی ہو کچھ بھی لیکن ہے خوشی دل میں اس کی
دنیا نے میری ہمت دیکھی۔ دنیا نے مرا دل دیکھ لیا

---

۷۶ ب۔ مولانا خلیل احمد آزاد صمدانی کے صرف ایک فرزند جمیل احمد ہیں۔ شاہ آباد ضلع ہردوئی میں ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے میٹرک کیا۔ ۱۹۴۹ء میں ملتان آ گئے اور اب محکمہ فوڈ میں سپروائزر ہیں (پتہ گرینڈ ہوٹل۔ ملتان چھاؤنی) جمیل تخلص ہے۔ پندرہ برس کی عمر میں شعر کہنے لگے۔ نمونہ کلام:

غزل

اگر ہمارے لبوں تک نہ جام آئے گا
تو کس پہ ساقیِ بزم اہتمام آئے گا

نیازِ عشق میں وہ کب مقام آئے گا
سلام جانے نہ جائے پیام آئے گا

نظر نظر ہے توجہ کی مستحق یا رب
یہ ایک دل مرا کس کس کے کام آئے گا

وفورِ جذبۂ دل ہم نہ تجھ سے کہتے تھے
خود آئیں گے وہ نہ ان کا پیام آئے گا

حجاب آج ہے تکمیلِ شوق کی خاطر
کل آپ سامنے حسنِ تمام آئے گا

دلِ تباہ کی روداد غم ہے زیرِ قلم
فلک کے ساتھ تمہارا بھی نام آئے گا

نسیمِ صبح کی رفتار کہہ رہی ہے جمیل
چمن میں آج کوئی خوش خرام آئے گا

متفرق اشعار

اک بے وفا کی یاد کو دل میں بسا لیا
کتنا حسیں فریب کیا زندگی کے ساتھ

جفاؤں کا تسلسل ٹوٹ جائے
تو لطفِ زندگی لطفِ وفا کیا

جو مسیحا کا حال کیا جانے
درد کو دل اگر دوا جانے

ہجر کیا شے ہے وصل کیا ہے جمیل
محوِ حسنِ خیال کیا جانے

خلشِ خارِ تمنا میری ہمدم کب تک
تیر ایسا کہ رہے جزوِ رگِ جاں ہو کر

محبت میں یہ نازک حادثہ بھی پیش آتا ہے
کہ یادِ یار بھی دل پر گراں معلوم ہوتی ہے

حسن کے التفات میں وہ کہاں
بے رخی میں جو بات ہوتی ہے

جمیل احمد کی والدہ اور دونوں بہنیں بھی شعر گو ہیں۔ بڑی بہن شوکت جہاں نسرین صدیقی میٹرک ادیب فاضل ہیں۔ ان کی ایک غزل ہے:

یہ غم نہیں کہ چھٹا میرا آشیاں مجھ سے
ملال یہ ہے کہ ناخوش ہے باغباں مجھ سے

سمٹ کے آ گیا دلِ نامراد آنکھوں میں
وہ سن رہے ہیں مرے غم کی داستاں مجھ سے

اداس دل ہے فسردہ ہے روح، نم آنکھیں
الجھ رہی ہیں زمانہ کی تلخیاں مجھ سے

نگاہ تیز، جبیں پر شکن، لبوں پہ ہنسی
عجیب لطف سے ملتے ہیں مہرباں مجھ سے

مرے جگر کے لہو سے کھلے ہیں لالہ و گل
ترے چمن کی بہاریں ہیں باغباں مجھ سے

ترے کرم نے سنبھالا کہاں کہاں مجھ کو
ہوئی ہے راہ میں لغزش کہاں کہاں مجھ سے

جبینِ شوق کا نسرینؔ امتحاں کب تک
رہے گا دور کہاں تک وہ آستاں مجھ سے

مولانا خلیل احمد آزاد صمدانی کی دوسری دختر مس فرحت جہاں فرحتؔ شاید ایف اے پاس ہیں۔ فرحت تخلص کرتی ہیں۔ ان کا کلام ماہنامہ خمار حیدرآباد، لاہور، شاکیز، ماہنامہ حرم لاہور اور ماہنامہ جام نو کراچی وغیرہ میں شائع ہوتا رہا ہے۔ نمونہ کلام:

غزل

غم آپ کا رہا جو غمِ زندگی کے ساتھ
ہم نے تمام عمر گزاری خوشی کے ساتھ

بیکار زندگی ہے جو محرومِ غم رہے
جینے میں لطف کیا جو جئیں بے حسی کے ساتھ

طوفانِ جور ختم ہوا مدتیں ہوئیں
کیوں آج بھی ہے غرق جہاں بیکسی کے ساتھ

یا رب مرے شکستہ نشیمن کی خیر ہو
منڈلا رہی ہے برق نئی روشنی کے ساتھ

لطفِ حیات ہی سے نہ واقف ہو دل کبھی
کچھ تلخ کامیاں نہ ہوں گر زندگی کے ساتھ

فرحتؔ نہ غم سے ڈر نہ جہاں کے ستم سے ڈر
ہر مرحلے سے ہنس کے گزر جا خوشی کے ساتھ

متفرق اشعار

بادِ صبا کی گل سے ملاقات ہو گئی
گلشن میں آج بارشِ نغمات ہو گئی

دیکھیں کب تک زندگی بھی ساتھ دے گی
جہاں تک آپ یاد آتے رہیں گے

لب پہ تیرا ذکر ہو اور دل میں تیری یاد ہو
ان بہاروں پر بھی حیرت ہے چمن برباد ہو

سجاد صدیقی

ابھی سے زیست نے کیوں موت کی دعا مانگی
ابھی تو آہ و فغاں کے مقام آئے ہیں

اے گردشِ تقدیر تماشائے الم اور
باقی ہے مرے دل میں ابھی طاقتِ غم اور

منزل کے قدم چھو کر منزل سے پلٹ آئے
اے شوق نہ اس حد تک مدہوش کیا ہوتا

اے میرے ذوقِ جنوں دے نہ فریبِ امید
کیسی اُجڑے ہوئے گلشن میں بہار آئی ہے

تیری آرزو، تیری جستجو، تیرا شوق دیدہے دمبدم
یہی سوزِ حاصلِ زیست ہے، یہی زندگی کی بہار ہے

سجاد احمد بن بشیر زادہ الحاج محمد احمد صدیقی

20 — اولاد مولوی معین الدین بن شاہ غلام سرور الدین

انیس الدین — امتیاز الدین (۸۱) — محبوب عالم (۸۲)

انیس الدین کی اولاد: عزیز الدین (۷۷) — قیام الدین (۷۸) — نہال الدین (۷۹) — سعید الدین (۸۰)

۷۷۔ **الحاج عزیز الدین** (المولد ۱۸۹۴ء اندازاً)

مولد بھوپال ہے۔ ۱۹۱۳ء میں میٹرک کیا۔ سنٹرل انڈیا کے ڈاکخانوں میں پوسٹ ماسٹر رہے۔ نواب صاحب کوروائی ان کے ہم جماعت رہے تھے اس لئے یہ کوروائی کے ڈاک خانہ میں زیادہ عرصہ رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد سلطانیہ لائن پوسٹ آفس بھوپال میں سب پوسٹ ماسٹر لگ گئے۔ پچھلے سال وہیں تھے۔ مگر وہاں سے سبکدوش ہو چکے ہیں تو اب اپنے گھر شہر سرونج مدھیہ پردیش انڈیا میں ہوں گے۔ قدمیانہ۔ [illegible] بتائے جاتے ہیں۔

ا۔ آپ کے تین فرزند ہیں: ظفر الدین المولد ۱۹۲۹ء، مظفر الدین المولد ۱۹۵۱ء اور افتخار الدین المولد ۱۹۶۱ء (تینوں سن اندازاً)

ب۔ آپ کے والد انیس الدین ۱۸۶۵ء (اندازاً) میں پیدا ہوئے اور یکم اگست ۱۹۴۲ء کو محمد گڑھ میں انتقال ہوا۔ آپ کی تمام عمر ریاستوں کی ملازمت میں گزری۔ پہلے سیہور میں سٹیشن ماسٹر تھے۔ وہاں سے مستعفی ہو کر پھر ۱۹۱۶ء تک بھوپال میں مہتمم سٹیشن یعنی تھانیدار رہے۔ ریاست ٹپا اور کوروائی میں سررشتہ دار رہے۔ پھر بھوپال سے پچاس میل دور ایک ریاست نرسنگھ گڑھ میں کوتوال ہو گئے۔ آخر میں ریاست محمد گڑھ میں سررشتہ دار تھے۔ قدمیانہ تھا، جسم گول، خوبصورت تھے اور بینائی آخیر تک اچھی تھی۔

انیس الدین کے والد الحاج مولوی معین الدین غمگین جامع الصفات بزرگ تھے۔ زمینوں سے تعلق رکھتے تھے۔ بھوپال کی تحصیل گوہر گنج میں تحصیلدار تھے اور اس قصبہ کے خطیب جمعہ بھی تھے۔ واعظ خوش بیان تھے۔ دیانت اور نیک نفسی کی وجہ سے علاقہ میں بڑے مقبول تھے۔ نرم دل اور کنبہ پرور تھے۔ ۱۸۹۵ء میں انتقال ہوا۔ ادبی ذوق اچھا پایا تھا۔ شعر گوئی بھی شغل تھا۔ غمگین تخلص کرتے۔ آپ کا آٹھ صفحات پر مشتمل ایک منظوم رسالہ موسوم بہ عرض مقاصد ۱۳۰۵ھ میں مطبع زبدہ پریس ہوشنگ آباد سے شائع ہوا۔ آپ کی کہی ہوئی بعض تاریخہائے وفات قانون سلوک میں طبع ہو چکی ہیں۔ جہاں سے ہم نے اس کتاب میں مناسب مقامات پر نقل کیا ہے۔ الحاج مولوی معین الدین کے والد غلام سرور الدین

کا ذکر اسی باب میں نمبر ۴۷ ب پر ملاحظہ ہو۔

۷۸۔ قیام الدین (المولد ۱۹۰۰ء)

مکان نمبر ۱۸۶۲ محلہ سبحان سامنے بازار کریم پورہ۔ پشاور شہر

بھوپال کے قصبہ آشتہ میں تولد ہوئے۔ موضع حکوارہ ضلع بھیلسا۔ علاقہ گوالیار مدھیہ پردیش میں زراعت اور تجارت کرتے تھے۔ وہاں سے ۱۹۵۳ء میں پشاور آ گئے۔

ا۔ آپ کے چار فرزند ہیں۔ خلف اکبر اقبال الدین ۱۹۳۱ء میں اندور میں تولد ہوئے۔ مڈل تک تعلیم پائی۔ کچھ کاروبار کرتے ہیں۔ مولانا محمد الیاس مرحوم کی تبلیغی جماعت کے سرگرم کارکن ہیں۔ باقی تین فرزند جمال الدین المولد ۱۹۳۴ء، نظام الدین اور فہیم الدین ہیں۔

۷۹۔ حافظ نہال الدین (المولد ۱۹۰۶ء)

بھوپال کے قصبہ آشتہ میں تولد ہوئے۔ اسی ریاست کے قصبہ سیہور میں پرائیکیوٹنگ سب انسپکٹر تھے۔ قیام پاکستان پر لاہور آ گئے اور اب سنٹرل ریکارڈ آفس لاہور کی رجسٹریشن برانچ کے انچارج ہیں۔ بیٹے اور متوسط القامت ہیں۔ رمضان شریف میں قرآن سناتے ہیں۔ نہایت مصروف رہتے ہیں۔ طبیعت میں عجلت اور بے نیازی ہے۔

ا۔ آپ کے چھ فرزند ہیں۔ خلف اکبر فہیم الدین المولد ۱۹۲۶ء سنٹرل ریکارڈ آفس میں پٹواری ہیں۔ وسیم الدین المولد ۱۹۳۲ء کی کراچی میں بیٹری ایجنسی ہے۔ نعیم الدین المولد ۱۹۳۵ء کراچی میں کسی فیکٹری میں ملازم ہیں۔ چوتھے فرزند سلیم الدین المولد ۱۹۳۸ء سٹیٹ بنک آف پاکستان لاہور کی لکڑی ڈویژن برانچ میں کلرک ہیں۔ انہیں کے آفس کے پتہ پر سب کو خط لکھا جا سکتا ہے۔ نعیم الدین المولد ۱۹۴۲ء میٹرک پاس ہیں اور ریلوے ورکشاپ میں گزشتہ سال کام سیکھ رہے تھے۔ سب سے چھوٹے حلیم الدین ۱۹۵۴ء میں پیدا ہوئے۔

ستمبر مصد تھیچے

۸۰۔ سعید الدین

مقدم موضع ساگونی تحصیل سیہور بھوپال۔

بھائیوں میں سب سے زیادہ خوشحال ہیں۔ بڑا کاروبار ہے۔ موضع ساگونی کے واحد مالک ہیں۔ سیہور کے محلہ بھائی پورہ میں بھی آپ کا ایک مکان ہے۔

ا۔ آپ کی اولاد میں سے صرف ایک فرزند انور سعید کا نام معلوم ہو سکا ہے۔

۸۱۔ الحاج قاری امتیاز الدین طوق (۱۸۷۱-۱۹۵۳ء)

لاہا قصبہ گوہر گنج ضلع بھوپال میں تولد ہوئے جہاں آپ کے والد مولوی معین الدین غمگین دمے میں تحصیلدار تھے۔ دس سال کے تھے کہ والد حج کو گئے اور انہیں بھی ساتھ لیتے گئے اور حصولِ تعلیم کے لئے انہیں وہیں چھوڑ آئے۔ آپ نے مکہ معظمہ میں تین سال رہ کر تکمیلِ قرأت کی۔ عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا۔ تمام عمر گوشہ نشینی میں گزار دی۔ مہینوں خانقاہوں میں پڑے رہتے۔ ریاضت اور مجاہدہ پر بڑا زور تھا۔ کئی کئی دن کسی سے بات نہ کرتے اور تلاوتِ کلام پاک کرتے رہتے اور کلام اللہ کی تعریف میں شعر کہتے رہتے۔ آپ کا کلام کبھی شائع نہیں ہوا۔ کلام معمولی ہے۔ ملتان میں انتقال ہوا۔

ا۔ الحاج قاری امتیاز الدین طوق کے دو فرزند ہیں۔ بڑے فرزند اعزاز الدین المولد ۱۸۹۶ء لاولد ہیں اور خلف اصغر حافظ قاری محمد صدیق ۱۹۰۸ء میں جے پور میں تولد ہوئے اور اب گوپی محلہ وارڈ نمبر ۲ ملتان کی گوندنی والی غوثیہ مسجد کے پیشِ امام و خطیب ہیں۔ مسجد کے دروازے کے اوپر کے مکان میں رہتے ہیں۔ متوسط القامت، مناسب بدن، ہنس مکھ، ملنسار اور منکسر المزاج ہیں۔ آپ میں تصنع نام کو نہیں۔ عمر کے ابتدائی پانچ سال جے پور اور لشکر میں گزارے، تین سال دہلی میں رہے اور پھر ۱۹۲۶ء تک کم و بیش رہتک میں رہے۔ گورنمنٹ سکول رہتک میں چھٹی جماعت میں پڑھ رہے تھے کہ ترکِ موالات کی تحریک کے چرچے ہونے لگے کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے اور آپ نے مدرسہ چھوڑ دیا۔ اکیس سال مسجد سماران رہتک کے پیش امام رہے۔ اسی دوران میں کلام اللہ حفظ کیا اور مدرسہ خیر المعاد رہتک میں درسِ نظامیہ کی تعلیم پاتے رہے۔ ایک سال مسلم ہائی سکول کلانور میں مدرس رہے۔ قیام پاکستان سے ایک سال پہلے گھی کا کاروبار شروع کیا۔ نہایت شریف النفس اور خدا ترس انسان ہیں

حافظ محمد صدیق کے فرزند بدر الحسن آج کل اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر شیر شاہ ہیں۔ سٹیشن ضلع ملتان میں ہے۔

۸۲۔ محبوب عالم

ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس سرونج ہیں۔ سرونج ڈسٹرکٹ ٹونک ہی میں قیام ہے۔

ا۔ آپ کے صرف ایک فرزند مقبول عالم کا نام معلوم ہو سکا ہے۔ ان کی عمر تقریباً پچاس سال بتائی جاتی ہے۔

۲۱ ——— اولاد نورالدین بن شاہ غلام سرورالدین

منظورالدین
نصیرالدین
معین الدین
(۸۳)

۸۳۔ معین الدین (المولد ۱۹۲۴ء محض اندازاً)

بھوپال میں بتائے جاتے ہیں۔ وہیں آپ کی اولاد ہے۔ شاید اہلمد ہیں۔

ب۔ آپ کے والد نصیرالدین المتخلص بہ سلطان تھے۔ اچھے مغنی تھے۔ دوست دار، خوش طبع اور بذلہ سنج تھے۔ بھوپال میں اہلمد تھے۔ تاریخ پیدائش ۸ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ ۲۱ رمئی ۱۸۹۶ء بروز جمعرات بھوپال میں پیدا ہوئے۔ انتقال ۱۹ رجون ۱۹۵۵ء کو بھوپال میں ہوا۔

نصیرالدین کے والد منظورالدین (۱۸۶۷-۱۹۲۲ء) کا اپنے خسر مولوی معین الدین (۸۰ ب) کے ہاں گوہر گنج بھوپال میں قیام ہوا کرتا تھا۔ نقل نویس تھے اور ان کے والد نورالدین کا ٹونک میں ۱۲ رذی الحجہ ۱۲۸۸ھ ۲۶ رجنوری ۱۸۷۲ء کو انتقال ہوا۔ نورالدین کے والد غلام سرورالدین کا ذکر نمبر ۷۵ ب پر کیا جا چکا ہے۔

---

۲۲ ——— اولاد وجیہ الدین شہید بن مولوی شہاب الدین

وزیرالدین — امین الدین — نظیرالدین

وزیرالدین: صدیق الدین (۸۶) — عثمان الدین (۸۵) — شکورالدین
شکورالدین: سرورالدین (۸۴)
امین الدین: قطب الدین (۸۷)
نظیرالدین: محمد صابر (۸۸)

۸۴۔ سرورالدین (المولد ۱۹۰۲ء)

معرفت شریف احمد قریشی بی اے بی ٹی ڈی ۳/۲، پی ای سی ایچ سوسائٹی۔ کراچی

الحاج حکیم سرورالدین متوسط القامت ہیں۔ چھریرا بدن، گھنی داڑھی، آنکھوں سے ذہانت اور چہرے سے مسکراہٹ ٹپکتی ہے۔ اپنے والد سے طب پڑھی اور مولوی مشتاق احمد کانپوری کے پاس رہ کر دورہ حدیث کیا۔ ابتدائی تعلیم مدرسہ خیر المعاد رہتک میں پائی۔ رہتک کے میونسپل کمشنر رہے اور رہتک کے خطیب عیدین تھے۔

ا۔ آپ کی اولاد میں صرف چھ لڑکیاں ہیں۔ بڑی دختر ڈاکٹر صادقہ بانو آغا اسسٹنٹ ڈائرکٹر جنرل آف ہیلتھ ہیں۔ چوتھی دختر ڈاکٹر مس مرتقا بانو ایم بی بی ایس ہیں۔ پانچویں دختر کافیہ بانو اپنے شوہر مصباح الظفر کے ساتھ یو ایس اے میں ہیں۔ چھٹی دختر مس شافیہ بانو نے بی۔ ایس۔ سی کا امتحان دیا ہے۔

ب۔ الحاج حکیم سرورالدین کے والد الحاج حکیم مولوی شکورالدین (۱۸۷۱-۱۹۳۶ء) شہر رہتک کے ایک ہردلعزیز اور محترم بزرگ تھے۔ حکمت دہلی میں مسیح الملک حکیم اجمل خاں کے برادر بزرگ حکیم عبدالمجید خاں سے پڑھی۔ مسیح الملک آپ کے ہم سبق تھے۔ قلعہ رہتک میں طبابت کیا کرتے تھے اور رشتہ داروں کا مفت علاج کرتے۔ رہتک شہر کے خطیب عیدین تھے۔ حضرت مولانا حافظ الدین (۸۰ ب ۲) کے مرید و خلیفہ تھے۔ رہتک سے لکھنؤ جاتے وقت شیخ امداد الحق (۵۰ ب ۱) آپ کو اپنے مرتبہ نسب نامہ کی ایک نقل (نسخہ ثانی) دے گئے۔ اس نسخہ کو بنیاد بنا کر آپ نے محمد الیاس آثم (۳ ب) سے خاندان کا نسب نامہ اور شجرہ مرتب کرایا۔

حکیم شکورالدین نے ۱۹۰۶ء میں فریضہ حج ادا کیا۔ فارسی اور عربی پر عبور تھا۔ شعر بھی کہا کرتے تھے۔ تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کے فرزند کا مکان تعمیر ہوا۔ قطعہ تاریخ کہا۔ اس کے عنوان اور ہر مصرع سے جدا جدا سن تعمیر نکلتا ہے۔ پہلے مصرع سے سن عیسوی نکلتا ہے اور مصرع ثانی سے سن ہجری۔

تاریخ محل یادِ الٰہی

۱۳۵۰

شکور الدین بگو واللہ تاریخ — محل پُر فزا بستان نشان دید

۱۹۳۲ء — ۱۳۵۰ھ

چو دید ایں خانہ خانہ زیب گلستان — حکیم و مولوی مسرور خندید

۱۹۳۲ء — ۱۳۵۰ھ

آپ کے اجداد کا بیان نمبر ۵۰ ب پر ملاحظہ ہو۔

۸۔ عثمان الدین (۱۸۷۲ء - ۱۹۵۸ء)

رہتک میں تولد ہوئے اور ملتان میں انتقال ہوا۔ سات سال کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ اپنے نانا امیر علی صدیقی الہمی کے پاس جھانسی چلے گئے۔ نانا خانوادہ چشتیہ کے ایک کامل بزرگ تھے۔ تھے تو اپنے ہی خاندان سے مگر جھانسی میں نہ معلوم کس بزرگ کے گدی نشین تھے۔ لاکھوں مرید تھے۔ وہاں پانچ سال رہ کر آپ نے تعلیم پائی اور پھر رہتک واپس آ گئے۔ قصبہ بیری سے مڈل پاس کیا۔ پھر سیاحت کا شوق ہوا تو سولہ سال کی عمر میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور ٹونک، بھوپال، جھانسی، حیدر آباد دکن، لکھنؤ اور کلکتہ تک پیدل سفر کیا۔ ۱۸۹۶ء میں پیرزادہ محمد حسین عارف (باب ۲) نے آپ کو فاضلکا میں افسر لگوا دیا جہاں سے ۱۹۲۷ء میں ریٹائر ہوئے اور اپنے وطن رہتک آ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ آپ قلعہ رہتک کی جامع مسجد کے اعزازی خطیب بھی رہے۔ آپ نے تین رسالے بھی لکھے۔ ایک روحانیت پر ہے جو نواب محسن الملک کی کتاب آیاتِ بینات سے ماخوذ ہے۔ دوسرا رسالہ مولوی نعیم الدین مراد آبادی کی کتاب فتح البیان سے اخذ و اضافہ کے بعد تیار ہوا اور رسالہ کا نام رد بہ تہمت ہے۔ ان میں سے کوئی رسالہ شائع نہیں ہوا۔ یہ رسائل مصلح الدین (۵۳ الف) کے پاس ہیں۔

ا۔ عثمان الدین کے چھ فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر ریحان الدین مصطفےٰ المولد ۱۸۹۱ء ایک ہمہ [illegible] شخصیت تھے۔ دیوبند میں پڑھ رہے تھے کہ تحریکِ خلافت شروع ہو گئی اور آپ ایک قافلے کے ساتھ افغانستان چلے گئے۔ ایک مدت تک افغانستان، ایران، آذربائیجان اور ترکی وغیرہ میں رہے۔ ملک ملک کی زبان سیکھی واپس آئے تو اشتراکی خیالات سے سرشار تھے۔ شملہ سے اوپر گھمبر کی وادی آٹھ نو میل پھیلی ہوئی ہے وہاں اپنا مرکز قائم کیا۔ آپ کبھی کبھی وطن آتے اور بزرگوں کی لکھی ہوئی کتابیں خرید کر لے جاتے۔ سنے میں آیا ہے کہ وادی گھمبر میں ایک گوجری سے شادی کر لی تھی۔ اور ۱۹۴۷ء میں آپ ہندوستان میں کسی جگہ

نقل کر دیے گئے۔ تاریخ انقلاب روس، معراج النبی اور رسالہ تصوف آپ کی غیر مطبوعہ تصانیف ہیں [illegible]

یہ رسالہ اور آپ کی ایک بیاض مصلح الدین (۵۳ الف) کے پاس ہے۔

عثمان الدین کے خلفِ ثانی محتشم الدین المولد ۱۹۰۳ء مہم میں تولد ہوئے۔ مدتوں پٹواری رہے۔ اب کسی زمیندار کے کاردار ہیں۔ (پتہ: محلہ سماد والا۔ پاکپتن)

تیسرے فرزند احتشام الدین شرف (پتہ: مکان ۷۰/۴۵ وارڈ نمبر ۴ چھجو باغ۔ ملتان) او۔ ٹی سند یافتہ ابزریں ادیب فاضل، منشی فاضل، مولوی فاضل اور بی۔ اے ہیں۔ آج کل کنٹونمنٹ بورڈ ہائی سکول ملتان چھاؤنی میں مدرس ہیں۔ بلا دشواریوں نے اس جوہرِ قابل کو فرصت ہی نہ دی ورنہ شاید آپ آج ادیبوں کی صفِ اوّل میں ہوتے۔ بڑے ہی مرنجاں مرنج ہیں۔ شہرت سے اجتناب کرنے کی خاندانی بیماری میں مبتلا ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ تدریسی کتب میں آپ کی لکھی ہوئی فارسی ترجمہ، ترکیب نحوی، اردو پرچہ ب اور [illegible] سائنس شائع ہو چکی ہیں۔ آپ کی پہلی علمی تصنیف غالباً کتاب الدعوات والاصلاح تھی۔ جس کا دیباچہ مولانا ظفر علی خاں نے تعارف کے ساتھ اخبار زمیندار کی بیس پچیس قسطوں میں شائع ہوا۔ پہلی قسط ۹ مئی ۱۹۳۶ء کے پرچے میں تھی۔ یہ کتاب طبع نہیں ہوئی۔ پاکستان آ کر تدریسی کتب کے علاوہ ۱۹۵۲ء میں آپ کی کتاب پردہ اور اسلام شائع ہوئی۔ گورنمنٹ نے اس پر پانچ سو روپیہ انعام دیا۔ اور اس کا دیباچہ ریڈیو پاکستان سے نشر کیا۔ اگلے سال ملتان سے آپ کی کتاب ہمارے مشائخ یا رہبان شائع ہوئی۔ ملتان ہی سے آپ کے افسانوں کا مجموعہ گوہر کے نام سے شائع ہوا۔ شرف تخلص ہے۔ بہت کچھ کہا مگر اس بے نیازی کا کیا علاج کہ آپ کے پاس اپنا کلام ہے نہ کوئی تصنیف۔ لہٰذا ایک ادیب سا اس تعارف کو ادھورا سمجھا جائے۔

عثمان الدین کے چوتھے فرزند سفیان الدین ۱۹۱۶ء میں فاضلکا میں پیدا ہوئے۔ اب ملتان میں سائیکلوں کی دکان کرتے ہیں۔ ساتھ ہی موٹروں کی مرمت کی ورکشاپ بھی ہے (پتہ: مکان نمبر ۵۲۶ وارڈ نمبر ۴ اندرون لوہاری دروازہ ملتان)

پانچویں فرزند عبد الصمد ۱۹۳۲ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ ڈپٹی کمشنر ملتان کے دفتر میں ٹائپسٹ ہیں۔ چھٹے فرزند عبد الرب ۱۹۳۵ء میں رہتک میں پیدا ہوئے اور کراچی میں موٹر مکینک ہیں۔ ان کی اپنی ورکشاپ ہے۔

ب۔ عثمان الدین کے والد وزیر الدین متوفی ۱۹۰۵ء ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں سینئر کلرک تھے۔ حکیم شمس الاسلام (۵۳ھ) کے پاس کتاب جواہر زواہر مصنفہ شاہ محمد علیم جیانی افضل الہ آبادی ابن شاہ محمد موسیٰ کا

ایک قلمی نسخہ ہے جسے وزیر الدین نے ۱۸۹۶ء میں کتابت کیا تھا۔

وزیر الدین کے جلیل القدر والد وجیہہ الدین شہیدؒ نواب جھجر عبد الرحمان خاں کے میر منشی اور پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ جرم بغاوت میں نواب صاحب گرفتار کر لئے گئے مگر وجیہہ الدین سمند خاں کے ساتھ فرار ہوگئے۔ کچھ دن بعد آپ کو قلعہ رہتک سے گرفتار کر لیا گیا۔ اور آپ کی ملکیت یعنی دو گاؤں، پانچ سو بگیھ اراضی (ایک بگیھ = ⅝ ایکڑ) اور رہائشی مکان ضبط کر لیا گیا اور آپ کو جھجر میں ۱۹ رجمادی الثانی ۱۲۷۴ھ ۴ فروری ۱۸۵۸ء کو پھانسی دے دی گئی۔

وجیہہ الدین شہید کے والد مولوی شہاب الدین اپنے والد شاہ اوحد مولوی بدر الدینؒ (رباب ۱) کے ہمراہ لکھنؤ چلے گئے تھے۔ والد کے انتقال پر اپنے وطن رہتک چلے آئے۔ چندے نواب جھجر کے ہاں کسی منصب پر مامور رہے۔ پھر اپنی زمینوں کا انتظام کرتے رہے۔ احسن الدین (۱۳۲ ل) کے پاس ۱۰ شعبان ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۸ء کی ایک تحریر کے متن میں آپ کا نام آیا ہے۔ یعنی اس تاریخ کو آپ حیات تھے۔

۸۶۔ صدیق الدین (۱۸۷۴ء - ۱۹۵۰ء)

پٹوار سے ملازمت شروع کی۔ ریٹائر ہوتے وقت ہیڈ ورنیکلر کلرک تھے۔ پھر ریاست پاٹودی میں ۱۹۲۶ء میں تحصیلدار ہوگئے۔ وہاں سے ۱۹۳۲ء میں سبکدوش ہو کر اپنے وطن رہتک آگئے۔ راقم الحروف نے رہتک ضلع کی مسلم لیگ کی از سرِ نو تنظیم کی تو آپ کو سیکرٹری مقرر کیا۔ ضعیفی کے باوجود آپ یہ خدمت دو سال تک سرانجام دیتے رہے۔ بڑے ہی وضعدار بزرگ تھے۔ انتقال مظفر گڑھ میں ہوا۔

ل۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ تینوں رہتک میں پیدا ہوئے۔ خلفِ اکبر بدر الدین المولد ۱۹۱۶ء میونسپل کمیٹی ملتان میں چونگی انسپکٹر ہیں۔ دوسرے فرزند فخر الدین ۱۹۲۰ء میں تولد ہوئے۔ انہوں نے ۱۹۴۳ء میں خاندان کی طرف سے جدِ امجد زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین جھجیری ثم رہتکی کے مزار کی مرمت کرائی۔ اب مظفر گڑھ میں انسپکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز ہیں (پتہ: محلہ قائم والا مظفر گڑھ) تیسرے فرزند شمس الدین بھی مظفر گڑھ میں ہیں۔

۸۷۔ قطب الدین (۱۸۶۳ء - ۱۹۵۳ء)

قد قدرے چھوٹا، خوش شکل، خوش مذاق، متدین اور مستعد بزرگ تھے۔ پینتیس سال تک کولانہ ضلع رہتک میں قاضی اور مسجد کے پیش امام رہے۔ بسر اوقات کے لئے پرچون کی دوکان کھولی ہوئی تھی۔ رہتک اکثر [illegible] کا بیوپار کیا کرتے تھے۔ ملتان میں انتقال ہوا۔

ل۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر اسحاق الدین ۱۹۰۱ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں

ڈسپنسنگ کا امتحان پاس کر کے آٹھ دس سال تک ضلع رہتک کے مختلف ہسپتالوں میں ڈسپنسر رہے۔ پھر ڈرائیور ہوگئے۔ ڈرائیوری چھوڑ کر پرچون کی دکان کرتے رہے۔ اب ملتان کے وارڈ نمبر ۷ مکان نمبر ۵۳ میں رہتے ہیں۔ شعرگوئی کا شوق ہے۔ آزرک اور بیچین تخلص کرتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء تک کا کلام ضائع ہوگیا۔

قاضی قطب الدین کے دوسرے فرزند اشتیاق الدین ۱۹۲۳ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ پنجاب ٹیکسٹائل مل ممتاز آباد میں چھ سال الیکٹریشن رہے ہیں۔ رہتک میں ریڈیو مکینک تھے۔

قطب الدین کی دختر صابری بیگم بیوہ لئیق الدین اب اپنے بھائی اسحاق الدین کے ساتھ ملتان میں رہتی ہیں۔ آپ کے پاس حضرت شاہ غلام جیلانیؒ (رباب ۳) کے متعدد اہم تبرکات ہیں جن کی ہم نے بھی زیارت کی ہے۔ شاہ غلام جیلانیؒ سے یہ چیزیں ان کے چھوٹے بھائی مولوی کریم الدین (۹۵ ب) کو پہنچیں۔ مولانا کریم الدین سے ان کے فرزند شاہ رفیع الدین کو ملیں جن کا رہتک میں ۱۸؍۱۲ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ کو انتقال ہوا۔ ان کے اولادِ نرینہ نہ تھی اس لئے دختر کفایت النساء زوجہ ڈاکٹر ظہور الدین (۹۱ ب) کو یہ تبرکات ملے۔ پھر نصیر الدین اظہر (۵۹) اور لئیق الدین (۵۹ ل) کو یہ تبرکات ملے۔ لئیق الدین لاولد گئے۔ لہٰذا اب ان کی بیوہ کے پاس یہ تبرکات ہیں۔

ب۔ قاضی قطب الدین کے والد امین الدین کا ۱۸۶۹ء میں انتقال ہوا اور ان کے والد وجیہہ الدین شہیدؒ کا ۸۰ ب پر ذکر آچکا ہے۔

۸۸۔ محمد صابر (المولد ۱۸۸۵ء)

نینی تال میں پولیس میں ملازم تھے۔ ریٹائر ہو کر قلعہ رہتک میں پرچون کی دکان کرتے رہے۔ آزادیٔ پاکستان کے وقت سنا جاتا ہے کہ بیوی بچوں سمیت کانپور میں تھے۔ ان کے ایک لڑکے کو عرفاً بجنی کہتے تھے۔

ب۔ آپ کے والد نظیر الدین منشی خانہ ٹونک میں ملازم تھے۔ نظیر الدین کے بھتیجے حافظ مستقیم الدین ولد نعیم الدین کو ۱۹۲۶ء میں ہندوؤں نے روہڑ کی مسجد میں شہید کر دیا۔ حافظ مستقیم الدین شہیدؒ کے اولادِ نرینہ نہ تھی۔ نظیر الدین کے والد وجیہہ الدین شہیدؒ کا نمبر ۸۰ ب پر ذکر آچکا ہے۔

23 ـــــ اولاد فصیح الدین بن ہزبر الدین

فیض الدین
- رئیس الدین
  - سمیع الدین (۸۹)
  - ولی الدین (۹۰)
- ظہیر الدین (۹۳)
  - ریاست علی (۹۱)
  - اعجاز علی (۹۲)

۸۹- سمیع الدین

شجاع آباد ضلع ملتان میں رہتے ہیں۔

ا۔ آپ کے فرزند ظہور الدین یا ظہور احمد شجاع آباد میں عرائض نویس ہیں۔

ب۔ آپ کے والد رئیس الدین کا ۱۹۳۰ء میں گوہانہ ضلع رہتک میں انتقال ہوا۔ رئیس الدین کے والد فیض الدین تجارت کرتے تھے۔ ۱۹۱۸ء میں رہتک میں انتقال ہوا۔ فیض الدین کے والد فصیح الدین تھے اور ان کے والد ہزبر الدین کا رہتک میں ۳۰ راپریل ۱۸۷۱ء کو انتقال ہوا۔ ہزبر الدین مولوی شہاب الدین کے فرزند تھے جن کا ذکر نمبر ۸۵ ب پر آچکا ہے۔

۹۰- ولی الدین (متوفی ۱۹۵۵ء)

قد میانہ تھا۔ شریف الطبع تھے۔ موٹر ڈرائیور تھے۔ ملتان میں انتقال ہوا۔

ا۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ خلف اکبر سعید الدین ۱۹۳۵ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ بر ایج آڈٹ آفس حیدرآباد (مغربی پاکستان) میں ٹائپسٹ ہیں۔ دوسرے فرزند وحید اختر المولد ۱۹۴۱ء بی اے میں پڑھ رہے ہیں۔

۹۱- ریاست علی

کراچی میں ہیں۔

۹۲- اعجاز علی

مکان نمبر ۲ چکی کپا ونڈ۔ رتن تالاب۔ کراچی۔

کراچی پولیس میں ہیڈ کانسٹیبل ہیں۔ ان کی والدہ سیدانی تھیں۔ یہ خود بھی سید مشہور ہیں۔

ا۔ آپ کے دو فرزندوں کے نام منظور حسین اور مسعود حسین ہیں۔

۹۳- ظہیر الدین (۱۸۸۲-۱۹۵۳ء)

رہتک سے ترکِ سکونت کر کے اپنی والدہ اور بہنوں کے ساتھ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری (یوپی انڈیا) چلے گئے تھے۔ فوج اور پولیس میں ملازم رہے۔ پنشن لینے کے بعد ریاست محمدی کے علاقہ میں حوالدار پولیس رہے۔ بڑی محبت کرنے والے حلیم الطبع تھے۔ قد ساڑھے پانچ فٹ کے قریب تھا۔

ا۔ آپ کے پانچ لڑکے حیات ہیں۔ خلف اکبر معین الدین ۱۹۱۵ء میں محمدی میں پیدا ہوئے۔ آرمرڈ ڈویژن (؟) میں ہیں۔ پولیس میں ملازمت نہیں کی ہے۔ قرآن شریف بھی حفظ کر رہے ہیں۔ ان کی زوجہ مسعود النساء صاحبہ گورنمنٹ مڈل سکول برائے طالبات اناؤ یوپی انڈیا میں استانی ہیں۔

ظہیر الدین کے دوسرے فرزند محی الدین المولد ۱۹۱۷ء پہلے محمدی میں قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ تیس سال سے نیشنل دواخانہ نمبر ۱۱۹ لوئر چیت پور روڈ کلکتہ نمبر ۱ میں دواسازی پر ملازم ہیں۔

تیسرے فرزند نظام الدین المولد ۱۹۲۰ء بینائی کی خرابی کی وجہ سے صرف مڈل پاس کر کے کہیں ملازم ہیں۔ باقی دو فرزند سراج الدین اور مجیب الدین لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ انہیں امتیاز علی صاحب کے کارخانہ زردوزی محلہ محمود نگر شہر لکھنؤ کے پتہ پر خط لکھا جا سکتا ہے۔

ب۔ ظہیر الدین کے والد فیض الدین تھے جن کا نمبر ۸۹ ب پر ذکر آچکا ہے۔

شمشاد احمد بن سجاد احمد بن بشیر زادہ الحاج محمد آخیہ صدیقی

۲۴ ـــــ اولاد مولوی کریم الدین بن شاہ بدر الدینؒ

- مولوی امین الدین
  - بشیر الدین
    - حکیم الدین (۹۴)
  - محمد یوسف
    - مصباح الدین
      - انعام الدین (۹۵)
      - احتشام الدین (۹۶)
    - محمد اسلم (۹۷)
    - محمد آصف (۹۸)
    - سلطان احمد (۹۹)
    - اقبال احمد (۱۰۰)
  - ممتاز الدین
    - بدر الدین (۱۰۱)
    - اعجاز الدین (۱۰۲)
    - اعزاز الدین (۱۰۳)
  - مشتاق الدین
    - حلیم الدین (۱۰۴)

۹۴۔ حکیم الدین (۱۹۰۰ - ۱۹۵۷ء)

ملتان میں انتقال ہوا۔ آپ کی اولاد میں صرف ایک دختر ناہید بیگم صاحبہ بی اے۔ بی ٹی ہیں جن کی شادی خاندان سے باہر ہوئی۔ آپ کے والد حافظ بشیر الدین صاحب ریاست ٹونک کی طرف سے گوالیار میں سفیر تھے۔ وہیں انتقال ہوا۔

۹۵۔ انعام الدین (۱۹۰۱ - ۱۹۴۸ء)

قیام پاکستان کے بعد خاندان سے واحد ای۔ اے۔ سی تھے منٹگمری میں افسر مال تھے کہ انتقال ہوگیا۔

ا۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ خلف اکبر اکرام الدین ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے۔ کسی بنک میں کلرک ہیں۔ دوسرے فرزند سلیم محمود ۱۹۲۳ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ایف اے پاس ہیں۔ ملتان میں ریفٹ کلرک ہیں۔ تیسرے فرزند نصیر پور ضلع کانگڑہ میں ۱۹۳۴ء میں پیدا ہوئے۔

ب۔ آپ کے والد مولوی مصباح الدین (۱۸۷۴ - ۱۹۴۶ء) ٹونک میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم پائی۔ ۱۸۹۱ء میں سترہ سال کی عمر میں نواب صاحب ٹونک کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ساتھ ہی انگریزی دفتر کی افسری اور عہدہ نائب میر منشی (ڈپٹی چیف سیکرٹری) پر تعینات رہے۔ مگر صرف دو سال بعد ۱۸۹۳ء میں اپنے پر بندگوں کے ساتھ ریاست چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور اپنے وطن رہتک آگئے اور عمر کے بقایا تریپن سال تصنیف و تالیف اور بزم فرزم میں گزارے۔

۱۸۹۹ء میں لکھتے ہیں:

بحالت سکونت وطن اس سے بہتر کوئی کام مجھکو معلوم نہ ہوا کہ مختلف علوم کی کتابوں کے ترجمے اور تصانیف سے اہل ملک کو بھی اپنی ناچیز کوشش سے فائدہ پہنچاؤں۔ اسی سبب سے گذشتہ سال محاربہ فرانس و پروشیا ملک کی خدمت میں پیش کی تھی" (الہارون ص ۲۱۰)

رہتک سے آپ لدھیانہ چلے گئے جہاں نیتیس سال علمی مشاغل میں گزارے۔ آپ کی تصانیف و تراجم میں سے ہمیں صرف یہ نام معلوم ہو سکے ہیں: لباب الاحادیث، مصباح الادب، گلستانِ عرب، خنجہ ہاشیم الجن، محاربہ فرانس و پروشیا۔ الہارون۔ الہارون یعنی سوانح عمری ہارون الرشید ۱۸۹۹ء میں نولکشور دہلی میں طبع ہوئی اور سلسلہ آصفیہ میں شامل ہے۔ دو سو بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ۲۱۵ سے ۲۱۸ صفحات پر مؤلف نے اپنے حالات لکھے ہیں۔ اس کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے۔ مولوی مصباح الدین نے ذہانت وفہم میں پائی تھی۔ بڑے متواضع اور منکسر المزاج تھے۔

مولوی مصباح الدین کے والد حافظ محمد یوسف (۱۸۵۵ - ۱۹۲۸ء) ریاست ٹونک کے چیف سیکرٹری تھے۔ الہارون میں آپ کے فرزند مولوی مصباح الدین لکھتے ہیں: "حافظ محمد یوسف میرے والد مکرم بارہ سال کی عمر میں بسلک ملازمت نواب صاحب بہادر فرمانروائے حال کے دربار میں اپنے والد کے ساتھ احکام نویسی کی خدمت پر جایا کرتے۔ بعد چند سال کے کارگزاری سے بعہدہ منشی خاص (پرائیویٹ سیکرٹری) حضور نواب صاحب بہادر مقرر ہوئے اور پھر بعد چندے بجائے اپنے والد مغفور کے بعہدہ جلیلہ میر منشی یعنی افسری محکمہ دارالانشاء ریاست سے سربلند ہوئے۔ ابتدائے جوانی سے دربار ریاست سے تعلق تھا۔ بدیں وجہ جملہ جہات ریاست سے ان کو واقفیت تامہ حاصل تھی۔ بالخصوص نواب صاحب کی مزاج دانی و رمز شناسی میں ملکہ کامل رکھتے تھے۔ ہر ذی نفس کے منشاء مضمون پر ابتدائی فقرہ کلام سے حاوی ہو کر پورا پورا منشا نواب صاحب بہادر کا اپنی ذہانت خداداد سے لکھ دیتے۔ نواب صاحب بہادر ان کی قابلیت اور کارگزاری سے کامل درجہ خوش تھے۔ علاوہ بیش قرار مشاہرہ وجاگیر کے دو گاؤں بیر حاصل بطور استمرار برائے قدر دانی میرے والد مکرم کو مرحمت فرمائے اور بہ فور عزت افزائی ملقب بہ خطاب فضیلت و نجابت مرتبت، صداقت و دیانت منزلت دبیر بالخصوص حافظ محمد یوسف میر منشی خاص دبیر الملک فرمایا۔"

نواب حافظ ابراہیم علی خاں والی ٹونک اور الحاج حافظ محمد یوسف بچپن میں ساتھ کھیلا کرتے تھے نواب صاحب کی اپنے چچا عبید اللہ خاں متوفی ۱۹۰۰ء سے نہ بنتی تھی۔ صاحبزادہ عبید اللہ کا ریذیڈنٹ پر بڑا اثر تھا۔ انہوں نے ریذیڈنٹ کو لکھا کہ حافظ محمد یوسف ریاست کے سیاہ و سپید کا مالک بن بیٹھا

اور در پردہ ان عناصر کی سرپرستی کر رہا ہے جو انگریزوں کے خلاف ہیں۔ ریذیڈنٹ نے حکام بالا سے مشورہ کر کے نواب صاحب کو مجبور کیا کہ حافظ محمد یوسف کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ریاست بدر کر دیا جائے۔ حافظ صاحب موصوف کی جاگیر میں دو گاؤں تھے جن میں سے ایک ہنوٹیا تھا۔ ٹونک شہر میں بارہ دکانیں اور ان سب پر کمرے تھے۔ علاوہ ازیں متعدد مکانات آپ کی ملکیت تھے۔ بازار وزیر میں انگریزی ڈاک خانہ کے نزدیک ایک شاندار حویلی میں آپ کا قیام تھا۔ ریاست کی کلیدی اسامیوں پر آپ کے رشتہ دار فائز تھے۔[1] جس روز آپ نے ریاست چھوڑی وہ دن ریاست کی تاریخ میں خاصا ہنگامہ خیز تھا۔ نواب صاحب اپنے اس ہمراز و بہی خواہ کو بادلِ نخواستہ سبکدوش کر رہے تھے۔ ایک زمانہ کے دیرینہ جواب آپ کے فرزند سلطان احمد (۹۹) کے پاس ہے۔ نواب صاحب نے حافظ صاحب موصوف کی خدمات کو سراہا اور ذمہ لیا کہ حدودِ ریاست میں آپ کی جاگیر سے تعرض نہ ہوگا۔ مگر بعد میں ایک ایکڑ واگزار ہو سکا جسے نواب صاحب نے اپنی بیگم کی وصیت پورا کرنے کے لئے خود خرید لیا۔ بہر کیف آپ تمام جائیداد اور لاکھوں روپے کا سامان چھوڑ کر صرف سوا لاکھ روپے کے زیورات اور نقدی لے کر اپنے وطن رہتک آ گئے۔ آپ کے ساتھ رشتہ داروں کو بھی ٹونک چھوڑنا پڑا۔

ریاست ٹونک سے آپ اپنے وطن رہتک چلے آئے۔ آپ نے دہلی میں تجارت شروع کی مگر نقصان اٹھایا۔ پھر فیصلہ کیا کہ جدید طریقوں سے زراعت کرائی جائے چنانچہ آپ نے مسٹر الک سے ضلع کرنال کا رقبہ بھینسوال خرید لیا مگر اسے بھی ۱۹۰۵ء میں قائدِ ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں کے چچا عمر دراز علی خاں کے ہاتھوں چالیس ہزار روپے میں فروخت کر دیا اور اپنی بقایا زندگی تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی۔ آپ رہتک میں بیوپاریوں کی مسجد کے ایک مدت تک اعزازی خطیب رہے۔ سو وفات رہتک میں ہوئی۔ [illegible]

---

[1] آپ کے بڑے بھائی الحاج حافظ بشیر الدین ٹونک کی طرف سے ریاست گوالیار میں سفیر تھے۔ ایک چھوٹے بھائی حافظ نذیر الدین ریاست سیکرٹریٹ میں ملازم تھے۔ دوسرے چھوٹے بھائی حافظ مشتاق الدین ریاست کے ایک ضلع سرونج میں نائب ناظم (ڈپٹی کمشنر) لگ گئے تھے۔ آپ کے خسر نور الدین ناظم علی گڑھ تھے۔ علی گڑھ ریاست ٹونک کا ایک ضلع تھا اور ناظم ڈپٹی کمشنر کو کہتے ہیں۔ آپ کے فرزند مولوی مصباح الدین نواب صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ ارشاد الدین کے والد رشید الدین (۱۱۱) پولیس انسپکٹر جنرل پولیس تھے۔ مولانا ہند مولوی اسرار الحق (۲۱) کے والد انصار الحق، حکیم شمس الاسلام کے والد اور چچا منشی فرید الدین اور مولوی رشید الدین، محمد صابر (۸۸) کے والد ظہیر الدین، حبیب الدین (۱۲۲) کے والد حبیب الدین سیکرٹریٹ میں ملازم تھے۔ ڈاکٹر محمد فاروق (۱۹۵) کے والد ڈاکٹر عباس علی سپرنٹنڈنٹ ولکی کانفرنس تھے۔ ان کے علاوہ کئی اور رشتہ دار وہاں تھے۔

زبانوں پر قدرت حاصل تھی۔ معمولی سی انگریزی بھی جانتے تھے۔ شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ یوسف تخلص تھا۔ حبیب احمد (۶۶) کی زوجہ طیب بیگم صاحبہ مرحومہ نے مندرجہ ذیل غزل بھیجی تھی اور لکھا تھا کہ یہ حافظ صاحب موصوف کی ہے۔

غزل

ترے حق میں ہے یہ مری دعا جو قبول اس کو خدا کرے
تو شبِ فراق میں شمع ساں تپشِ الم سے جلا کرے

ترے ظلم کا میں بدل کروں کوئی دن تو ایسا خدا کرے
نہ لگاؤں میں تجھے منہ ذرا مری منتیں تو کیا کرے

مری حسرتوں میں مرا کرے کفِ غم ہمیشہ ملا کرے
تو مجھے ہی یاد کیا کرے تجھے یاد میری بلا کرے

ترے رخ پہ رنگ ہو یاس کا کبھی منہ نہ دیکھے مراد کا
پڑیں تجھ پہ گردشیں چرخ کی انہی گردشوں میں رہا کرے

وہ تری زبان کی سختیاں مجھے یاد سب ہیں وہ جھڑکیاں
وہی جھڑکیاں وہی گھڑکیاں میں دیا کروں تو سنا کرے

رکھا تجھ سے میں نے علاقہ کیوں یہ گناہ مجھ سے ہوا زبوں
کہ نہ مجھ سے حشر میں پوچھ ہو یہ خطا معاف خدا کرے

ترے حق میں کم نہ ہو موت سے یہ کلام یوسفِ خستہ دل
یونہی جل جلا کے تو خاک ہو یہ غزل ہمیشہ پڑھا کرے

الحاج محمد یوسف کے والد مولوی امین الدین تھے۔ آپ کے پوتے مولوی مصباح الدین (۹۵ ب) الاطلال میں لکھتے ہیں۔ قوسین ہماری ہیں: ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں میرے جدِ محترم مولوی پیر جی امین الدین احمد صاحب مرحوم نے حضور نواب وزیر الدولہ امیر الملک محمد وزیر خاں بہادر نصرت جنگ والئ ریاست ٹونک کا سلسلہ ملازمت و نمک خوارگی اختیار کیا۔ مختلف عہدوں پر عزت پائی۔ محکمہ دار الانشاء کی افسری پر چھیالیس سال مامور رہے اور حسنِ خدمات سے تین پشت تک کے رؤسا حکمران ٹونک کو مسرور رکھا اور جاگیر و مناصب حاصل کئے۔۔۔۔ جدِ بزرگوار نے ۱۳۰۵ھ میں تدریس میں ایک مقتدر پنشن ریاست سے حاصل کی اور عہدہ منصبی پر حافظ محمد یوسف اپنے خلف الصدق کو ۔۔۔ مقرر کرا دیا۔ ۱۳۰۷ھ (۱۸۸۹ء) میں

جد مکرم نے وفات پائی . . . حضرت جد مرحوم اپنی کریم النفسی اور متواضعانہ اخلاق سے کمال نیک نام و ہر دلعزیز رہے۔ ان کی وفات سے جملہ اراکین ریاست اور بنفس نفیس حضور پُر نور جناب نواب امین الدولہ وزیر الملک نواب حافظ محمد ابراہیم علی خاں صاحب بہادر صولت جنگ جی سی آئی ای فرمانروائے حال ریاست ٹونک کو سخت ملال ہوا اور حضور نواب صاحب بہادر نے بنا بر ادائے رسم تعزیت مرحوم اپنے شاہانہ اخلاق سے ہمارے غریب خانہ پر رونق افروز ہو کے نمک خواروں کا اعزاز بڑھایا۔ اور اظہارِ رنج و الم فرما کر جو کچھ معاش اور جاگیر جد مرحوم کے نام مقرر تھی۔ از راہِ شفقت رحیمانہ وہ کل جائیداد میرے والد مکرم حافظ محمد یوسف کو عطا کی۔" (ص ۲۱۶)

مولوی امین الدین کا ریاست کی ایک کلیدی اسامی پر متواتر چھیالیس سال تک رہنا اور تین حکمرانوں کے عہد میں رہنا ریاستوں کی تاریخ میں ایک غیر معمولی بات ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ آپ ریاست کے باشندے نہیں تھے۔ اس دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکمتِ عملی سے خاندان کی معاشی حالت دگرگوں ہو گئی تھی۔ مولوی امین الدین کی وجہ سے خاندان کے بیسیوں افراد نے ریاست میں ملازمت حاصل کی۔ مولوی صاحب کے چاروں فرزند حافظ قرآن اور حاجی حرمین شریفین تھے۔ نواب صاحب کی ان پر نوازش کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ آپ کی زوجہ حج کے لئے چلیں کنبے کے چالیس افراد چھوٹے بڑے ساتھ تھے اس سفر کے تمام اخراجات نواب صاحب نے دیئے تھے۔ یہ قافلہ راستہ میں لٹ گیا تو نواب صاحب نے دوبارہ اخراجات دیئے اور نقصان کی بھی تلافی کی۔

آپ کے پوتے مولوی مصباح الدین نے الماروں میں آپ کا سن وفات ۱۳۰۷ھ لکھا ہے۔ پیرزادہ ابراہیم حنیف نے تاریخ ٹونک کے حوالے سے معرف الانساب میں یہ تفصیل دی ہے: وفات ۱۹ ر صفر ۱۳۰۸ھ م ۴ ر اکتوبر ۱۸۹۰ء یوم شنبہ ۱۱ بجے دن بعارضہ درد قولنج۔ لہٰذا ۱۳۰۷ھ کو کتابت کی غلطی سمجھا جائے۔ رشید الرحمٰن (دم باب ا) نے قطعہ تاریخ وفات لکھا:

جب کیا امری امین الدین نے	جانب دار البقا اپنا گزر
کشمکش تھی بہر تاریخ وصال	تب مجھے پیر خرد نے دی خبر
بے ششش و پنج اس طرح تاریخ کر	یوم شنبہ سیزدہ شہر صفر

۱۱ — ۱۳۱۹ - ۱۱ = ۱۳۰۸

مولوی امین الدین کے والد مولوی کریم الدین، شاہ بدر الدینؒ (دباب ۳) کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ محمد احسن الدین (م ۱۹۴۳ء) کے پاس ۱۹ ر شعبان ۱۲۲۹ھ ۱۸۱۴ء کی ایک تحریر پر آپ کی مہر

کریم الدین ولد شاہ بدر الدین ۱۲۲۶ ثبت ہے۔ ان کے پاس ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۴۳ھ ۱۸۲۸ء کی ایک تحریر ہے جس پر آپ کے دستخط "کریم الدین ابن مولوی بدر الدین بخط" ہیں۔ ۱۰ ر شوال ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۲ء عہد اکبر شاہ ثانی کی ایک تحریر ہے جس پر آپ کے دستخط "کریم الدین ابن مولوی شاہ بدر الدین قدس سرہٗ" ہیں۔ یہ تحریر نیم [illegible] لکھی گئی۔ ۲۲ ر جمادی الاول ۱۲۶۱ھ ۱۸۴۶ء کی ایک تحریر پر آپ کے نام کے ساتھ مرحوم لکھا ہوا ہے۔ ہم باب ۲ میں آپ کے بھتیجے مولوی امام الدینؒ کے بیان میں حضرت قلندر شاہ کا ایک منظوم خط نقل کر آئے ہیں اس کا ایک شعر ہے ؎

کریم الدین مارا نیز از ما	رسانی صد دعا زو بندگی ہا

مولوی معین الدین غمگین نے آپ کی تاریخ وفات کہی۔ جو قانونِ سلوک میں درج ہے۔

قل خود برداشت از سرہائے ما	آن کریم الدین شاہ عارفاں
بر فنا در ذاتِ حق اندر حیات	در مماتش ہم فنایش بیں عیاں
زیں سبب اے ماہر علم خفی	فانی ذاتِ احدؐ سالش بداں

۱۳۵۵ھ

۹۱- احتشام الدین عبرت (۱۹۰۸-۱۹۵۸ء)

قد لمبا، بھاری بھرکم جسم۔ سرخ و سپید رنگ۔ قہقہوں سے بھرپور۔ اپنے گرد احباب کا مجمع لگائے رکھتے۔ جو کمایا خود کھایا اور احباب کو کھلایا۔ شطرنج کے ماہرین میں سے تھے۔ ڈھاکہ میں مرکزی حکومت کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر سول سپلائز تھے کہ وہیں انتقال ہو گیا۔ پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ تھے۔ شاعری کا بھی شوق تھا۔ عبرت تخلص تھا۔

آپ کے چار فرزند ہیں خلف اکبر اختر عباس بی ایس سی ۱۹۲۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہونہار نوجوان ہیں۔ پہلے ریڈیو پاکستان میں اسسٹنٹ انجینئر تھے اور ہز ماسٹرز وائس میں وائس انجینئر بھی [illegible] مارکیٹ کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ریڈیو پاکستان لاہور کے اکثر پروگراموں میں حصہ لیتے ہیں اردو بنگالی اور پنجابی کے سنگر بھی ہیں۔

دوسرے فرزند فاروق احمد ۱۹۳۱ء میں ممبئی میں پیدا ہوئے۔ پاکستان گورنمنٹ انڈسٹریل کارپوریشن کراچی میں سپروائزر ہیں۔ تیسرے فرزند تجمل حسین ۱۹۳۳ء میں نواں شہر میں پیدا ہوئے۔ چوتھے فرزند محمود علی ۱۹۳۶ء [illegible] زیر تعلیم ہیں۔

۹۷۔ محمد اسلم

۲۵۸ وارڈ نمبر ۲ ملتان

قد میانہ، متناسب اعضا۔ گورا چٹا رنگ، ملنسار اور مستعد انسان ہیں۔ ہریانہ ٹرانسپورٹ کمپنی لمیٹڈ ملتان کے ڈائرکٹر اور ورکس مینجر ہیں۔ تحریک پاکستان سے عملی دلچسپی رہی ہے۔ سٹی مسلم لیگ کے وائس پریذیڈنٹ رہ چکے ہیں۔ ۱۹۵۲ء سے ۱۹۵۹ء تک میونسپل کمیٹی ملتان کے رکن رہے اور اب بنیادی جمہوریت کے رکن ہیں۔

ا۔ آپ کے چھ فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر محمد اکرم ۱۹۳۶ء میں تولد ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں لاہور سے بی ایس سی الیکٹرک انجینئرنگ امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کر کے واپڈا کی شاخ حیدرآباد میں ایس ڈی او تعینات ہوئے اور وہاں سے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن میں ملازمت اختیار کی اور ایک سال بعد فروری ۱۹۶۲ء میں محکمے نے اعلیٰ تعلیم کے لئے سڈنی (آسٹریلیا) بھیج دیا۔ آپ کے دوسرے فرزند مسعود اختر ۱۹۴۲ء میں پیدا ہوئے اور اب یو ایس اے کی مورگن ٹاؤن ویسٹ ورجینیا کی یونیورسٹی میں پٹرولیم انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تیسرے فرزند محمود اختر ۱۹۴۸ء میں تولد ہوئے۔ میٹرک فرسٹ ڈویژن میں کیا اور اب ایمرسن کالج ملتان میں تعلیم پا رہے ہیں۔ چوتھے فرزند منصور اختر ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ فرسٹ ڈویژن میں ورنیکلر فائنل پاس کر کے وظیفہ لیا۔ اب نویں جماعت میں ہیں۔ سلیم اختر المولد ۱۹۵۳ء اور ندیم اختر المولد ۱۹۵۸ء بھی زیر تعلیم ہیں۔

۹۸۔ محمد آصف (۱۹۰۷ء - ۱۹۶۲ء)

چہرہ زیبا، دراز قد، متناسب اعضا، ملنسار اور منکسر المزاج اور باحیا تھے۔ جوانی میں مکہ مار کر نمبری اینٹ توڑ دیا کرتے تھے۔ بطور کانسٹیبل پولیس میں بھرتی ہوئے۔ لائل پور میں انسپکٹر پولیس تھے کہ وفات ہو گئی۔

ا۔ آپ کے چھ فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر صوفی محمد احمد ۲۰ دسمبر ۱۹۲۵ء کو رہتک میں تولد ہوئے۔ جنرل ہیڈکوارٹرز راولپنڈی میں کلرک ہیں۔ خاموش طبع ہیں اور صرف نیکوں کی صحبت میں بیٹھتے ہیں۔ سلف صالحین کے طریقہ پر گامزن ہیں۔ پیر صاحب دیول شریف (تحصیل مری) حضرت پیر عبدالمجید کے خلفاء میں سے ہیں۔ (پتہ: اے ۹۱۹ نزد مسجد کیلے والی۔ راولپنڈی)

محمد آصف مرحوم کے دوسرے فرزند سعید احمد بی۔ ایس سی ہیں۔ باقی چار قمر الزمان، نایاب اختر، نواب اختر اور بدر الزمان زیر تعلیم ہیں۔

۹۹۔ سلطان احمد (المولد ۱۹۱۳ء)

۳۹ ٹیگور سٹریٹ۔ گوالمنڈی۔ لاہور

رہتک میں تولد ہوئے۔ گورے چٹے۔ چہرہ زیبا، جسم قدرے بھاری۔ میٹرک اور ادیب فاضل ہیں۔ منشی منیر الدین اظہر (۵۹) کے تلامذہ میں ہیں۔ مسٹر ایف ایل برین آئی سی ایس چیف کمشنر اصلاح دیہات پنجاب کے ایما پر آپ نے ایک جلسہ عام میں اصلاح دیہات کے موضوع پر اپنی نظم سنائی۔ اس نظم نے آپ کا مستقبل متعین کر دیا۔ اس نظم پر آپ کو سونے کا تمغہ ملا۔ ۱۹۳۶ء میں یہی نظم آپ نے ریڈیو سٹیشن دہلی سے سنائی اور پھر دس سال تک دہلی ریڈیو سٹیشن سے رائٹر پروڈیوسر کی حیثیت سے منسلک رہے۔ اس اثناء میں آپ مزاحیہ اور تاریخی ڈرامے لکھتے رہے۔ "چوہدری سلطان" کے نام سے دیہاتی پروگرام اپنی نگرانی میں نشر کراتے جس میں خود بھی حصہ لیتے۔ ہفتہ میں دو بار سامعین کے خطوط کا جواب دیتے۔ آپ کے ڈراموں کا ایک مجموعہ "چودھری سلطان کے ڈرامے" کے نام سے شائع ہو چکا ہے جس کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے۔

ہز ماسٹرز وائس اور کولمبیا ریکارڈنگ کمپنی نے آپ کے بیسیوں ڈراموں اور گیتوں کے گراموفون ریکارڈ بھرے ہیں۔

دہلی میں آپ نے فلمی کہانی چندر کانتا لکھی۔ لاہور آ کر ۱۹۵۵ء تک آپ منشی جی کے نام سے ریڈیو سٹیشن کے دیہاتی پروگرام کے رائٹر پروڈیوسر رہے ہیں۔ لاہور آ کر آپ کا رجحان زیادہ تر فلم انڈسٹری کی طرف ہو گیا۔ آپ نے ایک فلمی کہانی سچائی کے نام سے لکھی جو پاکستان کی پہلی فلم کی کہانی بنی۔ پھر آپ نے [illegible] لمیٹڈ کے نام سے ایک فلم کمپنی قائم کی۔ اس فرم کی فلم سیلاب کی کہانی آپ کی لکھی ہوئی ہے۔

ا۔ آپ کے پانچ فرزند ہیں۔ شہزاد عالم ۱۹۳۶ء میں رہتک میں تولد ہوئے۔ ملتان کے نئے پاور [illegible] میں ہیں۔ ہمایوں فرخ ۱۹۴۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ باقی تین بدر منیر المولد ۱۹۴۹ء، فرخ سیر المولد ۱۹۵۱ء اور خالد بن سلطان المولد ۱۹۵۲ء لاہور میں تولد ہوئے۔

۱۰۰۔ اقبال احمد (المولد ۱۹۱۶ء)

مکان نمبر ۲۴۲۵ بنگلہ سیوارام۔ وارڈ نمبر ۴۔ ملتان

بھرا ہوا جسم، گورے چٹے، خوش مذاق۔ ہریانہ ٹرانسپورٹ کمپنی لمیٹڈ کے حصہ دار اور ہیڈ کلرک ہیں۔ تجربہ کار، ملنسار اور ہمدرد انسان ہیں۔

ا۔ محمد عالم اور زین العابدین خالد آپ کے دو فرزند ہیں۔

۱۰۱۔ **بدرالدین** (المولد ۱۸۹۲ء)

ہسپتالوں میں ڈسپنسر رہے۔ اب مظفر گڑھ یا ملتان میں پرائیویٹ پریکٹس کرتے ہیں۔ اولاد کا حال معلوم نہیں۔

ب۔ آپ کے والد الحاج حافظ ممتاز الدین (۱۸۶۳-۱۹۲۸ء) سول سیکرٹری ایٹ ٹونک میں ملازم رہے۔ پھر بھاری پیمانہ پر لباط خانہ اور چھرے بارود کی تجارت کرتے رہے۔ انتقال ٹونک میں ہوا۔

۱۰۲۔ **اعجاز الدین** (المولد ۱۹۱۵ء)

مکان بی ایک پلاٹ نمبر ۱۱ لالوکھیت کراچی۔

ٹونک میں سول ریڈر تھے۔ وکالت کا امتحان بھی پاس کیا ہوا ہے۔ ٹونک سے کراچی آئے اور اب کمرشل ایریا بی ون لالوکھیت کراچی میں برماشل آئل کے سب ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔

۱۰۳۔ **اعزاز الدین** (المولد ۱۹۲۰ء)

۱۶۳/۲ ایچ۔ ملیر مہاجر کالونی کراچی۔

ٹونک میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاس ہیں۔ ریاست ٹونک کے محکمہ پولیس میں اکاؤنٹنٹ کلرک تھے۔ وہاں سے کراچی آئے اور حکومت پاکستان کے پیٹنٹ آفس محمدی ہاؤس، [illegible] میکلوڈ روڈ کراچی میں کلرک ہیں۔ پانچ بچے ہوئے لیکن سب وفات پاگئے۔

۱۰۴۔ **حلیم الدین** (۱۸۸۷-۱۹۶۰ء)

قد چھوٹا، جسم بھرواں، ناک نقشہ اچھا۔ بڑے ہی حلیم الطبع اور متعدد بزرگ تھے۔ آخری عمر تک اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے رہے۔ بی بی اینڈ سی۔ آئی ریلوے میں گڈز اسٹیشن ماسٹر تھے۔ ۱۹۴۲ء میں ریٹائر ہو کر قلعہ رہتک میں اپنا خوبصورت سا مکان تعمیر کرایا۔ رہتک میں دی مسلم ٹریڈرز کمپنی لمیٹڈ کے حصہ دار، ڈائریکٹر اور سیکرٹری تھے۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان آکر سٹیشن ماسٹر شورکوٹ روڈ لگ گئے۔ آپ ٹونک میں پیدا ہوئے اور لاہور میں وفات پائی۔

ا۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ خلف اکبر محمد مظہر حق ۱۹۲۷ء میں رہتک میں تولد ہوئے۔ ایم۔ [illegible] نکلتا ہے (۵۴-۱۲۴ھ) منسٹری آف ڈیفنس میں مترجم ہیں۔ فارسی، روسی، فرانسیسی اور جرمنی سے انگریزی میں ترجمہ کرتے ہیں۔ اگر انہیں فراغت میسر ہوتی تو اچھے ماہر لسانیات ہوتے۔

پیرزادہ حلیم الدین کے خلف اصغر محمد سرور حق ۱۹۴۰ء میں اچھنیرہ ضلع آگرہ میں تولد ہوئے [illegible] اے۔ ایف پبلک سکول سرگودھا سے سینئر کیمبرج کیا اور اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ ایس۔ سی۔ [illegible]

کراچی میں گورنمنٹ سکیورٹی پرنٹنگ کارپوریشن لمیٹڈ کراچی میں اسسٹنٹ مینیجر کی تربیت حاصل کر رہے تھے۔

ب۔ پیرزادہ حلیم الدین کے والد الحاج حافظ پیر مشتاق الدین (۱۸۶۳-۱۹۱۳ء) ٹونک میں پیدا ہوئے۔ ٹونک کے ضلع سرونج میں نائب ناظم یعنی اسسٹنٹ کلکٹر تھے۔ ۱۸۹۳ء میں ٹونک کو چھوڑا۔ اور دہلی میں بیوپاریوں کی تھوک فروشی کا کاروبار شروع کیا۔ تجارت کا تجربہ نہ تھا تمام اثاثہ ختم ہو گیا۔ حافظ قرآن تھے۔ گجرات کاٹھیاواڑ، بنگال یا مانڈلے میں سے کسی نہ کسی ایک جگہ ہر رمضان میں قرآن شریف سنایا کرتے۔ ایک دفعہ مانڈلے سے بحری جہاز میں آ رہے تھے کہ سمندر میں گر گئے مگر بچا لیے گئے۔ سیلون بھی گئے۔ وہاں ایک پہاڑی پر ایک پاؤں کا نشان ہے جسے حضرت آدمؑ کا قدم شریف کہتے ہیں۔ اسے دیکھنے بھی گئے۔ انتقال دہلی میں ہوا۔ آپ کے والد مولوی پیر جی امین الدین کا تذکرہ نمبر ۹۵ ب پر ملاحظہ ہو۔

---

25 ـــ اولاد مولوی بدیع الدین بن مولوی فخر الدین

نصیر الدین
|
منیر الدین
|
حفیظ الدین
|
رضی الدین

عقیل الدین (۱۰۵) — حسین الدین (۱۰۶)
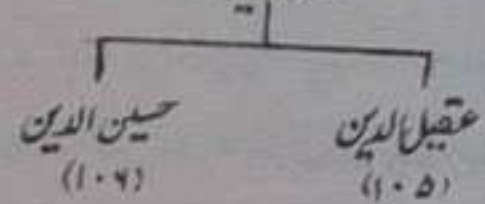
۱۰۵۔ عقیل الدین مخمور (المولد ۱۸۹۵ء)

مکان نمبر ۵۲۸ ایچ تجاریہ محلہ ۔ کالج روڈ ۔ راولپنڈی ۔

میٹرک پاس کرنے کے چار سال بعد ۱۹۱۹ء میں کلکتہ کے بورڈ آف اگزامینرز کا ٹیچر شپ ان اردو کا امتحان پاس کیا ۔ اس کے دس سال بعد ادیب فاضل اور ۱۹۳۰ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا ۔ ۱۹۲۰ء سے دو سال تک مصر میں انگریزوں کو اردو پڑھائی ۔ پھر بارہ سال تک رہتک کے ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں ملازمت کی ۔ کچھ عرصہ عرضی نویسی کرنے کے بعد کیڈٹ کالج بنگلور اور او ۔ سی ۔ ٹی ۔ یو رڑکی میں اردو کے انسٹرکٹر رہے ۔ پھر قیام پاکستان تک دہلی میں آرمی لنگویج ٹیچر رہے ۔ اب راولپنڈی میں عرضی نویسی کرتے ہیں ۔ قوت حافظہ اچھی ہے ۔ مخمور تخلص کرتے ہیں ۔

ا ۔ آپ کے تین فرزند ہیں ۔ خلف اکبر عتیق الدین ۱۹۱۳ء میں رہتک میں پیدا ہوئے ۔ شعر گوئی کا شغل بھی رکھتے ہیں ۔ ایف ۔ اے پاس ہیں ۔ ڈائرکٹر جنرل پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف پاکستان کراچی کے دفتر میں جونیئر اکاؤنٹنٹ ہیں ۔ پتہ : پی اینڈ ٹی کالونی گزری روڈ ۔ کوارٹر نمبر ایف ۱۹ ۔ کراچی نمبر ۵ ۔
فرزند ثانی خلیل الدین بی اے رہتک میں ۱۹۳۰ء میں تولد ہوئے ۔ آج کل جنرل ہیڈ کوارٹرز میں کلرک ہیں ۔ تیسرے فرزند شکیل الدین فوج میں لانس نائک ہیں ۔

ب ۔ عقیل الدین کے والد رضی الدین (۱۸۷۰ ۔ ۱۹۰۷ء) قلعہ رہتک میں پیدا ہوئے ۔ بلکتی تعلیم پائی ۔ زمین کاشت کراتے ۔ عرائض نویسی کرتے تھے ۔ خود اجرت کسی سے طلب نہ کرتے ۔ کوئی دیتا کوئی نہ دیتا ۔ انتقال رہتک میں ہوا ۔
منشی رضی الدین کے والد الحاج حفیظ الدین کا خط بڑا اچھا تھا ۔ کچھ عرصہ ریاست نابھہ میں ملازم رہے ۔ قلعہ رہتک میں گھر کے سامنے چھوٹی مسجد تھی اس میں اکثر معتکف رہتے ۔ گھر پر مکتب قائم کیا ہوا

تھا جس میں اوروں کے علاوہ حافظ انور علی صاحب سول جج اور متعدد کاتبوں نے تعلیم پائی ۔
الحاج حفیظ الدین کے والد شاہ منیر الدین ؒ کا انتقال ۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۸۰ھ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۳ء کو ہوا ۔ حضرت شاہ غلام جیلانی ؒ (باب ۳) کے خلفاء میں سے تھے ۔ آپ کے والد شیخ نصیر الدین کے دستخط ۱۹ شعبان سنہ ۱۲۲۹ھ ۱۸۱۴ء کے ایک استشہاد نامہ پر احسن الدین (۱۹۳ ا) کے پاس محفوظ ہیں ۔ آپ کے والد مولوی بدیع الدین مولوی فخر الدین مہمی ثم رہتکی کے فرزند تھے ۔ آپ کا انتقال ۲۵ شوال کو ہوا ۔ سن محفوظ نہ رہ سکا ۔ احسن الدین (۱۹۳ ا) کے پاس وہ کاغذ ہے جس کی رو سے پسران شیخ امجد (۱۸۴ ب) نے چار بگھہ زمین واقع موضع سانکھو والی بعوض چھ روپیہ مولوی بدیع الدین کو فروخت کی ۔ یہ تحریر ۱۱ ذیقعدہ سنہ ۶ جلوس اکبر شاہ ثانی سنہ ۱۲۲۶ھ ۱۸۱۲ء کی ہے ۔
مولوی فخر الدین اور ان کے اجداد کا تذکرہ باب ۳ میں حضرت شاہ بدھا الدین ؒ کے بیان میں ملاحظہ ہو ۔

۱۰۶۔ حسین الدین (المولد ۱۹۰۵ء)

مکان ۱۲۳ وارڈ نمبر ۸ مسلم ۔ چاہ بوہڑ والا ۔ ملتان شہر ۔

رہتک میں پیدا ہوئے ، قد میانہ ، ناک نقشہ اچھا ۔ گورے چٹے ۔ تینتیس سال پٹواری رہ کر ۱۹۵۹ء میں ریٹائر ہوئے ۔

ب ۔ آپ کے دو فرزند محمد احسن المولد ۱۹۴۱ء اور محمد محسن المولد ۱۹۵۱ء ہیں ۔

اولاد حسین الدین ابنِ حافظ شمس الدین

- علیم الدین
  - نسیم الدین
    - نجم الدین (۱۰۷)
  - قطب الدین
    - شفیق الدین (۱۰۸)
    - خلیق الدین (۱۰۹)
    - لئیق الدین (۱۱۰)
- رشید الدین
  - ارشاد الدین (۱۱۱)
  - حمید الدین (۱۱۲)
  - عبدالقدوس (۱۱۳)
- محب الدین (۱۱۴)

۱۰۷- نجم الدین

ملتان میں انتقال ہوا۔ اولادِ نرینہ سے محروم تھے۔ ان کے والد صوفی نسیم الدین (۱۸۶۲-۱۹۰۰ء) منشی فاضل تھے۔ نہایت خوبرو اور فرشتہ خصلت بزرگ تھے۔ رہتک میں عرائض نویسی کرتے تھے۔ وہیں انتقال ہوا۔

۱۰۸- شفیق الدین (۱۸۹۶-۱۹۵۲ء)

رہتک میں پیدا ہوئے۔ محکمہ نہر میں ہیڈ مستری تھے۔ تبہ ہیڈ ورکس میں انتقال ہوا۔

ا- آپ کے تین فرزند ہیں: بڑے صدیق الدین ہیں۔ دوسرے حمید حسن لودھراں میں پوسٹ مین ہیں اور تیسرے عیاذ الدین انفنٹری میں سپاہی تھے۔

ب- آپ کے والد قطب الدین (۱۸۶۰-۱۹۰۹ء) مولوی فخر الدین بن عبدالکریم (باب ۳) کی اولاد میں سے پہلے فرد ہیں جنہوں نے میٹرک پاس کیا۔ گورے چٹے۔ قد میانہ۔ جسم درمیانہ۔ متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ علم و ادب سے بڑا شغف تھا۔ آپ کی ایک تصنیف رابعہ بصری بتائی جاتی ہے۔ بلاذم میں انسپکٹر پولیس تھے وہیں دورانِ ملازمت انتقال ہوا۔

قطب الدین کے والد داروغہ علیم الدین اپنے زمانہ میں اضلاع رہتک اور کرنال کے نامی گرامی تھانیداروں میں سے تھے۔ انتقال ۱۵ رجب ۱۳۱۴ھ ۲۰ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہوا۔

داروغہ علیم الدین کے والد حسین الدین (۱۸۰۵-۱۸۸۳ء) ۱۸۵۷ء میں ضلع حصار میں [illegible] یا فتح آباد میں انسپکٹر پولیس تھے۔ شورش ہوئی تو مہم آگئے اور یہاں سے ٹونک جا کر ناظم ڈپٹی کمشنر ہو گئے۔ صحتِ جسمانی کا یہ حال تھا کہ ساٹھ سال کی عمر میں پہلی زوجہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی کی۔ اس دوسری شادی سے آٹھ بچے ہوئے۔ انتقال رہتک میں ہوا۔

حسین الدین کے والد حافظ شمس الدین بڑے ہی خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ ہر وقت ذکر و اذکار میں مشغول رہتے۔ طویل عمر پائی۔ ۲۱ اگست ۱۸۷۱ء کو رہتک میں انتقال ہوا۔

حافظ شمس الدین کے والد عظیم الدین بن مولوی صدر الدین تھے۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۲۲۵ھ ۱۸۱۱ء کا ایک بیعنامہ احسن الدین (۱۹۳و) کے پاس ہے۔ اس پر ایک دستخط گواہ شد محمد عظیم الدینؒ ہیں۔

مولوی صدر الدین اپنے والد مولوی فخر الدین ابن عبدالکریم (ذکر شاہ بدر الدین باب ۳) کے ساتھ جھجر سے ترکِ دہلی کر کے رہتک جا بسے تھے۔ یہاں آپ نے کئی مکان اور زرعی زمین خریدی۔ گویانہ اور سونی پت میں بھی آپ کی زرعی زمین تھی۔ رہتک میں آپ نے زیادہ زمین اولاد شیخ امجد (۱۸۴ب) سے خریدی۔

اکبر شاہ ثانی بادشاہ (۱۸۰۶-۱۸۳۷ء) کے عہد کے دو کاغذات احسن الدین (۱۹۳و) کے پاس ہیں جن کی رو سے شیخ صدر الدین نے اولاد شیخ امجد سے اراضی خریدی۔ مولوی صدر الدین کے انتقال کے بعد کی ایک تحریر محررہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۸ء احسن الدین (۱۹۳ب) کے پاس ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صدر الدین کے ترکہ میں سے ان کی دونوں بیٹیوں کو بھی حصہ ملا اور یہ حصہ اتنا زیادہ تھا کہ ایک بیٹی نے اپنے حصے کا ایک حصہ ایک ہزار روپے میں فروخت کیا اور اس زمانہ میں زمین کوڑیوں کے مول بکتی تھی۔ یعنی ڈیڑھ روپے بیگھہ۔

مولوی صدر الدین کے والد مولوی فخر الدین اور ان کے اجداد کا تذکرہ باب ۳ میں شاہ بدر الدینؒ کے ذکر میں ملاحظہ ہوں۔

۱۰۹- خلیق الدین (۱۸۹۷-۱۹۵۳ء)

لاہور میں انتقال ہوا۔ حلم و حیا آپ کا خاص وصف تھا۔ نہایت ہی خلیق و شفیق تھے۔ پیادہ [illegible] تھے۔

ا- آپ کے تین فرزند ہیں: بڑے لڑکے انیس الدین المولود ۱۹۳۲ء پہلے پولیس میں سپاہی تھے۔ اب پھلوں کی دکان کرتے ہیں۔ پتہ: دکان کریانہ صرافہ بازار۔ لودھراں۔ ضلع ملتان۔ تیسرے فرزند تسلیم الدین ۱۹۴۳ء میں سونی پت میں پیدا ہوئے۔ ماہر مکینیکل فٹر ہیں۔ ریزرو فوج میں ہیں۔

۱۱۰- لئیق الدین (المولود ۱۹۰۰ء)

مکان: باب المجیدی۔ مدینہ منورہ۔ سعودی عرب

دکان: باب البصری " " "

الحاج لئیق الدین رہتکی ثم مدنی جالندھر میں تولد ہوئے۔ سرکاری مدارس میں ڈرائنگ ماسٹر رہے۔

۱۹۳۰ء میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے۔ مدینہ میں اپنا مکان بنوا لیا ہے۔ وہاں نگینوں کی تجارت کرتے ہیں۔ نہایت نیک نفس، پاک باطن اور ہمدرد بزرگ ہیں۔ سلف صالحین کا نمونہ ہیں۔

ا۔ آپ کے فرزند حافظ عبدالرحمٰن ۱۹۲۹ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ بچپن حرمین الشریفین میں گزرا۔ مدرسہ فخریہ عثمانیہ مکہ معظمہ میں تعلیم پائی اور کلام مجید حفظ کیا۔ وہاں سے ۱۹۴۶ء میں رہتک آ گئے منشی فاضل اور میٹرک قیام پاکستان کے بعد راولپنڈی میں رہ کر کیا۔ بڑے ہی ملنسار اور مستعد نوجوان ہیں جی۔ ایچ۔ کیو راولپنڈی میں کلرک تھے۔ اب ان کا تقرر جدہ میں پاکستانی سفارت خانہ میں ہو گیا ہے۔ اختر تخلص ہے۔ نمونہ:

شوق اس قدر بڑھا کہ نظر ہو گئی جواں ۔۔۔ افسانہ شباب ہے ہر سو رواں دواں

گرمی جوشِ رقابت کے طفیل ۔۔۔ جلوہ حسن صنم آنکھوں میں ہے

۱۱۱۔ ارشاد الدین (۱۸۷۵ء - ۱۹۶۲ء)

لدھیانہ سے مڈل پاس کیا۔ چار سال تحصیلدار رہے۔ ۱۹۳۰ء میں ڈپٹی کمشنر حصار کے دفتر سے ہیڈ ورنیکلر کلرک کی اسامی سے ریٹائر ہوئے۔ مسکن قلعہ رہتک تھا۔ آخری وقت تک صحت قابلِ رشک تھی۔ لاہور میں انتقال ہوا۔

ا۔ آپ کے فرزند عبدالواحد (م ۱۹۰۰ء - ۱۹۶۰ء) کا ملتان میں انتقال ہوا۔ موٹر سپیئر پارٹس کی تجارت کرتے تھے۔ عبدالواحد کے بڑے لڑکے ضیاء الاسلام (۱۹۲۸ء - ۱۹۶۳ء) رہتک میں پیدا ہوئے اور لاہور میں انتقال ہوا۔ دوسرے فرزند قمر الاسلام المولد ۱۹۳۰ء لاہور میں کتابوں کی تجارت کرتے ہیں۔ تیسرے فرزند بدر الاسلام المولد ۱۹۳۵ء ہیں۔

ب۔ ارشاد الدین کے والد الحاج رشید الدین (۱۸۴۶ء - ۱۹۲۶ء) نواب ٹونک کے ذاتی کتب خانہ میں تین روپے ماہانہ پر ملازم ہوئے اور ترقی کرتے کرتے ناظم (ڈپٹی کمشنر) ہو گئے۔ ٹونک سے آ کر محکمہ نہر میں ملازم ہو گئے اور ہیڈ منشی کی اسامی سے ریٹائر ہوئے۔ رہتک مسکن تھا۔ الحاج رشید الدین کے والد حسین الدین کا ذکر نمبر ۱۰۸-اب پر ہو چکا ہے۔

۱۱۲۔ حمید الدین (۱۸۷۸ء - ۱۹۵۶ء)

۱۹۱۵ء میں بحیثیت سرویئر عراق گئے اور وہیں سب ڈویژنل آفیسر کی اسامی سے ریٹائر ہوئے۔

بی و مال ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۰ء تک پلہ ہیڈ ورکس میں اوورسیر رہے۔ سننے میں عراق عرب میں انتقال ہوا۔

ا۔ آپ کے خلف اکبر عبدالعزیز ۱۹۱۶ء میں پیدا ہوئے۔ قد آور، گورے چٹے اور خوش شکل ہیں۔ کراچی میں موٹر ڈرائیور ہیں۔ عبدالعزیز کی والدہ مجسمۂ صبر و استقامت ہیں۔ بڑی ہی سلجھی ہوئی نیک سرشت و عبادت گزار ہیں۔ اپنے عہد کے ولی ہیں۔ حمید الدین نے دوسری شادی ایک عرب خاتون سے کی تھی۔ ان کے بطن سے چھ فرزند اور تین لڑکیاں عراق میں ہیں۔ صرف تین فرزندوں کے نام معلوم ہو سکے: عبدالجلیل، عبدالجبار اور مصطفےٰ کمال۔

۱۱۳۔ عبدالقدوس (المولد ۱۸۸۸ء)

بنگلہ نمبر ۵۲۔ ساج گڑھ روڈ نزد چوبرجی۔ لاہور

ریٹائرڈ اوورسیر ہیں۔ بھٹنڈا میں تولد ہوئے۔

ا۔ آپ کے فرزند اکبر عبدالسلام تاج (۱۹۱۸ء - ۱۹۵۲ء) بی۔ ایس۔ سی زراعت تھے۔ جوانی میں بیدا ہوئے اور لاہور میں انتقال ہوا۔ دوسرے فرزند شمس الاسلام ظفر بی۔ ایس۔ سی ۱۹۳۲ء میں ہانسی میں پیدا ہوئے۔ ریلوے میں پلیٹیئر ہیں۔ تیسرے فرزند بدر الاسلام سعید ۱۹۳۴ء میں فتح آباد میں پیدا ہوئے۔ ڈھاکہ کے کسی مل میں ویونگ ماسٹر ہیں۔ چوتھے فرزند قمر الاسلام بی۔ ایس۔ سی ۱۹۳۹ء میں سرسہ میں پیدا ہوئے اسسٹنٹ انجینئر ہیں۔

۱۱۴۔ محب الدین (۱۸۷۳ء - ۱۹۵۱ء)

رہتک میں پیدا ہوئے اور بھوپال میں انتقال ہوا۔ بچپن ٹونک میں گزرا۔ وہیں مکتبی تعلیم پائی اور قرآن حفظ کیا اور ملازم ہو گئے۔ وہاں سے بھوپال جا کر محکمہ مالیات میں سپرنٹنڈنٹ ہو گئے اور بھوپال کو اپنا وطن بنا لیا۔ حافظ محب الدین کا قد میانہ تھا۔ باوقار چہرہ تھا اور آواز گرجدار تھی۔ بلندیٔ کردار کی وجہ سے بھوپال کے خواص اور عوام آپ کا بڑا ہی احترام کرتے۔ مخیر اور متواضع تھے۔ سوالی کو کبھی نہ ٹالتے۔ کسی غیر عورت کا گھر میں آنا ممکن نہ تھا۔ ہوش سنبھال کر شاید ہی کوئی وقت ایسا ہو کہ مسجد میں باجماعت نماز نہ پڑھی ہو۔

ا۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ فرزند اکبر شمس الدین ۱۹۰۰ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے۔ بھوپال میں رہتے تھے۔ اولادِ نرینہ کوئی نہیں۔ دوسرے فرزند دبیر الدین ۱۹۲۵ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ پاکستانی فوج میں ملازم تھے اب بہاولپور میں رہتے ہیں۔

ب۔ حافظ محب الدین کے والد حسین الدین کا ذکر نمبر ۱۰۸-اب پر ملاحظہ ہو۔

---

27 اولاد معزالدین بن حافظ شمس الدین

معین الدین — حبیب الدین

مبین الدین — طبیب الدین (۱۱۷)

یامین الدین (۱۱۵) — بشیر الدین (۱۱۶)

۱۱۵- یامین الدین (۱۹۰۰-۱۹۵۷ء)
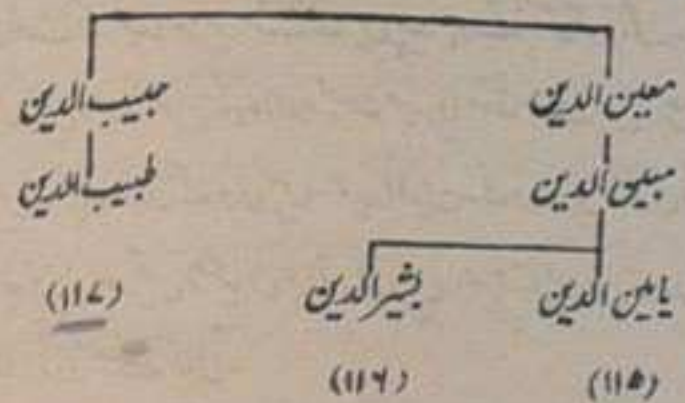
دہلی پولیس میں سپاہی تھے۔ ملتان میں انتقال ہوا۔

ا- آپ کے دو فرزند ہیں: یٰسین الدین المولد ۱۹۲۰ء دہلی اور تحسین الدین المولد ۱۹۲۹ء۔

ب- یامین الدین کے والد مبین الدین (۱۸۷۳-۱۹۲۲ء) میونسپل کمیٹی رہتک میں ملازم تھے۔ تمام عمر رہتک میں رہتے تھے۔ ان کے والد معین الدین (۱۸۴۱-۱۸۷۱ء) کی زیادہ زندگی ٹونک میں گزری۔ معین الدین کے والد معزالدین اور ان کے اجداد کا تذکرہ نمبر ۱۰۰ پر آچکا ہے۔

۱۱۶- بشیر الدین (المولد ۱۹۱۲ء)

کوارٹر نمبر ۳/۲ سٹلائٹ ٹاؤن سکیم نمبر ۲- ملتان

پہلے موٹر ڈرائیور تھے۔ اب ملتان میں تجارت کرتے ہیں۔

۱۱۷- طبیب الدین (المولد ۱۸۹۷ء)

۲۰ ٹیگور سٹریٹ - گوالمنڈی لاہور۔

ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف کے دفتر میں آڈیٹر تھے۔ نہایت خاموش طبع اور متین ہیں۔ مطالعہ کا شوق ہے۔ قرآن اتنا پڑھا کہ قریب قریب حافظ ہو گئے۔ اردو انگریزی کا خط بڑا اچھا ہے۔ فن ضرب الاسلام (پٹے بازی) میں مہارت رکھتے ہیں۔ دہلی کا شاید ہی کوئی ایسا محلہ تھا جس کا خلیفہ طبیب الدین کا شاگرد نہ تھا۔ بینائی اب تک اچھی ہے۔

ا- آپ کے آٹھ فرزند اور چار لڑکیاں ہیں خلف اکبر حبیب الدین ۷ ستمبر ۱۹۱۷ء کو دہلی میں تولد ہوئے۔ مولوی صمد الدین بن مولوی فخر الدین کی کثیر اولاد میں آپ پہلے گریجویٹ ہیں۔ قدِ میانہ اور دوہرا جسم۔ اپنی خوات میں ایک انجمن ہیں۔ بزمانہ طالب علمی اینگلو عربک کالج دہلی کی ادبی، ثقافتی اور سیاسی زندگی کی جان تھے۔ ریڈیائی ڈراموں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ کسی جلسہ میں نعت خوانی کرتے تو کسی میں تلاوت

باقرینہ۔ دوستوں میں سے کسی کی شادی ہوتی تو آپ سے سہرے کی فرمائش ہوتی۔ مشاعرہ ہوتا توصفِ شعرا میں آپ کو جگہ ملتی اور آپ غزل بھی سنتے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے زندگی بھر خود ایک شعر بھی نہیں کہا۔ گانے کی محفل میں خود بھی تان سین کرتے مگر اس بظاہر بے تکے طالب علم کا یہ کارنامہ ہے کہ انہوں نے اینگلو عربک کالج دہلی کو کانگرس نواز مسلمانوں کے چنگل سے نکال کر مسلم لیگ کی جھولی میں ڈال دیا۔ اس کے نتائج بڑے دوررس ہوئے۔ قائدِ اعظم کو دہلی میں ایک مستقل سٹیج مل گیا۔ اینگلو عربک کالج دہلی کی سالانہ ضیافت بڑی شاندار ہوتی تھی۔ ابھی لاہور میں قرارداد پاکستان مسلمانوں کا سیاسی نصب العین نہیں بنی تھی۔ مارچ ۱۹۳۹ء میں حضرت قائد اعظم ایک ایسی ہی سالانہ ڈنر پر مہمان خصوصی تھے۔ ڈنر کے بعد اس محفل نے چھوٹے سے جلسے کی شکل اختیار کر لی۔ سب سے پہلے جناب حبیب الدین متعلم بی اے نے ہریانہ کی دہقانی زبان میں قائدِ اعظم کی شان میں ایک نظم پڑھی جس کا صحیح لطف اضلاع رہتک حصار کے رہنے والے ہی اٹھا سکتے تھے۔ اس نظم پر حبیب صاحب کو جی بھر کے داد ملی۔ میں نے دیکھا کہ قائدِ اعظم بھی مسکرا رہے تھے۔ بعد میں اس نظم کو کالج میگزین میں بھی شائع کیا گیا۔ نظم ملاحظہ ہو:[1]

یہ کیسی پالٹی[2] ہے کیاں کی کھاتر لوگ جٹے سیں
یہ کیوں مانس پہ مانس کرسیاں پہ آکے ڈٹ رہے سیں

ابھی اس سوچ میں تھا میں کہ اک مانس پکار اٹھا
ارے او بھائی سیبو[3] تنّے اتنا بھی نہیں بیرا

یہاں آیا ہے وہ مانس کہ جس کا نام سن سن کے
یہ ہندوستان تو کے ہے بلایت تک کے دل دھڑکے

اٹھے دنیا محمد لی جنا کہ کے پکارے سے
ابھی تو دیکھیو دکھلائے گا دنیا کو یہ لٹکے

اس اپنے دیس میں چلے ذرا کچھ بھائی سلتو کی
بکر لیگ انہوں نے جڑ جما دی بھتو کلو کی

---

[1] بشکریہ رسالہ قندیل لاہور ۲۰ فروری ۱۹۵۵ء

[2] پالٹی = پارٹی، کیاں کی کھاتر لوگ جٹے سیں۔ کس کی خاطر لوگ جمع ہیں۔ [3] سیبو = حبیب الدین کا اس نام سے بھی نہیں پکارے گئے، تنّے = تجھے، بیرا = علم۔ [4] بلایت = ولایت [5] محمد لی جنا = محمد علی جناح [6] ... نام سے پکارا۔ [7] سلتو، بھتو، کلو = عوام۔

یہ ساچی جان رے مانس نہیں نیشم پیمبر ستہ[1] ہے
مسلمانوں کی خاطر وہاں سے پرمیشر نے بھیجا ہے
سنیں جب من[2] نے یہ باتیں تسلی ہو گئی داہریں
حبیب ہو جا گا بیڑا پار اب پردیں ہو یا پچھویں

اگلے روز دہلی کے تمام مسلم پریس نے اس پروگرام کو سراہا۔ ازاں بعد جب اس کالج کے طالب علم ایک اور موقع پر قائدِ اعظم سے ملنے گئے تو انہوں نے فرمایا: "مجھے آپ کے کالج کا وہ ہنس مکھ نوجوان اچھی طرح یاد ہے۔"[3] آج کل آپ منسٹری آف کامرس اینڈ انڈسٹریز کے آڈٹ آفس میں سپرنٹنڈنٹ ہیں اور لمحاتِ فرصت میں لطیفہ گوئی کرتے ہیں۔ پتہ: ۱۵۹۔ای جہانگیر روڈ ویسٹ کراچی نمبر 5

2/2/3 طبیب الدین کے دوسرے فرزند فیق الدین بی اے۔ مطالعہ وسیع ہے۔ متین و ذہین اور محنتی نوجوان ہیں۔ منسٹری آف ورکس کراچی میں سیکشن آفیسر ہیں۔ پتہ: ای ۱۹۸ جہانگیر روڈ ویسٹ کراچی نمبر 5

تیسرے فرزند ڈاکٹر وحید الدین شمیم ایم بی بی ایس ہیں۔ خاندان کے مردوں میں پہلے ایم بی بی ایس ہیں۔ ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۵ء رہتک میں پیدا ہوئے۔ طبیب الدین کے باقی پانچ فرزند ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

ب۔ طبیب الدین کے والد حبیب الدین (۱۸۶۰-۱۹۰۸ء) سادہ لوح بزرگ تھے۔ انتقال رہتک میں ہوا اور ان کے والد معز الدین کا ۴ جولائی ۱۸۸۹ء کو انتقال ہوا۔ معز الدین کے والد شمس الدین اور ان کے اجداد کا تذکرہ نمبر ۱۰۸ اب پر ملاحظہ ہو۔

---

[1] پیمبر ستہ = فرشتہ، پرمیشر = خدا۔

[2] من = دل، داہریں = تسلی، پردیں ہو یا پچھویں۔ ہوا خواہ پورب سے چلے یا پچھم سے۔

[3] I fully remember that jolly young fellow of your college

۱۸۔ اولاد فیاض علی بن حافظ شمس الدین

- فیاض علی
  - سرفراز علی
    - محمد مسلم (۱۱۸)
  - مقصود علی
    - اسلم علی (۱۱۹)
    - طاہر علی
      - ابراہیم علی (۱۲۰)
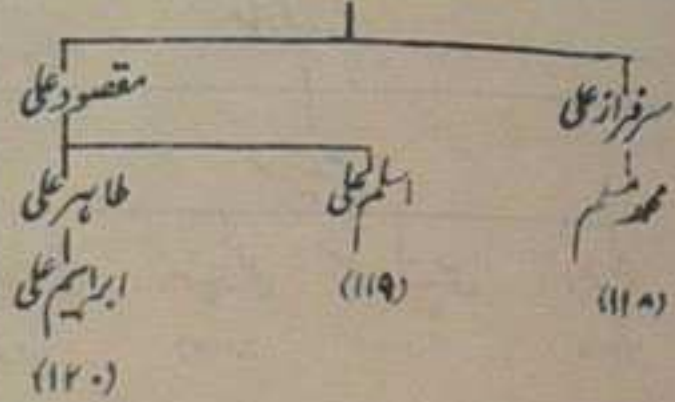
۱۱۸۔ محمد مسلم (المولد ۱۹۰۴ء)

معرفت حاجی قیام الدین سائیکل ڈیلر۔ کچہری روڈ۔ کراچی

دہلی میں پوسٹ مین تھے۔ قد لمبا ہے۔

ب۔ آپ کے والد سرفراز علی (۱۸۶۸-۱۹۲۷ء) کا ہم میں انتقال ہوا۔ سرفراز علی کے والد حافظ فیاض علی کا ۱۱ رجب ۱۲۹۶ھ یکم جولائی ۱۸۷۹ء کو انتقال ہوا۔ ان کے والد حافظ شمس الدین کا ذکر نمبر ۱۰۸ اب پر آچکا ہے۔

۱۱۹۔ اسلم علی (المولد ۱۹۰۳ء)

گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ لاہور میں رہتے ہیں۔ شادی نہیں کی۔

۱۲۰۔ ابراہیم علی (المولد ۱۹۴۴ء اندازاً)

شاید کراچی میں ہیں۔ ان کے والد طاہر علی کا ۱۹۲۶ء میں دہلی میں انتقال ہوا۔ طاہر علی کے والد قاری مقصود علی نے ۱۸۹۶ء میں میٹرک پاس کیا۔ دبلے پتلے خوش طبع انسان تھے۔ گورداسپور میں نقول ایجنٹ تھے۔ وہیں ۱۹۲۲ء میں انتقال ہوا۔ گورداسپور میں ہر دلعزیز تھے۔ قاری مقصود علی کے والد حافظ فیاض علی کا ۱۸۷۹ء میں انتقال ہوا۔ اور ان کے والد حافظ شمس الدین کا ذکر ۱۰۸ اب پر کیا جا چکا ہے۔

۲۹ — اولاد رستم علی بن عظیم الدین رہتکی

- مبارک علی
  - محمود علی
    - شفاعت علی (۱۲۱)
    - افضل علی (۱۲۲)
    - مستجاب علی (۱۲۳)
    - ایوب علی (۱۲۴)
  - خورشید علی
    - حشمت علی (۱۲۵)
    - جمشید علی (۱۲۶)
    - کفایت علی (۱۲۷)
    - کاظم علی (۱۲۸)
  - ارشاد علی
    - سجاد علی (۱۲۹)

۱۲- شفاعت علی (المولد ۱۸۸۷ء)

مکان نمبر ۴/۶۱ وارڈ نمبر ۶۔ کبوتر منڈی۔ ملتان شہر

رہتک میں پیدا ہوئے۔ فوج میں سواروں میں تھے۔ پھر پولیس میں چھبیس سال ایک ہی ضلع میں
ہے۔ ریٹائر ہونے کے وقت سارجنٹ تھے مگر عارضی سب انسپکٹر بھی رہ چکے ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں پنشن ہوگئی
یر و شکار کا ہمیشہ شوق رہا۔ چھیتر سال کی عمر میں صحت ماشاء اللہ قابل رشک ہے۔ خط بڑا پاکیزہ ہے

ا۔ آپ کے پانچ فرزند ہیں۔ سب رہتک میں پیدا ہوئے۔ بڑے لڑکے شجاعت علی پولیس میں
تھے۔ دوسرے فرزند شاکر علی کسی موٹر کمپنی میں چیکر ہیں۔ تیسرے فرزند مشتاق علی یونائیٹڈ ٹرانسپورٹ
کمپنی احمد پور شرقیہ میں سپروائزر یا ڈرائیور ہیں۔ چوتھے فرزند محمد فضل حسین ہیں اور سب سے چھوٹے
محمد تسلیم حسین ملتان تار گھر میں ٹیلیگرافسٹ ہیں۔

ب۔ شفاعت علی کے والد محمود علی (۱۸۵۶-۱۹۲۹ء) فوج میں دفعدار تھے۔ پنشن لینے کے بعد
ینتالیس سال تک مختلف محکموں میں ملازمت کی۔ آخری وقت تک صحت اچھی رہی۔ بغیر عینک کے مطالعہ
کرلیا کرتے تھے۔ بڑے ہی ملنسار اور باضابطہ بزرگ تھے۔

دفعدار محمود علی کے والد مبارک علی میونسپل کمیٹی رہتک کے سرکاری رکن تھے۔ کافی مزروعہ زمین
آپ کی ملکیت تھی۔ شہر والے اپنے باہمی جھگڑوں کا آپ سے فیصلہ کراتے۔ انتقال ۹ محرم ۱۸۱۳ء
و ۱۹۰۰ء کو ہوا۔ مبارک علی کے والد رستم علی بن عظیم الدین تھے۔ عظیم الدین اور ان کے بزرگوں کا
حال نمبر ۱۰ اب پر ملاحظہ ہو۔

۱۲۲- افضل علی

۱۸۹۶ء میں تولد ہوئے۔ ریٹائرڈ سب انسپکٹر پولیس تھے۔ کراچی میں انتقال ہوا۔

ا۔ آپ کے فرزند اشرف علی بی۔ اے سنٹرل پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کراچی میں اسسٹنٹ انچارج ہیں۔
اشرف علی کی والدہ مسرت جہاں صدیقی بنت مولوی رشید الدین (۲، ب) بڑی ہی بیدار مغز خاتون ہیں۔
انجمن ترقی اردو خواتین پاکستان ۱۹۵۲ء میں قائم ہوئی۔ آپ شروع سے اس کی پراپیگنڈہ سیکرٹری ہیں
ہمارے پیش نظر اس انجمن کی ۱۹۵۳ء کی رپورٹ ہے۔ صرف اس ایک رپورٹ کے مطالعہ کے بعد کہا
جاسکتا ہے کہ ملی کاموں میں آپ سے زیادہ کسی خاتون نے حصہ نہیں لیا۔ شعر گوئی کا ملکہ بھی ہے۔

۱۲۳- مستجاب علی (۱۸۹۰-۱۹۴۹ء)

ملتان میں کپڑے کا تھوک کاروبار کرتے تھے وہیں انتقال ہوا۔

ا۔ آپ کے چھ فرزند ہیں۔ سب دہلی میں پیدا ہوئے۔ خلف اکبر ظفر علی المولد ۱۹۲۳ء نشتر ٹیکسٹائل
لائل پور میں ویونگ ماسٹر ہیں۔ دوسرے فرزند شہزاد علی کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان میں ملازم ہیں۔ ایف
ایس سی پاس ہیں۔ تیسرے فرزند مظہر علی ہیں۔ چوتھے لڑکے شوکت علی ہیں اور پانچویں اظہر علی نشتر
میڈیکل کالج کی ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کلاس کے سال چہارم میں ہیں۔ چھٹے فرزند مسعود جاوید زیر تعلیم ہیں۔ ان
جانبازوں سے ایک ایم۔ اے ریاضی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۱۲۴- ایوب علی (المولد ۱۹۰۰ء)

مکان نمبر ۵۴ وارڈ نمبر ۴ ہانو کا چھجہ۔ بنگلہ سیتارام ملتان۔

دبلے پتلے، ناک نقشہ اچھا ہے، ڈسٹرکٹ مظفر گڑھ ٹرانسپورٹ کمپنی کے حصہ دار ہیں۔

ا۔ آپ کے چھ فرزند ہیں۔ بڑے فرزند سید علی المولد ۱۹۳۶ء محکمہ ڈاک و تار میں کلرک ہیں۔ دوسرے
فرزند نذیر علی المولد ۱۹۳۶ء الیکٹریشن ہیں۔ باقی فرزندان نوازش علی المولد ۱۹۴۰ء، حامد علی المولد ۱۹۴۶ء
ماہر علی المولد ۱۹۵۰ء اور طارق علی المولد ۱۹۵۲ء ہیں۔

۱۲۵- حشمت علی (المولد ۱۹۰۱ء)

معرفت ڈسٹرکٹ بس سروس مظفر گڑھ

دبلے پتلے، گورا رنگ، آنکھیں نیلاہٹ لئے ہوئے۔ دو موٹر کمپنیوں میں حصہ دار ہیں۔ رہتک
میں اپنی لاری چلواتے تھے۔ اعلیٰ درجہ کے مکینیکل انجینئر ہیں۔ اگر آپ کو مواقع ملتے تو قابل قدر موجد ہوتے
بھرتی پرزے خود ہی معمولی سے خرچ سے تیار کر لیتے ہیں۔ پرانی مشینری لے کر ایک گھنٹہ بنایا جس
میں ہر پانچ منٹ کے بعد ایک سیکنڈ کے لئے بلب سے روشنی ہوتی ہے۔ ہینڈ بیگ کی قسم کا ایک
سوئی پر چولہا بنایا جس میں لکڑیاں بھی جل سکتی ہیں اور کوئلے بھی۔ ایک ٹیبل لیمپ بنایا جس میں ایک ہی

بلب مختلف واٹ کا کام دیتا ہے۔ شریف الطبع اور تنہائی پسند ہیں۔ اکل حلال کے ہمیشہ پابند رہے ہیں۔

ا۔ آپ کے تین فرزند ہیں: خلفِ اکبر عشرت علی ۱۱ر جنوری ۱۹۲۰ء کو رہتک میں پیدا ہوئے۔ بورڈ میٹرک، منشی فاضل اور بی۔ اے ہیں۔ آج کل مظفر گڑھ میں سپرنٹنڈنٹ پوسٹ آفیسز ہیں۔ اکل حلال کے پابند ہیں۔ اوقات فرصت میں مطالعہ کتب اور فوٹو گرافی کرتے ہیں۔ قد آور جسم دوہرا، رنگ گورا، خوش مذاق، ملنسار اور شریف الطبع ہیں۔ عشرت علی کے چھوٹے بھائی نصرت علی ۱۹۲۳ء میں رہتک میں تولد ہوئے۔ نکلا ہوا قد اور دوہرا بدن ہے۔ با اصول نوجوان ہیں۔ آج کل میاں چنوں میں انسپکٹر پوسٹ آفیسز ہیں۔ نصرت علی کے چھوٹے بھائی اقبال جاوید ۱۹۳۶ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ ایف۔ ایس۔ سی میڈیکل کلاس میں ہیں۔

ب۔ حشمت علی کے والد خورشید علی (۱۸۶۵۔۱۹۲۳ء) کا رہتک میں انتقال ہوا۔ گورے چٹے، قد میانہ، اکہرے جسم کے بزرگ تھے۔ چندے فوج میں اور پھر سول میں سب جج کے ریڈر رہے۔ منکسر المزاج تھے۔ خورشید علی کے والد مبارک علی اور ان کے اجداد کا ذکر نمبر ۱۲۱ اب پر لکھا جا چکا ہے۔

۱۲۶۔ جمشید علی (المولد ۱۹۰۹ء)

۲۹۱ نواں شہر۔ ملتان

دبلے پتلے قد میانہ، رنگ گورا۔ رہتک سے میٹرک کیا۔ فٹ بال اور والی بال کے اچھے کھلاڑی تھے۔ جوانی میں بمبئی اور کلکتہ کی سیر کی۔ بڑے ہی مرنجاں مرنج، با اصول اور منکسر المزاج ہیں۔ ہرپا ڈرانسپورٹ کمپنی لیمٹڈ ملتان کے اکاؤنٹنٹ اور ڈائرکٹر ہیں۔ اور اپنا کام جانفشانی سے کرتے ہیں۔ مطالعہ کا شوق ہے۔ نیک سرشت اور شریف الطبع ہیں۔

(ا) آپ کے چار فرزند ہیں: بڑے فرزند محمد شاہد مسعود المولد ۱۹۴۳ء ایک بڑے ہی ہونہار طالب علم ہیں۔ لگاتار وظیفہ قابلیت لیتے رہے ہیں۔ نشتر میڈیکل کالج ملتان کی ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کلاس کی تھرڈ ایر یا فورتھ ایر میں ہیں۔ باقی فرزند محمد طاہر المولد ۱۹۵۰ء، محمد علی طارق المولد ۱۹۵۲ء اور محمد منصور المولد ۱۹۵۴ء زیر تعلیم ہیں۔ جمشید علی کی بڑی دختر خورشیدہ صدیقہ زوجہ ارشاد الرحمٰن عرش صدیقی (نمبر ۱۵ الف) بی اے۔ بی۔ ٹی ہیں۔ تمام زمانہ طالب العلمی میں وظیفہ قابلیت لیتی رہیں۔

۱۲۷۔ کفایت علی (المولد ۱۹۱۴ء)

کوارٹر نمبر ۱ بلاک نمبر ۱۸۶۔ پاپوش نگر، ناظم آباد، کراچی۔

میو سکول آف آرٹس لاہور (موجودہ نیشنل کالج آف آرٹس) کے سند یافتہ ہیں۔ محکمہ تعمیرات عامہ کراچی میں ڈرافٹسمین ہیں۔ قد لانبا اور جسم دبلا پتلا ہے۔

ا۔ آپ کے چھ فرزند ہیں جن میں سے شکیل مصطفیٰ اور تنویر مصطفیٰ میٹرک ہیں۔

۱۲۸۔ کاظم علی (۱۹۱۷۔۱۹۵۷ء)

ملتان میں انتقال ہوا۔ اولادِ نرینہ نہ تھی۔

۱۲۹۔ سجاد علی (۱۸۹۹۔۱۹۵۲ء)

ملتان میں انتقال ہوا۔ موٹر مکینک تھے۔

ا۔ آپ کے پانچ فرزند ہیں: راشد علی الیکٹریشن ہیں۔ آصف علی یونائیٹڈ بس سروس احمد پور شرقیہ بہاولپور میں اسسٹنٹ منیجر ہیں۔ ممتاز علی بھی الیکٹریشن ہیں۔ سب لڑکوں کا مسکن ملتان ہے۔

ب۔ سجاد علی کے والد ارشاد علی کا ۱۹۰۸ء میں رہتک میں انتقال ہوا۔ اور ان کے والد مبارک علی کا ۱۲۱ اب پر ذکر ہو چکا ہے۔

شمشاد احمد بن سجاد احمد بن محمد اعظم

30 —— اولاد بہادر علی بن عظیم الدین

قاسم علی

حیات علی

(۱۳۰)

۱۳۰- حیات علی (م ۱۸۸۴ - ۱۹۵۵ء)

سروے آف انڈیا میں سرویئر تھے۔ ملتان میں انتقال ہوا۔

الف آپ کے اکلوتے فرزند امید علی ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ ہریانہ ٹرانسپورٹ کمپنی ملتان کے حصہ دار اور انچارج سٹورز ہیں۔ آپ کے پاس ایک سو سے زائد قدیم تحریریں ہیں۔ جن میں شاہی فرامین اور خاندان سے متعلق بعض اہم کاغذات ہیں۔ اگر ہم یہ خزانہ دیکھ پاتے تو اولاد مولوی صلاح کے حالات زیادہ شرح و بسط سے لکھ سکتے۔

امید علی کی اولاد میں صرف تین لڑکیاں ہیں۔

ب۔ حیات علی کے والد قاسم علی (م ۱۸۴۲ - ۱۸۹۲ء) کا رہتک میں انتقال ہوا۔ ان کے والد بہادر علی بن عظیم الدین (۱۰۸ ب) تھے۔

شمشاد احمد بن سجاد احمد بن محمد احمد

باب ۳

سلسلہ کبیریہ سے جو حضرات پاکستان آئے

زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین جھنجھیری ثم رہتکی کے خلفِ اصغر مولانا کبیر الدینؒ کی اولاد میں سے صرف ان حضرات کا شجرہ اگلے صفحہ پر دیا گیا ہے جن کی نسل جاری ہے۔ اس طرح کل آٹھ شاخیں بنتی ہیں جن کے نمبر 31 سے 38 تک ہیں۔ اس سے اگلے صفحے پر ہر شاخ سے ان افراد کے نام ترتیب وار لکھ دیئے ہیں جو اپنے کنبہ کے سرپرست کی حیثیت سے پاکستان آئے۔ سرپرست سے مراد وہ مرد یا لڑکا ہے جس کا باپ یا دادا حیات نہ ہو۔ ان سرپرستوں کے سلسلہ نمبر ۱۳۱ سے ۱۸۲ تک ہیں۔ آگے چل کر سلسلہ وار ہر سرپرست کنبہ کے مختصر حالات درج ہیں۔ پھر اس نمبر کے الف جز میں اس سرپرست کی اولاد کا بیان ہے اور ب جز میں آبا و اجداد کا۔ اجداد کا بیان بڑے بالک کے نمبر پر ہوا ہے۔ بشرطیکہ وہ صاحب اولاد ہو یا اس کے اولاد ہونے کی توقع ہو۔ ورنہ دوسرے بالک کے بیان میں اجداد کا ذکر ہوا ہے۔ اس سلسلہ سے اس وقت تین سو ساٹھ (۳۶۰) افراد حیات ہیں۔

شمشاد احمد بن سجاد احمد بن محمد احمد

مولانا کبیر الدینؒ بن زبدۃ الاولیاء قاضی قوام الدین

مولانا ظہیر الدین

مولانا غیاث الدین

مولانا کمال الدین

محمد سلیمان
مبارک
سیف اللہ
عطاء اللہ
شاہ لطف اللہ
شاہ عبد الحکیم

شاہ مبارک
شاہ غلام کہف
محمد ابراہیم (31)

شاہ عبد العظیم
شاہ محمد اسمٰعیل

شاہ محمد رمضان
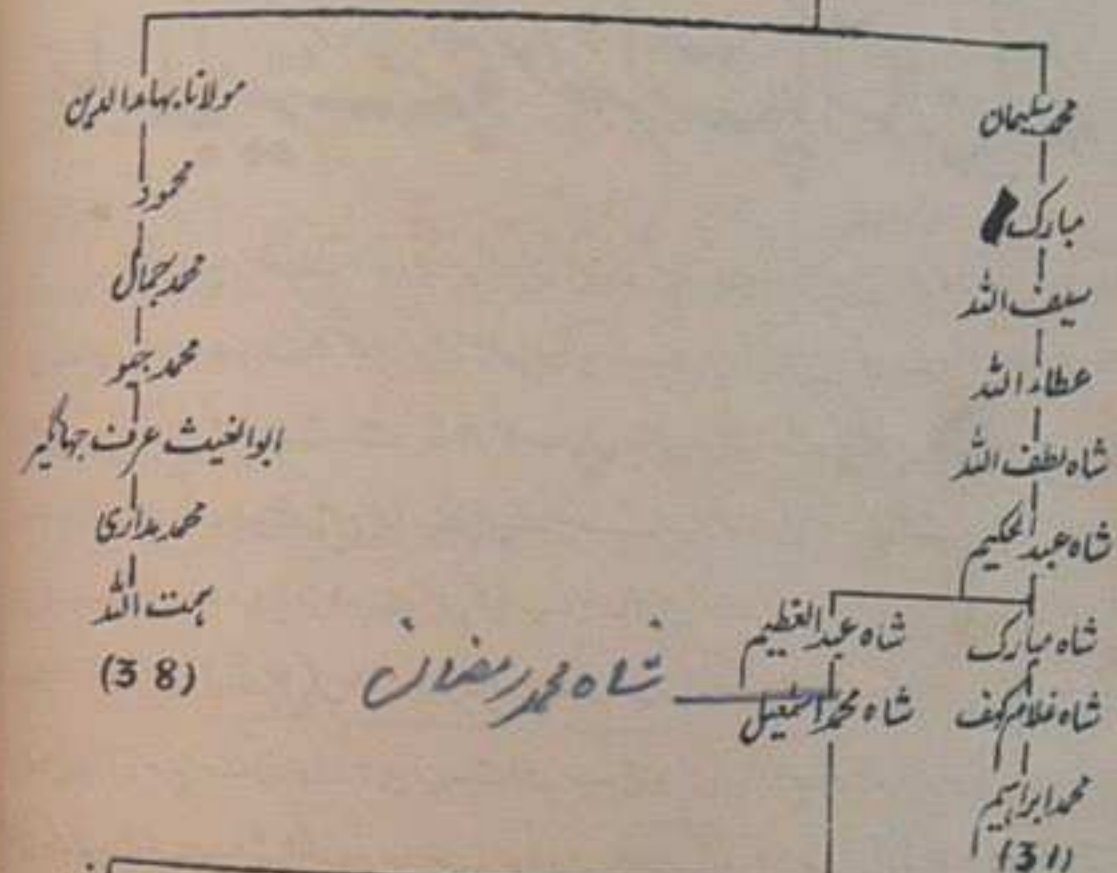
عبد الغنی (32)
عبد السمیع (33)
سیف الرحمٰن (34)
محمد یعقوب (35)
محمد شاہ غوث (36)
محمد یونس (37)

مولانا بہاء الدین
محمود
محمد جمال
محمد جیو
ابو الغیث عرف جہانگیر
محمد بداری
ہمت اللہ
(38)

337 / 159 سجاد احمد صد

(یہ مکمل شجرہ نہیں ہے)

شمشاد احمد
8-5-1945

مکان نمبر 690 بیڈن پورہ گلی ۔ حکیم اجمل روڈ ۔ قرول باغ دہلی

۱۹۴۷ء میں سلسلہ کبیریہ کے کنبوں کے سرپرست

(31) اولاد محمد ابراہیم

(۱۳۱) محمد غازی
(۱۳۲) عبد السلام
(۱۳۳) بو علی
(۱۳۴) محمد حسن

(32) اولاد عبد الغنی

(۱۳۵) غلام مصطفےٰ
(۱۳۶) غلام مرتضےٰ
(۱۳۷) نجم الدین
(۱۳۸) غلام کبریا
(۱۳۹) غلام اتقیا
(۱۴۰) عبد المغنی
(۱۴۱) محمد اشفاق
(۱۴۲) نصیر الدین
(۱۴۳) امیر الدین
(۱۴۴) عبد المعید
(۱۴۵) عبد الرشید
(۱۴۶) عبد الحفیظ
(۱۴۷) ابو سعید

(33) اولاد عبد السمیع

(۱۴۸) قوام الدین

(۱۴۹) احسان الدین

(34) اولاد سیف الرحمٰن

(۱۵۰) خلیل احمد
(۱۵۱) لئیق الدین
(۱۵۲) مصباح الدین
(۱۵۳) مفتاح الدین
(۱۵۴) حبیب احمد
(۱۵۵) عتیق احمد
(۱۵۶) عبد السلام
(۱۵۷) اکمل الدین
(۱۵۸) فضل حق

(35) اولاد محمد یعقوب

(۱۵۹) محمد طٰہٰ (سجاد احمد، شمشاد احمد)
(۱۶۰) مختار احمد
(۱۶۱) عبد الرزاق
(۱۶۲) عبد الرحیم
(۱۶۳) ضمیر الدین
(۱۶۴) اکرام الدین
(۱۶۵) الطاف حسین
(۱۶۶) اکرام الدین
(۱۶۷) امین الدین

(۱۶۸) سلام الرحمٰن
(۱۶۹) قدرت اللہ
(۱۷۰) فخر الدین

(36) اولاد محمد شاہ غوث

(۱۷۱) سردار احمد
(۱۷۲) آفاق احمد
(۱۷۳) عرفان احمد
(۱۷۴) احسان احمد
(۱۷۵) شفیق احمد
(۱۷۶) نذیر احمد
(۱۷۷) شبیر احمد
(۱۷۸) سعید احمد
(۱۷۹) صدیق احمد
(۱۸۰) امیر احمد

(37) اولاد محمد یونس

(۱۸۱) محمد یونس

(38) اولاد ہمت اللہ

(۱۸۲) سلطان احمد
(۱۸۳) بشیر احمد

۵ا — اولاد مولانا محمد ابراہیم بن شاہ غلام کہف
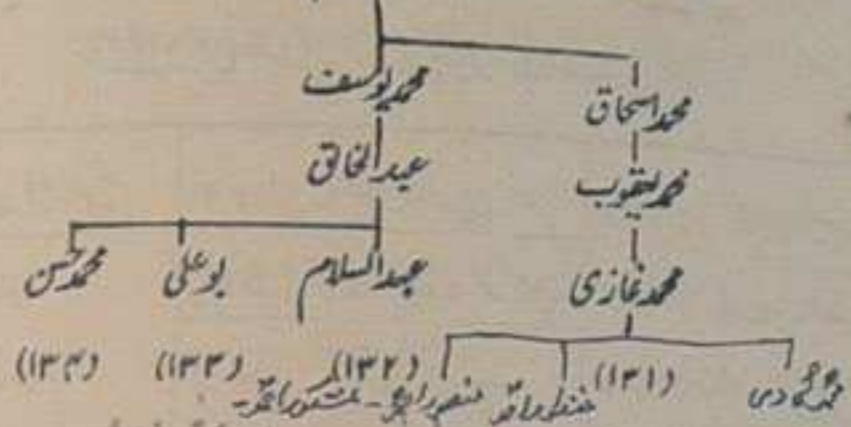
- محمد اسحاق
  - محمد یعقوب
    - محمد غازی
      - (۱۳۱) محمد ہادی، منظور احمد، منصور احمد، مشکور احمد
- محمد یوسف
  - عبد الخالق
    - (۱۳۲) عبد السلام
    - (۱۳۳) بو علی
    - (۱۳۴) محمد حسن

۱۳۱- **محمد غازی** (۱۸۷۸ء - ۱۹۶۰ء)

متناسب اعضاء طویل القامت، شگفتہ مزاج۔ ہسم میں خطیب جمعہ و عیدین تھے۔ یہ نوبت موروثی تھی۔ اپنے والد کے خلیفہ و جانشین تھے۔ گورداسپور اور موضع سوٹھ، لوہاری، گڑھی غلیمان ضلع حصار میں آپ کے مرید تھے۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد نے یہ سلسلہ جاری نہیں رکھا۔ سوٹھ تحصیل ہانسی ضلع حصار میں آپ کی اراضی تھی۔ وہاں بھی عارضی رہائش رکھتے۔ کاشت کاری سے زیادہ شغف تھا۔ انتقال راولپنڈی میں ہوا۔

ا۔ پیر جی محمد غازی اپنے ساتوں فرزندوں کے ساتھ ہجرت کر کے ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے۔ فرزند اکبر پیرزادہ محمد ہادی ہسم میں تولد ہوئے۔ اصغر ہادی سے مادہ تاریخ پیدائش نکلتا ہے ۱۳۱۱ھ ۱۸۹۳ء۔ اپنے آبا کی طرح قد لمبا اور صحت اچھی ہے۔ یادداشت اچھی ہے [illegible] ذہین اور شگفتہ مزاج ہیں۔ ۱۹۴۵ء میں پولیس سے ریٹائر ہوئے۔ اب اپنے بھائی پیرزادہ منظور احمد کی فرم میں کام کرتے ہیں۔ پتہ: ایم ۵۰۰ مترپورہ مری روڈ راولپنڈی۔ آپ کے فرزند شمشاد احمد المولد ۱۹۲۳ء منشی فاضل ہیں۔ دس سال فوج میں کلرک رہے۔ اب ٹھیکیداری کرتے ہیں۔ تاریخ وفات از امین الرحمٰن (۱۷) "راہی خلد محمد غازی" ۱۹۶۰

پیر محمد غازی کے فرزند ثانی پیرزادہ منظور احمد ہسم میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ خوش شکل، خوش پوش، قد آور، متناسب اور مضبوط اعضاء، ملنسار ہیں۔ اوورسیری کلاس پاس ہیں۔ یکم جنوری ۱۹۳۰ء میں جوگندر نگر ہائیڈرو الیکٹرک میں اسسٹنٹ فورمین متعین ہوئے۔ وہاں صرف تین سال رہے۔ ہسم میں ایک ڈیری فارم کھولی مگر نقصان اٹھایا اور پانی پت میونسپل کمیٹی میں اوورسیر ہو گئے۔ یہاں سے مستعفی ہو کر چھوٹی موٹی ٹھیکیداری کی جس میں نقصان اٹھایا اور کراچی میں برلا کے داماد کی فرم بی آر ہرمن اینڈ مہتہ میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۲ء تک انجینئر رہے۔ ملازمت چھوڑ کر کراچی جونا مارکیٹ میں مراد آباد انڈسٹریل ہوم نامی فرم کی جس میں زیادہ کامیابی نہ ہوئی اور آپ ایم۔ ای۔ ایس دہلی چھاؤنی میں اوورسیر ہو گئے۔ یہ ملازمت چھوڑ

کر اپنے روح اللہ دہلی میں زمین لے کر چونے کے بھٹے لگائے۔ سیدی پورہ قرول باغ دہلی میں اپنی دو منزلہ کوٹھی بنوائی۔ اب ان کی مالی حالت تسلی بخش ہو گئی تھی۔ لڑکی کی شادی کے لئے دل کھول کر جہیز بنایا — ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو شادی قرار پائی کہ دہلی میں مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو گیا اور ۱۵ اگست کو آپ کو اپنا چلتا کاروبار اور بھرا گھر چھوڑنا پڑا۔ راولپنڈی آکر سٹی صدر روڈ راولپنڈی پر پاکستان سینی ٹیشن اینڈ کنسٹرکشن کارپوریشن کے نام سے ایک فرم کھولی اور ساتھ ہی سینیٹری ٹھیکیداری کا کام شروع کر دیا۔ خدا نے اس کاروبار میں برکت دی۔ اب آپ کی ایک کوٹھی راولپنڈی سٹلائٹ ٹاؤن میں ہے۔ دو مکان آریہ محلہ میں ہیں۔ اور ایک مکان گوالمنڈی میں۔ آپ کی زندگی میں دو باتیں بڑی ہی درخشاں ہیں۔ ایک یہ کہ آپ نے اپنے آپ کو ملازمت کے بندھنوں سے آزاد کر کے آزادانہ کاروبار کا خاندان کو راستہ بنایا۔ دوسری خوبی ان کی کنبہ پروری ہے۔ آڑے وقت میں اپنے اقربا کی بڑی دستگیری کی۔ آپ ضلع راولپنڈی کی مغربی پاکستان مہاجر فیڈریشن کے صدر تھے۔ یہ فیڈریشن مارشل لاء کے نفاذ پر ۱۹۵۸ء میں ختم ہو گئی۔ پتہ: مکان ۴۵، ۴، گوالمنڈی راولپنڈی۔

پیرزادہ منظور احمد کے پانچ فرزند ہیں۔ بڑے فرزند سردار احمد ۱۹۲۹ء میں ہسم میں پیدا ہوئے۔ راولپنڈی میں کاروبار کر رہے ہیں۔ گندہ نالہ کالج روڈ پر سردار الیکٹرو پلیٹنگ اور گوالمنڈی پل کے نزدیک ایس ایس انڈسٹریز نامی آپ کی دو فرمیں ہیں۔ دوسرے فرزند فتحی احمد ۱۹۳۱ء میں ہسم میں تولد ہوئے اور اپنے والد کی فرم میں کام کرتے ہیں۔ تیسرے فرزند ذکی احمد ۱۹۳۳ء میں ہسم میں پیدا ہوئے اور گورڈن کالج راولپنڈی میں تعلیم پا رہے ہیں۔ باقی دو فرزند تیمور، بلال المولد ۱۹۴۶ء اور ہارون ہیں۔

پیر محمد غازی کے تیسرے فرزند پیرزادہ منصور احمد ۱۹۱۸ء میں ہسم میں پیدا ہوئے۔ منشی فاضل ہیں۔ بی اے تک تعلیم حاصل کی مگر پاس نہ کر سکے۔ خوش شکل، خوش وضع نوجوان ہیں۔ محکمہ برقیات میں اسسٹنٹ ہیں۔ پتہ: مکان نمبر ۲، گلی نمبر ۳۲، رام نگر، چوبرجی لاہور۔

پیر محمد غازی کے چوتھے فرزند پیرزادہ مشکور احمد ۱۹۲۲ء میں ہسم میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاس ہیں۔ کنسٹرکشن کا کاروبار کرتے ہیں۔ ٹھیکیداری بھی کرتے ہیں۔ پتہ: ایم ۸۳۵ مترپورہ، مری روڈ، راولپنڈی۔

پیر محمد غازی کے تین اور فرزند انوار احمد المولد ۱۹۳۰ء، مختار احمد المولد ۱۹۳۴ء اور افتخار احمد المولد ۱۹۳۶ء ہسم میں تولد ہوئے۔ اب راولپنڈی میں کاروبار کرتے ہیں۔

ب۔ پیر محمد غازی کے والد مولوی پیر محمد یعقوب (۱۸۴۷ء - ۱۹۱۲ء) کا مولد و منشا قصبہ ہسم ضلع رہتک ہے۔ ابھی بارہ سال کے تھے کہ ان کے جلیل القدر والد کو جرم بغاوت میں انگریزوں نے پھانسی دے دی۔

خوش شکل، خوش پوش، مناسب حد تک جسیم اور بلند قامت بزرگ تھے۔ ہم میں خطیب جامع مسجد اور عیدین
تھے۔ اضلاع گورداسپور، گوڑگاؤں اور حصار میں آپ کے کافی مرید تھے مگر آپ کی توجہ اپنی زمینوں کی
طرف زیادہ تھی۔

پیر محمد یعقوب کے والد مولوی پیر محمد اسحٰق شہید (۱۸۳۱ء-۱۸۵۷ء) نہایت حسین اور قد آور تھے۔
آواز بلند تھی۔ دہلی میں تعلیم پائی۔ قصبہ ہم میں خطیب تھے۔ ابھی ۲۶، ۲۷ سال کے نوجوان تھے کہ ۱۸۵۷ء
کی جنگ آزادی چھڑ گئی۔ ان دنوں آپ موضع موٹھ تحصیل ہانسی ضلع حصار میں اپنے متوسلین کی تنظیم کر رہے
تھے۔ مجاہدین کا ایک لشکر ہم ہانسی کے درمیان موضع جمال پور میں تھا۔ سر لشکر کو حضرت مولوی محمد اسحٰق
کا رقعہ ملا کہ دو گاؤں کے آدمی آپ کے احکامات کے منتظر ہیں اور بہت سا غلہ بھی جمع کیا ہوا ہے۔ موضع
جمال پور میں مجاہدین کے اس لشکر کو شکست ہوئی اور یہ رقعہ انگریزوں کے ہاتھ لگ گیا۔ سکنرز ہارس
(بعد کی فرسٹ بنگال لانسرز) کے سوار موضع موٹھ پہنچے۔ وہاں مولوی صاحب موصوف کو گرفتار کرنا
تھا۔ یہ سوار عظیم نمبردار کے پاس پہنچے۔ اور اس سے کہا کہ مولوی صاحب کے دادا (پڑدادا) کے بھتیجے
شاہ محمد اسمٰعیلؒ اور چچا مولوی سیف الرحمٰنؒ گرفتار کر لئے گئے ہیں اور مولوی صاحب کو ملنے کے لئے
بلا رہے ہیں۔ نمبردار آپ کے مریدوں میں سے تھا اس نے کہا کہ وہ فقیر منش بزرگ ہیں آج یہاں کل
وہاں، آج کل معلوم کہاں ہیں۔ اس پر سواروں نے نمبردار کو حراست میں لے کر زدوکوب کیا۔ مولوی
صاحب موصوف کو اس کا علم ہوا تو آپ نے گوارا نہ کیا کہ گاؤں والوں کو مصیبت میں ڈالا جائے۔
بلا تامل خود ہی سواروں کے پاس چلے گئے۔ سوار آپ کے مریدوں کے خوف سے آپ کو پورے احترام
کے ساتھ لے کر چلے۔ متوسلین کا ایک گروہ بھی ہمرکاب تھا۔ ہانسی کے قریب سکنرز کی فوج نے گھیرا ڈال
کر آپ کو حراست میں لے لیا۔ پوچھ گچھ کے وقت آپ نے اعتراف کیا کہ خط میرا تھا اور موقع ملتا تو میں
ضرور جہاد کرتا۔ آپ کو اسی وقت ۲۰ صفر ۱۲۷۴ھ ۱۰ اکتوبر ۱۸۵۷ء کو جرم بغاوت میں شہید کر دیا گیا۔
آپ کے مریدوں نے آپ کو حضرت قطب جمال ہانسویؒ کے مزار کی جنوبی دیوار سے ملحق دفن کر دیا۔

مولوی محمد اسحاق شہید کے والد الحاج محمد ابراہیم قصبہ ہم کے خطیب جامع مسجد اور عیدین تھے۔
۱۰ شوال ۱۲۲۷ھ م ۷ نومبر ۱۸۱۲ء کے ایک بیعنامے پر آپ کی شہادت "محمد ابراہیم ولد شیخ غلام کہف" (باب ۱۱)
درج ہے۔ وارثین میں جو الفاظ ہم نے لکھے ہیں یہ ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید ہمی (باب ۱۲)
کے قلم سے ہیں جو آپ کے خسر تھے۔ آپ کی مہر "محمد ابراہیم خطیب و متولی ۱۲۰۴" ہمارے پاس ۱۸ ربیع الاول
۱۲۲۸ھ، ۴ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ اور ۲۱ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ ۱۸۲۶ء کی تحریروں پر محفوظ ہے۔

تحریر جو ۲۹ رمضان ۱۲۳۲ھ کو لکھی گئی اس پر آپ کی مہر محمد ابراہیم لگی ہوئی ہے۔ آپ کی اولاد غلام حیدر
(والد سید ہدایت شاہ) ملتانی ثم ہمی کی دختر سے چلی۔ آپ کا انتقال ہم میں ہوا اور خانقاہ سید ہدایت شاہ
میں دفن ہے۔

مولوی محمد ابراہیم کے والد الحاج غلام کہف کی ایک ہمشیرہ کی شادی حضرت شاہ غلام جیلانی ریگی
(باب ۱۰) سے ہوئی تھی اور دوسری کی خطیب کریم بخش بن دیدار بخش (باب ۱۳) سے۔ مولوی کریم بخش
لاولد فوت ہوئے اور سلسلۂ خطابت آپ کے سالے الحاج غلام کہف کو منتقل ہو گیا۔

جامع مسجد ہم کے بائیں دروازہ پر ابھرے ہوئے حروف میں ایک کتبہ لگا ہوا ہے جس پر لکھا ہے:
"یک ہزار و دو صد و بست از ہجر گرام بود در رمضان آنجا معتکف کردہ مقام گر نشان خواہی از انکس بشنوی
این کہ بود بندہ عاصی غلام کہف ہمی والسلام" گویا ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء میں آپ نے جامع مسجد ہم میں اعتکاف
کیا تھا۔ آپ کا انتقال حجاز میں ہوا۔ اس وقت آپ کے والد شاہ مبارک حیات تھے۔ شاہ مبارک حضرت
شاہ عبد الحکیم ہمی (باب ۵) کے خلفِ اکبر تھے اور اپنے والد کی خانقاہ میں دفن ہیں۔

۲۱۔ پیرزادہ عبد السلام (المولد ۱۸۹۳ء)

کوئی دو سال پہلے راولپنڈی میں آپ سے ملنے گیا۔ مسافرت میں تھے مگر قرآن، تفسیر، حدیث
اور تاریخ اسلام پر مشتمل کتابوں کا ایک صندوق ساتھ تھا۔ تفسیر حقانی میز پر کھلی ہوئی تھی اور مولانا ابو الکلام
آزاد کا ترجمان القرآن تکیہ پر تھا۔ باتیں بڑی پیاری اور دل موہ لینے والی کرتے ہیں۔ شخصیت باوجاہت،
دراز قامت، متناسب اعضاء، خوش شکل اور خوش پوش ہیں۔ شکار کا بہت شوق رہا ہے۔ ساڑھے سات
سال تک ہسٹال تاؤن کمیٹی ہم کے صدر رہے۔ راولپنڈی آکر ایسر اور انجمن انسداد بے رحمی حیوانات کے
رکن رہے ہیں اور پانچ سال تک راولپنڈی ڈسٹرکٹ بورڈ کے نامزد رکن رہے۔ موضع نوشہرہ
تحصیل راجن پور ضلع ڈیرہ غازی خان میں سوا چار مربعے زمین ملکیت ہے۔ وہیں رہنے لگے ہیں۔

ا۔ آپ کے فرزند نور الاسلام المولد ۱۹۱۲ء حیدرآباد دکن کی فوج میں ملازم تھے۔ اب ڈیرہ
غازی خان میں ٹھیکیداری کرتے ہیں۔

ب۔ پیرزادہ عبد السلام کے والد پیر عبد الخالق (۱۸۵۸ء-۱۹۲۲ء) کا مولد و مسکن و منشا ہم تھا۔ اپنے
آبا کی طرح دراز قامت اور شکیل تھے۔ سیرت اور بھی اچھی تھی۔ دل پر خلوص تھا اور زبان پر تاثیر۔
چند فقروں میں مخاطب کا دل موہ لیا کرتے۔ متوسلین کا سلسلہ بھی وسیع تھا۔ بالخصوص موضع بلیالی تحصیل
ہانسی ضلع حصار کے اکثر مسلم راجپوت آپ سے بیعت تھے۔ مرید بنا کر اسے اپنے رنگ میں رنگ لیا

اولاد شاہ عبدالغنی بن شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

- نذیر الدین
- تاج الدین
  - مشتاق احمد
    - غلام مصطفیٰ (۱۳۵)
  - غلام جیلانی
    - غلام مرتضیٰ (۱۳۶)
    - نجم الدین (۱۳۷)
    - غلام کبریا (۱۳۸)
    - غلام اصفیا (۱۳۹)
- عبدالحکیم
  - عبدالمجید (۱۴۴)
  - عبدالرشید (۱۴۵)
  - عبدالحفیظ (۱۴۶)
  - ابو سعید (۱۴۷)
- محمد دائم
  - عبدالغنی (۱۴۰)
  - محمد اشتیاق (۱۴۱)
- نذیر الدین
  - معین الدین
    - نصیر الدین (۱۴۲)
    - امیر الدین (۱۴۳)
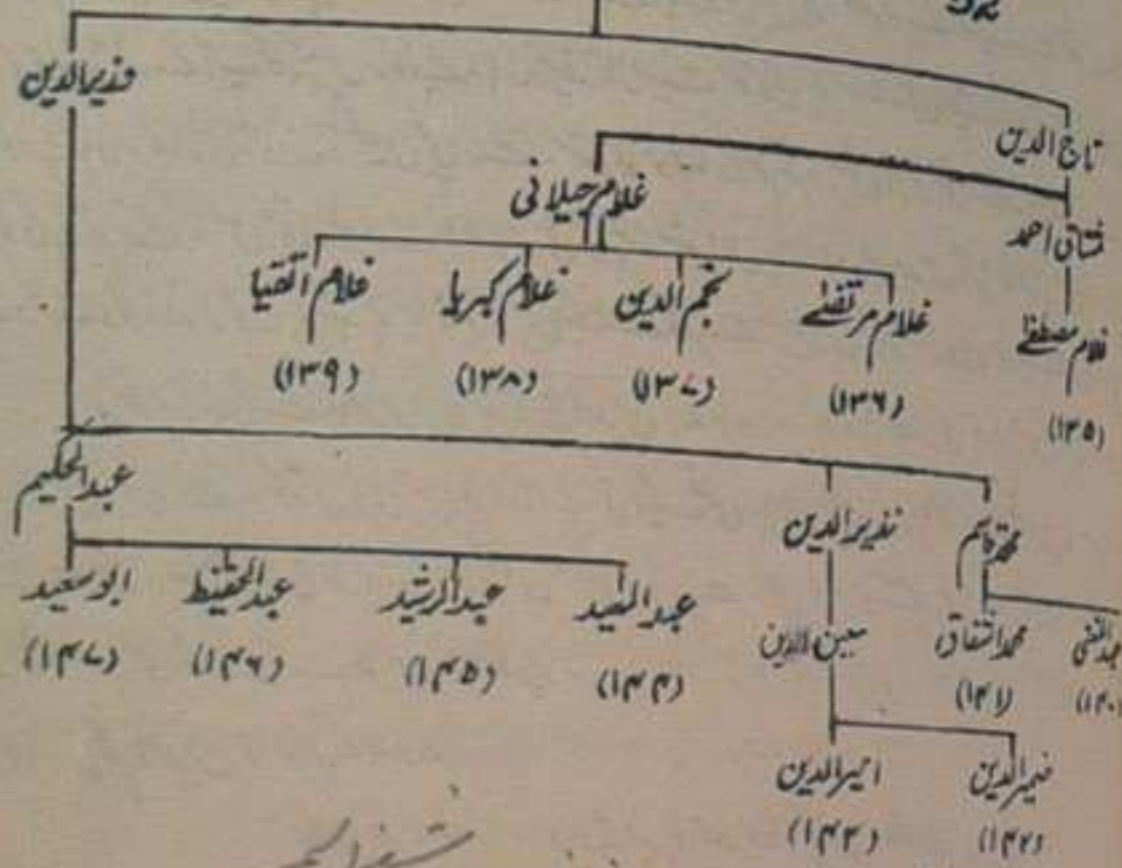
۱۳۵- غلام مصطفیٰ (۱۸۸۲-۱۹۵۶ء)

پیر غلام مصطفیٰ نے شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ۵) کی کتاب آخرگت ملتان سے شائع کرائی۔
رنالہ خورد میں انتقال ہوا۔

ا۔ آپ کے فرزند غلام مجتبیٰ عرف دیدم المولد ۱۹۰۵ء غیر شادی شدہ ہیں۔

ب۔ پیر غلام مصطفیٰ کے والد مولوی پیر مشتاق احمد (۱۸۵۷-۱۹۱۵) کا مولد و منشا حسم ہے۔ واعظ خوش بیان تھے۔ آپ نے شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ۵) کی بعض کتابیں طبع کرائیں۔

۱۳۶- غلام مرتضیٰ (المولد ۱۸۸۸ء)

نمبر ۱۲ عالی منزل۔ اردو بازار۔ لاہور

قد چھ فٹ، متناسب اعضا، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، ناک ستواں، گورے چٹے، اُجلا لباس، خط نہایت پاکیزہ ہے۔ راسخ العقیدہ بزرگ ہیں۔ پاکستان کے علاوہ راجستھان اور حیدرآباد دکن تک آپ کے مرید ہیں۔ رہتک میں تولد ہوئے۔ مسکن حسم تھا۔

ا۔ الحاج پیر غلام مرتضیٰ کے دو فرزند ہیں۔ پیرزادہ غلام اصفیا المولد ۱۹۲۶ء ریلوے میں کلرک ہیں۔ لائلپور میں ہیں۔ دوسرے فرزند پیرزادہ ابراہیم رشید لاہور میں کتابوں کی تجارت کرتے ہیں۔

ب۔ الحاج پیر غلام مرتضیٰ کے والد مولانا پیر غلام جیلانی (۱۸۶۶-۱۹۱۵ء) کا رہتک میں انتقال ہوا۔

کرتے تھے۔ سلف صالحین کا سچا نمونہ تھے۔

پیر عبدالخالق کے والد حافظ پیر محمد یوسف کا تقریباً پینتالیس سال کی عمر میں ۱۹۵۰ء میں
انتقال ہوا۔ بڑے ہی شیریں گفتار، خلیق اور متحمل مزاج بزرگ تھے۔ آپ میں غصہ نام کو نہیں تھا۔
کبھی اونچا نہ بولتے۔ گھر گھر جاتے کہ کوئی بازار سے سودا منگوا لے کیونکہ خاندان کے اکثر مرد اکثر ملک
سے باہر رہا کرتے تھے۔ آپ کے والد الحاج محمد ابراہیم اور ان کے اجداد کا ذکر ۱۳۱ اب پر ملاحظہ ہو۔

۱۳۳- پیرزادہ بوعلی (المولد ۱۹۰۸ء)

پنشنر فوجی حوالدار ہیں۔ ظہیر ٹریڈنگ کمپنی سٹی صدر روڈ راولپنڈی آپ کی فرم ہے۔ جو
سینی ٹیشن کا کام کرتی ہے۔

ا۔ آپ کے فرزند ظہیر الاسلام ۱۹۳۷ء میں حسم میں تولد ہوئے اور اپنے والد کے شریک کاروبار ہیں۔

۱۳۴- پیرزادہ محمد حسن (المولد ۱۹۱۰ء)

پولیس میں ملازم ہیں۔ راولپنڈی کے صرافہ بازار میں آپ کا ذاتی مکان ہے۔

ا۔ محمد صادق اور محمد سلیم آپ کے فرزند ہیں۔

225-A0I/G-6/14

مسکن قم تھا۔ مسجد فتح پوری دہلی کے سند یافتہ تھے۔ حیدر آباد دکن میں بحر العلوم کے لقب سے مشہور تھے۔ نظام حیدر آباد نے آپ کا پچیس روپے ماہانہ وظیفہ تا زیست مقرر کیا ہوا تھا۔ گورا چٹا رنگ۔ چہرہ بھرا ہوا۔ کشادہ پیشانی۔ بھاری آواز۔ آنکھیں نیچی رکھتے۔ مثنوی مولانا روم کم و بیش ازبر تھی۔ فارسی اور اردو میں شعر گوئی پر قدرت حاصل تھی۔ طبیعت حاضر ہوتی تو چشمہ شعر ابل پڑتا اور طبیعت اکثر حاضر رہتی۔ سودا لیتے وقت دکاندار کی تول پر شبہ ہو جاتا تو وہیں کھڑے کھڑے بیسیوں شعر موزوں ہو جاتے۔

پیر غلام جیلانی کے والد مولوی پیر تاج الدین (۱۸۲۷ - ۱۸۹۰ء) بھاری بھرکم جسم۔ بلند آواز واعظ خوش بیان تھے۔ انتقال دہلی میں ہوا۔ آپ کی ایک قلمی بیاض ہمارے پاس ہے جس پر آپ کی ہشت پہلو خورد مہر "محمد تاج الدین ولد عبدالغنی" لگی ہوئی ہے۔ کل ۲۴۵ صفحے ہیں۔ پیر تاج الدین کے والد شاہ عبدالغنی کا ذکر باب ۵ میں ملاحظہ ہو۔

۱۲۷- نجم الدین (المولد ۱۸۹۵ء)

مکان نمبر ۹۸- وارڈ نمبر ۲ محلہ بھارتیاں۔ ملتان

ملازمت اور تجارت کرتے رہے۔

۱۲۸- غلام کبریا (المولد ۱۹۱۲ء)

مکان نمبر الف ۴-۳۲۴ - بھابڑہ خانہ گلی نمبر ۲ - بھابڑا بازار - راولپنڈی

پیادہ دیوانی تھے۔ نائب ناظر بھی رہے۔ ملنسار، صاف گو اور میانہ رو ہیں۔ صبر و شکر وصف خاص ہے۔ رہتک میں پیدا ہوئے

ا- آپ کے دو فرزند ہیں: خلفِ اکبر غلام عباس ۱۹۳۶ء میں ہانسی میں پیدا ہوئے۔ کنٹرولر آف ملٹری اکاؤنٹس کے دفتر میں کلرک ہیں۔ دوسرے فرزند اقبال احمد راولپنڈی میں پرانی کتابوں کا کاروبار کرتے ہیں۔

۱۲۹- غلام اتقیا (المولد ۱۹۱۲ء)

مکان نمبر ۱۷/۳۱۹ اسکنڈ بی۔ متصل سبزی مارکیٹ۔ نواب شاہ

پہلے پولیس میں حوالدار تھے اب کاروبار کرتے ہیں۔

ا- پیرزادہ غلام اتقیا کے فرزند صلاح الدین المولد ۱۹۵۶ء ہیں۔

۱۳۰- عبدالمغنی (المولد ۱۸۹ء)

پیر عبدالمغنی قم سے ہجرت کر کے ملتان میں آباد ہوئے

ا- آپ کے تین فرزند ہیں۔ فرزند اکبر عبدالقادر لاہور میں محکمہ نہر کی ورکشاپ میں مکینک ہیں۔ دوسرے فرزند محمد اعظم ملتان میں خیاطی کرتے ہیں۔ تیسرے فرزند محمد عارف ہیں۔

ب- پیر عبدالمغنی کے والد حافظ پیر محمد قاسم (۱۸۷۸ - ۱۹۴۴ء) نے میٹرک کے بعد اوورسیری کا امتحان پاس کیا۔ نانسلکا گرے کنال پر اسسٹنٹ انجینئر تھے۔ اپنے والد کے خلیفہ مجاز اور سجادہ نشین تھے۔ دبلے پتلے، گورے چٹے، کم آمیز اور خاموش طبع بزرگ تھے۔ علوم دینی سے بڑا شغف تھا۔ آپ نے حضرت ہادی برحق شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ۵) کی بعض کتابوں کو طبع کرایا۔ بڑے ہی نیک سرشت تھے۔

پیر حافظ محمد قاسم کے والد پیر وزیر الدین (۱۸۵۷ - ۱۹۱۱ء) اپنے والد کے خلیفہ مجاز اور گدی نشین تھے۔ نیک دل، خوش خلق، ہنس مکھ اور درویش منش بزرگ تھے۔ آپ کی زوجہ بی بی زینب حافظ قرآن تھیں۔ سینکڑوں بچوں کو قرآن پڑھایا اور حفظ کرایا۔ مسائلِ فقہ ان کے نوکِ زبان تھے۔ بڑی ہی قابل سگھڑ اور بارعب خاتون تھیں۔ پیر وزیر الدین کے والد شاہ عبدالغنی کا ذکر باب ۵ میں لکھا جا چکا ہے۔

۱۳۱- محمد اشتیاق (المولد ۱۹۰۸ء)

متصل درگاہ علی سرورؒ۔ وارڈ نمبر ۲۔ کہروڑ پکا ضلع ملتان

ریلوے اسٹیشن نانسلکا پر پیدا ہوئے۔ تین سال میں قرآن حفظ کیا اور چار سال مسجد فتح پوری میں تعلیم پائی۔ بڑے ہی طوفانی حافظ ہیں۔ قم مسکن تھا۔

ا- حافظ پیر محمد اشتیاق کے چار فرزند ہیں: عبدالحق ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے۔ شکیل احمد المولد ۱۹۴۱ء، اختر علی ۱۹۴۶ء میں گوجرہ ضلع لائل پور میں اور محمد اقبال ۱۹۵۲ء میں کہروڑ پکا میں تولد ہوئے۔

۱۳۲- ضمیر الدین (المولد ۱۹۴۲ء)

رہتک میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کے تھے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور اب تک اس دورِ آزمائش میں ہیں جس سے گزر کر بعض انسان بڑے بن جاتے ہیں۔ یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور میں زیرِ تعلیم ہیں۔ نہایت محنتی، مستعد اور خوددار ہیں۔

ب- ضمیر الدین کے والد معین الدین (۱۹۱۲ - ۱۹۴۷ء) کا رہتک میں انتقال ہوا۔ خیاطی کرتے تھے۔ [illegible]، منکسر المزاج اور شریف الطبع تھے۔

پیرزادہ معین الدین کے والد حافظ پیر نذیر الدین (۱۸۹۱ - ۱۹۱۵ء) کا مولود [illegible] ہے۔ آپ کی مہر پیرزادہ عبدالرشید (۱۲۵) کے پاس ہے۔ حافظ نذیر الدین کے والد پیر وزیر الدین کا ذکر نمبر ۱۲۴ پر ہو چکا ہے۔

۱۴۳۔ امیر الدین (المولد ۱۹۲۴ء)
رہتک میں تولد ہوئے۔ ایف اے کلاس میں پڑھ رہے ہیں۔ ملتان میں پیرزادہ نجم الدین (۱۳۵)
کے پاس رہتے ہیں۔

۱۴۴۔ عبدالمعید (المولد ۱۹۲۶ء)
مکان نمبر ۳۵ ہنو کا چھجہ۔ وارڈ نمبر ۲۔ ملتان۔
ڈاک خانہ میں ملازم ہیں۔ چاروں بھائی ساتھ رہتے ہیں۔

ب۔ پیرزادہ عبدالمعید کے والد پیر عبدالحکیم (۱۸۹۵-۱۹۴۵ء) طویل القامت اور عظیم جثہ تھے۔
اپنے والد سے خلافت پائی۔

۱۴۵۔ عبدالرشید (المولد ۱۹۲۸ء)
اپنے والد سے بیعت ہیں۔ شاہ محمد رمضان شہیدؒ کی بعض کتب اور چند تبرکات آپ کے پاس ہیں۔

۱۴۶۔ عبدالحفیظ (المولد ۱۹۳۰ء)
آپ کی فرم مقبول ٹیڈنگ ہاؤس وارڈ نمبر ایک ملتان میں ہے۔ ایمان میں بھی خوب طاق
پکے ہیں۔

ا۔ آپ کے چار فرزند ہیں: عبدالحمید، عبدالمجید، وسیم الدین اور ایک اور۔

۱۴۷۔ ابوسعید (المولد ۱۹۳۴ء)
تجارت کرتے ہیں۔ شمشاد احمد بن سجاد احمد بن پیرزادہ الحاج محمد احمد صدیقی

---

۵۳ ——— اولاد شاہ عبدالسمیع بن شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

سلام الدین
|
محمد اصغر
|
قوام الدین (۱۴۰) — احسان الدین (۱۴۱)

۱۴۰۔ قوام الدین (۱۸۹۵ - ۱۹۶۳ء)
دہاڑی میں انتقال ہوا۔ خوش الحان نعت خواں تھے۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔

۱۴۱۔ احسان الدین (المولد ۱۹۰۱ء)
مکان نمبر ۷۔ گلی نمبر ۲۱۔ رام نگر، چوبرجی لاہور
خوش پوش اور وضعدار ہیں۔ اپنے والد سے خلافت پائی۔ جھنگ میں تولد ہوئے۔

ا۔ پیر احسان الدین کے چار فرزند ہیں: خلف اکبر پیرزادہ سلام الرحمٰن المولد ۱۹۲۶ء ایف اے اور منشی فاضل پاس ہیں۔ شعبہ برقیات میں اسسٹنٹ ہیں۔ ادبی ذوق پایا ہے۔ اردو اور فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ برہان تخلص ہے۔ نمونہ کلام:

غزل

بچے علاکی ہے میرے ساقی نے آج وہ بادہ یگانہ
کہ میری رندانہ لغزشوں سے سہم گئی گردش زمانہ

یہ زلف بردوش کون آیا کہ چھا گئیں جھوم کر گھٹائیں
یہ کون مینا بدست اٹھا کہ لڑکھڑایا شراب خانہ

ترا یہ حسن کلام توبہ، ترا یہ لطف خرام توبہ
تری نظر کا پیام توبہ کہ وجد میں آ گیا زمانہ

کہا یہ شمع سحر سے برہاںؔ نے باندازِ عجز مانہ
ترا فسانہ غم شبانہ میرا فسانہ غم زمانہ

رُباعی

لرزتا ہے اماں گاہ زندگی کا سکوں
حیات چیخ رہی ہے فنا کے پنجہ میں
کہ ٹوٹ جانے کو ہے عقل مغربی کا سکوں
جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں

اہلِ یورپ سے

جنوں سے بڑھ کے خرد کا زوال کیا ہوگا — خرد کے بندِ خرد کا مآل کیا ہوگا
تمہاری عقل جنوں پیشہ کی نوازش سے — تمہیں بتاؤ کہ دنیا کا حال کیا ہوگا

زر سرشک بداماں نوریاں بیزم — متاعِ خونِ جگر بہر خاکیاں ریزم
بکار و بارِ من خوار اعتبار مکن — بخاکِ در نشینم زکعبہ برخیزم

جہانگیرے ولے جاہے ندارد — جہاندارے ولے کاہے ندارد
چو گویم باتواز مردِ خود آگاہ — برائے دردِ خویش آہے ندارد

قطعہ

خوشا مستاں کہ در رندی بہ پیش یار می رقصند
خوشا دیوانگاں در کوئے دیدار می رقصند
خوشا مردانِ پاکاں کز بصد سامان رسوائی
گہے در بزمِ جاناں گہ سرِ بازار می رقصند
سلام از ما بنامِ عاشقانِ حق پرستاں را
کہ گہ بر نیزہ ہا رقصند گہ بر دار می رقصند

پیر احسان الدین کے دوسرے فرزند سلام المنان ۱۹۲۹ء میں سہم میں تولد ہوئے۔ گورے چٹے طرحدار نوجوان ہیں۔ شعبۂ برقیات میں سرکل ہیڈ ڈرافٹسمین ہیں۔ احساسِ ذمہ داری اور شفقتِ پیہم آپ کے خاص اوصاف ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی سلام الحنان المولد ۱۹۳۳ء سہم میں تولد ہوئے اور شعبۂ برقیات میں ملازم ہیں۔ ان سے چھوٹے سلام الدیان ۱۹۳۶ء میں سہم میں پیدا ہوئے۔

ب۔ پیر احسان الدین کے والد ابوالولا مولوی محمد اصغر (م ۱۸۷۰ء – ۱۹۳۰ء) سہم میں تولد ہوئے اور نیز ای کے استاد تھے۔ موضع سہو ضلع حصار میں وفات پائی۔ قد میانہ، مضبوط کسرتی جسم، نیوٹ اور نیز ای کے ... آواز کراری تھی اور چہرہ بارعب۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں مولانا ارشاد حسین سے تعلیم پائی۔ ان سے بیعت بھی تھے۔ مسکن سہم تھا۔ اپنے والد کی وفات پر موضع سہو میں اقامت اختیار کر لی اور وہیں سلسلہ رشد وہدایت جاری رکھا۔ آپ ایک طبیب، واعظ، مناظر، شاعر اور عالم تھے۔

علم نجوم کا بھی شوق تھا۔ آپ کی مندرجہ ذیل تصنیفات کے مسودے موجود ہیں۔

۱۔ واپسی جوانی در حالتِ پیری وناتوانی: اردو نثر میں جنسیات پر کتاب ہے۔ اس میں عربی کی ایک کتاب رجوع الشیخ الی صباہ کے تمام مطالب بھی آگئے ہیں۔

۲۔ نوحہ ابوالولا: کم وبیش چھبیس ہزار اشعار پر مشتمل اردو مثنوی ہے۔ مسلمانوں کے قدامت پسند طبقے کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس میں مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں، فرقوں، تہذیب وتمدن، معتقدات وغیرہ پر بحث کی گئی ہے۔ اردو میں اب تک ایسی کوئی مثنوی شائع نہیں ہوئی جس میں معاشرے کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ آپ انگریزوں اور انگریزی تعلیم کے سخت خلاف تھے۔ بایں ہمہ کیا پتہ کی بات کہی ہے:

یہ ہیں حاکم اور تم محکوم ہو — یہ ہیں قابض اور تم مقبوض ہو
کیونکہ تم حقِ حکومت کھو چکے — تارکِ اشراط تم خود ہو چکے
شرط ہے ایمان اور صالح عمل — حق کے وعدے میں نہیں ہوتا خلل
شرط تم میں جب کہ پائی جائے گی — تب حکومت خود بخود آجائے گی
شرطِ گم گشتہ کو تم حاصل کرو — جستجو سے ایک دم غافل نہ ہو

کلام صوفیانہ ہے لیکن جہاں توحید ورسالت کا بیان ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آورد کی جگہ آمد نے لی ہے:

یہ قدسی حدیث جناب احد ہے — کہ فرمانِ عالی ربِ صمد ہے
کہ حضرت محمدؐ سے اس کی سند ہے — کہ جس پر صلوٰۃ احد بے عدد ہے
کہ تھا میں کبھی ایک مخفی خزانہ — کہ واقف نہ تھا مجھ سے کوئی زمانہ
تو ثابت ہوا ایک سِرِ نہانی — ہے خلقت کی ایجاد کی یہ کہانی
کہ مخفی ہیں اس میں عجائب معانی — کہ وحدت میں کثرت ہوئی ہے نہانی
نزولی پہ آیا عروجِ کمالی — کہ منشائے عرفاں ہونے میں زوالی
یہ اب دیکھنا ہے کہ عرفان کیا ہے — محض عارفِ قدس کی شان کیا ہے
نزولی کو حرکت کا فرمان کیا ہے — مجاز و حقیقت کا رجحان کیا ہے
الٰہ نے جو کثرت کو عارف بنایا — کوئی بھید تو ہے جو اس میں چھپایا
کہ عرفان ادراک کا اک ثمر ہے — ادراک مدرک سے وابستہ تر ہے

وہ مدرک کی خلقت پہ اب جو نظر ہے — تفاوت یہ ادراک کا پر خطر ہے
یہ خلقت کی کثرت وہ معروف یکتا — ہے بے شکل بے چوں کسی کو نہ دکھتا
وہ معبود ہے اور عابد ہے یہ — وہ مطلوب ہے اور طالب ہے یہ
ہوا عالمِ امر سے کن ہویدا — ہوا کن سے سب کچھ یہ ظاہر پیدا
جو کیف و کم ہے وہ ذاتِ معلیٰ — مکاں سے بری ہے زماں سے مبرا
پدر ہے کسی کا نہ مولود وہ — نہ حد میں کسی جا ہے محدود وہ
کہ ہر آن ہر جا ہے موجود وہ — نہ گنتی سے ہوتا ہے معدود وہ
کسی چشم میں ہے یہ طاقت کہاں — کہ ادراک اس کا کرے ناگہاں
وہ عقلوں سے معلوم ہوتا نہیں ہے — کتب سے پتہ اس کا چلتا نہیں ہے
مباحث سے عقدہ یہ کھلتا نہیں ہے — وہ میزانِ سنجی میں تلتا نہیں ہے

۳- رسالہ شجرۃ العرفان، آپ کی تصانیف میں صرف یہی رسالہ طبع ہوا۔ تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہے اردو نثر میں مقاماتِ سلوک، عبادت کے طریقے اور وظائف وغیرہ ہیں۔

۴- عربی صرف و نحو اپنے استاد و مرشد مولانا ارشاد حسین کی تصنیف ارشاد الصرف کے طرز پر ہے۔

۵- نسب نامہ اولاد قاضی قوام الدین جھنجھیری ثم رہتکیؒ۔ اس پر تفصیلی بحث اس کتاب کے آخری باب میں ہوگی۔

مولوی محمد اصغر کے والد مولانا سلام الدین (۱۸۴۹-۱۹۰۶ء) ایک عالم، واعظ اور کامیاب مناظر تھے۔ طویل القامت، جسم بھاری بھر کم، رنگت بھوری اور آواز گرجدار تھی۔ آپ کے مرزا غلام احمد قادیانی سے بھی معرکے رہے۔ مرزا صاحب نے کسی رسالہ یا اشتہار میں مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے ساتھ آپ کو بھی ذریۃ البغایا لکھا تھا۔ ضلع رہتک میں نکاح بیوگان کی تحریک کے سرگرم رکن تھے۔ قصبہ موٹھ تحصیل ہانسی ضلع حصار کی مسجد کی تعمیر آپ کی ترغیب سے ہوئی۔ خرچ اجلا تھا۔ خشک میوہ بھی بوریوں کے حساب سے گھر میں آتا تھا۔ آپ کا انتقال ۴ ربیع الثانی ۱۳۲۴ھ کو ملتان میں ہوا۔ [illegible] عرس ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) کا لکھا ہوا ایک بخشش نامہ ہے جس پر آپ کے دستخط "مولوی سلام الدین بن شاہ عبدالسمیع بقلم خود" موجود ہیں۔

مولانا سلام الدین کے والد شاہ عبدالسمیع (۱۸۱۵-۱۸۸۱ء) پیدائشی مجذوب تھے۔ آپ کی ذات سے بڑی بڑی کرامتیں منسوب ہیں جن کا ذکر روضۃ الرضوان میں ہے۔ طویل القامت اور غیر معمولی طور پر جسیم تھے۔ ۱۲۹۸ھ میں انتقال ہوا۔ آپ کے بھتیجے خان بہادر ڈپٹی مظفر احمد فضلی (باب ۶) نے تاریخ وفات کہی

دردا کہ دردِ ما سرِ نازکے جاں رسید — آوخ کہ خارِ حسرت و غم در جگر خلید
یعنی کہ مستِ نشۂ صہبائے بے خودی — عبدالسمیع ثانیِ شبلی و بایزید
گلگشت ہر قدم زدہ زیں باغِ بے ثبات — رختِ اقامتش بجنانِ ارم کشید
ہر کس کہ می شنید ازیں ماجرائے غم — بر خاکِ اضطراب چوں بسمل ہمی طپید

سالِ وصالِ حضرت او بر نگاشتم
آہ اے دشت ہو سوئے قدوسیاں رسید

۱۲۹۸ھ

شاہ عبدالسمیع کے والد شاہ محمد اسمٰعیل جمی شہیدؒ کا ذکر باب ۵ میں کیا جا چکا ہے۔

منشار احمد بن سجاد احمد بن [illegible] پیرزادہ الحاج محمد [illegible] صدیقی

۵۴ — اولاد مولوی سیف الرحمن شہیدؒ بن شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

- علاؤ الدین
  - رئیس الدین
    - خلیل احمد (۱۵۰)
    - لئیق الدین (۱۵۱)
- فلاح الدین
  - مصباح الدین (۱۵۲)
  - مفتاح الدین (۱۵۳)
- محمد جلیل
  - شریف احمد
    - حبیب احمد (۱۵۴)
    - رفیق احمد (۱۵۵)
    - عبدالسلام (۱۵۶)
    - اکمل الدین (۱۵۷)
  - حنیف احمد
    - فضل حق (۱۵۸)
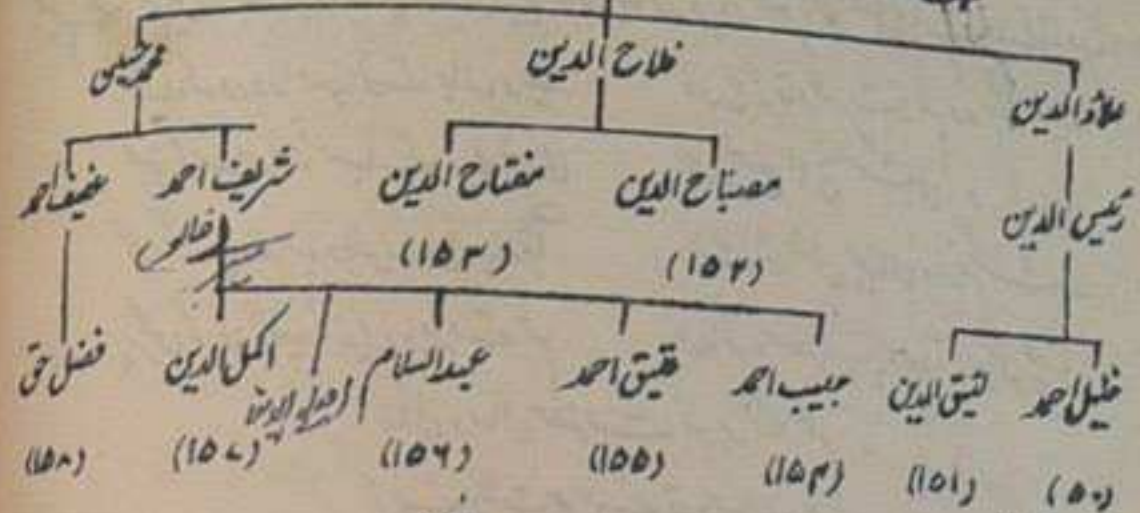
۱۵۰- خلیل احمد (المولد ۱۸۹۰ء) موضع ڈومرو نزد ریلوے سٹیشن پیراں غائب ضلع ملتان

میں تولد ہوئے۔ ان مستقل مزاج حضرات میں سے ہیں جو اب تک وضع قدیم کے سختی سے پابند ہیں۔ انتہائی صابر و شاکر ہیں۔

ا- پیر خلیل احمد کے دو فرزند ہیں۔ بڑے فرزند پیرزادہ مقبول احمد فوج میں ڈسپنسر ہیں اور چھوٹے پیرزادہ مولوی محبوب احمد مدرسہ انوار العلوم ملتان کے سند یافتہ ہیں۔ سلسلۂ کبیریہ سے یہ فرد واحد ہیں جنہوں نے آزادیٔ پاکستان کے بعد کسی دینی مدرسے سے سند حاصل کی۔

ب- پیر خلیل احمد کے والد مولوی پیر رئیس الدین (۱۸۶۶-۱۹۲۸ء) رام پور میں مولانا ارشاد حسین کے مدرسہ میں تین سال پڑھتے پڑھاتے رہے۔ بڑے ہی بارعب بزرگ تھے۔ خوب تن و توش پایا تھا۔ امرائے وامراء کی میں بے خوف تھے۔ ستم میں مکتب کھولا ہوا تھا۔ موضع اسندہ ضلع کرنال میں انتقال ہوا۔

مولوی رئیس الدین کے والد الحاج حکیم علاؤ الدین (۱۸۳۶-۱۹۱۵ء) ۱۸۵۷ء کی دار و گیر میں کار روپوش ہو گئے۔ ملکہ وکٹوریہ کا اعلان معافی ہوا تو ظاہر ہوئے اور رفتہ رفتہ اپنے تباہ حال کنبہ کی مالی حالت درست کی۔ اپنے عہد میں ستم کے سب سے بااثر بزرگ تھے۔ ستم اور گرد و نواح کے اکثر مقدمات کا فیصلہ آپ ہی کرتے۔ حسن تدبیر میں شہرت رکھتے تھے۔ نگاہ بڑی دور بین تھی۔ اس زمانہ میں اپنے چھوٹے بھائی خان بہادر پیرزادہ محمد حسین ایم۔ اے (باب ۶) کو انگریزی پڑھائی جب انگریزی پڑھنا کفر سمجھا جاتا تھا اور آپ کے والد اور جد کے علاوہ آپ کے استاد امیر اللہ شہیدؒ (۲۵ ب) کو بھی انگریزوں نے پھانسی دی تھی۔ انتقال ستم میں ہوا۔ آپ کے داماد قاری سید حسن شبتر نے قطعہ تاریخ وفات کہا۔

صلوٰۃ الالٰہ وفضل عمیماً ۔۔۔ علی صاحب الجود خلقاً عظیماً

کریم السجایا جمیل الصفات ۔۔۔ جواد کریم رحیم وسیماً

فنی الہیئۃ راکعاً ساجداً ۔۔۔ مبکوداً علی المومنین رحیماً

فنادٰی ربہ یا عبادی ۔۔۔ فلباہ طوعاً بھجاً بسیماً

فان مات بعد اربع من سنین ۔۔۔ فقلت "فقد فاز فوزاً عظیماً"

۱۳۳۶ - ۴ = ۱۳۳۲ھ

ہمارے پاس ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء کا لکھا ہوا ایک بخشش نامہ ہے جس پر آپ کی مہر علاؤ الدین ۱۲۹۶ھ لگی ہوئی ہے۔ اس بخشش نامہ پر آپ کے دستخط "علاؤ الدین بقلم خود" ثبت ہیں۔

الحاج حکیم علاؤ الدین کے والد ابو الحسن مولوی سیف الرحمن شہیدؒ (۱۸۱۹-۱۸۵۸ء) اعلیٰ درجہ کی صلاحیتوں کے حامل تھے۔ اپنے والد بزرگوار کی زرعی زمینوں کا اس حسن و خوبی سے انتظام کیا کہ غیر مسلم زمیندار آپ سے حسد کرنے لگے۔ خود فاضل اور صاحبِ دل بزرگ تھے۔ مگر پیری مریدی سے کسی بھی حال سنت کے سخت خلاف تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء چھڑی تو مجاہدین کا ایک لشکر ستم سے گزرا۔ آپ اس میں بطور رسالدار بھرتی ہو گئے۔ اس جنگ آزادی کی ناکامی پر آپ گرفتار کر لئے گئے اور ہنسی لے جا کر ۱۸ جمادی الثانی ۱۲۷۴ھ ۲ فروری ۱۸۵۸ء کو پھانسی پر لٹکا کر شہید کر دیا گیا۔ مرقد مطہر ہنسی میں شاہ ولایت کی چار دیواری کے باہر گنبد شمال غربی کونے میں ہے۔ ہمارے پاس ۲ جمادی الثانی ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء کا لکھا ہوا ایک کابین نامہ ہے جس پر آپ کی گواہی ہے "گواہ شد سیف الرحمن ولد مولوی محمد اسمٰعیل بخط خود" حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کا ذکر باب ۵ میں ہو چکا ہے۔

۱۵۱- لئیق الدین (المولد ۱۹۰۴ء)

موضع ڈومرو نزد ریلوے سٹیشن پیراں غائب۔ ضلع ملتان۔

نیک آدمی ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے۔

ا- پیر لئیق الدین کے فرزند شفیق الدین زیر تعلیم ہیں۔

۱۵۲- مصباح الدین (المولد ۱۸۸۸ء)

کنورہ ضلع گوڑگانوں میں پیدا ہوئے۔ اردو کا پہلا سبق فیروز پور میں مرزا ارشد گورگانی سے پڑھا ۱۹۱۰ء میں بی اے کیا۔ بعد میں بی ٹی۔ مولوی عبید اللہ سندھی کے دائرۃ المعارف دہلی سے سندِ فراغت حاصل کی۔ فن تعلیم میں رہے ۱۹۵۲ء میں پراونشل ایجوکیشن سروس سے ریٹائر ہوئے۔ اس وقت گورنمنٹ

ہائی سکول شورکوٹ ضلع جھنگ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ پھر حالی مسلم ہائی سکول و بعد میں یہ گورنمنٹ ہائی سکول بن
گیا کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ منکسر المزاج بزرگ ہیں۔ صلہ رحمی کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔ مطالعہ [illegible] ہے۔

ا۔ آپ کے دو فرزند ہیں: خلفِ اکبر صلاح الدین ۱۹۲۳ء میں ہم میں تولد ہوئے۔ بی اے اور
بی ٹی پہلے پاس ہیں۔ امسال لاہور سے ایم ایڈ کا امتحان دے رہے ہیں۔ جھنگ میں اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ
انسپکٹر آف سکولز تھے۔ ایم ایڈ کرنے کے لئے چھٹی پر ہیں۔ دیانت اور محنت آپ کے خاص اوصاف ہیں
ان کے چھوٹے بھائی نور الہدیٰ ۱۹۳۲ء میں گوہانہ ضلع رہتک میں تولد ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں ریل کے ذریعہ
پاکستان آ رہے تھے کہ بیاس کے پل کے قریب سکھوں نے اس گاڑی کو روک کر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔
اتفاق سے آپ بچ گئے اور سکھوں کے ہاتھ لگ گئے۔ ان کے پاس آٹھ ماہ رہے اور پھر پاکستان آ گئے۔
اب کیپیٹل ڈویلپمنٹ اتھارٹی راولپنڈی میں اوورسیر ہیں۔

ب۔ پیرزادہ مصباح الدین کے والد پیرزادہ فلاح الدین (۱۳۴۸ھ - ۱۹۲۹ء) مہاراجہ بیکانیر کے بیگا
ٹھاکر بیرون سنگھ جی کے بیس گاؤں کے مختار تھے اور حصار میں ٹھاکر جی کے وکیل۔ طبیعت کے بڑے نیاز
تھے۔ صلہ رحمی کا بڑا خیال رکھتے۔ آخری عمر میں فربہ ہو گئے تھے۔ گفتگو میں فارسی اشعار کا اکثر حوالہ دیتے۔
خاندان کا نسب نامہ بھی رکھتے مگر شب برات پر اس کے پٹاخے بنا کر دوسرا شروع کر دیتے۔ پیرزادہ
فلاح الدین کے والد مولوی سیف الرحمٰن شہید کا نمبر ۵ اب پر ذکر کیا جا چکا ہے۔

۱۵۳۔ مفتاح الدین (المولد ۱۸۹۱ء)

لودھراں۔ ضلع ملتان

قیام پاکستان سے پہلے مسکن ہم تھا جہاں کی سمال ٹاؤن کمیٹی کے کئی سال رکن رہے۔ بشن کوٹ کے
اسیسر بھی تھے۔ بڑے نڈر اور مستعد ہیں۔ قانونی سوجھ بوجھ بھی اچھی ہے۔ سیاسی اتار چڑھاؤ کی رگ رگ سے
واقف ہیں۔ خلافت تحریک اور بعد میں مسلم لیگ تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خلافت تحریک کے سلسلہ
میں قید بھی ہوئے۔

ا۔ پیرزادہ مفتاح الدین کے دو فرزند ہیں: خلفِ اکبر مصلح الدین ۱۹۲۳ء میں ہم میں تولد ہوئے۔ میٹرک
پاس کرنے کے بعد ساڑھے بارہ سال فوج میں حوالدار کلرک رہے۔ ۱۹۵۵ء سے محکمہ آثار قدیمہ میں ملازم
رہا۔ سات سال ہنوڈرو عجائب گھر کے کلرک رہے۔ اس دوران میں ایک سال اس عجائب گھر کے
انچارج بھی رہے۔ اب قلعہ لاہور میں ٹائپسٹ ہیں۔ اپنا کام بڑی ہی مستعدی سے کرتے ہیں۔ آثار قدیمہ
کے بارے میں آپ کی بڑی واقفیت ہے۔ شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت ملنسار، صاف دل اور خوش اخلاق

زود گو ہیں۔ تصنیف و تالیف کا بھی شوق ہے۔ آپ کا ایک رسالہ تحفۂ قادریہ ۱۹۵۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔
جس میں شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی سوانح حیات اور سلسلہ قادریہ کے اوراد و وظائف درج ہیں۔ مصلح الدین
کے چھوٹے بھائی حمید الدین احمد شعبہ برقیات میں ہیڈ ڈرافٹسمین ہیں۔

۱۵۴۔ حبیب احمد (المولد ۱۸۹۵ء)

ملتان میں رہتے ہیں۔ رضی کے نام سے معروف ہیں۔

۱۵۵۔ عتیق احمد (المولد ۱۹۰۰ء)

۲۶۰ وارڈ نمبر ۲ - لودھراں

زمانہ طالب علمی میں کرکٹ کے اچھے کھلاڑی تھے۔ پٹواری تھے۔ ریٹائر ہو گئے۔

ا۔ آپ کی اولاد میں آٹھ فرزند ہیں۔ خلفِ اکبر عبد القدیر بی اے بی ٹی ۱۹۳۱ء میں ہم میں پیدا
ہوئے۔ گورنمنٹ ٹیکنیکل سکول بہاولپور میں پڑھاتے ہیں۔ دوسرے فرزند عزیز احمد ۱۹۳۳ء میں ہم میں
پیدا ہوئے۔ فوڈ گرین سپروائزر ہیں۔ تیسرے فرزند جمیل احمد چھوٹی دانگ ضلع حصار میں پیدا ہوئے۔ ہیوی
ٹرانسپورٹ لمیٹڈ ملتان میں ملازم ہیں۔ چوتھے فرزند صغیر احمد بی اے۔ بی ٹی ۱۹۳۹ء میں ہم میں تولد
ہوئے۔ بشیر احمد المولد ۱۹۴۴ء پٹواری ہیں۔ میٹرک پاس ہیں۔ باقی تین فرزند خورشید احمد المولد ۱۹۴۶ء
آفتاب احمد المولد ۱۹۴۸ء اور منور احمد المولد ۱۹۵۳ء ہیں۔

ب۔ عتیق احمد کے والد شریف احمد (۱۸۷۹ء - ۱۳۴۴ھ) کا مولد و مسکن ہم ہے۔ خوش پوش، خاموش
طبع، منکسر المزاج اور شریف النفس بزرگ تھے۔ مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ شریف احمد کے والد خان بہادر
پیرزادہ مولوی محمد حسین ایم اے سی آئی ای کا ذکر باب ۵ میں کیا جا چکا ہے۔

۱۵۶۔ عبد السلام (۱۹۰۷ء - ۱۹۶۲ء)

ہم میں پیدا ہوئے اور لودھراں میں انتقال ہوا۔

ا۔ آپ کے فرزند عبد الوحید ۱۹۲۶ء میں ہم میں پیدا ہوئے۔ پہلے پاکستان آرمی سگنلز کور میں ملازم تھے
اب مستعفی ہو کر اب لودھراں ضلع ملتان میں تجارت کر رہے ہیں۔

۱۵۷۔ اکمل الدین (المولد ۱۹۲۰ء)

ہم میں تولد ہوئے۔ ضلع ملتان میں گرداور قانونگو ہیں۔

۱۵۸۔ فضل حق

۱۶ ایشور سٹریٹ، کرشن نگر۔ لاہور

کے ابتدائی متعلمین میں سے تھے۔ وہاں سے سندِ فراغت لی۔ اعلائے کلمۃ الحق کو فرض سمجھتے۔ بادی کا ہر پاز
حضرت شاہ محمد رمضان مہمی شہیدؒ کے مزار پر پہلے قوالی ہوتی تھی اسے آپ شرعاً ناجائز سمجھتے تھے۔ اپنے
برادرِ بزرگ کو کتابوں کے حوالوں سے قائل کرنے کی کوشش کی مگر وہ قائل نہ ہوئے۔ ایک روز خانقاہ
میں محفلِ سماع زوروں پر تھی آپ گئے اور اپنی موٹی سی لاٹھی سے قوالوں کے ڈھول توڑ ڈالے۔ اس
دن کے بعد اس خانقاہ میں کبھی قوالی نہیں ہوئی۔ بڑے ہی قد آور اور جسیم تھے۔ شکار کا شوق تھا۔ [illegible]
میں انتقال ہوا۔ وہیں خانقاہ میں دفن ہوئے۔ آپ کے دستخط محمد یعقوب ولد مولوی محمد اسمٰعیل ہمارے
پاس ۸ ذیقعد ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۴ء کی ایک تحریر پر محفوظ ہیں۔ شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کا ذکر باب ۵ میں
ہو چکا ہے۔

۱۶۰۔ مختار احمد (میرے چچا)

شاید ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ ایس۔ ایم ذوالفقار اینڈ سٹرز کراچی میں ملازم ہیں۔ مجرد ہیں۔

۱۶۱۔ عبدالرزاق

ریلوے کے محکمہ میں کوئٹہ میں معمولی ملازم ہیں۔

ب۔ آپ کے والد عبدالخالق (۱۸۹۵۔۱۹۳۰ء اندازاً) دبلے پتلے سے تھے۔ فوج اور پولیس میں
ملازم رہے۔ پھر حصار میں خیاطی کیا کرتے تھے۔ ان کے والد محمد صادق (۱۸۷۱۔۱۹۴۰ء) نے ترکِ
سکونت کر کے کرتار پور ضلع جالندھر میں جا بسے تھے۔ وہیں انتقال ہوا۔ محمد صادق کے والد پیرزادہ
حبیب الدین کا ذکر نمبر ۱۵۹ اب پر ہو چکا ہے۔

۱۶۲۔ عبدالرحیم

کوئٹہ ریلوے شیڈ پر شنٹنگ کے کام پر ملازم ہیں۔

۱۶۳۔ ضمیر الدین (المولد ۱۹۲۴ء)

کراچی میں ہیں۔ تعداد میں سات کے والد امیر الدین (۱۹۰۸۔۱۹۴۴ء) رہتک میں خیاط
تھے۔ وہ جا ن میں انتقال ہوا۔ امیر الدین کے والد شکر اللہ (۱۸۶۹۔۱۹۳۷ء) پوسٹ مین بھی رہے۔
انتقال پانی پت میں ہوا۔ شکر اللہ کے والد پیرزادہ حبیب الدین کا ذکر نمبر ۱۵۹ پر کیا جا چکا ہے۔

۱۶۴۔ اکرام الدین (المولد ۱۹۱۰ء)

جامع مسجد دہلی میں پاس دینے پر ملازم تھے۔ اب کراچی کے کسی دفتر میں دفتری ہیں۔
منفی اور غیور ہیں۔

مقصود عالم، محمود عالم اور ظہیر عالم آپ کے تین فرزند ہیں۔

ا۔ آپ کے والد ممتاز الدین (۱۸۸۶۔۱۹۱۶ء) اعلیٰ پایہ کے جلد ساز تھے۔ ساتویں تک انگریزی

ب۔ تعلیم حاصل کی اور مسجد فتح پوری میں ہدایہ تک تعلیم حاصل کر سکے۔ دبلے پتلے تھے۔ پیرزادہ ممتاز الدین
کے والد پیر معین الدین (۱۸۴۶۔۱۸۹۹ء) اپنے والد مولوی محمد یعقوب کے خلیفہ مجاز تھے۔

۱۶۵۔ الطاف حسین (۱۸۹۶۔۱۹۵۸ء)

ملتان میں انتقال ہوا، دبلے پتلے، گورے چٹے، صاف دل بزرگ تھے۔ پہلی جنگِ عالمگیر کے
دوران میں پانچ سال عراق میں محکمہ تار و ڈاک میں رہے۔ ملتان ہیڈ پوسٹ ماسٹر سلیکشن گریڈ کی اسامی سے
ریٹائر ہوئے تھے۔ آپ کی زوجہ عقیلہ بانو متوفیہ ۱۹۵۱ء بنت جمیل الرحمٰن روتوں کو ہنسا دیا کرتیں۔ شعر بھی
کہا کرتی تھیں۔ نکہت تخلص تھا۔

نعت

ہے مدحِ پیمبر میں قلم گرمِ سفر آج
پستی سے سوئے عرش ہے فتنے کی نظر آج

معراج میں خوش ہو کے یہ کہتے تھے فرشتے
ہے آمدِ سرکارِ فخرِ جن و بشر آج

جس راہ سے گزرے کبھی سرکارِ دو عالم
مسجودِ ملائک ہے وہی راہ گزر آج

یا شاہِ عرب اس کو مدینہ میں بلا لو
فرقت سے ہے نکہت کا یہاں حال دگر آج

ا۔ پیرزادہ الطاف حسین کے ایک فرزند ہیں۔ جلال عباس جرمن پاکستانی فرم پاک الیکٹرون۔ لاہور
میں اوورسیز ہیں۔

۱۶۶۔ اکرام الدین

سرگودھا میں رہتے ہیں۔

ا۔ نعیم الدین آپ کے فرزند ہیں۔

ب۔ آپ کے والد انصار الدین (۱۸۸۴۔۱۹۴۲ء) ضلع شاہ پور سرگودھا میں پٹواری تھے۔ اس سے
قبل پولیس میں ملازم تھے مگر یہ ملازمت محض اس لئے چھوڑ دی کہ وہاں رشوت لینے کے بہت زیادہ
مواقع تھے۔ انہیں سنیاسیوں کے بہت نسخے یاد تھے۔ قد آور، مضبوط اعضا کے، خوش خوراک، خوش
پوشاک اور متحمل بزرگ تھے۔ آپ کے والد پیرزادہ منہاج الدین ٹکسالی پٹواری تھے۔ [illegible]
پیرزادہ منہاج الدین کے والد مولوی محمد یعقوب کا ذکر نمبر ۱۵۹ اب پر ہو چکا ہے۔

١٦٧- امین الدین

شعبہ برقیات میں سب سٹیشن آپریٹر ہیں۔ آج کل کالاباغ میں ہیں۔ مکان سرگودھا ہے۔ [illegible]
بڑے محنتی اور مستقل مزاج ہیں۔

ا- آپ کے خورد سال فرزند فضل الرحمٰن ہیں۔

١٦٨- سلام الرحمٰن (المولد ١٩٢٩ء)

...ء میں تولد ہوئے۔ شعبہ برقیات میں ڈرافٹسمین ہیں۔

ا- فرید الرحمٰن المولد ١٩٥٧ء اور حافظ حسین المولد ١٩٦١ء آپ کے دو فرزند ہیں۔

١٦٩- قدرت اللہ (المولد ١٩٢٥ء) [illegible] ملازم تھے

مکان نمبر ٤٣ گلی نمبر ٥٢۔ سیواجی سٹریٹ کرشن نگر۔ لاہور

...ء میں تولد ہوئے۔ شعبہ برقیات لاہور میں بل ڈسٹری بیوٹر ہیں۔ قد نکلا ہوا، گورے چٹے اور خوش اخلاق ہیں۔

ب- آپ کے والد انعام الدین (١٨٨٧ء - ١٩٤٢ء) طویل القامت، عزلت پسند و دیندار بزرگ تھے۔
پولیس سے استعفاء دے کر ...میں دوکان کھولی ہوئی تھی۔ مولد و منشاء ...ہے۔

١٧٠- فخر الدین (١٨٨٧ء - ١٩٦٠ء) میرے دادا کے بھائی تھے + [illegible]

رسم بسم اللہ ادا ہوئی تھی کہ یتیم ہو گئے۔ اپنے بہنوئی خان بہادر پیرزادہ محمد حسین (باب ٢) کے پاس رہ کر میٹرک کیا۔ ١٩١٠ء میں ملازمت کا آغاز کیا اور ١٩٣٢ء میں گوڑگاؤں سے کلرک آف دی کورٹ کی اسامی سے ریٹائر ہو کر رہتک چلے گئے۔ گوڑگاؤں کی جامع مسجد حنفیہ بنوانے میں آپ کی ساعی کو دخل ہے۔ رہتک جا کر اسیسری اور عرائض نویسی کرتے رہے۔ قد میانہ، رنگ گندمی، متوسط جسم، لمبی ناک، پاک طینت، متواضع اور کریم النفس بزرگ تھے۔ خاندان کے کئی بچوں کو اپنے ہاں رکھ کر تعلیم دلائی۔ طبیعت شگفتہ تھی۔ آپ سے مل کر ہر ایک کو خوشی ہوتی تھی۔ پیدا ...میں ہوئے۔ انتقال ملتان میں ہوا۔ امین الرحمٰن (...) نے قطعہ تاریخ کہا: [illegible]

ز مرگ پیر فخر الدین صاحب — نہاں شد پیکر تمکین صد حیف
برائے سال رحلت ہاتف غیب — بگفتا "پیر فخر الدین صد حیف"

١٣٧٩ھ [illegible] - 6252

ا- پیرزادہ فخر الدین کے تین فرزند ہیں۔ خلف اکبر انتصار الدین ١٩٢٣ء میں بھوپال میں تولد ہوئے۔ کرکٹ اور شکار کا شوق رکھتے ہیں۔ جنرل ہیڈکوارٹرز راولپنڈی میں کلرک ہیں۔

رہائشی پتہ: ١٩٠٨ پنج بھاٹا۔ چونگی نمبر ٢٢ راولپنڈی۔

دوسرے فرزند محمد حسین عرف محمد میاں ١٩٣٠ء میں گوڑگاؤں میں پیدا ہوئے۔ تحریک پاکستان میں خوب حصہ لیا۔ ان کے چھوٹے بھائی ذکی الدین احمد المعروف بہ احمد میاں ١٩٣٦ء میں گوڑگاؤں میں پیدا ہوئے۔ دونوں بھائیوں کا مستقل پتہ یہ ہے:

مکان نمبر ۴۰۵۰ - وارڈ نمبر ١٠ حسین آگاہی روڈ۔ ملتان

سجاد احمد بن پیرزادہ الحاج محمد آطہ صدیقی

36 — اولاد محمد شاہ غوث بن شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ

مظفر احمد — محمد احمد، عرفان احمد (۱۷۳)، احسان احمد (۱۷۴)
محمد احمد — سردار احمد (۱۷۱)، آفاق احمد (۱۷۲)
منور احمد — شفیق احمد (۱۷۵)، نذیر احمد (۱۷۶)، شبیر احمد (۱۷۷)، سعید احمد (۱۷۸)
صدیق احمد (۱۷۹) — رضا احمد (الرکز ادھر) ۔
امیر احمد (۱۸۰) — سیرت کے کر بیٹھا / سمرانو احمد [illegible]
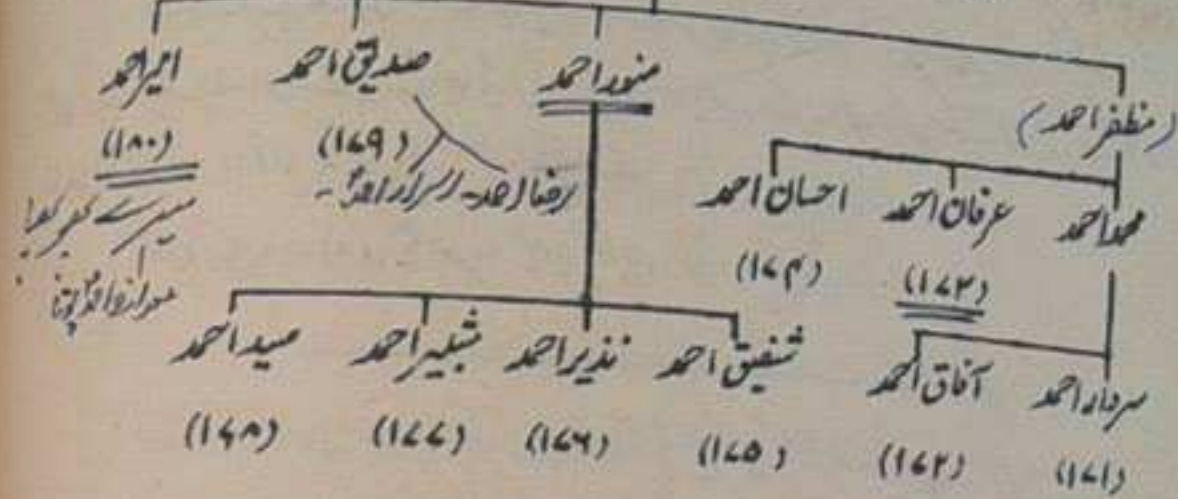
۱۷۱۔ سردار احمد (المولد ۱۹۱۴ء)

مکان نمبر ۵۔ رام گلی نمبر ۲۔ لاہور

مکان ہم رہا ہے۔ خاکسار تحریک میں حصہ لیتے رہے۔ لاہور میں پرچون کی دکان کرتے ہیں۔

ا۔ آپ کے فرزند مسعود احمد ہیں۔

ب۔ آپ کے والد پیرزادہ محمد احمد (۱۸۹۰-۱۹۲۱ء) قد متوسط ہلکے پھلکے خوش شکل نوجوان تھے۔ ترقی پسند مطالعہ تھا۔ مولد و منشا ہم ہے۔ ان کے والد خان بہادر پیرزادہ مظفر احمد فضلی کا باب ۶ میں ذکر ہو چکا ہے۔ خان بہادر صاحب کے والد پیر جی محمد شاہ غوث (۱۸۳۱-۱۹۱۵ء) عظیم الجثہ، طویل القامت، بلند آواز اور بارعب بزرگ تھے۔ مولد و منشا ہم ضلع رہتک ہے۔ پیر جی محمد شاہ غوث کے والد حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کا ذکر باب ۵ میں آ چکا ہے۔

۱۷۲۔ آفاق احمد (المولد ۱۹۲۰ء)

مکان نمبر ۵۔ رام گلی نمبر ۲۔ لاہور

ہم میں تولد ہوئے۔ ریلوے ٹریفک آفس لاہور میں اکاؤنٹس کلرک ہیں۔ کثیر الاحباب ہیں۔ ادبی ذوق رکھتے ہیں۔

۱۷۳۔ عرفان احمد (المولد ۱۹۲۲ء)

25-10-65

موضع پنڈی شیخ موسیٰ۔ براستہ ماموں کانجن تاندلیانوالہ۔ ضلع لائلپور

پیر عرفان احمد شاہ دہلوی۔ دہلی میں تولد ہوئے۔ میٹرک، ادیب فاضل اور افتخار الاطباء کے امتحانات پاس کئے ہوئے ہیں۔ آٹھ سال کے تھے کہ آپ کے والد بزرگوار نے مسند مشیخت پر بٹھا کر دستار بندی کرا دی اور سلسلہ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ اور مداریہ میں اپنا خلیفہ مجاز مقرر کیا۔

۱۷۴۔ احسان احمد (المولد ۱۹۲۹ء)

نیک سرشت نوجوان ہیں۔ غیر ممالک میں آپ کا بڑا کاروبار ہے۔ آپ کا شمار خاندان کے متمول اور خوش حال افراد میں ہوتا ہے۔

ا۔ ندیم احسان، نیر احسان اور یوسف احسان آپ کے فرزند ہیں۔

۱۷۵۔ شفیق احمد (المولد ۱۸۹۶ء)

شفیق اینڈ کو۔ مغل پورہ۔ لاہور

قد چھوٹا، بھاری بدن۔ میٹرک پاس ہیں۔ ضلعدار ہو گئے تھے۔ مستعفی ہو کر ٹھیکیداری کرنے لگے۔ دہلی میں دلّیوں کا چالو کاروبار اور بھرا گھر چھوڑ کر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آئے۔ مغل پورہ میں آپ کی فاؤنڈری (؟) نکلتی ہے۔ متواضع اور مستعد ہیں۔

ا۔ آپ کے پانچ فرزند ہیں۔ بڑے لڑکے ابرار احمد مجرد ہیں۔ دوسرے فرزند مختار احمد ۱۹۲۰ء میں تولد ہوئے۔ خوش شکل اور خوش پوش ہیں۔ تیسرے فرزند فرید احمد ۱۹۲۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے شریک کاروبار ہیں۔ شریف احمد المولد ۱۹۲۲ء اور خورشید احمد المولد ۱۹۲۷ء بھی دہلی میں پیدا ہوئے۔

ب۔ پیرزادہ شفیق احمد کے والد خان صاحب پیر منور احمد (۱۸۶۳-۱۹۴۲ء) ڈپٹی کلکٹر انہار تھے۔ بڑے مولّد دیانت دار اور کامیاب افسر تھے۔ دوران ملازمت سرگودھا، جھنگ، ملتان اور منٹگمری میں رہے۔ مطالعہ بڑا وسیع تھا۔ ریٹائر ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ بالاخانے سے شاذ ہی اترتے۔ آنریری مجسٹریٹ بھی تھے۔ کتاب ہر وقت ہاتھ میں رہتی۔ انتقال ہم میں ہوا۔ [illegible]

۱۷۶۔ نذیر احمد (المولد ۱۸۹۹ء)

۲۰ مایشور سٹریٹ۔ کرشن نگر۔ لاہور

اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھتے تھے۔ تحریک خلافت سے متاثر ہو کر کالج چھوڑ دیا۔ محکمہ ڈاک و تار میں ہیڈ کلرک تھے۔ ریٹائر ہو کر اب تمام وقت مطالعہ اور عبادت میں گزرتا ہے۔ خوش خلق، صلح کل ہیں۔

ا۔ آپ کے دو فرزند ہیں۔ بڑے فرزند سعید احمد ۱۹۲۱ء میں رہتک میں پیدا ہوئے۔ محکمہ برقیات میں جونیئر انجینئر ہیں۔ دوسرے فرزند ڈاکٹر سلیم احمد بی ایس سی، بی ٹی، ایم بی بی ایس ۱۹۳۲ء میں تولد ہوئے۔

۱۷۷۔ شبیر احمد (المولد م ۱۹۰ء)

لاولد ہیں۔

مرغوب محی شناسم - سجاد احمد

۱۷۸- **سید احمد** (المولد ۱۹۱۶ء) دہلی میں تولد ہوئے، شیریں زبان، خوش شکل و خوش پوش ہیں۔ شکار کا بڑا شوق رہا ہے۔ میٹرک پاس ہیں اور سوئی گیس ٹرانس مشن کمپنی کراچی میں کیشیر ہیں۔

ا- آپ کے چھ فرزند اور پانچ لڑکیاں ہیں۔ تمام فرزند دہلی میں تولد ہوئے۔ اخلاق احمد المولد ۱۹۴۰ء، افتخار احمد المولد ۱۹۴۱ء، مرغوب احمد المولد ۱۹۴۳ء، ظفر احمد المولد ۱۹۴۵ء، انوار احمد المولد ۱۹۴۶ء اور خالد عباس المولد ۱۹۴۷ء۔ پانچوں لڑکیاں پاکستان میں تولد ہوئیں۔

میرے والد کے خالو

۱۷۹- **صدیق احمد** (۱۸۸۰-۱۹۵۲ء) قد نکلا ہوا تھا جسم درمیانہ مگر مضبوط، چہرہ لمبوترا۔ اپنے والد کے خلیفہ مجاز تھے۔ مسکن جہلم تھا۔ تواضع اور غیرت آپ کے خاص اوصاف تھے۔ چھوٹے تو چھوٹے بڑوں کو بھی برائی پر ٹوک دیا کرتے تھے۔ خلافت تحریک میں قید بھی ہوئے۔ تحریک پاکستان کے پرجوش کارکن تھے۔ انتقال قصبہ بھون ضلع جہلم میں ہوا۔

ا- پیر صدیق احمد کے تین فرزند ہیں: خلف اکبر پیر رضا احمد ۱۹۰۲ء میں جہلم میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے خلیفہ مجاز ہیں۔ مجاہدانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ حد درجہ شگفتہ اور بے دھڑک انسان ہیں۔ دوسرے فرزند امیر الاحمد ۱۹۲۰ء میں جہلم میں پیدا ہوئے۔ میٹرک پاس ہیں۔ ڈپٹی کمشنر جہلم کے دفتر میں ملازم ہیں۔ تیسرے فرزند نثار احمد ۱۹۲۳ء میں جہلم میں پیدا ہوئے۔ فوج میں پی۔ ٹی۔ آئی تھے۔ اب بھون میں کپڑے کی تجارت کرتے ہیں۔

میرے پھوپھا سے منسوب محی شناسم

۱۸۰- **امیر احمد** (۱۸۸۱-۱۹۵۱ء) اپنے والد کے خلیفہ مجاز تھے۔ سلسلہ قادریہ میں مرید کرتے تھے۔ کراچی، کوئٹہ، سکھر، شکارپور، روہڑی وغیرہ میں قیام پاکستان سے بھی پہلے آپ کے مریدوں کی خاصی تعداد تھی۔ بڑے ہی نیک اور خوش رنگ تھے۔ ہر ایک کو بھائی کہہ کر خطاب کرتے۔ مسکن جہلم تھا۔ راولپنڈی میں انتقال ہوا۔ حافظ قرآن تھے۔

ا- الحاج حافظ پیر امیر احمد کے اکلوتے فرزند پیر تاج احمد (۱۹۰۷-۱۹۲۹ء) کا جہلم میں انتقال ہوا۔ آپ کے اکلوتے فرزند سراج احمد شجاع آباد میں اہلحدیہ ہیں۔

---

57 ——— اولاد شاہ محمد یونسؒ بن شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ

(۱۸۱)

(قطب زماں)

۱۸۱- **محمد یونس** (۱۸۵۶-۱۹۴۷ء) میری دادی کے ماموں بزرگوار - سجاد احمد

قد چھ فٹ، چھریرا بدن، رنگ سرخ و سپید، سر، داڑھی، مونچھیں اور بھنویں سب صاف رکھتے۔ بنا کرتا اور جوگیا رنگ کا تہبند۔ سر ننگا رکھتے یا جوگیا رنگ کی پگڑی پہنتے۔ نری کا جوتا اور ہاتھ میں عصا رکھتے۔ پان کثرت سے کھاتے۔ ملامتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے۔ اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی اور دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاؒ کے عرسوں کے موقعوں پر آپ کے ہاں محفل سماع منعقد ہوتی۔ آپ کے ارادت مندوں کا حلقہ تمام برصغیر پاک و ہند میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ کے مریدین میں آپ کی وہ عزت تھی جو ایک انسان ایک انسان کی کر سکتا ہے۔ قیام پاکستان سے آٹھ دس سال پیشتر اگر آپ سے کوئی رشتہ دار آپ کی عمر پوچھتا تو فرماتے کہ میں انگریزوں کی حکمرانی میں نہیں مروں گا۔ بہادر شاہ ظفر کے عہد میں پیدا ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد راولپنڈی میں انتقال ہوا۔ لوح قبر کا کتبہ ہے۔

۷۸۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتبہ محترم و متبرک، تاریخ وفات حسرت آیات حضرت قبلہ سیدی و مرشدی قبلہ حاجات درجہاں، کعبہ مرادات جاودانی، حضور پُرنور جناب شاہ محمد یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بمقام راولپنڈی ۱۷ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء کو وصال ہوا۔

ا- حضرت شاہ محمد یونسؒ کے منجھلے فرزند محمد محمود تھے۔ ۱۹۲۶ء میں دہلی میں پرچون کی دکان کرتے تھے۔ اس وقت بھی معمر تھے۔ انتقال ہو چکا ہے۔ آپ کے ایک فرزند بھی بتائے جاتے ہیں۔ شاہ محمد یونس کے دوسرے فرزند حکیم محمد عاشق ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ دہلی مسکن تھا۔ آپ کے تین فرزند ہیں۔ محمد علی دہلی میں ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے۔ دوسرے فرزند شوکت علی ۱۹۳۶ء میں اور تیسرے نواب علی ۱۹۴۰ء میں پیدا ہوئے۔

حکیم محمد مشرق - پتہ: مکان نمبر ایک قطار نمبر ۶، بلاک نمبر ۲۲ ناظم آباد، کراچی

شاہ محمد یونس کے تیسرے فرزند حکیم محمد معشوق ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ مسکن دہلی تھا
اب کراچی میں ہیں۔ آپ کے چھ فرزند ہیں۔
واصف علی المولود ۱۹۳۶ء، عارف علی المولود ۱۹۳۵ء، عرفان علی المولود ۱۹۲۰ء،
زرفان علی، رضوان علی اور سلمان علی۔ پتہ مکان ۱/۱ ۶ بلاک ۲۲
ناظم آباد۔ کراچی

اولاد ہمت اللہ بن مشیخت مآب صلاح آثار شیخ محمد مدنی طیب —38

فیض محمد
محمد ثابت
فیض بخش
علی بخش
بو علی بخش

سلطان احمد (۱۸۲) — بشیر احمد (۱۸۳)

۱۸۲۔ سلطان احمد المولود ۱۸۹۳ء

مکان نمبر ۳ سوامی نگر۔ گرانڈ ٹرنک روڈ۔ لاہور

بریلی میں تولد ہوئے۔ قد میانہ، رنگ گندمی۔ خوش طبع اور ذہین ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں بمقام
بریلی ریلوے میں ملازم ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں لاہور میں ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر
کے بریلی سے پاکستان آ گئے۔

آپ کے دو فرزند ہیں۔ خلف اکبر سجاد احمد ۱۹ مئی ۱۹۱۹ء کو بریلی میں تولد ہوئے۔ بریلی
سے ۱۹۳۶ء میں انٹرمیڈیٹ پاس کیا۔ خاکسار تحریک میں سالار تھے۔ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا
مسلم لیگ نے لاہور میں وہ تاریخی اجلاس منعقد کیا جس میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی۔ اس
اجلاس سے چار روز پہلے ۱۹ مارچ کو لاہور میں تمام برصغیر کے خاکساروں نے جمع ہو کر مظاہرہ
کیا۔ پولیس نے ان پر گولی چلائی۔ متعدد خاکسار شہید ہوئے۔ یہ وہ سانحہ تھا جس کے بعد
خاکسار تحریک پنپ نہ سکی۔ اس مظاہرے میں سجاد احمد بھی شامل تھے جس کے نتیجہ پر آپ
لاہور اور ملتان کی جیلوں میں ایک سال قید رہے۔ آپ نے ۱۹۴۷ء میں پنجاب سے بی اے
کیا اور اگلے سال ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ اب شعبہ سٹورز میں ہیں۔ بڑے ہی مستعد اور
درد رکھنے والے نوجوان ہیں۔

سلطان احمد کے دوسرے فرزند الطاف احمد ۱۹۲۴ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک
کرنے کے بعد رسول ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ لاہور سے میکینیکل انجینئرنگ کا ڈپلوما لیا اور اب محکمہ
انہار میں اوورسیر ہیں۔

ب۔ سلطان احمد کے والد بوعلی بخش (م ۱۸۴۳ء - ۱۹۲۰ء) سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں نواب
بہادر خاں کی فوج میں انگریزوں کے خلاف لڑ کر زخمی ہوئے۔ اس وقت ان کی تیئیس سال عمر تھی۔
ملکہ وکٹوریہ کے اعلان معافی کے بعد مصلحتاً پولیس میں ملازم ہوگئے۔ کسی اچھے عہدے پر پہنچے
ذہنی طور پر انگریزوں سے لگاؤ نہ تھا۔ اس لئے ملازمت ترک کرکے ٹھیکیداری کرنے لگے۔ قد
میانہ تھا، اور رنگ گندمی۔ چھیاسی سال کی عمر میں بریلی میں انتقال ہوا۔

بوعلی بخش کے والد علی بخش اور دادا فیض بخش تھے۔ فیض بخش ہیم سے ترکِ سکونت
کرکے بریلی گئے (بریلی میں اپنے ہی خاندان کے ایک خدا رسیدہ اور فاضل بزرگ محمد اکرم
ولد قاضی مکرم (باب ۲) نے اپنا مدرسۃ العلوم قائم کیا تھا۔ یہ بزرگ شاہ عبدالعظیم مجیبی
کے خسر تھے اور بریلی میں مرجع خاص و عام تھے۔ یہ اب سے پورے دو سو سال پہلے کی
بات ہے) شیخ امداد الحق اپنے معیار الانساب میں لکھتے ہیں: "فیض بخش در بانس بریلی سکونت
اختیار کردند"۔ یہ نقل مکانی غالباً اٹھارھویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں ہوئی۔ سلطان احمد
کا بیان ہے کہ ان کے چچازاد بھائی محمد علی اور غلام محمد ابنائے نبی بخش بن فیض بخش بھی بریلی
میں تھے لیکن اب ان کی نسل میں سے کوئی نہیں۔

فیض بخش کے والد محمد ثابت کی گواہی "گواہ شد محمد ثابت ولد شیخ فیض محمد بادزنہ" ہمارے
پاس ایک بیع نامہ پر محفوظ ہے جو ہیم میں ۱۹ر شوال سنہ ۱۱۵۰ھ ۲۹ر جنوری سنہ ۱۷۳۸ء کو لکھا گیا۔
محمد ثابت کے والد فیض محمد عرف فیضی سے متعلق ہمارے پاس سنہ ۱۱۱۳ھ سے سنہ ۱۱۵۶ھ
تک کے سات کاغذات محفوظ ہیں۔

فیض محمد کے والد ہمت اللہ تھے۔ قسمت نامہ جائداد جو سنہ ۱۰۹۳ھ کے بعد کا لکھا ہوا ہے
اس میں آپ کا حلیہ اس طرح درج ہے: "گندم رنگ۔ فراخ پیشانی، کشادہ ابرو، بیش چشم،
بلند بینی، ایک زخم بر پیشانی، ایک داغ چیچک زیر چشم جانب راست، ریش دبرودت سیاہ،
میانہ قد، تخمیناً ۳۵ سالہ" یعنی عمر تقریباً پینتیس سال۔ ۴ر رجب سنہ ۱۰۹۷ھ کا وہ کاغذ بھی

۱۔ شیخ فیضے بخطہ، شعبان سنہ ۱۱۱۳ھ ۲۔ شیخ فیضے ولد ہمت اللہ بادزنہ ۲۰ر ربیع الثانی سنہ ۱۱۲۰ھ
۳۔ شیخ فیضے بادزنہ ۱۱ر صفر سنہ ۱۱۳۱ھ میلادی ۱۱۲۱ھ ۴۔ شیخ فیض محمد بخطہ ۱۲ر ربیع الاول سنہ ۱۱۳۰ھ
۵۔ فیض محمد ولد شیخ ہمت اللہ بادزنہ غرہ ربیع الآخر سنہ ۱۱۴۳ھ و ۷ر شعبان سنہ ۱۱۵۰ھ
۶۔ فیض محمد ولد شیخ ہمت اللہ بخطہ ۴ر رجب سنہ ۱۱۵۶ھ

نہایت شکستہ حالت میں موجود ہے جس کی رُو سے شیخ ہمت اللہ وغیرہ نے اپنے دادا کی سکنی
اور زرعی جائداد تقسیم کی۔ نیز ہمارے پاس سنہ ۱۰۷۱ھ ۱۶۶۱ء سے سنہ ۱۱۰۰ھ ۱۶۸۹ء عہد عالم گیری کے ایسے
چار کاغذات محفوظ ہیں جن پر آپ کی گواہی ہے۔ گواہی دیتے وقت آپ کا نام ہر جگہ ہمت خاں
لکھا ہے۔ متن میں ہر جگہ ہمت اللہ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو خان کا خطاب
دیا گیا تھا۔

ہمت اللہ المخاطب بہ ہمت خاں کے والد شیخ محمد مداری خطیب پرگنہ ہیم تھے۔ ہمارے
پاس ۱۰ر جمادی الآخر سنہ ۱۰۷۰ھ ۱۶۶۰ء کا وہ اقرار نامہ تقسیم زمین موجود ہے جس کی رُو سے
شیخ محمد مداری اور ان کے بھائیوں نے اپنے مرحوم والد کا ترکہ تقسیم کیا۔ اس پر آپ کے
دستخط ہیں۔ العبد مداری ولد شیخ جہانگیر خطیب بخطہ۔ ہمارے پاس وہ قسمت نامہ بھی محفوظ
ہے جس کی رو سے باپ کی سکنی جائداد تین بھائیوں میں تقسیم ہوئی اور شیخ مداری کے حصے
میں دو باٹے اور ایک سو ایک روپیہ آیا۔ یہ قسمت نامہ ۱۱ر محرم سنہ ۱۰۷۰ھ کا ہے۔ اس پر
آپ کے دستخط شیخ مداری ولد شیخ ابوالغیث عرف شیخ جہانگیر خطیب بخطہ ہیں اور آپ کی
مُہر "بندہ درگاہ مداری" بھی اس پر لگی ہوئی ہے۔ یہی دستخط اور یہی مُہر ۴ر محرم سنہ ۱۰۷۰ھ کے قسمت نامہ
پر لگی ہے۔ ہمارے پاس شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے ۱۹ر جمادی الثانی سنہ ۱۰۷۴ھ اور
۱ر رجب سنہ ۱۰۷۵ھ کے وہ اصل فرامین شاہی محفوظ ہیں جن کی رُو سے مشیخت مآب صلاح آثار
شیخ مداری خطیب کی وجہ مدد معاش کی تصدیق ہے اس میں لکھا ہے کہ انہیں دس بیگھہ زمین
۱۹ر صفر سنہ ۱۰۵۰ھ کو مدد معاش کے طور پر دی گئی تھی وہ حیات ہیں اور اپنی زمین پر قابض ہیں۔
مشیخت مآب صلاح آثار شیخ محمد مداری خطیب پرگنہ ہیم کے والد مولانا ابوالغیث عرف
جہانگیر خطیب تھے۔ ہمارے پاس شہنشاہ اکبر کے عہد کا ۴ر جمادی الاول سنہ ۱۰۰۸ھ ۱۵۹۹ء
کا وہ قسمت نامہ محفوظ ہے جس کی رُو سے شیخ شاہ محمود و نعمت اللہ و خواجہ حافظ و جہانگیر
پسران مرحومی شیخ جیو نے اپنے مرحوم والد کا ترکہ تقسیم کیا۔ عہد شاہجہانی ۱۵ر جمادی الثانی
سنہ ۱۰۴۰ھ کے ایک ہبہ نامہ پر آپ کی گواہی ہے۔ گواہ شد شیخ جہانگیر ولد شیخ جیو بادزنہ۔ ۱۹ر
رجب سنہ ۱۰۳۰ھ ۹ر دسمبر سنہ ۱۶۲۱ء کو آپ نے کچھ چاہی زمین آٹھ روپے میں خریدی۔ یہ

۱۔ ہمت اللہ خاں ولد شیخ مداری خطیب بادزنہ ۱۱ر محرم سنہ ۱۰۷۰ھ، ۱۰ر ربیع الثانی سنہ ۱۰۷۵ھ، مورخہ ۲ر جمادی الثانی سنہ ۱۰۷۹ھ
۲۔ ہمت خاں ولد شیخ مداری بادزنہ ۱۴ر محرم ۱۰۷۲ھ

یہ کاغذ بھی محفوظ ہے۔

مولانا ابوالغیث عرف جہانگیر کے والد منتخبۃ المشائخ العظام قاضی شیخ محمد جیو خطیب و متولی تھے۔ محمد نام تھا۔ لفظ تعظیم جیو (جی) کثرتِ استعمال سے جزوِ نام ہی نہیں بلکہ نام بن گیا۔ فرمانِ اکبری مجریہ ذیقعد ۹۶۲ھ ۱۵۵۵ء کی رُو سے منتخبۃ المشائخ العظام شیخ جیو و جماعۃ کو ۴۵۵ بگھہ اراضی ملی۔ ایک بگھہ ⅝ ایکڑ کے برابر ہوتا ہے۔ آپ کا انتقال ۱۲ جمادی الاول ۱۰۰۰ھ سے پہلے ہوا۔

قاضی محمد جیو خطیب کے والد مولانا محمد جمال خطیب و متولی پرگنہ ہم تھے۔ ۱۷ صفر ۹۹۸ھ ۱۵۹۰ء کے ایک بیع نامہ پر آپ کی مہر "شیخ جمال ابن محمود حاکم شرع شلجون و ددو" موجود ہے۔ یعنی آپ پرگنہ ہم کے سرکاری طور پر حاکم شرع تھے۔ ذی الحجہ ۹۷۳ھ ۱۵۶۶ء کے ایک بیعنامہ پر خطِ طغرا میں آپ کے دستخط "کتبہ العبد الضعیف شیخ جیو جمال ابن محمود خطیب صدیقی الیمنے محمدی" موجود ہیں۔ اس میں الیمنے اچھی طرح پڑھا نہیں جاتا۔ شاید المیمے ہو۔

مولانا محمد جمال، مولانا محمود خطیب و متولی کے فرزند اور مولانا بہاؤالدین خطیب و متولی کے پوتے تھے۔ مولانا بہاؤالدین کی اولاد میں سے اب سے ڈیڑھ سو سال پہلے پچاس سے زیادہ افراد تھے جن کی اولاد کی تعداد اب ہزاروں تک پہنچنی چاہیے تھی مگر مردیکے بعد دیگرے اس طرح لا ولد فوت ہوئے یا اولادِ نرینہ سے محروم گئے کہ اب اولادِ مولانا بہاءالدین میں سے بچے، بڑے، ذکور و اناث سب مل کر کل نو افراد ہیں جب کہ مولانا بہاؤالدین کے بھائی محمد سلیمان میر عدل کی اولاد سے اس وقت تین سو اکیاون افرادِ حیات ہیں۔ مولانا بہاؤالدین کے والد مولانا کمال الدین المخاطب بہ کمال خاں اور ان کے اجداد کا ذکر باب ۳ میں کیا جا چکا ہے۔

پس سلطان احمد کا کرسی نامہ یہ ہوا: سلطان احمد بریلوی ثم لاہوری ولد ابو علی بخش ولد علی بخش ولد فیض بخش ہیمی ثم بریلوی ولد محمد ثابت ولد فیض محمد ولد ہمت اللہ المخاطب بہ ہمت خاں ولد شجنیت مآب صلاح آثار شیخ محمد داری خطیب پرگنہ ہم ولد مولانا ابوالغیث عرف جہانگیر ولد منتخبۃ المشائخ العظام قاضی شیخ محمد جیو خطیب و متولی ولد مولانا محمد جمال خطیب ولد مولانا محمود خطیب ولد مولانا بہاءالدین خطیب ولد مولانا کمال الدین المخاطب بہ کمال خاں خطیب، متولی و میر عدل ولد مولانا غیاث الدین خطیب، متولی و میر عدل

ولد مولانا ظہیر الدین خطیب، متولی و میر عدل ولد مولانا کبیر الدینؒ۔ اوّلین خطیب و متولی و میر عدل پرگنہ ہم ولد زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین جھنجیری ثم رہتکی۔

۱۸۲- **بشیر احمد**

عمر پچپن سال کے قریب بتائی جاتی ہے۔ غالباً بمبئی میں قیام ہے۔ لا ولد ہیں۔ ابو علی بخش مرحوم کی تیسری بیوی سے ہیں۔

[illegible] الحاج محمد اظہر صدیقی

باب ۹

اولادِ مشیخت مآب شیخ محمد امجد رہتکی

خاندان کے شجروں اور نسب ناموں میں ایک ایسی شاخ کا اندراج بھی ہے، جس کا سلسلہ اوپر تک نہیں ملتا۔ شیخ امداد الحق نے معیار الانساب کے آخیر میں جداگانہ شیخ امجد کی شاخ کا سلسلہ اپنے عہد تک درج کیا ہے۔ انہوں نے امجد سے اوپر زبدۃ الاولیا قاضی قوام الدین تک کوئی نام نہیں لکھا اور امجد کے فرزند کا نام امجد علی ان کے بیٹے کا نام برہان علی اور ان کے بیٹے کا نام سبحان علی لکھا ہے۔

محمد الیاس آثم (۳۰ ب) نے اپنے خاندان کے نسب نامہ کی تکمیل ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۶ء میں کی۔ انہوں نے اپنے مرتبہ نسب نامہ میں شیخ امجد کی شاخ کا سلسلہ معیار الانساب سے نقل کرنے کے بعد اپنے زمانہ تک پورا کر دیا ہے۔ نسب نامہ کے علاوہ محمد الیاس آثم نے ایک شجرہ بھی مرتب کیا تھا یعنی اس میں صرف ذکور کے نام درج کئے۔ اس میں انہوں نے شیخ امجد کی شاخ کا بھی شجرہ لکھا۔ اس مطبوعہ شجرہ میں انہوں نے شیخ امجد کے بیٹے کا نام امجد علی نہیں بلکہ برہان علی لکھا اور برہان علی کے بیٹے کا نام سبحان علی لکھا اور ساتھ ہی یہ نوٹ بھی دیا یہ شجرہ قاضی قوام الدین تک مکمل نہیں ملتا لیکن ان کا قاضی قوام الدینؒ کی اولاد سے ہونا مسلمہ ہے۔

محمد الیاس آثم کے بعد ۱۳۷۶ھ میں الحاج کفیل احمد الماس یمانی (۵۱) نے شجرۂ الماس جمع کر دیا۔ انہوں نے شیخ امجد کو قاضی اشرف بن قاضی احمد بن قاضی محمد اسحاق بن قاضی بایزید بن قاضی حامد بن قاضی محمد بن قاضی ہدایت اللہ بن قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدین بن قاضی قوام الحق والدینؒ کا فرزند تسلیم کر کے اس شاخ کا شجرہ مکمل کر دیا اور ثبوت میں لکھا:

شیخ امجد کی شاخ کا الحاق، اس کی مزید تحقیق جناب ظفر الحسن صاحب قصبہ محمدی سے ملی ہے جو کہ موصوف نے مولوی سراج الحق بن مولوی فیاض الحق مرحوم و اپنے والد بزرگوار محمد احسن مرحوم کے قلمی ذخیرہ سے کی ہے۔ الحاق صحیح ہے۔ صرف برہان علی اور علی اصغر کی ترتیب میں اختلاف واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ظفر الحسن (۱۰۵) نے محمدی سے نسب نامہ سراج اور نسب نامہ احسن الحاج الماس یمانی کے مطالعے کے لئے کراچی بھیجے تھے۔ ان نسب ناموں کے مطالعہ کے بعد خود ظفر الحسن بھی اس خیال کے تھے کہ شیخ امجد کے والد قاضی اشرف بن قاضی احمد تھے۔ مجھے اس تحقیق کو تسلیم کرنے میں تامل تھا کیونکہ یہ امر قطعی ہے کہ قاضی اشرف کے صرف دو فرزند تھے جن کے نام قوام الدین اور علی اصغر تھے اور یہ دونوں لاولد فوت ہوئے۔ چنانچہ میں نے ظفر الحسن صاحب کے نام خط لکھا کہ نسب ناموں کا بغور مطالعہ کیا جائے اور فلاں فلاں باتوں کو پیش نظر رکھا جائے۔ ظفر الحسن صاحب نے نسب ناموں کا پھر سے مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ مذکورہ نسب نگاروں نے قاضی اشرف کے وہی دو بیٹے لکھے تھے جن کا نام ابھی ابھی نام درج کر آئے ہیں۔ یعنی قوام الدین اور علی اصغر۔ بعد میں کسی اور نے ایک تیسرے بیٹے کا نام شیخ امجد لکھ دیا۔ ظفر الحسن میرے نام اپنے مکتوب گرامی محررہ ۲۲ جولائی ۱۹۶۳ء میں لکھتے ہیں:

...... اب شیخ امجد کا حال لکھ رہا ہوں۔ شجرہ احسن میں میں نے قاضی اشرف علی کا نام نکالا۔ اس میں والد صاحب (یعنی قاری محمد احسن) کے قلم سے ان کی اولاد صرف دو درج ہیں۔ قوام الدین و علی اصغر اور امجد علی دوسری روشنائی اور دوسرے کے قلم سے لکھا گیا ہے۔ اولاد کے خانے میں (۱، ۲) بھی لکھا ہے مگر امجد علی صاحب کے نام پر نمبر ۳ بھی درج نہیں ہے۔

شجرہ سراج میں اشرف علی صاحب کی اولاد کے خانہ میں پنسل سے امجد علی تیسری اولاد لکھی ہے۔

شجرہ احسن میں ایک صفحہ پر امجد صاحب (اب ج د) کا نام جداگانہ نکلتا ہے جس پر درج ہے کہ امجد کے والد کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ اور ان کی اولاد امجد علی صاحب درج کی گئی ہے اور امجد علی صاحب کی اولاد درج ہے۔

میرا خیال ہے کہ جو شجرہ آپ کو ملا ہے اور اس میں شیخ امجد صاحب کی ولدیت علی اصغر لکھی ہے وہ ہی صحیح ہے۔ حقیقت میں اس سے قبل تصدیق نہ ہو سکی۔"

محمد احسن الدین (۱۹۳) شیخ محمد امجد کی شاخ سے ہیں۔ ان کے پاس جو کاغذات محفوظ ہیں ان میں ایک بیعنامہ کی مصدقہ نقل ہے جس پر ۱۰۷۶ھ کی مہر ہے۔ اس میں شیخ امجد کے والد کا نام شیخ اصغر لکھا ہے، "مشیخت مآب شیخ امجد و شیخ عماد ابنائے شرافت مآب شیخ اصغر متقب" زیادہ امکان یہ ہے کہ شیخ امجد وہی ہیں جن کی اولاد کا تذکرہ اس باب میں کیا جا رہا ہے۔ تاہم قدیم تحریروں سے نتائج اخذ کرنے میں جس احتیاط کی ضرورت ہے اس کے پیش نظر مزید ثبوت کی غیر موجودگی میں اس امکان کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ "مشیخت مآب شیخ امجد بن شرافت مآب شیخ اصغر متقب" کوئی اور ہم نام و ہم عصر بزرگ ہوں۔

شیخ امجد کے آباؤ اجداد کے نام معلوم کرنے کے ابھی تک امکانات باقی ہیں۔ اس بارے میں آئندہ کے محققین ان امور کو نظر انداز نہ کریں۔

۱۔ شیخ امجد اور ان کے احفاد کا مسکن قلعہ رہتک تھا۔

۲۔ اس شاخ کی نجابت اور شرافت مسلّمہ ہے۔ احمد شاہ بادشاہ کے عہد حکومت کے ایک بیعنامہ میں شیخ امجد کی اولاد کو ایک جگہ "قوم شیخ زادہ صدیقی ساکن قصبہ رہتک" لکھا ہے۔ ۱۵/ ذیقعدہ سنہ ۲ جلوس یعنی سنہ ۱۱۶۲ھ ۳ ستمبر سنہ ۱۷۴۹ء کے اس بیعنامہ پر محمد برہان پسر شیخ امجد اور فضل علی ولد عبدالسبحان کے دستخط ہیں اور قاضی شہر کی مہر لگی ہوئی ہے۔

۳۔ شیخ امجد کے زمانہ میں مولانا کبیر الدینؒ بن زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین اور قاضی عماد الدینؒ بن مولانا افتخار الدینؒ بن زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ کی تمام اولاد صرف قصبہ ہم میں رہتی تھی۔ ان دو بزرگوں کی اولاد میں سے اس وقت تک کوئی بزرگ قلعہ رہتک میں مستقلاً اقامت پذیر نہیں ہوا۔ ان دونوں بزرگوں کی اولاد کا شجرہ بلا اشتباہ مکمل و مرتب ہے اور شیخ امجد حتمی طور پر ان دو بزرگوں کی نسل سے نہ تھے۔ قاضی عماد الدین موصوف کی اولاد سے اولین بزرگ مولوی فخر الدین بن عبدالکریم (باب ۲ ذکر شاہ بدر الدینؒ) تھے جو شیخ امجد مذکور کی وفات کے بعد عہد محمد شاہ بادشاہ میں اپنے وطن ہم سے ترک سکونت کر کے قلعہ رہتک میں آباد ہوئے۔

۴۔ اگر شیخ امجد زبدۃ الاولیاء قاضی قوام الدینؒ کی نسل سے تھے۔ تو یہ قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدین بن زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ کے بھائی کے احفاد سے ہو سکتے ہیں۔ مولانا افتخار الدینؒ کے دو فرزند تھے۔ ایک عماد الدین جو پرگنہ ہم کے قاضی مفتی

اور عقب بن کر رہتک سے سنہ ۱۲۸۶ھ میں ہم چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ان کے احفاد بھی ہم میں ہی بستے ہیں۔ مولانا افتخار الدین کے ایک اور فرزند تھے جو قلعہ رہتک ہی میں بستے رہے۔ اور وہیں ان کی اولاد آباد رہی۔ ان فرزند کا اور ان کی اولاد کے نام اپنے خاندان کے شجرہ میں نہیں کیونکہ شجرہ ہم میں لکھا جاتا رہا۔ دو بھائیوں کی اولاد میں صرف بیس میل کے فاصلہ پر ہونے کے باوجود یہ بُعد کوئی انوکھی بات نہیں ممکن ہے یہ دو بھائی دو ماؤں سے ہوں یا ابتداء میں باہمی اختلاف اس نوعیت کا ہو کہ ان کی اولاد ایک دوسرے کے حالات سے بے خبر ہو گئی۔ الحاج قاری مفتی حبیب اللہ ثانی رہتکی (باب ۲) نے سنہ ۱۳۱۱ھ میں اپنی تصنیف امداد حبیبیہ اور حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکی (باب ۳) نے سنہ ۱۳۰۲ھ میں اپنی تصنیف اسناد الاشجار میں مولانا افتخار الدین موصوف کے دو فرزند بتائے ہیں، ایک قاضی عماد الدینؒ اور دوسرے کا نام نہیں لکھا۔ مگر دونوں نے اتنا لکھا ہے کہ ان نامعلوم الاسم فرزند کی اولاد ان کے زمانہ میں قلعہ رہتک میں آباد ہے۔ زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ کے بھتیجے بندگی شیخ موسیٰ کی اولاد گڑھ مکتیسر میں آباد تھی۔ سنہ ۱۹۲۲ء میں اولاد بندگی شیخ موسیٰ کا شجرہ طبع ہوا۔ اس مطبوعہ شجرہ میں بھی مولانا افتخار الدین کے دو فرزند لکھے ہیں۔ ایک کا نام عماد الدین لکھا اور دوسرے کے نام کی جگہ نامعلوم الاسم لکھا ہے۔

۵۔ اس بارے میں قدیم کاغذات سے کچھ روشنی پڑ سکتی ہے جو موجود ہیں مگر ہماری نظر سے نہیں گزرے۔ یہ قدیم تحریریں عقیل الدین (۱۵۰)، امید علی (۱۳۰ ال)، محمد اختر (۱۹۰) اور مولوی ذاکر علی صاحب ساکن کراچی از اولاد حافظ انور علی صاحب مرحوم رہتکی کے پاس ہو سکتی ہیں مگر قدیم تحریروں کو بڑی احتیاط سے پڑھنا چاہیئے۔ ان سے نتائج اخذ کرنے میں ماہروں کو بھی ٹھوکر کھاتے دیکھا ہے۔ ہر قدیم تحریر سند نہیں ہوتی۔ خود اپنے خاندان کو لیجئے۔ اس معروف، مقتدر، ذی علم اور باعزت خاندان کے نہایت ہی معتبر تفصیلی نسب نامے موجود ہیں با ایں ہمہ اسی خاندان سے دو افراد اپنے آپ کو سید لکھتے ہیں کیونکہ ان کی مائیں سیدانیاں ہیں۔ اب ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں جب سو دو سو سال پرانی ہو جائیں گی تو بطور سند استعمال ہوں گی۔ ایسی تحریروں کی لغویت کی نشاندہی کے لئے بڑی مہارت کی ضرورت ہے۔

٣٩ — اولاد شیخ محمد امجد رہتکی

- شیخ محمد امجد رہتکی
  - محمد برہان
  - عبد السبحان
    - فضل علی
      - ظفر علی
        - حکیم ببر علی
          - علیم الدین
            - جمال الدین
              - انتظام الدین
                - محمد انعام (١٨٤)
                - محمد اکرام (١٨٥)
            - سخاوت علی
              - منظور علی (١٨٦)
            - فیروز الدین (١٨٧)
          - پیر علی (١٨٨)
          - احمد علی (١٨٩)
          - ولایت علی (١٩٠)
          - اسد علی (١٩١)
          - حفیظ الدین (١٩٢)
        - جلال الدین
          - جمال الدین
            - ناصر الدین (١٩٣)
            - فلاح الدین (١٩٤)
        - سعادت علی
          - عباس علی
            - صادق علی
              - محمد فاروق (١٩٥)
  - نظام الدین

یہ شیخ امجد رہتکی کی شاخ کا پورا شجرہ نہیں۔ اس میں بعض ان افراد کے نام نہیں لکھے گئے جن کا سلسلہ اولاد نرینہ جاری نہیں۔ نیز اس شجرہ میں ہم نے قلتِ معلومات کی بنا پر اپنی اس ترتیب سے انحراف کیا ہے جو ہم نے ابواب ۶ اور ۸ میں اختیار کی ہے۔ ابواب ۷ اور ۸ میں خطوط وحدانی میں اردو طرزِ انشا میں جو اعداد لکھے گئے ہیں ان سے مراد ہے کہ جو حضرات ۱۹۴۷ء میں اپنے اپنے کنبہ کے سرپرست کی حیثیت سے حیات تھے۔ مگر شجرہ بالا میں (۱۸۷) سے (۱۹۲) تک کے بزرگ کے افراد اس سن میں وفات پا چکے تھے۔

مشیتِ ایزدی، شیخ امجد کی اولاد سے اس وقت سو، سوا سو کے قریب افراد ہوں گے جن میں سے زیادہ تر جودھپور میں مقیم ہیں۔ جودھپوری شاخ میں سے ہیں صرف محمد اختر بن عبد الواحد ولایت علی (۱۹۰) کے حالات معلوم ہیں۔ باقی سب نام شجرہ الماس سے نقل کئے ہیں۔

۱۸۴۔ محمد انعام
مکان نمبرہ ۱۷/۵-۲ فیض محمد روڈ۔ کوئٹہ
کنٹرول برانچ آرڈننس ڈپو کوئٹہ میں کلرک ہیں۔
۱۔ شفیق پرویز آپ کے فرزند ہیں۔
(ب) محمد انعام کے والد انتظام الدین بڑے شگفتہ انسان تھے۔ سب پوسٹ ماسٹر تھے۔ گوہانہ ضلع رہتک میں جوانی ہی میں غالباً ۱۹۲۸ء میں انتقال ہوا۔

انتظام الدین کے والد صوفی جمال الدین درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ سرمہ فروخت کیا کرتے تھے۔ مزار شاہ ولایت واقع قلعہ رہتک کے متولی تھے۔ ہر وقت مسجد شاہ ولایت کے حجرے ہی میں ذکر کرتے رہتے اور چاہتے تھے کہ اور لوگ بھی وہاں ان کی طرح مشغولِ ذکر رہیں۔ اس کے لئے وہ وقت بے وقت اذان دیتے رہتے۔ ہم نے بھی دن کے دس بجے اور رات کے بارہ بجے انہیں اذانیں دیتے سنا ہے۔ ریلوے سٹیشن رہتک پر چلتی ریل میں سوار ہونے لگے کہ پیر پھسل گیا اور ریل کے پہیوں کے نیچے آ گئے۔

صوفی جمال الدین کے والد علیم الدین کا رہتک میں انتقال ہوا۔ علیم الدین کے والد حکیم ببر علی اپنے عہد کے نامی گرامی طبیب تھے۔ رہتک مسکن تھا۔ پھر مہاراجہ جودھپور کے طبیب مقرر ہوئے۔ جودھپور جا کر انہوں نے ایک خاتون سے دوسری شادی کر لی جس سے پانچ فرزند ہوئے ان بابوں کا ذکر اسی باب میں (۱۸۸) سے (۱۹۲) نمبروں پر ہوگا۔ جودھپور میں حکیم ببر علی نے بڑی شہرت حاصل کی اور بڑی دولت پیدا کی۔ شاید یہ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے پیشتر جودھپور چلے گئے تھے۔

حکیم ببر علی کے والد ظفر علی تھے۔ ان کی شادی مسمات امام النساء بنت جمال الدین بن مولوی صدر الدین (۱۰۰ ب) سے ہوئی تھی۔ آپ کی مہر "شیخ ظفر علی ولد شیخ فضل علی ۱۲۲۵ھ ساکن قلعہ رہتک" ۲۱ جمادی الاول ۱۲۳۶ھ/۱۸۲۱ء کی تحریر پر ہمارے پاس ہے۔

ظفر علی کے والد فضل علی کی مہر "فضل علی ولد عبد السبحان" احسن الدین (۱۹۳) کے پاس ایک بیعنامہ پر محفوظ ہے۔ یہ بیعنامہ ۱۵ ذیعقد ۱۱۶۷ھ/۳ ستمبر ۱۷۵۴ء کو لکھا گیا۔ اس کی رو سے فضل علی اپنی تین بہنوں اور محمد برہان و نظام الدین پسران شیخ امجد و بی بی صاحب جمال بنت شیخ امجد نے کچھ زرعی زمین ساٹھ روپے میں مولوی بدیع الدین ولد مولوی فخر الدین (۱۱۵ ب) کو فروخت

ی۔ احسن الدین (۱۹۲۳ء) کے پاس ایک اور بیعنامہ پر آپ کے دستخط گواہ شد شیخ فضل علی ہیں۔ اس بیعنامہ کے متن میں ہے کہ محمد برہان ولد شیخ امجد قوم شیخزادہ قلعہ قصبہ رہتک نے نو درم پختہ سکنی زمین مولوی صدر الدین (۲۰۰ب) کے ہاتھ فروخت کی۔ اس پر ۲ ربیع الثانی سنہ ۱۶ [illegible] درج ہے۔ سنہ ۱۶ سے مراد سولہواں جلوس شاہی ہے۔ یہ نہیں لکھا کہ کس بادشاہ کا۔ شاہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کے بعد محمد شاہ، شاہ عالم ثانی اور اکبر شاہ ثانی نے سولہ سولہ سال سے زیادہ حکمرانی کی۔ چنانچہ ہجری سن ۱۱۴۷ھ، ۱۱۸۸ھ اور ۱۲۳۶ھ میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔ مولوی صدر الدین کی تاریخ وفات معلوم ہو جائے تو ان تینوں میں سے کسی کا تعین آسان ہو جائے۔

معیار الانساب اور اس کے تتبع میں معرف الانساب، نسب نامہ الیاس، شجرہ الیاس اور شجرہ الماس میں فضل علی کے والد کا نام سبحان علی لکھا ہے لیکن کنز الآثار میں عبدالسبحان ہے کیونکہ کنز الآثار معتبر ترین ماخذ ہے اس لیے فضل علی کے والد کا نام عبدالسبحان تھا۔ چند سطور پہلے شیخ فضل علی کے بیان میں ہم نے ان کی مہر "فضل علی ولد شیخ عبدالسبحان" کا ذکر کیا ہے۔ احسن الدین (۱۹۲۳ء) کے پاس ایک بیع نامہ ہے اس پر ایک تصدیقی ہشت پہلو مہر "محمد عاقل ۱۱۴۱" لگی ہوئی ہے اس پر ایک دستخط ہیں "العبد شیخ فضل علی بن عبدالسبحان" اور اس کے متن میں لکھا ہے: "شیخ فضل علی بن شیخ عبدالسبحان بن شیخ امجد" اس آخری اقتباس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عبدالسبحان شیخ امجد کے فرزند تھے۔ شیخ عبدالسبحان کی تین لڑکیاں تھیں: بی بی سعادت بخت (بی بی سادو) بی بی کریمہ (کریمان) اور بی بی سکینہ۔ فروخت زمین کے کاغذات میں ان کے نام متعدد بار آئے ہیں۔ ان میں سے اول الذکر بی بی سعادت بخت کی شادی محمد افضل ولد شیخ یار محمد ولد شیخ رحمت اللہ خطیب بن ابو اللیث عرف جہانگیر بن قاضی محمد جیو خطیب (باب ۳) سے ہوئی۔ ۱۰ محرم ۱۱۷۵ھ کو ان محمد افضل نے اپنی موروثی جائداد میں سے آٹھ سہام مسماۃ سعادت بخت بنت شیخ عبدالسبحان ساکن رہتک کو دی۔ سہام حصّہ کو کہتے ہیں۔ یہاں بھی نام عبدالسبحان لکھا ہے یہ ہبہ نامہ ہمارے پاس ہے واضح رہے کہ عبدالسبحان کی بجائے سبحان علی نام لکھا جانا بنیادی غلطی نہیں۔ ممکن ہے سبحان علی نے خود اپنا نام بدل کر عبدالسبحان کر لیا ہو۔

عبدالسبحان کے والد کا نام معیار الانساب میں اور اس کے تتبع میں باقی سب شجروں اور نسب ناموں میں برہان علی لکھا ہے۔ احسن الدین (۱۹۲۳ء) کے پاس دو اصل کاغذات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالسبحان شیخ امجد کے فرزند اور محمد برہان کے بھائی تھے۔ چنانچہ ایک

بیعنامہ ہے اس پر ایک تصدیقی مُہر "محمد عاقل ۱۱۴۱" کی لگی ہوئی ہے۔ یعنی یہ بیعنامہ سنہ ۱۱۴۱ھ یا اس کے بعد کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے متن میں صاف پڑھا جاتا ہے: "شیخ فضل علی بن عبدالسبحان بن شیخ امجد" اور اس بیع نامہ پر دستخط ہیں "العبد شیخ فضل علی بن عبدالسبحان" صاحب معیار الانساب غالباً اس قدر محتاط نویس تھے کہ ہمیں اس بیعنامہ کا متن پڑھ کر شبہ ہوا کہ عبدالسبحان اور شیخ امجد کے درمیان ایک نام سہو قلم سے رہ گیا۔ لیکن پھر خیال پیدا ہوا کہ ایسے کاغذات میں عام طور پر دو نام ہوتے ہیں یا شاذ حالتوں میں تین یعنی شیخ فضل علی بن عبدالسبحان بن شیخ امجد۔ درست ہے کوئی نام سہواً بیچ میں چھوٹا نہیں۔ لیکن ایک اور بیعنامہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ بیعنامہ ۱۵ ذیقعد سنہ ۱۱۶۷ھ ۲ ستمبر ۱۷۵۴ء کو لکھا گیا ہم اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی ابتدائی سطور نقل کرتے ہیں:

"(۱) کہ محمد برہان و نظام الدین پسران شیخ امجد و فضل علی ولد عبدالسبحان بن شیخ امجد و مسمات سادو و بی بی کریمہ و بے بے سکینہ بنتان شیخ عبدالسبحان مسطور قوم شیخزادہ صدیقی ساکن قصبہ رہتک ایم ......"

اس بیعنامہ پر قاضی سراج الدین، ۱۱۵۰ھ مہر لگی ہوئی ہے اور محمد برہان و نظام الدین کے دستخط ہیں اور فضل علی ولد شیخ عبدالسبحان کی مہر لگی ہوئی ہے اس پر ایک گواہ کے دستخط ہیں "راقم محمد آصف" یہ محمد آصف محمد برہان ولد شیخ امجد کے خسر تھے۔ ان کی دختر بی بی کو دو محمد برہان کی زوجہ تھیں۔ احسن الدین (۱۹۲۳ء) کے پاس جو کاغذات ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد آصف صدیقی ولد محمد عاقل قلعہ رہتک میں رہتے تھے۔ محمد آصف کے بھائی کا نام محمد جمیل اور لڑکے کا نام امام علی تھا۔ اولاد قاضی قوام الدین کے شجروں میں یہ نام نہیں آئے۔

چند سطور پہلے جو ہم نے اقتباس پیش کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ امجد صدیقی ساکن قلعہ رہتک کے تین فرزند تھے: عبدالسبحان، محمد برہان اور نظام الدین۔ ایسی متعدد نظائر احسن الدین (۱۹۲۳ء) کے پاس ہیں جن میں محمد برہان (برہان علی نہیں) اور نظام الدین کو شیخ امجد کا فرزند لکھا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عبدالسبحان کا ۱۵ ذیقعد سنہ ۱۱۶۷ھ سے پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ مذکورہ بالا دو تحریروں کی موجودگی میں شیخ عبدالسبحان کو شیخ امجد کا فرزند تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ شیخ امجد کا پورا نام محمد امجد تھا۔ اور ان کے والد کا نام شیخ اصغر ہو سکتا ہے۔ ۲۰ محرم سنہ ۱۱۶۴ھ کے ایک بیعنامہ پر دستخط ہیں: "العبد محمد برہان و نظام الدین پسران محمد امجد" یہ دستخط ایک قلم سے

ہیں اور بیعنامہ احسن الدین کے پاس ہے۔ احسن الدین (۱۹۳۲ء) کے پاس ایک اور بیعنامہ سلامی ہے۔ جس کی رُو سے شیخ امجد وغیرہ نے کچھ زمین خریدی تھی۔ اس نقل پر تین مہریں لگی ہوئی ہیں:
(۱) عبد الغفور محتسب بندہ بادشاہ شاہ عالم گیر ۱۰۷۶ھ (۲) محمد سلطان ابن غریب محمد متولی بندۂ درگاہ عالمگیر ۱۰۷۳ھ (۳) مفضل اللہ دستگیر شد لطف پادشاہ عالمگیر بقاضی ۱۰۷۲ھ اس آخری مہر کے اوپر لکھا ہے "نقل موافق اصل است۔ اصل مہر قاضی سابق" اس بیعنامہ کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

"مشیخت مآب شیخ امجد و شیخ عماد ابنائے شرافت مآب شیخ اصغر محتسب و قاضی قوام و عبد الغفور ابنائے شیخ منصور ابن شیخ اصغر مذکور"

اس سے معلوم ہوا کہ شرافت مآب شیخ اصغر محتسب کے تین فرزندوں کے نام منصور، امجد اور عماد تھے اور شیخ منصور کے دو فرزند قاضی قوام اور عبد الغفور تھے۔ شیخ اصغر کے والد کا نام معلوم نہیں۔

۱۸۵۔ محمد اکرم

ایم ای ایس کراچی میں کلرک ہیں۔

۱۸۶۔ منظور علی

خاموش طبع، تنہائی پسند، دُبلے پتلے، دوائیاں فروخت کیا کرتے تھے۔ آپ کا تیار کردہ سرمہ دُور دُور جاتا تھا۔ رہتک سے ملتان آ گئے۔ جہاں انتقال ہوا۔

الف۔ آپ کے دو فرزند اسد علی اور مہتاب علی حیدر آباد سندھ کے نزدیک جام شورا کے واٹر ورکس میں ملازم ہیں۔

ب۔ منظور علی کے والد سخاوت علی رہتک میں عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ سخاوت علی کے والد علیم الدین کا ذکر نمبر ۱۰۴ پر کیا جا چکا ہے۔

۱۸۷۔ فیروز الدین (۱۸۸۲ء - ۱۹۷۰ء)

مولد و منشا رہتک ہے۔ دُبلے پتلے اور شگفتہ طبع بزرگ تھے۔

الف۔ آپ کے چار فرزند ہیں۔ بڑے فرزند شجاع الدین خوش شکل اور متناسب اعضا کے ہیں۔ مظفر گڑھ ڈسٹرکٹ ٹرانسپورٹ کمپنی مظفر گڑھ کے حصہ دار ہیں، اور اسی کمپنی میں موٹر ڈرائیور ہیں۔ دوسرے فرزند ناظم الدین بھی کسی ٹرانسپورٹ کمپنی میں ملازم ہیں۔ تیسرے فرزند وحید الدین ۱۹۱۲ء میں تولد ہوئے۔ ملتان میں دودھ دہی کا کاروبار کرتے ہیں: پتہ: مکان نمبر ۱۹ وارڈ نمبر ۱ گاندھی گلی۔ ملتان۔ چوتھے فرزند مفید الدین ۱۹۲۷ء میں تولد ہوئے۔ موٹر ڈرائیور ہیں۔

۱۸۸۔ پیر علی

حکیم پیر علی کی جودھپوری زوجہ سے سب سے بڑے فرزند تھے۔ آپ کو وفات پائے مدت ہوگئی۔ آپ کے سات فرزند قاسم علی، افضل علی، برکت علی، بشارت علی، ممتاز علی، وزیر علی اور سراج الدین شجرۂ الماس میں درج ہیں۔

قاسم علی کے فرزند حشمت علی ہیں اور حشمت علی کے چھ فرزند امین الدین، غیور علی، رحمت علی، ناظر علی، ایوب علی اور راحت علی درج ہیں۔

برکت علی کے چار فرزند حنیف علی، یونس علی، لائق علی اور امداد علی۔

وزیر علی کے چار فرزند منور علی، اصغر علی، مظفر علی اور شرافت علی۔

۱۸۹۔ احمد علی

جودھپور میں رہتے تھے۔ آپ کے دو فرزند واجد علی اور وارث علی شجرۂ الماس میں درج ہیں اور وارث علی کے تین فرزند محمد امین، احمد امین اور اکرم علی ہیں۔

۱۹۰۔ ولایت علی

آپ کے دو فرزند واحد علی وکیل اور حمید الدین تھے۔ واحد علی وکیل مرحوم کے پانچ فرزند ہیں: نثار احمد، افتخار احمد، منظر احمد، محمد اختر اور بنیاد علی۔ ان میں سے میں نے محمد اختر کو شیخ امجد کی اولاد کی شاخ جودھپوری کے حالات لکھنے کے لئے کہا۔ اس کا انہوں نے اپنے مکتوب محررہ ۱۹ اگست ۱۹۶۰ء کو جو جواب دیا اس میں وعدہ کیا کہ دو ہفتے میں تمام حالات لکھ کر بھیج دوں گا۔ مگر یاد دہانیوں کے باوجود تین سال تک حالات لکھ کر نہ بھیجے۔ اپنے خط میں انہوں نے لکھا:

"میرا نام محمد اختر صدیقی ہے۔ والد کا اسم گرامی واحد علی صاحب۔ میں دسمبر ۱۹۶۰ء میں ٹھیک ۳۰ سال کا ہو جاؤں گا۔ میں ۱۹۴۷ء سے مقامی سوشلسٹ پارٹی کا ممبر ہوں اور امتیازی حیثیت رکھتا ہوں۔ والد مرحوم کا انتقال ۱۹۴۲ء میں ہوا۔ والد مرحوم شہر کے نہایت معتبر، معززین اور رئیسوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ اور خود بہت بڑی جائداد بنائی تھی۔ بڑی بڑی بلڈنگ اور حویلیاں تعمیر کرائیں۔ میری شادی ۱۷ مئی ۱۹۴۵ء میں جناب حکیم منظور علی صاحب کی دختر سے ہوئی۔ اس وقت میری عمر ۱۶ سال کی تھی۔ اس وقت میں جودھپور میونسپل کونسل کا کونسلر بھی ہوں۔ اور راجستھانی سیاست میں ایک

امتیازی پوزیشن رکھتا ہوں"

پتہ: محمد اختر صدیقی خلف واحد علی وکیل مرحوم اودے مندر ۔ جودھپور

۱۹۱- **اسد علی**

شجرۃ الماس میں آپ کے فرزند کا نام محبوب علی لکھا ہے۔

۱۹۲- **حفیظ الدین**

شجرۃ الماس میں آپ کے دو فرزندوں کے نام نظام الدین اور علاء الدین لکھے ہوئے ہیں۔ اور نظام الدین کے چار فرزندوں کے نام ریاض الدین، اعجاز الدین، صلاح الدین اور حفاظت الدین ہیں۔

۱۹۳- **ناصر الدین** (۱۸۹۶ - ۱۹۵۹ء)

رہتک سے ہجرت کر کے ملتان آ گئے ۔ لاہور میں بغرض علاج گئے تھے کہ وہاں انتقال ہو گیا تمام عمر دوست احباب کی صحبت میں گزاری ۔ گول چہرہ، جسم بھرا تھا ۔ رنگ نکھرا ہوا ۔ میانہ قد، آنکھیں گول ۔ قوتِ یادداشت بڑی اچھی تھی ۔ محلہ کی سیاست کے ماہرین میں سے تھے۔

ا- آپ کے فرزند محمد احسن الدین ۱۹۳۰ء میں رہتک میں تولد ہوئے ۔ میٹرک پاس ہیں ۔ آج کل راولپنڈی میں تجارت کر رہے ہیں اور اپنے چچا فلاح الدین (۱۹۴) کے پاس رہتے ہیں ۔ مستقل پتہ: مکان نمبر ۱۰۰۰ وارڈ نمبر ۴ ملتان ۔ آپ کے پاس خاندان سے متعلق کئی قدیم تحریریں ہیں جن سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔

ب- ناصر الدین کے والد جمال الدین (۱۸۵۷ - ۱۹۱۸ء) حلیم الطبع اور تنہائی پسند تھے ۔ فٹ بنگال لانسرز (سکنر ہارس) میں دفعدار تھے ۔ مولد و منشا رہتک ہے۔

جمال الدین کے نامور والد رسالدار جلال الدین شہید تھے ۔ پوسٹر کے رسالہ میں جھجھر علاقہ میں رسالدار تھے ۔ ۱۸۴۳ء میں یہ رسالہ توڑ دیا گیا تو آپ انعام لے کر اپنے وطن رہتک چلے گئے ۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ضلع رہتک کے لیڈر رہے تھے ۔ آپ کی سرکردگی میں اپنے خاندان کے افراد اور مسلم راجپوتوں اور قصابوں نے مئی ۱۸۵۷ء کے آخر میں رہتک سے انگریزی حکومت کے تمام آثار ختم کر کے سبز پرچم لہرا دیا ۔ انگریزوں نے مجبور ہو کر یہ علاقہ راجہ جیند کو دے دیا مگر مجاہدین نے راجہ جیند کے قدم بھی نہ جمنے دیئے ۔ ۱۱ اگست ۱۸۵۷ء کی شام کو آپ قلعہ رہتک کی فصیل پر کھڑے ہوئے اپنی فوج کو احکامات دے رہے تھے کہ کیپٹن ہڈسن یا اس کی فوج کے کسی سپاہی کی ایک گولی آپ کے سینہ کو پار کرتی ہوئی نکل گئی اور آپ شہید ہو گئے۔

جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی اور ڈھائی فٹ زمین کھودی گئی ۔ جنوری ۱۸۵۸ء میں آپ کی گیارہ سو بیگھہ اراضی ضبط ہوئی جس میں سے بعد میں صرف ڈھائی سو بیگھہ واگزار ہوئی ۔ رسالدار جلال الدین شہید ظفر علی (۱۴۸ ب) کے فرزند ثانی تھے۔

۱۹۴- **فلاح الدین** (المولد ۱۹۰۳ء)

ایس ۲۷۲ گلی شیام سنگھ ۔ بابر بازار ۔ راولپنڈی

بی ۔ اے دہلی سے کیا (۱۹۲۸ء) اولادِ شیخ محمد مجدد سے پہلے گریجویٹ ہیں ۔ اب محکمہ سروے میں سپرنٹنڈنٹ ہیں ۔ ۱۹۲۹ء سے اسی محکمہ میں ہیں ۔ جنگ عالمگیر میں وی ۔ سی ۔ او تھے ۔ برما فرنٹ پر دو تمغے اور دو سٹار حاصل کئے ۔ دوران جنگ بڑی صعوبتیں برداشت کیں ۔ بیوی بچے تو لاشو انڈو چائنا سے بذریعہ ہوائی جہاز کلکتہ پہنچ گئے اور آپ وہاں سے بنگال تک تنہا اور پاپیادہ پانچ سو میل بچتے بچاتے پہنچے ۔ پابند شرع، ملنسار، خلیق، شفیق، شریف النفس اور کنبہ پرور بزرگ ہیں۔

ا- آپ کے چار فرزند ہیں ۔ خلف اکبر خلیل الدین پی ۔ آئی ۔ اے میں ٹریفک اسسٹنٹ ہیں ۱۹۳۲ء میں تولد ہوئے ۔ دوسرے فرزند صباح الدین کا سنِ پیدائش ۱۹۳۴ء ہے ۔ ایف ۔ ایس سی پاس ہیں اور جنرل ہیڈ کوارٹرز راولپنڈی میں ملازم ہیں ۔ تیسرے فرزند کمال الدین المولد ۱۹۳۶ء بی ایس سی کر کے ٹیلی پرنٹر آپریٹر ہیں ۔ چوتھے فرزند فدا الدین بی ۔ اے المولد ۱۹۳۸ء ہیں۔

۱۹۵- **محمد فاروق** (۱۸۹۷ - ۱۹۶۰ء)

قصبہ محمدی ضلع کھیری لکھیم پور (یوپی) ۔ بھارت میں اپنے نانا نعمان الحق بن ریاض الحق (۲۴۴) کے ہاں تولد ہوئے ۔ وہیں تعلیم پائی ۔ ہومیوپیتھی کے سند یافتہ تھے ۔ پانی پت، انبالہ چھاؤنی اور ملتان میں کامیاب معالج رہے ۔ انتقال ملتان میں ہوا۔

ا- آپ کے فرزند فرحت علی ۔ تقریباً چونتیس سال کے ہیں ۔ بی اے تک تعلیم پائی ۔ پتہ: قریشی میڈیکل ہال ۔ حسین آگاہی ملتان ۔ فرحت علی کی ہمشیرہ مس شمیم اختر بی اے ۔ بی ٹی ہیں۔

ب- ڈاکٹر محمد فاروق کے والد صادق علی (۱۸۷۰ - ۱۹۳۲ء) پستہ قد اور تہجد گزار تھے ۔ مونس جیسزال کرنال میں پہلے الحاج حافظ محمد یوسف (۱۹۰ ب) اور بعد میں قائد ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں کے والد نواب رستم علی خاں کے کارندے رہے ۔ بغیر بیہوش ہوئے پلک بندی کرائی تھی ۔ پانی پت میں انتقال ہوا اور مخدوم گل حسین کے روضہ کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

منشی صادق علی کے والد ڈاکٹر عباس علی لائسنس یافتہ میڈیکل پریکٹیشنر تھے ۔ ٹونک میں وکیسی نجش یعنی ڈاکٹر رہے ۔ وہیں ۱۹۰۰ء میں انتقال ہوا ۔ عباس علی کے والد سعادت علی، ظفر علی (۱۴۸) کے تیسرے فرزند تھے۔

باب ۱

رہتک اور مہم تاریخ کی روشنی میں

رہتک

شہر رہتک بھارتی پنجاب میں دہلی سے چوالیس میل کے فاصلہ پر مغرب میں واقع ہے۔ یہ شہر سطح سمندر سے سات سو بارہ فٹ بلند ہے۔ اس کا طول بلد ۷۶ درجہ ۳۵ دقیقہ جنوب ہے اور عرض بلد ۲۸ درجہ ۴۵ دقیقہ شمال ہے۔ ضلع رہتک میں چار تحصیلیں ہیں، رہتک، گوہانہ، جھجر، سونی پت۔ اس موجودہ انتظامی تقسیم سے قطع نظر رہتک اور مہم دونوں علاقے ہریانہ میں ہیں۔ ہریانہ کا اطلاق اس قطعہ زمین پر ہوتا ہے جس میں ضلع حصار کا اکثر حصہ، دوجانہ اور جیند کے بعض حصے اور ضلع رہتک کا وہ علاقہ جس میں مہم، کلانور، کاہنور، رہتک اور جھجر شامل ہیں۔[1] بلبن عہد کے ایک سنسکرتی کتبہ میں اسے ہریانک کہا گیا ہے۔[2] یہ نام غالباً ہری سے لیا گیا ہے اور گزشتہ سرسبزی اور شادابی کی یاد دلاتا ہے۔[3] اس نام کی یہ بھی وجہ تسمیہ بتائی جاتی ہے کہ اسے پہلی بار راجہ ہری نے آباد کیا تھا۔ ایک اور توجیہہ یہ ہے کہ یہ نام ہندی لفظ ہری سے ماخوذ ہے جس کے معنی مقتول کے ہیں۔ روایت ہے کہ جیند سے مغرب میں کچھ میل کے فاصلہ پر پرسرام نے اکیس مختلف موقعوں پر کھتریوں کا قتل عام کیا تھا۔[4]

رہتک لفظ رہتک کا معرب ہے جو رہتاس گڑھ کا مخفف ہے۔ شہر رہتک سے تین میل کے فاصلہ پر مشرق کی طرف قدیم شہر رہتاس گڑھ مٹی کے تودوں کے نیچے مدفون ہے۔ رہتک کے شمال کی طرف ایک اور مدفون شہر ہے جسے کھوکھرا کوٹ کہتے ہیں۔ اس کی جزوی کھدائی محکمہ آثار قدیمہ کر چکا ہے۔ یہ جگہ قبرستان کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔

[1] امپیریل گزیٹیئر آف انڈیا جلد ۱۳ ص ۵۲ [2] ایپی گرافیکا انڈو مسلیکا ۱۲-۱۹۱۳ء ص ۳۵۔
[3] حصار گزیٹیئر ۱۹۰۴ء ص ۱۸

عہد اکبری سے پہلے کی تاریخ میں رہتک کا صرف اس قدر ذکر آیا ہے کہ یہاں بلبن کا پوتا مارا گیا۔ ایک دوسرے موقع پر ہے کہ خان معظم رہتک سے ہانسی کی طرف گیا۔

شہر کی قدیم عمارت آدینہ مسجد ہے جسے عوام دینی مسجد کہا کرتے تھے۔ اس پر سلطان علاء الدین خلجی کے عہد کا ۶۰۶ھ (۱۲۰۸-۹ء) کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ قلعہ رہتک میں اپنا خاندان رہتا تھا۔ اس کی تعمیر غالباً مسجد آدینہ سے پہلے ہوئی۔ شہر کا مشہور تالاب لاڈو والا ہے جسے زبدۃ الاولیا حضرت قاضی قوام الدین (باب ۱) کے خسر قاضی سلطان محمد سرخ ذوالقرنی کے پڑپوتے قاضی لاڈ نے بنوایا۔

عہد اکبری میں موجودہ ضلع رہتک کا علاقہ صوبہ دہلی میں تھا۔ ڈسٹرکٹ رہتک کے گزیٹیئر میں ہے: "رہتک کا دستور مع رہتک، سرکار حصار میں تھا۔" مغل عہد میں ہر صوبہ سرکاروں میں منقسم تھا۔ سرکار کو آج کل کی کمشنری کہنا چاہیے۔ ہر سرکار میں چند پرگنے تھے۔ پرگنہ کے حاکم کو عامل کہتے تھے۔ انگریزی عہد حکومت میں پرگنہ کو تحصیل کہنے لگے۔ اور عامل کو تحصیلدار۔ ہر پرگنہ محالوں میں تقسیم تھا۔ گلیڈون اور جیرٹ (ترجمہ آئین اکبری جلد ۲ ص ۱۴) اور ان کے تتبع میں رہتک گزیٹیئر کے مرتب کا یہ خیال درست نہیں کہ دستور سے مراد چند پرگنوں کا مجموعہ تھا۔ علامہ عبداللہ یوسف علی اور مورلینڈ کا خیال درست ہے کہ دستور علاقہ کا نام نہ تھا بلکہ یہ شرح مالگذاری تھی۔ جو مختلف فصلوں پر لگائی جاتی تھی۔ رہتک گزیٹیئر کا یہ بیان بھی درست نہیں کہ رہتک سرکار حصار میں تھا۔ آئین اکبری میں ہے کہ رہتک سرکار دہلی میں ہے۔

نواب فوجدار خاں کا اصلی نام دلیل خاں بلوچ تھا۔ فرخ سیر بادشاہ نے اسے فوجدار خاں کا خطاب دیا۔ اس نے اس بادشاہ کے نام پر فرخ نگر شہر بسایا اور اسے اپنا دارالریاست بنایا۔ محمد شاہ بادشاہ نے ۱۷۳۲ء میں علاقہ رہتک کا انتظام بھی اس کے سپرد کر دیا۔ اس کے انتقال ۱۷۴۷ء پر اس کا بیٹا نواب کامگار خاں متوفی ۱۷۶۰ء اس کا جانشین ہوا۔ کامگار کے فرزند و جانشین نواب موسیٰ خاں کو ۱۷۶۵ء میں بھرت پور کے جواہر سنگھ ولد سورج مل جاٹ نے شکست دی اور پھر رہتک میں اس کے قدم نہ جم سکے۔ اگلے سال شاہ عالم ثانی طویل جلاوطنی کے بعد دہلی آئے اور نجف خاں ان کا میر الامراء بنا۔ ۱۷۸۲ء تک نجف خاں نے صوبہ دہلی کا انتظام اچھا کیا۔ اس کے بعد افراسیاب،

[1] ایلیٹ اینڈ ڈاؤسن ۳، تاریخ ہند انگریزی جلد ۳ ص ۱۲۷ کلکتہ ایڈیشن۔ [2] ص ۲۴
جلد اول ص ۱۹۲ ترجمہ گلیڈون اور جیرٹ [3] منشی غلام نبی تحصیلدار، تاریخ جھجر ۱۸۶۶ء

مرزا شفیع اور پھر دوبارہ افراسیاب امیر الامرا بنا۔ پھر غلام قادر روہیلہ برسرِ اقتدار آیا اور آخر کار ۱۷۸۵ء میں مرہٹوں نے بادشاہ کے ریجنٹ یعنی وکیلِ مطلق کی حیثیت سے صوبہ دہلی کا انتظام سنبھالا۔
انہی دنوں میں ایک انگریز جارج طامس ۱۷۸۲ء میں ہندوستان آیا۔ یہ پانچ سال تک بیگم سمرو کا ملازم رہا۔ بیگم سمرو ایک رقاصہ تھی جس نے عیسائی بن کر ایک جرمن سے شادی کر لی۔ سردھنا کی یہ جاگیردار کچھ عرصہ جھجر پر بھی قابض رہی۔ ۱۷۹۲ء میں جارج طامس نے اپا کانڈی راؤ مرہٹہ گورنر میرٹھ کی ملازمت اختیار کر لی اور اس کا متبنیٰ بن کر بڑی قوت حاصل کر لی۔ ۱۷۹۷ء میں اپا مرہٹہ کے انتقال پر اس نے ہانسی کو اپنا صدر مقام بنایا اور خود مختاری کا دم بھرنے لگا۔ ۱۸۰۱ء میں مرہٹوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ پیرزادہ سجاد احمد صدیقی

مہم

قصبہ مہم شہر رہتک سے بیس میل کے فاصلہ پر شمال مغرب میں اس سڑک پر واقع ہے جو دہلی سے رہتک، مہم، ہانسی، حصار ہوتی ہوئی مسلم عہدِ حکومت میں ملتان تک جاتی تھی۔
مہم میں یہ روایت عام طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ اسے پرتھوی راج کے عہد میں راؤ ملو کے بیٹے مہدراؤ نے بسایا اور اس کا نام مہدپور رکھا جو بعد میں مہم بن گیا۔ مفتی نظام الدین (باب ۱) مفتی پرگنہ مہم کی ایک مہر پر اس کا نام ماہم لکھا ہے۔ رہتک گزیٹیئر نے آئینِ اکبری کے حوالے سے اس کا قدیم نام میون بتایا ہے۔
مہم کی قدیم ترین عمارت میراں جی کا مزار۔ آبادی سے باہر ایک احاطہ میں ایک مسجد اور بہت سی قبریں ہیں۔ ان میں دو قبریں برابر برابر ہیں اور سید احمد جی اور سید محمد جی کی بتائی جاتی ہیں یہی دونوں میراں جی کہلاتے ہیں۔ اس جگہ کو گنج شہیداں اور عوام بی بی خزانی کا روضہ کہتے ہیں۔ اس کی شرقی دیوار پر سرخ پتھر کا کتبہ لگا ہوا ہے اس پر لکھا ہے کہ یہ مقبرہ سادات شہدا کا ہے؎ جنہیں کفار نے ذی الحجہ ۴۲۰ھ (۱۰۲۹ء) میں قتل کر دیا۔ یہ واقعہ سلطان محمود غزنوی کے بیٹے سلطان عبدالرشید بن سلطان مسعود کے عہد کا ہے جب ان کی حدودِ مملکت سے مہم باہر تھا۔ بعد کے مقبروں میں میراں صاحب شاہ، پیر سرخ، پیر غائب، پیر خنجر شہید، پیر الغنی، پیر بدھاری، سر اللہ نصرتی (باب ۳) افغاناں، میاں ہدایت شاہ اور ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید (باب ۵) کے مقبرے ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں مہم میں پچیس مساجد تھیں جن میں سے

؎ اس کتبہ کا چربہ ہمارے پاس ہے۔ یہ طغرا رسم الخط میں ہے: "بسم اللہ العظیم هذه المقبرة شهداء ... القتل الکفار طیب اللہ ثراهم حصل الفراغ من العمارة فی ... شهر ذی الحجة اربعین اربعمائة"

اٹھارہ آباد تھیں۔ مساجد میں جو کتبے ہیں ان میں سے قدیم ترین بابر کے عہد کا ہے۔
مہم کی عمارتوں میں ایک باؤلی ہے جسے جنرل میڈلی نے ۱۸۲۳ء میں دیکھا تو لکھا کہ بڑا دو مانہ کی ایسی یادگار ہے جو روم شہنشاہ کی عظمت کے لائق ہے؎۔ اس باؤلی کی ایک سو ایک سیڑھیاں ہیں۔ باؤلی ایسے کنویں کو کہتے ہیں جس کے ایک طرف سیڑھیاں یا ڈھلوان ہو جس کے ذریعے آدمی اور مویشی بآسانی پانی تک پہنچ سکیں۔ یہ باؤلی شاہجہان بادشاہ کے عصا بردار سید و کلال نے بنوائی۔ اس پر ۵۷-۱۶۵۶ء کا یہ کتبہ ہے:

بعہدِ شاہنشاہ عالمستاں — ز سید و شد این برکہ زمزم نشاں
چو تاریخ او جستم از پیر عقل — بمن گفت دریائے خیر رواں

محلہ ورقمہ کلال دین ۱۰۶۷ ہجری فقط"

اس سے بھی پہلے مہم کے داراب خاں نے دارا شکوہ کے حکم سے ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ء) میں ایک سرائے بنوائی تھی جو انگریزی دورِ تسلط میں سڑک بنواتے وقت ختم کر دی گئی؎۔
عہدِ اکبری میں یہ قصبہ صوبہ دہلی کی سرکارِ حصار کا ایک پرگنہ تھا۔ اکبر نے اسے ایک افغان سردار شہباز خاں کو جاگیر میں دے دیا تھا جس کی نسل میں اسے بڑی خوشحالی نصیب ہوئی؎۔ اس کے بعد کی تاریخ کم و بیش وہی ہے جو رہتک کے ضمن میں بیان ہو چکی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا دورِ تسلط

۱۸۰۳ء میں متوقع جنگ مرہٹہ چھڑ گئی۔ اس سے فوراً ہی شاہ عالم کی پوزیشن زیرِ بحث آ گئی۔ وہ اب بھی ماتحتوں کا شہنشاہ تھا۔ انگریزوں کا بنگال کی سند دیوانی ۱۷۶۵ء کی رو سے اور سندھیا اس کا وکیلِ مطلق یعنی ریجنٹ تھا؎۔ انگریز کمانڈر ان چیف لارڈ لیک نے شاہ عالم کی تائید حاصل کرنے کے لئے اس کے نام ۹ اگست کو ایک خط لکھا:
"میں دل و جان سے اس کے لئے آمادہ ہوں کہ اعلیٰ حضرت کے حضور پاس نیاز مندی اطاعت و وفاداری پیش کروں اور میں حضورِ والا کے دامن سے وابستگی کو اعزاز خصوصی

؎ رہتک گزیٹیئر ص ۴۳
؎ رہتک گزیٹیئر ص ۴۲
؎ رہتک گزیٹیئر ص ۴۵
؎ سپیئر: ٹوائی لائٹ آف دی مغلز ص ۳۲

سمجھتا ہوں کیونکہ حضور والا کے احکام کی بجا آوری بجائے خود ایک نادر اعزاز ہے۔[1]

اس خط کے جواب میں شاہ عالم ثانی نے اپنے خط مورخہ ۲۹ اگست ۱۸۰۳ء میں لکھا،

اس کے بعد تمہاری طرف سے بے چون و چرا اطاعت سے انحراف نہ ہو، نہ ہی کوئی ایسی بات ہو جو بدولت کے عدم اطمینان کا باعث ہو۔[2]

دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایجنٹ سید رضی خاں تھا۔ اس کی معرفت یہ جواب لارڈ لیک کے نہیں بلکہ گورنر جنرل لارڈ ولزلی کو بھجوا دیا گیا۔

۱۱ ستمبر ۱۸۰۳ء کو انگریزوں نے مرہٹوں کو شکست دی اور دہلی میں داخل ہو گئے۔ لارڈ لیک شاہ عالم ثانی سے ملاقات کا خواہاں تھا۔ پانچ روز بعد یعنی ۱۶ ستمبر کو اسے اذنِ باریابی ملا اور مزید پانچ روز بعد شاہنشاہ نے اسے صمصام الدولہ اشتیاق الملک، خان دوران، خان بہادر، سپہ سالار فتح جنگ کا خطاب عطا فرمایا۔[3] یہ خط و کتابت اور یہ قبول اعزاز ظاہر کرتے ہیں کہ برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے نمائندے لارڈ لیک کو شاہ عالم ثانی نے بالکل اسی طرح عہدہ بخشا تھا جس طرح اس سے پہلے نجیب الدولہ کو امیر الامرا یا مرہٹہ پیشوا کو وکیل مطلق مقرر کیا تھا۔ گو مغل شہنشاہ اپنا حقیقی اقتدار کھو بیٹھا تھا۔ مگر رعایا انگریزوں کے مقابلہ میں اسے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ لہٰذا انگریزوں نے اس کا نام استعمال کرنے میں عافیت سمجھی۔ شاہ عالم کے انتقال ۱۸۰۶ء کے تیس سال بعد بھی سکہ اسی کے نام پر مضروب ہوتا جس پر یہ شعر کندہ تھا:

حامیٔ دینِ محمد باشد از فضلِ الٰہ — بادشاہ ہفت کشور شاہ عالم بادشاہ

بلکہ اس کے جانشین اکبر شاہ اور اس کے جانشین بہادر شاہ ظفر کے عہد میں بھی ہر اعلان کے ساتھ ڈھنڈورچی یہ صدا لگاتا تھا "خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی بہادر کا"۔[4]

۳۰ دسمبر ۱۸۰۳ء کو معاہدہ سرجی انجن گاؤں ہوا۔ اس کی رو سے مرہٹے اپنے ان تمام مقبوضات سے دستبردار ہو گئے جو جمنا کے مغرب میں تھے اور جن میں رہتک اور حصار بھی شامل تھے لارڈ لیک فوری پیش قدمی کر کے سکھوں سے ٹکر نہ لینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اس علاقہ کو اپنے وفاداروں کو پیش کرنا چاہا۔ حصار اور رہتک کی پیشکش مستقیم الدولہ نصر الدولہ محمد احسان خاں

[1] انڈیا آفس۔ ہوم مسلینیس جلد ۵۰۸ صفحات ۷-۱۹۶ [2] انڈیا آفس۔ ہوم مسلینیس جلد ۶۴۲ ص ۲۹۲- [3] انڈیا آفس۔ ہوم مسلینیس جلد ۶۴۲ ص ۵-۳۹۴ [4] سید ہاشمی فرید آبادی تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد ۲ صفحات ۵۶ و ۶۳-

نصرت جنگ بہادر جنگ "صدیق الہی" (۲۰ ب) کو کی۔ انہوں نے معذرت کی اور یہ علاقہ پہلے نواب معین الدین خاں عرف نواب بھمبو خاں اور بعد میں نواب احمد بخش خاں والئ لوہارو کے پاس رہا پھر ۱۸۰۶ء کی سند کی رو سے یہ علاقہ بھی نواب عبد الصمد خاں بانئ ریاست دوجانہ کو دے دیا لیکن اس عہد بد امنی میں نواب عبد الصمد اس علاقہ کا انتظام نہ کر سکے اور انہوں نے بالآخر ۱۸۰۹ء میں یہ علاقہ انگریزوں کو واپس کر دیا۔ اس سن سے ۱۸۵۷ء تک رہتک اور حصار ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ رہا۔

علاقہ دہلی کا نظم و نسق

اکبر اور جہانگیر کے دورِ حکومت کے علاوہ باقی مسلم حکمرانوں کا پایہ تخت دہلی رہا ہے۔ علاقہ دہلی (جس میں رہتک اور حصار ہمیشہ شامل رہے ہیں) کا انتظام ہمیشہ مثالی رہا ہے۔ ہریانہ کے نظم و نسق میں خرابی ۱۷۸۵ء میں مرہٹوں کے آنے سے ہوئی۔ مگر اس زمانہ میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ قصباتی اور دیہاتی خود مختاری میں دخل اندازی کر کے معاشرہ کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

فتح دہلی کے بعد تین سال تک انگریز جنگ مرہٹہ اور ہلکر کی یلغاروں سے بچاؤ میں اس قدر مصروف رہے کہ علاقہ دہلی کے انتظام کی طرف بالکل توجہ نہ دے سکے۔ ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۲ء تک صوبہ دہلی کے حاکم اعلیٰ کو ریذیڈنٹ کہتے تھے۔ یہ کسی قاعدے کے ماتحت نہ تھا۔ اس کی صوابدید ہی قانون تھی۔ کمپنی اس سے اسی وقت تعارض کرتی جب مالیہ میں کمی آ جاتی۔ آخری سن مذکور میں ریذیڈنٹ کو کمشنر کہنے لگے اور یہ علاقہ بھی شمالی ہند کے قوانین کے تحت آ گیا۔

۱۸۰۳ء میں پہلا ریذیڈنٹ سٹین دہلی آیا۔ نوجوان چارلس مٹکاف اس کا جانشین ہوا۔ اس کے نزدیک پہلا کام رعب بٹھانا تھا۔ یہ دیہی ریپبلکوں کی افادیت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ اسے یہ سمجھ نہ تھا کہ دہلی کے مسلمان حکمران کس حکمت عملی سے رہتک ضلع کے جنگجو قبائل کو پرامن رکھتے تھے۔ ان قبائل کی مسلم حکومت سے وفاداری اور اطاعت شعاری کا اظہار اس امر سے ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی چھ سو سالہ دورِ حکومت میں ضلع رہتک میں ایک بھی بغاوت کی مثال نہیں ملتی۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان حکمرانوں نے ان کی دیہی خود مختاری میں کبھی دخل نہیں دیا۔ مگر یہی اطاعت شعار قبائل انگریزوں کے آتے ہی جس خطرناک حد تک قانون شکن ہو گئے اس کی تفصیل خود چارلس مٹکاف کی زبانی سنئے۔

"جب دہلی میں اتنی فوج نہ تھی کہ نزدیکی دیہاتیوں کو خوف زدہ کیا جائے جب ریذیڈنٹ

کے اختیارات کی خلاف ورزی اس شہر کے اردگرد چند میل میں ہوتی تھی۔ جب بالکل ہی نزدیک ریذی ڈنٹ کے اختیارات منوانے کے لئے دوسرے ضلع سے فوج منگوانی پڑتی اور بندوقوں سے مسلح پیدل فوج کی ایک بٹالین اور سواروں کا ایک سکویڈرن حرکت میں لانا پڑتا۔ جب گشتی دستوں کو ہراساں کرنے والے دیہاتیوں کی وجہ سے فوج تیار رکھی جاتی تھی۔ جب دیہاتیوں کو غیر مسلح کرنا لازمی تھا۔ جب تکوار ہل کا پھل بنا دی گئی تھی۔ جب ہر گاؤں چوروں کا مامن تھا اور شہر دہلی کے نواحی دیہات کے حصے بخرے کئے ہوئے تھے جن میں ہر ایک حصہ دار اپنی مقررہ حدود میں لوٹ مار کیا کرتا تھا۔ جب یہ لازمی تھا کہ بندوبست کرنے والے افسر کے ہمراہ پیدل فوج کی پوری کمپنی ہو اور اس فوج کو بھی تباہی کا خطرہ ہوتا اور جسے طعنے ملتے تھے کہ تمہاری توڑے دار بندوقیں ہم دیہاتیوں کے بچوں کے کھلونے نہیں گی۔ جب ایک روپیہ مالیہ وصول کرنے کے لئے (جو جان بوجھ کر کم مقرر کیا گیا تھا (۱) بندوقوں سے مسلح پیدل فوج کی ایک بٹالین بھیجنی پڑتی تھی۔ جب صرف ایک بے فصیل اور مدافعت سے عاری اکیلے گاؤں کو مطیع کرنے کے لئے پانچ بٹالین پیدل فوج کے علاوہ سوار اور توپ خانہ ضروری سمجھے جاتے تھے اور جب دیہاتی حملہ کا انتظار کئے بغیر ہی اس فوج پر حملہ کر بیٹھتے تھے اور اپنی پھرتی سے کم از کم تھوڑی دیر کے لئے اس بڑھتی ہوئی فوج کے قدم ڈگمگا دیتے تھے[1]

یہ بات پیش کرنے کا مقصد ہے ورنہ یہ اندھا دھند فوج کشی لوگوں کے حوصلے پست کرنے اور ان کی خود اعتمادی ختم کرنے کے لئے تھی۔ لوگوں نے اس چیلنج کو قبول کیا۔ مگر اس کشمکش میں علاقے کی مالی حالت پر بڑا اثر پڑا۔ لوگوں کی توجہ زراعت کی طرف سے ہٹ گئی اور بعض جنگجو قبائل نے لوٹ مار کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اپنے خاندان پر بھی اس کے اثرات ہوئے۔ خاندان کے افراد مزارعین سے زراعت کراتے تھے اول تو فصل ہوتی نہیں تھی اور اگر ہوتی بھی تو مزارعین نادہند ہو جاتے۔ اکیلے منتقیم الدولہ خاں بہادر محمد احسان خاں بہادر جنگ (۲ب) کی ملکیت چوبیس گاؤں تھی جو ان کے بعد ان کے دو فرزندوں کو ملے۔ ان کے ایک فرزند محمد محفوظ خان (خان خطاب ہے) ہاتھی پر چڑھ کر فصل لینے گئے تو زمینداروں نے انہیں شہید کر دیا۔

---

[1] انڈیا آفس۔ ہوم مسلینیس ۶۷۷ رپورٹ آف ۱۸۱۵ء پیرا ۲۰۱

نظام مالیہ

مگر جس چیز نے لوگوں کو مفلوک الحال کر دیا وہ نظام مالیہ کی بدنظمی تھی۔ زمین کی پیمائش کئے بغیر بندوبست کیا گیا اور دہلی میں بیٹھے بیٹھے گاؤں کے مالیہ کی نیلامی بولی ہوتی تھی اور دہلی کے کسی مہاجن کے نام چھوٹ جاتی۔ کمپنی مہاجن سے نقد روپیہ وصول کر لیتی اور مہاجن اپنے کارندوں کی معرفت زمینداروں سے اناج کی صورت میں من مانے بھاؤ پر مالیہ وصول کرتا۔ اس انتظام میں ایک خرابی ہوئی۔ مہاجن فصل اٹھنے کے بعد مالیہ کی وصولی سے گریز کرتا اور رپورٹ کر دیتا کہ مالیہ وصول نہیں ہوا اور نادہند ہو جاتا۔ مگر بعد میں یہی مہاجن سود در سود پر زمیندار سے مالیہ وصول کر لیتا۔ یہ بدنظمی صرف چار سال رہی۔ پھر اس میں دو تبدیلیاں کر دی گئیں۔ اول یہ کہ مہاجن کو مالیہ کی نیلامی بولی میں حصہ نہ لینے دیا جائے۔ اب گاؤں کا کوئی چودھری یا کوئی منچلا جاگیردار ٹھیکہ لے لیتا۔ دوسری تبدیلی جس کے اثرات زمینداروں کے لئے تباہ کن تھے یہ ہوئی کہ جنس کی بجائے نقدی کی صورت میں مالیہ وصول کیا جائے۔ حساب اس طرح لگایا جاتا کہ فصل کو دو برابر حصوں میں تقسیم کر لیا جاتا۔ کاشتکار کو اپنے حصے میں سے مزید چار واجبات ادا کرنے پڑتے تھے۔

۱۔ پٹواری کا الاؤنس

۲۔ سرکاری آڑھت کے اخراجات

۳۔ چوکیدار کی تنخواہ

۴۔ جعلی سکوں کا تاوان: حکومت مالیہ کے ہر روپے کے ساتھ فی روپیہ کچھ رقم وصول کرتی تھی اور کہتی تھی کہ یہ اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے ہے جو حکومت کو کھوٹے سکوں سے ہوتا ہے۔

مالیہ جنس کی بجائے نقدی میں وصول کیا جانے لگا تو فصل اٹھتے ہی زمینداروں کو اس کی فروخت کی فکر ہوتی۔ شہروں کی تعداد اور آبادی کم تھی اس لئے مہاجن بھی زیادہ غلہ خریدنے کے روادار نہ ہوتے۔ مجبوراً زمینداروں کو اپنا اناج اونے پونے فروخت کرنا پڑتا اور بسا اوقات ایسا ہوتا کہ پورا غلہ بیچنے کے باوجود حکومت کے مطالبات پورے کرنے سے قاصر رہتے۔ فصل خراب ہونے کی صورت میں مالیہ کی وصولی کے لئے زمین قرق کر دی جاتی۔ یا زمیندار زمین کو کسی مہاجن کے ہاں رہن رکھ دیتا اور پھر اس مرہونہ زمین کو چھڑانے کی اسے کبھی توفیق نہ ہوتی۔ یہ صورت حال بڑی ہی تباہ کن تھی۔ ہندوستان کی مردم شماری کی رپورٹ میں ہے کہ "انگریزی حکومت کے قیام سے پہلے زمین کی فروخت نہ ہوتی تھی"[1] یہ بیان مبالغہ آمیز ہے۔ مسلم عہد حکومت میں بعض حالتوں میں

---

[1] ہندوستان کی مردم شماری ۱۹۱۱ء جلد ۱۲ صفحہ ۱۰

زمین کی فروخت بھی ہو جاتی تھی مگر مالیہ کی ادائیگی کے لئے زمین کی فروخت کبھی نہ ہوتی تھی۔[1]

"مالیہ کے بقایا کے لئے زمینوں کی فروخت اس کم نظری کی عام مثال ہے کہ زمینداری
کے حقوق گورنمنٹ کو حاصل ہیں۔ مالیہ کے حصول سے بقایا کے لئے جسے آئندہ برسوں
میں وصول کیا جا سکتا ہے، کنبوں کے وراثتی حقوق ملکیت ان کو مل گئے جنہوں نے
نیلام عام میں یہ حقوق خرید لئے اور اس خرید سے اصل مالک یا زمیندار کو نئے مالک
کا مزدور بننا پڑتا ہے یا وہ اپنا گھر بار، زمین اور اپنا ملک و وطن ہمیشہ کے لئے چھوڑ
دیتا ہے۔"[2]

اس طرح جھلستی ہوئی دھوپ میں مہینوں کام کرنے کے بعد کسان کے پاس اتنا بھی نہ بچتا کہ
وہ اگلی فصل تک اپنے بچوں کا پیٹ پال سکے۔ اور اگر کاشتکار کسی کا مزارع ہوتا تو مالک اور مزارع
دونوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی۔ اس بارے میں ایک انگریز تاریخ نویس کا بیان سنئے۔

"وہ وقت آگیا کہ زمینداروں نے کہا کہ کھیتی باڑی کو وسعت دینے کی ہم کیوں کوشش کریں
جب ہماری تمام فصل گورنمنٹ لے جاتی ہے جو مرہٹوں سے زیادہ خون چوسنے کی عادی
ہے اور افغانوں سے زیادہ نااہل۔ پھر بھاگ کر دوسرے مقامات پر بسنے لگے۔
سونی پت میں ۱۸۲۱ء میں نوگانووں کا ۱۲۱۶۱ روپے مالیہ تشخیص ہوا۔ ۱۸۲۶ء میں
وہاں دو ہزار سے زیادہ آدمی نہ رہے اور ۱۸۴۲ء میں وہ گاؤں قطعی بے چراغ ہو
گئے۔ ضلع کرنال میں بندوبست افسر کا سامنا کرنے کی بجائے دیہاتی سب کے سب
بھاگ گئے...... ایک افسر نے رپورٹ کی کہ چھترا بہادر پور جس کا ابھی آٹھ سو روپے
مالیہ تشخیص ہوا تھا چودہ سو روپے ادا کر رہا ہے۔ جبکہ اسے صرف پانچ سو روپے ادا
کرنے چاہئیں...... اٹائل میں کوئی بات کرنے والا نہیں کیونکہ وہ برباد ہو گیا ہے...
تین سال بندوبست کی فہرست کے دیہات کے سامنے متواتر لفظ متروک لکھا گیا ہے۔
...... یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ مالیہ کے افسر سرکاری واجبات کی وصولی کی سعی آسانی
سے چھوڑ دیتے تھے... کلکٹروں کی سختی اور بے دباؤ کی وجہ سے بلکہ تحصیلدار کو آنکھیں دکھاتا اور تحصیلدار نمبردار

[1] ہمارے پاس مسلم عہد حکومت میں زمین کی فروخت کے بعض ہبہ نامے موجود ہیں۔ [2] انڈیا آفس۔ ہیوم مس لیبینس ۲۲۶ ص ۹۹
یادداشت مسٹر ہالرڈ [3] انیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں مقدم کی بجائے لفظ نمبردار استعمال ہونے لگا۔ نمبر انگریزی لفظ نمبر
کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس سے مراد اعداد و شمار ہیں۔ جہاں کئی نمبردار ہوتے وہاں ایک اعلیٰ نمبردار بنانے کا رجحان ہوا جس
سے باہمی رقابت پیدا ہوئی۔ انگریزوں نے بعض کو اچانک بڑا بنا دیا اور بعض کو گرا دیا۔ [4] ٹوی لائٹ آف دی مغلز ص ۱۰۳

کہ جہاں تک ممکن ہوتا نمبردار زمیندار کو آنکھیں دکھاتا اور جب وہ ایسا نہ کر سکتا تو تمام
گاؤں کے ساتھ بھاگنے کی تیاری کر لیتا۔"[1]

اس تباہی سے رہتک اور مہم مستثنیٰ نہ تھے۔ یہی زمانہ تھا کہ اپنے خاندان کے بعض افراد ترک
وطن کر کے اور مقامات پر جا بسے جن کا ہم کچھ دیر بعد ذکر کریں گے۔ ۱۸۲۸ء میں جنرل منڈائی مہم گیا۔
وہ اس کی سابقہ شان و شوکت بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ "اب یہ محض برباد عمارتوں کا ایک ٹیلہ
ہے جس میں کوئی دو سو متنفس رہتے ہیں۔"[2] گزیٹیر میں کمپنی کے ابتدائی تیس سال کے بارے میں لکھا
ہے: "عام طور پر لوگ پرامن زندگی بسر کرنے لگے مگر متواتر قحطوں اور بہت ہی زیادہ سخت مطالبات
مالگذاری نے ان کی مادی ترقی افسوسناک حد تک روکے رکھی۔"[3]

نظام عدل

شاہ عالم ثانی سے معاہدے کی رو سے دیوانی اور فوجداری دو عدالتیں قائم ہوئیں
جن کی صدارت خود ریذیڈنٹ یا اس کا کوئی نائب کرتا۔ انگریز مجسٹریٹ پھانسی
کی سزا نہ دیتے کیونکہ اس کے لئے بادشاہ دہلی کی توثیق لازمی تھی۔ اس کی بجائے ہتھکڑیوں کے ساتھ
عمر بھر کی قید تنہائی ملتی۔ ریذیڈنٹ کے نائبین کی تعداد تین سے چھ تک تھی۔ "عدالتیں بہت ہی
ناپسندیدہ اور عظیم خرابیوں کی جڑ تھیں...... بعد کا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ خاص دہلی میں بھی یورپین
ناظم ہمیشہ بے داغ نہ تھا۔ کچھ بھی ہو وہ اکثر اتنا کم عمر اور ناتجربہ کار ہوتا تھا کہ مقامی رواجوں کو نظرانداز
کر جاتا۔ اور جلد بازی سے فیصلے دے دیتا تھا۔ اپنے ماتحتوں کے مشورہ پر کام کرتا۔ انہیں دنوں میں
ایک شخص نے لکھا کہ سول کورٹ کا صدر بمشکل بیس سال کا ہوگا..... فوجداری کی عدالت کا صدر
اس سے بھی چھوٹا تھا۔"[4]

۱۸۰۳ء میں رہتک اور مہم پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط ہوا تو اس وقت پرگنہ مہم کے نظام
عدل کی تمام ذمہ داری اپنے خاندان پر تھی اور اس ذمہ داری پر یہ خاندان کم و بیش سوا پانچ صدی سے
فائز تھا۔ انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں قاضی محمدی پرگنہ مہم کے منصب قضا پر فائز تھے۔
شیخ غلام الٰہیا خدمت افتاء پر مامور تھے۔ شیخ عظیم الدین محتسب تھے۔ نظام عدل میں تبدیلی
کے بعد یہ عہدیدار بیکار ہو گئے۔ اس سے خاندان کی مالی حالت پر جو برا اثر پڑا اس سے قطع نظر
خاندان کی علاقہ میں برتری اور اس کے وقار کو بڑا صدمہ پہنچا۔

[1] ہریانہ پیپرز صفحات ۱۰۸ و ۱۰۵ [2] پن اینڈ پنسل سکیچز از جنرل منڈائی منقولہ رہتک گزیٹیر ۱۹۱۰ء
ص ۴۰۔ [3] رہتک گزیٹیر ۱۹۱۰ء ص ۴۰ [4] پرسیول سپیئر ٹوی لائٹ آف دی مغلز ص ۹۴ و ۹۵

سنہ ۱۸۲۰ء میں علاقہ کو اضلاع میں منقسم کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپیل کے مواقع زیادہ ہو گئے
دیہی پنچایتیں حقیر بن کر رہ گئیں۔ اور کوئی مقدموں (چودھریوں) کی بات ماننے کا
خیال تک نہ کرتا۔ نئی عدالتوں کی معروف نوعیت نے اس عمل کو تیز تر کر دیا۔۔۔۔
عدالتوں میں ہر بات ممکن تھی اور جب کنبہ کی عزت کا سوال ہو تو ہر کام کر ڈالا جاتا تھا۔
ان لوگوں کے سامنے جو اس کی زندگی بھر کے اقوال و افعال سے بخوبی واقف ہوتے
دہقان صداقت سے انحراف کرنے میں تامل کرتا تھا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس کے
پڑوسی بآسانی اور بخوبی اس کی تردید کر دیتے۔ لیکن اب دور دراز عدالت میں کوئی
بھی باریک بین اور چوکنا پڑوسی نہ ہوتا جو اسے راہِ راست پر رکھتا، کوئی باخبر مجمع
نہ ہوتا جو شاباش یا تف سے رواں تبصرہ کرتا رہتا۔"

عدالتوں کے ساتھ ہی پولیس آگئی۔ تفتیش کا سہارا لے کر یہ ہر چھوٹے بڑے کو تھانہ میں
لے جاتی۔ اس سے بزرگوں کی وقعت لوگوں کی نظروں میں اور بھی کم ہو گئی یہاں تک کہ جنگلی جرم
سے سراغ رسانی کا کام لیا جاتا تھا اپنے آپ کو سرکار کا خفیہ مخبر سمجھتے۔ لارڈ ہیسٹنگز نے ٹھیک
کر لکھا کہ پولیس بھی ہر ایک کے نزدیک اس لئے حقیر ہے کہ وہ بڑے ہی ظلم و ستم کا منبع ہے
اور اوبر کو لکھا: پولیس کا انتظام بے حد و حساب ظالمانہ ہے۔ ہر فرد بشر خواہ وہ با اختیار ہے یا
بے اختیار یہ قطعی تسلیم کرتا ہے کہ وہ بہت ہی سخت گیر اور انتہائی جابرانہ رویہ رکھتی ہے۔ عام
بھی محتاط نویس ہوتا ہے اور یہ الفاظ تو ایک منجھے ہوئے سیاست دان اور گورنر جنرل کے ہیں۔
یہ درست ہے کہ علاقہ مہم اور رہتک میں بسنے والوں کے اکثر باہمی جھگڑے بھی [illegible]
رہتک اور مہم ہی چکایا کرتے تھے۔ مگر کمپنی کے دورِ تسلط میں اکا دکا ایسی بھی مثال ملتی ہے کہ جو
مہم ہی اپنے باہمی نزاع کو عدالتوں میں لے گئے۔

بیگار بیگار اس نسل کے لئے نئی بات تھی اور اگلے وقتوں سے بہت ہی زیادہ
گورنمنٹ نقل و حمل کے لئے بیل اور گاڑیاں لے لیتی۔ گورکھا اور مرہٹہ
جنگوں میں یہ مطالبہ بہت ہی بڑھ گیا۔ لوگوں کو سڑک بنانے اور سامان لے جانے
پر مجبور کیا جاتا۔۔۔۔ ان دیہات کی بڑی شامت تھی جو سڑکوں کے نزدیک تھے
اور ان کے رہنے والے تمام کے تمام کسی بڑے آدمی کی سواری دیکھ کر بھاگ جاتے

سے پرسیول سپیئر ٹوائی لائٹ آف دی مغلز ص ۱۱۰

یہاں تک کہ یہ دیہات ہی برباد ہو گئے۔ اور لوگ کہیں اور جا کر بس گئے۔ شاہراہِ اعظم
پر اب دور دور اور کہیں کہیں گاؤں ہیں۔ اس کی یہی وجہ ہے۔۔۔۔ لوگ سپاہیوں
کی بندوقیں اور چپڑاسیوں کے بنڈل لے کر چلتے۔ مردوں سے زیادہ عورتوں کی شامت
آتی کیونکہ وہ گاؤں میں فارغ مل جاتی تھیں۔ گاؤں سے باہر دور گئی ہوئی عورت اپنے
بچے کو ساتھ لئے ہوئے یا اس معصوم کو سینے سے لگائے ہوئے اور ساتھ کسی بڑے
آدمی کا ساز و سامان اٹھائے ہوئے نظر آتی اور یہ بڑا صاحب ہاتھی پر لوٹتا ہوتا یا
پالکی میں بیٹھا ہوتا۔۔۔۔ سب سے برے یورپین تھے جن پر ریذیڈنٹ کا کوئی بس
نہ چلتا تھا۔ وہ جو بھی سامان چاہتے سول حکام سے لے سکتے تھے۔ اونٹ گاڑی، حمال
بڑھئی یا کوئی بھی دستکار۔ ان کے ملازم ان سے بھی برے تھے۔ اور عام قاعدہ تھا
کہ جتنا بھی کوئی چھوٹا افسر ہوتا اتنا ہی زیادہ وہ اپنے اس حق کو منواتا۔۔۔۔
شکایت بیگار ہی کی نہیں تھی۔ فصلوں اور درختوں کا بھی نقصان ہوتا تھا۔ ہاتھیوں
کے مہاوت اور شتربان کیمپ لگتے ہی نزدیکی گاؤں پر ٹوٹ پڑتے۔ جہاں ان کے
جانور درختوں کو گنجا کر ڈالتے۔ درخت ضائع ہو جاتے۔ دیہاتی اپنے مویشیوں کے چارے
سے بھی محروم ہو جاتے۔"

تشکیل ضلع سنہ ۱۸۰۳ء والیِ دوجانہ نواب عبدالصمد خاں کی دستبرداری پر تمام علاقہ رہتک ایسٹ
انڈیا کمپنی کے قبضہ میں آگیا۔ رہتک اور مہم بھی شمالی ضلع کا حصہ بنے۔
[illegible] سے [illegible] تک پھیلا ہوا تھا۔ سنہ ۱۸۲۰ء میں حصار ضلع وجود میں آیا اور مہم اس کی
[illegible] سنہ ۱۸۲۴ء میں پہلی مرتبہ رہتک ضلع بنایا گیا اس وقت اس میں چار تحصیلیں تھیں۔
(۱) [illegible] (۲) کھرکھودہ مانڈوٹھی (جو بعد میں سانپلہ تحصیل کہلائی) (۳) رہتک بیری (۴) مہم
سنہ ۱۸۳۲ء تک تمام علاقہ دہلی (جس میں رہتک اور مہم بھی شامل تھے) کا حاکم اعلیٰ
[illegible] مقیم دہلی ہوتا تھا اس سن میں ریذیڈنٹ کو کمشنر کہا جانے لگا اور ضلع رہتک شمالی
[illegible] کے تحت آگیا۔ سنہ ۱۸۴۱ء میں ضلع رہتک توڑ دیا گیا۔ اور یہ علاقہ دہلی اور پانی پت
[illegible] سنہ ۱۸۴۲ء میں اسے پھر سے ضلع رہتک بنا دیا گیا اور یہ انتظام سنہ ۱۸۵۷ء تک

[illegible] سپیئر ٹوائی لائٹ آف دی مغلز ص ۹۱

یکم ستمبر ۱۸۵۸ء سے کمپنی کی حکومت ختم ہوگئی اور باقی برصغیر کی طرح ضلع رہتک بھی براہِ راست تاجِ برطانیہ کا نگیں ہوگیا۔ یکم جولائی ۱۸۶۰ء کو جھجر ضلع ختم کر کے اس کا کچھ علاقہ رہتک ضلع کی ایک تحصیل بن گیا۔ اگلے سال پنجاب میں از سرِ نو تحصیلیں بنیں تو مہم تحصیل بنی۔ سنہ ۱۹۱۲ء تک ضلع رہتک قسمت دہلی میں رہا۔ دہلی کمشنری صوبہ پنجاب کا حصہ تھی۔ اس سن میں دہلی شہر ہندوستان کا صدر مقام بنا اور رہتک ضلع قسمت انبالہ کا ایک ضلع بن گیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۷ء تک کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

باب ۱۱

خاندان کی معیشت

رہتک اور مہم میں خاندان اپنے بنائے ہوئے وسیع قلعوں میں رہتا تھا۔ ہمارے زمانہ میں بھی [illegible] پختہ خشت کے تھے۔ آئین اکبری میں بھی انہیں خشتِ پختہ سے بنا ہوا بتایا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ [illegible] رہتک میں ایک ہزار سوار اور دو ہزار پیادے اور قلعہ مہم میں آٹھ سو سوار اور دو ہزار پیادے [illegible] تھے۔ تمام مسلم عہدِ حکومت میں پرگنہ رہتک کی بعض خدمات اور پرگنہ مہم کی خدماتِ قضا، افتاء، [illegible]ساب، خطابت، تولیت، میر عدلی اور نرخ نویسی مستقلاً اس خاندان کے افراد کے پاس رہیں۔ [illegible] شاہی دبیر، شہزادوں اور شہزادیوں کے اتالیق، پنج ہزاری، شاہی کتابدار وغیرہ بھی اس [illegible]ان سے رہے ہیں۔ ان تمام خدمات کا معاوضہ نقدی اور جاگیر دونوں صورتوں میں ملتا رہا جس [illegible] گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ یادداشت کو تازہ کرنے کے لئے ہم پھر سے چند ایسے شاہی [illegible] حوالے دیتے ہیں جو مذکورہ بالا منصب داروں کی مددِ معاش سے متعلق ہیں اور جو اتفاق سے [illegible] محفوظ رہ گئے ہیں۔

[illegible]رف عہدِ اکبری کو لیجئے۔ فرمانِ اکبری مجریہ ۹۸۱ھ کی رو سے شیخیت مآب صلاح آثار شیخ [illegible] کو موضع کوتانہ اور پاڑہ میں تین سو سات بیگھہ زمین پختہ یعنی ۱/۲ ۱۹۱ ایکڑ اراضی ملی۔ [illegible] ۱۰ ربیع الثانی ۹۸۲ھ کے مطابق دو ہزار تین سو چالیس بیگھہ جاگیر کی از سرِ نو تقسیم [illegible] الشائخ النظام شیخ بیو خطیب، شریعت مآب فضیلت آیات تقویٰ شعار قاضی اشر[illegible]

[illegible] اکبری، انگریزی ترجمہ جیرٹ جلد ۲ ص ۲۹۲۔ ۲؎ شیخ غلام اشرف بن عبدالغفور۔ مولوی فخر الدین [illegible] حال تھے۔ لاولد گئے۔ پھر یہ جاگیر مولوی فخر الدین کے فرزند شاہ بدرالدین (باب ۳) کو ملی۔ [illegible] بیگھہ ۶ پ ایکڑ بحوالہ رہتک ڈسٹرکٹ گزیٹئر ۱۹۱۰ء

تقویٰ شعار، صلاح آثار مفتی محمد وغیرہ حصہ دار تھے۔ مذکورہ بالا ناموں کے ساتھ جو القاب لگے ہیں وہ شاہی فرمان سے نقل ہوئے ہیں۔ اسی فرمان کی رُو سے شیخ محمود طالب العلم کو چھپن بیگھ زمین ملی اور رقم جزیہ میں سے ایک تنکہ یومیہ ملا۔

یہ مدد معاش مسجد کے مؤذن، جاروب کش، یتیموں، بیواؤں اور اپاہجوں کو بھی ملتی۔ چنانچہ فرمان جہانگیری کی رُو سے بی بی پون کو ۱۵ بیگھ اراضی ملی۔ فرمان عالمگیری مجریہ ۵ رمضان ۱۰۸۶ھ کی رُو سے صلاحیت آثار خان محمد مؤذن و جاروب کش مسجد کو دو تنکہ مبارکہ یومیہ ملتے رہے۔ اسی بادشاہ کے فرمان مصدرہ ۳ ربیع الاول ۱۰۸۱ھ کے ذریعے مشیخت مآب شیخ اجمیری خطیب وغیرہ کو پچاس بیگھ اور فرمان مجریہ ۱۱ محرم ۱۰۹۳ھ کی رُو سے دس خواتین بی بی ماہ رُخ، تاج بی بی، بی بی صادقہ جمیلہ بانو، خیر النساء، عنایت خاتون، برہان خاتون وغیرہ کو دو سو بیگھ اراضی ملی۔ پروانہ مجریہ ۵ ربیع الاول ۱۰۹۲ھ عہد عالمگیری کی رُو سے مسماۃ فیاض بانو، خدیجہ، رقیہ، رفیعہ اور رضیہ از ابنائے زبدۃ الاولیاء قاضی قوام الدین رہتکی کو پچاس بیگھ اراضی ملی۔ یعنی بے سہارا خواتین کو اپنے کماتے پیتے رشتہ داروں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑا جاتا بلکہ ان کے معیارِ اخلاق اور عزت نفس کو قائم رکھنے کے لئے مدد معاش کے طور پر حکومت زمین دیتی اور یہ زمین ہر قسم کے سرکاری ٹیکس اور مطالبات دیوانی سے بری ہوتی۔ یہ سلسلہ شاہنشاہ اورنگ زیب عالم گیر کے جانشینوں کے عہد میں بھی قائم رہا۔

رہتک اور محم پر برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کا براہِ راست قبضہ ۱۸۰۹ء ۱۲۲۴ھ میں ہوا اس سن میں خاندان کی مالی حالت کیسی تھی؟ اس کا صحیح جواب تو اسی وقت دیا جا سکتا تھا جب تمام متعلقہ فرامین اور کاغذات اس وقت موجود ہوتے مگر ان میں سے اکثر انگریزی عہد میں تلف ہو گئے۔ تمام جاگیریں اور بعض حالات میں زرخرید اراضی کی ضبطی کے بعد یہ کاغذات غیر ضروری تھے۔ بعض کو کرم کھا گئے۔ کچھ مرورِ ایام میں ہاتھ لگتے لگتے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بعض اپنے مالکوں کی نسل منقطع ہونے کے باعث ضائع ہو گئے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی دار و گیر میں خاندان کے کم از کم گیارہ سربرآوردہ [illegible] حضرات کو سولی پر شہید کیا گیا یا گولی سے اڑا دیا گیا [illegible] حضرات تھے جن کے پاس زیادہ سے زیادہ تعداد میں شاہی فرامین ہوتے تھے۔ ان [illegible] اجداد کی زرخرید اراضی بھی ضبط کر لی گئی۔ ان کے پاس جو شاہی فرامین اور زرخرید اراضی کے کاغذات تھے وہ انگریزی فوج کی غارت گری نے تلف کئے جو کچھ باقی بچے یورپی سیاحوں اور انگریز حاکموں

نے ہتھیائے۔ چنانچہ انہی کے لئے لارڈ ڈبلیو ایچ ہیلی چیف کمشنر دہلی سینتالیس عدد نہایت قیمتی فرامین ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ سے لینے میں کامیاب ہو گئے۔ رہی سہی کسر ۱۹۴۷ء میں پوری ہو گئی۔ بلوہ گروں کے جلا ساماں میں یہی فرامین سب سے بیکار اشیاء شمار ہوتے تھے۔ ان تلف شدہ شاہی اور نوابی فرامین کا اندازہ دو مثالوں سے ہو سکتا ہے۔ ہمارے پاس ۱۲۳۵ھ ۱۸۲۰ء کی ایک تحریر پڑی ہوئی ہے۔ یہ تحریر عظیم اللہ صدیقی الہمی (۵۰ ب) کی ہے جو انہوں نے اپنے فرزند سلطان کرامت علی اور عبداللہ کی راہنمائی کے لئے چھوڑی۔ اس یادداشت میں اکبر، جہانگیر، اورنگ زیب اور کئی نوابوں کے ۲۸ مدد پروانوں اور زرخرید زمین کے کاغذات کی فہرست دی ہے جو عظیم اللہ کو اپنے بزرگوں سے ملے تھے۔ اور جن میں سے اب صرف ایک منظور احمد (۲۸ ھ) کے پاس موجود ہے۔ دوسری مثال ان بیشتر عدد فرامین اور چک ناموں کی غارت گری کی ہے جن کی فہرست ہم اسی باب میں پیش کریں گے۔

اس تباہی کے باوجود خاندان کے پاس شاہی فرامین، نوابی پروانے، چک نامے، بیعنامے تمسک نامے وغیرہ تقریباً ایک ہزار کی تعداد میں موجود ہیں جن میں سے ہم اب تک چار سو کے قریب دیکھ پائے ہیں۔ انہیں ہم نے اپنی تالیف کنز الآثار میں نقل کر لیا ہے۔ جو کاغذات ہم نے اب تک دیکھے ہیں ان سے کسی حد تک اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۸۰۹ء میں اور اس سے کچھ پہلے خاندان کی معاشی حالت کیسی تھی۔ اگر ہمیں یہ احساس نہ ہوتا کہ اعداد و شمار کا انبار قارئین کرام پر گراں گزرے گا تو انیسویں صدی کے آغاز کے بہت سے افراد خاندان کی املاک کی ایک نامکمل سہی مگر طویل فہرست مرتب کر کے پیش کر دیتے۔ یہاں ہم صرف تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

پہلی مثال مستقیم الدولہ محمد احسان خاں بہادر سپہدار جنگ (۱۱۴ ب) کی ہے جنہیں ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے محمود ہانسی تک کے علاقہ کا نواب بنانا چاہا مگر انہوں نے معذرت کر دی۔ ان کی ملکیت میں چوبیس گاؤں تھے۔ دوسری مثال شاہ عبدالعظیم (باب ۱۵) کی ہے جنہیں نواب عبدالصمد خان [illegible] نے بھینی سرجن اور اس کے توابع ماتو اور سانگھ کی اراضی دی تھیں اور تیسری مثال شہاب الدین (باب ۱۲) کی اولاد کی تین ہزار سات بیگھ پختہ اراضی ہے۔

رہتک اور محم میں کمپنی کی حکومت نے وہ سب کچھ کیا جس کا ذکر ہم گذشتہ باب میں کر آئے [illegible] سیدھے سادے نظام عدل کی بجائے متبادل نظام قائم کیا تو پرگنہ کے معزز عہدیداران [illegible] نائب امیر عدل اور نرخ نویس عوامی سطح پر آ گئے۔ جو بزرگ کا تک تمام علاقہ [illegible]

زادو معزز تھے ان کا وقار ختم کرکے کم حیثیت مگر خوشامد پسند گھٹیا ذہنیت کے لوگوں کو ان سے
یادیا۔ دیہی اور قصباتی خود مختاری کو ختم کیا۔ باہمی جھگڑے جو خاندان کا کوئی بزرگ یا شہر کا کوئی
شخص ذرا سی دیر میں طے کردیا کرتا تھا۔ اب عدالتوں میں جانے لگے۔ شہر مقدمہ بازی کے نوف
پھوٹ، فریب، باہمی منافرت اور تباہی کی تلخی نظم خاندان میں سرایت کرنے لگی۔
اندھا دھند فوج کشی کرکے کمپنی نے علاقے کے امن کو تباہ کردیا۔ نئے نظام مالیہ نے زرو
ینوں سے خاندان کی دلچسپی ختم کردی مگر مالیہ وصول کرنے کے لئے توپ خانہ اور سواروں کے ساتھ
ن کی پانچ بٹالین آموجود ہوتیں۔ جو جاگیردار خود سر ریذی ڈنٹ کی جائز یا ناجائز خواہشات کی
ے چون وچرا تکمیل نہ کرتے۔ ان کی زمین ضبط کر لی جاتی۔ چنانچہ جب ریذی ڈنٹ دہلی ولیم فریزر
ے موضع گنگانہ کی ایک ہندو جاٹنی مسمات سرون کو پولیس کے ذریعہ سے اغوا کرا کے اپنے گھر ڈال
یا تو علاقہ میں منافرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ریذی ڈنٹ نے ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان
بھی (باب ۵) کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اپنے معتقدین کو تلقین کریں کہ صدائے احتجاج بلند نہ
کریں تو آپ نے صاف انکار کردیا۔ اس پر ولیم فریزر نے آپ کے والد کی جاگیر ضبط کر لی۔
کمپنی اس میں عافیت سمجھتی تھی کہ با اثر لوگوں کو بے حیثیت بنا کر ان کی جگہ اپنے ڈھب کے
آدمیوں کو دی جائے۔ چنانچہ حکومت نے ایک ایسا ملک دار کیا جس سے خاندان کی مالی حالت تباہ
ہو گئی اور پھر وہ تمام انگریزی عہد میں نہ سنبھل سکا۔ ۱۸۳۰ء کے تیسرے ایکٹ کی دفعہ نہم کی رو سے
شاہی عہد کے تمام منصب داروں اور جاگیرداروں کی جائیدادیں ضبط کر لیں۔ یہ قانون بڑی ہی انقلابی
نوعیت کا تھا۔ اس کا مقصد جاگیردارانہ نظام کو ختم کرنا نہیں تھا بلکہ اپنے خوشامدیوں اور وفاداروں
پر مشتمل ایک نیا جاگیردارانہ نظام قائم کرنا تھا۔ جاگیرداروں کے پاس قرنیوں سے جو کچھ رہا تھا اب
اس سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ کل کے رئیس یکلخت مفلس بن گئے۔ منصب داروں نے ہر
امکانی کوشش کی۔ بعض نے انفرادی طور پر حکام کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اجتماعی کوششیں بھی ہوئی
ایسی دو کوششوں کا ہمارے پاس ریکارڈ ہے۔
ایک کوشش خواجہ بخش (۲۲ ب) اور ان کے چچا امیر اللہ شہید (۲۵ ب) الحاج محمد ابراہیم
خطیب (۲۱ ب) اور شاہ سلام اللہ (باب ۳) کی دختر بی بی صبیحہ (شاہ محمد رمضان شہید کی سالی) نے
کی۔ انہوں نے ایک کاغذ پر لکھا کہ عہد سلطانی سے ہمارے بزرگوں کے پاس چار سو بیگھہ یعنی دو
سو پچاس ایکڑ اراضی تھی۔ اس پر ہمارا ۱۸۳۰ء تک قبضہ رہا۔ اس تحریر پر تیس معززین کے

رائے گئے۔ ایسی تحریر کو استشہاد نامہ کہتے ہیں۔ دوسری مثال وسیع تر اجتماعی کوشش کی ہے۔ ہم
یں خاندان کے جو حضرات اس قانون سے متاثر ہوئے ان کی اکثریت نے صاحب سلسلۃ الانساب
شیخ احتشام الحق (۴۰ ب) کو اپنا وکیل و مختار بنا کر جاگیروں اور معافیوں سے متعلق کاغذات ان کے سپرد
کردیئے۔ شیخ موصوف ایک عالم و فاضل اور باعزت بزرگ تھے۔ انہوں نے کم و بیش ایک سال
عدالتوں کے چکر کاٹے۔ جب ان کے لئے یہ بات قابل برداشت نہ رہی تو انہوں نے شیخ عزیز علی
کو اپنی طرف سے وکیل و مختار بنایا اور ان کے سپرد چوہتر (۷۴) قطعات کاغذ کئے جن میں چار عدد
شاہی فرامین، چودہ عدد ولیسے فرامین جو صدر الصدور کی مہر سے جاری ہوئے۔ نوابوں کے چھ عدد
... اور چالیس عدد چک نامے تھے۔ شیخ عزیز علی سے مصدقہ تفویض نامہ پر دستخط لئے کہ مقدمہ
ے ہونے کے بعد یہ کاغذات واپس کر دیئے جائیں گے۔ ان کاغذات میں خاندان کی شاخ ہم کے تمام
جاگیرداروں کے کاغذ نہیں اور نہ ہی کوئی کاغذ شاخ رہتک سے متعلق ہے ہم اس تفویض نامہ
کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

تفویض نامہ

منکہ شیخ عزیز علی ولد شیخ امان بن شیخ زمان ساکن قصبہ ہم ام۔ چوں شیخ احتشام الحق ولد شیخ
... الحق ابن شیخ نثار الحق ساکن قصبہ مذکور من مقرر بالعہدہ وکالت و مختار کار سوال الجواب اراضی
... قصبہ مذکورہ پیش گاہ صاحب ضلع رہتک مقرر نمودہ جمیع کاغذات استناد بتعداد ہفتاد و چہار
... استشهاد نامہ استشہادی خواہند و گواہی می طلبند بر صدق میاں امیر اللہ ولد شیخ صبغۃ اللہ علی و خواجہ بخش
... حافظ سعد اللہ و محمد ابراہیم ولد غلام کف و مسمات بی بی صبیحہ بنت مولوی سلام اللہ وغیرہ ساکن قصبہ ہم از
... دو سہ ساری حتی کہ قریب چہار صد بیگھہ پختہ ملک عطائے سلطانی و حکامی کہ موسومہ بزرگان سائلاں در سواد قصبہ
... مہ اور ہم سب شریک تعلیم کہ از روئے عطا تا امروز بعد فوت مورث الیہما کے پشت در پشت اپنے حصہ اور
... و تصرف میں رہیگی کبھی قبضہ اور دخل ہمارا از عہد سلطانی تا عمل داری کمپنی انگریز بہادر ۱۸۲۰ء عیسوی کے اور
... میں ہوا اور کسی حاکم نے اس کو ضبط نہیں کیا۔ ہمہ مزروعہ و غیر مزروعہ ہمارے قبض و تصرف میں رہی ہے گی۔
... اطلاع رکھتا ہو وہ اس پرچہ کاغذ پر اپنی گواہی ثبت کر دے۔ عند اللہ ماجور اور عند الناس مشکور ہوگا۔
... ہمارے محلے کے باہر مغرب کی طرف رہتا تھا غالباً اس قبیلہ کی حیثیت اپنے خاندان کے موالی کی سی
... تھا کہ چھوٹے قبیلے کسی بڑے قبیلہ کی پناہ میں آکر موالی کہلاتے۔ عزیز علی مولانا ولد شیخ امان علی ولد
... شیخ حامد ولد شیخ عبد الواحد کے بارے میں پیرزادہ ابراہیم حنیف لکھتے ہیں: "عزیز علی مذکور کچھ زیادہ تعلیم یافتہ
... تھا اور کچھ سفلی علم کا گمان بھی اس پر کیا جاتا تھا۔"

قطعہ بتفصیل ذیل سپردِ من مقر نمودہ کہ بعد انفراغ روبکارے کو اغذات املاک واپس سپردِ مشارٌ الیہ نمایم بنابراں
ایں چند کلمہ بطریق رسید کو اغذات املاک نوشتہ دادہ شد کہ الحال سند باشد۔

موسومہ الف خاتون
ے قطعہ

قطعہ بلاسرہ
ا قطعہ

چاہ کلال والہ
معہ قطعہ

کشت ملا
دو قطعہ

کشت کانگہیری والا
للعہ قطعہ

کشت کانگہ بابت شیخ چوہر
غیر بیعنامہ یک

پروانہ عبد الغنی صدر
یک

پروانہ نواب تاج محمد خاں
یک

پروانہ نواب محمد علی خاں
یک

چکنامہ
یک

پروانہ دارا شکوہ
یک

پروانہ شاہ جہان
یک

پروانہ
یک

چکنامہ
یک

نقل پروانہ احمد یار خاں
یک

نقل چکنامہ
یک

چکنامہ
یک

بیعنامہ
یک

پروانہ عالمگیری
یک

چکنامہ
یک

بیعنامہ
ے

تصحیحہ محمد صلاح صدر
یک

بیعنامہ
یک

کشت بہرا والہ عنہ رہن نامہ
یک

کِشت منجھو والا عنہ رہن نامہ
ے قطعہ

کشت جہادہ
دو قطعہ

نقل چک نامہ
یک

بیعنامہ
دو

رہن نامہ
دو قطعہ

تصحیحہ حافظ عتیق اللہ
یک

بیعنامہ
یک

تصحیحہ محمد صلاح صدر
یک

کشت کوتوال عنہ بیعنامہ
یک

چاہ محمود والہ عرف انبل والا عنہ بیعنامہ
صہ قطعہ

کشت ثانزدہ بگھہ
للعہ قطعہ

کشت دابر
صہ قطعہ

کشت چری عنہ بیعنامہ
دو قطعہ

کشت کریدوالہ
للعہ قطعہ

تصحیحہ محمد صلاح صدر
یک

بیعنامہ
ے

کشت مہرہ
للعہ قطعہ

قطعہ گسائیں والہ
دو قطعہ

مسماۃ تاج بی بی
دو قطعہ

چاہ نکن والہ و محمد والہ و نصیر خاں والہ
دو قطعہ

کشت ہرداس والہ عنہ رہن نامہ
یک قطعہ

کشت چہار والہ عنہ رہن نامہ
یک قطعہ

پروانہ مرزا انور بیگ
یک

چکنامہ
یک

قبالہ
یک

رہن نامہ
یک

تصحیحہ عبد الغفور صدر
یک

نقل چکنامہ
یک

تصحیحہ محی الدین صدر
یک

مقسومہ
یک

تصحیحہ سعد الدین صدر
یک

تصحیحہ محمد صلاح صدر
یک

کشت دوکار عنہ بیعنامہ
یک قطعہ

چاہ شادی خاں والہ
دو قطعہ

کہ اخذ املاک شیخ عظیم الدین ولد شیخ غلام مرتضی بن شیخ غلام التقیا
ے قطعہ

بیعنامہ
یک

فرمان عالمگیری
یک

صورتِ حال
یک

کِشت مالو والہ رہن نامہ
یک قطعہ

[illegible] والہ
دو قطعہ

بیعنامہ
یک

تصحیحہ سعد الدین صدر
یک

کشت رامہ والا رہن نامہ
یک قطعہ

کشت دود ہا والا عنہ پردانہ احمد یار خاں
یک قطعہ

کشت سر مید والا عنہ تصیحہ حافظ عتیق اللہ
یک قطعہ
تحریر فی التاریخ بست و نہم جولائے ۱۸۳۶ء

کلکٹر ضلع رہتک کو درخواست دینے کی تیاری ہو رہی تھی کہ ۱۸۳۰ء میں رہتک ضلع توڑ دیا گیا۔ تحصیل رہتک کو دہلی میں اور تحصیل ہم کو ضلع حصار میں شامل کر دیا گیا۔ ریکارڈ کی تبدیلی میں کچھ وقت لگا۔ اسی اثناء میں ۱۰ر جولائی ۱۸۳۰ء کو میرٹھ سے سپیشل کمشن کا ایک اطلاع نامہ[1] کا اشتہار ہوا جس کی رو سے مقام اپیل میرٹھ کو قرار دیا اور اپیل دائر کرنے کی مدت صرف دو ماہ مقرر کی۔ ضلع ٹوٹ جانے کی وجہ سے حصولِ نقول اور تصدیق نقول میں بڑی دقت پیش آئی۔ ابھی ہندوستان میں ریل بھی نہ آئی تھی۔ میرٹھ میں گواہوں کی ایک پوری کھیپ لے جانا بھی محال تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حضرات اپیل ہی دائر نہ کر سکے اور جنھوں نے اپیل دائر کی وہ مزید زیر بار اور پریشان ہوئے کیونکہ اپنے خاندان سے کسی کی اپیل منظور نہ ہوئی۔

مالی اعتبار سے یہ زخم بہت گہرا تھا۔ مناصب پہلے ختم ہو چکے تھے۔ پورا خاندان مفلسی کی زد میں آگیا۔ ہم اور رہتک میں وسائل روزگار مسدود پا کر افرادِ خاندان نے باہر نکلنا شروع کیا۔ یہ موقعہ

---

[1] نقل اشتہار: بوصولِ روبکار محکمہ اسپیشل کمشن مقام میرٹھ برائے اطلاع خاص و عام کے اشتہار دیا جاتا ہے کہ برائے اپیل محکمہ موصوفہ بموجب ضمن دوئم دفعہ چارم قانون سیوم ۱۸۳۰ء عیسوی بمیعاد دو ماہ کے از تاریخ نفاذ ۔۔۔۔ حصول نقل روبکار ضبطی معافی داران مقرر اور کافی ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی معافی دار ارادہ اپیل کا رکھتا ہو تو ماہین میعاد دو ماہ کے درخواست اپیل کی معہ نقل روبکار ضبطی معرفت مختار خواہ اصالتاً محکمہ موصوفہ میں داخل کرے یا ایک درخواست اپیل کی پیش صاحب کلکٹر یا ڈپٹی کلکٹر تحقیقات معافی کے گزرانے صاحب موصوف بموجب دفعہ پنجم دستور العمل ۔۔۔۔۔ قانون سیوم ۱۸۳۰ء عیسوی مسل مقدمہ معہ درخواست اپیل محکمہ اپیل مذکورہ کے ارسال کریں گے ورنہ بعد گزرنے معافی داران بعد دو ماہ کے بیچ اس محکمہ کے خواہ پیش صاحبان موصوف کے درخواست اپیل کے داخل کریں گے اپیل ان کا منظور نہیں ہوگا۔ تحریر ۱۰ر ماہ جولائی ۱۸۳۰ء
جہاں نقطے لگے ہوئے ہیں وہاں سے ایک ایک لفظ مٹا ہوا ہے۔

فائز تھے بعض نے مجبوراً کمپنی کی ملازمت اختیار کی مگر ان میں سے کوئی بھی فوج میں رسالدار اور سول میں تحصیلدار یا کوتوال کے منصب سے زیادہ نہ پا سکا۔

اس موقعہ پر افرادِ خاندان نے دیسی ریاستوں کی ملازمت کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت پر ترجیح دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دیسی ریاستوں کا سہارا نہ ہوتا تو اس جلیل القدر خاندان کی مالی حالت کی ہرگز اصلاح نہ ہوتی۔ خاندان کے بہت سے افراد جھجر، دوجانہ، بہادرگڑھ، ٹونک اور لکھنؤ وغیرہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے پہلے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورِ حکومت میں چلے گئے۔ وہاں ان کی لیاقت کے جوہر کھلے۔ بعض وہیں کے ہو رہے اور بعض نے ترکِ وطن نہ کیا۔ چنانچہ

۱۔ دوجانہ: مولوی امام الدینؒ (باب ۳) کو والی جھجر نواب دوندے خاں نے بامرارِ بلاکر ان کے سپرد عہدۂ قضا کیا۔ آپ کے برادرِ اصغر مولوی بہاء الدین (۹۰ ب) نے بھی وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہ دونوں رہتک سے گئے تھے۔

۲۔ جھجر: مولوی شہاب الدین اور بعد میں ان کے فرزند وجیہہ الدین شہیدؒ (۵۰ ب) جھجر میں اعلیٰ عہدوں پر تھے۔ یہ دونوں رہتک سے گئے تھے۔ ہم سے عبد الغفور (۲ ب) جھجر جا کر ملازم ہوئے۔

۳۔ بہادرگڑھ: دوجانہ، جھجر کی طرح بہادرگڑھ دار الریاست بھی آجکل ضلع رہتک میں ہے۔ انگریزوں کے قبضۂ دہلی سے پہلے بھی ریاست بہادرگڑھ کی خدمتِ قضا اپنے خاندان کے بزرگوں کے سپرد تھی چنانچہ قاضی نور الحق (۳۱ ب) اور پھر یکے بعد دیگرے ان کے تین پوتے قاضی حسام الحق، حکیم قاضی فضل الحق اور قاضی بہرام الحق متوفی ۱۲۴۲ھ بہادرگڑھ کے قاضی رہے۔

۴۔ بردچھور: حکیم ببر علی (۴۱۸ ب) راجہ جودھپور کے طبیب خاص مقرر ہوئے۔ ان کی اولاد

[illegible] پٹیالہ میں غلام سردار الدین سررشتہ دار تھے۔ قاضی عبد الرحمن بن قاضی غلام حسن (باب ۲) اور فقیر اللہ (۴۵ ب) انکے محکمہ میں ملازم تھے۔ مفتی شاہ عیاذ الدین (۵۹ ب) کو بھی ایک جگہ ملازمت پیشہ لکھا ہے۔ [illegible] نجیب الدین شہید اور ان کے فرزند عزیز الدین شہید (باب ۱۲) اور حسین الدین (۱۰۸ ب) تھے۔ فوج [illegible] رسالدار جلال الدین شہید (۴۰ ب) رسالدار میجر صدر الدین (۱۰ ب) اور ان کے فرزند شمس الدین دفعدار [illegible] (۱۰ ب) اور ان کے بھائی عبد اللہ اور عبد الستار، مولوی محمد یعقوب (۱۵۹ ب) حسین الدین بن حکیم [illegible] (۱۰ ب) وغیرہ تھے۔ عبد العلی (۶۲ ب) سول میں ملازم تھے۔

کا بڑا حصہ اب تک جودھپور میں آباد ہے۔

۵۔ ٹونک: نواب وزیر الدولہ والیِ ٹونک کے دربار سے کچھ عرصہ شاہ محمد اسمٰعیل شہید ثمہیں (باب ۵) منسلک تھے جہاں آپ کو سات روپے یومیہ ملتے تھے۔ ان دنوں میں تحصیلدار کا ماہانہ شاہرہ سات روپے تھا۔ شاہ محمد اسمٰعیل شہید کے داماد مولوی امین الدین (۹۵ ب) ۱۸۴۲ء میں دربار ٹونک سے متعلق ہو گئے اور وہاں میر منشی کی کلیدی اسامی پر فائز ہوئے۔ آپ کی وجہ سے اس کنبے اور افرادِ خاندان بھی ملازم ہو گئے اور ۱۸۵۷ء کے بعد تو ٹونک میں خاندان کے بیسیوں افراد اعلیٰ عہدوں پر متمکن تھے۔

۶۔ اودھ: اپنے خاندان کا اودھ سے بڑا گہرا اور نسبتاً مستقل تعلق رہا ہے۔ چنانچہ اب تک قصبہ محمدی ضلع کھیری لکھیم پور میں خاندان کی ایک شاخ آباد ہے۔ شیخ وزیر الحق (۱۰۷ ب) نواب واجد علی شاہ کے میر منشی تھے اور حکیم ولی اللہ بن احسن اللہ از اولاد مولانا کبیر الدینؒ اسی والی کے طبیب تھے۔ حکیم عزیز الحق بن حفیظ الحق (۱۰۳ ب) شاہی دار الشفا کے ناظم تھے۔ آپ نے ایک موقع پر نواب واجد علی شاہ کے مرض برص کا علاج صرف عرق کی خوشبو سے کیا تو نواب صاحب نے آپ کو موضع گوکن، دلاور پور، غفار نگر، حکیم پور گرانٹ وغیرہ عطا کئے۔ ان حضرات کی وجہ سے اودھ میں اور حضرات بھی ملازم رہے۔

یہ فہرست نامکمل ہے۔ مگر اس قدر اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے کہ افرادِ خاندان ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورِ حکومت میں کس کثرت سے دیسی ریاستوں میں گئے۔

کمپنی کے دورِ حکومت میں خاندان کی تبلیغی مساعی

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ انگریزی حکومت کے ختم ہونے کے بعد پاکستان میں عیسائیت کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔ ۱۸۰۳ء میں چھ سو سالہ مسلم حکومت کا خاتمہ کر کے انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا۔ انگریز بجا طور پر اپنا مدِ مقابل مسلمانوں کو سمجھتے تھے اور ان کے مقابلہ پر ہندوؤں کو ابھارتے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے مسلمانوں کو گرانے کی امکانی کوشش کی۔ مسلمان اقلیت میں تھے اور وہ اپنے آپ کو مظلوم بھی سمجھتے تھے۔ ان دونوں چیزوں نے ان کے جذبۂ ملی کو ابھارا۔ وہ اپنی بقا کی خاطر اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے۔ علاقہ دہلی پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط نصف صدی رہا۔ یہ حیران کن حقیقت ہے کہ اس نصف صدی میں جس قدر ترسیعِ اسلام ہوئی اتنی بعد کی ایک صدی میں نہ ہو سکی۔ اس سے پہلے بھی ہریانہ

اس کے نواح میں زیادہ تر اپنے ہی خاندان کے بزرگوں کی تبلیغی مساعی سے اسلام پھیلتا رہا۔ مگر اس خاندان سے متعلق دہلی دربار رپورٹ کا مندرجہ ذیل فقرہ زیادہ تر اسی دور کے بارے میں ہے کہ "اضلاع حصار، رہتک، کرنال اور گوڑگاؤں کے مسلم راجپوتوں کو حلقۂ اسلام میں لانے اور ان کی اصلاح کرنے میں اس خاندان نے نمایاں کام کیا ہے"۔[۱]

ایسٹ انڈیا کمپنی کا رہتک اور جھجر پر تسلط ۱۸۰۹ء میں ہوا۔ اس وقت رہتک میں سرتاج الزہاد حضرت شاہ غلام جیلانی (باب ۴) مسندِ شیخیت پر متمکن تھے اور جھجر ہادیِ ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید (باب ۵) کی اصلاحی تحریک کا مرکز تھا۔

ان بزرگوں کی خدمات اسلام پر ہم تفصیلی بحث کر چکے ہیں لہٰذا یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ خاندان کے ہاتھوں سے پرگنہ جھجر کی خدمات قضاء، افتاء، احتساب، میر عدل، نرخ نویسی چلے جانے سے بظاہر خاندان کا وقار ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔ مگر ان دو بزرگوں کی وجہ سے اس وقار میں بہت کچھ اضافہ ہوا۔ بلکہ اب لوگوں کے دلوں پر خاندان کی حکومت ہو گئی۔ انگریزی عدالتوں کے ہوتے ہوئے بھی اکثر مسلمان اور کچھ ہندو بھی اپنے باہمی جھگڑوں میں صدیقیانِ رہتک اور جھجر کے فیصلوں کو ناطق سمجھتے۔ اس دورِ انحطاط میں اگر ہریانہ کے مسلمانوں کو تسکین ہوتی تھی تو وہ رہتک اور جھجر کی شمعِ علم و عرفان سے ہوتی تھی۔ ۱۸۲۶ء میں حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکی (باب ۴) نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ پانچ سال بعد حضرت ہادیِ ہریانہ (باب ۵) شہید کر دیئے گئے۔ مگر ان کے تربیت یافتہ حضرات نے اس شمع کو گل نہ ہونے دیا۔

۱۔ دہلی دربار رپورٹ ۱۹۱۱ء صفحہ ۲۸۱۔ یہ سرکاری رپورٹ ہے۔

باب ١٢

آزادی کی مساعی میں خاندان کا حصّہ

سنہ ١٨٠٣ء میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا۔ انگریز کمانڈر انچیف آگے بڑھ کر سکھوں سے براہ راست ٹکر نہ لینا چاہتا تھا اس نے تیج ہمک کا علاقہ اپنے وفاداروں میں تقسیم کرنا چاہا۔ دو جانے ہانسی ہمک کے علاقہ کی پیشکش نصر اللہ دولہ محمد احسان خاں بہادر نصرت جنگ صدیقی المعی (۱۰۶ ب) کو کی گئی۔ انہوں نے یہ پیش کش قبول نہ کی اور جے پور چلے گئے۔ اس ایک واقعہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت سے متعلق صدیقیان رہتک اور مہم کے رویہ کا اظہار ہوتا ہے۔

سنہ ١٨٠٩ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا رہتک اور مہم پر تسلط ہو گیا۔ دو سال بعد بزرگ خاندان شاہ عبد العظیم (باب ۵) نے اپنی مہر خواتی: "شیخ عبد العظیم اہل یقین اہتمام امور شرع متین و سلاک ۱۲۰۶" اور اس کے حاشیہ میں لکھوایا: "وافوض امری الی اللہ نصر من اللہ و فتح قریب" یہ مہر ۱۷ شوال سنہ ۱۲۲۷ھ کی ایک تحریر پر ہمارے پاس محفوظ ہے۔ کمپنی کے تسلط کے خلاف اس قدر واشگاف الفاظ میں اعلان معمولی بات نہ تھی۔

رہتک اور مہم انچاس سال تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت رہا اور مزید نوّے سال تاج برطانیہ کے قبضہ میں۔ ان ایک سو اڑتیس سال میں صدیقیان رہتک اور مہم نے ذہنی طور پر انگریزی حکومت کو کبھی جائز حکومت تسلیم نہ کیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے مختلف تدابیر اختیار کر کے اور سنہ ١٨٥٧ء میں تمام جاگیریں ضبط کر کے خاندان کو مفلس اور نادار بنا دیا اور رہتک اور مہم میں تمام وسائل روزی مسدود ہو گئے۔ تاہم خاندان کی روش میں چنداں تبدیلی نہ آئی چنانچہ ہم مجبوری اگر آٹھ دس افراد نے کمپنی کی ملازمت اختیار کی تو بیسیوں ایسے تھے جنہوں نے دیسی ریاستوں میں ملازمت کو ترجیح دی۔ یہی دور مجبوری تھا کہ خاندان میں پیرزادگی کو بار یابی ہوئی۔ ...

اس سے پہلے خاندان میں بڑے بڑے مشائخ ہو گزرے تھے مگر ان کی اولاد میں نہ کوئی سجادہ نشین خاندان اپنے آپ کو پیرزادہ کہلاتا تھا۔ رفتہ رفتہ پیرزادگی نے اتنا فروغ پایا کہ سنہ ١٨٥٧ء کی جنگ آزادی کے دو سال بعد مہم کے جس محلہ قضاۃ میں خاندان آباد تھا اس کا نام محلہ پیرزادگان پڑ گیا مگر بعد کے کسی دور میں بھی خاندان کے پانچ فی صد سے زیادہ افراد نے پیرزادگی کو ذریعہ معاش نہیں بنایا۔ اور ان لوگوں کے گزارہ کی صورت نذر نذرانوں پر تھی۔ انہوں نے معروف اور مسلمہ طور پر جائز حدود سے کبھی تجاوز نہیں کیا۔

سنہ ١٨٥٧ء میں جب جاگیریں ضبط ہوئیں تو کئی حضرات نے محض اس لئے قانونی چارہ جوئی نہ کی کہ انگریز حاکم یا اس کے نمائندہ کے سامنے سائل کی حیثیت سے جانا عزت نفس کے منافی ہے۔ یہی بات سنہ ١٨٥٧ء کی جنگ آزادی کے بعد سکنی اور زرعی ملکیت کی ضبطی کے بعد تھی۔ حاکم کے سامنے جا کر کھڑے ہونے پر مفلس و نادار رہنے کو ترجیح دی۔ تمام انگریزی عہد میں خاندان میں کچھ گھرانے متمول ہو گئے۔ ایسے گھرانے بھی تھے جن کی زرعی زمین مہم اور رہتک کے ہر نمبردار یا ذیلدار سے زیادہ تھی چنانچہ قیام پاکستان کے وقت بھی الحاج ظہور اللہ شہید (۴۴ ب) غالباً مہم کے سب سے بڑے زمیندار تھے مگر تمام انگریزی دور حکومت میں اپنے خاندان کے ایک بھی فرد نے محض اس لئے ذیلدار یا نمبردار بنایا جانا ناپسند نہ کیا کہ انگریزی حکومت کے کارندے یعنی تحصیلدار کے سامنے خود باز جواب دہ ہونا پڑے گا۔

خاندان کے اس مزاج سے انگریز شروع میں ہی آگاہ ہو گیا تھا اور اس کی پہلے دن سے یہ کوشش رہی کہ اس خاندان کو نیچے گرا کر اس کی خود اعتمادی اور اس کے عوام پر اثر کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے ہر ایڈیشن میں دھانکوں، چماروں اور مسلمان فقیروں تک کا ذکر بڑے بسط سے کیا گیا۔ مگر ضلع کے اس سب سے جلیل القدر خاندان اور سب سے زیادہ پڑھے لکھے اور باثر خاندان کا براہ راست ایک فقرے میں بھی ذکر نہیں کیا اور جن دو مقامات پر اس خاندان کا ضمنی طور پر سرسری سا ذکر آیا ہے وہاں برائی کے ساتھ۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس خاندان نے انگریزی حکومت کی کوئی ایسی خدمت نہیں کی جس کے عوض انگریزوں نے اسے اپنے ایک سو اڑتیس سالہ دور میں ایک بالشت زمین انعام یا جاگیر کے طور پر دی ہو۔

جنگ آزادی سنہ ١٨٥٧ء میں خاندان کا حصّہ

١٠ مئی سنہ ١٨٥٧ء کو ہفتہ کا دن تھا۔ میرٹھ چھاؤنی میں جنرل ہیوٹ نے تمام فوج کو جمع کیا اور بچاسی

جوانوں کی سزا کا اعلان کیا جنھوں نے چربی لگے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ دیسی فوج
کو غیر مسلح کر دیا گیا اور سب کی آنکھوں کے سامنے پچاسی مجرم فوجیوں کے بیڑیاں ڈال کر انہیں پرانے
ہسپتال کے چھوٹے سے وارڈ میں بند کر دیا گیا یہ ایسا سانحہ تھا جس نے ہر دیسی فوجی کو بے تاب اور
غمگین بنا دیا مگر ہتھیار چھن چکے تھے۔

اگلے روز چھٹی کا دن تھا۔ دیسی فوجی حسبِ معمول گھومنے پھرنے شہر گئے جہاں ہر جگہ ان پر آوازے
کسے گئے۔ فوجیوں کی طرح اہلِ شہر بھی مشتعل تھے۔ شہر میں خفیہ طور پر سکیم تیار ہوئی۔ کوتوال شہر دھن سنگھ
ایک آرام طلب اور کمزور مزاج شخص تھا۔ داروغہ نجیب الدین نے کوتوالی کا تمام اسلحہ فوجیوں کو دے
دیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سورج اپنی پوری تمازت سے چمک رہا تھا۔ انگریز افسر جھلس دینے والی دھوپ
سے سر چھپائے اپنی اقامت گاہوں میں محوِ خواب تھے۔ مجاہدین کوتوالی کا اسلحہ لے کر چھاؤنی پہنچے
اپنے ساتھیوں کو آزاد کرایا اور اسلحہ خانہ سے ہتھیار لے کر دہلی کی طرف کوچ کیا۔

یہ تھا جنگِ آزادی کا پہلا دن۔ داروغہ نجیب الدین صدیقی الرہتکی حضرت مولوی [illegible]
(۵۰ اب) کے پوتے تھے۔ اس جرم کی پاداش میں اس مجاہد کو پھانسی کی سزا ملی۔ ان کی اولاد میں
اب کوئی نہیں۔

میرٹھ سے چل کر مجاہدین نے اگلے روز دہلی کو آزاد کرا لیا۔ رہتک میں اس وقت بنگال سول
سروس کے جان ایڈن لاک کلکٹر تھے، کلکٹر کو بعد میں ڈپٹی کمشنر موسوم کیا جانے لگا۔ مسٹر منولال ڈپٹی
کلکٹر، بختاور سنگھ تحصیلدار اور بھورے خاں تھانیدار تھے۔ خبر پہنچتے ہی مسٹر ایڈن لاک نے تمام [illegible]
ان فوجیوں کو رہتک بلا لیا جو ان دنوں چھٹی پر تھے۔ نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر کو مدد بھیجنے کا حکم
بھیجا۔ نواب صاحب خاموش ہو رہے مگر جب یاددہانی کرائی گئی تو انہوں نے کچھ سوار بھیج دیے۔
سوار راستہ میں انگریزوں کے خلاف لوگوں کو ابھارتے ہوئے رہتک پہنچ گئے۔ بعد میں جب گرفتاریاں
ہوئیں تو نواب جھجر کے میر منشی وجیہہ الدین شہید صدیقی الرہتکی (۵۰ب) کی تلاش ہوئی یہ [illegible]
کے ساتھی تھے۔ انہیں قلعہ سے گرفتار کر کے جھجر لے جا کر پھانسی دی گئی۔

دہلی کو آزاد کرانے کی خبر حیرت انگیز سرعت سے ضلع رہتک کے گاؤں گاؤں میں پھیل
گئی اور ہر طرف آزادی کے نعرے بلند ہونے لگے۔ مسٹر لاک نے سنا کہ شاہ دہلی کا ایک نائب
تفضل حسین ایک معمولی سی جمعیت کے ساتھ رہتک آ رہا ہے تو وہ بھورے خاں تھانیدار کو ساتھ لے کر
گوہانہ ہوتے ہوئے کرنال پہنچ گئے۔ ۲۴ مئی کو تفضل حسین رہتک پہنچے۔ اور رہتک کا انتظام رسالدار

جلال الدین کے سپرد کر کے دو روز بعد دہلی چلے گئے۔

کرنل شین انبالہ سے نیٹو انفنٹری کی ساٹھویں رجمنٹ لے کر ۳۱ مئی کو رہتک پہنچا۔ یہ رجمنٹ
ضلع کچہری کے احاطہ میں ٹھہری مگر اس نے ۱۰ جون کو اعلانِ آزادی کر دیا۔ اس رجمنٹ کے انگریز
افسر گھوڑوں کو ایڑ لگا کر فرار ہو گئے۔ یہ رجمنٹ دہلی جا کر مجاہدین کی تقویت کا باعث بنی۔

کیپٹن ہڈسن چار سو سواروں کو لے کر ۱۵ اگست کی شام کو رہتک پہنچا جہاں اس کی مزاحمت
کی گئی۔ مزاحمت کرنے والوں میں کچھ لوگ مارے گئے اور ہڈسن ضلع کچہری کے احاطہ میں خیمہ زن ہو
گیا۔ شہر کے بنیوں نے اس کے سواروں کو اشیائے خورد و نوش بہم پہنچائیں۔ صبح تک شیوخِ شہر
اور [illegible] دلیر ہو گئے۔ رات کے وقت گرد و نواح کے رانگھڑ بھی جمع ہو گئے۔ طلوعِ
آفتاب کے بعد یہ متحدہ جمعیت کیپٹن ہڈسن پر حملہ کے لئے بڑھی۔ دکھاوے کے لئے یہ کچھ پیچھے
ہٹا اور پھر اپنے سواروں کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ان پر حملہ آور ہوا۔ اس نے ان میں سے تقریباً
سو کو مار دیا۔ باقی عالمِ انتشار میں شہر کی طرف بھاگے۔ بندوقچی شہر اور قلعہ کی فصیلوں کی حفاظت
کر رہے تھے لہٰذا کیپٹن ہڈسن نے مزید حملہ کو دانشمندی نہ سمجھا۔ یہ شہر کا چکر کاٹ کر جسیہ میں خیمہ زن
ہوا اور وہاں سے سونی پت ہوتا ہوا دہلی چلا گیا۔

جس وقت کیپٹن ہڈسن حملہ کرتے ہوئے قلعہ کی فصیل کے نیچے پہنچا۔ رسالدار جلال الدین
فصیل پر کھڑے اپنی فوج کو احکامات دے رہے تھے۔ اچانک ان کے ایک گولی لگی اور وہ
شہید ہو گئے۔ کیپٹن ہڈسن وہی شخص ہے جس نے اگلے مہینے بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں کو اپنی گولی کا
نشانہ بنایا۔ رسالدار جلال الدین صدیقی الرہتکی شہید (۱۹۳ب) کے بعد بابر خان راجپوت مجاہدین کے
سواروں کا سردار بنا۔ یہ ہاتھی پر چڑھ کر دہلی چلا گیا اور ملکہ وکٹوریہ کے اعلانِ معافی کے بعد رہتک میں [illegible]
[illegible] اس کا لڑکا شہزاد خاں تھا۔

۲۰ ستمبر کو انگریزوں کا پھر سے دہلی پر قبضہ ہو گیا۔ ۲۶ ستمبر کو پنجاب لیویز کی ایک جمعیت اور
[illegible] کے دستے لے کر جنرل وان کورٹ لینڈ رہتک پہنچا۔
بہت سے باغیوں کو گولی سے اڑا دیا گیا یا پھانسی دی گئی۔ جہاں تک ممکن ہو سکا چوری
کا مال برآمد کیا گیا، تمام ضلع کو کامیابی کے ساتھ غیر مسلح کر دیا گیا۔ جو دیہات بدی
میں پیش پیش تھے ان پر تریسٹھ ہزار روپے جرمانہ کیا گیا۔ مستحقین کو انعامات دیے گئے

اور مجرموں کی زمینیں ضبط کر لی گئیں۔ شیوخ قلعہ، قصاب اور رانگھڑ اس زمانہ کے سب سے بڑے بدکار تھے اور انہیں ہی سخت ترین سزائیں بھگتنی پڑیں۔[1]

جن حضرات کو انگریز کی ڈپلومیٹک زبان اور محتاط نویسی کا علم ہے۔ وہ اندازہ لگا سکیں گے کہ شیوخ قلعہ پر کیا گزری ہو گی!! شیوخ قلعہ رحمہ اللہ علیہ ہما پر جو قیامت ٹوٹی اس کا تحریری ریکارڈ تلف ہو چکا ہے اور ہم زبانی روایات سے خانہ پری کرنا نہیں چاہتے۔ تحریری ریکارڈ صرف اس قدر باقی ہے کہ ۲۶ ستمبر ۱۸۵۷ء سے ملکہ وکٹوریہ کے اعلان معافی یکم ستمبر ۱۸۵۸ء تک صدیقیان قلعہ رہتک جس ابتلا میں مبتلا رہے اس کے مقابلہ میں گذشتہ پانچ صدی کے تمام انقلابات کی تباہ کاریاں مل کر ہیچ تھیں۔ قلعہ کی فصیل کو حکماً منہدم کرا یا گیا۔ اسلحہ برآمد کرنے کے لئے گھر گھر کی تلاشی لی گئی۔ اور تمام تہ خانے پُر کرا دیے گئے۔ جن حضرات پر الزام بغاوت تھا ان کی تمام زرعی زمین ضبط ہوئی اور تلاشی لے کر گھر کا تمام اثاثہ بھی ضبط ہوا۔ گھر کی تلاشی کے وقت زمین کو اسلحہ اور نقدی و زیور کا سراغ لگانے کے لئے ہر جگہ سے دو دو فٹ گہرا کھود ڈالا۔ باغیوں کی تلاش میں تمام محلہ کو ہراساں کیا گیا۔ چنانچہ داروغہ نجیب الدین کو شہید کرنے کے بعد ان کی تمام زرعی اور سکنی جائداد اور گھر کی ہر ایک شے ضبط کر لی۔ ان کی شہادت سے پہلے ان کے فرزند عزیز الدین شہیدؒ کو مزید راز کے افشا کرنے کے لئے اذیت پہنچا پہنچا کر شہید کر دیا۔[2] رسالدار جلال الدین شہیدؒ (۱۹۳ ب) کا گھر دو دو فٹ کھود ڈالا اور ان کی بقول ناصر الدین (۱۹۳) گیارہ سو بیگھہ زمین ضبط کر لی گئی۔ وجیہہ الدین شہیدؒ (۵ب) کی ملکیت میں دو گاؤں اور پانچ سو بیگھہ زمین تھی۔ یہ سب ضبط ہوا اور اس کے ساتھ مکان بھی تھے رہتک سے دو اور حضرات کو پھانسی ملی یہ دونوں بھی معافی دار تھے۔ یعنی ان کی زمینوں کا مالیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا مگر شاید یہ خاندان سے نہ تھے یا ان کے متعلق ہمیں جو نوٹ لکھا ہوا ملا ہے اس میں

---

[1] رہتک ڈسٹرکٹ گزیٹیئر ۱۹۱۰ء

"THE WORST EVIL-DOERS OF THE TIME HAD BEEN THE SHIEKHS OF THE FORT, THE BUTCHERS AND THE RANGHARS AND ON THESE THE HEAVIEST PENALTY FELL."

[2] عقیل الدین (۵م) کا بیان ہے میرٹھ میں عزیز الدین شہید داروغہ تھے انہیں شہید کرنے کے بعد ان کے والد نجیب الدین کو قلعہ رہتک سے گرفتار کر کے شہید کیا۔

والد کا نام لکھا ہے۔ یہ شیخ قیام الدین ولد حسام الدین اور شیخ رحیم الدین ولد عظیم اللہ تھے۔ شیخ قیام الدین بٹالین، بریلی چھاؤنی میں ملازم تھے۔ انہیں میرٹھ میں پھانسی دی گئی۔ اگر یہ قیام الدین شہید اپنے خاندان سے تھے تو رحیم الدین بن قمر الدین بن عظیم الدین بن مولوی صدر الدین کے فرزند ہو سکتے ہیں۔ گو کسی شجرہ میں رحیم الدین بن قمر الدین کے کسی فرزند کا نام درج نہیں۔ شیخ رحیم الدین شہید ولد عظیم اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فاروقی خانوادے سے تھے فوج میں جمعدار تھے۔ جنگ آزادی کے وقت بلند شہر میں تھے، بجرم بغاوت درجہ شہادت پایا۔ قلعہ رہتک سے اور بھی کئی حضرات تھے جن کی جرم بغاوت میں تلاش رہی مگر یہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ صرف نجف علی ولد شمس الدین ولد عظیم الدین ولد مولوی صدر الدین (۵ب) کا نام معلوم ہو سکا۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا جو اثر میم پر پڑا اس کے راوی مولوی عبدالشکور صدیقی الٰہی (بابِ ۵) ولد شاہ عبدالغنی ایم۔ مولوی صاحب موصوف (۱۸۴۳ء - ۱۹۱۵ء) جنگ آزادی کے وقت ایک تعلیم یافتہ باشعور نوجوان تھے اور اس دردناک منظر کے عینی شاہد۔ ان کے بیان کے ساتھ رہتک گزیٹیئر میں مندرج واقعات کو ملا لیا جائے تو کچھ ایسا نقشہ تیار ہوتا ہے۔

میم میں کسٹم کا انچارج ایک انگریز تھا۔ لوگ اسے ہیوٹ صاحب گرد اور پرمٹ (پرمٹ) کہتے تھے۔ میم کے چودھریوں اور جماروں نے ۲۹ مئی کو کسٹم کا بنگلہ لوٹ لیا۔ اس انگریز نے مولوی محمد یحییٰ اقصیٰ بن شاہ محمد اسمٰعیل (باب ۵) کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھے اپنے گھر میں پناہ دیدو۔ آپ خود اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے ہانسی چلے جانے کا مشورہ دیا۔ جاٹوں نے اسے رتھ پر بٹھا کر ہانسی کی طرف بھیج دیا۔

ہریانہ لائٹ انفنٹری نے حصار میں اور چوتھی اڑیگولر کیولری نے ہانسی میں اپنے افسروں کو ہلاک کر دیا۔ یہ دہلی کی طرف بڑھے۔ راستہ میں میم پڑتا تھا۔ تحصیلدار میم بچھن سنگھ روپوش ہو گیا۔ ہانسی اور حصار کی فوج تحصیل میم کا ریکارڈ تلف کرتی ہوئی دہلی کی طرف چل گئی۔

پندرہ سو رانگھڑ والی پر مشتمل ایک لشکر دہلی سے سرسہ کی طرف جاتے ہوئے میم میں ٹھہرا۔ اس لشکر نے سلیم اقبال ولد پیر بخش کو گرفتار کر لیا جو جنگ آزادی کی ساعی میں رکاوٹ ڈال رہا تھا۔ تحصیلدار کی ہدایت پر بزرگ شہر حضرت شاہ محمد اسمٰعیل (باب ۵) کی خدمت میں حاضر ہوا اور پاؤں پکڑ کر التجا کی کہ بال بچوں کو اپنے ہاں پناہ دے دیں ایسا نہ ہو کہ "باغی" انہیں بھی گرفتار کر لیں۔ اس کے ساتھ اس کے متعلقین بھی تھے۔ اپنے ہم وطنوں کی ہمدردی میں آپ اپنے تین فرزندان ابوالحسن

مولوی سیف الرحمٰن، مولوی محمد یعقوب اور مولوی محمد یحییٰ کو ساتھ لے کر سفارش کے لئے سپہ سالار
کے پاس گئے اور بابر بقال کو چھڑا لائے۔ اس موقع پر مولوی محمد یعقوب (۵۹ اب) اور مولوی محمد یحییٰ
نے اپنی خدمات سپہ سالار کو پیش کر دیں۔ اور رسالدار بنا دیئے گئے۔ اس سے قبل مولوی محمد یعقوب ایک
مرتبہ مجاہدین کے اس دستہ میں شریک تھے جس نے بہادر گڑھ کے مقام پر انگریزی فوج کا مقابلہ
کیا تھا۔

سپہ سالار کوئی شہزادہ تھا یا شہزادہ مشہور ہو گیا تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ شہزادہ فیروز تھا
ایک اور روایت ہے کہ وہ ابوالحسن پسر فضل حسین وکیل عدالت صدر الصدور تھا۔ یہ سپہ سالار [illegible]
اپنے گھر کے آدمی حصار میں ایک بزرگ مولوی رکن الدین کے مکان پر چھوڑ آیا تھا۔ اس کے نائب اور
صلاح کار اپنے خاندان کے ایک بزرگ فضل الرحمٰن (۴ اب) تھے۔

یہ لشکر کوچ کرتا ہوا آگے بڑھا اور ہانسی ٹھہر کر حصار کی طرف چلا۔ حصار سے چھ میل کے
فاصلہ پر موضع منگالی میں اس کا مقابلہ انگریزی فوج سے ہوا (غالباً سکنرز ہارس جو بعد میں فرسٹ
بنگال لانسرز کہلائی) مجاہدین تتر بتر ہو گئے۔ سپہ سالار چھپ چھپا کر حجاز پہنچ گیا۔ اس کے نائب فضل الرحمٰن
(۴ اب) بھی ملکہ وکٹوریہ کے اعلان تک روپوش رہے۔ یہ (قاضی) امین الرحمٰن کے جد بزرگوار تھے۔

راستہ میں جب یہ لشکر ہم سے کوئی پندرہ میل ہانسی کی طرف موضع جمال پور پہنچا تو مولوی
محمد اسحاق کا ایک رقعہ ملا کہ دو گاؤں کے آدمی اور بہت سا غلہ حسب طلب بھیجا جا سکتا ہے۔ یہ رقعہ
موضع موٹھ سے لکھا گیا تھا۔ جہاں مولوی محمد اسحاق شہیدؒ مجاہدین کی تنظیم کر رہے تھے۔ موضع منگالی
میں جب دہلی سے آنے والے مجاہدین کا لشکر منتشر ہوا تو یہ رقعہ انگریزی فوج کے ہاتھ لگ گیا۔
چنانچہ سواروں کا ایک دستہ موضع موٹھ بھیجا گیا۔ اور مولوی محمد اسحاق کو وہاں سے ہانسی لے جا کر پھانسی
دی گئی۔ اس وقت آپ کی عمر ستائیس سال تھی۔ مولوی محمد اسحاق، پیر محمد غازی (۳۱ ا) کے جد بزرگوار تھے۔

یہی انگریزی فوج بھوانی ہوتی ہوئی ہم کی طرف چلی اور ہم سے تین میل کے فاصلہ پر موضع [illegible]
میں خیمہ زن ہوئی۔ یہاں ہم کے تحصیلدار لچھمن سنگھ، بابر بقال اور چند نمبرداروں نے اس کا استقبال
کیا۔ جنگ آزادی ناکام ہو چکی تھی اور اب مخبروں اور خوشامدیوں کی بن آئی تھی انہوں نے آفیسر کمانڈنگ
کے کان بھرے کہ ہم میں صدیقی خاندان شر و فساد کا بانی ہے اور فلاں فلاں آدمی بغاوت کر
رہے ہیں اور شاہ محمد اسمٰعیلؒ ان کے سرغنہ ہیں۔ آفیسر کمانڈنگ نے عیدو خاں اور شہاب نمبردار [illegible]
کو شاہ محمد اسمٰعیل کو لانے کے لئے بھیجا۔ آپ اپنے فرزند مولوی سیف الرحمٰن کے ساتھ [illegible]

[illegible] گئے جہاں دونوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ شاہ محمد اسمٰعیل کو حصار بھیجدیا گیا جہاں آپ نے قید خانہ
میں وفات پا کر درجہ شہادت پایا۔ ابوالحسن مولوی سیف الرحمٰن (۵۰ اب) کو رہتک لے جا کر پھانسی
دی گئی۔

[illegible] بیٹھے ہوئے ہی انگریزی فوج کے آفیسر کمانڈنگ نے تیس سواروں کا ایک دستہ ہمارے
[illegible] کے لئے بھیج دیا تھا۔ بعد میں تمام فوج وہاں پہنچ گئی مگر اتنے میں خاندان کے اکثر افراد
روپوش ہو چکے تھے۔ صرف چند افراد خواتین کی دیکھ بھال کے لئے رہ گئے تھے۔ خاندان کی پوری تاریخ
میں یہ پہلا موقع تھا کہ اس قدر توہین ہوئی ہو۔ فوج محلہ میں داخل ہو گئی اور عبدالحق بن عبداللہ بن
[illegible] (ب) امیر اللہ (۵۲ ب)، عماد الحق (۴۰ ب) اور ان کے چھوٹے بھائی امداد الحق اور مولوی
[illegible] کو گرفتار کر لیا اور بہت سے بزرگ بھی اس کی فہرست پر تھے مگر وہ روپوش ہو چکے تھے۔

اگلے روز تحصیلدار لچھمن سنگھ اور بابر بقال کی معیت میں فوج ہر گھر کے دروازہ پر گئی۔ جو افراد
[illegible] ملازمت میں تھے یا جن پر بابر بقال نے کوئی الزام نہیں لگایا تھا انہیں چھوڑتے ہوئے باقی حضرات
[illegible] مکانوں کی تلاشی شروع ہوئی۔ خواتین کو شیخ نصیر اللہ (۴۳ ب) کے مکان میں بھیجدیا گیا۔ یہ وہ مکان
[illegible] کا دروازہ محلہ کی بڑی مسجد کے پاس سڑک پر کھلتا تھا۔ اس مکان کا دروازہ اس مکان
[illegible] دروازے کے بالکل سامنے تھا جو بعد میں خان بہادر ڈپٹی مظفر احمد فضلی (۷ اب ۵) نے بنوایا تھا۔
[illegible] مکانوں میں فوج داخل ہو گئی۔ مکان کی ہر ہر چیز حتیٰ کہ توا، چمٹا تک ایک جگہ کر لئے گئے۔ کئی
[illegible] کو کھود کر مدفون زر و دولت اور اسلحہ تلاش کیا۔ پھر قصبہ کے بنئے اور متمول جاٹ بلا کر
[illegible] اسباب اور بعض مکانوں کو نیلام کر دیا گیا۔ نوادرات اور زیادہ قیمتی سامان فوجی افسروں کے
[illegible] آیا۔

گرفتار شدگان کو رہتک لے جایا گیا۔ امیر اللہ اور عماد الحق اور عبدالحق کو پھانسی دی گئی
[illegible] کو عبور دریائے شور کی سزا ملی اور مولوی محمد یحییٰ ملکہ وکٹوریہ کے اعلانِ معافی تک
[illegible] جیل میں قید رہے۔ کم و بیش ایک سال تک محلہ کی گلیوں میں ہو کا عالم رہا اور گھروں کے
[illegible] سسکیوں کا دور دورہ۔ خاندان کے معزز حضرات ادھر ادھر روپوش پھرتے رہے۔
مولوی محمد یعقوب (۵۹ اب) ٹونک چلے گئے۔ فضل الرحمٰن (۴ اب) اور عبدالغفور (۲ ب)
[illegible] باقی کئی حضرات جنگلوں میں چھپتے پھرتے تھے۔ یہ تعلیم یافتہ اور ذی عزت حضرات
[illegible] چھپ چھپا کر رات کے وقت گھر آجاتے اور گھر کے تہ خانے میں بیٹھ کر کھانا کھاتے۔

یکم ستمبر ۱۸۵۸ء کو ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کیا اور کمپنی کے مقبوضات براہ راست تاج برطانیہ کے ماتحت آگئے۔ روپوش حضرات ظاہر ہونے لگے۔ مگر کچھ ایسے بھی تھے جن کے متعلق بعد میں کسی کو علم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گئے۔ خاندان میں مشہور یہی رہا کہ شاید انہیں بھی پھانسی دے دی گئی۔ ان مفقود الخبر حضرات میں سے ہمارے پاس صرف چار کا ریکارڈ ہے۔ (۱) شیخ غلام ارتضیٰ بن مفتی غلام اتقیا از ابنائے مفتی محمد جعفر (۲) شیخ مخدوم بخش بن شیخ احمد حسن از ابنائے مفتی محمد جعفر (۳) شیخ عبداللہ بن عظیم اللہ (۵۰ ب) اور (۴) شیخ قطب الدین بن کریم الدین سلسلہ مقبان میں سے تھے۔

متذکرہ بالا حضرات کے علاوہ ایک اور بزرگ تھے۔ ضیاءالحق شہیدؒ بن شاہ الحق بن قاضی نورالحق (۲۱ ب) نجف گڑھ میں شہید کئے گئے۔ ان کی اولاد کا سلسلہ جاری نہیں۔ بریلی میں ابوالبخش بن علی بخش (۱۸۲ الف) خان بہادر خان کی فوج کی طرف سے انگریزوں سے لڑتے ہوئے زخمی ہوئے مگر گرفتار ہونے سے بچ گئے۔

شہداء جنگ آزادی ۱۸۵۷ء

تمہیں سے اے مجاہدو جہان کو ثبات ہے

۱۔	رسالدار جلال الدین شہیدؒ	: مدفن رہتک ،	شہادت رہتک ،	ار اگست ۱۸۵۷ء
۲۔	عبدالحق شہیدؒ	: ″ مہم ،	″ ″	۲۶ر ستمبر ۱۸۵۷ء
۳۔	مولوی محمد اسحاق شہیدؒ	: ″ ہانسی ،	″ ہانسی	۸ر اکتوبر ۱۸۵۷ء
۴۔	عمادالحق شہیدؒ	: ″ مہم ،	″ رہتک	۱۵ر اکتوبر ۱۸۵۷ء
۵۔	امیراللہ شہیدؒ	: ″ ″ ،	″ ″	۱۶ر اکتوبر ۱۸۵۷ء
۶۔	مولوی سیف الرحمٰن شہیدؒ	: ″ رہتک ،	″ ″	۲۵ر نومبر ۱۸۵۷ء
۷۔	عزیز الدین شہیدؒ	:		۲۸ر دسمبر ۱۸۵۷ء
۸۔	داروغہ نجیب الدین شہیدؒ	:		۵ر جنوری ۱۸۵۸ء
۹۔	ضیاءالحق شہیدؒ	: مدفن نجف گڑھ ،	شہادت نجف گڑھ	۱۴ر جنوری ۱۸۵۸ء
۱۰۔	وجیہہ الدین شہیدؒ	:	″ جھجر	۴ر جنوری ۱۸۵۸ء
۱۱۔	شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ	: مدفن حصار ،	شہادت حصار	۱۲ر فروری ۱۸۵۸ء

آزادئ پاکستان کے لئے خاندان کی مساعی

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں خاندان پر جو مظالم ہوئے وہ ایسے نہیں تھے کہ ایک دو نسلوں میں بھلا دیئے جاتے۔ ان مظالم کے اثرات بڑے دوررس تھے۔ لہٰذا ان کی یاد کی تلخی بھی دیر تک قائم رہی۔ شہدائے جنگ آزادی کی جائدادوں کی ضبطی سے ان کے پس ماندگان کی مالی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ بیسویں صدی عیسوی میں آزادی اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے ہندوستان میں جو بھی تحریکیں چلیں خاندان نے اس میں پورا پورا حصّہ لیا۔ خاندان کے کسی فرد نے کانگریسی ذہنیت کا مظاہرہ نہیں کیا البتہ ایک مختصر سی شاخ جو محمدی میں مقیم تھی اس کا ایک حصّہ جمعیت العلماء ہند کے زیر اثر رہا اور باقی سیاسیات سے لاتعلق رہے۔

تحریک خلافت

رہتک اور مہم میں اس تحریک کے روح رواں افراد خاندان تھے۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی یہ پہلی سیاسی تحریک تھی۔ جس میں خاندان نے اجتماعی حیثیت سے حصّہ لیا۔ وہ عجیب منظر تھا جب مہم میں ایک اونچے سے بانس پر پیرزادہ عبدالسلام (۳۲) کا ہیٹ ٹانگا گیا اور اس بانس کے چاروں طرف زمین پر انگریزی ساخت کے تمام ریشمی کپڑے جمع کئے گئے۔ عورت کو کپڑا کس قدر عزیز ہوتا ہے مگر ہماری خواتین نے سب قیمتی کپڑے بھیجدیئے اور پھر ان تمام کو بڑے اہتمام کے ساتھ نذرِ آتش کر دیا گیا۔ مہم میں پیر صدیق احمد (۹۱) پیرزادہ مفتاح الدین (۵۳) الحاج ظہوراللہ شہید (۴۳ ب) اور پیرزادہ عبدالسلام (۳۲) اس تحریک کے سربراہ تھے جن میں سے اول الذکر دو حضرات نے قید و بند کی صعوبت بھی برداشت کی۔ رہتک میں بھی خلافت تحریک کے بارے میں بڑا جوش و خروش تھا۔ حکیم مولانا ابرارالحق (۳۱ الف) راولپنڈی میں مطب کرتے تھے۔ وہاں سے رہتک گئے اور ایک نہایت ہی پرجوش تقریر کی اور گرفتار ہو کر چھ ماہ تک اسیرِ فرنگ رہے۔ حافظ محمد صدیق (۱۸۱ الف) ان دنوں گورنمنٹ ہائی سکول رہتک میں پڑھتے تھے۔ محض اس لئے تعلیم ترک کی کہ علماء نے فتویٰ دے دیا تھا کہ انگریزی مدارس میں پڑھنا حرام ہے۔

رہتک اور مہم کے باہر خاندان کے جو افراد تھے ان میں سے بھی بعض نے خلافت تحریک میں حصّہ لیا۔ دو اور حضرات جنہوں نے تعلیم ترک کی پیرزادہ نذیر احمد (۷۶) اور ریحان الدین مصطفےٰ (۵۰ الف) تھے۔ اوّل الذکر اسلامیہ کالج لاہور میں زیرِ تعلیم تھے۔ اور ثانی الذکر غالباً دیوبند میں پڑھتے تھے۔

ریحان الدین مصطفیٰ نے اس تحریک میں بھرپور حصّہ لیا۔ یہاں تک کہ ترکِ وطن کر کے الیاس نذر کو کابل لے گئے اور وہاں سے آذربائیجان، ترکی اور روس میں سرگرداں پھرتے رہے۔ الحاج الماس یمانی (۵۰) کے والد خلافت تحریک سے منسلک رہے اور ان کے چچا مولانا خلیل الدین آزاد صمدانی (۶۰) نے تقریر و تحریر سے یوپی اور کاٹھیا واڑ میں اس تحریک کے حق میں ایک جوش پیدا کر دیا جس کی پاداش میں آپ کو چھ ماہ بامشقت جیل میں قیدِ مشقت کاٹنی پڑی۔

خاکسار تحریک

قراردادِ پاکستان کی منظوری سے پہلے خاکسار تحریک مسلمانوں میں خاصی مقبول تھی مگر ہمارے خاندان نے اس تحریک میں اجتماعی حیثیت سے حصّہ نہیں لیا۔ ہمیں صرف چار افراد کا علم ہے جنہوں نے اس تحریک میں حصّہ لیا۔ جہم میں پیرزادہ سردار احمد (۱۲۱) غالباً تحریک کے سالار تھے۔ رہتک میں محمد ظفر اللہ (۶۲) کو چپ راست کرتے اور گرفتار ہوتے ہوئے دیکھا۔ محمدی ضلع لکھیم پور میں اس تحریک کے سالارِ اعلیٰ محمد محمود الحق (۳۴) تھے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ سجاد احمد (۱۸۲) نے حصّہ لیا۔ یہ اس مظاہرے میں شریک تھے جو خاکساروں نے لاہور میں کیا۔ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو پولیس نے خاکسار مظاہرین پر بیدردی سے گولی چلائی اور بہت سے خاکسار شہید ہوئے۔ سجاد احمد گرفتار ہوئے اور قید و بند کی صعوبت برداشت کی۔

مسلم لیگ

قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۳۴ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کی قیادت سنبھالی۔ اس سے قبل مسلم لیگ تحریک میں جن حضرات نے حصّہ لیا ان میں دو نام ممتاز ہیں۔ ایک نام حکیم شمس الاسلام (۴۰) کا ہے جو ۲۵-۱۹۲۴ء میں رہتک مسلم لیگ کے سیکرٹری تھے۔ دوسرا نام پیرزادہ مولوی محمد حسین (باب ۱۲) کا ہے جو دہلی مسلم لیگ کے صدر اور آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک سالانہ اجلاس کی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔

۱۹۳۷ء میں صوبائی مسلم لیگ کی شاخیں بنانے کی مہم شروع ہوئی تو رہتک اور جہم میں بھی شاخیں قائم ہوئیں۔ جہم میں مسلم لیگ صرف اپنے خاندان کی مساعی سے قائم ہوئی۔ الحاج ظہور اللہ شہید (۳۴۰)، پیرزادہ صدیق احمد (۱۷۹)، پیرزادہ مفتاح الدین (۱۵۳) پیش پیش تھے۔ ان میں سے اول الذکر مسلم لیگ جہم کے صدر بھی رہے۔ نوجوانوں میں الطاف الرحمٰن (۴۰) بڑے فعال کارکن رہے ہیں۔

رہتک اور جہم سے باہر اس نصب العین کے حصول کے لئے مولانا خلیل الدین آزاد صمدانی مرحوم (۶۰) نے بڑا ہی قابلِ قدر کام کیا۔ افسوس کہ اس سلسلہ میں حوالے کے کام کی رپورٹ جن اخبارات میں

شائع ہوتی رہی وہ اس وقت ہمارے پاس نہیں۔ قوم کا یہ نڈر سپاہی ہندوستان کے طول و عرض میں اپنی تحریر و تقریر سے تحریکِ آزادی کی آبیاری کرتا رہا۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں اور پھر پاکستان آ کر اپنی وفات تک مسلم لیگ کے لئے کام کرتے رہے۔

راقم الحروف ۱۹۳۷ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی شاخ امرتسر کا رکن بن گیا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا جس میں آزاد مسلم علاقوں یا پاکستان کی تحریک منظور ہوئی۔ راقم الحروف کو اس تاریخی اجلاس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ مسلمانانِ برصغیر نے پاکستان کو اپنا سیاسی نصب العین بنا لیا۔ بدقسمتی سے اس قراردادِ پاکستان کی تائید میں ایک سال تک پنجاب میں ایک بھی پبلک جلسہ منعقد نہ ہوا۔ ہندو اخبار طعنہ دیتے تھے کہ پاکستان کے لئے صرف ان صوبوں کے مسلمان شور و غوغا کر رہے ہیں جن میں وہ اقلیت میں ہیں ورنہ جن صوبوں کو پاکستان کہا جاتا ہے وہاں کے مسلمان اس قرارداد کے حق میں نہیں۔ انہوں نے کسی پبلک جلسہ میں اس کی تائید نہیں کی۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۴۰ء کو چودھری نصر اللہ خان مرحوم بی اے۔ ایل ایل بی، چودھری محمد صادق ایم اے اور راقم الحروف سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور کے ہوسٹل کی ڈارمیٹری نمبر ایک میں بیٹھے اس طعنہ پر گرم ہو رہے تھے اور اس فیصلہ پر پہنچے کہ شہر شہر پاکستان کے حق میں جلسے کئے جائیں اور آغاز لاہور سے ہو۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اس کی تفصیل انگریزی اور اردو کے کئی اخباروں میں شائع ہوتی رہی۔ یہاں ہم اپنے مضمون "قائدِ اعظم کا زریں مشورہ" مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت ۱۱ ستمبر ۱۹۶۲ء سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں:

"یکم اور دو مارچ ۱۹۴۱ء کو لاہور میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے زیرِ اہتمام پاکستان کانفرنس ہوئی جس کی صدارت قائدِ اعظم نے فرمائی۔ مغربی پاکستان میں قراردادِ پاکستان کی تائید میں یہ پہلا جلسہ تھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ قائدِ اعظم کے اس ارشاد سے ہوتا ہے جو آپ نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

'ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں احساس نہیں کہ تم نے کیا کر لیا ہے۔ تم نے تاریخ بنا ڈالی۔'

YOU DO NOT SEEM TO REALIZE WHAT YOU HAVE DONE. YOU HAVE CREATED HISTORY."

اس کانفرنس میں قائدِ اعظم کے ایما پر دیہات میں تحریکِ پاکستان کا کام کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا نام پاکستان رورل پراپیگنڈا کمیٹی تھا۔ ظفر اللہ خاں ملک، مولانا عبدالستار خاں نیازی

چودھری نصر اللہ خاں مرحوم، چودھری محمد صادق اور راقم الحروف اس کے ارکان مقرر ہوئے۔ بعد میں
ڈاکٹر محمد الیاس قریشی، ظہور عالم شہید، خواجہ اشرف احمد اور ظہور الحسن ڈار صاحبان بھی اس کمیٹی میں
شامل ہوئے۔ اس کمیٹی کے تمام ارکان پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی عاملہ کے ارکان بھی تھے۔

میں نے ۱۰ سے ۱۲ جون ۱۹۴۱ء تک ایک ہفتہ کے لئے رہتک کے دورے کا پروگرام بنایا۔
اس ضلع کے غیور مسلمان اپنی ملی انفرادیت کی بقا کے لئے خاصے مستعد نظر آتے۔ ۱۱ جون کو وہاں مسلم
سٹوڈنٹس فیڈریشن کی شاخ قائم کی گئی۔ رہتک میں مسلم لیگ کا ڈھانچہ موجود تھا مگر خود عہدیدار
بھی جماعت کے باقاعدہ رکن نہ تھے نہ ہی اس کا الحاق صوبائی مسلم لیگ سے تھا۔ میں نے شہر میں خود
رہتک اور ایک دوسری جگہ پر جلسے منعقد کرائے جن میں خود ہی تقریر کی۔ مسلم لیگ کی رکنیت کے فارم
چھپوائے اور گھر گھر اور دکان دکان پھر کر چار دن میں دو ہزار سے زیادہ رکن بنائے جن میں خواتین کی بھی
خاصی تعداد تھی۔ ان دنوں راؤ خورشید علی خاں نے حصار سے آ کر رہتک میں وکالت شروع کی تھی۔ ان
کا تعلق ضلع رہتک کے قصبہ کلانور کی راجپوت برادری سے تھا۔ اس وقت ان کی شہرت [illegible]
تھی۔ پہلی ملاقات میں ان کے خلوص، مستقل مزاجی اور جوشِ عمل سے میں بہت متاثر ہوا۔ مگر ساتھ ہی
انہیں بھی قدرے متاثر کر آیا۔ دوسری ملاقات میں مودودی صاحب کے رسائل۔ مسئلہ قومیت، اور
مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش، انہیں مطالعہ کے لئے دے آیا۔ تیسری ملاقات میں راؤ صاحب
ہموار تھے۔ راؤ صاحب کو مسلم لیگ میں لانا ایک بڑی بات تھی۔ کیونکہ اس خلوص مجسم اور ایثار پیشہ مجاہد
نے بعد میں تحریک پاکستان کے لئے جو کچھ کیا اس کی بہت ہی کم مثالیں مل سکتی ہیں۔ ۱۲ جون کو ارکان
کا ایک اجتماع کیا جس میں راؤ خورشید علی خاں شہری مسلم لیگ کے صدر اور پیر بشیر الدین صدیقی سیکرٹری
منتخب ہوئے۔ رہتک سے فارغ ہونے کے بعد میں راولپنڈی چلا گیا۔

"لاہور میں کمیٹی کا جلسہ ہوا جس میں بعض اخبارات کی روش پر غور کیا گیا۔ وزیر اعظم پنجاب
سر سکندر حیات خاں مرحوم وغیرہ نے وائسرائے کی نیشنل ڈیفنس کونسل کی رکنیت قبول کر کے مسلم لیگ کا
وقار معرض خطر میں ڈال دیا تھا۔ لاہور کے دو اخبارات نے سر سکندر کی حمایت میں اور قائد اعظم کے خلاف
شدومد کے ساتھ پراپیگنڈا شروع کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ مسٹر جناح
محض ایک سیاسی جماعت کے سربراہ ہیں اور سر سکندر پنجاب کے منتخب وزیر اعظم ہیں۔ اس سے:
تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ سر سکندر کی حیثیت زیادہ نمائندہ ہے۔
کمیٹی نے ان اخبارات کے خلاف احتجاج کا پروگرام بنایا۔ ان اخبارات کے بہت سے

پرچے خریدے گئے اور ۳۰ جولائی ۱۹۴۱ء کو ۶ بجے سے شام کے ساڑھے سات بجے تک
لاہور کے ہر قابلِ ذکر چوک میں کھڑے ہو کر ان اخبارات کو نذرِ آتش کیا گیا۔ اخبار سوزی کی یہ رسم
پورے لوازم کے ساتھ ادا کی جاتی۔ چوک میں پہنچ کر تانگے والے کھڑے کر لئے جاتے۔ "پاکستان
زندہ باد" اور "قائد اعظم زندہ باد" کے نعروں کے بعد محمد الیاس قریشی ترنم کے ساتھ ترانہ ملی پڑھتے
تھے تو دو چار سو راہگیر اور دکاندار جمع ہو جاتے۔ پھر مولانا عبدالستار خاں نیازی اپنی بھاری بھرکم
آواز میں ایک مختصر تقریر کرتے جس کے ختم ہونے پر اخبار جلائے جاتے۔ اخبار جلانے کے بعد شام
کے جلسہ کا اعلان کیا جاتا۔ رات کو دہلی دروازے کے باہر جلسہ ہوا۔ لاؤڈ سپیکر کا انتظام تھا۔ ڈاکٹر
محمد الیاس قریشی نے تلاوت کے بعد ترانہ ملی سنایا اور چودھری نصر اللہ خاں مرحوم، چودھری محمد صادق
ظفر اللہ خاں ملک، مولانا عبدالستار خاں نیازی اور راقم الحروف نے تقریریں کیں۔ حاضرین کی تعداد
دو ہزار سے زیادہ نہ تھی مگر مجلسِ احرار کے گڑھ میں پاکستان کے حق میں یہ پہلا جلسہ تھا جسے منعقد
کرنے کی جرأت اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔ اس مظاہرے سے دو اخبارات کی فروخت پر ناگوار اثر پڑا۔

"اخبارات اور طلبہ میں مفاہمت کرانے کے لئے مولانا غلام محی الدین قصوری نے ان دو
اخبارات کے مالکان و مدیران اور پاکستان رورل کمیٹی کے ارکان کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ ۸ اگست ۱۹۴۱ء
فریقین کے درمیان معاہدہ ہوا کہ جب تک آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اس بارے میں کوئی فیصلہ
نہ کرے (۱) اخبارات قائد اعظم کی نمائندہ حیثیت کے بارے میں کچھ نہ لکھیں گے اور طلبہ سر سکندر کے
خلاف کوئی مظاہرہ نہ کریں گے (۲) اخبارات کوشش کریں گے کہ کوئی صورت نکل آئے کہ سر سکندر
کو مسلم لیگ سے نہ نکالا جائے تاکہ لیگ کمزور نہ ہو جائے (۳) طرفین کو مسلم لیگ پر کامل
اعتماد ہے۔

"یہ معاہدہ زبانی تھا۔ اگلے روز ان دو اخبارات میں صرف اس قدر رپورٹ شائع ہوئی کہ طلبہ
کے نمائندوں نے مان لیا ہے کہ وہ سر سکندر کے خلاف کوئی مظاہرہ نہیں کریں گے۔ اس کی تردید
کمیٹی کی طرف سے میں نے تمام اخبارات کو بھیجی۔ جسے صرف اخبار احسان نے اپنی ۹ اگست کی اشاعت
میں جگہ دی۔ اس سے اگلے روز اخبار پرتاپ نے اس تردید پر بڑا چٹ پٹا تبصرہ کیا۔۔۔۔

"۲۰ اگست ۱۹۴۱ء کو چودھری محمد صادق اور میں نے دو ہفتہ کے لئے موجودہ مشرقی پنجاب
کے اضلاع کا دورہ کیا۔ اس سلسلہ میں ایک دن لدھیانہ ٹھہر کر انبالہ پہنچے۔ وہاں خاصا سیاسی شعور
پایا گیا۔ لوگوں میں کام کرنے کا جذبہ بھی تھا۔ مگر بڑوں کے اختلافات سے مسلم لیگ کی گاڑی رکی ہوئی

تھی۔ ۲۴ر اگست کو سید محمد حنیف ایڈووکیٹ کی بیٹھک میں معززین کا اجتماع ہوا۔ عجب رکھ رکھاؤ تھا
ذاتی اور سیاسی اختلافات کے باوجود اس جگہ وہ تمام اصحاب جمع ہو گئے تھے جنہیں شہر میں وقار حاصل
تھا۔ بزرگ شہر میر غلام بھیک نیرنگ اور شیخ ظہیر الدین ایڈووکیٹ صدر آل انڈیا مومن کانفرنس
رونق افزائے محفل تھے۔ ملک گیر شہرت کے ان محترم بزرگوں کی موجودگی میں ایک مرعوب کن اجتماع
کو ہم نے طالب علمانہ جسارت کے ساتھ خطاب کیا۔ کچھ ایسی نیک گھڑی تھی کہ فوراً ہی وہاں لیگ
قائم ہو گئی اور بیٹھے بیٹھے انتخاب بھی ہو گیا۔ حضرت نیرنگ کے دستِ راست سید محمد حنیف صدر
اشتیاق احمد قریشی سیکرٹری اور شیخ عبداللطیف خازن منتخب ہوئے۔ نوجوانوں سے متاثر ہو کر کم از کم
اس وقت تو شیخ ظہیر الدین نے بھی مجلسِ عاملہ کا رکن بننا قبول کر لیا۔

"انبالہ سے یہ وفد لدھیانہ آیا۔ یہاں مسلم لیگی رہنماؤں: غازی محمود دھرم پال، آغا غضنفر علی
ڈاکٹر محمد اعظم اور طفیل محمد صاحبان نے ہمارے لئے ایک پبلک جلسہ کا اعلان کر رکھا تھا۔ مخالف
پاکستان جماعت مجلس احرار کے رہنما بھلا یہ کس طرح برداشت کر سکتے تھے کہ ان کے گڑھ میں پاکستان
کے حق میں پہلا جلسہ ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اسی میدان اور اسی وقت کے لئے اپنے جلسے
کی منادی کرا دی۔ اس سے صورتِ حالات بڑی نازک ہو گئی۔ ۲۶ر اگست کی رات کو ایک ہی میدان
میں دو جلسے ہوئے۔ دوسرے جلسے کے سامعین مسلم لیگ کے سٹیج سے پندرہ گز پیچھے تک بیٹھے
ہوئے تھے۔ پہلے چودھری محمد صادق نے تقریر کی۔ تقریر اپنا اثر دکھا رہی تھی کہ معلوم ہوا کہ ایک
گوشے میں مجلس احرار کے بعض ہمدرد بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک نے کھڑے ہو کر بآوازِ بلند کہا کہ
سر سکندر کو تو مسلم لیگ میں رہنے دیا ہے مگر ایران پر قبضہ کے لئے جو پنجابی فوج بھیجی گئی ہے
اس کا کیا جواز ہے؟ بات یہ تھی کہ اس روز سر سکندر اور سر سعد اللہ خان مسلم لیگ کا فیصلہ قبول کرتے
ہوئے نیشنل ڈیفنس کونسل سے مستعفی ہوئے تھے اور اسی روز برطانیہ نے ایران میں ہندوستانی فوج
اتار دی تھی۔ اس سے مسلمان بڑے مشتعل تھے۔ صادق صاحب نے جواب دیا "صبر کیجئے! اگلے مقرر
کا یہی موضوع ہے"۔ حالانکہ اگلے مقرر کو قطعی اندازہ نہیں تھا کہ ایسی صورتِ حال بھی پیش آ سکتی
ہے۔ راقم تقریر کے لئے کھڑا ہوا اور خدا کا شکر ہے کہ بغیر کسی ناخوشگوار واقعہ رونما ہونے سامعین
آخر تک بیٹھے رہے۔ لدھیانہ سے یہ وفد جگراؤں، ملار، جالندھر اور ہوشیارپور ہوتا ہوا یکم ستمبر
کو لاہور پہنچ گیا۔

پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی کے انجام اور پنجاب اسمبلی کی خالی نشست کے بارے میں

قائدِ اعظم کو باخبر رکھا جا رہا تھا۔ ایک خط میں قائدِ اعظم نے بالمشافہ گفتگو کا اظہار فرمایا تو ظفر اللہ خان ملک،
چودھری نصر اللہ مرحوم اور میں ایک وفد بنا کر بمبئی پہنچے۔ ۸ر ستمبر ۱۹۴۱ء کی شام کو قائدِ اعظم سے ساڑھے
تین گھنٹے باتیں ہوتی رہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ پرسوں میرے ساتھ چائے پیو بلکہ تمہیں میرے
ہی پاس ٹھہرنا چاہیئے تھا۔ ۱۰ر ستمبر کو ۵ بجے سے ۷½ بجے تک ملاقات میں مادرِ پاکستان محترمہ
فاطمہ جناح بھی موجود تھیں۔۔۔۔"

حصولِ پاکستان کے لئے سات سال تک شب و روز کی کشمکش کی داستان طویل ہے۔ لمبی
رپورٹوں اور شائع شدہ مضامین کو یکجا کیا جائے تو ایک کتاب بن جائے۔ ہم اپنے مضمون "راولپنڈی
میں تحریکِ پاکستان کا پہلا جلسہ" شائع شدہ اخبار نوائے وقت ۱۴ر اگست ۱۹۶۲ء سے چند اقتباسات
پیش کرتے ہیں:

"لاہور ۲۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو قراردادِ پاکستان منظور ہوئی۔ اس کی تائید کرنے کے لئے راولپنڈی
میں دو سال تک ایک بھی جلسہ نہ ہوا۔ یہ سعادت راولپنڈی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے حصہ میں آئی۔
کہ اس نے ۸ر مارچ ۱۹۴۲ء کو راولپنڈی میں پاکستان کے حق میں پہلی کانفرنس منعقد کی۔۔۔۔ ان
دنوں راولپنڈی شہری مسلم لیگ کے صدر ایک خان بہادر اور سیکرٹری ایک خان صاحب تھے۔
یہ دونوں بزرگ اگرچہ بڑے نیک تھے مگر میں انہیں کسی طرح بھی تعاون پر آمادہ نہ کر سکا۔ بالآخر انجمن
خدام الاسلام کے شیخ برکت حسین صاحب سے درخواست کی۔ انہوں نے لال کرتی میں ایک جلسہ کا
انتظام کرایا۔ کئی روز تک جلسہ کا اعلان ہوتا رہا۔ ۵ر جولائی کو عید گاہ کے سامنے کے میدان میں
یہ جلسہ ہوا۔ مقررین میں ظفر اللہ خان ملک (بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی)، مولانا عبدالستار خان نیازی
(ایم۔ اے) اور راقم الحروف تھے۔ پاکستان کی تائید میں راولپنڈی میں پبلک جلسہ کرنے کی یہ پہلی کوشش
تھی جو قطعی ناکام ہوئی۔ سامعین کی تعداد کل دس تھی۔

"اس ناکام جلسہ نے یہ راہِ عمل سجھائی کہ تحریک چلانے کے لئے ایسے نوجوان خون کی ضرورت
ہے جو ابھی تک خطابوں اور ٹھیکوں کے جھمیلوں میں نہ پڑا ہو۔ ۱۹ر نومبر ۱۹۴۱ء کو گورڈن کالج
راولپنڈی کے ۹م مارٹن ہال میں راقم کی صدارت میں راولپنڈی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی عاملہ کا اجلاس
ہوا۔ غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ تحریکِ پاکستان کو مقبولِ عوام بنانے کی راہ میں سب
سے بڑی رکاوٹ مقامی شہری مسلم لیگ کا موجودہ ڈھانچہ ہے۔ ۳ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو شہری مسلم لیگ
کے صدر اور سیکرٹری سے استعفٰی لے کر ایک تنظیمی کمیٹی بنائی گئی جس کا کنوینر مجھے مقرر کیا گیا۔ پانچ روز

بعد اس کمیٹی کی منظوری صوبائی مسلم لیگ کے سیکرٹری میاں رمضان علی صاحب نے بھیج دی۔
"اس طرف سے اطمینان کر کے ۲۲ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو راولپنڈی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا دوسرا سالانہ اجلاس راولپنڈی میں منعقد کیا جائے۔۔۔۔ راولپنڈی میں اجلاس کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ ۴ر جنوری کو ستائیس طلبا پر مشتمل مجلس استقبالیہ بنائی گئی۔ مجھے اس کا صدر چنا گیا۔۔۔۔"

اس کانفرنس کی صدارت چودھری خلیق الزمان نے کی۔ حاضرین کی تعداد اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے مطابق پچیس ہزار تھی جن میں متعدد ہندو بھی تھے۔ یہ کانفرنس اس علاقہ میں ہماری تحریک کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ اس موقع پر ملک کے چوٹی کے راہنماؤں سے راقم الحروف کی خط و کتابت ہوئی یہ تمام خطوط تو گم ہو گئے البتہ قائد اعظم کا ایک خط جمیل الدین احمد نے اپنی مرتبہ کتاب "سپیچز اینڈ رائٹنگز آف جناح" کے صفحہ ۳۹۱ پر ۱۹۵۲ء میں شائع کر دیا۔ یہ پیغام

ھ مکتوب گرامی قائد اعظم بنام راقم الحروف

"آپ کا ۲۶ر فروری ۱۹۴۲ء کا تار موصول ہوا جس میں آپ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ اجلاس کے لئے جو راولپنڈی میں ۷ اور ۸ مارچ کو منعقد ہو رہا ہے مجھ سے پیغام کی درخواست کی ہے۔
میری خواہش تھی میں ایک اور مرتبہ آپ کے ساتھ ہوتا اور آپ سب سے ملاقات کی مسرت حاصل کرتا مگر افسوس کہ میری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ میرا دہلی میں رہنا قطعی ضروری ہے۔ تاہم میں آئندہ پنجاب آنے کا موقع تلاش کر رہا ہوں۔ پھر آپ سے مکرر ملوں گا۔ یقین جانئے میرا دل آپ کے ساتھ ہے اور میں مسلمانوں کی بہبودی کے لئے اور اس مقصد کے لئے جو ہم سب کو عزیز ہے حتی المقدور کوشاں ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ جو کار خیر کر رہے ہیں اسے جاری رکھیں گے۔
مجھے یقین ہے کہ چودھری خلیق الزمان کی صدارت میں اور دوسرے راہنماؤں کی موجودگی میں جو وہاں آئیں گے، آپ کا سالانہ اجلاس بڑا ہی کامیاب رہے گا۔
ہم بڑی حد تک اپنی قوم کو سب سے ناپسندیدہ و رجعت پسند عناصر سے پاک کر چکے ہیں۔ ہم نے کسی حد تک اس خاص طبقہ کے اثر کو زائل کر دیا ہے۔ جو مولانا اور مولوی کہلاتے تھے۔ ہم نے کوشش کی اور کہ ہماری جد و جہد میں ہماری خواتین ساتھ رہیں۔ جہاں جہاں میں گیا انہوں نے اجتماعات میں شرکت کی اور بہت سی چیزوں میں بڑی ہی دلچسپی ظاہر کی۔ سیاسیات میں ہمیں آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر عمل پیرا رہنا چاہئے۔ پانچ سال کی مدت میں ہم ہندوستان کے مسلمانوں میں اتنی تنظیم پیدا کرنے میں کامیاب
(جاری حاشیہ صفحہ ۴۰۵)

اس کا اردو ترجمہ میرے خطبۂ استقبالیہ کے ساتھ پانچ ہزار کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کیا گیا تھا۔ اسی سال میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد، آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ اجلاس منعقدہ جالندھر اور اگلے سال آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی میں شرکت کی اور انہیں کامیاب بنانے کے لئے کچھ کام بھی کیا۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ ۴۰۴) ہو چکے ہیں کہ اس کی مثال گذشتہ ڈیڑھ صدی میں نہیں ملتی۔ ان میں اس طرح بیداری پیدا کر دی گئی ہے کہ مخالفین انگشت بدندان ہو گئے اور ان کے قدم ڈگمگا گئے۔ مسلمان جمود کو خیر باد کہہ رہا ہے اور شکست خوردگی اور یاس و نا امیدی کے عمیق غار سے نکل آیا ہے۔ ان کو اپنی قوت کا احساس ہو چلا ہے۔ انہیں خود اپنی طاقت اور صلاحیتوں کا اب تک علم نہیں۔ اگر وہ اپنی قسمت دوسروں کے ہاتھ میں نہ دیں اور متحد ہو جائیں تو کوئی طاقت ان کے عزائم کے راستہ میں حائل نہیں ہو سکتی۔
سیاسی پروگرام کے علاوہ اشد ضرورت اس امر کی ہے کہ اس معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی پروگرام پر عمل کیا جائے جو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں مرتب کیا گیا تھا۔ معاشرتی اور اقتصادی بہبودی اور تعلیمی ترقی ہی قوم کی صحیح بنیاد ہے۔ لہٰذا میں صوبائی رہنماؤں اور صوبجاتی اور اضلاعی لیگوں کو سختی کے ساتھ ہدایت دیتا ہوں کہ وہ ان امور پر فوری طور پر عمل پیرا ہوں جن سے ہماری قوم کی معاشی اور معاشرتی بہبود کو ٹھوس فائدہ ہو۔
مسلمانوں سے میں ایک بار اور یہ التماس کروں گا، کسی پر تکیہ نہ کریں۔ اپنی ہی طاقت پر انحصار کریں۔ مسلمانوں نے ابھی تک یہ حقیقت نہیں پہچانی کہ اگر وہ متحد ہو کر کام کریں تو ان میں کتنی طاقت ہے۔ ہمیں ابھی بہت سا ابتدائی کام کرنا ہے اور اس کے لئے تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ ہمیں دبانے میں ہمارے حریف اپنی پوری طاقت صرف کر دیں گے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ہم پر ظلم و تعدی کریں اور ہمارا قتل عام ہو مجھے یقین کامل ہے کہ ہم اس آزمائش کی بھٹی سے اور زیادہ پاکیزہ، بہتر اور مضبوط تر ہو کر نکلیں گے۔
آخر میں مسلم طلبا اور مسلمان نوجوانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں، اس امر کو پیش نظر رکھو کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کی باگ ڈور کل تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔ کیا تم نے یہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے تربیت حاصل کر لی ہے۔ اور اپنے میں وہ خواص پیدا کر لئے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو آج ہی اس کی ابتدا کریں۔ یہی مناسب ہے۔ خدا تعالیٰ تمہیں کامیابی سے ہمکنار کرے۔

مخلص

ایم۔ اے۔ جناح

بنام منظور الحق صدر مجلس استقبالیہ
اجلاس ثانی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن۔ راولپنڈی"

علم روکتے روکتے بھی بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ ضلع رہتک سے باہر افرادِ خاندان نے
جو کام کیا اس کے ذکر کو ہم یہیں ختم کرتے ہیں اور رہتک پہنچتے ہیں۔ رہتک میں جب ۱۹۴۱ء میں
راقم الحروف نے مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کی تو انتخاب کا نتیجہ میری خواہش کے مطابق نکلا۔ پیر صدیق الدین
(۱۶۶) کم سنی کے باوجود ضلع مسلم لیگ کی سیکرٹری شپ کے لئے آمادہ ہو گئے اور بشیر الدین (۱۶۱)
شہری مسلم لیگ کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ میری ذاتی مساعی سے ہزاروں افراد مسلم لیگ کے رکن بنے لیکن مجھے
زیادہ خوشی حاجی خیر محمد صاحب کو مسلم لیگ کا رکن بنانے میں ہوئی۔ یہ جھجر کے پٹھان تھے۔ صاحبِ ثروت
اور تعلیم یافتہ تھے۔ بائیس سال سے جھجر کانگریس کمیٹی کے صدر رہتے آ رہے تھے۔ اور ہمیشہ کھدر پوش رہتے
تھے۔ اس سنجیدہ کوہِ وقار کو کانگریس سے متنفر کرنے اور مسلم لیگ میں لانے میں مجھے ایک ہفتہ صرف کرنا
پڑا۔ جس روز انہوں نے کانگریس سے استعفیٰ دیا جھجر کے تمام مسلمان اور ہندو ششدر رہ گئے۔

ضلع رہتک میں مسلم لیگ کی مقبولیت کا اندازہ پہلی مرتبہ ۱۹۴۵ء میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے
موقع پر ہوا۔ افرادِ خاندان نے یہی نہیں کہ رہتک اور شہر میں مسلم لیگ کے امیدوار کو کامیاب بنانے کے
لئے کام کیا بلکہ تحصیل جھجر میں بھی اس کام کا انچارج اپنے ہی خاندان کا ایک فرد تھا۔

۱۹۴۷ء کے آغاز میں پنجاب کی خضر وزارت کے خلاف مسلم لیگ سول نافرمانی پر مجبور ہو گئی۔
مسلمانانِ رہتک نے اس میں بھرپور حصہ لیا اور ہر طبقہ نے حصہ لیا۔ ہمارے خاندان نے بھی اس لڑائی میں
اپنے آپ کو جھونک دیا۔ تحریک کے بالکل آغاز میں ضلعی اور شہری مسلم لیگ کے تمام عہدیدار گرفتار کر لئے
گئے اور اپنے خاندان کے ایک فرد تحریک کے سربراہ مقرر ہوئے۔ ان کی رہنمائی میں اپنی کامیابی کے
آخری دن تک رہتک ضلع میں تحریک بڑے زوروں پر چلتی رہی۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جلسے
نہ ہوئے ہوں اور دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی میں جلوس نہ نکلے ہوں۔ مظاہرین کا ضبط و نظم بہت قابلِ
تعریف تھا۔ گرفتاریاں ہر روز ہوتی رہیں مگر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ جیل بھر گئی تھی
اور ہر روز ہزاروں کی تعداد میں مسلمان اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کرتے اور پولیس انہیں
گرفتار کرنے سے کتراتی اور صرف اہم کارکنوں کو گرفتار کرتی مگر پولیس کو آخر تک یہ علم نہ ہو سکا کہ تحریک
کی سربراہی کون کر رہا ہے۔

خاندان سے جو افراد گرفتار ہوئے ان میں سے تو مجھے صرف صدر الدین (۱۶۱) کا نام یاد رہ
گیا ہے۔ اس تحریک میں خاندان کے افراد نے جس طرح سردھڑ کی بازی لگائی اس کی ایک مثال نوجوان
محمد حسین عرف محمد میاں (۱۷۰) کا ہے۔ پنجاب میں اخبار ڈان دہلی کا داخلہ ممنوع تھا۔ اس اٹھارہ سالہ

نوجوان کی یہ ڈیوٹی تھی کہ یہ ہر روز دہلی جا کر ڈان کے پرچے لاتا اور پھر یہ پرچے جلسۂ عام میں فروخت
کئے جاتے۔ عام طور پر اخبار ڈان کا ایک پرچہ دس روپے میں بیچا جاتا اور نیلامی بولی میں زیادہ
قیمت اٹھتی۔ پولیس والے حیران تھے کہ تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ڈان کس طرح رہتک پہنچ جاتا
ہے۔ جس روز ضلع کی خفیہ پولیس کا تمام عملہ اس ٹوہ میں لگا ہوا تھا کہ پرچے کون لاتا ہے۔ اس روز
ڈان کا ایک پرچہ چھہتر روپے میں نیلام ہوا اور نیلامی بولی ایک ان پڑھ قصاب کے نام چھوٹی۔ ڈان کے
پرچوں کی فروخت تحریک کا فنڈ تھی۔

اس تحریک کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ پڑوسی ضلع حصار میں تحریک کو زندہ رکھنے کے لئے رہتک
سے کارکن بھیجے گئے اور نمایاں ترین پہلو یہ تھا کہ ہماری خواتین نے حیرت انگیز طریق سے ملی حمیت اور
سیاسی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ ہماری خواتین نے ہمارے مردوں کی نسبت اس تحریک
میں زیادہ کام کیا۔ اگر ان دنوں کے دہلی کے اخبارات ڈان، انجام اور جنگ کے پرچے میسر آ جاتے
تو ہمارے خاندان کی خواتین کی تحریک میں کارکردگی کی قابلِ فخر تاریخ مرتب ہو جاتی۔

محلہ قلعہ رہتک میں ہر روز خواتین کا اجتماع ہوتا۔ جلد جلد کھانے پکانے سے فارغ ہو کر خواتین
آج ایک گھر میں تو کل دوسرے گھر میں جمع ہو جاتیں۔ ختمِ قرآن ہوتا۔ تقاریر ہوتیں، ملی نظمیں پڑھی جاتیں
اور تحریک کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگی جاتیں۔ یہاں سے خواتین محلہ قلعہ سے باہر مسلم لیگ
کے دفتر تک چلی جاتیں جہاں جلوس بنایا جاتا۔ مسلم لیگ کا دفتر چھ کمروں اور وسیع برآمدہ پر مشتمل
جوانی موٹر سٹینڈ پر مسلم مارکیٹ کی بالائی منزل پر تھا۔ دفتر کے سامنے ایک وسیع چوک تھا جہاں پانچ
سڑکیں آ کر ملتی تھیں۔ اس چوک میں مظاہرین جمع ہو جاتے جن میں عورتیں بھی ہوتیں۔ لاؤڈ سپیکر کا انتظام
تھا۔ دفتر مسلم لیگ کے ایک کمرے میں بیٹھ کر تحریک کے سربراہ تقریر کرتے اور صوبہ میں تحریک کو جو کامیابی
ہو رہی تھی اس پر تبصرہ کے بعد مظاہرین کو اس روز کا پروگرام بتاتے۔ جلوس کی ترتیب یہ ہوتی کہ سب سے
آگے ٹرک سوار ہوتے، پھر گھوڑ سوار، پھر خواتین۔ خواتین تمام برقع پوش ہوتیں اور ان کے گرد اپنے
خاندان کے افراد اور مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا دوہرا گھیرا ہوتا اور خواتین کے بعد مرد ہوتے۔ مظاہرہ کے
بعد خواتین کو نیشنل گارڈز کا دستہ ان کے محلہ تک چھوڑ کر آتا۔ ان مظاہروں میں اپنے خاندان کی
خواتین کا ذکر اس لئے بھی اہم ہے کہ یہ وہی خواتین تھیں جو کسی تانگہ میں سوار ہوتیں تو اس کے
چاروں طرف چادریں تان دی جاتی تھیں۔ ان میں وہ بھی خواتین تھیں جن کی آواز عام حالات میں اپنے
ہی خاندان کے نامحرم اقربا بھی نہیں سن سکتے تھے مگر یہ پردہ میں بیٹھ کر اس موقع پر مردوں کے

اجتماعات کو خطاب کیا کرتی تھی۔

یوں تو خاندان کی کم و بیش ہر خاتون نے تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا مگر چار نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ مسرت جہاں انجم صدیقی اہلیہ افضل علی (۱۲۲) ان خاتون میں بڑی ہی تنظیمی صلاحیتیں ہیں۔ عام طور پر یہی محلہ میں خواتین کے جلسوں کا انتظام کیا کرتی تھیں۔ ان جلسوں میں تقریریں بھی کرتیں اور اپنی لکھی ہوئی نظمیں سنا کر خواتین کے جذبۂ ملی کو ابھارتیں۔ انہوں نے اپنے والد مولوی رشید الدین (۹۱) سے اردو اور فارسی کی تعلیم پائی۔ آزادیٔ پاکستان کے بعد ہمارے خاندان سے یہ خاتون ہیں جو ملی تحریکوں میں سب سے زیادہ پیش پیش ہیں وہ، انجمن ترقی اردو خواتین پاکستان اور "انجمن خواتین تبلیغ اسلام" کی پروپیگنڈہ سیکرٹری ہیں۔ ان دونوں انجمنوں کی جو رپورٹیں شائع ہوتی رہتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان انجمنوں کے جلسوں میں تقاریر کرتی ہیں اپنا کلام سناتی ہیں اور ان کی مالی امداد بھی کرتی ہیں۔

۲۔ شاہجہان بیگم اہلیہ دبیرالدین (۶۱) یہ خواتین کے جلسوں میں اپنی نظمیں پڑھا کرتی تھیں۔ ان کا کلام رسائل میں شائع ہوتا رہا ہے۔

۳۔ ممتاز بیگم شہید اہلیہ صدرالدین (۶۱ ل) یہ بھی خواتین کے جلسوں میں تقریریں کیا کرتی تھیں۔ انہوں نے پردہ میں بیٹھ کر دو مواقع پر مردوں کو بھی خطاب کیا۔ ایک دفعہ دفتر مسلم لیگ رہتک میں بیٹھ کر اور دوسری مرتبہ چوک قصاباں میں ایک مجمع کثیر کو خطاب کیا۔

۴۔ سرور صدیقہ اہلیہ منظور الحق (۲۳) انہوں نے محلہ قلعہ میں خواتین کے جلسوں میں تقریریں کیں اور خواتین میں سے سب سے زیادہ مرتبہ مردوں کو خطاب کیا۔ یہ خاندان سے پہلی خاتون ہیں جنہوں نے کسی سیاسی جلسہ میں مردوں سے خطاب کیا۔ جتنی بار تقریر کی علیحدہ کمرے میں بیٹھ کر مائیکروفون کے ذریعے۔ مسلمانانِ رہتک کے لئے یہ انوکھی سی بات تھی کہ کوئی مسلمان عورت جلسہ عام میں مردوں سے خطاب کرے۔ جب لوگوں نے پہلی دفعہ ان کی تقریر سنی تو سب کو احساس ہوا کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ ملت کو اتنا عظیم خطرہ درپیش ہے کہ ایک پیرزادی بھی میدانِ عمل میں اترنے پہ مجبور ہو گئی ہے۔ اس روز مظاہرین میں غیر معمولی جوش و خروش تھا۔ اس خاتون نے دفتر مسلم لیگ سے ایک اور موقع پہ بھی تقریر کی۔ ایک تقریر چوک قصاباں میں اور ایک سبزی منڈی میں کی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان آزاد ہو گیا۔ ہمارا خاندان حصولِ نصب العین کی خوشی میں سرشار تھا کہ ضلع میں ہر جگہ مسلمانوں کا قتلِ عام شروع ہو گیا۔ ریاست الور کے بہت سے مسلمان مہاجرین رہتک میں آ گئے۔ میو عورتیں دلخراش واقعات ہماری خواتین کو آ کر سناتیں۔ رہتک میں راشن بندی تھی مگر حالات ایسے پرخطر ہو گئے تھے کہ گھر سے باہر نکل کر راشن لینے جانا بھی جان جوکھوں کا کام تھا۔ اور اگر کوئی جان پر کھیل کر راشن لے آتا تو وہ ناکافی ہوتا۔ اس موقع پر ہماری خواتین نے جس انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کیا وہ سنہری حرفوں میں لکھا جانا چاہیئے۔ انہوں نے اپنے کپڑوں اور گھر کے برتنوں کو فروخت کرنے کی بجائے میو مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ اپنے ناکافی راشن میں سے میو عورتوں کا حصّہ لگایا۔

مسلمانوں کے قتلِ عام کا زور کوئی دو مہینے رہا۔ اس تمام عرصہ میں رہتک مسلم لیگ کا دروبست راقم الحروف سے متعلق رہا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں پر جو مصائب ٹوٹے اور مسلم لیگ نے جیسی ہدایات پر عمل کیا یہ ایک طویل داستان ہے جس کا بیان یہاں بے محل ہو گا۔ وسط اگست سے وسط نومبر کے تین ماہ جس کشمکش میں گزرے اور جس آزمائش کی بھٹی سے ہمارا خاندان بھی گزرا اس پر یہ نسل بجا طور پر فخر کر سکتی ہے۔ جذبۂ ملی، ہمدردی اور بے غرضی کی وہ بہار ہم نے تو گزشتہ نصف صدی میں صرف ایک بار اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ یہ بھی دیکھا کہ کس طرح ایک پڑھا لکھا اور پرامن خاندان جس کو بلوئی، جھگڑا، فساد اور عسکریت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا کس طرح اچانک اپنی مدافعت پر آمادہ ہو گیا۔ راتوں کو رضاکار مسلح ہو کر محلہ کی حفاظت کے لئے ناکوں کی حفاظت کرتے رہتے۔ ہم دشمن حکومت، دشمن فوج اور پولیس اور دشمن غیر مسلم عوام سے گھرے ہوئے تھے لیکن ہم نے اپنے والے غیر مسلموں کو کہتے سنا ہے کہ "قلعہ سے بھی خطرہ ہے" حکومت نے لائسنسداروں کے ہتھیار ضبط کرنے کا حکم لگا دیا۔ جس روز ہتھیار ضبط ہوئے اس روز محلہ میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی مگر پھر بھی ہمارے پاس بھاری قیمت پر ہندوؤں سے خریدا ہوا اسلحہ اس قدر تھا اور دستی بم اتنی تعداد میں بنے ہوئے تھے اور محلہ اتنی بلندی پر تھا کہ مجھے اطمینان تھا کہ اگر حملہ ہوا تو ہم ایک پوری رات مدافعت کر سکتے ہیں، مگر اہلِ محلہ میں سے اس صورتِ حال کا صرف چند حضرات کو علم تھا لہذا گھبراہٹ اور مایوسی پھیل گئی۔

ہم نے یہ محسوس کیا کہ ان دنوں کسی مرد یا عورت کو موت کا خیال پریشان نہ کرتا تھا مگر جو چیز شب و روز ذہنوں پر مسلط تھی اور غور و فکر کی قوت کو مفلوج کئے ڈالتی تھی وہ عصمتِ خواتین تھی

عورتوں کو تو اپنا خیال تھا ہی مگر مردوں کو بھی صرف خواتین کے مستقبل کا خطرہ پریشان کئے رکھتا تھا
جو عورتیں آکر سناتیں کہ ماؤں کی گود سے بچوں کو لے کر ہوا میں اچھالا جاتا ہے نیچے تلوار ہوتی ہے
جس سے وہ دو ٹکڑے ہو جاتا ہے یا کنبہ بھاگا جا رہا ہے۔ بلوائی تعاقب کر رہے ہیں بچے پیچھے
رہ گئے۔ بلوائیوں نے انہیں جا لیا۔ وہ اماں اماں کر رہے ہیں بس پھر ایسی ہی آوازیں ہمارے گھر
کی ماؤں کو آتی رہتیں۔ اور قتلِ اطفال کے وہی سنگ دلانہ مناظر آنکھوں کے سامنے پھرتے رہتے
اور اپنے بچے کو دیکھ کر کلیجہ منہ کو آجاتا۔ یہ علم نہیں کہ حملہ کی صورت میں ہر عورت نے اپنا اپنا
پروگرام بنایا ہوا تھا مگر میری اہلیہ کہتی ہیں کہ کم از کم ان کا ایسے حالات پیدا ہونے پر خودکشی کا
ارادہ نہیں تھا۔ خواتین نے بھی اپنے طور پر اپنی مدافعت کا انتظام کیا ہوا تھا۔ خواتین کے پاس
سب سے قابلِ اعتماد ہتھیار تو دعا کا تھا۔ ہر روز کئی کئی گھروں میں ختم قرآن ہوتا۔ کروڑوں
مرتبہ "تبارک الذی" پڑھی گئی جو آفات کو ٹالنے کا ایک مجرب نسخہ تصور کی جاتی ہے۔ لوگوں
پر پتھر بھی جمع کر لیتے گئے اور ہماری خوش دامن تو فلٹ پمپ میں پانی بھر بھر کر مشق کیا کرتی تھیں
اور کہتی تھیں کہ اس کے ذریعے حملہ آوروں کی آنکھوں میں مرچوں کا پانی چھڑکا جائے گا۔ انہوں
نے بہت سی پسی ہوئی مرچیں بھی جمع کی ہوئی تھیں۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ نوبت نہ آئی اور جھجر اور رہتک پر حملہ کی کسی کو جرأت نہ ہوئی
اسی طرح ہمارے خاندان کی شاخ محمدی بھی محفوظ رہی۔ سلام ان دو مقدس ارواح پر جن کے
جسم کے بلوائیوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ ہمارے خاندان سے غیر مسلموں کے ہاتھوں ۱۹۴۷ء میں
صرف دو حضرات نے جامِ شہادت نوش کیا۔ دونوں حافظِ قرآن تھے۔ ایک حافظ احمد شاہ شہید
(۱۰۰ب) جو پہاڑ گنج دہلی میں اپنے مکان میں شہید کر دیئے گئے اور دوسرے حافظ مقیم الدین
بن حافظ فہیم الدین بن نظیر الدین (۸۰ب) جو شہادت کے وقت رہ رڈی کی ایک مسجد میں
پڑھا رہے تھے۔ سات سو سال پہلے جب ہمارے جد امجد حضرت قاضی قوام الدین جھجر میں آکر آباد
ہوئے تھے اس وقت بھی ہمیں دو قربانیاں دینی پڑی تھیں۔ ہمارے جد امجد
کے دو بھتیجوں کو رہتک اور جھجر کے درمیان موضع مدینہ میں شہید کر دیا تھا۔ ع

شہید کا جو خون ہے وہ قوم کی زکوٰۃ ہے۔

انسان کتنا سخت جان ہے اور اس میں مصائب جھیلنے کی کس قدر قوت ہے۔ اس کا

لے لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین

ہیں دوران ہجرت ہوا۔ ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرتے وقت ہم میں سے ہر ایک نے کیا
کیا تکالیف برداشت نہیں کیں مگر اب ان مصائب کے خیال سے یک گونہ راحت ہوتی ہے
اور ہم فخر محسوس کرتے ہیں کہ ہم اس نسل سے تعلق رکھتے ہیں جس نے یہ مصیبتیں برداشت کیں۔ راستہ
میں صعوبتیں برداشت کرتے کرتے ہمارے دو بزرگوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر کے درجۂ
شہادت پایا۔ یہ دونوں بزرگ قافلہ کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے ایک الحاج ظہور اللہ شہید (۴۲ب)
تھے اور دوسرے پیرزادہ عفیف احمد شہید (۸۰۵ب) اصطلاحاً یہ دونوں شہید کہلائیں گے۔

مجھے علم ہے کہ اور خاندانوں کی طرح ہمارے خاندان کو بھی ہجرت سے وقتی طور پر مالی نقصان
ہوا۔ میں یہ بھی اعتراف کرتا ہوں کہ پاکستان آکر ہمارے خاندان کے افراد نے اس جرأت رندانہ سے
کام نہیں لیا جس سے محلہ قلعہ رہتک میں پھیری لگانے والا قصائی یا سبزی منڈی میں مزدوری کرنے والا
ایک شخص پاکستان آکر لکھ پتی بن گیا بلکہ میرے سامنے ایک دو نہیں کئی مثالیں ہیں کہ ہمارے
خاندان کے افراد نے اپنی متروکہ غیر منقولہ جائداد کے بدلے پاکستان آکر کوئی جائداد یا نقدی نہ لی اور یہ
بھی حقیقت ہے کہ ہمارے عزیزوں نے کلیم پُر کرتے وقت اگر کوئی غلطی کی ہے تو وہ یہ تھی کہ قیمت کا
کم از کم اندراج کیا گیا۔ مگر آزادی کے مقابلہ پر مالی نقصان ہمیشہ ناقابلِ التفات ہوتا ہے۔ اس کی کبھی
نہ کبھی تلافی ہو جاتی ہے۔ جہاں تک اقتصادی حالت کا تعلق ہے مجموعی حیثیت سے ہماری حالت
بلوائی کے دنوں سے اب بھی بہتر ہے اور آئندہ کے لئے تو میں بہت ہی پُر امید ہوں۔

ایک نقصان یہ ہوا کہ ہمارا خاندان بکھر گیا۔ یہ آزادیٔ پاکستان کی وجہ سے نہیں، نہ ہی
حکومت کے تغافل کی وجہ سے بلکہ ہم نے جان بوجھ کر ایسا کیا۔ جس کا جدھر سینگ سمایا جا بسا۔ ہم میں
سے اکثر ملازمت پیشہ تھے جہاں تقرری ہوئی بامرِ مجبوری وہاں چلے گئے اور وہیں بس رہے اور اگر
دو چار سال میں تبادلہ ہو گیا تو بے گھر ہو گئے۔

مگر ناقابلِ تلافی نقصان یہ ہوا کہ ہماری گذشتہ سات صدیوں کی عظمت خاک میں مل گئی۔ ہمارے
بزرگوں نے علاقہ ہریانہ کو تہذیب و تمدن سے آشنا کرنے میں بڑا کام کیا تھا۔ سات سو سال تک
علم و عرفان کا چراغ اس علاقے میں روشن رکھا۔ انہوں نے لاکھوں ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کیا
جس کا نتیجہ یہ تھا کہ علاقہ کے مسلم اور غیر مسلم ہمارے بچے بچے کی عزت کرتے۔ ہم میں سے جو سب سے
ناکارہ تھا وہ بھی اگر کسی گاؤں میں جا نکلتا تو وہاں کے رؤسا تک اس کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور
ہاتھ جوڑتے۔ ہمارے بچے رہتک یا جھجر کے بازار میں نکل جاتے تو انہیں بھی دس دس سلام

کرنے والے ہوتے اور اب ؎

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

مگر سوال یہ ہے کہ محض بزرگوں کی عظمت کے سہارے ہندوستان میں ہماری عزت کتنے دن قائم رہتی۔ برطانوی دورِ حکومت میں ہی ہم میں کئی خرابیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ہندو جیسی تنگ نظر قوم آزادیٔ ہند کے بعد معیشت کے تمام دروازے ہم پر بند کر کے ہمیں ناقابلِ برداشت حد تک ذلیل زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیتی۔ آزادی کے بعد ہمارے سامنے لامحدود ذرائع موجود ہیں۔

باب ۱۳

معاشرتی جھلکیاں

زبدۃ الاولیا حضرت قاضی قوام الدین صدیقیؒ تیرھویں صدی عیسوی میں جھجر سے جا کر رہتک میں سکونت پذیر ہوئے ———— اس وقت سے ۱۹۴۷ء تک آپ کی اولاد زیادہ تر رہتک ہی میں آباد رہی۔ آخری ایک ڈیڑھ صدی میں خاندان کا ایک مختصر سا حصہ محمدی میں آباد رہا۔ ان سات صدیوں میں زیادہ سے زیادہ بائیس نسلوں نے جنم لیا۔

قلعہ رہتک

رہتک میں اپنا خاندان یک جا ایک محلہ میں آباد تھا جسے قلعہ کہتے ہیں۔ یہ قلعہ جدِ امجد حضرت قاضی قوام الدینؒ اور آپ کے خسر قاضی سلطان محمد سرخ ذی القرنی نے بنوایا تھا۔ قلعہ بہت وسیع ہے اور باقی شہر سے بلندی پر ہے۔ آئینِ اکبری میں اسے پختہ خشت سے بنا ہوا بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی حفاظت ایک ہزار سوار اور سولہ سو پیادے کرتے ہیں ۱۸۰۳ء میں اسے جنرل منداثی نے دیکھا اور لکھا کہ اس کی فصیل بڑی چوڑی ہے۔ اس فصیل کو ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے منہدم کرا دیا کیونکہ ان کے نزدیک اس میں بسنے والے جنگِ آزادی کے سب سے بڑے اور سب سے بڑے مجرم تھے۔ تاہم ایک طرف کی فصیل باقی رہ گئی جو کم از کم پچاس فٹ اونچی ہوگی۔ قلعہ کے جنوب مغرب میں ایک برج کے نیچے اس خاندان کے جدِ امجد حضرت قاضی قوام الدینؒ دفن ہیں۔ یہ برج بھی ۱۸۵۷ء میں منہدم کرا دیا گیا۔ دہلی، سونی پت، گوہانہ، جھجر، بھوانی اور ہانسی سے سڑکیں سیدھی قلعہ کے نیچے تک آتی ہیں۔

قلعہ رہتک میں چار مسجدیں ہیں۔ عین وسط میں جو جامع مسجد ہے اس پر سلطان غیاث الدین تغلق (۱۳۲۰ء-۱۳۲۵ء) کے عہد کا کتبہ ہے۔ ۱۹۴۷ء میں یہ مسجد بڑی اچھی حالت میں تھی۔ اس کی زیب و آرائش محلہ والوں کی نفاست اور دین سے وابستگی ظاہر کرتی تھی۔ بجلی، کنواں، نل، غسل خانے

حمام سب جہیا تھے ۔ اندر ہی ایک مسقف مدرسہ تھا جس کے ساتھ ایک گودام تھا۔ پیش امام مسجد کے رہنے کے لئے ایک حجرہ تھا جس کے آگے برآمدہ بھی تھا۔ قلعہ میں بہت سی قبریں تھیں اور بزرگانِ خاندان کے صرف دو مزار تھے ایک جدِ امجد زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدین مجیر [illegible] رہتکی" کا اور دوسرا سرتاج الزہاد حضرت شاہ غلام جیلانی (باب ۳) کا۔ مزار کچے کوٹھے قبر والے گرد بغیر چھت کے معمولی سی چار دیواریاں تھیں۔ ان عظیم المرتبت بزرگوں کے مزاروں کی طرف خاندان کی یہ بے توجہی بے حسی کی دلیل نہیں تھی بلکہ اس بات کا ثبوت تھی کہ خاندان نے کسی دور میں بھی اسلامی اقدار سے انحراف نہیں کیا۔ اس خاندان نے بزرگانِ دین کے مزاروں کو شرک و بدعت کے اڈے نہ بننے دیا اور ان پر پیری مریدی کی نافع بخش منڈیاں نہ کھولیں۔ شخصیت پرستی اس خاندان کے مزاج کے خلاف تھی۔

ان دو سادہ مگر باعظمت مزاروں کے علاوہ قلعہ میں ایک اور مزار تھا۔ یہ مزار شاہ ولایت کے نام سے موسوم تھا۔ ان اصلی یا فرضی بزرگ سے متعلق ہم تک صرف یہ روایت پہنچی ہے کہ [illegible] عیسوی صدی کے بالکل آغاز میں ایک صبح قادر داد خاں صاحب کے والد رمضان خاں فجر کی نماز ادا کرنے کے لئے اس مزار سے ملحقہ مسجد میں آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک درویش مسجد سے باہر ایک ہموار جگہ پر مراقب ہے۔ انہوں نے درویش مذکور کو سلام کر کے پوچھا کہ یہاں کیا کر رہے ہو۔ درویش جلال میں آگئے اور فرمایا تم لوگ بڑے بے غیرت ہو کہ اس ولیِ کامل کی توہین کرتے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ [illegible] برباد آیا ہوا ہے۔ میں گجرات کا رہنے والا ہوں۔ وہاں مجھ پر ظاہر ہوا کہ اس جگہ اس علاقے کے شاہ ولایت مدفون ہیں اور مجھے حکم ملا ہے کہ تم لوگوں کو حقیقتِ حال سے آگاہ کر دوں۔ اس کے بعد وہاں فوراً ہی پختہ قبر بنا دی گئی اور عرس ہونے لگے۔ ہمیں علم نہیں کہ اپنے خاندان نے اس مزار کی تعمیر میں حصہ لیا کہ نہیں لیکن مرورِ ایام میں سب یقین کرنے لگے تھے کہ یہاں کوئی شاہ ولایت دفن ہیں۔

قلعہ کی تمام سڑکوں اور گلیوں میں چھوٹی اینٹ کا کھڑنجہ اچھی حالت میں تھا۔ گندے پانی کے نکاس کا مسئلہ بلندی نے حل کر دیا تھا۔ جنوب مشرقی حصہ میں ایک کھلا وسیع میدان تھا۔ [illegible] ہوتے ہوئے نل اور بجلی کا بھی انتظام ہو گیا تھا۔ مگر نل آنے سے پہلے اس آبادی کا سب سے بڑا مسئلہ پانی کا تھا۔ مسجد کے کنوئیں کا پانی کھاری تھا۔ ممکن ہے کسی زمانہ میں میٹھا ہو۔ سقہ بیل کی پشت پر دور سے پکھال میں پانی بھر کر لاتا۔ ایک بھری ہوئی مشک اس کے کاندھے سے لٹکی ہوتی۔

بلندی پر چڑھتے چڑھتے یہ خود بھی ہانپنے لگتا اور اس کا بیل بھی۔

قلعہ کی دو طرف ڈھلوان پر خاندان کے خدمت گار آباد تھے جنہیں دھانک کہا جاتا تھا۔ باقی تمام مکان پختہ تھے۔ مکان کے ساتھ ڈیوڑھی ضرور ہوتی۔ اندر کچا صحن، چبوترہ، پھر دالان در دالان، دالانوں کے تین طرف کمرے۔ صحن کے ایک طرف باورچی خانہ، غسل خانہ اور گودام وغیرہ ہر مکان کے ساتھ بیٹھک یا مردان خانہ ضرور ہوتا۔ اتنی بڑی بڑی حویلیاں تھیں کہ ایک چھوٹے موٹے کنبے کو اس میں رہتے ڈر لگے۔ چھتیں آپس میں اس طرح ملی ہوئی تھیں کہ بچے پتنگ اڑاتے اڑاتے قلعہ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جائیں۔ مکانوں کے اندر ہی اندر آمد و رفت کے لئے کھڑکیاں رکھی جاتیں۔ اندر ہی اندر خواتین کم و بیش آدھے محلہ میں جا سکتی تھیں۔ آبادی بڑھتی گئی اور مکانوں میں ردّ و بدل ہوتا گیا۔ اولاد میں تقسیم در تقسیم کے باعث پہلی سی وسعت صرف چند مکانوں میں رہ گئی تھی مگر باقی بھی ایسے نہ تھے کہ ان میں سے اکثر کو چھوٹا کہا جا سکے۔ پہلے تمام مکان یک منزلہ تھے اور ہر ایک مکان میں گرمیوں میں سورج کی تمازت سے بچنے کے لئے تہ خانہ تھا۔ یہ تہ خانے ۱۸۵۷ء میں حکومت نے پُر کرا دیئے۔ اس کے بعد قلعہ کے تمام مکانوں میں شاید دو تہ خانے بنے۔ بعد میں دو منزلہ مکان بھی تعمیر ہونے لگے اور مادی دور کے اثر سے جوں جوں باہمی مروت کم ہوتی گئی۔ مکانوں کو باہم ملانے والی کھڑکیوں کی تعداد بھی کم ہوتی گئی لیکن ناپید نہیں ہوئیں۔

قلعہ رہتک میں اپنے خاندان کے تقریباً پچاس گھر تھے لیکن یہاں بعض اور خاندان بھی آباد تھے جن میں قدیم ترین ذی القرنی خاندان تھا۔ یہ عربی النسل خاندان قاضی سلطان محمد سرخ ذی القرنی کی اولاد پر مشتمل تھا اور شہر کے معزز ترین خانوادوں میں اس کا ہمیشہ شمار رہا ہے۔ اسی خاندان کے سپرد شہر کی خدمتِ قضا تھی۔ چند گھر فاروقی خاندان کے تھے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے قبیلہ سے تھے۔ دو تین گھر سیدوں کے تھے اور ایک نہایت ہی مہذب اور شریف خاندان رسالدار کرامت علی کی اولاد پر مشتمل تھا۔ سنا جاتا ہے کہ ان کے اجداد میں سے کوئی بزرگ قلعے [illegible] میں آباد ہو گئے تھے اور وہاں ایک مدت کی سکونت کے بعد رسالدار کرامت علی یا ان کے والد بچے قلعہ رہتک میں آ بسے تھے۔ مذکورہ بالا چاروں خانوادوں میں باہمی شادیوں کا سلسلہ تھا۔ باہر کے آدمی یہی سمجھتے کہ قلعہ میں ایک ہی خاندان آباد ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی قلعہ میں آباد تھے مگر ان سے باہمی رشتہ مناکحت نہ تھا۔

محلہ پیرزادگان مہم

رہتک سے بیس میل کے فاصلہ پر شمال مغرب میں قصبہ مہم ہے یہاں بھی خاندان ایک قلعہ نما محلہ میں آباد تھا۔ یہ قلعہ بھی اپنے ہی اجداد نے بنوایا تھا اور قلعہ رہتک جتنا وسیع تھا اور قصبہ کے بلند ترین حصّہ پر تھا۔ اس پختہ خشت کے بنے ہوئے قلعہ کی حفاظت کے لئے عہدِ اکبری میں آٹھ سو سوار اور سولہ سو پیادے متعین تھے۔ مہم میں ایک ٹیلہ پر مسمار عمارتیں تھیں اس ٹیلہ کو اردو دڑا کہتے تھے۔ فوج یہاں رہتی تھی۔ اس قلعہ کی فصیل کا ایک حصّہ اور غربی، شرقی اور شمالی تین دروازے ۱۹۴۷ء تک اچھی حالت میں تھے اور اب سے ربع صدی پیشتر یہ دروازے رات کے وقت بند بھی کر دیئے جاتے تھے۔ باقی دروازے منہدم ہو چکے تھے لیکن ان کے نام باقی تھے۔

قلعہ مہم کے جس حصّہ میں اپنا خاندان رہتا تھا اسے مسلم عہدِ حکومت میں محلہ قضاۃ کہتے تھے۔ ہمارے پاس مسلم دورِ حکومت اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورِ تسلط کی ایسی چالیس تحریریں موجود ہیں جن میں اسے محلہ قضات لکھا ہے۔ کہیں کہیں اس کا نام محلہ شیخ زادہ ہائے صدیقی بھی لکھا ہے۔ چنانچہ، جمادی الثانی ۱۰۹۷ھ ۱۶۸۶ء کی ایک تحریر میں یہی نام آیا ہے۔ مگر یہ طویل نام قبولیت عامہ سے محروم رہا۔ ۱۸۵۷ء میں جب مہم براہِ راست تاجِ برطانیہ کے ماتحت ہو گیا اور [illegible] پر پیرزادگی کو مہم میں فروغ ہوا تو محلہ قضات کو محلہ پیرزادگان بھی کہا جانے لگا۔ موجودہ تحریروں میں قدیم ترین ۱۲۷۷ھ ۱۸۶۰ء کی تحریر ہے جس میں ہم اس محلہ کا نام محلہ پیرزادگان پاتے ہیں۔ کچھ سال اس محلہ کے دونوں نام چلتے رہے اور رفتہ رفتہ محلہ قضات قطعی متروک ہو گیا۔

محلہ پیرزادگان مہم میں ۱۹۴۷ء تک چار مساجد تھیں جن میں سے ایک کسی حد تک نجی نوعیت کی تھی۔ یہ مسجد الحاج ظہور اللہ شہید (۴۳ ب) کے مکان کے ساتھ تھی۔ اس کے ماضی کے متعلق ہمیں صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے کہ پہلے یہ مسجد شیخ احتشام الحق صاحبِ سلسلۃ الانساب کے مردان خانہ کے ساتھ تھی۔ باقی تین مساجد میں سب سے بڑی جامع مسجد تھی۔ قصبہ مہم بلکہ پرگنہ مہم کی یہی سب سے بڑی مسجد تھی۔ یہ وسیع اور دیدہ زیب مسجد جس کا گنبد پانچ میل دور سے نظر آتا ہے۔ پہلی بار تو غالباً تیرھویں صدی عیسوی کے آخر میں بنی ہو گی مگر موجودہ فنِ تعمیر مغل عہد کا ہے۔ اس پر ہمایوں، جہانگیر، شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہدوں کے کتبے ہیں۔ ان کتبوں کے چربے ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ یہ کتبے اس کتاب کے آخر میں ضمیمہ ۱۰ میں ملاحظہ ہوں۔

محلہ کی تیسری مسجد عین وسط میں ہے۔ ہم نے اس کا نام مسجد محلہ پیرزادگان ہی سنا ہے۔

اس پر عہدِ بابر کا ۹۳۶ھ کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ مگر اس کی تعمیر جامع مسجد مہم کی طرح شاہی حکم سے نہیں ہوئی۔ اس مسجد کو حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید مہمی (باب ۵) نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورِ تسلط میں از سرِ نو تعمیر کرایا۔ پھر ان کے پوتے خان بہادر پیرزادہ محمد حسین عارف (باب ۴) نے اس کے سامنے کے حصّہ پر روغنی ٹائلیں لگوائیں اور اپنی زوجہ محمدی بیگم بنت مولوی محمد یعقوب (۵۹ اب) کے نام کا ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء کا کتبہ لگوایا۔ ضمیمہ ۱۰ ملاحظہ ہو۔

جامع مسجد اور مسجد محلہ پیرزادگان کے وسط میں ایک اور مسجد ہے جسے زنگی جی کی مسجد کہتے ہیں۔ اس کا یہ نام تو مغل عہدِ حکومت کے دورِ پیری میں پڑا۔ انور بیگ نے شرف الدین صدیقی مہمی محتسب و وقائع نویس (باب ۲) کی یاد میں اس کی تعمیرِ نو کرائی۔ مگر پہلی مرتبہ یہ شاہنشاہ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں تعمیر ہوئی۔ اس مختصر سی مسجد کے مغرب میں خطیبانِ پرگنہ مہم کا مکان تھا جسے مہم کے لوگ "نخش والا" کہا کرتے تھے اور جنوب میں مفتیانِ مہم کی جدی حویلی تھی۔ اس کے شمال مشرق میں بڑے پھاٹک والا وہ مکان تھا جسے "قاضی والا" کہتے تھے۔ یہ مکان اب خان صاحب ڈپٹی منور احمد (۵۷ ا ز) کی ملکیت تھا۔ ان سے پہلے قضاۃِ پرگنہ مہم کے پاس تھا اور ان سے پہلے حضرت شاہ بدر الدینؒ (باب ۳) کے والد مولوی فخر الدین کے پاس تھا۔ شاہ بدر الدینؒ ترکِ وطن سے پہلے اسی مکان میں قیام فرما تھے۔ آپ کے اجداد میں ایک بزرگ شیخ عبد اللہ محتسب تھے جنہوں نے اکبر اور جہانگیر کا زمانہ پایا۔ شیخ عبد اللہ محتسب کی دختر نور بی بی نے اپنی زمین کا ایک حصّہ مسجد کے لئے وقف کیا اور اس خاتون کے آزاد بھائی نصیر خان (خان شاہی خطاب ہے) ابن مفتی نظام الدین نے یہ مسجد تعمیر کرائی۔ محمد نصیر خان کی اولاد کا حال اس کتاب کے باب ۷ میں نمبر ۵ سے نمبر ۵ تک ہے۔ ایک زمانہ میں یہ مسجد عبادتِ الٰہی کے مرکز کے علاوہ علم و ادب کا گہوارہ رہی ہے۔ نصیر خان کے بھتیجے مفتی حبیب اللہ (الف ۲) کا مشہور مدرسہ اسی مسجد میں تھا جس کا ذکر اس کتاب کے باب ۳ میں کر آئے ہیں۔ یہ مدرسہ لگاتار ۱۸۵۷ء تک قائم رہا۔ آخری فاضل جنہوں نے اس مدرسہ میں درس دیا مفتی حبیب اللہ کی اولاد سے امیر اللہ شہید جنگِ آزادی (۲۵ ب) تھے۔ جن کے کثیر شاگردوں میں مولانا حکیم علاؤ الدین (۵۰ ب) بھی تھے۔ ان کے بعد یہ مدرسہ ختم ہوا اور مسجد بھی غیر آباد ہو گئی۔ اپنے اپنے زمانہ میں بزرگوں اور نوجوانوں نے اسے آباد کرنے کی کوشش کی مگر محلہ کی آبادی نقل مکانی کی وجہ سے کم ہو گئی تھی کہ یہ مسجد پھر سے مستقلاً آباد نہ ہو سکی۔ اس پر دو کتبے ہیں۔ پہلا کتبہ عہدِ جہانگیر کا ہے اور دوسرا اکبر ۱۱۸۱ھ کا ہے۔ یہ کتبے اس کتاب کے آخر میں ضمیمہ ۱۰ میں درج ہیں۔

محلہ پیرزادگان مہم کی عمارتوں میں جنوب مشرق کی طرف ساتھ ساتھ دو خانقاہیں ہیں۔ ان میں
جو وسعت میں چھوٹی ہے وہ قدیم تر ہونے کی وجہ سے بڑی خانقاہ کہلاتی ہے اور جو وسیع تر ہے
وہ چھوٹی خانقاہ کہلاتی ہے۔ بڑی خانقاہ میں دس قبریں ہیں اور چھوٹی خانقاہ میں حضرت ہادی
ہریانہ شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ۵) کا مقبرہ ہے اور اس کے باہر متعدد پختہ قبریں۔

بڑی خانقاہ	چھوٹی خانقاہ
شاہ کمال اللہؒ — شاہ لطف اللہؒ	شاہ عبد العظیمؒ — شاہ عبد الغنیؒ
شاہ مبارکؒ	شاہ محمد رمضانؒ
شاہ عبد الحکیمؒ	زوجہ شاہ محمد رمضان

مہم میں بعض مکانوں پر کتبے بھی تھے۔ شاہ لطف اللہ (باب ۵) کے محل پر سنہ ۱۱۳۰ھ کا کتبہ تھا۔
پیرزادہ محمد ہادی (۱۲۱ ل) نے جو مکان قاضیوں سے خریدا تھا اس پر سنہ ۱۱۱۵ھ کا کتبہ تھا۔ موجودہ
مکانوں میں قدیم ترین الحاج کامل حسین (۵۰ ب) کا مکان تھا جس پر سنہ ۱۰۸۹ھ/ سنہ ۱۶۷۸ء یعنی عہد اورنگزیب
عالمگیر کا کتبہ تھا۔ قلعہ رہتک کی نسبت محلہ پیرزادگان مہم کے مکانات نسبتاً زیادہ کشادہ تھے۔ کئی
مکان دو منزلہ تھے اور بہت سے مکانوں میں تہ خانے تھے۔ اس محلہ میں ہمارے خاندان کے پچاس
گھر تھے مگر یہاں قلعہ رہتک جیسی ہماہمی نہ تھی۔ اکثر حضرات ملازمت کے سلسلے میں بال بچوں سمیت
باہر رہتے۔ جو لوگ تبلیغی دوروں پر ہوتے ان کے بال بچے مہم میں ہی رہتے۔ دسمبر کی تعطیلات
اور رجب میں شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے عرس پر رونق ہو جاتی۔ کیونکہ مہم میں ذریعہ معاش کوئی نہیں
تھا۔ لہٰذا لوگوں نے رفتہ رفتہ رہتک یا دہلی میں بسنا شروع کر دیا۔ یہ ماضی قریب کی باتیں ہیں ورنہ
پہلے تمام خاندان مہم میں ہی آباد تھا۔ آخری مغل عہدِ حکومت میں حضرت شاہ بدر الدینؒ (باب ۴) کے
پدر بزرگوار مولوی فخر الدین مہم سے جا کر رہتک میں آباد ہو گئے۔ ان بزرگ کی اولاد میں خدا نے
برکت دی اور رفتہ رفتہ مہم کی نسبت رہتک میں افراد زیادہ ہو گئے۔ انگریزی عہدِ حکومت میں
مہم کی اہمیت کم ہوتی گئی اور رہتک کی زیادہ۔

لباس

شاہ اوحد مولوی بدر الدینؒ متوفی سنہ ۱۷۹۱ء، ان کے فرزند حضرت شاہ غلام جیلانیؒ
متوفی سنہ ۱۸۲۳ء اور حضرت ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ سنہ ۱۸۲۵ء کے لباس
کے بعض کپڑے اب تک محفوظ ہیں۔ موجودہ نسل نے ایسے بزرگوں کو دیکھا اور ان کی صحبت پائی جو ایسٹ
انڈیا کمپنی کے عہد میں پیدا ہوئے تھے اور انہوں نے ایسے بزرگوں کو دیکھا جو مغل عہدِ حکومت میں
تولد ہوئے تھے۔ کیونکہ مسلم عہدِ حکومت میں لباس میں تبدیلی بہت کم ہوئی اس لئے ہم مختلف ادوار
کے لباس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

لباس کے بارے میں یہ بنیادی چیز ہے کہ مرد جس کپڑے کا لباس بناتے تھے وہ بہت کم مقامی
ساخت کا ہوتا تھا۔ شاہ غلام جیلانیؒ کا چوغہ تقریباً دو سو سال پرانا ہے۔ اوپر کا کپڑا اتنا صاف،
چکنا اور مضبوط ہے کہ یہ باور کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ کسی مل کا تیار کردہ نہیں۔ عام قدیم لباس یہ
تھا: جسم پر ایک سفید کمری جیب والی، اس پر سفید کرتہ، کرتہ کے دونوں طرف پہلوؤں میں
نیچے کی طرف تھیلی نما جیبیں، ایسی جیب کو کیسہ کہتے ہیں۔ موسم سرما میں کرتے کے اوپر گھر میں
روئی کی صدری اور باہر چوغہ یا انگرکھا۔ یہ چوغہ کشیدہ یا عمدہ قسم کی پھولدار چھینٹ کا ہوتا تھا۔ اگر
چھینٹ کا ہوتا تو اس میں روئی بھری ہوئی ہوتی اور خوبصورت شکر پاروں کی شکل میں نگندے
ڈلے ہوئے ہوتے۔ چوغہ اور کرتہ میں بٹن کی بجائے گھنڈی اور کاج کی بجائے تکمے لگاتے۔
کپڑے کی دھجی کو تہ در تہ کر کے گول بنا لیا جاتا اور پھر ٹانکے لگا کر گول بٹن کی شکل میں لے آتے۔
اسے گھنڈی کہتے تھے۔ تکمہ بنانے کے دو طریقے تھے۔ دھاگے کو بٹ کر اس کے دونوں سرے
چاک میں لگا دیتے۔ باہر نکلی ہوئی گولائی کاج کا کام دیتی یعنی اس میں گھنڈی آ جاتی۔ چندے بعد
تکمہ اس طرح بنانے لگے کہ کپڑے کی ایک دھجی کو دوہرا چوہرا کر کے اس کا ایک سرا چاک میں سی
دیا جاتا اور باہر نکلے ہوئے حصہ میں کاج بنا دیتے۔

پاجامہ شرعی ہوتا جس سے مراد ہے پونے دو گز کپڑے کی چھوٹے گھیر اور چھوٹی مہری کی
ٹخنوں سے اونچی شلوار۔ بعض حضرات سردی میں اس میں بھی روئی بھروا لیتے۔ تہبند صرف گھر
پر اور وہ بھی معدودے چند افراد استعمال کرتے۔ بعد میں چوڑے پائنچوں کا سیدھا پاجامہ بھی
استعمال ہونے لگا۔ ازار بند ہمیشہ سفید اور سوتی ہوتا۔

گھر سے باہر ننگے سر کوئی نہ نکلتا۔ گرمی میں کپڑے یا تنکوں کی ٹوپی اور سردی میں ہلکا صافہ
[illegible] گھر پر یا مسجد تک جانے کے لئے روئی کا ٹوپہ سر پر پہن لیا کرتے تھے۔ سنہ ۱۹۴۷ء تک

بھی ٹوپی کے بغیر گھر سے نکلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

پاؤں میں ادھوڑی یا زری یا زر دوزی کا جوتہ۔ سردی میں جراب کی بجائے پیلے یا لال رنگ کے چمڑے کا موزہ بھی استعمال کرتے جسے مسحی کہتے کیونکہ اس پر مسح جائز ہے۔ غریب غربا گھر پر لکڑی کی کھڑاؤں بھی استعمال کرتے۔

گھر سے باہر نکلتے تو کاندھے پر ایک رومال بھی ہوتا۔ سفر میں اس کے علاوہ عصا، رسی اور چمڑے کے خول میں چاقو ضرور ہوتا۔ یہ چاروں چیزیں ماضی میں اس قدر مفید تھیں کہ بعد میں انہیں چاروں کو ایک سکاؤٹ کی ضروریات میں شمار کیا گیا۔

قدیم لباس میں تبدیلی ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء کی جنگِ عظیم کے بعد شروع ہوئی۔ ملازمت پیشہ حضرات نے رفتہ رفتہ شلوار، اچکن، ٹرکش کوٹ، ترکی ٹوپی، گرگابی اور پھر انگریزی شوز استعمال کرنے شروع کئے۔ پہلے تمام مرد سر منڈواتے اور داڑھی رکھتے اور سر ڈھکے رکھتے۔ جنگِ عظیم سے پہلے اس سے انحراف ممکن نہ تھا۔ پہلے خال خال نوجوانوں نے انگریزی طرز کے بال ترشوانے شروع کئے پھر داڑھی منڈوانی شروع ہوئی مگر سر پر ٹوپی قائم رہی۔ ۱۹۴۷ء تک خاندان کے زیادہ مرد داڑھی رکھتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد یکدم تناسب بدل گیا۔ اب خاندان کی اکثریت انگریزی بال رکھتی ہے۔ داڑھی منڈواتی ہے اور ننگے سر رہتی ہے مگر نوجوانوں میں کچھ اور پختہ عمر کے حضرات کی اکثریت اب تک داڑھی رکھتی ہے۔

خوراک

یہ خاندان ہمیشہ سے خوش خور بلکہ پُرخور رہا ہے۔ اپنی استطاعت سے بڑھ کر خوراک پر خرچ کرتا ہے اور رہتک تاریخ کے کسی دور میں بڑے شہر نہیں رہے مگران کا شمار دیہات میں بھی کبھی نہیں ہوا۔ ان قصبات میں رہتے ہوئے بھی خاندان میں گنوار پنا بھی نہ آیا بلکہ اپنے ماحول کے خلاف اس خاندان کا تمدن شہری تمدن سے قریب تر تھا۔ خاندان کی خوراک بھی شہریوں اور دیہاتیوں کے بین بین رہی۔ نہ نرا شہری چٹخارہ اور نہ محض دودھ دہی۔ گندم ہمیشہ خوراک کا جزوِ اعظم رہی۔ شام کے وقت چاول بھی پسند کئے جاتے۔ تبدیلِ ذائقہ کے لئے باجرے کی کھچڑی بھی کھا لیتے مگر اس میں اس قدر گھی کھپتا کہ گوشت روٹی سے مہنگی پڑتی۔ گھر میں کوئی نئی چیز پکتی تو اڑوس پڑوس کے دو چار گھروں میں ضرور بھیجی جاتی۔ سرخ مرچوں اور اچار کا بڑا شوق رہا ہے۔

خاندان میں چائے کا چلن جنگِ عظیم ۱۸-۱۹۱۴ء کے بعد ہوا۔ اس سے پہلے صرف اوقات

خال ملتی ہے۔ چائے کے ایجنٹ محلے کے چھوٹے موٹے دوکانداروں کو چائے کی پڑیاں مفت دیے جاتے تھے وہ انہیں کبھی کبھی خود بھی استعمال کرتے اور اپنے رشتہ داروں اور گاہکوں کو بھی مفت دے دیتے۔ بر جو وہ صدی عیسوی کے ربع اول کے ختم تک خاندان میں چائے دوائی کے طور پر سردی میں بیاروں کو دی جاتی۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے چائے اکثریت کے ناشتہ کا جزو بن گئی۔ محمدی میں چائے ۱۹۲۷ء تک بھی استعمال نہ ہوتی تھی۔

مسلم دورِ حکومت میں خاندان میں پان کا رواج قطعی نہیں تھا۔ شاہ عالم ثانی کے دور میں خاندان کے جو افراد لکھنؤ میں جا بسے یا کمپنی کے دورِ تعدی میں جو کنبے ٹونک میں رہے ان کی خواتین نے پان کا استعمال شروع کیا۔ کتاب حالاتِ خواتین مصنفہ عائشہ بیگم صاحبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہادیٔ برحق حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی شہادت ۱۸۲۵ء تک مہم میں پان نہ ملتا تھا۔ الحاج ظہور اللہ شہید (۴ ب) کی زوجہ حاجی اولیاء کی نانی بی بی وجیہہ بخت بنت فصیح اللہ از اولاد مفتی عزیز اللہ شہید (باب ۲) لکھنؤ میں رہتی تھیں۔ ان کی شادی مہم میں احمد حسن از اولاد مفتی محمد جعفر (باب ۲) سے ہوئی۔ ان بی بی وجیہہ بخت کا بیان ان کے الفاظ میں سنئے:

"جب میں شادی ہونے پر لکھنؤ سے مہم آئی تو کسی نے مجھ کو پان نہ دیا۔ نہ میں نے کسی کو کھاتے دیکھا۔ میں پان بہت کھایا کرتی تھی کیونکہ لکھنؤ میں ایک پیسے کی آدھی ڈھولی آتی تھی۔ اگر چھوٹے پان لیتے تو بہت ہی آتے۔ جب کئی دن ہو گئے تو میں نے کسی لڑکی سے پوچھا کہ تم پان نہیں کھاتیں۔ اس نے جواب دیا کہ یہاں پر پان نہیں ہوتے تو مجھ کو بہت تشویش ہوئی کہ بغیر پان کیسے گزرے گی۔ خیر میں چپ ہو کر بیٹھ گئی۔ ساس بولی کہ بہو کیا کھوے ہے تو اس نے کہا کہ پان پوچھے تھی۔ ساس نے کہا بہو یہاں پیپل کے پتے ہیں کھوے تو وہ منگوا دوں، کھالے۔ اس دن یہ بات سن کر میں نے پان کا نام نہ لیا پھر رہنے لگ گئی۔ عادت پڑ گئی۔"

اس شادی کی تاریخ محفوظ نہیں رہی مگر بہرکیف یہ بات ۱۸۳۰ء کے قریب کی ہے۔ برطانوی دورِ حکومت میں پان کا رواج خواتین میں کثرت سے ہونے لگا۔ مگر خاندان کی اکثریت پان کی کبھی عادی نہیں ہوئی اور اب اس کا رواج کم ہوتا جا رہا ہے چنانچہ نوجوان خواتین میں پان کا استعمال بہت ہی کم ہے۔ مردوں کی اکثریت ہمیشہ پان سے اجتناب کرتی رہی۔ کیا ہوا کسی کے گھر گئے اور اس گھر کا پاندان ہوا اور وہاں پان کا ایک بیڑا مل گیا۔ بمشکل پانچ سات مرد ایسے ہیں جو پان کی ڈبیا اور

چھالیہ، زردہ کا بٹوہ ساتھ رکھتے ہیں۔ آج کل تو چھالیہ پندرہ روپے سیر اور مشینی کتھ چالیس [بحساب] ملتا ہے مگر ہم نے اپنے بچپن میں پانچ سیر کی چھالیہ اور ڈھائی روپے سیر کتھ خریدا ہے۔

صحت

جن چیزوں پر صحت کا مدار ہے۔ وہ سب قدرت کی فیاضی سے اس خاندان کو میسر [تھیں]۔ اپنے گردوپیش سے بلندی پر رہنے کے کشادہ اور ہوادار مکان، مکان کو صاف رکھنا عادت میں شامل، صفائی اور پاکی کا اس حد تک اہتمام کہ بچوں کو پینے کے پانی کے ہاتھ لگانے کی اجازت نہ ہوتی، خوراک وافر اور بالیدگی بخش مہیا تھی۔ کمپنی کی حکومت آئی تو خاندان سے بڑے اور نافع بخش مناصب چھن گئے، جاگیریں ضبط ہو گئیں۔ زرخرید زمین کو نظام مالیہ نے بنجر بنا دیا۔ غدر کے بعد انگریزوں کی انتقامی کارروائی نے مالی حالت اور بھی دگرگوں کر دی، چنانچہ معیار خوراک اور صحت گرتی ہی چلی گئی۔ صحت کا اندازہ لگانے کا ایک طریقہ اوسط عمر ہے۔ ہم رہتک اور [illegible] سے ایک ایک کنبہ کی اوسط عمر پیش کرتے ہیں۔ بڑی اولاد کی عمریں لے کر۔ اگر چھوٹی اولاد کی عمریں بھی لی جاتیں تو اوسط عمر قدرے زیادہ ہوتی۔ اور عیسوی سن کے لحاظ سے تقریبی ہے۔

۱۔	شاہ بدرالدین صمی ثم رہتکیؒ	(۱۷۰۳ - ۱۷۹۱ء)	= ۸۸ سال
	شاہ احمد الدینؒ	(متوفی - ۱۸۱۸ء)	= ۸۰ سال تقریباً
	شاہ غیاث الدینؒ	(متوفی - ۱۸۲۶ء)	= ۷۰ سال تقریباً
	شاہ عیاذ الدینؒ	(۱۷۸۶ - ۱۸۶۳ء)	= ۷۷ سال
	بخشی منظر الدین	(متوفی - ۱۸۶۷ء)	= ۴۶ سال تقریباً
	ڈاکٹر ظہیرالدین	(۱۸۵۳ - ۱۹۱۲ء)	= ۶۰ سال
	منشی ضمیرالدین اظہر	(۱۸۷۶ - ۱۹۵۳ء)	= ۷۷ سال
	شفیق الدین	(۱۸۹۵ - ۱۹۵۷ء)	= ۶۲ سال
	میزان کل عمر آٹھ افراد		= ۵۶۰ سال
	اوسط عمر		= ۷۰ سال
۲۔	شاہ عبدالحکیم صمیؒ	(۱۷۰۹ - ۱۷۷۳ء)	= ۶۴ سال
	شاہ عبدالعظیمؒ	(متوفی ۱۸۴۸ء)	= ۹۱ سال تقریباً
	شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ	(۱۷۸۶ - ۱۸۵۸ء)	= ۷۲ سال

شاہ عبدالغنیؒ	(۱۸۱۲ - ۱۸۹۱ء)	= ۸۰ سال
پیر تاج الدین	(۱۸۳۷ - ۱۸۹۰ء)	= ۵۳ "
مولوی مشتاق احمد	(۱۸۵۷ - ۱۹۱۵ء)	= ۵۸ سال
پیر غلام مصطفیٰ	(۱۸۸۲ - ۱۹۵۶ء)	= ۷۴ "
میزان کل عمر سات افراد		= ۴۹۰ "
اوسط عمر		= ۷۰ سال

خدمت گار

مسلم عہد حکومت میں بعض گھرانوں میں غلام اور کنیزیں بھی ہوتی تھیں۔ جن کی شادیاں ان ہی جلیسوں سے کرا دی جاتی تھی۔ کمپنی کے عہد حکومت میں ملک معاشی بدحالی میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی قحط پڑتے تھے مگر لوگوں کے پاس اتنا غلہ اور چارہ ہوتا کہ دو تین سال بآسانی گزار دیتے۔ مگر کمپنی کے عہد میں جو قحط پڑتا۔ اس میں لوگ بھوک کے مارے سسک سسک کر مر جاتے۔ مفلوک الحال مصیبت زدہ عورتیں جن میں بعض نسبتاً اچھے خاندان سے بھی ہوتی تھیں اپنے بچوں کو کھاتے پیتے لوگوں کو دے جاتیں اور یہ خداترس لوگ ان بچوں کی قیمت کے طور پر نہیں بلکہ انسانی ہمدردی میں اس عورت کو کچھ اناج دے دیتے اور اس کے بچوں کی خود پرورش کرتے۔ ایسے بچے بڑے ہو کر اپنے بہی خواہوں کی خدمت کرتے۔ ہمارے خاندان میں ایسی بہت لڑکیاں آئیں جن میں سے کم و بیش سب کا ہمارے پاس ریکارڈ موجود ہے۔ ایسی لڑکیوں کو لونڈی کہا جاتا مگر وہ اصطلاح ام الولد کے معنوں میں نہیں کیونکہ یہ تعلیم یافتہ اور دیندار خاندان جانتا تھا کہ ام الولد تو وہی ہو سکتی ہے جو جہاد میں پکڑی ہوئی آئے اور خلیفۃ المسلمین یا اس کا کوئی نمائندہ کسی مسلمان کو دے اور یہ شرط ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں پوری نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ ایسی لڑکیاں جب جوان ہو جاتیں تو ان کا باقاعدہ نکاح کسی انہیں جیسے سے کر دیا جاتا۔ معدودے چند ایسی بھی مثالیں ہیں کہ ان کا نکاح خاندان کے ہی کسی فرد سے ہو گیا۔ ایسی صورت میں اس کی اولاد کو جائداد میں بھی حصہ ملتا تھا۔ ساری تاریخ میں صرف تین مثالیں ایسی ہیں کہ ایسی نادار لڑکیوں کو غلطی سے ام الولد سمجھ کر ان سے اولاد ہوئی مگر اس اولاد کو نہ میراث میں حصہ ملا اور نہ اس کی یا اس کی اولاد کی خاندان میں شادی ہوئی۔ نہ ان کا نام شجرے میں شامل کیا گیا۔ اتنے بڑے خاندان میں صرف تین حضرات کا یہ اقدام تعجب خیز ہے لیکن ہندوستان کے سربرآوردہ خاندانوں میں یہ بات عام تھی۔

ہمہ وقتی گھریلو ملازم رکھنے کا عام رواج نہ تھا۔ بعض کھلتے پیتے گھرانوں میں کسی غریب
کوئی عورت گھر کا کام کاج کر جاتی اور باہر کا کام کوئی غریب کر دیتا جسے نوکر نہیں بلکہ
خادم کہتے تھے۔ بعض عورتیں ان بچیوں سے بھی گھر کا کام کراتیں جو ان کے ہاں قرآن شریف پڑھنے
آیا کرتی تھیں۔ مگر اکثر حالات میں خواتین اپنے گھر کا تمام کام خود کرتیں۔ سودا سلف مرد خود
اٹھا کر لانے میں کوئی مرد عار محسوس نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ بازار جاتے وقت ان گھروں میں
جاتے جن کے مرد غیر شہر گئے ہوتے۔ زیادہ بوجھ ہوتا تو ٹھیکے دار (مزدور) اٹھا کر لے آتا۔ خواتین کے
بازار جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ انہیں ایک جوڑی جوتی کی ضرورت ہوتی تو مرد دکان
سے بیس بیس جوڑے دکھانے کے لئے لے آتے اور کپڑے کی ضرورت ہوتی تو دس دس تھان
دکھاتے۔ یہ رواج رہتک اور مہم دونوں جگہیں جنگ عظیم (۴۵-۱۹۳۹ء) سے پہلے سو فیصد تھا۔
بعد میں کچھ کم ہو گیا مگر ۱۹۴۷ء تک مٹا نہیں بس اتنا ہوا کہ مرد اس شرط پر خرید لاتے کہ پسند نہ آیا تو
واپس کر دیں گے۔

کچھ کام ایسے تھے جو خاندان کے موروثی اور مشترکہ خدمت گار کرتے تھے۔ اپنے
کے پاس اپنی زمین پر خاندان نے کچھ پست ہندو اقوام بسائی ہوئی تھیں۔ ان کے سپرد
اٹھا کر لے جانا تھا۔ ہر گھر کے الگ الگ نائی، دھوبی، بھنگی، دائی وغیرہ ہوتے تھے انہیں
کی صورت میں معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا بلکہ تہوار، شادی، پیدائش، ختنہ، بسم اللہ کے موقعوں پر
استطاعت اتنا دے دیا اور رشتہ داروں سے دلا دیا جاتا تھا کہ مجموعی طور پر نقد اجرت سے
ہو جاتا۔ ۱۹۴۷ء میں صرف مہم کے نائی بغیر نقد اجرت کے ہمارے خاندان کا کام کرتے تھے۔

رسوم و تہوار

رسوم سے اجتماعی زندگی توتِ حیات پاتی ہے۔ ساتھ ہی خوش وقتی کے لمحات
میسر آجاتے ہیں۔ اپنے خاندان میں معروف نوعیت کی عام رسوم بھی تھیں
ایسی بھی جن کا رواج اس خاندان نے ڈالا۔ ان میں سے کسی دور میں کسی رسم کو بھی
درجہ حاصل نہیں ہوا کہ اس کے تارک کی ہتک ہو جائے۔ نہ ہی کوئی رسم ایسی تھی جس
صریحاً اسراف بے جا ہو۔ ضلع میں تراسی فیصد ہندو آبادی تھی اور اپنے خاندان کے افراد کی
مسلم آبادی کا نصف فی صد کے قریب تھی مگر خاندان میں کوئی ہندوانہ رسم داخل نہیں ہوئی
بلکہ دوسرے مسلمانوں میں جو ہندوانہ رسوم تھیں انہیں بھی ہمارے خاندان نے ہی ختم کیا۔
خاندان میں کوئی ایسی رسم نہ تھی جس کا موسم سے تعلق ہو۔ تہواروں کا تعلق ہجری مہینوں سے تھا

مہینے خواتین میں محرم، صفر وغیرہ کے معروف عربی ناموں سے مشہور نہ تھے بلکہ اکثر خواتین انہیں
علی الترتیب محرم، تیرہ تیزی، بارہ وفات، میرانجی، مدار، خواجہ معین الدین، رجب، شبرات
رمضان، عید، خالی، بقرعید کے ناموں سے یاد کرتیں۔ یعنی صرف گیارھویں مہینے میں کوئی تہوار
نہ ہوتا۔ ہجری مہینوں کے ناموں میں یہ تبدیلی غمازی کر رہی ہے کہ ماحول متصوفانہ تھا۔

محرم کے مہینہ میں خوشی کی تقاریب سے احتراز کیا جاتا تھا مگر اس پر بھی تدغن نہ تھا۔
خان بہادر ڈپٹی مظفر احمد فضلی (باب ۶) کے پوتے مرحبا احمد کی شادی محرم میں ہوئی، پیرزادہ فخر الدین
(۱۰۰) کی شادی ۹ / محرم کو ہوئی، راقم الحروف کی شادی ۲۰ محرم کو ہوئی۔ اس سے پہلے کی بھی کئی
مثالیں ہیں۔ مہم میں کبھی تعزیہ نہیں نکلا۔ رہتک میں بڑی دھوم سے تعزیے نکلتے تھے یہ جولاہوں
کا تعزیہ ہے تو یہ قصائیوں کا، یہ راجوں کا تعزیہ ہے تو یہ رنڈیوں کا۔ الغرض کوئی دس گیارہ تعزیے نکلتے
مگر قلعہ رہتک سے کوئی تعزیہ نہ نکلتا نہ یہاں سے کوئی تعزیہ ہو کر گزرتا بلکہ جلوس میں شرکت بھی گناہ
سمجھا جاتا۔ دس محرم کو حلیم یا پلاؤ پر فاتحہ دلادی جاتی۔

تیرہ تیزی (صفر) ہجری مہینہ ہے جس کے آخری بدھ کو آخری چہار شنبہ کہتے ہیں۔ سنہ ۱۲ھ کے
آخری بدھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل صحت فرمایا تھا۔ مشہور ہے کہ اس مہینے میں بیماریاں بہت
پھیلتی ہیں۔ اس لئے صدقہ اتارنا چاہیئے۔ یہ خیال حضورِ اکرمؐ کی ذات سے والہانہ محبت کی وجہ سے
پیدا ہوا۔ اس مہینہ کی ۳ یا ۱۳ یا ۲۳ تاریخ کو فی کس سوا پاؤ گھونگنیاں پکا کر مردوں اور لڑکوں کا
صدقہ دیا جاتا تھا۔ یہاں آخری چہار شنبہ کی قید نہ تھی بلکہ کسی دن بھی صدقہ دیا جا سکتا تھا۔

بارہ وفات (ربیع الاول): آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور وفات کا مہینہ ہے۔
چونکہ عام طور پر یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش اور وفات دونوں کی
تاریخ ۱۲/ ربیع الاول ہے۔ اختلاف سے بچنے کے لئے اپنے خاندان نے "بارہ وفات" کی
اصطلاح قائم رکھی مگر اس خاندان میں ہر زمانہ میں علما اور فضلا رہے ہیں اور خاص طور پر تاریخ اور
سیرت کا ذوق تو عام رہا ہے لہٰذا تاریخ وفات کے اختلافی مسئلہ میں اپنا فیصلہ صادر کر کے اس
خاندان نے اختلاف کو ہوا نہ دی۔ اور فاتحہ کی تاریخ ۱۲ / ربیع الاول ہی رکھی۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ
جو لوگ بارہ تاریخ کو فاتحہ نہ دلا سکتے وہ کسی اور تاریخ کو دلا دیتے۔ اس بارے میں دوسری قابلِ ذکر
بات یہ ہے کہ تمام عالمِ اسلام کا نظریہ رجائی ہے یعنی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سوگ
ماتم یا یاسیت نہیں پھیلائی جاتی بلکہ رحمۃ للعالمین کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں ہمارے

خاندان میں گو اصطلاح "بارہ وفات" کی چلتی تھی مگر جشن سارے مہینے منایا جاتا۔ یکم ربیع الاول
سے میلاد کی محفلیں منعقد ہونا شروع ہو جاتیں اور اس مہینے کی آخری تاریخ تک محفل میلاد ہوتی
رہتی۔ بلکہ مہینے کے آخری دنوں میں تو ایک ہی دن میں دو دو تین تین گھروں میں ایسی متبرک
محفلیں منعقد ہوتیں۔ خواتین کی روزانہ محفل میلاد کے علاوہ لڑکیاں اپنی جداگانہ محفلیں منعقد کرتیں۔

میلاد خوانی اور نعت خوانی اپنے خاندان کے لئے ہمیشہ ایک معزز فن اور کارِ ثواب رہا۔
خاندان کے بعض میلاد خوانوں نے تو ہندوستان گیر شہرت حاصل کی۔ بعض اسی فن سے ابتدا کر کے
باکمال واعظ اور جادو بیان مقرر بن گئے۔ ایسی درجنوں مثالوں کا ہمیں علم ہے اور خاص طور پر مولوی
حافظ طوطیٔ دکن مولانا نظام الدین (باب ۶) اور حضرت طوطیٔ ہند مولانا اسرار الحق (۲۱) کا شمار
تمام برصغیر پاک و ہند کے اعلیٰ پایہ کے میلاد خواں اور چوٹی کے واعظین میں ہوتا تھا۔ محفل میلاد کسی
گھر منعقد ہوتی اور کنبہ کی ساری عورتیں جمع ہو جاتیں۔ خاندان کے کوئی بزرگ ہی سیرت پاک
پر وعظ فرماتے۔ بیچ میں پردہ پڑا ہوا ہوتا۔ قلعہ رہتک میں اگر اس مہینے کسی روز اتفاق سے
حضرت طوطیٔ ہند ہوتے تو پھر یہ ممکن نہ تھا کہ وہ میلاد خوانی نہ کرتے اور یہ بھی ممکن نہ تھا کہ کوئی عورت
اور کوئی لڑکی انہیں سننے نہ آتی۔ وہ معمر خواتین جو ضعف کے باعث چارپائی سے بھی نہ اٹھ سکتی
تھیں وہ بھی کسی نہ کسی طریق سے اس بابرکت محفل میں پہنچا دی جاتیں۔ یہاں طوطیٔ ہند کا رنگ
بیان بالکل مختلف ہوتا۔ وہ اپنے وعظ کو طبقۂ نسواں کے مسائل تک محدود رکھتے اور سیرت پاک اور
کلام پاک سے طبقۂ نسواں کے مسائل کے علاوہ اور کچھ پیش نہ کرتے۔

مردوں میں ایسے ایسے کہنہ مشق میلاد خواں تھے کہ انہیں میلاد خواں کہنا ہی غلط ہے کیونکہ وہ
کسی کتاب سے ذکرِ میلاد پڑھ کر نہیں سنایا کرتے تھے بلکہ سیرتِ طیبہ پر وعظ کرتے تھے۔ خواتین
میں بھی اچھی اچھی میلاد خوانوں کی کمی نہ تھی۔ خواتین عام طور پر میلادِ اکبری پڑھا کرتی ہیں مگر اس میں
سیرت کے حالات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ زیادہ حصہ فضائل درود شریف، حضور کی ولادت سے متعلق
کی نامعتبر روایات اور زیادہ سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے حالات پر مشتمل ہے۔
اسے ناکافی سمجھتے ہوئے متعدد خواتین نے اپنی اپنی کتابیں مرتب کی ہوئی تھیں جنہیں کتب میلاد
کی بجائے کتبِ سیرت کہنا درست ہے۔ اس میں سیرتِ پاکؐ کے چیدہ چیدہ حالات کے علاوہ نعتیں بھی ہوتی
تھیں۔ جہاں کوئی اچھی نعت نظر آتی اسے بھی شامل کر لیا جاتا۔ بعض خواتین خود بھی نعت گو تھیں۔ خاندان کی
کتابیں اب بھی کئی خواتین کے پاس ہیں اور وہ انہیں محفلوں میں پڑھتی ہیں۔

بعض بزرگوں کے پاس بھی اپنی مرتبہ کتب سیرت ہوا کرتی تھیں۔ ان میں سے جو باقی بچا ہیں ان میں
قدیم ترین وہ ہے جو قصبہ محمدی (یوپی) میں الحاج مولوی فیاض الحق (۳۱ ب ۱) نے لکھی۔ یہ ۱۲۵۵ھ
کی تصنیف ہے۔

میلاد ہمیشہ سلام پر ختم ہوتی جسے سب حاضرین یا حاضرات مل کر پڑھتے۔ اس کے بعد شیرینی
تقسیم ہوتی۔ ہماری یاد میں روپے کی تین سیر جلیبی یا لڈو یا چار سیر بتاشے یا الائچی دانے یا پانچ
سیر چھوارے (خرمے) آتے تھے۔ ان میں سے کوئی چیز حسبِ استطاعت تقسیم کر دی جاتی تھی۔
یہ بات بھی ہماری یاد کی ہے کہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے مبارک موقع پر ہندو کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیز
تقسیم نہیں کرنی چاہئے تو بعض حضرات کھوپرا، چھوارے، کشمش اور مغز مونگ پھلی ملا کر میوہ تقسیم
کر دیتے۔ ماہ ربیع الاول میں میلاد کی محفلیں اب بھی پہلے کی طرح منعقد کرائی جاتی ہیں۔ فرق صرف
اس قدر ہے کہ اب خاندان بکھر گیا ہے اور وہ محلہ داری نہ رہی۔ دوسرا فرق یہ ہوا ہے کہ ہمارے
خاندان کی میلاد خواں خواتین غیر خاندان کی خواتین کی محفلوں میں بھی میلاد خوانی کے لئے مدعو کی جاتی
ہیں اسی طرح مرد بھی میلاد خوانی کرتے ہیں۔

میرانجی (ربیع الثانی): اس مہینے کی گیارہویں تاریخ کو پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ
فوت ہوئے۔ لہٰذا اس تاریخ کو بڑے اہتمام کے ساتھ فاتحہ دلائی جاتی کیونکہ یہ کارِ خیر بھی زوائد اسلام
میں سے ہے اس لئے یہاں بھی ۱۱ ربیع الثانی کی سختی سے پابندی نہ تھی بلکہ اس مہینے میں گیارہویں
تک کسی روز بھی فاتحہ دلادی جاتی۔

مدار (جمادی الاول): صوفیا کی اصطلاح میں قطب دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک قطب ارشاد
دوسرے قطب مدار۔ قطب ارشاد کا کام ہدایتِ خلق ہے۔ اس کا وجود ہر زمانہ میں ضروری نہیں
قطب مدار پر تمام عالم کا مدار ہوتا ہے۔ اس کا وجود ہر زمانہ میں ضروری ہے۔ ابدال اس کے
تابع ہوتے ہیں۔ ایک بزرگ بدیع الدین کو شاہ مدار کہا جاتا ہے اور ان کے سلسلہ کو سلسلہ مداریہ۔
اسرار الاخیار مؤلفہ حضرت شاہ غلام جیلانی میں ان کے حالات تفصیل سے درج ہیں۔ اس کتاب
سے معلوم ہوا کہ شاہ بدیع الدین مدار ہرمز سے چل کر کالپی پہنچے، وہاں سے جونپور اور پھر قنوج کے
قریب ایک قصبہ مکن پور میں۔ ۸۳۸ھ میں انتقال ہوا۔ مگر گنجینۂ سروری اور فلاح دارین میں لکھا
ہے کہ انہوں نے ۱۲۴ برس کی عمر پا کر ۱۷ جمادی الاول ۸۴۰ھ کو وفات پائی۔ خزینۃ الاصفیاء میں
آپ کے شجرے بھی درج ہیں۔ اکثر مشائخ کو آپ کی نسبت اور آپ کے غیر شرعی اعمال پر اطمینان

نہیں۔ آپ کے مریدین عام طور پر "قایل و مائل بالحاد و زندقہ" ہیں لیکن خواص نہیں۔ ہمارے زمانہ
میں اس مہینہ میں خاندان اس سلسلہ کی کوئی بھی رسم ادا نہیں کرتا تھا۔

بادیٔ ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضانؒ جناب (۵) ۲۷ جمادی الاول ۱۲۴۲ھ کو رنگھڑوں
کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔ اس مہینے کی ۲۶، ۲۷ اور ۲۸ تاریخ کو آپ کا عرس ہوتا تھا۔
مہینہ ہم میں بڑی ہی چہل پہل کا ہوتا تھا اس خاندان کے منتسبین اور کئی گدیوں کے سجادہ نشین
عرسوں میں شرکت کرتے۔ خاندان کے مزاج میں اسلام کچھ اس طرح رچ بس گیا تھا کہ اتنی عظیم
ہستی کے مزار پر کسی رسم شرک و بدعت کی کبھی اجازت نہ دی۔ یہاں تک کہ عرس کے موقع پر
قوالی بھی نہ ہوتی۔ صرف ختم قرآن ہوتا اور بعض نعتیں سنائی جاتیں۔

خواجہ معین الدین (ربیع الآخر): ۶ رجب کو فاتحہ دلا کر حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی
روح کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ اجمیر شریف جانے کی تیاری مہینے پہلے ہو جاتی۔

رجب کے مہینے میں مسلم عہدِ حکومت میں کسی فاتحہ یا کسی رسم کا رواج نہ تھا۔ بیسویں
صدی عیسوی کے بالکل آغاز میں حضرت ہادیٔ ہریانہ شاہ محمد رمضانؒ نے سیتلا دیوی کے
راجپوتوں کی عقیدت کا رخ بدلنے کے لئے روٹ بوٹ کے نام سے ایک متوازی رسم شروع
کی۔ ۱۰ رجب کو گائے کے گوشت کی ایک ایک پاؤ کی بوٹیاں بنا کر انہیں بھونا جاتا۔ ایک ایک
روغنی روٹی پر ایک بھنی ہوئی بوٹی رکھ کر عزیز و اقارب میں تقسیم کی جاتی۔ یہ رسم علاقہ ہریانہ
میں عام ہو گئی تھی۔ اپنا خاندان بھی اوروں کو تعلیم دینے کی خاطر اسے مناتا مگر اور بہت سی رسوم
کی طرح خاندان کی شاخِ محمدی میں یہ رسم بھی رواج نہ پا سکی۔

خالص شیعہ رسوم میں سے ایک رسم ایسی خوش نصیب نکلی کہ اسے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے
بہت بعد اس موحد خاندان کی رسوم و رواج میں جگہ مل گئی۔ جوں جوں اعمال اسلامی سے تغافل
بڑھتا جاتا ہے ان کی جگہ ایسی رسوم لیتی جاتی ہیں۔ سلسلہ کبیریہ سے ایک بزرگ حکیم ولی اللہ
(۱۸۱۸-۱۸۶۳ء) لکھنؤ کے نامی گرامی طبیب تھے۔ ان کی دختر نواب بیگم متوفیہ ۱۹۱۳ء کی شادی
ہم میں عنایت اللہ (۸۰ ب) سے ہوئی۔ یہ خاتون اپنے ساتھ کونڈے لائیں۔ رہتک میں یہ رسم
مولوی قاری سید حسین شبیر متوفی ۱۹۲۹ء (۷۰ ب) کی زوجہ رابعہ بیگم اور الحاج حافظ محمود علی
(۹۷ ب) کی زوجہ سعیدہ بیگم ٹونک سے لائیں۔ یہ رسم یوں تو اس خاندان میں رواج نہ پا سکی
مگر اس کے ساتھ شیعی پروپیگنڈہ کا جو طومار آیا اس سے خواتین ہولزدہ ہو گئیں۔ یہاں تک

اگر کوئی اس خالص شیعی رسم پر معترض ہوتا تو جاہل خواتین اسے وہابی کہنے میں بھی تامل نہ کرتیں۔
قیام پاکستان کے بعد خاندان میں یہ رسم بہت ہی کم ہو گئی ہے۔

شب برات (شعبان) اس مہینے کی چودھویں تاریخ کو اور پندرھویں شب کو عبادت
کرنا اور خدا سے مغفرت کی دعا کرنا اچھا سمجھا جاتا ہے۔ خاندان کے بزرگ اور خواتین بھی ایسا ہی
کرتے تھے۔ تاہم چودھویں تاریخ کو حلوہ بنانے اور اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
نیاز دلانے کی ہمہ گیر رسم اس خاندان میں بھی تھی۔ حسبِ استطاعت کئی کئی قسم کا حلوہ بنتا اور
عزیز و اقارب میں تقسیم ہوتا لیکن کوئی نہ بناتا تو ناک کٹنی نہ ہوتی۔

اگرچہ شعبان کی چودھویں تاریخ کوئی تہوار نہیں ہے مگر عام رواج کے مطابق اس روز
لڑکیاں نئے کپڑے پہنتیں، لڑکے آتشبازی چھوڑتے اور رات کو چراغاں ہوتا۔

رمضان شریف میں روزے لازماً رکھے جاتے اور مساجد میں غیر معمولی رونق ہوتی تھی۔ افطار
کے لئے ہر روز دو تین گھروں سے اور جمعرات کے روز کئی گھروں سے انواع و اقسام کی چیزیں مساجد
میں آیا کرتیں۔ عید الفطر، عید الاضحیٰ کی تقاریب مسنون طریق سے منائی جاتیں۔

تفریحات رہتک اور ہم میں تیراکی ہمیشہ محبوب مشغلہ رہا ہے۔ رہتک میں لاڈو والا تالاب اور
ہم میں مرنڈ نامی تالاب تھا۔ مرنڈ تالاب کے سات گھاٹ تھے اور دو بارہ دریاں
لڑکا ہر چھوٹا بڑا گرمیوں میں بعد نماز عصر سیدھا تالاب کا رخ کرتا۔ خاندان میں شاید ایک لڑکا
بھی ایسا نہیں تھا جو رہتک یا ہم میں رہا ہو اور اسے تیرنا نہ آتا ہو۔ یہ ایک ایسی ورزش تھی
جسے چھوٹے بڑے سب کرتے۔ بڑے بڑے ثقہ بزرگ پہروں مچھلی کی طرح پانی میں پڑے رہتے۔
شکار کا شوق بھی عام تھا۔ کالا ہرن، چکارا اور کشیرہ کے لئے یہ ضلع مشہور ہے۔ دو دو
ہزار ہرنوں کی ڈار ایک عام بات تھی۔ پڑوسی ضلع حصار کی ایک ڈار کو لکھی ڈار کہا جاتا تھا۔
ہرنوں کی اتنی بڑی تعداد جس طرف نکل جاتی فصلوں کا صفایا کر دیتی۔ ہندو کاشتکاروں کو انہیں ڈرا
بھگانے کے کچھ طریقے معلوم تھے۔ وہ خود تو ان کا شکار نہ کرتے مگر مسلمانوں کے شکار پر معترض نہ

ہوتے۔ اگر سینکڑوں ہرنوں کی ڈار میں سے کوئی شکاری کالے نر کے علاوہ کوئی اور ہرن مار لیتا تو اس کی سُبکی ہوتی۔ شکاری کتا کوئی نہ رکھتا۔ متعدد افراد کے پاس بندوقیں تھیں جن میں سے بہت سوں کے پاس بغیر لائسنس کے تھیں۔ بظاہر یہ خلافِ قانون کام کوئی جرائم پیشہ ذہنیت ہی کر سکتی تھی مگر یہ ان بزرگوں کی باتیں ہیں جنہوں نے برطانوی حکومت کو کبھی جائز حکومت تسلیم نہیں کیا۔ خاندان کی امن پسندی اور احترام قانون اسلامی کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارا خاندان میں اپنی سات سو برس کی تاریخ میں ماسوائے جنگ کے ہمارے خاندان کا ایک فرد بھی قتل انسانی کا مرتکب نہیں ہوا۔

جوانوں میں پٹہ، گتکہ اور بنوٹ کے بھی ماہر رہے ہیں۔ ان چیزوں کو علم و فضل اور تقویٰ کے منافی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ ہمارے بچپن میں محمم میں خاندان کے سب سے جید مولوی [illegible] (۹م اب) ان فنون کی تربیت دیا کرتے تھے۔ دہلی میں اپنے خاندان کے ایک بزرگ خلیفہ طبیب الدین (۷، ۱۱) اس فن ضرب الاسلام میں وہ درجہ رکھتے تھے کہ محلہ محلہ میں ان کے شاگرد تھے۔ کبڈی کا شوق بھی عام تھا۔ اپنے زمانہ میں پیر محمد شاہ غوث (۱۱ اب) دور دور تک اس فن میں مشہور تھے۔ بعض گھروں میں کبوتر بھی پالے جاتے تھے۔ دو ایسے بزرگ بھی کبوتر پالتے تھے جن کے تقویٰ کی قسم کھائی جا سکتی ہے اور جن کے اخلاق حمیدہ اور معاملہ فہمی سے ہر ایک متاثر تھا اور جن کی تمام عمر میں شاید ایک نماز بھی قضا نہیں ہوئی ہوگی۔

بچوں کے مشاغل اور کھیلوں میں غلیل، دھائی دھائی یا لُک چُھپ، گھوڑی گھوڑی، اکڑ جمال تہی، ڈنڈا ہتی اور گیڈیاں کھیلنا تھے۔ چاندنی رات میں کسی لڑکے کی گلی سے آواز آتی

آ درے چھوڑوں چاندنی رات — اس میں کھیلیں میر شکار
میر شکار کی پینی چھُری — تھر تھر کانپیں جن و پری
ایک تیر مار لیا — خدا نبی کا نام لیا

ڈیلو

ڈیلو غالباً کسی زبان کا لفظ نہیں مگر اس سے مراد یہ لی جاتی تھی کہ کھیل کے لئے آجاؤ۔ پھر کچھ دیر بعد بھاگ دوڑ اور پکڑ دھکڑ کا کوئی کھیل شروع ہو جاتا۔ مگر قابل غور بات یہ ہے کہ ہمارے بچوں کا مزاج اس حد تک اسلامی تھا کہ بچے کھیل میں بھی خدا اور رسول کو نہ بھولتے تھے۔

باب ۱۴

خواتین

قبائل اور بعض سربرآوردہ خاندانوں کے اُردو زبان میں بیسیوں تذکرے شائع ہو چکے ہیں مگر یہ مشاہیر کے حالات تک محدود ہیں۔ ان میں معاشرہ اور عام انسانوں کا ذکر نہیں اور خواتین کا تذکرہ تو مشرق کی بالخصوص غیر عرب اقوام میں ہمیشہ معیوب سمجھا جاتا رہا ہے۔ دراصل ہر مشرقی خاندان کی عورت بے بسی و ناچاری، مظلومی و ستم کشی اور جہالت و توہم پرستی کی پیہم اور مسلسل شکار رہی ہے۔ مردوں کی انانیت یہ کب گوارا کر سکتی تھی کہ وہ اس متعفن گھریلو زندگی کو منظر عام پر لائیں۔ راقم الحروف اس موضوع پر قلم اٹھانے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ مگر بہتر یہ سمجھا کہ اس باب کو کسی خاتون سے لکھوایا جائے۔ یہ کام ایک سن رسیدہ خاتون کے سپرد کیا۔ ان کی عمر نے وفا نہ کی۔ پھر ایک اور خاتون نے لکھنا شروع کیا مگر انہیں بھی بڑھاپے نے زیادہ مہلت نہ دی اور وہ بھی اللہ کو پیاری ہوئیں۔ مجبوراً یہ کام اپنی اہلیہ کے سپرد کیا جو حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ فہمی (باب ۵) کی پڑپوتی ہیں اور خاندان کی شاخ محمم اور اولاد مولانا کبیر الدینؒ سے اولین میٹرکولیٹ خاتون ہیں۔ عربی، فارسی اور انگریزی سے بھی شُد بُد رکھتی ہیں۔ فرسٹ ڈویژن میں میٹرک پاس کرنے کے بعد اپنے نام کردہ پرائمری سکول برائے طالبات شورکوٹ ضلع جھنگ کی اولین صدر معلمہ رہ چکی ہیں۔ تحریک پاکستان کی بڑی ہی مستعد کارکن تھیں۔ انہوں نے کرید کرید کر بڑی بوڑھیوں سے حالات دریافت کیے اور خاندان سے متعلق تمام تحریروں کو سامنے رکھ کر اس باب کا وہ تمام حصّہ لکھا جو اس فقرے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

پیدائش لڑکیوں کی پیدائش پر دنیا میں کہیں بھی زیادہ خوشی نہیں منائی جاتی۔ دراصل آئندہ زندگی میں لڑکی کے بارے میں ماں باپ کی بے بسی اور اس پر دو مردوں کا مکمل اختیار ایسی

چیزیں ہیں جن کے تصور سے کوئی ماں باپ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہمارے بزرگ لڑکی کی
پیدائش کو "رسول اللہ کا سلام" اور "خدا کی رحمت" کہا کرتے تھے۔ اتنی بات ضرور تھی کہ لڑکے
کی پیدائش پر خود ماں بھی فخر کرتی اور خاص طور پر پہلوٹھی کی لڑکی کی پیدائش پر تھوڑی دیر کے لیے
تفکر کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہوتے۔ یہ اس لئے نہ تھا کہ اسے لڑکی پیدا ہونے کا افسوس
ہوتا۔ ہمارے خاندان میں اس قسم کی خرافات پہلے تھیں نہ اب ہیں۔ ماں کو خوشی تو ضرور ہوتی مگر
ساس نندوں کے طعن و تشنیع کا خوف اس پر غالب آجاتا۔ یہ بات نہیں کہ ساس کو اس کا رنج یا غصہ
ہوتا۔ ایسی گھٹیا ذہنیت کی تو بہت ہی کم ساسیں ہوتی ہوں گی جو ساسیں بہوؤں کو تنگ کرنے کے
لئے بہانے تلاش کرتی رہتی تھیں۔ انہیں ایک بہانہ مل جاتا تھا۔ ساس کو دیکھ کر نندیں بھی ساس کا
ساتھ دیتیں بلکہ اس شغل میں وہ اپنی ماں سے بھی چار ہاتھ آگے نکل جاتیں۔

جہاں ساس نندوں کی طرف سے خدشہ نہ ہوتا وہاں لڑکیوں کی پیدائش پر عام خوشی منائی جاتی۔
دور کیوں جائیں۔ ہم آٹھ بہنیں پیدا ہوئیں۔ ہر ایک کی پیدائش پر اسی طرح خوشی منائی گئی اور لڈو بٹے
جس طرح ہمارے بھائیوں کی پیدائش پر۔

گوڑگانوں میں ہماری ایک استانی کے لڑکی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اسے قطعی دودھ نہیں پلایا
وہ مر گئی۔ ہم نے جماعت میں اظہارِ افسوس کیا تو بولیں "افسوس کیا ہونا تھا۔ اچھا ہوا رانڈ مر گئی"
وہیں ہمارے پڑوس میں ایک ریلوے کلرک رہا کرتے تھے۔ ان کی ذات معلوم نہیں لیکن سب انہیں
بابو کریلا کہا کرتے۔ ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ میری آنکھوں دیکھی بات ہے لڑکی کی ماں اسے
دودھ نہ پلاتی۔ وہ لڑکی سسک سسک کر مر گئی۔ گوڑگانوں ہی میں ایک معروف وکیل تھے۔ ان کے لڑکیاں
زیادہ ہوئیں۔ ان کا دستور تھا کہ جب بھی لڑکی پیدا ہوتی وہ کئی کئی دن گھر میں نہ گھستے اور جب آتے
گھر میں ایک طوفان بپا کر جاتے۔ یہ مثالیں تو حال کی ہیں اور غیر خاندانوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کی۔
گنواروں کی تو وہ وہ باتیں سنی ہیں کہ الامان والحفیظ۔

ہندوستان میں ہمارا خاندان تقریباً سات سو سال تک آباد رہا۔ علاقہ ہریانہ کے راجپوت
اب تو تہذیبی اعتبار سے بڑی ترقی کر چکے ہیں اور مالی اعتبار سے ہمارے خاندان سے بڑھ کر
ہیں لیکن اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر تک اکثر راجپوت اپنی نومولود لڑکیوں کو زہر دے کر
یا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے یا زندہ دفن کر دیتے۔ ہمارے خاندان کے علماء و مشائخ کی کوششوں سے
یہ رسم کم ہوتے ہوتے ختم ہو گئی۔ لیکن ارد گرد کے علاقوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں بھی لڑکیوں

کو مار ڈالنے کی کئی مثالیں مل جاتی ہیں۔ اس زمانہ میں بُول سے آئی ہوئی ایک کنجڑی سمات لاڈو
محلہ پیرزادگان جھجھر میں سبزی بیچنے آیا کرتی تھی۔ اس کنجڑی کا اعتراف کتاب حالات خواتین میں
یوں نقل ہوا ہے۔

"میں بُول کی ہوتی اور بیٹی جھجھر کی ..... کیا کہ ٹوکرے میں پستا نومود لڑکی، کو ڈال چل خصم
بیچارہ پیچھے پیچھے۔ ارجی ارجی اس کو نہ مارو۔ کاڈھ جوتی تین چار ماری اور جا جوہڑ ما
پانی بھرا تھا اس کے اندر ڈال اوپر ٹوکرہ رکھ دیا۔ وہ بیچارہ مار کھا کر بھی نہیں مانا۔ تکے
لگنے لگا سم تو تھانے ما کر آسکے۔ ارجی اب تم کو پکڑنے آویں ہیں۔ جب ڈری۔ اُٹھا
ٹوکرہ گھر آگئی۔ اس نے چھوکری نکال باہر اگتی ڈالی۔ جب اس کے پیٹ کا پانی نکل
گیا جب آیا۔ اور اب پھر بیٹی ہوئی تو میا تنوں سے پوچھا۔ تم چھوری کر کیا دو جو مر
جاوے۔ وہ بولیں ہم تو آکھ کا دودھ سے کے پلاویں۔ مری جاوے گے۔ میں نے بھی آکھ
کا دودھ پلایا۔ وہ چھوری مر گئی۔"

اس ماحول کو پس منظر میں رکھتے ہوئے دیکھئے کہ ہمارے خاندان میں لڑکی کی پیدائش پر والدین
کے جو جذبات ہوتے تھے ان کی کیا قدر و قیمت تھی۔

تعلیم

جہاں تک تربیت کا تعلق ہے لڑکی اس کی زیادہ مستحق سمجھی جاتی۔ چار سال، چار ماہ اور
چار دن کی ہوتی تو بڑے اہتمام سے اس کی رسم "بسم اللہ" ادا کی جاتی۔ اس روز نانا نانی کے
گھر سے بھات آتا جس میں لڑکی، اس کے ماں باپ، بھائی بہن اور دادا دادی کے جوڑے ہوتے
اور پھوپھی، تائی اور چچی کے ڈوپٹے، لڑکی کے لئے چوڑیاں، مہندی اور کوئی زیور ہوتا۔ مٹھائی بھی
ہوتی۔ تمام رشتہ کی عورتوں کو مدعو کیا جاتا۔ ان کے بچے بھی ساتھ ہوتے۔ خاندان کی کوئی بزرگ خاتون
سورۂ اقرأ کی مَا لَمْ یَعْلَمْ تک آیات بچی کو کہلواتیں۔ یہ وہ آیات ہیں جو اللہ تعالےٰ نے نزولِ قرآن کے
آغاز کے وقت جبرئیل امین کے ذریعہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھائی تھیں۔ زبان سے آیات ادا
کرنے کے بعد بچی اُٹھ کر سب کو سلام کرتی۔ ہر طرف سے مبارک سلامت کی صدائیں بلند ہوتیں اور شیرینی
تقسیم ہوتی۔ اسی شام محفل میلاد منعقد ہوتی اور شام کا کھانا کھا کر سب خواتین اور بچے رخصت ہوتے
استطاعت ہوتی تو اس سے بھی زیادہ خرچ کیا جاتا۔ غربت ہوتی تو ایک آنہ کے بتاشوں میں پوری
رسم ادا کر دیتے اور کوئی نام نہ دھرتا۔

بسم اللہ کے بعد لڑکی اپنے گھر میں یا خاندان کی کسی خاتون کے ہاں پڑھنے لگتی۔ ہر لڑکی پڑھنے

ضرور ملتی۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض بدشوق لڑکیاں قاعدہ بغدادی بھی ختم نہ کرتیں اور اُدھوری
بعض ایسی تھیں جو قرآن شریف ختم کرکے پھر ہاتھ نہ لگاتیں مگر ان کی تعداد بہت ہی کم تھی کیونکہ
ہر لڑکی کے یہ بات ذہن نشین کرادی جاتی تھی کہ جو قرآن پڑھ کر بھول جاتا ہے۔ وہ قیامت کے
روز اندھا ہو کر اٹھے گا۔ ان بدشوق ناخواندہ لڑکیوں کی تعداد شاید کسی دور میں بھی دس فی صد سے
زیادہ نہ ہوئی ہوگی۔

ایک ہی وقت میں محلہ میں کئی گھروں میں پڑھانے کا انتظام تھا۔ ان میں سے بعض میں
غیر خاندانوں کے لڑکے بھی پڑھتے۔ ہمارے خاندان کی خواتین نے نائیوں، تیلیوں، قصائیوں اور
راجپوتوں وغیرہ کے ہزاروں ایسے بچوں کو خواندہ بنادیا جن کے اجداد میں سے کبھی بھی کوئی پڑھا لکھا نہ
تھا۔ گذشتہ دو صدی کے ایسے بیسیوں گھریلو مکتبوں کا تو مجھے علم ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اس سے پہلے
بھی اس قسم کے زنانہ مکتب نہ ہوں۔ گو انہیں مکتب نہیں کہا جاتا تھا۔ اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے
بی بی صبیحہ متوفیہ ۱۲۰۱ھ کے مکتب نے بڑی شہرت پائی۔ یہ خاتون شاہ سلام اللہؒ کی دختر تھیں اور شاہ
محمد رمضان شہیدؒ کی سالی۔ ان کا مکتب مسجد محلہ پیرزادگان سے ملحق تھا۔ بعد میں اس کے کھنڈر پر
مکان بنا وہ پیر احسان الدین (۱۹۴۸) کی ملکیت تھا۔ دادی امانی بیگم والدہ خان بہادر ڈپٹی مظفر حسین
بھی ان کی شاگرد تھیں۔ انہوں نے حالات خواتین کی مصنفہ کو بتایا:

"ہم کو بی بی جی نے ایسا پڑھایا کہ ہمارا ہی بھلا کیا۔ وہ مارتیں بہت۔ سارے محلے کے
بچے ان کے ہی پاس پڑھتے۔ لڑکوں کے بیٹھنے کی جگہ تو دہلیز میں تھی اور لڑکیاں اندر ان
کے پاس بیٹھتیں۔ وہ اس طرح پڑھاتیں کہ پہلے تو لڑکوں کا سبق سن لیتیں۔ پھر جو سب سے
آگے ہوتا اس سے سبق سب کو دلواتیں اور پھر ان کو کہتیں کہ تم بیس بار پڑھو گے تو تمہاری
چھٹی ہو جائے گی۔ پھر لڑکیوں کو پڑھاتیں۔"

آپا عائشہ کے فرزند پیرزادہ ابراہیم حنیف مرحوم ایک جگہ لکھتے ہیں کہ دادی صبیحہ بخت
بی بی جی بارعب تھیں، سفید کپڑے پہنتیں، منظم اور سخت گیر تھیں۔ اپنے خاندان سے مولوی عبدالرحیم
حافظ مراد اللہ، ولی اللہ، شیخ عبدالعلی، حکیم اسد علی، وزیر اللہ، خدا بخش اور ان کے والد خواجہ بخش
غلام حسین، میاں عظیم الدین، عبداللہ اور غیروں میں سے حافظ جاناں جاجو، حافظ خواجو ہانسوی
مولانا اسد و مولانا نصر وان کے شاگرد تھے۔ حافظ جاناں اور حافظ خواجو کو بی بی جی نے قرآن حفظ
کرایا۔ ان کے سکول میں تین مدارج تھے، دہلیز میں باہر کے لڑکے، دہلیز کے اندر مکان کی طرف

تھی اس میں محلے کے لڑکے اور اندر لڑکیاں۔"

اس مکتب کے بعد قسم میں جس زنانہ مکتب نے زیادہ شہرت پائی وہ پھوپھی زینب متوفیہ ۱۳۰۹ھ
کا تھا۔ یہ تایا وزیر الدین سجادہ نشین کی زوجہ تھیں۔ وجاہت اور حسن انتظام میں منفرد تھیں۔ چھوٹوں کی
تو کیا مجال تھی بڑے بھی گھر میں داخل ہوتے تو بآواز بلند سلام کرتے۔ جو بھول جاتا واپس بھیج دیا جاتا
کہ جاؤ اور پھر سلام کر کے آؤ۔ علم الفرائض پر اس قدر عبور تھا کہ سب کو مشکل مسائل بتاتیں۔ پھوپا
محمد حسین (خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین ایم۔ اے (۱۹۰۳ء) سی۔ آئی۔ ای سیشن جج اپنے وقت
کے نامی جج تھے) اور پھوپھی زینب سے چھ سال بڑے۔ وہ ایک بار سمجھ گئے تو ان کے ہاں بھی گئے
ولے لگیں۔ "بھائی تم نے اتنا پڑھا۔ مجھے بھی تو سناؤ۔" کہتے ہیں کہ اس وقت پھوپا جی کو پیشانی پر
پسینہ آگیا۔ امتیازی وصف یہ تھا کہ یہ خاتون حافظ قرآن تھیں۔ میرے ابا جی مرحوم نے بھی ان سے
ہی قرآن شریف پڑھا تھا۔ آپا عائشہ مرحومہ بھی ان کی شاگرد تھیں۔ وہ اپنی تصنیف حالات خواتین
میں لکھتی ہیں۔

"اچھی صورت والی تھیں۔ بڑی بڑی آنکھیں، ناک ستواں، پتلے پتلے ہونٹ، رنگ گہرا
لبا قد۔ پہلے اس قدر دبلی تھیں کہ ایک بالشت کی کرتی ان کے ٹھیک آتی۔ پھر جو موٹی
ہونے لگیں تو اس قدر موٹی ہوئیں کہ دو بالشت کی آستین ان کے آنے لگی۔ یہ قرآن کی
حافظ تھیں۔ رات دن ان کی اسی میں گزرتی تھی ۔۔۔۔۔ سنگار کا بڑا شوق تھا۔ چوٹی
کنگھی، سرمہ، مسی سے ہر وقت درست رہتیں۔ کپڑے بھی اچھے گوٹے پٹھے کے
سادہ دنوں میں پہنا کرتیں ۔۔۔۔۔ دل کی صاف تھیں ۔۔۔۔۔ نوکر روٹی پکانے والی
ان کے بارہ مہینے لگی رہتی۔ اوپر کے کام کو لڑکیاں پڑھنے والی کرتی تھیں۔ میں نے ان
سے ہی قرآن پڑھا ہے ۔۔۔۔۔ ایسا اچھا پڑھاتیں کہ کوئی ان کا پڑھایا ہوا نہیں بھولتا۔"

محلہ قلعہ رہتک میں بھی اسی قسم کے مکتب تھے بلکہ وہاں لڑکیوں کی تعلیم پر زیادہ توجہ دی
جاتی تھی۔ بھوپال اور رہتک کے باہر جہاں جہاں بھی خاندان کے افراد خاصی تعداد میں رہتے تھے وہاں
بھی خاندان کی کوئی نہ کوئی خاتون بچیوں کو پڑھایا کرتی تھیں۔ ایسی ایک درخشاں مثال الحاج حافظ
محی الدین غلین کی اہلیہ جعفری بیگم صاحبہ مرحومہ کی تھی۔ یہ خاتون رہتک، بھوپال اور مہدی پور پڑھاتی
رہیں۔ قریباً قریباً حافظ قرآن تھیں۔ مطالب قرآن پر گہری نظر تھی۔ تفسیر عزیزی منظوم ان کے ازبر
تھی اور مسائل فقہ نوک زبان تھے۔

ایسے مکتبوں میں لڑکیاں آداب محفل اور امور خانہ داری کی عملی تعلیم پاتیں اور ضروری ضروری مسائل فقہ اور قرآن خوانی سیکھا کرتیں۔ معلمہ کوئی معاوضہ نہ لیتی۔ خاندان میں اسے بڑی ہی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ یہاں لکھنا نہیں سکھایا جاتا تھا جنہیں شوق ہوتا وہ خود ہی گھر پر لکھنا سیکھ لیا کرتیں۔ میں نے ان مکتبوں میں پڑھی ہوئی سیکڑوں خواتین دیکھی ہیں جنہوں نے اپنی کوشش سے بعد میں لکھنا سیکھا۔ یوں محلہ قلعہ رہتک اور محلہ پیرزادگان میں ہیں جب پہلی مرتبہ زنانہ سرکاری مدارس قائم ہوئے تو رہتک میں محترمہ ام حبیبہ زوجہ چودھری پیر معین الدین صاحب (۱۹۰۰ء ۔ ۱۹۲۰ء) اور مہم میں آپا عائشہ (۱۹۲۰ء) ان میں اولین استانیاں مقرر ہوئیں۔ ان دونوں نے ایسے ہی گھریلو مکتبوں میں تعلیم پائی تھی اور توے کی سیاہی یا چراغ کے کاجل سے لکھنا سیکھا تھا۔

ان مکتبوں میں پڑھی ہوئی خواتین اردو روانی سے پڑھ سکتی تھیں۔ گھر میں علمی ماحول ہوتا تو اور کتابیں بھی پڑھ لیتیں۔ نور نامہ، کنز المصلی، قصہ حضرت جابر تو ہر ایک کو ازبر ہوتا۔ کتاب بہشتی زیور بھی اکثر مطالعہ میں رہتی۔ قصص الانبیاء، موتیوں کا ہار مصنفہ پیرزادہ محمد حسین اور آسائش دارین مصنفہ ڈاکٹر ظہور الدین بھی اکثر خواتین پڑھتیں۔ بعض گھر پر فارسی تعلیم بھی پاتیں اور شاعرہ بھی تھیں۔ مسرت جہاں انجم صدیقی صاحبہ (بیوہ افضل علی ۱۲۲) نے اپنے گھر میں ہی تعلیم پائی لیکن ایک اچھی ادیب، شاعرہ اور مقررہ ہیں۔ انہیں مکتبوں میں پڑھی ہوئی متعدد شاعرات کا اس کتاب میں پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ گھروں میں قصہ کہانیاں پڑھنے کی بندش تھی لیکن چوری چھپے سب ہی ایسا کیا کرتیں کوئی کم کوئی زیادہ۔ آپا رابعہ مرحومہ (اہلیہ بھائی مصباح الدین صاحب) اور بھابی نظیمہ (اہلیہ بھائی مختار صاحب) جب مولانا عبدالحلیم شرر کے کسی ناول کا کوئی قصہ ہمیں سنانے لگتیں تو آنکھ ٹھہر ٹھہر جاتی رہتیں اور زبانی اس طرح سناتیں جیسے پڑھ رہی ہوں۔ یہاں تک کہ منظر کشی میں حرف بحرف وہ سناتیں جو مصنف نے کتاب میں لکھا ہے اور ہم ان کی قوت یادداشت پر داد دیے بغیر نہ رہ سکتے۔

یہ تو اپنے سامنے کی باتیں ہیں یا ان کی تحریر کردہ یا سنائی ہوئی باتیں ہیں جنہیں میں نے دیکھا ہے قدیم تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم عہد حکومت میں جب کسی دستاویز پر دستخط کی ضرورت ہوتی تو بعض خواتین اس کاغذ پر خود دستخط نہ کرتیں بلکہ ان کی طرف سے کوئی رشتہ دار اس خاتون کا نام لکھ کر اس کے ساتھ لفظ بقلم خود لکھ دیا کرتا تھا جس سے مراد ہے اس کے ایما پر۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خود لکھ نہیں سکتی تھی۔ مولانا محمد ابراہیم خطیب جامع مسجد مہم ایک عالم و فاضل بزرگ تھے۔ ایک کاغذ پر ان کے شوہر شاہ محمد رمضان نے اپنی قلم سے ان کی گواہی درج کی۔ محمد ابراہیم بقلم۔ بعض خواتین مردوں کے دستخطوں کی بجائے اپنی مہر لگاتیں۔ سنہ ۱۲۴۲ھ کے چند کاغذات پر بی بی صدارت بخت طیب وارث صدیقی الٰہی کی مہر پائی جاتی ہے۔ سنہ ۱۱۹۰ھ کی ایک تحریر پر شاہ بدرالدین کی بہن بی بی سنجیدہ کے دستخط ہیں۔ سنہ ۱۲۶۰ھ کی ایک تحریر پر بی بی فرخندہ زوجہ عبدالخالق کے دستخط ہیں۔ ۴ رجب سنہ ۱۱۹۰ھ کی ایک تحریر پر وعدہ صفت اللہ بخط خود لکھا ہوا ہے۔

شادی

کی طرح سن بلوغ کو پہنچنے سے پہلے ہی لڑکی کی مانگ شروع ہو جاتی۔ لڑکی کے والدین کو آج کل کی طرح پریشان نہیں ہونا پڑتا تھا۔ قریب ترین رشتہ داروں کو ترجیح دی جاتی۔ اپنوں کے سب اپنے ہی ڈھکے ہیں، ایک مسلمہ اصول تھا۔ کبھی چٹ پٹ اقرار ہو جاتا تو کبھی اتنا عرصہ لگ جاتا کہ لڑکے کی ماں کی آتے جاتے جوتیاں ٹوٹ جاتیں۔ اقرار کے بعد سگائی کی رسم ادا کی جاتی۔ لڑکی سے قطعی مشورہ نہیں لیا جاتا، مگر لڑکے سے پوچھ لیا جاتا۔ تاہم یہ ایک اجنبی اور اجنبیہ کی شادی نہ تھی۔ دونوں کی اچھائیاں اور برائیاں ہر ایک رشتہ دار پر عیاں تھیں۔ یہ اپنی اپنی صلاحیتوں پر منحصر تھا کہ گھر کے دادا دادی، ماں اور باپ میں سے کس کی زیادہ چلتی ہے۔ اسی کے فیصلے کو سب قبول کر لیتے۔ قریبی رشتہ داروں سے بھی مشورہ کر لیتے۔ یہ شادیاں اس لئے کامیاب رہتیں کہ مسائل زندگی کے بارے میں لڑکی کی اپنی مستقل کوئی رائے نہ تھی۔ لڑکیوں کو تربیت ہی یہ ملتی تھی کہ ہر حال میں نباہ کرنا ہے چنانچہ وہ جلد ہی شوہر کے رنگ میں رنگی جاتیں۔

سگائی کے وقت تمام رشتہ دار خواتین کو مدعو کیا جاتا۔ گھر کے کمروں اور دالانوں میں دریاں بچھا دی جاتیں یا جاجم بچھا دی جاتی۔ سفید بڑی چادر کو چاندنی اور چھولدار کو جاجم کہتے۔ ان پر بیبیاں بیٹھتیں۔ لڑکی کو سسرال سے آیا ہوا جوڑا اور زیور پہنایا جاتا۔ سات خواتین دلہن کے ہاتھ پر ابٹنا رکھتیں۔ ہمارے ہاں کی عورتیں عام طور پر ابٹنا کہا کرتی تھیں۔ سب طرف سے مبارک سلامت ہوتی۔ لڑکی کو اٹھا کر اندر لے جاتیں۔ اس کے بعد لڑکے کو اندر بلا کر بٹھایا جاتا۔ اسے سلامی کے روپے ملتے۔ کچھ دیر بیٹھ کر لڑکا اور مہمان اپنے اپنے گھر چلے جاتے۔

سگائی کے بعد نکاح تک لڑکا صرف عید، بقرعید اور شب برات کے موقع پر ہونے والی سسرال سلام کرنے جاتا۔ لڑکی کسی سسرال کے سامنے نہ آتی۔ اسی میں سسرال کے بچے، ملازمائیں اور نائن بھی شامل ہیں۔ نکاح کی تاریخ لڑکے والوں کے اصرار پر لڑکی والے مقرر کرتے۔ نکاح سے ایک ہفتہ پہلے لڑکی مائیوں بیٹھ جاتی۔ لڑکے والوں کے ہاں سے پنڈیاں، سوجی کے لڈو، میوہ، بادام، سکی مصری، لسندی اور ابٹنا ایک خوان میں رکھ کر نائن دلہن والوں کے ہاں لاتی۔

ایک تخت یا چوکی پر سرخ کپڑا ڈال کر اس پر دلہن کو بٹھایا جاتا۔ وہ پیلے جوڑے میں ملبوس
سات جاگوان سہاگنیں اس کے ہاتھ پر اُبٹنا رکھتیں۔ پھر ایک پیڑھی میں سے سات
کو ایک ایک لقمہ کھلاتیں۔ نوجوان عورتیں ایک دوسرے پر زبردستی اُبٹنا ملتیں۔ کھیل ہی کھیل میں
کے ریشمی جوڑے خراب ہو جاتے۔ لڑکی پر سے وار پھیر کی جاتی۔ اس کے سسرال سے آئی ہوئی
یاں مہمانوں میں تقسیم کر دی جاتیں۔ مہمان خواتین میں سے ہر ایک عورت ایک ایک دو دو روپے
کی ماں کو میوہ اور دودھ کے لئے دیتی۔ مائیوں بیٹھنے کے بعد لڑکی ماں، باپ اور بھائیوں کے
نے بھی نہ آتی۔

اگلے روز لڑکی والوں کی طرف سے اُتنا ہی اور اسی قسم کا سامان لڑکے والوں کے ہاں جاتا
کے چہرے پر گھنا سرخ کپڑا ڈال دیا جاتا تاکہ وہ حاضرات کو نہ دیکھ سکے۔ نائن لڑکے کے
بنا ملتی۔ عورتیں اُبٹنا کھیلتیں اور ہر عورت دولہا پر سے کچھ پیسے وار کے نائن کی کٹوری میں ڈال
تی اور دولہا کی ماں کو ایک ایک دو دو روپے دیتی۔

نکاح کے دن دولہا اور اس کی والدہ کے لئے جوڑے بھیجے جاتے۔ ایک دیگچے میں دودھ
ٹکلیاں ہوتیں۔ دلہن کے گھر برات پہنچتی اور عام طور پر عشاء کے بعد نکاح پڑھایا جاتا۔ بری کی
نائش ہوتی۔ بری میں عام طور پر پانچ سے اکیس تک جوڑے، ایک جوڑا جوتا، مقویات، ازار بند
رومال، جرابیں، مسی، سرمہ، تیل، کنگھی، عطر، سہاگ پڑا، خدمت گاروں کے لئے اکیس روپے
اور سوا من وزنی کھانے کی اشیا ہوتیں۔ سہاگ پڑا تقریباً ۲۲×۲ کا لفافہ ہوتا تھا جس میں جڑی
بوٹیوں پر مشتمل خوشبوئیں ہوتیں۔ مثلاً چھیل چھبیلا، ناگر موتھا۔ چھوٹی الائچی انہیں پیس کر دلہن کی مانگ
بھرتے۔ ہفتوں اس کی خوشبو نہ جاتی۔ سوا من اشیائے خوردنی میں میوہ، سوکھے ناریل، چھوارے،
مصری کے کوزے، ٹکلیاں، قند سفید ایک مقررہ نسبت سے ہوتے۔ نیز کلاوہ (سرخ پیلا رنگا ہوا سوت)
ہوتا یہ زیادہ سے زیادہ بری تھی۔ بعد میں یہ بری کنبہ میں تقسیم کر دی جاتی۔ ایسی شادیاں بھی ہوتی
ہوئیں جن میں بری نام کو نہ تھی۔

رات کو رت جگا ہوتا۔ رات کے پچھلے حصہ میں آرسی مصحف کی رسم ادا ہوتی۔ دولہا اور دلہن کو
آمنے سامنے بٹھا کر بیچ میں بڑا سا آئینہ رکھتے اور دونوں کے اوپر ایک چادر ڈال دی جاتی۔ دولہا سورہ [illegible]
کی تلاوت کرتا اور دلہن کو انگوٹھی پہناتا۔

جہیز میں حسبِ استطاعت کپڑے، برتن، زیور، فرنیچر، ڈولی وغیرہ ہوتے۔ وہ سب کی کوئی چیز

توا، چمچ، چاقو، قینچی، سوئی، چھلنی، چھاج۔ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی ماں کو جہیز کا فکر ہو جاتا
اپنے جہیز کے بعض کپڑے بھی اپنی لڑکی کے جہیز کے لئے رکھ چھوڑتی۔ جہیز کے کپڑے پہلے بقچوں
میں باندھے جاتے تھے۔ پھر صندوقوں میں جانے لگے۔ ان صندوقوں کے لئے تالے لڑکے والے اپنے
ساتھ لاتے۔

رخصتی کا منظر خاص دردناک ہوتا۔ دولہا کے گھر آنے پر جو رسوم ادا کی جاتیں ان میں بازو بند کی
کھلائی، کھیر چٹائی اور دعوتِ ولیمہ قابلِ ذکر ہیں۔

مہر عموماً ایک لاکھ اسی ہزار روپے اور ایک سونے کا تکہ ہوتا تھا۔ اتنے زیادہ مہر
ادائیگی کے تو صرف دو مثالوں کا علم ہے۔ ایک مستقیم الدولہ خان بہادر محمد احسان سپہدار جنگ
دوسرے تایا مختار احمد (باب ۲) یہ زرِ مہر خاندان کے دورِ خوشحالی کی یادگار ہے۔
عہدِ حکومت میں جب خاندان معاشی بدحالی میں مبتلا کر دیا گیا تو ایک دو کے علاوہ کسی میں
استطاعت نہ تھی کہ اتنا زرِ کثیر ادا کرے۔ الحاج قاری حافظ الدین صاحب (باب ۲) نے ایک
عہد نامہ پر خاندان کے دستخط کرائے اور زرِ مہر زیادہ سے زیادہ دس ہزار ہونے لگا۔ پھر
رواج ہو گیا۔ مسلم عہدِ حکومت میں تھوڑے مہر کی مثالیں بھی ہیں لیکن جو پکی تحریریں موجود
ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم عہدِ حکومت میں مہر ادا کیا جاتا تھا۔ انگریزی دورِ حکومت میں
بتدریج رفتہ رفتہ تغافل برتا جانے لگا اور اب زوجین کی حیات میں تو کوئی کوئی ادا
کرتا ہے۔

لڑکی کی شادی سولہ سال کی عمر تک ہو جاتی۔ اب چند شادیوں کی تفصیل ملاحظہ ہو:

حضرت شاہ محمد رمضانؒ کی دختر دادی خدیجہ کی شادی تقریباً ۱۲۷۰ھ میں داشتے جی عبدالغنی
ہوئی۔ دادی خدیجہ مرحومہ نے اپنی پوتی آپا عائشہ بیگم مرحومہ کو بتایا:

جب میں نو دس برس کی ہوئی تو ابا میاں (شاہ محمد رمضان) نے دوسرے بیگ کی بیٹی
کی نسبت کہنے کہا، بیٹا میں کبھی اجازت نہیں دوں گی۔ بیٹی کا بیاہ کرے جب
نے دوں گی۔

ابا میاں نے کہا: اچھا اماں جی جو تم حکم کرو۔ میں وہی کروں گا۔
وہ گیارہ مہینے باہر رہے۔ روز دوں میں گھر آتے۔ اب کے آئے تو دادی سے
پوچھا: اماں جی خدیجہ کی سگائی کہاں کروں؟

بھی چونکہ بہو آئی اور اس نے ساس کو گھر کے معاملات سے بے دخل کر دیا۔ انسان انسان کا مزاج و طرز
پر ہوتا ہے اور یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ ہر انسان کا طرزِ عمل ایک سا ہوگا۔ ساس بہو کے تعلقات کے بارے
میں ایک قاعدہ کلیہ بنا کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارے خاندان میں ایسے تھے۔
ہمارے خاندان میں تو یہ باتیں ماضی بعید کی ہیں۔ بعض اور مہذب خاندانوں میں کوشش کریں
تو یہی باتیں اپنی پوری شدت کے ساتھ اب بھی مل جائیں گی۔ میں ذاتی مشاہدہ کی بنا پر غیر خاندانوں
کی ایسی بیسیوں مثالیں پیش کر سکتی ہوں مگر نہ تو میں غیر خاندان کا حال لکھ رہی ہوں اور نہ اس خیال کی
ہوں کہ دوسروں کے عیب اچھال کر اپنی خامیاں اچھائیوں میں بدل جاتی ہیں۔ ہمارے خاندان میں اب
حالات بالکل برعکس ہیں۔ ممکن ہے اب بھی بعض ساسوں کو یہ اک ہٹ ہوتی ہو کہ جو سلوک ان
کے ساتھ ہوا تھا وہ اپنی بہوؤں کے ساتھ ویسا ہی کریں مگر اب ایسا نہیں کرتیں۔ اب شادی نسبتاً
بڑی عمر میں ہوتی ہے۔ جب لڑکی سمجھدار ہو جاتی ہے اور اکثر حالات میں ساس سے زیادہ پڑھی لکھی
ہوتی ہے۔ ساس کو اب یہ بھی خدشہ زیادہ ہے کہ کہیں بیوی کو لے کر بیٹا الگ نہ رہنا اختیار کر لے
میں سمجھتی ہوں کہ اس عورت سے بدلتے ہوئے زمانے میں جب کہ فیشن، ریڈیو اور سنیما اسلامی اقدار
قدروں کو مٹا رہے ہیں ساسوں کی روک ٹوک فضل خداوندی ہے۔

لباس

کتاب حالات خواتین سے بعض مرحوم عورتوں کا لباس نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کی اہلیہ بی بی جان بخشی (م ۱۸۰۱ء - ۱۸۷۳ء) بنت شاہ سلام اللہ
آپ سوت کات کر بنواتیں۔ آڑے چار خانے کے پاجامے۔ جھونے دھوتر
کے دوپٹے، کرتی بھی اسی کی ہوتی۔ رنگ تھا نہیں۔ کسم کو رنگتے تھے ایک بار بیٹے بری
میں چڑھاتے۔ اس کے رنگ میں بہو بیٹیوں کے کپڑے رنگتے تو

۲۔ شیخ فصیح اللہ کی دختر بی بی وحیبہ بنت متوفیہ ۱۸۸۲ء زوجہ احمد حسن۔ ان کے والد نے ہجرت
کر کے لکھنؤ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ مفتی جعفر کی نسل سے تھے۔
دادی وحیبہ، یہ لکھنؤ کی تھیں۔ ان کی صورت بہت اچھی تھی۔ رنگ سرخ و سفید
تھا۔ بیچ کا قد تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ ہونٹ پتلے۔ ناک ذرا چھوٹی تھی پر تھیں
وضعدار، نازک ہاتھ پاؤں۔ کمر ایسی پتلی تھی کہ اس کو اگر کسی چیز سے باندھو تو
نہ سرتیں تو لچک آجاتی۔ پہناوا بڑے پائنچوں کا پاجامہ، جھونے دھوتر کا دوپٹہ

ویسی کرتی۔ انگیہ اس کی آستین جالی کی ہو اپنے ہاتھ سے باریک ٹانکوں سے پھولے
ٹانکے پر بنا کرتی تھیں۔ گلٹ کسی اور گوکھرو کا لگا لیتیں۔ یہ عام تھا۔ یہ جالی سب
بنا کے بنتی تھیں۔ گھر گھر یہ تھے۔ جس کو جالی آتی وہی اڈہ بنوا لیتی۔ اپنا ذکر یوں کرتیں:
میری ساس (جو قاضی غلام حسن اور شیخ احتشام الحق کی بھی ساس تھیں) بہت ہی لاڈلی
تھیں۔ ایک ہی بیٹی تھی۔ ان کی ماں (دختر افضل بنت قاضی محمد کرم) نے ان کے کان
بھی چھدوائے نہیں تھے کہ ان کے دکھ ہوگا۔ اس کے بیاہ میں اس کے کان بندھوائے
سونے کی بالیاں پہنے، بالے پہنا کر جہیز میں بیٹی کو دیئے۔ کیا نام کہ جب میری شادی
ہوئی تو مجھ کو میری ساس نے ... تو نیز سر کا سونے کا اور پاؤں میں چھلے چڑھائے
تھے۔ ... کیا نام کہ جب (دلہن کی) شادی ہوتی ہے تو نکاح سے پہلے بڑا رہ
دیتیں۔ ایک رکابی کے اندر تو چاول بورا، گھی ڈال کر رکھ دیتے ہیں۔ پھر پھولوں کے
ہار گجرے عطر کی شیشی اس کے سامنے رکھ دیتے۔ میراثن یہ گیت گاتی:

آم کی ڈالی صندل کا پیڑا
لیو صاحبزادہ زردہ جنشدہ

وہ تو گیت بہت ہی بڑا گایا کرتیں پر میرے یاد نہیں۔ لڑکی چھینکے تو بھوتی چھوتی
سی ہو جاتی تو کہتیں کہ اس کے سر سے جن پری کا سایہ اتر گیا نہیں تو اس کو وہ
اس کی اولاد کو ستاتا۔"

۳۔ ان کی بڑی لڑکی کی بابت لکھا ہے:
"پہناوا یہ تھا (بڑھاپے میں) کہ ململ کا دوپٹہ، ململ کی انگیہ کرتی، مدرس کا پاجامہ
..... ہاتھ پاؤں میں مہندی، کانوں میں بالے بالیاں چاندی کی۔ گلے میں توڑا
ہنسلی پر ٹونگے، ہاتھوں میں چاندی کے کڑے اور چوڑیاں۔ انگلیوں میں چھلے
انگوٹھیاں آرسی، پاؤں میں چھلے ..... جب کسی کے بیاہ شادی ہوتا تو گرتی
تنگ دو پٹکے پہنتیں جو کہ خوشبودار ہوتا تھا۔ وہ اس طرح بنتا کہ ایک تو عطر
پھلیل، ناگرموتھا کا قوام، پھر ان خوشبوؤں کو اوٹا کر اور اس میں لکھے
لہنگا لکھا، صندل، الائچیاں ملا کر کپڑے رنگا کرتی تھیں۔ اس کو گرکٹ کہتے ہیں۔
گرمی میں ہوتی اور تنگ نہ پہن سکتی وہ سادے رنگ میں دوپٹہ رنگ لیا کرتی۔"

کی بالکل پرواہ نہ کی۔ ایسی ایک نہیں درجن بھر شادیوں کا تو مجھے علم ہے جس میں زندہ افراد بھی ہیں۔

لمحۂ فکریہ

شیخ محمد امجد (باب ۹) کی اولاد کا بڑا حصہ جو دھبور میں آباد ہے نسب نامہ میں عدم واقفیت کی وجہ سے اس کنبہ کے پورے نام اور خاص طور پر ان عورتوں کے نام جو اب جو دھبور میں ہیں درج نہیں۔ شیخ موصوف کی نسل سے سوا سو کے قریب افراد ضرور حیات ہوں گے۔ اس تعداد کو چھوڑتے ہوئے حضرت قاضی قوام الدین جھجیری ثم رہتکی کی اولاد میں سے زندہ افراد کی تعداد ۱۳۷۳ ہے۔ یہ تعداد قوام الانساب سے ماہ ستمبر ۱۹۶۳ء کو لی گئی ہے۔ تفصیل یہ ہے:

	ذکور	اناث	میزان
اولاد قاضی عبدالرحیم عمی متوفی تقریباً ۱۰۹۰ھ	۸۰	۶۹	۱۴۹
اولاد مفتی نظام الدین عمی متوفی ۱۰۹۳ھ	۱۴۲	۱۳۱	۲۷۳
اولاد مولوی فخرالدین عمی ثم رہتکی متوفی تقریباً ۱۱۲۵ھ	۳۱۵	۲۷۶	۵۹۱
اولاد شاہ عبدالحکیم عمی متوفی ۱۱۰۶ھ	۱۹۱	۱۶۰	۳۵۱
اولاد مولانا محمد جیو خطیب عمی متوفی قبل ۱۰۰۸ھ	۴	۵	۹
	۷۳۲	۶۴۱	۱۳۷۳

ہمارا خاندان ہندوستان میں کم و بیش سات سو سال تک رہا۔ اس تمام عرصہ میں مردوں کی تعداد عورتوں سے زیادہ رہی۔ لہذا بامر مجبوری بعض مردوں کو باہر شادی کرنی پڑتی۔ ایسے موقع پر بڑی احتیاط برتی جاتی۔ اب سے سو سال پہلے شیخ امداد الحق صاحب مرحوم نے قوام الانساب کے دیباچہ میں لکھا:

"جب کثرت اولاد میاں نے ظہور پکڑا، ہر ایک کے مزاج میں بلحاظ کثرت قوم اپنی کا نہایت پندار رہا اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ سوائے اولاد جدی اپنی کے کوئی جائے غیر میں عقد مناکحت نہ کرے حتی کہ اولاد برادر زادہ قاضی صاحب مرحوم و مغفور جو بنج گڈھ مکتیسر کے قاضی تھی اور ان کو اپنی قوم میں بلحاظ کثرت کا اس قدر نہ رہا اس واسطے سلسلہ رشتہ داری کا

له اولاد مولانا کبیر الدین اور اولاد قاضی عمادالدین بن مولانا افتخار الدین۔ له حضرت قاضی قوام الدین کے برادر زادہ قاضی بندگی شیخ مولی جھجیری ثم گڈھ مکتیسری تھے۔

ان سے منقطع رہا اور جو ایسا اتفاق ہوتا کہ کوئی دختر کسی کو بیچ قوم اپنی کے بہم نہ پہنچتی تو اکابر قوم کے بصلاح و مشورہ یک دگر تعصبات نواح سے مثل پانی پت و تھانیسر و دادری و منڈھوٹی و جھجر و بالاو و پانی پت قوم شیخ زادہ یا سادات بعد شہرت اور نیز بولا کر جو نجیب الطرفین ثابت ہوتا ساتھ دختران ان کی کے عقد نکاح کا کیا کرتے اور سب ساتھ اولاد اس دختر کے باہم رشتہ داری کے لیکن آمد و رفت اوس دختر کی بھی اوس شہر میں بلکہ بیچ گھر ماں اور باپ اوس کے کم رہی اور یہ بھی احتیاط رہی کہ جن مردوں سے جن کسی کی دختروں سے شادی ہوتی تھی اون لوگوں سے بھی رشتہ داری دختران اپنی کی مسدود رکھی اور جو کسی شخص نے زن اجنبیہ بغیر صلاح و مشورہ اکابران قوم اپنی [illegible] سے لے آیا تو جن کی اون دختروں سے رشتہ داری ہوئی تھی اون لوگوں سے بھی رشتہ داری قطع رکھی۔ اس سبب سے خیال کثرت کا بیچ ذہن سبھوں کے زیادہ ہوتا رہا۔"

زندہ افراد کی شادیوں کا تو میں ذرا بعد میں ذکر کروں گی۔ ایک بات قابل ذکر ہے۔ نسب ناموں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم عہد حکومت میں یعنی تقریباً ساڑھے چار سو سال کی طویل مدت میں اولاد کی شاید کسی ایک لڑکی کی بھی شادی باہر نہیں ہوئی۔

اگر اپنے جد امجد حضرت قاضی قوام الدین جھجیری ثم رہتکی سے اب تک کے ان مرحوم افراد کی تعداد ان کے نسب ناموں سے معلوم کی جائے جنہوں نے دوسری شادی کی تو یہ تعداد کسی صورت بھی دس سے زیادہ نہیں بنتی۔ ان میں سے زیادہ تر پہلی بیوی کے انتقال پر دوسری شادیاں ہیں۔ یہ شادیاں بھی اپنے ہم پلہ قریشی خانوادوں سے ہوئیں مثلاً قاضی سلطان محمد سرخ ذو القرنی اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فاروقی، یا قاضی عبدالوہاب عمی کے قصبوں میں ہوئیں جو اپنے زمانہ کے ممتاز تھے اور نسلی، معاشی، تہذیبی اور مذہبی اعتبار سے ہمارے خاندان جیسے تھے۔

اتنے بڑے خاندان میں ہر قماش کا آدمی مل سکتا ہے۔ اگر حالات سے مجبور ہو کر یا جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی فرد ایسی غیر عورت سے شادی کر لیتا ہے جو مشہور و معروف قریشی خاندان سے نہیں یا قریشی خاندان میں بھی برادری کے مشورہ کے بغیر کر لیتا تو اس جوڑے کی تمام اولاد اور اولاد در اولاد کا نسب نامہ میں سرخ روشنائی سے اندراج ہوتا اور ان کی اولاد کی بالعموم خاندان

میں شادی نہ ہوتی۔

اب ذرا زندہ افرادِ خاندان کی شادیوں کے اعداد و شمار ملاحظہ ہوں۔ یہ تعداد ان شادیوں کی ہے جن میں اب زوجین حیات ہیں اور نکاح قائم ہے۔

خاندان کے مردوں کی شادیاں

قیام پاکستان سے پہلے کنبہ میں	=	۶۲	۱۱۸
" " کے بعد "	=	۵۶	
" " سے پہلے باہر	=	۶۲	۱۱۷
" " کے بعد باہر	=	۵۵	
کل	=		۲۳۵

شادی شدہ مردوں کی تعداد ۲۳۱ ہے۔ میزان میں تفاوت اس لئے ہے کہ چار مردوں کی دو دو بیویاں ہیں مگر دوسری بیوی لازماً باہر سے ہے۔

خاندان کی لڑکیوں کی شادی

قیام پاکستان سے پہلے کنبہ میں	=	۶۲	۱۱۸
" " کے بعد "	=	۵۶	
" " سے پہلے باہر	=	۷۱	۱۵۱
" " کے بعد "	=	۸۰	
کل	=		۲۶۹

یہ منہ بولتے اعداد و شمار اپنے اندر ایک جہانِ معنی اور درسِ عبرت رکھتے ہیں۔ اس بے راہ روی کے بھیانک نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ طلاقوں کی تعداد خطرناک حد تک زیادہ ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا امکان ہے کہ مجھ پر خاندان کی برائیاں اچھالنے کا الزام لگے مجھے یہ گوارا ہے لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ عظیم روایات کا حامل یہ خاندان مٹ جائے میں یہ سمجھتی ہوں کہ اگر اس وقت خاندان کے فہمیدہ لوگوں کو اصل صورت سے آگاہ نہ کیا گیا اور اندھا دھند باہر شادیاں ہوتی رہیں تو اس خاندان کا شمار آثارِ قدیمہ میں ہونے لگے گا۔ خاندان جس نازک صورتِ حال سے دوچار ہے اس کا بزرگانِ خاندان کو علم نہیں۔ اگر ہوتا تو وہ اس کا فوری مداوا کرتے جس خرابی کا انسان کو علم نہ ہو اسے دور کرنے کی تدابیر کس طرح اختیار کی جا سکتی ہیں؟

اس وقت کنبہ کے گیارہ مرد ایسے ہیں جنہوں نے اپنے ہی کنبہ کی عورتوں کو طلاق دی۔ چار نے قیام پاکستان سے پہلے اور سات نے بعد میں۔ اپنے خاندان کے اٹھارہ مرد ایسے ہیں جنہوں نے غیر کنبوں کی اکیس عورتوں کو طلاق دی۔ یعنی تین مردوں نے دو دو طلاقیں دیں۔ دس قیام پاکستان سے پہلے اور گیارہ بعد میں۔

اس وقت خاندان میں اڑتیس طلاق یافتہ عورتیں ہیں۔ تیرہ نے کنبہ کے مردوں سے طلاق لی۔ آٹھ نے آزادیِ پاکستان سے پہلے اور پانچ نے قیام پاکستان کے بعد۔ ۲۵ عورتوں نے غیر مردوں سے طلاق لی جن میں سے چھ نے قیام پاکستان سے پہلے اور انیس نے پچھلے سولہ سال میں یعنی قیام پاکستان کے بعد۔ ان انیس میں سے تین نے دو دو غیر مردوں سے طلاق لی یعنی قیام پاکستان کے بعد ہمارے خاندان کی انیس عورتوں کو اٹھائیس غیر مردوں نے طلاق دی۔ میں نے سطورِ گزشتہ میں ہر جگہ لفظ طلاق استعمال کیا ہے ورنہ بیشتر حالات میں خلع لیا۔ میرے سامنے اس وقت ان سب خواتین کی نام بنام فہرست ہے۔ ان میں اگر کوئی غلطی ہو سکتی ہے تو یہ کہ دور دراز کوئی طلاق خاموشی سے ہو گئی ہو اور اس کا مجھے علم نہ ہو سکا ہو۔

حرفِ آخر

اس وقت خاندان میں ۲۹۰ ذکور ہیں اور ۳۳۸ لڑکیاں ہیں۔ یہ غیر شادی شدہ افراد کی تعداد ہے۔ اس میں دودھ پیتے بچے، لڑکے لڑکیاں اور بڑے بوڑھے سب شامل ہیں۔ خاندان میں اگر پی۔ ایچ ڈی، ایم اے، ایم۔ بی بی۔ ایس، انجینئر بیسیوں غیر شادی شدہ لڑکے ہیں تو ایم۔ اے، بی اے، بی ٹی، بی ایڈ، ایم۔ بی بی۔ ایس لڑکیاں بھی کم نہیں۔ اگر کسی لڑکے کی ماں یہ کہے کہ اس کے بیٹے کی جوڑی کی خاندان میں لڑکی نہیں تو وہ خاندان سے واقف نہیں۔ اس وقت ہمارے خاندان کی ۷۵ فی صد شادی شدہ عورتیں خاندان سے باہر ہیں۔ اس صورتِ حال کی تمام تر ذمہ داری مردوں پر ہے کیونکہ پچاس فی صد مردوں نے بھی باہر شادی کی ہے۔ جوان ہونے پر لڑکی کو گھر میں نہیں بٹھایا جا سکتا۔ اپنی نسل کے خون کی حفاظت اور آمیزش سے بچانے کی ذمہ داری تمام تر مردوں پر ہے۔

جو اعداد و شمار دیئے گئے ہیں وہ درست ہیں۔ میں نے خود پڑتال کی ہے۔ مولف

[illegible] کی تیاری میں ضیاء الحق صاحب کی والدہ مرحومہ قریشی بیگم بنت سید حسین شبیر اور میری [illegible] [illegible] (مرحومہ صدیقہ)

باب ۱۵

خاندان کے نسب نامے

حضرت شاہ ولی اللہ فاروقی محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ آج قریش کے نسب ناموں کا جو ذخیرہ ملتا ہے زبیر بن بکار کی روایات پر مبنی ہے جنہوں نے مصعب زبیری سے اور انہوں نے بیک واسطہ مطعم بن جبیر سے حاصل کیا اور مطعم بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے علمِ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے سیکھا جو عرب کے سب سے بڑے نسّاب تھے۔

شوقِ نسب نگاری ورثہ میں ملنے کی چیز نہیں مگر ذوقِ حفظِ نسب عام عربوں کی طرح عام طور پر اکثر ہند میں بھی ہر عہد میں موجود پایا گیا ہے۔ ہندوستان میں ہمارے جدِ امجد حضرت قاضی قوام الدین بلخی ثم رہتکی کے اجداد کے القاب اور عہدوں کو دیکھتے ہی بلا تامل یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک زمانہ کے لحاظ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا۔ پھر قاضی موصوف کے احفاد کو دیکھا جائے تو ایک سلسلہ قضاۃ کا چل رہا ہے۔ دوسرا مفتیان کا، تیسرے سلسلے محتسب ہیں تو چوتھے سے نرخ نویس۔ ایک سلسلے میر عدل ہیں تو ان کے بھائی خطیب عیدین و جمعہ ہیں۔ بیچ بیچ میں علماء، و مشائخ، اساتذہ، اطباء، شعراء و ادباء، شاہی کاتب و کتابدار، پنج ہزاری و سپہ سالار غرضیکہ ان تمام مشاغل کے بزرگ پائے جاتے ہیں جن کے لئے علم و فضل کا ہونا ضروری ہے۔ اس بزرگ خانوادے کے مرد تو بیشتر ہی کم و بیش سو فی صد تعلیم یافتہ اور خواندہ رہے ہیں۔ مگر اسّی فی صد سے زیادہ عورتیں بھی خواندہ رہی ہیں اور ہر دور میں رہی ہیں۔

ایسے ذی عزت اور تعلیم یافتہ خاندان کے لئے اپنا شجرۂ نسب محفوظ رکھنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ چنانچہ اس خاندان کے متعدد قدیم و جدید شجرے اور نسب نامے موجود ہیں۔ نسب ناموں سے

غدر ۱۸۵۷ء میں بہت کچھ غارت ہو جانے کے باوجود اب بھی اتنا مواد موجود ہے کہ اگر کسی طرح ان کا شجرۂ نسب ناپید ہو جائے (جس کا اب انشاء اللہ کوئی امکان نہیں) تو ایک محقق اس پورے مواد کو سامنے رکھ کر اور موجودہ افراد سے معلومات فراہم کر کے از سرِ نو ایسا شجرۂ نسب تیار کر سکتا ہے جس میں موجودہ افراد کے سلسلۂ اجداد کی تمام کڑیاں آجائیں۔ اس مواد کی پوری تفصیل تو ہم نسب نامہ موسومہ "قوام الانساب" میں دیں گے۔ یہاں صرف اشارات کافی ہیں۔

بیاضیں خاندان کے اکثر بزرگ اپنی بیاضیں (نوٹ بکیں) رکھا کرتے تھے۔ ان میں اور چیزوں کے علاوہ اپنے لواحقین کی پیدائش اور موت کی تاریخیں بھی لکھ لیا کرتے تھے۔

قوام الانساب میں پیرزادہ ابراہیم حنیف نے میرے والد مرحوم و مغفور کی تاریخ پیدائش یوں لکھی ہے: ۱۴ ربیع الآخر ۱۲۹۵ھ بروز چہارشنبہ بمقام بہادرہ (بیکانیر) سنہ ۱۹۳۵ بکرمی بیساکھ بدی دوج بوقت چار گھڑی پندرہ پل دن چڑھے (از بیاض والد شان)۔ امیر اللہ شہید جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ایک بیاض موجود ہے۔ جس میں کئی بزرگوں کی تاریخ پیدائش درج ہے۔ مفتی حبیب اللہ نے ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) میں ایک کتاب اوراد حبیبیہ لکھی۔ یہ کتاب تو علم دین سے متعلق ہے اس کے ایک صفحہ پر اپنے اجداد میں سے اپنے ہم منصب و ہم نام مفتی حبیب اللہ (۱۲۱۹-۲-۲۹) نے اپنے خاندان کے چند مردوں اور عورتوں کی تاریخ پیدائش نقل کی ہے۔ اب بھی کئی بیاضیں محفوظ ہیں جن میں سے چند میرے پاس ہیں۔ ان میں سے ایک تو ایسے شخص کی بیاض ہے جو آج کے معیارِ تعلیم کے اعتبار سے گنوار سمجھا جاتا ہے۔ مگر وہ بارہ تیرہ سال کی عمر میں بھی بیاض لکھا کرتا تھا۔

روزنامچے اب تو عام لوگ ڈائری رکھتے ہیں لیکن پہلے بھی بعض بزرگ روزنامچے لکھا کرتے تھے۔ جن میں اپنے شب و روز کے مشاغل کے علاوہ پیدائش، اموات اور شادیوں کا نام کرتے چلے جاتے تھے۔ ایسے چند روزنامچے محفوظ ہیں جن میں سے دو ہماری نظر سے بھی گزرے ہیں۔ ان میں ایک الحاج حافظ قاری مولانا حافظ الدینؒ (باب ۳) کا روزنامچہ موسومہ ... عربی زبان میں ہے اور دوسرا منہاج الحق مرحوم (۳-۷ ب) کا اردو میں۔

پیدائش و اموات جب سے میونسپل کمیٹیوں میں اموات و پیدائش کی تاریخیں درج کرانے پر عمل درآمد ہوا ہے۔ افرادِ خاندان کے کوائف وہاں درج ہوتے ہیں۔ میرے پاس سمال ٹاؤن کمیٹی مہم کے قدیم رجسٹروں سے اپنے خاندان کی پوری شاخ

ہم کی خدمات سے [illegible] کی پیدائش اور اموات کی تاریخوں کی مکمل نقل موجود ہے۔ ان
کے رجسٹر کے علاوہ بعض حضرات اپنے طور پر بھی رجسٹر پیدائش و اموات رکھتے تھے۔ ایسے
رجسٹر موجود ہیں جن میں سے الحاج ظہور اللہ شہید (۳۲ ب) اور محمد حسن صاحب (۷) کے رجسٹر
سے ہم نے استفادہ کیا ہے۔

رجسٹر نکاح

مہم میں بیشتر ہمارے خاندان کے بزرگ اور ہر تک میں اولاد قاضی [illegible] کا
نکاح خوانی رہی ہے۔ شجرہ نویس ان رجسٹروں سے بھی استفادہ کرتے رہے ہیں۔
کئی قدیم کابین نامے بھی محفوظ ہیں۔ جن سے دولہا اور دولہن کے والد کا نام پتہ چل جاتا ہے۔

تاریخی نام

خاندان میں سیکڑوں افراد کا نام مادہ تاریخ پیدائش ہے (شاہ محمد رضا [illegible])
مثلاً مظفر احمد (۵ ب ۱۰)، مظفر الدین (۹۵ ب)، افکار الحق (۷ ب)، [illegible]
اصغر (۹ ب)، مظفر حسین (۹ ب)، اصغر ہادی (۱۲)، قاضی خلد الرحمن (۷)، مظہر الحق [illegible]
خرم حسن (۷)، وضاحت حسن (۷) وغیرہ سب تاریخی نام ہیں۔

قطعات تاریخ وفات

خاندان کے کئی بزرگ ہیں جن کی وفات پر لوگوں نے تاریخ وفات
کے قطعات کہے۔ ان کا اندراج متعدد کتابوں میں ہے۔

خطوط

شادی بیاہ، موت اور پیدائش کی اطلاع رشتہ داروں کو دی جاتی ہے۔ بعض حضرات
جو شجرے اور نسب ناموں کی تکمیل کرتے رہے ہیں۔ خطوط کے ذریعہ معلومات فراہم
کرتے رہے۔ اس نوعیت کے قدیم و جدید ایک ہزار کے قریب خطوط میرے پاس ہیں۔ کئی [illegible]
حضرات بھی خطوط محفوظ کرتے ہیں۔

کتابوں پر اندراجات

بعض حضرات کسی کتاب پر ہی بعض عزیزوں کی پیدائش اور موت کی
تاریخیں لکھ دیتے۔ ایسی چند ایک قلمی اور مطبوعہ کتابیں میری نظر سے
بھی گزری ہیں۔ مثلاً پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور کے مجموعہ پیرزادہ نمبر ۱۵۵ پر ایک مختصر بیاض
نعت کا قلمی نسخہ ہے۔ اس پر خان بہادر پیرزادہ محمد حسین (۸ ب ۷) نے اپنے اقرباء میں سے کسی کی
تاریخ پیدائش لکھی ہوئی ہے۔

جزوی شجرے

بعض حضرات صرف اپنے اپنے کنبہ کا جزوی شجرہ لکھتے آئے ہیں۔ ایسے جیسے
جزوی شجرے میرے پاس ہیں۔ ایک الحاج کبیر الدین (۱۰) کے پاس دیکھا۔
ایک مولانا حسن الدین (۱۹۲) کے پاس ہے۔

کرسی نامے

بعض حضرات اپنے کرسی نامے تحریر کرواتے آتے ہیں۔ جیسا کہ اپنے [illegible] سے شروع کر
کے اوپر حضرت ابوبکر صدیقؓ تک سلسلہ نام بہ نام کرسی نامے تحریر ہوتے ہیں۔ ایسے کرسی نامے
مختلف [illegible] میں موجود ہیں۔ میری نظر سے حسب ذیل کرسی نامے گزرے ہیں:

۱۔ کرسی نامہ [illegible] حبیب اللہ [illegible] وحید [illegible] قلمی [illegible] میں درج ہے۔

۲۔ کرسی نامہ شاہ غلام جیلانی محررہ ۱۲۹۳ھ۔ یہ کرسی نامہ نثر اور نظم میں [illegible] مستجاب [illegible] سوک مطبوعہ میں نثر میں درج ہے۔

۳۔ کرسی نامہ شاہ محمد رضا شہید ۱۲۰۸ھ۔ یہ کرسی نامہ منظوم [illegible] مطبوعہ میں [illegible] ہے۔ [illegible] جو حال ہی میں طبع ہو چکا ہے۔

۴۔ کرسی نامہ [illegible] اللہ محررہ ۱۲۹۲ھ۔ یہ کرسی نامہ ۱۳۳۳ھ میں لکھا گیا اور راقم کے پاس محفوظ ہے۔ [illegible] راقم الحروف کے جد بزرگ تھے۔

۵۔ کرسی نامہ حکیم شکور الدین محررہ ۱۳۲۳ھ۔ الحاج حکیم شکور الدین نے شجرہ طریقت کی طرز پر کرسی نامہ نظم کیا۔

[illegible] اس کتاب میں چند صفحات کے بعد شجرہ مستقل دیں گے۔

مرقع الآثار

[illegible] ایک کتاب کا نام ہے جو زیر ترتیب ہے ——— [illegible]
قدیم شاہی اور [illegible] فرامین، اسناد، تقرری، تقسیم ترکہ کے کاغذات، بیع نامے،
بخشش نامے، ہبہ نامے، [illegible]، مذہبی [illegible] کے فیصلے وغیرہ [illegible]
[illegible] درج ہو چکے ہیں۔ خیال ہے ایسے قدیم کاغذات اب بھی اپنے خاندان میں کم و بیش [illegible]
محفوظ ہیں۔ صرف ان کاغذات کی مدد سے مختلف شجرہ تیار کیا جا سکتا ہے [illegible]
[illegible] کے نام بھی ہیں۔ ان میں سے اکثر پر ہمارے بزرگوں کے [illegible]
[illegible] بعض میں دادا پردادا کے نام بھی ہیں۔ یہ اتنا اہم ماخذ ہے کہ اس سے موجودہ شجروں
[illegible] کے اندراجات کی بھی توثیق و تائید ہو جاتی ہے۔

[illegible] ہم نے جن ماخذوں کا ذکر کیا ہے جو اب بھی موجود ہیں۔ مگر یہ بات نہیں کہ ان
[illegible] متعدد ماخذوں سے کسی زمانہ میں بھی شجرہ نسب تیار کیا گیا ہو۔ بلکہ ایسا ہوتا ہے کہ جو
شجرے چلے آرہے ہیں ان کی زمانہ بزمانہ تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ ہمارے خاندان میں بھی ایسا ہی
ہوا [illegible] آئندہ سطور سے معلوم ہوگا۔

[illegible] بزرگ ہیں جنہوں نے اپنے نام کے ساتھ تخلص کی بجائے قوم [illegible] ہیں

شجرہ نسب

شجرۂ نسب اور نسب نامہ کو اس کتاب میں مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ شجرہ سے مراد ہے کہ ایک بڑے سے کاغذ پر (جیسا کہ جناب الماس یمانی نے شائع کرایا تھا) نسلاً بعد نسلٍ صرف اولادِ نرینہ کے نام۔ نسب نامہ سے ہماری مراد کتابی شکل میں اولادِ نرینہ کے نام کے علاوہ ہر ایک کی بیوی اور اولادِ اناث اور دختروں کے نام۔ علاوہ ازیں ہر شخص کے بعض اہم کوائف۔ ہمارے خاندان کا شجرہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے۔ وقتاً فوقتاً اس کی تکمیل ہوتی رہتی ہے۔ ساٹھ سے کوئی سو سال پہلے جب شیخ احتشام الحق صدیقی اسہمی (م) نے خاندان کا پہلا نسب نامہ مرتب کیا تو اس کے دیباچہ میں اپنے خاندان کے قدیم شجرہ ہائے نسب کے بارے میں لکھا:

"زیرِ نسب نامہ مؤلف رسالہ نے اپنے نام سے تا حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام جو لکھا ہے اس کا حال یہ ہے کہ جناب قاضی صاحب ممدوح (یعنی ہندوستان میں اس خاندان کے جدِ امجد زبدۃ اولیاء حضرت قاضی قوام الدین جعفری ثم رحلی ۔ مؤلف) حضرت آدم علیہ السلام تک تو اپنے ساتھ وطنِ قدیم سے لائے تھے اور بعد اس کے بزرگان نسلاً بعد نسلٍ لکھتے چلے آئے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندان میں جب سے نسب نامہ کا رواج ہوا ہے شجرہ نسب پر توجہ کم ہوتی چلی گئی۔ نسب نامہ تو ایک وقت میں کئی بزرگ رکھتے تھے اور اس کی تکمیل کرتے رہتے تھے مگر شجرہ نامہ کم تھے۔ ہمیں اپنے خاندان کے مندرجہ ذیل شجروں کا پتہ چلا ہے۔ ان میں سے جو موجود ہیں ان کا تنقیدی جائزہ "قوام الانساب" میں لیا جائے گا۔

۱۔ شجرۂ حفیظ: الحاج ضیاء الحق کا بیان ہے کہ شیخ حفیظ الحق (متوفی ۱۹۲۳ء) بن حکیم قاضی نصر الحق بن ثناء الحق صاحبِ شجرہ تھے۔ یہ شجرہ نہ معلوم اب کہاں ہے۔

۲۔ شجرۂ قاضی: قاضی عبدالرحمٰن متوفی ۱۸۶۷ء بن قاضی غلام حسن بن قاضی محمدی صاحب شجرۂ نسب تھے۔ اس شجرۂ نسب سے (قاضی) رشید الرحمٰن اور پیرزادہ ابراہیم حنیف نے اپنے نسب نامے ترتیب دیتے وقت استفادہ کیا۔ یہ شجرۂ نسب پڑے پڑے بوسیدہ ہو گیا۔ اس کی قدر و قیمت پر پیرزادہ ابراہیم حنیف نے جو نوٹ لکھا ہے وہ ہمارے پاس محفوظ ہے۔

۳۔ شجرۂ الیاس: محمد الیاس آثم (۱۸۹۵ء–۱۹۴۲ء) بن فرید الدین عاجز بن سعید الدین نے خاندان کے شجرۂ نسب کی اپنے زمانہ تک تکمیل کر کے اسے دہلی سے ۱۳۵۰ھ میں طبع کرا کے شائع کیا۔ ہمارے خاندان کا یہ پہلا مکمل شجرۂ نسب ہے جو شائع ہوا۔ اس کا ایک نسخہ ہمارے پاس ہے۔

۴۔ شجرۂ الماس: الحاج کفیل احمد الماس یمانی (۱۵) ابن مولوی حافظ نفیس الدین ابن الحاج حافظ تاج الدین نے ۱۳۷۰ھ / ۱۹۵۶–۵۷ء میں خاندان کا شجرۂ نسب کراچی میں طبع کرا کے شائع کرایا۔ اس کے تین نسخے ہمارے پاس ہیں۔

۵۔ شجرۂ رضا احمد: پیر رضا احمد بن پیر صدیق احمد ابن پیر محمد شاہ غوث نے قیامِ پاکستان کے بعد لاہور میں خاندان کا شجرہ دو سو کی تعداد میں طبع کرایا۔ اگر یہ شائع نہ ہوتا تو اچھا تھا۔ شجرۂ نسب میں ایک اور صرف ایک غلطی بھی ناقابلِ برداشت ہوتی ہے۔

۶۔ معیار الاشجار: مجھے احساس ہے کہ ہمارا خاندان شجرۂ نسب میں کسی قسم کے جائز اختصار کو بھی ذہنی طور پر تسلیم کرنے میں دقت محسوس کرے گا اور کچھ وقت لے گا۔ خود مجھے بھی اس اختصار کے تصور سے ہی ذہنی کوفت ہوتی تھی اور متواتر تین سال کے تامل اور غور و خوض کے بعد میں اپنے آپ کو اس جسارت کے لئے آمادہ کر سکا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ خاندان بفضلِ خدا اس قدر پھیلتا جا رہا ہے کہ اس کا شجرۂ نسب اس صفحہ سے سولہ گنا بڑے کاغذ پر بھی آسانی سے نہیں آتا اور بیس پچیس سال بعد یہ پھیلاؤ بالکل بے قابو ہو جائے گا۔ لہٰذا میں نے یہ کیا ہے کہ اپنے مرتبہ معیار الاشجار میں خاندان کے ان مرحومین کے نام درج نہیں کئے جن کی پسری یا دختری اولاد کا سلسلۂ نسل منقطع ہو چکا ہے ماسوائے مندرجہ ذیل حضرات کے۔

(ا) مشائخ: حضرت شاہ کمال اللہ (باب ۵) حضرت شاہ غلام جیلانی (باب ۲) حضرت شاہ سلام اللہ (باب ۳)

(ب) شہیدین: محمد اسمٰعیل و محمد اسحاق (دونوں حضرت قاضی قوام الدین جدِ امجد کے بھتیجے) شاہ نور بن شاہ عبدالحکیم (باب ۵)، محمد محفوظ بن محمد احسان (باب ۲)، عبدالحق بن عبداللہ بن قاضی محمدی (باب ۴)، ضیاء الحق بن ثناء الحق (باب ۳) عزیز الدین بن نجیب الدین شہید۔

(ج) مصنفین و نسب نگار: شیخ امداد الحق صاحبِ معیار الانساب، عظیم الدین صاحب

انہیں اوستفاد بن غلام مرتضیٰ، مفتی حبیب اللہ ثانی صاحب اور اوحبیب بن عبدالحق، مولوی ممتاز الحق صاحب بن وزیر الحق، مولوی عبدالشکور صاحب، رونقۃ الرضوان ابن شاہ [illegible] پیرزادہ ابراہیم حنیف صاحب معترف الانساب بن منشی عبدالمجید، قاضی عبدالرحمٰن صاحب شجرۂ قاضی بن قاضی غلام حسن عرف محمد حسن۔

بادی النظر میں منقطع النسل مشاہیر کی یہ فہرست نامکمل ہے مگر باقی جس قدر مشاہیر کا [illegible] کو علم ہے ان کا سلسلۂ اولاد پسری یا دختری منقطع نہیں ہوا اس لئے ان کا نام بھی سیار الاشجار میں درج ہے۔

یہ مختصر شجرۂ نسب مرتب ہو چکا ہے مگر ابھی طبع کرانے کا ارادہ نہیں۔ آٹھ سال پہلے شجرۂ [illegible] طبع ہوا تھا فوری طور پر کسی اور شجرے کی ضرورت نہیں۔ نیز میں یہ اندازہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس مرتبہ [illegible] اختصار سے متعلق خاندان کا کیا خیال ہے۔

جہاں تک نسب نامہ کا تعلق ہے میں اس اصول پر کاربند ہوں کہ اس میں کسی حالت میں [illegible] یا ردوبدل نہ کیا جائے۔ ان میں لاولد افراد اور طفلی میں وفات پانے والے جن بچوں کے نام درج [illegible] وہ بدستور مستقبل کے نسب نگار اپنے اپنے نسب ناموں میں درج کرتے رہیں۔ آئندہ بھی جو بچے طفلی میں وفات پائیں ان سب کے نام بھی درج ہو جائیں تو اس سے بعض مفید نتائج اخذ کرنے میں مدد ملے گی۔

نسب نامے

شجرہ نگاروں کی نسبت ہمارے خاندان میں معلوم نسب نگاروں کی تعداد زیادہ ہے۔ جن [illegible] نسب ناموں کا علم ہے۔ "قوام الانساب" میں ان پر تنقیدی تبصرہ ہوگا۔

(۱) سلسلۃ الانساب ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدِ حکومت میں جب نظم خاندان ڈھیلا پڑنے لگا اور خاندان سے باہر شادیاں ذرا زیادہ ہونے لگیں تو خاندان کے سربرآوردہ حضرات حفظِ نسب کے بارے میں متفکر ہو گئے۔ اپنی پہلی بیوی کے انتقال پر شیخ [illegible] مولانا محمد ابراہیم نے دوسری شادی سید ہدایت شاہ کی دختر سے کر لی کیونکہ یہ شادی انہوں نے [illegible] چچا کے مشورہ کے بغیر کی اس کا اتنا شدید ردِعمل ہوا کہ چچا بھتیجے ایک دوسرے سے کٹ گئے [illegible] بھتیجے کو اپنا آبائی مکان چھوڑ کر محلہ سے باہر مکان بنانا پڑا اور پھر ایک صدی تک ان چچا بھتیجوں کی اولاد میں باہمی شادیاں نہ ہو سکیں۔ اس دور میں شیخ احتشام الحق صدیقی المعمی متوفی ۱۲۶۶ھ بن قاضی [illegible]

[illegible] بن [illegible] الحق کو حفظِ نسب کا ایک طریقہ سوجھا۔ ان کی دُور بین نگاہوں نے دیکھا کہ غیر خاندان [illegible] آئندہ شادیوں کی تعداد زیادہ ہوتی چلی جائے گی اور شجرۂ نسب میں صرف اولادِ نرینہ کے نام [illegible] جاتے ہیں اس لئے کچھ مدت بعد نجیب الطرفینی کا سوال پس پشت ڈال دیا جائے گا۔ چنانچہ وہ [illegible] نسب نامہ مرحوم پر سلسلۃ الانساب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"[illegible] ہماری قوم میں ملاحظہ کفو اور غیر کفو اوٹھنے لگا ایسا نہ ہو کہ رفتہ رفتہ خلط ملط ہو جاوے۔ لازم [illegible] ہے کہ ایک رسالہ ایسا تصنیف ہو کہ اوس میں حال کفو وغیر کفو سب واضح ہو جائے تو [illegible] بت خاندان ہے اور یادگار زمانہ رہے گا ...... نام اس رسالہ کا سلسلۃ الانساب رکھا گیا اور مرتب ہوا۔"

[illegible] شیخ موصوف نے موجودہ شجروں کو سامنے رکھ کر کتابی شکل میں نسب نامہ ترتیب دیا۔ اس میں خود [illegible] پشتوں کے نام تو پوچھ پوچھ کر لکھے اور باقی میں سے کچھ پرانے کاغذات سے تلاش کئے۔ [illegible] کی ہوئی عورتوں کے نام کا اندراج سرخ روشنائی سے کیا گیا۔ کمانچوں اور پرایوں کی تمیز ہے۔ ان [illegible] نسب نامہ تو ورق ورق ہو کر ضائع ہو چکا ہے مگر اس کے دیباچہ کا شیخ احتشام الحق کی قلم [illegible] کا ایک ورق ہمارے پاس ہے جو "ان غالب" سے "مرتب ہوا" تک ہے۔ اس پورے [illegible] بعد میں قاضی رشید الرحمٰن نے اپنے مرتبہ نسب نامہ میں نقل کیا تھا جہاں سے پیرزادہ [illegible] یوسف مرحوم نے نقل کیا ہے۔ یہ نقل النقل ہمارے پاس ہے۔ شیخ احتشام الحق کے فرزند [illegible] امداد الحق نے جب اپنا نسب نامہ مرتب کیا تو اس کا دیباچہ صرف چار الفاظ بدل کر وہی رکھا جو [illegible] الانساب مرتبہ شیخ احتشام الحق کا تھا۔ دیباچہ کی اندرونی شہادت ہمیں اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے [illegible] شیخ احتشام الحق نسب نگاری کے اس طرز کے موجد ہیں جو اب ہمارے خاندان میں رائج ہے [illegible] ازواج و دختروں کے نام اور دیگر کوائف بھی درج ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس کا آغاز [illegible] میں کیا۔

[illegible] بتربیان الانساب اس کے مرتب شیخ امداد الحق (۱۸۲۲ء-۱۹۰۱ء) بن شیخ احتشام الحق بن قاضی [illegible] مرحوم الحق صدیقی المعمی ہیں۔ آپ نے ۱۸۵۷ء کی دارو گیر میں اپنا نام [illegible] جو اپنے نسب نامہ میں اپنا نام "محمد احمد عرف امداد الحق" لکھا۔ مگر آپ ہمیشہ امداد الحق [illegible] معروف رہے۔ دستخط بھی امداد الحق بقلم خود کیا کرتے تھے۔ ہمارے خاندان سے یہ دوسرے [illegible] لفظ کی بجائے "بقلم خود" لکھا ہے۔ تولد لکھنؤ میں ہوئے، مسکن قصبہ [illegible] ضلع [illegible]

[illegible] امداد الحق بن احتشام الحق بقلم خود، دہم جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۱ھ [illegible]

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں آپ کے برادرِ اصغر عماد الحق شہید کو پھانسی دی گئی اور آپ کو عبور دریائے شور کی سزا ملی۔ مگر پھر اس سزا میں تبدیلی کر کے آپ کو کئی سال تک نظر بند رکھا۔ جلاوطنی سے واپس گھر آئے تو ان کے والد صدموں کی تاب نہ لا کر وفات پا چکے تھے خاندان کئی اور سربرآوردہ حضرات سے محروم ہو چکا تھا۔ آپ دل برداشتہ ۱۸۸۳ء تک یہیں رہے پھر قلعہ رہتک میں رہنے لگے اور وہاں سے عمر کے آخری حصے میں قصبہ محمدی ضلع کھیم پور کھیری (یوپی) چلے گئے جہاں ۱۰ جنوری ۱۹۰۱ء کو لاولد فوت ہوئے۔

شیخ امداد الحق نے نسب نگاری میں اپنے والد کے کام کو جاری رکھا۔ اپنے مرتبہ نسب نامہ کا نام بھی سلسلۃ الانساب رکھا اور اس کا دیباچہ بھی صرف چار الفاظ بدل کر وہی اختیار کیا جو ان کے والد کے مرتبہ نسب نامہ کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے جلاوطنی کے دور میں اور اپنے والد بزرگوار کی علالت کے ایام میں ہی تقریباً ۱۸۵۸ء میں نسب نگاری کا کام خود سنبھال لیا۔ پیرزادہ ابراہیم حنیف مرحوم نے شیخ امداد الحق کے مرتبہ نسب نامہ کا نام ہر جگہ معیار الانساب لکھا ہے۔ معلوم یہ نام خود شیخ صاحب موصوف نے رکھا تھا یا پیرزادہ صاحب موصوف نے سلسلۃ الانساب مرتبہ شیخ احتشام الحق سے تمیز کرنے کے لئے یہ نام رکھا۔ ہم پیرزادہ صاحب مرحوم کی سند پر معیار الانساب نام اختیار کرتے ہیں۔ معیار الانساب کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے بعد ہمارے خاندان کے اب تک آٹھ نسب نامے مرتب ہوئے۔ ان کی بنیاد معیار الانساب پر ہے۔ ان میں ہر نسب نامے کے مرتب نے معیار الانساب کو سامنے رکھا۔ کوئی نسب نامہ اسے بنیاد بنائے بغیر آگے نہیں چل سکتا۔ تحقیق احتیاط اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ ایک تاریخی کارنامہ ہے۔ ہمیں معیار الانساب کے تین نسخوں کا علم ہے۔

(و) معیار الانساب نسخہ اولے: شیخ امداد الحق نے اپنے مرتبہ نسب نامے کے جس قدر نسخے لکھے ان میں سے ایک کو پیرزادہ ابراہیم حنیف نے نسخہ اولے قرار دیا ہے اور وقایۃ الانساب کے صفحہ ۴۹ پر اس کی سرگزشت ان الفاظ میں لکھی ہے:

"جہاں تک واقعات کا تعلق ہے نسخہ اولے کا ۱۲۹۹ھ تک مؤلف شیخ امداد الحق صاحب مرحوم کے ہاتھوں میں رہنا ثابت ہے۔ واقعات کے تسلسل میں ان سے شیخ عنایت اللہ نے حاصل کیا۔ ان سے پیر جی فلاح الدین نے۔ اس جگہ ان کی مختلف نقول پیر جی فلاح الدین صاحب، محمد اصغر نے اٹھائیں اور اکثر الحاق یا تحریفات کے رد و بدل اسی جگہ واقع ہوئے

ان سے قاضی رشید الرحمٰن نے حاصل کیا اور انہوں نے نقل لی۔ ان سے ابنجانب قاضی خلیل الرحمٰن کے ڈپٹی مظفر احمد صاحب نے حاصل کیا اور ان سے بغیر کسی واسطے کے ایک قیمتی کتاب کے بدلے مجھے حاصل ہوا۔ نامبردہ اشخاص کے پاس نسب نامہ مذکور تقریباً ۲۰ سال رہ کر غایت ۱۳۲۰ھ تک رہا۔ اس عرصہ میں اس پر جو تبدیلیاں واقع ہوئیں وہ اصل کتاب کے دیباچہ میں بوضاحت الکشف کر دیا ہے اور الحاق و تحریف کرنے والوں کے نام نام ہو دیئے گئے ہیں۔ المختصر یہ کہ الحاق وغیرہ کرنے والوں میں پیر جی فلاح الدین صاحب، قاضی رشید الرحمٰن صاحب، ڈپٹی مظفر احمد صاحب ــــ وغیرہ صاحبان کی تحریر صاف طور پر شناخت ہوتی ہے اور تحریفات کرنے والوں کا اور سرغنہ [illegible] پھرنے والوں کا بالتخصیص تو نام نہیں لیا جا سکتا مگر ایسی کتاب گردی میں کوئی زمانہ اردو کی صاحب تو ہے جس نے یہ مہربانی فرمائی ہے۔ اس قسم کی تحریف کرنے والے کا پڑھانے کا ایک ذریعہ تحریفات کے نفع و نقصانات کے احساسات کا دینے شخص سے مختلف کرنے پر منحصر ہو سکتا ہے۔"

مختصر یہ کہ معیار الانساب مرتبہ شیخ امداد الحق کا نسخہ اولے ۱۲۹۹ھ تک مرتب کے پاس رہا۔ اس کے بعد دیگرے شیخ عنایت اللہ (۴۹ ب) پیرزادہ فلاح الدین (۵۶ ب) قاضی رشید الرحمٰن (ب) اور ڈپٹی مظفر احمد (ب ۴) کے پاس رہا۔ ۱۹۱۰ء سے ۱۹۶۰ء تک پوری نصف صدی یہ نسخہ پیرزادہ ابراہیم حنیف کے پاس رہا۔ ان کے انتقال پر ملال (۱۳۸۰ھ ۱۹۶۰ء) پر یہ نسخہ بلا واسطہ راقم الحروف کی تحویل میں آ گیا۔

پیرزادہ ابراہیم حنیف کو جس حالت میں یہ نسخہ ملا اس کا بیان انہی کے الفاظ میں پڑھیے

"بیک گناں مردمک دیدہ خوشی خوشی شیخ مرحوم کی یادگار کی زیارت کے واسطے دراز ہوئی۔ چوما، پیارے سے آنکھوں پر رکھا۔ محبت و عقیدت اور نیازمندانہ اخلاص سے صد مندول پیمانِ وفا کی نذر گزرانی۔ مرحوم کی روح پر فاتحہ کے بعد کثیف جزدان سے علیحدہ کرنے میں مروڑے تروڑے، دریدہ بریدہ ٹکڑوں کی ریزش ہونے لگی۔ جسے دلی چیٹا پایا جسے ہاتھ لگایا زمانہ کے ستم سے گردن مروڑے چاک گریباں۔ سر بریدہ ہاں میں سر بجزدان دیکھا۔ تھوڑے اوراق ایسے نکلے جو سخت جانی کی حد تک پہنچ گئے تھے مؤلف کی امیدوں کا خون اور اربابِ زمانہ کی ستم ظریفی۔ بد ذوقی کا یہ حال ہوا

میں ۱۵ سال تک کئی منقولہ نسب نامجات نقل و حشر کرتے رہے تھے جو شیخ امداد الحق صاحب
مرحوم کے نوشتہ کتاب الانساب کے بلاواسطہ یا نقل النقل وغیرہ تھے مگر مجھے ان کو زیر نظر
رکھنے سے جلد ہی ثابت ہو گیا کہ یہ نسب نامجات کسی متفقانہ تکمیل کا ذریعہ بننے کے قابل نہیں
ہیں۔ بالآخر سنہ ۱۳۲۰ھ میں بہت جستجو اور تلاش کے بعد مجھے شیخ امداد الحق صاحب کا نوشتہ
اصل بنیادی نسخہ دستیاب ہو گیا جو تمام موجودہ نسب ناموں کا مبدا و ماخذ ہے۔ لیکن بدقسمتی
سے وہ نسب نامہ پراگندہ و منتشر تھا اور دست بدست منتقل ہونے سے اس کی معنوی و صوری
اصلیت پر بہت کچھ حاشیے چڑھ چکے تھے اور چند ابتدائی اوراق بھی ضائع ہو چکے تھے۔ لہٰذا
بادی النظر میں وہ ناکافی سمجھا گیا اور شیخ کے نوشتہ دیگر کسی نسخہ کی تلاش جاری ہوئی۔

حسن اتفاق سے سنہ ۱۳۲۲ھ میں رہتک کے حکیم شکور الدین صاحب صدیقی نے مہربانی کر
کے شیخ مرحوم کا لکھا ہوا نسب نامہ مجھے دکھایا۔ دوسرے قلق کی بات یہ ہے کہ اگرچہ وہ فہرست
دیباچہ اور فصول کی ترتیب کے لحاظ سے تو مکمل تھا مگر پہلے نسخہ کی نسبت مجمل اور مختصر ہونے
سے وہ بھی اس قابل نہ تھا کہ تنہا اس پر ذمہ دارانہ تالیف و تکملہ کی بنیاد رکھی جا سکے
مزید جستجو کے بعد بھی جب کسی دوسرے نسخے کی موجودگی سے ناامیدی ہو چکی تو ناچار ان
ہر دو نسخہ جات کے ذریعہ ایک مکمل نقل کرنے کا ارادہ کیا گیا جو بسبب مجبوری ہر دو نسخہ ہائے
مذکورہ بالا کی جامع اور قابل اعتماد نقل ہو سکے چنانچہ اول الذکر نسب نامہ جو اس مؤخر الذکر
نسب نامہ کا بھی مبدا تھا اس لحاظ سے اسی پر توجہ دی گئی اور ہر دو کو ملا کر یہ نقل حاصل
کی گئی۔

اول الذکر نسب نامہ میں بہت کچھ الحاق[1] و تحریف[2] کا عمل ہو چکا تھا اور خصوصاً مخلوط یا
بیرونی[3] اشخاص کے نشان کمری و سرخ اندراج پر سیاہ روشنائی کی قلم پھیر دینے سے گویا قریب قریب

---

۱ الحاق سے مراد ہے کہ شیخ امداد الحق کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں یہ نسخہ رہا۔ انہوں نے اس میں بعض ان افراد کے
نام لکھ دیئے جو بعد میں پیدا ہوئے۔ اس سے نسب نامہ غلط تو نہیں ہو جاتا مگر کسی قلمی نسخہ میں بعد کی تحریریں بڑی
الجھن پیدا کر دیتی ہیں۔ ۲ تحریف سے مراد ہے کہ شیخ موصوف نے بعض نام سرخ روشنائی سے لکھے تھے کسی نے ان میں سے
بعض پر سیاہی پھیر دی مگر اس کی نشاندہی ہو جاتی ہے۔

۳ بیرونی سے مراد ہے باہر کی عورت جو باہر سے خاندان میں بیاہی گئی۔ ایسی عورت کے بطن سے جو اولاد ہوئی اسے
مخلوط کہا گیا ہے۔

لوگوں نے اس تمیز کو چھپا دیا تھا لیکن ہر دو نسخہ جات کے ملان اور خصوصیت سے شیخ
صاحب مرحوم کے رسم الخط کے امتیاز نیز غور و فکر سے اندراجات کو دیکھنے پر ایسی
تحریفات کی قلعی بہت جلد کھل گئی اور یہ امر واقعی ہے کہ مناسب تحقیقات کرنے کے بعد
یہ متن نقل ہے من حیث الوجوہ تمام کا تمام محرفین اور الحاق کنندگان کی صنعت سے ایسا
پاک ہو چکا ہے کہ گویا یہ اس حالت و وقت کی نقل ہے جبکہ متن شیخ صاحب مرحوم مؤلف
کے اور محرفین و الحاق کنندگان کی تبدیلات سے مبرا اور پاک صاف تھا۔

اس کامیابی پر اگرچہ میرے غور و فکر کو کچھ کم دخل نہیں ہے لیکن امر واقعی در حقیقت
یہ ہے کہ مؤلف کی احتیاط، صفائی، رسم الخط، اگر داخلی طور پر معاون اور ممد اور مسلمہ نہ
ہوتے تو شاید ہی ایسی صحیح نقل ممکن ہوتی اور باوجود ایسی محنت کے بھی ایسی کامیابی کہ
نہیں کہنا مشکلات سے خالی نہ تھا۔ الحق مؤلف نہایت محتاط، نیک نیت اور مستعد
بزرگ تھے۔ ان کی محنت و کاوش اور تحقیقات کا اندازہ ان کی جستجو و تلاش کی وسعت ان کی
[illegible] اور علم الانساب کی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کی سند خود ان کی بے مثل
تالیف ہے۔ اسناد کو فراہم کرنے، ان کے تسلسل کو قائم کرنے اور انساب کو برجستہ مکمل
کرنے میں مؤلف نے جس قدر کاوش و محنت فرمائی ہو گی اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل کام
ہے اور میرا اپنا تجربہ بتلاتا ہے کہ مصنف نے کم از کم بیسیوں سال تک اس سلسلہ کو سرانجام
دینے پر جب کہیں جا کر یہ ایسا مکمل سلسلہ بنا ہوگا۔ . . . . .

یہ نقل مکمل ہے اور تمام و کمال نقل کا الاصل کی ایسی مصداق ہے کہ شاید ہی کسی ایک
آدھ نقطہ کا فرق رہا ہو تو رہا ہو ورنہ حتی الامکان متن کا بجنسہ بلفظہ چربہ اتارنے میں اپنی
مقدور تک کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا اور متن کو محفوظ رکھنے اور امانت کے ساتھ اظہار
کرنے میں امکانی کوششوں سے دریغ نہیں کیا گیا۔ اس نقل میں کوئی افراط تفریط نہیں۔
[illegible] وضاحت ہے۔ البتہ موقع جہاں ضروری معلوم ہوا وہاں مناسب
[illegible] کر دی گئی ہے اور آخر
کتاب میں کئی ضمیمہ بڑھانے سے [illegible]

نسب نامہ سراج — مرتبہ مولوی سراج الحق (۱۳۰۳ھ ۱۸۸۶ء [illegible])
بن حفیظ الحق۔ قصبہ محمدی ضلع کھیم پور کھیری (یوپی) [illegible]

اور میرا مرتبہ نسب نامہ میری تحویل میں آئے تو ان سب کا باہمی مقابلہ کیا گیا۔ قوام الانساب کے اندراجات کی تصدیق ہوئی لیکن خاندان کے نسب ناموں سے متعلق اس قدر ذخیرہ مل جانے کے بعد خیال پیدا ہوا کہ ہر زندہ و مرحوم شجرہ نویس اور نسب نگار کی تالیفات کو اور خاندان سے متعلق جملہ تحریروں کو سامنے رکھ کر قوام الانساب کے آخر میں تین چیزوں کا اضافہ کیا جائے۔

اولاً خاندان سے متعلق شجروں اور نسب ناموں کی مبسوط تاریخ اور ان میں سے ہر ایک کا تنقیدی جائزہ۔

ثانیاً قوام الانساب کے ہر اندراج کی سند یعنی کہیں سے تاریخ پیدائش کی ہے تو وہ بتایا جائے۔ کسی نام پر دو نسب نگاروں کا اختلاف ہے تو اسے پرکھ کر اپنا فیصلہ دیا جائے اور اس فیصلہ پر پہنچنے کی وجوہ بتائی جائیں۔

ثالثاً اشاریہ (انڈکس)

مآثر الاجداد کی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد اگر اپنی نہایت ہی مصروف زندگی سے کچھ وقت فرصت نکال سکا تو انشاء اللہ قوام الانساب کی تکمیل اور اشاعت کی طرف توجہ دوں گا۔ اس اثناء میں اگر کوئی شجرہ نویس شجرہ نسب طبع کرانے کا ارادہ کریں تو ان سے میری یہ التماس ہوگی کہ اگر وہ اپنے مرتبہ شجرے کو اغلاط سے پاک رکھنا چاہتے ہیں تو مجھ سے ضرور مشورہ کریں۔ میرے ذخیرہ کتب کی الماریاں ان کے لئے کھلی ہوں گی کیونکہ آئندہ کوئی شجرہ نویس اور نسب نگار وقائع الانساب، معرف الانساب اور کنز الآثار سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اور یہ تینوں چیزیں راقم الحروف کے پاس ہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ قوام الانساب کی تکمیل کے بعد خاندان سے متعلق جملہ تحریریں (قلمی و مطبوعہ) کتب انساب، نامے، شجرے اور کنز الآثار، ملک کی قدیم ترین جامعہ یعنی پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں محفوظ کرا دوں۔

باب ۱۶

ضمیمے

ضمیمہ (۱)

کرسی نامہ شاہ محمد رمضان شہید مہمیؒ (۱۷۶۹ء-۱۸۲۵ء) باب ۵۔

نام اس احقر بنائی یہ کتاب ۔۔۔ نام ہے رمضان، محمد بل شتاب

وہ ہے بیٹا شیخ جیو عبد العظیم ۔۔۔ وہ ہے بیٹا مولوی عبد الحکیم

وہ ہے لطف اللہ، عطاء اللہ کا ۔۔۔ وہ ہے سیف اللہ شیخ راہ کا

وہ ہوا بیٹا مبارک باجمال ۔۔۔ وہ ہوا بیٹا سلیمان بن کمال

وہ غیاث الدین، ظہیر الدین کا ۔۔۔ وہ کبیر الدین جو مصر آکر بسا

وہ ہوا بیٹا قوام الدین کا ۔۔۔ آن کر جھجھر میں رہتک بسا

شہر ہے جھجھر گرد سیستان ۔۔۔ سیر کی تقریب آئے تھے وہاں

وہ حسام الدین، نظام الدین کا ۔۔۔ وہ محی الدین، علاؤ الدین کا

وہ معین الدین کمال الدین کا ۔۔۔ وہ یمن سے سیستان میں آبسا

وہ امام الدین، شمس الدین کا ۔۔۔ جو کہ شہر یمن میں آکر رہا

وہ حسام الدین وہ احمد کا پوت ۔۔۔ وہ ہوا محمود بن بوبکر پوت

وہ جو ابراہیم، اسماعیل کا ۔۔۔ وہ جو عبد اللہ صاحب ڈیل کا

عبد الرحمن کا ہوا بیٹا سنو ۔۔۔ وہ ہوا بوبکر کا صدیق جو

یہ کرسی نامہ کتاب بلبل باغ نبی مصنفہ شاہ محمد رمضان رح کے اس قلمی نسخہ سے لیا گیا ہے جو قاری وضاحت حسن (۲۷۶ ب) ابن قاری فیض الحسن کے پاس ہے۔ اس نسخہ کی کتابت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے ستائیس سال بعد ۱۹ ر شوال ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء کو ختم ہوئی۔ کاتب شیخ زادہ امیر علی بن بشارت علی ساکنہ محلہ چشتیان رہتک ہیں۔ اصل کتاب ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء کی تصنیف ہے۔ ہمارے پاس بھی اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۳۲۵ھ میں مطبع شاہی آگرہ سے مصنف علیہ الرحمۃ کے نواسے مولانا مشتاق احمد مرحوم (۳۵۰ ب) نے شائع کرائی۔ مطبوعہ نسخہ میں بے احتیاطی سے ۱۹، ۲۰ اور ۲۱ ویں نمبر پر جو نام ہیں شائع ہونے سے رہ گئے ہیں۔ یہ ایک سنگین غلطی ہے۔ ہم نے جو کرسی نامہ نقل کیا ہے اس کے نمبر ۱۴ پر محی الدین نام ہے۔ ان کا لقب یا دوسرا نام فخر الدین تھا۔

ضمیمہ (۲)

اسناد الاشجار (۱۸۰۵ء)

مؤلفہ شاہ غلام جیلانی رہتکی رح (۱۷۵۰ - ۱۸۲۰ء) باب ۳

نسب نامہ شاہ اوحد معروف بمولوی بدر الدین چشتی القادری قدس سرہٗ

"احوال نسب حضرت وقبلہ اوحد شاہ المعروف بمولوی شیخ بدر الدین چشتی القادری الصدیقی نسباً السمی وطناً والرہتکی سکناً ولکھنوی مرقداً والحنفی مذہباً مجملاً بیان نماید

پس بدانکہ اوحد شاہ معروف بشیخ بدر الدین ابن شیخ فخر الدین ابن شیخ عبد الکریم ابن شیخ عبد الرسول ابن شیخ حاتم ابن شیخ عبد اللہ عرف شیخ جیون محتسب ابن شیخ محمد عرف مکی مفتی ومحتسب وایضاً شجرہ زوجہاش مسماۃ بی بی خدیجہ بنت شیخ عبد الرحمن ابن شیخ محمد جعفر ابن شیخ حبیب اللہ مفتی ابن شیخ امان اللہ مفتی ابن شیخ نظام مفتی ابن شیخ محمد عرف شیخ مکی مذکور ومنکوحہ شیخ مکی بی بی فاطمہ بود کہ از آبا واجداد بخواجہ زادگی مشہور بود واگر اولاد شیخ مذکور سید گویند درست است موافق حکم شریعت۔ لیکن در ہندوستان نسب جانب پدر معتبر می کنند واگر کسے کند مطعون گردد۔ اذا کانت المرأۃ فالمختار ان یکون الولد سید وعلیہ الفتویٰ۔

پس شیخ مکی مذکور ابن شیخ عبد المجید مفتی ومحتسب ابن شیخ محمد حاکم مفتی ومحتسب ابن شیخ

فضل اللہ عرف ماہرو منشی سلطان ہمایوں ابن شیخ قادن مفتی ومحتسب ابن شیخ ہدایت اللہ عرف شیخ بدہ مفتی ومحتسب ابن شیخ عماد الدین قاضی، مفتی ومحتسب قصبہ مہم ابن شیخ محمد افتخار ابن شیخ قوام الحق والدین صدیقی القریشی الیمنی ثم السیستانی ثم جھجیری ثم الرہتکی واکثر اولادش در قصبہ مہم است۔

پوشیدہ نماند کہ قاضی قوام الدین سیستانی رحمۃ اللہ علیہ در اول قاضی جھجیر بودند کہ حوالی سیستان است۔ بعد بتقریب سیاحی در دہلی آمدند و برادر زادہ اش شیخ محمد موسیٰ جد شیخ الہ بخش گنج بخش شطاری در گرد کمتر سکونت ورزیدند و اولادش و مزار متبرکہ او و مزار شیخ الہ بخش گنج بخش ہم ہمانجاست۔ و دو برادر زادہ اش شیخ محمد اسحاق و شیخ محمد اسمٰعیل ہر دو لاولد۔ مزار متبرک ایشاں در موضع مدینہ علاقہ پرگنہ مہم وخودش شیخ قوام الحق والدین در رہتک سکونت گرفتند و بدختر قاضی محمد سرخ ذی القرنی الرہتکی مسماۃ عین البدر بعقد منعقد شدند و از وشاں دو پسر بوجود آمدند یکے شیخ افتخار دوم شیخ کبیر۔ وجود متبرک قوام الدین موصوف را بعد وفات زیر دیوار قلعہ رہتک جانب جنوب متصل بکنج غربی زیر برج مدفون ساختند۔

واز شیخ افتخار مذکور دو پسر شدند یکے در رہتک ماند واولادش ہمانجاست و دوم شیخ عماد و شیخ کبیر پسر دوم قاضی قوام الدین ہر دو در قصبہ مہم آمدند۔ سہ خدمت قضا و احتساب وافتا شیخ عماد مذکور قبول کردند و تا حال در اولاد اوشاں قائم است۔ و سہ خدمت داروغگی عدالت وخطابت وتولیت شیخ کبیر مذکور اختیار کردند و تا حال در اولاد ایشاں قائم است۔

پس شیخ قوام الدین مذکور ابن شیخ حسام الدین ابن شیخ نظام الدین ابن شیخ فخر الدین ابن شیخ علاؤ الدین ابن شیخ معین الدین ابن شیخ کمال الدین کہ ایشاں از ملک یمن آمدہ در سیستان سکونت ورزیدند و ایں فرد اکثر از زبان میفرمودند ع

گر ہوس سلطنتے داشتمے — ملک یمن را بچہ بگذاشتمے

شیخ کمال الدین مذکور ابن شیخ امام الدین ابن سلطان شمس الدین کہ حاکم یمن بود ابن شیخ حسام الدین ابن شیخ احمد حاکم الیمن ابن شیخ محمود ابن شیخ ابوبکر ابن شیخ ابراہیم ابن شیخ اسمٰعیل ابن شیخ ابو اسماعیل حضرت عبد اللہ حاکم الیمن رضی اللہ عنہ ہوا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ابن ابو عبداللہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ایضاً بود اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسمّی عبداللہ کنیت ابوبکر ملقب بصدیق اکبرؓ

یہ کرسی نامہ مؤلفِ اسناد الاشجار حضرت شاہ غلام جیلانی رہتکی کے والد بزرگوار شاہ عبدالغنیؒ کا ہے۔ اور کتاب اسناد الاشجار کے صفحات ۲۳۸ تا ۲۴۴ سے نقل کیا گیا ہے۔ جس نسخہ سے نقل کیا ہے وہ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہُوا ہے اور میرے ذخیرۂ کتب کی زینت ہے یہ ۲۴۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا سن تالیف ۱۲۲۰ھ / ۱۸۰۵ء ہے۔ اس کتاب میں مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے ان سلسلوں کا ذکر کیا ہے جن سے آپ نے فیض پایا۔ اس میں اہم اجازت نامے بھی نقل کئے ہیں۔ طریقت کے بعض نکات کی تشریح کی ہے اور کہیں کہیں احوالِ مؤلف بھی ہے۔

ضمیمہ (۳)

اوراد حبیبیہ (۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۷ء)

مصنفہ الحاج قاری مفتی حبیب اللہ ثانی فہمی بن عبدالخالق بن مفتی عبدالرزاق بن مفتی محمد جعفر

ذکر قاضی قوام الدینؒ

"قاضی قوام الدین سیستانی رحمۃ اللہ علیہ دہوا قاضی جُجَیر بودند کہ جُجیر حوالی سیستان است بعدۂ بتقریب سیاحی در دہلی آمدہ سکونت در رہتک گرفتند و بدختر قاضی سرخ ذی القرنی مسماۃ عین البدر عقد منعقد کردند و از او شاں دو پسر بوجود آمدند یکی قاضی افتخار الدین دوم قاضی کبیر الدین بن بعد قاضی قوام الدین مسطور بقضائے الٰہی از دار الفنا بدار البقا شتافتند وجود تبرک را متصل دیوار قلعہ رہتک مدفون ساختند۔ و از قاضی افتخار الدین مذکور دو پسر شدند یکے قاضی عماد الدین دوم در رہتک ماندند و قاضی کبیر عم و برادر زادہ مذکور ہر دو در قصبہ مہم آمدند۔ از ابنائے قاضی عماد الدین در مہم سہ خدمت یکے قضا دوم افتا سوم احتساب و از ابنائے قاضی کبیر در قصبہ مہم سہ خدمت نیز ماندند، یکے عدالت، ثانی خطابت ثالث تولیت۔"

یہ عبارت اوراد حبیبیہ قلمی کے صفحہ ۲۰۱ سے نقل کی گئی ہے۔ کتاب ۲۱۰ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ پر تیرہ سطریں ہیں۔ یہ کتاب مفتی حبیب اللہ ثانی فہمی نے ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۷ء میں لکھی۔ جس قلمی نسخہ سے ہم نے یہ عبارت نقل کی ہے اس کی نقل کی تکمیل کی تاریخ ۱۸ رجب ۱۲۶۱ھ ہے۔

اور قاری وضاحت حسن (۷۶ب) کے پاس ہے۔ اس منقولہ عبارت کے ساتھ مفتی حبیب اللہ ثانی موصوف نے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک اپنا کرسی نامہ بھی لکھا ہے۔ ترتیب بالکل وہی ہے جو خاندان کے شجروں اور نسب ناموں میں پائی جاتی ہے۔ میں اس کرسی نامہ کو یہاں نقل کرنا چاہتا تھا مگر اب جو اپنی ڈائری کھول کر دیکھتا ہوں تو معلوم ہُوا کہ چار سال پہلے جب قاری صاحب موصوف نے یہ قلمی نسخہ مجھے دکھایا تھا اور میں نے اسے پڑھ کر اس سے جو نوٹس لئے تھے ان میں کرسی نامہ لکھنا بھول گیا۔ قاری وضاحت حسن خطوط کا جواب دینے کے عادی نہیں اور کاتب انتظار میں ہے کہ مسودہ جلد بھیجا جائے۔

ضمیمہ (۴)

کرسی نامہ شیخ ثناء اللہ صدیقی فہمی (۱۸۷۸ء)

"شیخ ثناء اللہ بن شیخ خدا بخش بن شیخ خواجہ بخش بن حافظ صفت اللہ بن شیخ قمر اللہ بن شیخ نجم اللہ عرف حافظ عالم خاں بن شیخ رزق اللہ عرف حافظ عالم خان کلاں بن عزیز فقہ بن شیخ حبیب اللہ، بن شیخ امان اللہ مفتی بن شیخ نظام الدین مفتی بن شیخ محمد مفتی عرف شاہ شمس بن شیخ عبدالمجید مفتی المحتسب بن شیخ محمد حاکم بن شیخ فضل اللہ عرف ہرد بن شیخ ہدایت اللہ عرف شیخ بدہ بن قاضی عماد بن قاضی افتخار ساکن المہم بن قاضی قوام الحق والدین صدیقی القرشی التیمی ثم السیستانی ثم الجُجیری ثم الرہتکی۔ قاضی قوام الدین سیستانی رحمۃ اللہ علیہ دہوا قاضی جُجیر بودند کہ حوالی سیستان است بعد بتقریب سیاحت در دہلی آمدہ و سکونت در رہتک گرفتند و در رہتک آمدہ بدختر قاضی محمد سرخ ذی القرنی مسماۃ عین البدر عقد منعقد از ایشاں دو پسر بوجود آمدند۔ قاضی افتخار و قاضی کبیر و از قاضی دو پسر شدند۔ کبیر الدین عم و برادر زادہ ہر دو بمہم آمدند۔ از ابنائے قاضی کبیر در مہم سہ فرقہ شدند۔ میر عدلاں و خطیباں و متولیاں۔ از ابنائے قاضی عماد در مہم سہ خدمت ماندند۔ قاضیاں، مفتیاں و محتسباں۔ قوام الدین بن شیخ حسام الدین بن شیخ نظام الدین بن فخر الدین بن علاؤ الدین بن معین الدین بن کمال الدین ایشاں از ملک یمن آمدہ سکونت در سیستان نمودند اکثر ایں فرد را از زباں میرانند کہ ؎

گر ہوس سلطنت داشتے

ملک یمن را بچہ بگذاشتے

بن شیخ امام الدین بن سلطان شمس الدین و نیز حاکم الیمن بودند بن شیخ حسام الدین بن شیخ احمد بن شیخ محمود بن شیخ ابوبکر بن شیخ ابراہیم بن شیخ اسماعیل بن شیخ عبداللہ بن حضرت عبدالرحمٰن بن امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بودند فقط۔

یہ نسب نامہ خاکسار خلائق عاصی پر معاصی بندہ شیخ ثناء اللہ ساکن ہم ضلع رہتک در سال ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء سنہ ۳۵ ہندی ۱۹ تحریر بقلم خود۔

یہ کرسی نامہ راقم الحروف کے جد بزرگوار ثناء اللہ کی قلم سے لکھا ہوا میرے پاس محفوظ ہے

ضمیمہ (۵)

خطوط و کتابت قاضی محمد حسن و کلکٹر ضلع رہتک

پروانہ کلکٹر ضلع رہتک

"صاحب بہادر صاحب ضلع رہتک مورخہ دہم ماہ جنوری ۱۸۳۶ء عیسوی شریعت پناہ محمد حسن قاضی پرگنہ ہم بعافیت باشند۔ این معنے بحضور منظور است کہ قصبہ ہم از چقدر مدت آباد شدہ است و چگونہ آباد شدہ۔ لہٰذا قلمی بود کہ کیفیت ایں معنی دریں باب بآں شریعت پناہ دریافت باشد۔ خوش خط و مختصر بود در یک ماہ نوشتہ نزد ایں جانب ارسال دارند فقط

تحریر دہم ماہ جنوری ۱۸۳۶ء عیسوی"

جواب قاضی محمد حسن فہمی

"بحضور صاحب ضلع رہتک مشر الگزنڈر فریزر صاحب بہادر صاحب ضلع رہتک

معروضہ چہارم ماہ فروری ۱۸۳۶ء عیسوی

عرض بندگان عالی متعالی جناب خداوند نعمت فیاض زمان دام اقبالہ۔ پروانہ کرامت مورخہ دہم ماہ جنوری ۱۸۳۶ء عیسوی مشعر بر معروضہ داشتن حال آبادی قصبہ ہم کہ چقدر مدت و چگونہ آباد شدہ۔ وروداں آں آنچہ دریں باب معلوم بازدل بکرمت فرمودہ معزز و محترم گردانید و بر احکامات آں عزو اطلاع بخشیدہ داد گشتہ۔ ہرچہ ایں خادم شرع را از زبان بزرگان دریافت گشتہ بعرض مے رساند۔

حال آبادی قصبہ ہم

کہ قصبہ ہم را دفعہ اول قبل از عہد رائے پتھورہ مسمی ماہم عرف مہدہ پسر رائے بتوقوم راجپوت چوہان آباد نمودہ بود۔ چوں در سنہ ۵۸۸ ہجری کہ سلطان شہاب الدین غوری عرف معزالدین سام از ولایت آمدہ رائے پتھورہ را گرفتہ گشت۔ درہماں ایام مسمّے ماہم نیز کشتہ شد و قصبہ ہم ویران مطلق گردیدہ قریب شصت سال تخمیناً بے چراغ ماندہ۔

باز در سنہ ۶۶۵ عہد سلطان غیاث الدین بن سلطان شمس الدین التمش آباد گردیدہ۔ وجہ آبادی ہم دفعہ دویم چنیں دریافت مے شود کہ چندکس مہاجناں ساکنین قصبہ اگروہہ توم اگروال کہ بسبب خفگی سلطان وقت از مسکن خود جلا وطن بودند بموجب حکم سلطان زماں ایں قصبہ ہم را آباد ساختند۔

لیکن چوں آبادی قصبہ ہم صرف از یک قوم مہاجناں اشکال بود و بخوبی سرانجام شدن نتوانست۔ بنابراں در سنہ ۶۶۶ ہجری دو کس از بزرگان ایں خادم الشرع شریف یکے قاضی عماد الدین بن افتخار الدین بن قاضی قوام الحق والدین و دویم کبیر الدین بن قاضی قوام الحق والدین موصوف از قصبہ رہتک بموجب حکم سلطان معزالدین کیقباد ناصرالدین بغراخان بن سلطان غیاث الدین بلبن دریں قصبہ حمیدہ شریک آباد کردن شدند۔

چنانچہ شش عہدہ پرگنہ قصبہ مذکور قضاو افتاء و احتساب در ابنائے قاضی علاء الدین بن افتخار الدین بن قاضی قوام الحق والدین و عدالت و خطابت و تولیت در ابنائے کبیر الدین بن قاضی قوام الحق والدین در حضور بادشاہ زماں قرار یافت و ہمیں طور تا الیوم موجود است و در حالت آبادی قصبہ ہم زمینداری تمام قصبہ مذکور بنام مہاجناں مقرر شدہ بودہ۔ چوں مالگذاری تمام قصبہ ہم از مہاجناں شدن نتوانست معہ ہذا بعد چندے در زمینداری دوازدہ لبوہ راجپوتاں مسلماناں شریک گشتند و در ہشت لبوہ مہاجناں ماندند۔

فقط ایں قدر تا بعدار حضور را معلوم بود کہ بعرض پرداخت واجب بود بعرض رسانید الٰہی آفتاب دولت و اقبال دائماً تاباں و درخشاں باد۔

فدوی محمد حسن قاضی پرگنہ ہم

معروضہ چہارم ماہ فروری ۱۸۳۶ء عیسوی بمقام ہم"

یہ خط و کتابت ہم نے معیار الانساب کے نسخہ اولٰے مرتبہ و کتبہ شیخ امداد الحق سے نقل کی ہے

اس بیان میں چند اغلاط ہیں۔

۱۔ معزالدین محمد بن سام غوری نے سنہ ۶۰۲ھ میں نہیں بلکہ سنہ ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء میں رائے پتھورا کو شکست دی اور اسی موقع پر رائے پتھورا قتل ہوا۔ سلطان کو سنہ ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں قتل کر دیا گیا تھا۔

۲۔ غیاث الدین بلبن سنہ ۶۶۲ھ میں تخت نشین ہوا۔ مگر یہ سلطان التمش کا بیٹا نہ تھا۔ التمش کے تین فرزند تخت نشین ہوئے، رکن الدین، معزالدین بہرام شاہ اور ناصر الدین محمود مگر ان میں سے کسی کا لقب غیاث الدین نہیں تھا۔ البتہ غیاث الدین بلبن غلام شمس الدین التمش ضرور تھا۔

۳۔ یہ قاضی محمد حسن کی اصل تحریر نہیں۔ نقل النقل ہے۔ ممکن ہے پہلی نقل میں کچھ غلطی ہو گئی ہو۔

۴۔ قاضی غلام حسن عرف قاضی محمد حسن (باب ۲) قاضی محمدی کے فرزند تھے۔

ضمیمہ (۶)

نقل پروانہ تقرری قاضی علی اکبر (سنہ ۱۷۵۲ء)

مکمی متصدیان و جاگیرداران و کروڑیان و جمہور سکنہ پرگنہ ہم سرکار حصار فیروزہ صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد

حسب الحکم جہان مطاع آفتاب شعاع گردون ارتفاع منصب قضائے پرگنہ مذکورہ مع سواد متصلہ و قریات متعلقہ پس از انتقال محمد مکرم محمد اکبر ولد شیخ فتح علی مقرر و مفوض گشتہ کما ینبغی بلوازم منصب مذکورہ قیام نمودہ در فیصل قضایا و خصومات و اجرائے حدود و تعزیرات و اقامت جمعہ و جماعات و ترغیب مردم بطاعات و نکاح من لا ولی لہٗ و قسمت ترکات و حفظ اموال غیب و ایتام و تعین اوصیا و نصب و قوام ...... بطبق حکم فیض شیم عمل مے نمود مشار الیہ را قاضی آنجا دانستہ تصدی امور متعلق بخدمت مستقل دانند و دیگرے را سہیم و شریک او ندانند و صکوک و سجلات را بمہر او معتبر شمارند و درین باب تقید غن دانستہ حسب المسطور عمل نمایند۔

تاریخ دوم شہر ظفر المظفر سنہ ۲ جلوس والا۔

اس نقل پروانہ پر اعتبار الدولہ قطب الملک غلام علی خان بہادر سیف جنگ صدر الصدور

خانزاد عالمگیر بادشاہ ۱۱۷۱ سنہ ۴ مہر ہے یعنی یہ فرمان ۲ صفر ۱۱۷۱ھ/۱۶ اکتوبر ۱۷۵ عہد عالمگیر ثانی کا ہے۔

ضمیمہ (۷)

نقل فرمان اکبر بادشاہ مصدرہ سلخ ذیقعد ۹۸۲ھ (۱۵۷۵ء)

"اللہ اکبر۔ نقل فرمان عالی شان حضرت عرش آشیانی از قرار تاریخ سلخ فی شہر ذوی القعدہ الحرام سنہ ۹۸۲ آنکہ چوں موازی دو ہزار و چہار صد و سی بیگھہ زمین از سواد قصبہ ہم سرکار حصار فیروزہ موجب فرمان عالی شان بمہر اشرف اوزک کہ بتاریخ ۲۳ محرم الحرام سنہ ۹۷۰ در مدد معاش فضیلت مآب قاضی عبدالوہاب وغیرہ مجملاً گذشتہ۔

ازاں جملہ موازی یک ہزار و سی صد و چہل و ہفت بیگھہ زمین باسم منتخب المشائخ العظام شیخ محمد خطیب و تقویٰ شعاری صلاح آثاری شیخ محمد مفتی و جماعہ ضمن مقرر بودہ و پرگنہ مذکورہ بجانب شریفہ انتقال یافت مشار الیہما و جماعہ بدرگاہ خلائق پناہ آمدند بوضوح رسید کہ اہلیت و فضیلت تمام دارند و جماعہ کثیرے اند و از ممر دیگر وجہ معاش ندارند۔

بنا برحسب استحقاق و کفاف ایشاں حکم فرمودیم کہ اراضی مذکورہ از مزروع رعیتی و خود کاشتہ از محل قدیم در وجہ مدد معاش مشار الیہما و جماعہ ظہر از ابتدائے خریف مقررہ باشد و مبلغ یک تنکہ مرادی ہر یوم از وجوہ جزیہ شرعیہ و پنجاہ و شش بیگھہ زمین افتادہ صالح زراعت از سواد قصبہ مذکورہ بر حسب کفاف شیخ محمود طالب علم و ذکریا وغیرہ از ابتدائے ربیع تیکوزیل بطریق ابتدائے کہ مجموعہ یک ہزار و چہار صد و سہ بیگھہ و یک تنکہ مرادی بودہ باشد (۹) مدد معاش ایشاں مقرر فرمودیم کہ حاصلات صرف مایحتاج خود نمودہ بدعا دولت قاہرہ قیام نمایند می باید کہ عاملان حال و استقبال و کروڑیان و چودھریان و قانونگویان پرگنہ مذکورہ بریں موجب مقرر دانستہ زمین مذکورہ را بتصرف ایشاں گزارند و بعلت مال و جہات و اخراجات و اطوارضات چیلہا و ری و تلفہ و ضابطانہ و جریانہ و تکرار زراعت خود کاشتہ و صد دوی و داروغگی و بیگار و جانیہا و گاؤ شماری و محرفہ و کل تکالیف دیوانی مزاحمت بحال ایشاں و مزارعان ایشاں .... و من کل الاحوالات معاف دانستہ تغیر و تبدل بران راہ ندہند و بہر سال فرمان و پروانچہ مجدد طلب ندارند۔

نقـــــــــــــــــــــــــر

بقـرار یومی از وجوه جزئیہ شرعیہ

تنکہ

اراضـــــــــــــــــــــــے

الا اسما مے لہ

مزروعـــــــــــــــــــــــــــــــر

امـــــــــــــــــــــہ

الا ما بعد للعـــــہ

میـــــہ

خود کاشتہ	رعیتی
للماسـ للعـــہ	اسما للعــہ

موافق خریف	ہمہ کہ مزروع	موافق خریف	ہمہ کہ مزروع
.... دربیع	خواہد نمودہ	.... دربیع	خواہد نمود
لا بیچہ ۱۸	لعــلـہ ۲	ما بیـــہ ۷	ما بیـــہ ۱۲

از قـرار فرمان عالیشان بتاریخ ۲۳ شہر محرم الحرام سنہ ۹۷۰

الما اما مـــہ

الســــہ کہ فرامین عالیشان علیحدہ گذشتہ

کہ در فرمان بتاریخ ۲۰ شہر ربیع الاول سنہ ۹۸۱

باسم قاضی اشرف وغیرہ گذشتہ

سماما لعــــہ

کہ در فـرمان بتاریخ ۱۰ شہر ربیع الثانی سنہ ۹۸۱

باسم شیخ عبداللہ محتسب گذشـتہ

کما مـلـــہ

الا ما بعد للعــــہ عن مزروع از انچہ در دیوالا در

دیوانی صدارت ...... تصحیح شرح متن فرمان عالیشان

خود کاشتہ	رعیتی
للماسـ للعـــہ	اسما للعـــہ

موافق خریف	موافق ہمہ	موافق خریف	ہمہ
لا بیچہ ۱۸	لولـہ ۲	ما بیـــہ ۷	ما بیـــہ

پیر خطیب وجماعہ وغیرہ	محمد مفتی وغیرہ
لا عــــہ	صہ لالــہ
ارللعــــہ	
لما للعــــہ	

....

....

....

....

فی التاریخ مصدرہ

۱۰۲۶
اہتمام امور شرع متین
سلیمان یقین
مبارک بہت

۱۰۵۱
امان اللہ مفتی
حبیب اللہ ابن شیخ
العبد

۱۰۵۱
خادم شرع
محمد
اول است

نقل مطابق اصل است

یہ نقل فرمان ۳ فٹ ۲ × ۳ ۲ فٹ کاغذ پر ہے۔ مہروں سے پہلے جہاں ہم نے نقطے لگائے ہیں
اِلاماشا اللہ لمبی جگہ پر اراضی اور اسے پانے والوں کی تفصیل ہے۔

ضمیمہ (۸)

محضر نامہ قاضی غلام حسن (انداز اً ۱۲۲۷ھ)

مہم پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلط ۱۸۰۹ء مطابق ۱۲۲۴ھ میں ہوا۔ اس وقت پرگنہ مہم کی خدمتِ قضا پر قاضی محمدی فائز تھے۔ ان کے انتقال پر ۲ شوال ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲ء) کو اکبر شاہ ثانی نے ایک فرمان کی رو سے آپ کے فرزند غلام حسن المعروف بہ محمد حسن کو پرگنہ مہم کا قاضی مقرر کیا۔ اوائل عہدِ قضا میں قاضی غلام حسن موصوف نے ایک محضر نامہ لکھا۔ یہ محضر نامہ مجید الرحمٰن صاحب (۱۰) کے پاس ہے۔ اس پر نو مہریں اور چھتیس دستخط ہیں۔ اس کے متن کا اہم حصّہ یہ ہے۔

"از وقتِ آبادی شہر مہم بنام آبا و اجداد بندہ درگاہ قاضی غلام حسن قاضی پرگنہ مہم سرکار حصار آنچہ مشروط سالیانہ یک صد روپیہ سالیانہ و چہار آنہ یومیہ و خلعت عیدین از سرکار مقرریہ بودہ تا حال نسلاً بعد نسلٍ یافتہ آمدہ۔ و نیز از سرکار دولت مدار انگریزی جاری و بحال ماندہ۔ از جمہور خاص و عام ہر کہ بر حقیقتِ ایں حال آگاہی دارد۔۔۔۔ گواہی ثبت کنند۔"

مواہیر: (۱) "غلام اتقیا ۱۲۰۹" مہر کے اوپر کی طرف قلم سے مفتی لکھا ہوا ہے۔

(۲) "شیخ عبد العظیم اہل یقین اہتمام امور شرع متین و سلک ۱۲۲۶"

(۳) "عظیم شد ز عطائے حکیم اسمٰعیل"

(۴) "نبر الحق ۱۲۰۶"

(۵) "عظیم اللہ صدیقی ۱۲۰۵"

(۶) "قاضی سید امید علی خادم شرع نبی ۲۹ سنہ ۱۲۰۱" (کسی اور خاندان سے)

(۷) "قاضی سید حسین علی خادم شرع نبی ۱۲۲۵" (" " ")

(۸) "۔۔۔ خان ولد جوہر خان ۱۲۱۶" (" " ")

(۹) "سید محمد خان ولد حواری خان ۱۲۱۲" (" " ")

دستخط: اس محضر نامہ پر چھتیس دستخطوں میں سے ہمارے خاندان کے دو بزرگوں کی شہادتیں ہیں۔

(۱) "وقف علیہ ابراہیم ولد شاہ غلام کہف بخطہ"

(۲) "شیخ صفت اللہ بادنہ"

ضمیمہ (۹)

نقل اجازت نامہ و مجاز نامہ

یہ اجازت نامہ حضرت شاہ بدر الدینؒ (۱۷۰۲-۱۷۹۱ء) نے اپنے فرزند، مرید اور خلیفہ حضرت شاہ غلام جیلانیؒ (۱۷۵۰-۱۸۲۰ء) کو عطا فرمایا تھا۔ اصل قاری وضاحت حسن (۷۷) کے پاس ہے۔ برج انور علی رہتکی نے اسے قانون سلوک مطبوعہ ۱۳۰۸ھ کے صفحات ۱۱۲، ۱۱۳ اور ۱۱۴ پر نقل کیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔ اما بعد حمد و صلوٰۃ میگوید فقیر اوحد شاہ المعروف بمولوی شیخ بدر الدین چشتی القادری کہ از پیر دستگیر حضرت یحیٰی المعروف بخوب اللہ الہ آبادی کہ پیر ارادت فقیر اند اجازت اعمال و اشغال و اذکار رسیدہ و از صاحب زادہ حضرت شاہ محمد فاخر الہ آبادیؒ کہ پسر و خلیفہ کامل و مکمل حضرت مذکور اند، اجازت سلاسل خمسہ چشتیہ نظامیہ، قادریہ، سہروردیہ، مداریہ، نقشبندیہ و اعمال و اذکار و اشغال وغیرہ رسیدہ و ایضاً از پیر خرقہ و ارشاد حضرت میراں شاہ محمد کمتل خرقہ پیران چشت طریق صابریہ و اجازت سلاسل خمسہ چشتیہ صابریہ، قادریہ، سہروردیہ، مداریہ، قلندریہ و اعمال و اذکار و طریق عشق و محبت رسیدہ و ایضاً از حضرت محمد جات از اولاد عبد القدوس گنگوہی مرشد خطاب چشتی القادری اجازت سلاسل خمسہ مذکورہ کہ شغل طریق صابریہ وغیرہم از دست خاص ارقام فرمودہ بودند و خرقہ ہم از نظر خود دادہ بودند نیز رسیدہ و ایضاً از مرشد اسم حضرت شاہ نور قادری تبریزی اجازت طریقہ قادریہ قمیصیہ رسیدہ و بنام اوحد شاہ سرفراز شدہ و ایضاً از حضرت شاہ نور دکھنی گجراتی اجازت سلاسل چہاردہ خانوادہ اصول و فروع و اشغال و اعمال و اذکار رسیدہ۔ و ایضاً از حضرت شاہ کریم اللہ قادری اجازت سیصد و شصت شغل قادری و نود و نہ

حضرت شاہ بدر الدینؒ کے پیر طریقت تو حضرت شاہ خوب اللہ الہ آبادی تھے اور زبانی اجازت بھی انہی سے پائی تھی لیکن تحریری اجازت شاہ محمد فاخر الہ آبادی نے عطا فرمائی تھی اس لئے شجرہائے طریقت میں ان کا نام پہلے آتا ہے

شغل چشتیہ و دیگر ادعیات ماثورہ وغیرہ رسیدہ و الیضاً از حضرت شاہ عبداللہ جنیدی سلسلہ قادریہ بطریق اویسیہ و اعمال و اشتغال ھا و اذکار خرقہ و طریقہ عشق و محبت مذکورہ بہ تفصیل مذکورہ بفقیر رسیدہ اند۔ سعید جاودانی غلام جیلانی را مجاز و ماذون تمام و مفوض مختام گردانیدم مقبول ایشاں این فقیر کبیر و مقبول مشائخ عظام ہر سلسلہ عالیہ است حق تعالےٰ مبارک کناد بمنہ و کمال کرمہ جل جلالہ و عم نوالہ و از مجلس متعالی حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ صدہا مبارک و خدمت فیض موہبت مشائخ کرام ہزار ہا تہنیت نصیب باد۔ بمنہ و کمال کرمہ۔

چشتی القادری
بدرالدین

مہر

ضمیمہ (۱۰)

کتبے

(ل) کتبہ مقبرہ میراں جی واقع قصبہ مہم ضلع رہتک (۹م ۱۰ ء) نصب بعد میں ہوا۔

"بسم اللہ العظیم ھذہ المقبرۃ لشھدا السادات القتل الکفار اطیب اللہ ثراھم حصل الفراغ من العمارۃ فی التاسع العشر من شھر ذی الحجہ اربعین اربعمائۃ"

(ب) جامع مسجد مہم ضلع رہتک کے کتبے:

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"در عہدِ دولتِ سلطان السلاطین ظل اللہ فی العالمین مزین السریر السلطنت و خلافت حضرت ہمایوں بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و اعلیٰ امرہ و شانہ حضرت مقبول الدارین بیگہ بیگم سلطانی بنت بندہ ... برگزیدہ درگاہ امیر طغان بتوفیق اللہ تعالیٰ توفیق یافتہ مسجد جامع قصبہ مہم احداث کنانید۔ اللہ تعالےٰ مجاب و مستجاب گرداند بمنہ و فضلہ و کمال کرمہ بتاریخ بست و ہفتم ماہ رجب سن سبع ثلثین تسعمائۃ ہجری"

(۲) "در عہد دولت حضرت بندگانِ خلافت پناہ سلطان شہاب الدین محمد صاحب قران ثانی بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ توفیق یافت۔ شیخ ناصر الدین شیخ اللہ دیا سنہ احد

خمسین والف ہجری ۱۰۵۱ھ"

(۲) "در عہدِ دولتِ حضرت بندگان خلافت پناہ ظلِ الٰہی ابو المظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہٗ و افادہ علی العالمین امرہ و احسانہٗ بتوفیق اللہ تعالیٰ توفیق یافت"

(۳) "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ در عہد خداوند نعمت زمین و زمان خدیو مکین و مکاں سلطان السلاطین ظل اللہ ملکہ و سلطانہ تعمیر مسجد قصبہ مہم حسب الحکم اقدس باہتمام بندہ درگاہ خواجہ رحمت اللہ باتمام رسید۔ اللہ تعالےٰ مجاب و مستجاب گرداند بمنہ و فضلہ فی التاریخ ہفدہم محرم الحرام سنہ ثمان سبعین والف ہجری و سنہ عاشر جلوس مبارک"

(ج) مسجد محلہ پیرزادگان واقع مہم ضلع رہتک کے کتبے:

(۱) "از عہد دولت شہنشاہ عالم پناہ ظہیر الدین بابر غازی بادشاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہٗ ... فقیر حقیر ... آغا ابن ... ساکن حصار شادمان بتوفیق اللہ تعالیٰ توفیق یافتہ مسجد در قصبہ مہم راس کنانیدہ"

(۲)

از بہت زوجہ من عارف — کرد ایں دروازہ مسجد بنا
بانی ایں مسجد کعبہ صفت — بود اسمٰعیل قریشی حب ... ما
آں شہید راہ حق غوث زماں — قطب دوراں مومناں را مقتدا
در ہزار و دو صد و ہفتاد چار — شد بجنت زیں جہان پر جفا
سال تعمیرش بگفتم فی البدیہہ — بہشت ایں در اہل دیں را راہنما

۱۲۷۴ھ

(د) لالہ جی کی مسجد واقع محلہ پیرزادگان مہم کے کتبے:

(۱) "در عہد دولت بندگان حضرت خلافت پناہ ظل الٰہی ابو المظفر نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افادہ علی العالمین امرہ و احسانہ بتوفیق اللہ تعالیٰ از ابتدائے ساخت ... سنہ ..."

(۲)

نو اش نہادہ بنائے انور بیگ — مسجد شریف دین بشر مہم
سال تعمیرش از خرد جستم — عاقبت خوب گفت خوش ملہم

۱۱۸۱ھ

(د) باؤلی یا باؤڑی مہم کا کتبہ :

"بدورِ شہنشاہ عالم ستاں زسیدو شداین ہرکہ زمزم نشان
چوں تاریخ این مختتم از پیہ عقل بمن گفت دریائے "خیر رواں"
محلہ ورقمہ کلال دین ۱۰۶۷ ہجری فقط"

ضمیمہ (۱۱)

اقتباس از کتاب الانساب

حضرت شاہ بدرالدینؒ (باب ۳) کے مرشد حضرت شاہ نور قادری کے اخلاف میں ایک بزرگ پیر محبوب علی کی تالیف کتاب الانساب کا ایک قلمی نسخہ پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد (باب ۵) مرحوم کے کتب خانہ میں تھا۔ وہاں سے پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۵) نے اس کا ہمارے خاندان سے متعلق حِصّہ نقل کیا۔ یہ نقل ہمارے پاس ہے جسے سطورِ آئندہ میں پیش کیا جارہا ہے۔ واضح رہے کہ ہر قدیم تحریر لازماً مستند نہیں ہوتی۔

"شیخ عبدالغفار صدیقی و جد شیوخ رہتک و جد شیوخ زہرہ و جد شیوخ دہرسود شیوخ گڈھ مکتسر از نواح غزنی و سیستان آمدہ بودند از احفاد و امجاد حضرت عبدالرحمان ابن ابی بکر الصدیق ابن ابی قحافہ عثمان التیمی رضی اللہ عنہم اند معرفت و مظاہرت ایشاں باقوم سید مسعود واسطی جخیری و سید ابوالقاسم واسطی پیش از ورود ہندوستان در ولایت آمدہ است (ص ۲۲)"

بزبانی معمران صدیقیاں واضح شدہ کہ قوام الدین جخیری قدسؒ سرہ بوقت سلطنت سلاطین غوریہ از جخیر آمدہ در قصبہ رہتک آباد شدہ اند۔

جد ایشاں شیخ علاالدین ابن شیخ معین الدین ابن شیخ کمال الدین یمنی سیستانی است و اولاد شیخ مذکور در رہتک آباد است۔

و شیخ الہ بخش گنج بخش تارک مشہور کہ مزار ایشاں در قصبہ گڈھ مکتسر رکن رنگ است ہم از احفاد شیخ علاالدین است قدس سرہٗ۔

شیخ کمال الدین یمنی سیستانی بعہد سلطنت غزنویہ از زمین بیستان وارد شدہ و غالباً کہ ایشاں استاد حضرت بہاءالدین ذکریا ملتانی در علم حدیث و فقہ پدر بزرگوار ایشاں

شیخ امام الدین ابن شیخ شمس الدین یمنی اند کہ مدنی الاصل بودند ظاہراً ہمیں بزرگوار از اصول شیخ عبدالغفار صدیقی جد شیوخ ریواڑی اند چہ ایشاں ہم خود را جخیری و یمنی الاصل مے گویند۔

"و جد شیخ شمس الدین یمنی مدنی الاصل شیخ حسام الدین ابن احمد ابن محمود ابن ابا بکر ابن ابراہیم ابن اسماعیل ابن عبداللہ المدنی کہ از مدینہ منورہ بہ یمن انتقال کردہ بود از فرزندان حضرت ابی محمد عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق ابن ابی قحافہ عثمان التیمی القرشی بودہ است رحمہم اللہ علیہم اجمعین۔

"وفات سید مسعود جخیری و مستور شدن جسدِ مبارک ایشاں در زمین مقبرہ حضرت صاحب شکر بار در قصبہ زنظر بلغرہ سال شش صد و چہار ہجری"۔ (ص ۱۱۰)

ضمیمہ (۱۲)

دیباچہ سلسلۃ الانساب

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعریف بے حد و ثنائے لاتعد خالق بیچگوں کو جس نے اشارہ کُن سے تمام خلقت کو عدم سے وجود میں لایا اور تحفہ درود اور سلام کا اوس باعثِ ایجاد کون و مکاں امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ جس کی شان میں لولاک لما خلقت الافلاک فرمایا اور ان کی آل اور اصحاب اور اتباع پر۔

جانو تم کہ یہ نسب نامہ ہے۔ اباءِ قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین حضرت قاضی زام الحق والدین صدیقی القریشی المکی ثم المدنی ثم الیمنی ثم السیستانی ثم الجخیری ثم الرہتکی کا کہ جناب قاضی صاحب ممدوح مرحوم و مغفور قاضی جخیر کے تھے۔ وہاں سے بتقریب سپاہی دار السلطنت دہلی میں تشریف لائے۔

اور بھی بھتیجے ان کے ایک تو بندگی شیخ موسیٰ قدس سرہ العزیز اولاد برادر کلاں سے اور دو محمد اسمٰعیل و محمد اسحاق اولاد برادر خورد سے، ہمراہ ان کے آئے۔ چنانچہ بزرگ شیخ موسیٰ مذکور دہلی سے گڈھ مکتسر کو تشریف لے گئے اور وہاں کے شیخزادوں

میں رشتہ مناکحت کیا۔ ان سے دو[1] فرزند پیدا ہوئے ایک تو شیخ الہ بخش دوسرے شیخ گنج بخش قدس اللہ سرہما۔ اب تک اولاد اونکی وہاں قائم ہے اور مزار متبرک بھی اونکا وہیں موجود ہے۔

اور قاضی قوام الحق اور دونوں بھتیجے شیخ محمد اسمٰعیل و محمد اسحاق دہلی سے رہتک میں آگئے۔ بعد چند روز کے شیخ محمد اسمٰعیل و محمد اسحاق رہتک سے بعالم سیاحی پرا گئے جو بیچ نواح موضع مدینہ علاقہ پرگنہ مہم کے کہ مہم سے چھ کوس جانب دہلی واقع ہے پہونچے قضاءً قضاکوں نے گھیر لیا اور دونوں صاحبوں کو شربت شہادت چکھایا۔ جو یہ خبر شیخزادہ ہائے ساکنان موضع مدینہ کوں پہنچی سب لوگ دوڑ پڑے قضاک تو بھاگ گئے اور دونوں لاشوں کو اٹھا لائے اور اپنے گانوں میں اونکو دفن کیا اور مزار اونکا بنایا اور بعضے شیخزادہ موضع مدینہ کے زعم رکھتے ہیں کہ ہم اولاد محمد اسمٰعیل و محمد اسحاق کی ہیں پس یہ خیال اون کا باطل ہے

اور خود قاضی قوام الحق والدین نے بیچ قصبہ رہتک کے سکونت اختیار کرلی اور ساتھ دختر قاضی سرخ ذوالقرنی کے کہ قاضی وہاں کے تھے اور نام اوس دختر کا مسماۃ عین البدر تھا بعقد مناکحت کے منعقد ہوئے اور اون سے پانچ بیٹے پیدا ہوئے۔ یکے شیخ افتخار الدین، دوئم شیخ کبیر الدین، سوئم شیخ رشید الدین، چہارم شیخ عبد الوحید، پنجم شیخ سلیمان۔

بعد انتقال قاضی قوام الحق والدین کہ مزار اونکا اور اونکی بی بی کا نیچے دیوار قلعہ رہتک کے بطرف دکھن موجود ہے۔ شیخ عماد الدین پسر شیخ افتخار الدین مذکور اور شیخ کبیر الدین مذکور دونوں چچا بھتیجے واسطے تحصیل علم کے دہلی کوں تشریف لے گئے اور فضیلت علم کی حاصل کی اور مقرب بارگاہ سلطانی کے ہوئے۔ یہاں تک کہ خدمت قضا و افتا و احتساب قصبہ مہم کی شیخ عماد الدین مذکور کو اور خدمت عدالت و خطابت و تولیت قصبہ مذکور کی شیخ کبیر الدین مذکور کو مرحمت ہوئی اور اب تک اون کی اولاد میں قائم ہے اور دونوں صاحب بعد پانے منصب خدمات مذکورہ کے دہلی سے

[1] ملاحظہ ہو ضمیمہ ۱۲۔ شیخ الہ بخش گنج بخش ایک بزرگ کا نام ہے اور یہ بزرگ حضرت بندگی شیخ موسیٰ کے فرزند تھے۔ ناقل [2] یہ املا مطابق اصل نقل کی ہے۔ ناقل

روانہ ہوکر رہتک میں تشریف لائے اور رہتک سے مع اپنے متعلقوں کے قصبہ مہم میں آئے اور اپنی اپنی خدمات پر قائم ہوئے اور سکونت قصبہ مہم کی اختیار کرلی۔ مہمی کہلائے۔

اور وے تینوں صاحب یعنی شیخ رشید الدین و شیخ عبد الوحید و شیخ سلیمان اونہوں نے رہتک میں رہنا قبول کیا اور رہتکی کہلائے۔

اور سبب نسب نامہ کا یہ ہوا کہ جو کثرت اولاد مہمیان نے ظہور پکڑا۔ ہر ایک کے مزاج میں لحاظ کفویت قوم اپنی کا نہایت بیدار رہا اور آپس میں عہد و پیمان کیا کہ سوائے اولاد جدی اپنی کے کوئی جائے غیر میں عقد مناکحت نہ کرے حتی کہ اولاد برادرزادہ قاضی صاحب مرحوم مغفور جو بیچ گڑھ مکتیسر کے رہتی تھی اور اون کو اپنی قوم میں لحاظ کفویت کا اس قدر نہ رہا۔ اس واسطے سلسلہ رشتہ داری کا اون سے منقطع رہا اور جو اتفاقاً ایسا ہوتا کہ کوئی دختر کسی کو بیچ اپنی قوم کے بہم نہ پہونچتی تو اکابران قوم کی بصلاح و مشورہ یک دیگر قصبات نواح سے مثل ہانسی و توشام و دادری وندوٹھی و جھجر و بادلی و باغپت قوم شیخزادہ یا سادات سے بعد ثبوت اونکے جو نجیب الطرفین ثابت ہوتا ساتھ دختران اون کی کہ عقد نکاح کا کیا کرتے اور سب ساتھ اولاد اس دختر کے باہم رشتہ داری رکھتے۔ لیکن آمد و رفت اوس دختر کی کبھی پھر اس شہر میں بلکہ بیچ گھر ماں باپ اوسکے کمتر رہی اور یہ بھی احتیاط رہی کہ جن شہروں سے جس کسی کی دختروں سے رشتہ داری ہوتی تھی ان لوگوں سے بھی رشتہ داری دختران اپنی کی مسدود رکھی۔

اور جو کسی شخص نے زن اجنبیہ غیر کفو بے صلاح اور مشورہ اکابران قوم اپنی کے کہیں سے لے آیا تو جن کی اون دختروں سے شادی ہوتی تھی۔ اون لوگوں سے بھی رشتہ داری قطع رکھی۔ اس سبب سے خیال کفویت کا بیچ ذہن سبھوں کے زیادہ تر ہوتا رہا۔

بعرصہ قلیل سے اکثر صاحبان نے رویہ سلف کو ترک دے کے زنان غیر کفو بلا تحقیقات اشراف اجلاف و منکوحہ و غیر منکوحہ لانی شروع کری اور گزشت ان کی اولاد کی سبب سے ہونے لگی۔ بخیال احقر العباد محمد احمد صدیقی

القریشی ولد شیخ احتشام الحق بن شیخ بہرام الحق بن شیخ ثناء الحق بن شیخ نور الحق بن
شیخ محمد اسلم بن شیخ حبیب اللہ مفتی بن شیخ امان اللہ مفتی بن شیخ محمد نظام مفتی
بن شیخ محمد عرف ننگن مفتی المحتسب بن شیخ عبد المجید مفتی المحتسب بن شیخ محمد عالم
مفتی المحتسب بن شیخ فضل اللہ مفتی المحتسب عرف ماہ رو کہ منشی ہمایوں بادشاہ بودند شیخ قادن
مفتی المحتسب بن شیخ ہدایت اللہ عرف قاضی بوڑھ قاضی المفتی المحتسب بن شیخ افتخار الدین
بن حضرت قاضی قوام الحق والدین بن شیخ حسام الدین بن شیخ نظام الدین بن شیخ
فخر الدین بن شیخ علاء الدین بن شیخ معین الدین بن شیخ کمال الدین بعضے یقین الدین
گویند کہ ایشاں از یمن آمدہ سکونت ورزیدند در سیستان۔ اور یہ بیت اکثر زبان
مبارک سے فرماتے۔ بیت ؎

گر ہوس سلطنتے داشتمے
ملک یمن راچہ بگذاشتمے

بن شیخ امام الدین بن سلطان شمس الدین حاکم یمن بن شیخ حسام الدین بن شیخ
احمد حاکم یمن بن شیخ محمود بن ابوبکر بن شیخ ابراہیم بن شیخ اسمٰعیل بن حضرت
ابو اسمٰعیل عبد اللہ حاکم یمن صحابی رسول مقبول ابن ابا عبد اللہ حضرت عبد الرحمٰن
اصحاب رسول خدا ابن حضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ عنہ وسمی بعبد اللہ کنیت
ابا بکر ملقب بہ .... بن عامر بن عمرو بن کعب ثانی بن سعد بن تیم بن
مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن
مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔
تا بعدنان متفق ہیں۔ آگے اس کے اختلاف ہے۔ ابن اد بن ادد بن ہمیع

۱؎ شیخ احتشام الحق کے دیباچہ سلسلۃ الانساب ہیں ان کے فرزند شیخ امداد الحق نے چند الفاظ کا اضافہ کر کے اسے ہی اپنے مرتبہ نسب نامہ کے لئے اختیار کر لیا۔ محمد احمد صدیقی القریشی ولدہٗ ایسا ہی اضافہ ہے۔ محمد احمد المعروف بہ شیخ امداد الحق تھے۔ ۲؎ اصل نام نظام الدین ہے ۳؎ اس عبارت والی جگہ اصل نسخہ میں پھٹی ہوئی تھی اس لئے مؤلف وقایۃ الانساب نے یہ جگہ چھوڑی ہوئی ہے۔ چھوڑی ہوئی جگہ پر یہ عبارت ہونی چاہیے: "صدیق بن ابو قحافہ عثمان رضی اللہ عنہ" ۴؎ اس ضمیمہ میں اس دیباچہ کو نقل کرنے کے بعد ہم نے اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

بن سلیمان بن ثابت بن حمل بن قیدار بن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بن حضرت
ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بن تارخ آذر بت تراش بن ناحور بن شارخ بن
ارغون بن قانع بن عابر بن سالح بن ارفخشد بن سام بن حضرت نوح علیہ السلام
بن لامک بن متوشلخ بن حضرت ادریس علیہ السلام بن مرد بن مہلائیل
بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام بن ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام
کے گزرا کہ ہماری قوم سے لحاظ کفو و غیر کفو کا اٹھنے لگا۔ ایسا نہ ہو
کہ رفتہ رفتہ خلا ملا ہو جاویں۔ لازم ہے کہ ایک رسالہ ایسا کہ اس میں حال کفو
و غیر کفو سب کا واضح ہو جاتو بہت مناسب ہے اور یادگار زمانہ کا رہے گا
اور ہر کوئی مطلع ہو جائیں گے۔ پس اگر مدد الٰہی اس قوم پر رہے گی تو کہاں
تک احتیاط نہ کریں گے۔ ...

اس رسالہ میں سب کا حال قلم بند کیا ہے اور کسی کے حال میں افراط تفریط
نہیں کیا اور جو کسی صاحب کو اس سے زیادہ کچھ حال معلوم ہو تو حاشیہ کتاب پر
درج کر دینا۔ اور کوئی صاحب یہ نہ سمجھے کہ یہ مصنف فخر خاندان اپنے کا بیان کرتا
ہے بلکہ حال واقعی کو ظاہر کیا ہے۔

اور یہ نسب نامہ مؤلف رسالہ نے اپنے نام سے تا حضرت ابو البشر آدم
علیہ السلام جو لکھا ہے اس کا حال یہ ہے کہ حضرت قاضی صاحب ممدوح حضرت
آدم علیہ السلام تک تو اپنے ساتھ وطن قدیم سے لائے تھے اور بعد اسکے بزرگان
ہمارے نسلاً بعد نسلاً لکھتے چلے آئے اور نام اس رسالہ کا "سلسلۃ الانساب" رکھا گیا
اور مرتب ہوا اوپر دو حصہ اور خاتمہ کے:

پہلا حصہ

پہلا باب

بیان میں اولاد قاضی عماد الدین کے اور اس میں ایک فصل بیان میں اولاد قاضی
عبد الکریم کے

باب دوسرا

بیان میں اولاد شیخ قادن مفتی کے اور اس میں چار فصل ہیں۔

پہلی فصل میں اولاد شیخ عزیز اللہ مفتی کی ہے۔

فصل دوسری میں اولاد شیخ محمد جعفر مفتی کی ہے۔

فصل تیسری میں اولاد شیخ محمد اسلم کی ہے۔

فصل چوتھی میں اولاد شیخ ہدایت اللہ کی ہے۔

باب تیسرا

بیان میں اولاد شیخ عبداللہ محتسب عرف شیخ جیون محتسب کے اور اس میں دو فصل میں

فصل پہلی بیان میں اولاد مولوی بدرالدین کے ہے۔

اور فصل دوسری بیان میں اولاد شیخ صدرالدین کے ہے۔

دوسرا حصّہ

بیان میں اولاد شیخ کبیرالدین کہ خدمت عدالت وخطابت وتولیت ولد قاضی قوام الحق والدین اور اس حصّہ میں دو باب ہیں۔

باب پہلا

بیان میں اولاد شیخ کبیرالدین میر عدل کے اور اس میں ایک فصل بیان میں اولاد شیخ لطف اللہ عرف عطا محمد خاں کے ہے۔

باب دوسرا

بیان میں اولاد شیخ بہاؤالدین خطیب و متول کے۔ اس میں ایک فصل بیان میں اولاد خواجہ حافظ کے ہے۔

اور خاتمہ میں

تین فصلیں ہیں۔

فصل پہلی بیان میں اولاد شیخ بہائی خاں ابنائے قاضی قوام الحق والدین کے ہے

فصل دوسری بیان میں اولاد شیخ عبدالمومن ابناء قاضیاں کے ہے۔

فصل تیسری بیان میں اولاد شیخ عبدالفتاح ابناء قاضی قوام الحق والدین کے ہے

یہ دیباچہ اصل میں سلسلۃ الانساب مؤلفہ شیخ احتشام الحق کا تھا جسے بادنیٰ تغیر شیخ امداد الحق نے اپنے مرتبہ نسب نامہ موسوم بہ معیار الانساب کے دیباچہ کے طور پر اختیار کر لیا۔ پیرزادہ ابراہیم حنیف

...اب ...نے اسے معیار الانساب کے نسخہ ثانی سے وقایۃ الانساب میں نقل کیا ہے۔ ہم نے ...وقایۃ الانساب سے نقل کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں سلسلہ اجداد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام تک محدود ...ا ہے لیکن اس دیباچہ میں حضرت ابوبکرؓ سے حضرت آدمؑ تک کے نام بھی شیخ امداد الحق نے ...دئے گئے ہیں اور لکھا ہے کہ عدنان سے اوپر کے ناموں میں اختلاف ہے اس لئے ضرورت ...محسوس کی گئی کہ اس اختلاف کی نوعیت واضح کر دی جائے۔

حضرت آدمؑ سے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام تک جو شجرے بنائے گئے ہیں ان کا زیادہ تر ماخذ مروجہ توراۃ ہے۔ بنی اسرائیل میں نسب بیان کرنے کا یہ بھی طریقہ تھا کہ وہ صرف ...اں خاص مشاہیر کا نام لیتے تھے۔ انجیل متی میں ہے کہ یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابراہام۔ ظاہر ہے کہ یہ ترتیب صریحاً غلط ہے۔ حضرت یسوع مسیحؑ حضرت داؤدؑ کے فرزند نہ تھے اور حضرت داؤدؑ حضرت ابراہیمؑ کے فرزند نہ تھے۔

دورِ جاہلیت میں عربوں میں دو باتیں خاص تھیں۔ ایک نہایت مؤثر اور بامطلب گفتاری ...فصاحت اور دوسرا بے مثل حافظہ۔ قوتِ حافظہ کے سبب وہ اپنے قبائل کے نسبوں کو یاد رکھتے ...اور ...پر فخر کرتے۔ اس کا جا وبے جا ذکر کرتے اور اس پر شیخی بھگارتے۔ ان کو اپنا ہی نہیں اپنے ...ناموں کا نسب بھی یاد ہوتا تاکہ اس میں کیڑے ڈال سکیں۔ وہ اشعار کے ذریعے اپنے اجداد کے کارنامے بیان کرتے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک کے اجداد میں ہر شخص جلیل القدر نہیں ہو سکتا۔ ...اس لئے صرف نمایاں شخصیتوں کا ذکر کرتے اور بیچ کی نسلوں کو چھوڑ دیتے۔ پھر ایک ہی سلسلہ ...اجداد میں ایک نام کے کئی اشخاص کا ہونا اور ایک ہی شخص کے دو نام نسب نویسی میں مزید مشکلات پیدا کرتے رہے۔ پانچ اشخاص نے اپنے ترتیب دیئے ہوئے نسب ناموں میں معد بن عدنان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام تک کے ناموں کی تحقیق ہے۔

۱۔ بیہقی

۲۔ ابن ہشام

۳۔ ابن الاعرابی

۴۔ برخیا کاتب الوحی

۵۔ الجراء

ان میں سے بیہقی نے عدنان سے حضرت ابراہیم تک دس، ابن ہشام نے کتاب المغازی وسیر کے ایک نسخہ میں نو اور دوسرے میں گیارہ اور ابن الاعرابی نے نو پشتیں بیان کی ہیں۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں برخیا کاتب الوحی حضرت ارمیاؑ جو معد بن عدنان کے ہم عصر تھے انہوں نے جو نسب نامہ لکھا وہ مؤرخ مسعودی نے مروج الذہب میں نقل کیا ہے۔ نیز واقدی نے بروایت ہشام کلبی یہی کرسی نامہ بیان کیا ہے۔ ان دونوں میں معمولی اختلاف ہے۔ مثلاً نقل کرتے وقت اَقناد کو اَقناد لکھ دیا اور عیسیٰ کو عیسر لکھ دیا یعنی یائے کشش کو را سمجھ لیا۔ اس طرح ناموں کے تلفظ اور نقل میں اختلاف ہو گیا۔ برخیا کاتبِ وحی کی تاریخانہ تحریر اور روایاتِ عرب میں حیرت انگیز مطابقت پائی جاتی ہے۔ البحرا کے نسب نامہ کو برخیا کا تتمہ سمجھنا چاہیئے۔

عربوں کو تحریر کرتے وقت جب وقت پیش آتی تو وہ بنی اسرائیل سے رجوع کرتے۔ پہلے عربی عبرانی حروف میں تھی، پھر کوفی خط پھر خط ثلث اور بعد میں موجودہ عربی رسم الخط میں لکھی جانے لگی۔ اس میں الفاظ کا الٹ پھیر اور تلفظ کا ادل بدل ہو گیا۔ ایک زبان سے دوسری زبان میں لکھتے وقت بعض اوقات تلفظ میں فرق پڑ جاتا ہے۔

ان تمام چیزوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ بعض نسابین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عدنان تک چالیس اور بعض نے آٹھ پشتیں بیان کیں۔ علمائے انساب کی اکثریت کا فیصلہ ہے کہ کذب النسابون ما فوق العدنان۔

حضرت آدم سے عدنان تک کے ناموں میں سخت اختلاف ہے اتفاق دو امور پر ہے۔

۱۔ عدنان حضرت اسمٰعیلؑ بن حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے تھے۔

۲۔ عدنان سے حضرت ابوبکر تک کے ناموں میں کوئی اختلاف نہیں:

سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ ابو قحافہ عثمانؓ، عامر، عمر، کعب، سعد، تیم، مرہ، کعب، لوی، غالب، فہر، مالک، نضر، کنانہ، خزیمہ، مدرکہ، الیاس، مضر، نزار، معد، عدنان۔

مرہ بن کعب پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نسب مل جاتا ہے۔

مرہ بن کعب

کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ

تیم
سعد
کعب
عمر
عامر
حضرت ابوقحافہ عثمانؓ
حضرت ابوبکر صدیقؓ

پیرزادہ سمبادر احمد صدیقی

15 15/64

ضمیمہ ۱۴

اولادِ بندگی شیخ موسیٰ

ہندوستان میں ہمارے خاندان کے جدِ امجد زبدۃ الاولیا حضرت قاضی قوام الدینؒ جنجیری ثم بنگلی تھے۔ جنجیرے سے آپ کے ہمراہ آپ کے تین بھتیجے بھی ہندوستان آئے۔ ان تین میں سے دو محمد اسحق اور محمد اسمٰعیل آپ کے چھوٹے بھائی کے فرزند تھے۔ ان دونوں کو قزاقوں نے عالم تجرد میں شہید کر دیا۔ تیسرے بھتیجے شیخ موسیٰؒ تھے جو آپ کے بڑے بھائی کے فرزند تھے۔ شیخ موسےٰ کے والد قاضی عمران بن حسام الدین بن نظام الدین تھے۔ قاضی عمران موصوف حضرت قاضی قوام الدینؒ کے بڑے بھائی تھے۔

شیخ موسےٰ بعد میں قاضی شیخ بندگی موسےٰؒ کے نام سے معروف ہوئے۔ آپ کو شاہنشاہ دہلی نے گڑھ مکتیسر (اب یوپی کے ضلع میرٹھ میں ہے) کے منصب قضا پر فائز کیا۔ آپ گڑھ مکتیسر تشریف لے گئے اور وہیں آپ کی اولاد پھلی پھولی۔ اولاد قاضی بندگی شیخ موسےٰ نے اشاعتِ اسلام کے لئے مغربی یوپی میں کم و بیش ویسا ہی کام کیا جیسا اولاد زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی قوام الدینؒ نے بہار میں کیا۔

قاضی بندگی شیخ موسیٰؒ جنجیری ثم گڑھ مکتیسری کے فرزند قاضی کبیر، ان کے فرزند قاضی جمال الدین اور ان کے فرزند قاضی خوندن تھے۔ قاضی خوندن کے دو فرزند ہوئے، شاہ عبدالخالقؒ اور حضرت شیخ اللہ بخش گنج بخشؒ۔ شاہ عبدالخالقؒ کا سلسلہ اولاد اب تک جاری ہے۔

"شاہ اللہ بخش گنج بخشؒ... حضرت مبارک بالادیتی قدس سرہٗ متوطن قصبہ بھنجانہ ضلع مظفر نگر سے بیعت ہوئے جو حضرت سید السادات میر سید علی عاشقان جونپوری علیہ الرحمۃ کے خلیفہ ارشاد ہیں۔ اور خاندان سہروردی شطاری قادری و چشتی نظامی و قلندری سے بھی نسبت رکھتے تھے۔ شطاری کی اسد جلد [illegible] ہے۔ اس سلسلہ میں اسم ذات کا خاص ترکیب سے ذکر کرایا جاتا ہے۔ جس سے جلد تر عشق و مستی پیدا

[illegible] ہے۔ اس ذکر کی مناسبت سے اس سلسلہ کو شطاریہ کا خطاب سب سے پہلے شیخ عبداللہ صاحب [illegible] کو دیا گیا۔

[illegible] عز و جاہ کا پتہ مکتوبات قلمی شیخ عبدالرزاق میرٹھی موجودہ کتاب خانہ قاضی صاحب شہر [illegible] سے چلتا ہے۔ مکتوب موسومہ شیخ شمس الدین شطاری میں بزرگ میرٹھی نے لکھا [illegible] حضرت شاہ الہ بخشؒ کہ ہم پیروان حضرت بودند بہ سفرہ ہر روز نسبت ملک زادہ طعام خوردند [illegible] جس دسترخوان پر ہر روز بیس شاہزادے مہمان بن کر کھانا کھاتے ہوں اس گھرانے کی [illegible] عزت و وقعت کیا ہو گی۔

حضرت گنج بخشؒ کا علم و فضل مونس الذاکرین سے ثابت ہے جو خاص ملفوظات ہیں اور طبع [illegible] ہیں۔ اور تقریباً ہر گھرانے میں موجود ہیں۔ زمانہ آپ کا عہدِ سلطنت شاہنشاہ جلال الدین [illegible] شاہ ہے۔ علاوہ جاگیرات عطیۂ شاہانِ سلف نے حضرت گنج بخش صاحب علیہ الرحمۃ [illegible] عرس کے لئے مائتہ رد بیہ ایام رمضان المبارک میں، نوروز کے مصارف تحصیل ہاپڑ [illegible] شعبان ۱۲۳۰ھ تک اور اس کے بعد بھی عطایا پہنچے ہیں اور مامنہ چندہ عرس درگاہ [illegible] کا نذر دیئے جاتے تھے مع یومیہ بصرف تنخواہ علیحدہ ملتے تھے مگر افسوس ہے [illegible] کا وجود باقی نہیں، نہ جائداد رہی نہ نقد عطیہ جات۔

حضرت اللہ بخش گنج بخشؒ کی شادی بی بی عجائب سے ہوئی اور ان سے پسر بھی پیدا ہوئے مگر [illegible] وفات پا گئے اور کوئی نسل نہیں ہے۔

حضرت گنج بخش صاحب علیہ الرحمۃ کا وصال ۸۰۲ھ میں ہوا جو پورے سورۂ اخلاص کے اعداد [illegible] مزار پُر انوار سلطان غیاث الدین بلبن کی بنائی ہوئی مسجد کے پائیں باغ میں تعمیر ہو کر [illegible] خاص و عام ہے۔

شاہ عبدالخالقؒ کے پسر شیخ محمد صاحب سے شیخ روشن جہاں پیدا ہوئے جن کے پانچ پسران

۱۔ حضرت محمد باقی
۲۔ شیخ زید
۳۔ شیخ رشید
۴۔ محمد شاہ شیخ
۵۔ شیخ کمندا، علیہم الغفران ہوئے۔ ہر ایک پسر کی ایک ڈیوڑھی قائم ہو کر پانچ آستانے

بلحاظ تقسیم اون کے عرس شریف وغیرہ شمار کئے گئے اور ان کی نسلیں پیرزادوں کے نام سے مشہور
ہوئیں۔ سجادگی محمد باقی صاحب ڈیرہ نمبر ا نسل میں رہی اور پیر بخش صاحب پر ختم ہوئی اور نسل اس
ڈیوڑھی کی بھی اب کوئی گڈھ مکتیسر میں موجود نہیں ہے۔ دیگر صاحب زادگان کی نسل کا بھی پتہ
نہیں معلوم ہو سکا۔ کیونکہ گڈھ مکتیسر میں تو کوئی پیرزادہ اب نہیں ہے۔ متفرق مقامات پر موجود
ہیں چنانچہ شیخ زید صاحب نمبر ۲ کی نسل سے مشہور پیرزادہ حاجی صبغۃ اللہ صاحب ہیں اور ان کے
بیٹے رحمت اللہ صاحب۔ ان کے پسر محمد جمیل صاحب کے پسر محمد کفیل صاحب موضع ڈیرہ تحصیل
غازی آباد میں موجود ہیں۔[1]

آخر الذکر محمد کفیل صاحب کے فرزند محمد طفیل صاحب جو چمن میں پھلوں کی درآمد برآمد کرتے ہیں
۲۱ر جون ۱۹۵۸ء کو مجھ سے لاہور میں ملے۔ بس اس طرح جیسے کہ سات سو سال سے بچھڑے ہوئے
ملے ہوں۔ رکھ رکھاؤ غضب کا ہے۔ میرے بچہ احمد منصور کو پانچ روپے بھی دیئے۔ ان کے فرزند
اقبال احمد گاہے گاہے چمن سے خط لکھتے رہتے ہیں۔ طفیل بھائی نے مولانا شوکت علی مفتی ریاست
رامپور کا قلمی رسالہ مجھے دیا۔ مولانا موصوف کو ۱۹۴۶ء کے فسادات گڈھ مکتیسر میں مع تمام خاندان
کے ہندوؤں نے شہید کر دیا تھا۔ سننے میں آیا ہے کہ مولانا شہید کا ایک لڑکا کہیں باہر تھا جو بچ رہا۔
مولانا شوکت علی گڈھ مکتیسری نے یہ رسالہ شاملات دہ کے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں تحریر کیا تھا۔
طفیل صاحب کی اجازت سے میں نے اس کے بعض حصے اپنی ڈائری میں نقل کئے جن کا اقتباس اس
پیراگراف سے پہلے کیا ہے۔

حضرت بندگی شیخ موسیٰؒ اور ان کے چچا زبدۃ الاولیاء قاضی توام الدینؒ کی اولاد میں باہمی رشتہ
مناکحت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جس کی وجہ شیخ امداد الحق نے یہ بتائی ہے کہ بندگی شیخ موسیٰؒ کی اولاد
میں لحاظ کفویت اتنا زیادہ نہیں رہا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے۔ صدیقیان رہتک نیم اور صدیقیان
گڈھ مکتیسر ہمیشہ ایک دوسرے کے حالات سے باخبر رہے۔ چنانچہ جس قدر تحریری سرمایہ باقی بچا
ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

(۱) اوراد حبیبیہ (۵۷۰ء) اور اسناد الاشجار (۰۰ء) میں اولاد بندگی شیخ موسےٰ کو گڈھ مکتیسر
میں بتایا ہے۔

۱؎ تقریر مولانا شوکت علی شہید گڈھ مکتیسری۔ تفصیل اگلے پیراگراف میں ملاحظہ ہو۔

…ناب شیخ امداد الحق نے تفتیش حال کے لئے ایک خط قاضی عبد الہادی و قاضی
…صاحبان کو محلہ قاضی واڑہ میرٹھ کے پتہ پر لکھا۔ اس خط کے جواب میں قاضی عبد الواحد
…بندگی شیخ موسےٰ کا شجرہ نقل کر کے بھیجا۔ شیخ امداد الحق ان دنوں رہتک میں مقیم تھے
…یہ شجرہ بدست الحاج ظہور اللہ شہید (قاضی) رشید الرحمٰن کے مطالعہ کے لئے بھیج
…دیا۔

…قاضی عبد الواحد کے ہاتھ کا لکھا ہوا شجرہ اولاد بندگی شیخ موسےٰ مورخہ ۲۰ر جون ۱۹۰۹ء
…پاس ہے

…بندگی شیخ موسےٰؒ کی اولاد سے دور اکبری کے مشہور بزرگ شاہ اللہ بخش گنج بخشؒ متوفی ۱۰۰۲ھ
…بن قاضی جمال الدین بن قاضی کبیر بن بندگی شیخ موسےٰؒ کاملین وقت میں سے
…کے ملفوظات پر مشتمل کتاب مونس الذاکرین کو مولوی عبد القیوم سب جج بریلی بن
…اولاد بندگی شیخ موسےٰؒ نے ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۸ء میں شائع کرایا۔ اس کتاب
…بندگی شیخ موسیٰ کی اولاد کا شجرہ نسب بھی شائع ہوا۔

…۱۹۰۰ء میں مولوی عبد الفتاح اور مولوی عبد الحی نے اس مطبوعہ شجرے میں خواہری اولاد
…شامل کر کے گورنمنٹ گزٹ پریس بلند شہر سے شائع کرایا۔ یہ دونوں حضرات خود بھی
…اولاد سے تھے۔ اس شجرہ کی ہو بہو نقل پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۲) کی قلم سے ہمارے پاس
…ہے۔ تاریخ نقل ۱۲ر رجب ۱۳۲۲ھ ہے۔

…مولوی عبد القیوم صاحب کا چند سطور پہلے ذکر ہوا ہے ان کے چچا عبد الستار صاحب کے
…پیرجی بشیر احمد بن عبد الرزاق صاحب نے بابا اگر حسین کو اولاد بندگی شیخ موسےٰ کا شجرہ
…۱۸۹۶ء کو لکھ کر دیا۔ یہ شجرہ نسب پیرزادہ ڈپٹی منور احمد (۵، اب) نے حاصل کر کے
…ظہور اللہ شہید (۲۴ب) کو دے دیا اور اب ہمارے پاس ہے۔

…ظہور اللہ شہید (۲۴ب) ۱۶ر اپریل ۱۹۳۸ء کو پیرجی بشیر احمد بن عبد الرزاق مذکور سے
…اور معلومات حاصل کر کے اولاد بندگی شیخ موسےٰؒ کا نسب نامہ اپنی قلم سے لکھا جو ہمارے

…عبد الہادی بن قاضی محمود بخش بن قاضی قادر بخش بن قاضی الٰہی بخش بن شیخ محمد شاکر بن شیخ روشن جہان
…عبد الرزاق بن قاضی خوشحال بن قاضی جمال الدین بن قاضی کبیر بن بندگی شیخ موسیٰؒ

پاس ہے۔

۸۔ معرف الانساب کی تیاری کے سلسلہ میں پیرزادہ ابراہیم حنیف رباب ہانے اخبار نیر اعظم مرادآباد کی ۲۶ دسمبر ۱۹۱۲ء کی اشاعت میں صدیقیان گدھ مکتیسر کے شجرے کی بابت ایک استفسار شائع کرایا جس کے جواب میں مولوی عبد القیوم سب جج بریلی مذکور کے بھتیجے جناب قیام الدین محمد بن عبد الحی نے چھراؤں ضلع مرادآباد سے ۳۰ دسمبر ۱۹۱۲ء کو ایک خط لکھا جس میں اپنا کرسی نامہ بھی درج کیا۔ یہ اصل خط ہمارے پاس ہے۔

۹۔ صدیقیان گدھ مکتیسر کے مطبوعہ شجروں اور قیام الدین صاحب کے ارسال کردہ شجرے کو سامنے رکھ کر پیرزادہ ابراہیم حنیف نے اولاد بندگی شیخ موسیٰؒ کا ایک مبسوط نسب نامہ تیار کیا جو ہمارے پاس ہے۔

۱۰۔ مولانا شوکت علی شہید گدھ مکتیسری نے ایک مقدمہ کے سلسلہ میں صدیقیانِ گدھ مکتیسر کے حالات قلمبند کئے تھے۔ جس کی نقل النقل ہمارے پاس ہے۔

۱۱۔ ہمارے خاندان کے نسب ناموں اور مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شجروں میں بندگی شیخ موسیٰؒ کا نام آیا ہے۔

۱۲۔ حضرت بندگی شیخ موسےٰؒ کی اولاد کے مطبوعہ شجرے کی جو قلمی نقل ہمارے پاس ہے اس میں شیخ موسےٰؒ کے نام کے ساتھ سنہ ھ لکھا ہے۔ معلوم یہ سن کیا ہے اور اس کا ماخذ کیا ہے۔

ضمیمہ ۱۴

محاکمہ شاہ عبد العزیز دہلویؒ

[حضر]ت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کے بیان میں اس تالیف کے صفحہ ۱۱۰ پر ہم نے حضرت شاہ [عبد العزیز] دہلویؒ کے فیصلہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ فیصلہ اس لئے اہم ہے کہ اس سے حضرت دہلویؒ کے [وحدت] وجود کے بارے میں خیالات کا علم ہوتا ہے اس لئے یہاں اسے نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[کیفی]ت دریان آنکہ حاضر آمد شاہ محمد رمضان ابن شاہ عبد العظیم ابن مولوی شاہ عبد الحکیم [illegible] نسب خود بر شریعت غرا و ملت بیضا، نزد خادم الشرع عبد العزیز بتاریخ بست [و] [illegible] ذیقعدہ ۱۲۳۶ھ و حاضر آوردہ میاں مولوی نور محمد ابن ملا ...... را کہ توم جو یا است [illegible] نسب خود بود بتاریخ بست و نہم شہر مذکور۔ ودعاوی طرفین بدستخط حافظ مصری کہ حکم [illegible] بودند قبل ازیں وشانِ دستخط ہر دو صاحبان بر آں ثبت بود۔

[illegible] محمد رمضان ایں است کہ اہل اللہ در بارہ وحدت وجود برحق ہستند و نیز قائمین وحدت [illegible] عقیدہ من مظہر نیز وحدت وجود رواست در نفس الامر۔ فقط۔ ودعویٰ دیگر ابیات [illegible] موافق ترجمہ من رواست ہمیں معنی دارند کہ نوشتہ ام۔ وقول دیگر وجود مطلق [illegible] الحقائق است۔ انتہیٰ۔

[illegible] نور محمد آنست کہ عقیدہ وحدت وجود در شریعت غرا روا نیست و قائمین وحدت [illegible] شریعت غیر مقبول ہستند۔ فقط۔ و دیگر آنکہ ابیات بلبل باغ نبی در شریعت کفر [illegible] و دیگر آنکہ یک وجود مطلق حقیقۃ الحقائق نیست بلکہ حقائق اشیا ہستند [illegible] نیز ہر دو صاحبان بموافق دعاوی مسطورہ زبانی اقرار اظہار کردند۔ بعد [illegible] محمد رمضان عقیدہ خود موافق اہل سنت والجماعت متکلمین اظہار کردہ وگفتہ کہ ہرچہ

بعینه الذاتی فی مرتبة الالوهیة انتهی من کتاب معیار الموحدین۔

و دیگر آیات ہم خوانده شد چنانچہ

(۱) سَنُرِیهِمْ آیَاتِنَا فِی الْآفَاقِ وَفِی أَنْفُسِهِمْ حَتَّى یَتَبَیَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ یَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیدٌ۔

(۲) أَلَا إِنَّهُمْ فِی مِرْیَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ أَلَا إِنَّهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُحِیطٌ

(۳) وَمَا رَمَیْتَ إِذْ رَمَیْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى

(۴) إِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَكَ إِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللَّهَ یَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَیْدِیهِمْ

و دیگر احادیث لو انکم دلیتم بحبل علی الارض السفلی لهبط علی الله این ہمہ دلالت میکند بر اثبات وحدتِ وجود و حقیقة الحقائق کہ مصطلح اہل حقائق صوفیاء اند و ایشاں اہل الله کامل در شرائع و اکمل الایمان اند۔

چنانچہ امام غزالی رحمة الله علیه در کیمیائے سعادت آورده و صاحب ملتقط در ملتقط ہم نوشته اعلموا ان التوحید علی اربع مراتب الاولی ان یقول لا اله الا الله باللسان وقلبه غافل عنه او منکر له کتوحید المنافق والثانیة ان یصدق بمعنی اللفظ قلبه کما یصدق عموم المسلمین وهو اعتقاد والثالثة ان یشاهد ذلک بطریق الکشف بواسطة نور الحق وهو مقام المقربین وهو ان یری اشیاء کثیرة لکن یراها صادرة من الوحدة والرابعة ان لا یری فی الوجود الا واحدة وهو مشاهدة الصدیقین۔

پس مولوی نور محمد چوں ایں کلام منجی است از غیاہب شکوک و ظلمات اوہام شنید یکبارگی بے قیل و قال و بے شبہ توبة النصوح کرد و در محفل جمہور عوام و خواص از علمائے کرام و فضلائے عظام انا انکار آوردن بر بزرگاں اہل الله اہل وحدة وجود ہم زبہ گفتن ایشاں کہ بسبب شقاوت ازلی است و نیز استغفر الله و اتوب الیه بخواند۔ از دل و جاں اقرار و اعتراف نمود کہ اوشاں اولیاء الله اند و صاحب کرامت اند و دیگر آنچہ در حق معتقدین اہل الله ناشائستہ گفتہ بودم و نماز و روزه و جماعت و ذبیحہ و نکاح و سلام و جواب سلام و دیگر امور شرعیہ ناجائز و بے درست پنداشتہ بودم، توبہ کردم۔ و دیگر کتاب بلبل باغ نبی بعض ابیات اور اکہ نور محمد محل بر کفر کرده محض غلط و خطا کرده کہ ترجمہ اوشاں درست است۔ اما بعضے از آنہا شباہت بہ ابیات مثنوی جلال الدین رومی و تحفہ مولوی جامی

در قصیده ہا مالی است براں اعتقاد دارم و مریداں خود را ہم زجہاد در ہندی نظم نموده ہم و تاکید نمودم کہ براں عقیده باشند علی الدوام و نیز بر طریق اولیاء الله انتقاد و تعظیم و تکریم اوشاں را معتزم و امیدوارم کہ بہ برکات اوشاں علیهم الرحمة والغفران مستفید بفیضان ایشاں ہم شوم۔

پس ایں خادم الشرع را معلوم گشت کہ شاه محمد رمضان را عقیده جامع است در حق بر عقائدِ سنت و جماعت متکلمین و بر مصطلحات صوفیہ صافیہ محققین اہل الله۔ و بیاں نور محمد را عقیده بر شریعت ظاہر است و انکار بر کمال اہل الله و حالات و اصطلاحات آنہا نیز منکر و فہمیده است کہ اوشاں بزرگواراں از جاده شریعت پا بیروں نہاده۔ معاذ الله۔ نمیداند کہ اوشاں متصف باوصاف شرائع گشتہ اند۔ لہذا بیاں نور محمد را از عقیده فاسده بیروں کرده شد تا در تحت غضب الٰہی نیاید چرا کہ مبغض اولیاء الله مبغض خدا و رسول اوست بہ بیان کردن مراتب اولیاء کہ حضرت سید المرسلین فرموده عُلَمَاءُ أُمَّتِی كَأَنْبِیَاءِ بَنِی إِسْرَائِیلَ و نیز العلماء وَرَثَةُ الْأَنْبِیَاءِ وَالَّذِینَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ و دیگر بآیات و احادیث دلالة بر اثباتِ وحدت وجود بر مذہب محققین صوفیہ و ہم نصوص اہل السنة والجماعة جاهدوا فشاهدوا قالوا ان الله سبحانه واحد بسیط انبسط علی هیاکل الموجودات بعینه الذاتیة ویمثل ذالک البحر وظهوره فی صورة الامواج المتکثرة مع انه لیس هناک الا حقیقة البحر فایجاد الحق عبارة عن ظهور الحقیقة المطلقة بالصور المختلفة المتعددة المشاهدة قال الله تعالی الله نور السموات والارض وهو الذی فی السماء اله وفی الارض اله وقال الله تعالی اینما تولوا فثم وجه الله وقال الله تعالی جعت فلم تطعمنی۔ الحدیث۔

وقال فی جامع الاصول فی آخر حرف الصاد فی الکتاب العاشر فی الصفات عن ابی هریرة رضی الله قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقرأ هذه الآیة ان الله یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اهلها الی قوله تعالی ان الله کان سمیعا بصیرا ورایت رسول الله صلی الله علیه وسلم یضع ابهامه علی اذنه والتی یلیها علی عینه۔ اخرجه ابو داؤد۔

وفیه اشعار بانه السمیع بالاذن والبصیر بالعین فی تجلیه الکلی فذوات الممکنات وصفاتهم وافعالهم عاریة وهو سبحانه یسمع بسمعه الذاتی ویبصر

وکتاب فخر الدین عراقی دارند۔

پس بیان نور محمد تائب شدہ و تصور فہمید خود نمودہ نصیحت نامہ برائے تابعین خود و دیگر جمیع مسلمین نگارش کنانیدہ بردہ بمضمون آنکہ ہر یک مسلمان بر مسلمانی خود باشند دیگر را بتکفیر و بدنگویند و نماز پس یک دگر خوانند۔ اگر مولوی نور محمد بر توبۃ النصوح علی الدوام بماند بہتر والا اگر باز انکار اہل اللہ موصوف بطریق وجودی باشند یا شہودی و دیگر مردم مسلمان را بتکفیر و تفسیق و تذلیل و جواب سلام نہد واجب التعزیر دانند کہ ہر مسلمان را کافر گوید مستحق تعزیر است۔

در فتاویٰ عالمگیری: من قذف مسلماً بیا فاسق وھو لیس بفاسق او بن کافر او نصرانی الی ان عزر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث فی اصل الایمان الکف عن من قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل الی آخرہ۔ رواہ ابوداؤد فقط

کتب حکماً مرا بتاریخ ہفتم ذی الحج ۱۲۳۵ھ

عبد اللہ بن امۃ اللہ ۱۲۳۳

ھو العزیز الولی الرحیم

نشان مہر شاہ عبد العزیز دہلوی

ضمیمہ ۱۵

کنز الآثار

(صرف پچھتّر نظیریں)

تعارف

زبدۃ الاولیاء حضرت قاضی نظام الدین مجنیری ثم رہتکیؒ کی اولاد سے متعلق جملہ تحریروں کو یکجا مرتب کرنے کا ارادہ ہے ـــــ اس مجموعہ کا نام "کنز الآثار" ہوگا۔ یہ تحریریں شاہی اور نوابی فرامین و احکامات سند ناموں، بخشش ناموں، رہن ناموں، ہبہ ناموں، کابین ناموں، اہم یادداشتوں اور خطوط وغیرہ پر مشتمل ہیں۔ یہ تحریریں چند اقربا کے پاس ہیں اور میرے اندازے کے مطابق ان کی تعداد ایک ہزار ہوگی۔ جن میں سے میں اب تک پانچ سو کے قریب دیکھ چکا ہوں۔ ان پانچ سو میں سے تین سو سے زیادہ میرے پاس ہیں اور ترتیب پا چکی ہیں۔ اگر ان میں بیسویں صدی کی تحریریں بھی شامل کرلی جائیں تو تعداد دو ہزار سے تجاوز کر جائے گی۔

کنز الآثار کی ہر تحریر کو میں نے نظیر کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مآثر الاجداد میں موقع بموقع کئی نظیریں نقل کی جا چکی ہیں اور کئی نظائر کے حوالے دیئے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کنز الآثار کی اشاعت کی نوبت آئے گی بھی یا نہیں اور آئے گی تو کب آئے گی۔ جو کچھ بھی محفوظ کر لیا جائے غنیمت ہے اس لئے اس ضمیمہ میں صرف پچھتر نظائر نقل کر رہا ہوں۔ اصل کتاب میں حواشی بھی ہوں گے۔ میرے پاس جو تحریریں ہیں ان میں قدیم ترین شہنشاہ اکبر کے زمانے کی ہے یعنی اب سے چار سو سال پہلے کی۔ یہ تحریر ذی الحجہ ۹۸۳ھ جون ۱۵۷۶ء کی ہے۔ مقام تحریر نیم ہے جو اب ضلع رہتک کا ایک قصبہ ہے۔

قدیم تحریروں کو پڑھنا بڑا ہی پتہ ماری کا کام ہے اور اس کی تفہیم میں تو اس قدر پیچیدگیاں ہیں کہ ایک بڑے سے بڑا ماہر بھی جو ہمارے خاندان کے ماضی سے پوری طرح باخبر نہیں فاش غلطیوں کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ اس فن میں اس قدر باریکیاں ہیں کہ ان کا احاطہ اس مختصر سے تعارف میں ممکن نہیں۔ مجمل تحریروں کو چھوڑتے ہوئے میں صرف پانچ مثالوں پر اکتفا کروں گا:

(۱) بعبارت محررہ ۲۷ رجب ۱۱۳۸ھ پر ایک دستخط ہیں "عبدالحکیم ولد شیخ کمال اللہ بخطہ" اس تحریر سے اکیس سال بعد کے ایک اقرار نامہ پر دستخط ہیں "عبدالحکیم ولد عطا محمد خاں بخطہ" پڑھنے والا خیال

کرے گا کہ یہ دو اشخاص کے دستخط ہیں جن کی توقیت مختلف ہے۔ اگر یہ بتا دیا جائے کہ یہ ایک ہی
شخص کے دستخط ہیں تو فوراً خیال اس طرف جائے گا کہ شیخ کمال اللہ کو عطا محمد خاں سرکاری خطاب
ملا ہوا ہو گا۔ عطا محمد خاں سرکاری خطاب ہے مگر شیخ کمال اللہ کے برادر اصغر شاہ لطف اللہ
اس پہیلی کا جواب یہ ہے کہ یہ دستخط حضرت شاہ عبدالحکیم صدیقی سہمی جاب ۱۱۵ ابن شاہ لطف اللہ
الملقب بعطا محمد خاں دسہ ہزاری و نائب گورنر لاہور ما ابن شیخ عطاء اللہ کے ہیں جن کی اولاد میں اس
وقت ۱۵۲ افراد حیات ہیں۔ یہ شاہ محمد رمضان شہید اور شاہ محمد اسمٰعیل شہید کے دادا تھے اور
ان کے سگے تایا کا نام شاہ کمال اللہ تھا۔ اس پہیلی کا جواب بتانے سے عقدہ حل ہونے کی بجائے
اور بھی پیچیدہ ہو گیا۔ اس کتاب کے صفحہ ۸۰ کے مطالعہ سے آپ کی الجھن دور ہو جائے گی۔

(ب) ۱۱ رجمادی الاول ۱۱۶۸ھ کی تحریر ایک دستخط ہیں: "حافظ عالم خان بن حافظ عالم خان مرحوم" [illegible]
کی غلطی نہیں۔ یہ میرے جد امجد شاہ نجم اللہ الملقب بحافظ عالم خان ثانی ابن شاہ رزق اللہ الملقب
بحافظ عالم خاں ابن مفتی عزیز اللہ شہید کے دستخط ہیں۔ عالم خاں شاہی خطاب ہے جو فاضل باپ کے
بعد فاضل فرزند کو ملا۔

(ج) "حافظ احمد شاہ خاں شہید ابن حافظ محمد شاہ خاں ابن الحاج علی حسین خاں ابن عطا حسین خاں
ابن محمد محفوظ خاں ابن محمد احسان خاں ابن عبدالرحمان خاں" کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ
کا ذہن ضرور اس طرف گیا ہو گا کہ یہ رام پور کے پٹھانوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ حافظ احمد شاہ خاں
شہید ہمارے سب کے دیکھے بھالے اور ماسٹر محمد حسن صاحب کے برادر ہیں اور میرے [illegible]
ہیں۔ مفتی محمد جعفر کے فرزند مفتی عبدالرحمٰن صدیقی کو خطاب خانی ملا ہوا تھا اور ان کے جلیل القدر
فرزند مستقیم الدولہ محمد احسان خاں بہادر نصرت جنگ سپہدار تھے۔ ان کی اولاد نے خطاب خانی
کو اپنے نام کا جزو بنائے رکھا۔

(د) یہ تو قدرے پرانی باتیں ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں تاج بک ڈپو اردو بازار لاہور نے عبدالغفور قریشی
صاحب کی کتاب "پنجابی زبان دا ادب تے تاریخ" شائع کی۔ اس میں حضرت شاہ غلام جیلانی
کے نام کے ساتھ سید لکھا ہوا ہے۔ یہ تو ناواقفیت کی بات ہے۔ ہمارے خاندان کے ایک [illegible]
سالہ بزرگ محمد محسن (۵۵) ہیں۔ بچپن سے ان کے نام کے ساتھ سید لکھا جاتا ہے۔ وہ اپنے [illegible]
میں لکھتے ہیں:

"میری تو عمر گزر چکی اور آج تک میں ننھیال میں پلا بڑھا اور انہیں بزرگوں میں میری پرورش ہوئی

اور جو وہ تھے وہی میں بھی مشہور ہوا۔ اب میں کس کس کو جا کر بتاؤں کہ مجھ کو سید نہ لکھو میں شیخ ہوں
میں تو جو کچھ بنا تھا وہ بن چکا۔ میں اپنے بچوں کو منع بھی نہیں کرتا وہ جو بھی چاہے اپنے آپ کو ظاہر
کریں۔ یہ ہیں میرے حالاتِ زندگی۔ اب خواہ آپ مجھے شجرہ میں شامل رکھیں یا نکال دیں۔"

"سید غلام جیلانی" اور "سید محمد محسن" ایسی تحریریں جب قدیم ہو جائیں گی تو درجہ اسناد پا لیں گی
ان تحریروں کی نوعیت کی دو چار سو سال بعد نشان دہی کرنا تاریخ نویس کے لئے کس قدر مشکل ہو گا۔
زمانہ حال کی ایک اور قابلِ غور مثال ہے۔ ہمارے ایک پڑھے لکھے اعلیٰ منصب پر فائز بزرگ
نے مکتوب گرامی میں اپنی اولاد کی پیدائش کی تاریخیں لکھ کر بھیجی ہیں۔ ان میں اپنے ایک لڑکے
کا نام لکھنا بھول گئے اور ہر بچہ کی تاریخ پیدائش محض اندازے سے لکھ بھیجی۔ میں نے کرید کی تو معلوم
ہوا کسی کی بھی تاریخ پیدائش درست نہ لکھی تھی۔

یہ چند مثالیں اس لئے دی ہیں کہ آئندہ صفحات میں جو نظائر درج کی جا رہی ہے قارئین ان
سے نتائج اخذ کرنے میں سہل انگاری سے کام نہ لیں۔

جو تحریریں صفحات آئندہ میں نقل کی جا رہی ہیں ان میں سے بعض غیر متعلق یا معمولی نوعیت کی معلوم ہوں گی
مگر یہ حقیقت ہے کہ ان ہی بظاہر معمولی تحریروں سے ایسے ایسے نتائج اخذ ہوئے ہیں کہ زیر نظر کتاب
بنانا پڑ گئی۔ خان ولی اللہ خان صاحب سپرنٹنڈنٹ آرکیالوجی اور لاہور فورٹ کے کسٹوڈین ذکی احمد
[illegible] ہیں کہ ان تحریروں کو قلعہ میں محفوظ کرا دیا جائے یا ان کے فوٹو لینے کی اجازت دے دی جائے
وہ الفاظ ہیں جن کے محفوظ ہونے سے آپ میں سے بہت سے حضرات کی چودہ یا پندرہ پشتوں
کے نام یا دستخط بھی محفوظ ہو جاتے ہیں اور متعدد تہذیبی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

حال سے بے نیاز ہو کر صرف ماضی کے نظاروں میں محو رہنا میری افتادِ طبع کے خلاف ہے
اس لئے زمانہ حال کی بھی بعض تحریریں نقل کر رہا ہوں جن میں بیشتر خطوط ہیں۔ شاید بعض حضرات
اسے کتاب کا ایک سقم قرار دیں مگر میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ایک زمانہ گزرنے کے بعد یہی
تحریریں لوگوں سے پوچھی جائیں گی۔ میرے پاس جو افراد خاندان اور دیگر حضرات کے ہزاروں
تحریریں ہیں۔ ان میں سے صرف وہ چند خطوط نقل کئے جا رہے ہیں جو پیرزادہ ابراہیم حنیف یا راقم الحروف
کے نام ہیں اور مکتوب نگار اپنے خاندان سے نہیں۔ کنز الآثار میں بزرگان خاندان کے بھی کچھ
خطوط شامل ہوں گے۔

منقول نظائر زیادہ تر سہم سے متعلق ہیں اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ شیخ محمد امجد (باب ۹)

کے کنبہ کو چھوڑتے ہوئے باقی تمام خاندان محمد شاہ بادشاہ کے عہد تک نہم میں رہتا تھا۔ دوسری خبر ہے کہ رہتک سے متعلق بعض اقربا کے پاس سینکڑوں کاغذات موجود ہیں۔ ان میں سے جو [illegible] وغیرہ عزیزی محمد احسن (۱۹۲۳) کے پاس تھے صرف ان تک میری رسائی ہو سکی۔

قدیم تحریروں میں بعض اتنی دریدہ بریدہ اور شکستہ حالت میں ہیں کہ بعض الفاظ پڑھے نہیں [illegible] پہلے چونکہ نقطے لگانے کا زیادہ رواج نہیں تھا اس لئے بعض الفاظ پڑھے نہیں جاتے۔ عبارت نقل کرتے وقت ایسے تمام الفاظ کو میں نے چھوڑ دیا ہے اور ان کی جگہ تین نقطے بنا دیئے ہیں۔ کنز الآثار کی مجوزہ ایک ہزار تحریروں میں سے تیس تحریریں زیر نظر کتاب کے متن اور حواشی میں نقل کی جا چکی ہیں۔ ان کے علاوہ جو چھتیس تحریریں نمونے کے طور پر صفحات آئندہ میں درج کی جا رہی ہیں ان کی تاریخی ترتیب یہ ہے۔

نمبر شمار	نام نظیر	تاریخ	صفحہ
۱	بیعنامہ : مشتری مفتی محمد (باب ۲)	ذی الحجہ ۹۷۳ھ	۵۰۹
۲	" : مشتری اہلیہ مفتی نظام الدین (باب ۲)	۱۷ صفر ۹۹۹ھ	۵۱۷
۳	" : مشتری شیخ محمد امجد (باب ۹)	مابعد ۱۰۱۵ھ	۵۱۹
۴	"	۵ رجب ۱۰۴۰ھ	۵۲۱
۵	پروانہ عطائے جاگیر	۲۵ جمادی الثانی ۱۰۶۴ھ	۵۲۲
۶	قسمت نامہ جائداد (مفتی نظام الدین باب ۲)	۲۰ شوال ۱۰۷۰ھ	۵۲۴
۷	فرمان اورنگ زیب عالمگیر	۱۵ جمادی الثانی ۱۰۷۴ھ	۵۲۶
۸	"	۱۹ " " "	۵۲۸
۹	"	۲۵ شوال ۱۰۷۵ھ	۵۲۹
۱۰	"	۲۹ شعبان ۱۰۷۹ھ	۵۳۱
۱۱	"	۳ رمضان ۱۰۷۹ھ	۵۳۲
۱۲	"	۱۲ ربیع الاول ۱۰۸۱ھ	۵۳۴
۱۳	قسمت نامہ جائداد (مفتی حبیب اللہ (باب ۲)	غرہ ربیع الثانی ۱۰۸۲ھ	۵۳۶
۱۴	بیعنامہ : مشتری مفتی حبیب اللہ (باب ۲)	۵ ذی الحجہ ۱۰۸۶ھ	۵۳۷
۱۵	فرمان اورنگ زیب عالمگیر	۴ جمادی الاول ۱۰۹۲ھ	۵۳۸

نمبر شمار	نام نظیر	تاریخ	صفحہ
۱۶	قسمت نامہ اراضی مابین ابناء مفتی نظام الدین (باب ۲)	۲۵ ربیع الاول ۱۰۹۶ھ	۵۳۹
۱۷	تمسک مبادلہ جائیداد	۲۱ ربیع الثانی ۱۰۹۷ھ	۵۴۱
۱۸	نقل فرمان اورنگ زیب عالم گیر	غرہ ربیع الاول ۱۱۱۷ھ	۵۴۲
۱۹	پروانہ شاہی تجدید جائداد	۲۶ محرم ۱۱۲۳ھ	۵۴۵
۲۰	"	رمضان ۱۱۲۸ھ	۵۴۶
۲۱	"	۲ صفر ۱۱۳۷ھ	۵۴۷
۲۲	"	۵ جمادی الاول ۱۱۳۸ھ	۵۴۸
۲۳	استشہاد نامہ	مابعد ۱۱۳۸ھ	۵۴۹
۲۴	پروانہ شاہی بابت تجدید جائداد	۲۹ جمادی الاول ۱۱۴۳ھ	۵۵۱
۲۵	بیعنامہ : بائعین ابناء شیخ محمد امجد (باب ۹)	۱۱۴۱ھ	۵۵۲
۲۶	" : مشتری مولوی صدر الدین	۸ ربیع الثانی ۱۱۴۸ھ	۵۵۳
۲۷	رسید قرض، قارض مولوی فخر الدین بن عبد الکریم	۹ جمادی الثانی ۱۱۵۲ھ	۵۵۴
۲۸	قبض الوصول بمہر شاہ کمال اللہ (باب ۳)	ماقبل ۱۱۵۵ھ	۵۵۵
۲۹	بیعنامہ	۱۱ جمادی الاول ۱۱۶۸ھ	۵۵۶
۳۰	بیعنامہ : مشتری مولوی بدیع الدین	۱۵ ذیقعد ۱۱۶۸ھ	۵۵۷
۳۱	بیعنامہ	۲۳ ربیع الثانی ۱۱۷۰ھ	۵۵۸
۳۲	تفصیل اراضی عبد المہیمن	قریباً ۱۱۷۰ھ	۵۶۰
۳۳	ادائیگی مہر	۵ محرم ۱۱۸۱ھ	۵۶۳
۳۴	رسید	۲۰ رجب ۱۱۸۳ھ	۵۶۵
۳۵	قبض الوصول بمہر نصر اللہ (۳ م ب)	۱۶ ذی الحجہ ۱۲۱۱ھ	۵۶۶
۳۶	پروانہ شاہی بابت جاگیر ابناء شاہ بدر الدین	۱۹ رمضان ۱۲۲۰ھ	۵۶۷
۳۷	فارغخطی	۲۵ شوال ۱۲۲۰ھ	۵۶۸
۳۸	بیعنامہ : مشتری اہلیہ ظفر علی (۲ م ۸ ب)	۱۲ جمادی الاول ۱۲۲۱ھ	۵۶۹
۳۹	روبکار مقدمہ بحینی بابت شاہ عبد العظیم	۲۵ ذی الحجہ ۱۲۲۴ھ	۵۷۰

نمبر شمار	نام نظیر		تاریخ	صفحہ
۴۰	جزوی فہرست املاک خاندان شاہ [illegible]		۱۲۳۵ھ	۵۰۲
۴۱	رہن نامہ، ر ابن ظفر علی (۴۸ ا ب)		۲۹ر جمادی الاول ۱۲۲۶ھ	۵۰۶
۴۲	بخشش نامہ		۹ر ذی قعدہ ۱۲۴۰ھ	۵۰۸
۴۳	بخشش نامہ		۱۱ر ربیع الاول ۱۲۴۴ھ	۵۰۰
۴۴	مختار نامہ		۲۷ر شوال ۱۲۴۴ھ	۵۰۲
۴۵	تحریر مولوی نور محمد		۲ر ذی الحجہ ۱۲۴۵ھ	۵۰۴
۴۶	سرکاری اشتہار		۸ر شعبان ۱۲۵۳ھ	۵۰۴
۴۷	حساب مدد تیاری حویلی		۱۰ر ربیع الاول ۱۲۵۵ھ	۵۰۵
۴۸	دخل نامہ ایناد شاہ بدر الدین (۵ب)		۲۰ر ربیع الاول ۱۲۶۰ھ	۵۸۶
۴۹	کابین نامہ شادی خلیل الرحمٰن		۱۴ر جمادی الاول ۱۲۶۰ھ	۵۸۸
۵۰	بیع نامہ، باغ شاہ ضیاء الدین (۹۵ب)		۲۲ر جمادی الاول ۱۲۶۱ھ	۵۹۰
۵۱	اقرار نامہ		۲ر جمادی الثانی ۱۲۶۵ھ	۵۹۴
۵۲	مختار نامہ		۸ر ذیقعدہ ۱۲۸۰ھ	۵۹۵
۵۳	قسمت نامہ جائداد شاہ عبدالغنی (۵ب)		۱۰ر جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ	۵۹۶
۵۴	نقل فرمان نواب ٹونک		۱۳ر جون ۱۸۹۳ء	۵۹۸
۵۵	مکتوب گرامی سید اولاد حسین شاداں بلگرامی		۲۷ مئی ۱۹۲۱ء	۵۹۹
۵۶	"	میر غلام بھیک نیرنگ	۲۲ر اگست ۱۹۲۱ء	۶۰۱
۵۷	"	علامہ اقبال	۴ر اگست ۱۹۲۱ء	۶۰۳
۵۸	"	"	یکم ستمبر ۱۹۲۲ء	۶۰۴
۵۹	"	خان بہادر ناصر علی دہلوی	۲۷ر جنوری ۱۹۲۶ء	۶۰۵
۶۰	"	صاحبزادہ محمد ضیاء الدین سیال شریف	یکم اگست ۱۹۲۸ء	۶۰۶
۶۱	"	دیوان سید آل رسول علیخاں اجمیر شریف	۱۰ر اپریل ۱۹۲۹ء	۶۰۷
۶۲	"	علامہ عنایت اللہ مشرقی	۱۷ر اپریل ۱۹۲۱ء	۶۰۹
۶۳	"	"	۲۱ر مئی ۱۹۲۱ء	۶۱۰

نمبر شمار	نام نظیر		تاریخ	صفحہ
۶۴	مکتوب گرامی سر عبدالقادر		۲ر فروری ۱۹۳۲ء	۶۱۲
۶۵	"	نواب محمد جہانگیر خاں والی منگرول	۹ر مارچ ۱۹۳۷ء	۶۱۳
۶۶	"	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۰ء	۶۱۵
۶۷	"	بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق	۲۲ر اکتوبر ۱۹۵۴ء	۶۱۶
۶۸	"	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۱۳ر دسمبر ۱۹۶۱ء	۶۱۷
۶۹	"	"	۶ر اکتوبر ۱۹۶۱ء	۶۱۸
۷۰	"	"	۱۱ر نومبر ۱۹۶۱ء	۶۱۹
۷۱	"	ڈاکٹر مولوی محمد شفیع	۱۲ر اپریل ۱۹۶۱ء	۶۲۰
۷۲	"	سید ابوالاعلیٰ مودودی	۵ر نومبر ۱۹۶۲ء	۶۲۱
۷۳	"	مولانا محمود احمد عباسی	۲۱ر جنوری ۱۹۶۳ء	۶۲۲
۷۴	ذخیرہ تصاویر شفاء اللہ صدیقی		۱۹۶۳ء	۶۲۳
۷۵	کتاب ہادی ہریانہ		۱۹۶۲ء	۶۲۹

نقل حتی الامکان حرف بحرف کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ غلط املا بھی ہو بہو نقل کی گئی ہے۔

۱

بیعنامہ ذی الحجہ ۹۳۲ھ جون ۱۵۲۶ء

تعارف: ہمارے خاندان سے متعلق میرے پاس جو تحریریں ہیں ان میں سے یہ قدیم ترین ہے۔ مہم میں لکھی گئی۔ آغاز سے دریدہ بریدہ ہے۔ قاضی مفتی عبدالمجید (باب) سے نظام اللہ وغیرہ نے قرض لیا اور بعد میں قاضی موصوف کے فرزند مفتی محمد عرف میاں ننگن (باب) کے ہاتھ کچھ زمین فروخت کی۔ اس پر سلطان احمد (۱۸۲ب) کے جد امجد مولانا محمد جمال خطیب کے خط طغرا میں دستخط ہیں۔

متن

... قصبہ مہم طالعہ و راغبہ بے اکراہ و بے اجبار بر جملہ مقرہ مذکورہ نمودہ کہ مبلغ ... تنکہ سکندر شاہی مسمات کبیبا و نظام اللہ مذکور از قاضی عبدالمجید قرض ... کبیبا و نظام اللہ ... متوفی شدہ و متروکہ گذاشتہ۔ چون گواہان قرض مذکور گواہی ... و ثبوت رسیدہ بود قاضی مذکور از متروکہ ایشان طلب نمودند ... سہ قطعہ کہ داخل این حدود است۔

شرقے	غربے	جنوبے	شمالے
پیوستہ ... سیلاب ... نامزروع	پیوستہ زمین مزروع حق ...	کشت مردم بوبیانہ	مسدود از ...

درین وقت مقرہ مذکورہ زمین محدود مذکورہ با میان حوض ... بدست میاں ننگن ابن قاضی عبدالمجید مذکور بمبلغ یکصد و بیست تنکہ مرادی بہ بیع صحیح شرعی فروخت و مشتری مذکور خرید و از جملہ مبلغ مذکور کہ قبل ازیں ... مبلغ سکندر شاہی گرفتہ بودند نود تنکہ مرادی منہا کردند و سی تنکہ دیگر زر ثمن مذکورہ گرفتہ تقابض ... بالثمن والمثمن در مجلس بیع حاصل ... بیع نوشتہ شد کہ سند باشد

وکان ذلک فی شہر ذی الحجہ سنہ ۹۳۲ ہجری

مہر: ایک گول مہر جو پڑھی نہیں جاتی۔

دستخط: (۱) کتبہ العبد الضعیف شیخ جیو جمال ابن محمود خطیب صدیقے الیمنے مہدی طغرا

(۲) کتبہ العبد عبدالرزاق خطیب ... طغرا

ان کے علاوہ بائیس افراد کی شہادت ہے جو غیر خاندان سے ہیں۔

۲

بیعنامہ ۷ صفر ۹۹۹ھ ۵ دسمبر ۱۵۹۰ء

تعارف: یہ کاغذ مہم میں لکھا گیا اور اب اچھی حالت میں نہیں۔ ہمارے خاندان کی خواتین جائداد کی خرید و فروخت عام کرتی رہی ہے۔ مفتی امان اللہ بن مفتی نظام الدین کی اہلیہ مسماۃ سلطانی نے عہد اکبری میں مکان ہندو مہاجنوں سے خریدا۔ اس خاتون کی اولاد کا ذکر باب ، میں نمبر ۲ سے نمبر ۵ پر ہو چکا ہے۔

متن

ہوالقوی

اقرار کردند و اعتراف شرعی نمودند مسمی ہیمراج و بولا و متھرا داس پسران جوجا بقال و دسشا ابن رسنگھ ولد جوجا مذکور ساکن قصبہ مہم ... اقرار ھم شرعاً برین جملہ مقرین مذکورین یک منزل خانہ ... صحن ... و حصہ دہلیز قدیمی کہ از دست ... قطب ... خریدہ بود کہ واقع است ... و محدود است باین حدود

شرقے	غربے	جنوبے	شمالے
پیوستہ آں خانہا ...	پیوستہ آں گذر عام خانہ و خانہا محلہ مذکور	پیوستہ آں گذر عام و خانہ ...	پیوستہ آں خانہ لالو ...

درین وقت مقرین مذکورین خانہ محدودہ موصوفہ مذکورہ مع جمیع حقوق یک صد ... طلائی اکبرشاہی بعوض خانہ معروف الحدود ... بدست مسمات اولیا ... و مسمات سلطانی زوجہ شیخ امان اللہ ابن شیخ نظام ابن شیخ محمد عرف میاں ننگن مفتی ... مذکورہ بہ بیع صحیح شرعی فروختند و .... گواہان طوعاً و رغبت خود ہا خریدند و ... الجانبین بالثمن والمثمن بتراضی واقع شد و این خط بیع نوشتہ شد کہ ... عند الحاجت حجت باشد۔

وکان ذلک فی السابع والعشرین شہر صفر سن تسعۃ و تسعمائۃ

گواہ: (۱) شیخ جمال ابن محمود حاکم شرع شد بعون ودود

(۲) سلیمان اہتمام شرع فلاشی بعادلہ المنیع الغالب علی جمیع امرہٖ

(۳) "العبد اشرف ولد قاضی احمد حاکم شرع شریف"

(۴) "............ مفتی"

(۵) "عبداللہ بن محمد عبدالمجید کہ ملقب در شرع و محقق در دین خاتم شد"

دستخط: بارہ دستخط ہیں۔ سب غیر خاندانوں سے۔

کاغذ کی پشت پر یہ تحریر ہے:

جو کہ از روئے فیصلہ آپس کے اراضی احاطہ معروف بنگلہ بحال مولوی عبدالغنی ہو گیا ہے اس واسطہ یہ کاغذ بیع نامہ بخوشی خود حوالہ عبدالغنی کے کیا

مرقوم ۳۰ ام ماہ اپریل ۱۸۴۸ء

العبد	العبد	گواہ شد
امیر اللہ ولد شیخ	کرامت علی ولد شیخ	گلاب ولد جے رام
صبغۃ اللہ بخط	عظیم اللہ	مہاجن مہم
	(مہر) شیخ کرامت علی	

گواہ شد	گواہ شد	ایک دستخط
کورومل قانگوئے	مہر تحصیلدار پرگنہ	ہندی
پرگنہ مہم بہوانے	مہم و بہوانے	

۳

نقل بیعنامہ مالبعد ۱۰۱۵ھ ۱۶۰۶ء

تعارف: یہ مصدقہ نقل بیعنامہ محمد احسن (۱۹۳ و) کے پاس ہے۔ اس کی رو سے شیخ محمد امجد (باب ۹) کے والد کا نام شیخ اصغر تھا اور شیخ امجد کے دو بھائی شیخ عماد اور شیخ منصور تھے۔ اس بیعنامہ کے متن میں ۱۰۰۵ھ اور ۱۰۱۵ھ سنین مذکور ہیں جن سے یہ اندازہ نہ لگایا جائے کہ یہ خرید و فروخت ۱۰۱۰ھ میں ہوئی۔ شیخ محمد امجد عہد اورنگ زیب عالم گیر میں تھے۔ اصل بیعنامہ ۱۰۱۵ھ کے بعد اور ۱۰۷۰ھ سے پہلے لکھا گیا۔

متن

تسکان آنکہ اقرار کردند و اعتراف نمودند مسماۃ بی بی خاں بنت عالم شہ منکوحہ جمال ولد علی و نور محمد ولد قاضی اجمل ابن عبدالجلیل و سمی عبداللطیف و نقش ابناء شیخ بانسو انصاری ساکنان قصبہ ہٰذا در حال صحت نفس ثبات عقل طائعاں و راغباں بے اکراہ برآنجملہ مقران مذکوران زمین زرعی زرخی دربیع قائمہ و کائنہ نواحی حریم چاہ قاضی نورالدین بمعہ مال و آب چاہ موازی پنج بیگہ زمین نام نوی بنجلہ ...

تمسک از قرار تاریخ دوازدہم محرم ۱۰۰۵ھ

باقرار مسماۃ بے بے خاں بنت عالم شاہ منکوحہ جمال ولد علی

و نور محمد ولد قاضی اجمل موازی سہ نیم بیگہ

تمسک از قرار تاریخ پانزدہم شہر رمضان المبارک ۱۰۰۱۵ (سن یہی لکھا ہے)

باقرار عبدلطیف و نقش ابناء شیخ بانسو انصاری موازی یکنیم بیگہ (املا یہی لکھی ہے)

آں پیوستہ زمین چاہ مذکور کہ اولاد نصر اللہ | پیوستہ زمین اولاد نصر اللہ و عبدالرحمن حماد

.... | .... | ....

این زمین زرعی محدودہ وموصوفہ مذکورہ حق وملکِ مقران مذکوران بسبب ارث بعض کاہی رسید وتا غایت روز بیع در قبض وتصرف مقران مذکوران است ومزید اقرار مذکوران این زمین زرعی معہ حصۂ نال وآبِ چاہ مذکور فیہ را با جملگی حدود و حقوق و مرافق آن الداخلہ فیہا والخارجہ عنہا قلیل وی وکثیروی با مضاف و .... بمبلغ بست وہفت روپیہ رائج الوقت کہ نصف آں سیزدہ ونیم روپیہ موصوفہ بدست مشیخت مآب شیخ امجد وشیخ عماد ابناء شرافت مآب شیخ اصغر محتسب وقاضی توام عبدالغفور ابناء شیخ منصور ابن شیخ اصغر مذکور فروختند ومشترین مذکورین این زمین زرعی مذکور بانال وآبِ چاہ مذکورہ را بمبلغ مسطور از مقران مذکوران بہا خریدہ در قبض وتصرف خود باوردند ومبلغ مذکور تمام وکمال تسلیم مقران مذکوران نمودند بایع ومشترین مذکورین اقرار تقابض بدلین شاہ مشافہ کردند۔

وکان ذلک تحریر فی التاریخ

۱۰۷۶
شاہ عالم گیر
بندہ باد
محتسب
عبدالغفور

نقل موافق اصل است

۱۰۷۳
بندہ درگاہ عالم گیر
ابن غریب محمد متولی
محمد سلطان

۱۰۷۲
لطف بادشاہ عالمگیر
دستگیر شد قاضی
فضل اللہ

اصلی مہر قاضی سابق

۴
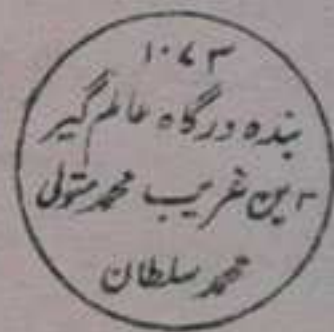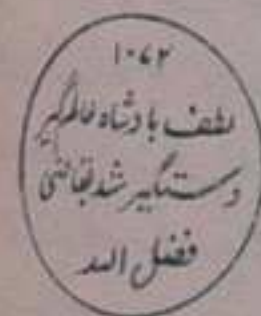
بیعنامہ ۵ رجب ۱۰۸۰ھ ۲۸ جنوری ۱۶۷۱ء

تعارف: بائع اور مشتری کا سلسلہ اولاد جاری نہیں۔ اس میں جو نام اور ولدیت مذکور ہے۔ اس کے پیش نظر نقل کیا جا رہا ہے۔ مواہیر میں مفتی نظام الدین (باب ۴) اور شیخ محمد مبارک (باب ۵) کے علاوہ علی اکبر بن قاضی اشرف (باب ۲) کی مہر قابل غور ہے۔ یہ بیعنامہ میرے پاس ہے

متن

اقرار کرد واعتراف معتبر نمود مسمی صدر جہاں ولد شیخ محمد مفتی ساکن قصبہ مہم فی حالہ .... اقرار شرعاً بریں جملہ یک قطعہ زمین زرعی موازی سہ بیگہ قدمی تخمیناً نواحی چاہاں قاضی عبدالمجید وشیخ محمد مذکور معہ حصۂ آب نالہا ہر دو چاہاں مذکورین .... ملک موروثی خود کہ در سواد قصبہ مذکور بین الحدود الاربعت واقع بدین حدود۔

شرقے	غربے	جنوبی	شمالے
پیوستہ آں زمین عبدالجلیل	پیوستہ آں زمین	پیوستہ زمین	پیوستہ آں
وشیخ .... وفاضل محمد	شیخ عبدالمنعم	عبدالجلیل و	زمین ابناء
ابنا بنت خریدگی وصدجہاں	کہ از خریدگی	وشیخ حاتم و	سلیمان
مذکور وبعض زمین ابنائے	خود دارد	فاضل محمد	افغان ...
ابوالفتح			

دریں وقت زمین مذکورہ محدودہ موصوفہ باجمیع حقوق ولواحق کل او جملۂ قلیل اکثیرا بدست عبدالجلیل وشیخ حاتم وفاضل محمد پسران شیخ عبداللہ ساکنان مذکور بمبلغ پانزدہ عدد روپیہ سکہ رائج الوقت کہ النصف مبلغ ہفت ونیم عدد روپیہ میشوند بہ بیع صحیح شرعی فروخت ومشتریان مذکوران بتفصیل ذیل خرید کردند وتقابض بدلین بین الجانبین بالثمن والمثمن در مجلس بیع .... یک دیگر حاصل .... کہ مبلغ مذکورہ تمام وکمال مقر مذکور وصول یافت وزمین مذکور حوالہ مشتریان مذکورین کردند بکل الوجوہ لادعوی ابراء عام داد۔ بنا بران این چند کلمہ از اقرار مقر مذکور نوشتہ شد کہ عند الحاجت حجت باشد۔ نصف الکل عبدالجلیل مذکور خرید ونصف الکل شیخ حاتم وفاضل محمد خرید کردند۔

وکان فی التاریخ پنجم شہر رجب المرجب ۱۰۲۰ھ

مواہیر: (۱) شیخ نظام ابن شیخ محمد مفتی .... بندہ درگاہ ۱۰۲۰

(۲) مبارک است سلیمان یقین اہتمام امور شرع متین

(۳) العبد شیخ محمود زرخ نویس ابن شیخ جیو خطیب

(۴) علی اکبر ابن قاضی اشرف صدیقی المتوکل علے اللہ الحقیقی

دستخط: (۱) کتبہ العبد صدر جہاں ولد شیخ محمد مفتی بخط آنچہ در ... است .... واقع است

(۲) العبد نعمت اللہ ولد قاضی شیخ جیو بخط

(۳) .... جہاں عبد الجلیل

(۴) شہد بما فیہ خواجہ خضر ولد قاضی نقیخاں بخط

شمس الدین احمد بن ... [illegible] ... الحاج محمد ... صدیقی

۵

پروانۂ عطائے جاگیر ۱۵ جمادی الثانی ۱۰۶۴ھ ۳ مئی ۱۶۵۴ء

تعارف: امیر پرگنہ کی سفارش پر نواب محمد علی خاں نے مشیخت مآب شیخ رحمت اللہ خطیب کو تا بیس بیگھ اراضی عطا کی۔ پروانہ بمہر کمندہ اس جاری ہوا۔ باقی مواہیر اور دستخطوں سے اوپر لکھا ہے: "برحسب تصدیق چودھریاں وقانونگویاں و مقدماں و .... مذکورہ .... جمع نمودہ .... مہر نمودہ شد" اس سے مراد ہے کہ مواہیر اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ دستخط کنندگان کو اطلاع دی گئی۔

متن

اللہ اکبر

حکم نامہ حضرت ظل سبحانی عالم عالمیان نواب محمد علی خاں مدد معاش بنام مشیخت مآب شیخ رحمت اللہ خطیب وغیرہ قصبہ مم بموجب پروانچہ وزارت و امانت دستگاہ ... اقبال و جلال دستگاہ موازی بست ہفت بیگہ زمین پختہ بنجر خارج جمع افتادہ لائق زراعت از سواد قصبہ مم ... از ابتدائے فصل خریف ... سنہ ... ملازمان حکومت پناہ ... محکمہ مذکور و چودھریان و قانونگویان و مقدمان پیمودہ و چک بستہ حوالہ مومی الیہ نمودہ شد۔ حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال صرف معیشت خود نمودہ در دعاگوئی بندگان و نواب قدسی القاب شاہزادہ مشغول بودہ شد۔

معہ

قطعہ

رقبہ	....
پیوستہ معاش	پیوستہ زمین
مشارالیہ	بیت شرقی وغیرہ جاہو
جنوب	شمال
پیوستہ راہ موضع	پیوستہ ابنائے
... متصل زمین	قاضی احمد و
شیخ ثانی و نظام ...	عبداللطیف

قطعہ

۲ بیگہ

رقبہ	....
پیوستہ زمین	پیوستہ مدد معاش
چاہ خواجہ امانی	شیخ ثانی
جنوب	شمال
پیوستہ زمین	پیوستہ ابناء
... مذکور	قاضی احمد

مقسومہ

ابناء شیخ نصیر خاں	۱۵/عہ
زمین پاپان ۱۵/عہ قطعہ قطعہ قطعہ	زمین کشت چہار مالی کہ محدود و مشہور است کلاو ... سیلاب
سنار والہ کیاری راہ حوض	... ...
جانب شرق منکن والہ ایک ۵ ۱/عہ	

بر اراضی یکدیگر قطعات چاہی و کشتہا قسمت نامہ نویسانیدہ گرفتہ کہ بس بعد کسے ازیں عدول ورزد.
اگر عدول ... و دروغ و باطل ... مسموع است ۔ بنابراں ایں چند کلمہ بطریق ... نوشتہ شد کہ سند باشد

تحریر فی التاریخ ۲۰ شہر شوال ۱۰۰۰ھ ہجری مطابق جلوس ...

مواہیر: اصل تحریر پر جو پانچ مہریں تھیں ان کی علامتیں

(۱) ... اہتمام ...
(۲) حبیب اللہ مفتی
(۳) بولاقی ابن محمود
(۴) فاضل ابن شیخ عبداللہ
(۵) قاضی سعید یافت قضائے مبم زشاہ

شہادت: (۱) العبد رحمت اللہ ولد شیخ جہانگیر کہ وکیل میاں محمد مراد صاحب
(۲) العبد شیخ شہاب الدین
(۳) گواہ شد باقر محمد ولد شیخ کرانی باذنہ
(۴) گواہ شد شیخ برہان ولد شیخ مصطفےٰ
(۵) شہد بما فیہ العبد فرض اللہ ولد باسط بخطہ
(۶) بگفتہ زینب بنت شیخ شہر اللہ ... انداختہ شد

مہر تصدیق نقل: "قاضی سید امید علی خادم شرع نبی"

۷

فرمان اورنگ عالمگیر مصدرہ ۱۵ رجمادی الثانی ۱۰۷۴ھ

تعارف: اصل فرمان میرے پاس ہے۔ شاہنشاہ اکبر نے ۱۰ ربیع الثانی ۹۸۱ھ کے فرمان کے ذریعہ شیخ عبداللہ ملقب (باب ۲) کو ۶۰۰ بیگھہ زمین عطا کی تھی۔ ان کے انتقال پر یہ اراضی ان کے ورثاء اور ان کی اولاد کے پاس رہی۔ ایسے ہی ایک وارث کی ۳۰ بیگھہ زمین کی بابت یہ فرمان ہے۔

متن

مہر اورنگ زیب بہادر عالمگیر ۱۰۶۹

اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ ...

گماشتہائے جاگیرداران و کروڑیان حال و استقبال پرگنہ مہم سرکار حصار را اعلام آنکہ
چوں بموجب فرمان عالیشان حضرت عرش آشیانی ۱۰ شہر ربیع الثانی سنہ ۹۸۱ موازی سی و ہشت
بیگہ زمین از جملہ زمان شیخ عبداللہ ملقب در وجہ مدد معاش احمدلاد ... وغیرہ سکنہ ... ...
صدر سابق باسم اجمل وغیرہ تجویز نمودہ بود ... و ودیعت ... میر وند ۔ در نیولا بولا وغیرہ
اولاد متوفی حاضر آمدند و بتصدیق مردم معتبر بوضوح پیوست کہ ہمیں اشخاص حی قائم قابض و متصرف
اند و از ممر دیگر وجہ معیشت ندارند۔ بنابراں تصدق فرق مبارک بندگان حضرت خلافت منزلت
سلطنت شوکت اراضی مذکورہ را از محل قدیم بدستور سابق بشرط قبض و تصرف مقرر و مسلم داشتہ
شد۔ می باید کہ زمین مسطورہ بصرف مومی الیہم باز گذاشتہ اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدل بداں راہ
ندہند کہ حاصلات آں را فصل بفصل سال بسال متصرف شدہ بدعائے دوام دولت ابدیت
اتصال مشغول بودہ باشند۔

تحریر فی التاریخ ۱۵ شہر جمید الثانی ۱۰۷۴ مطابق جلوس میمنت سنہ ۶

مہر صدر

۸

فرمان اورنگ عالم گیر مجریہ ۱۹ر جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ

تعارف: شاہجہان کے عہد میں مشیخت مآب شیخ مداری (۲۰ اب) کو دس بیگھہ زمین عطا ہوئی تھی۔ اورنگ زیب عالم گیر نے اس اراضی کی تصدیق و تجدید کی۔ یہ فرمان مفتی عزیز اللہ شہید (باب) کی بہے جاری ہوا۔ میرے پاس ہے۔

متن

ہو الغنی

امیر المومنین ابوالظفر محی الدین محمد
اورنگ زیب بہادر بادشاہ غازی

گماشتہائے جاگیرداران و کروریاں حال و استقبال پرگنہ مہم سرکار حصار را اعلام آنکہ
چوں بموجب پروانچہ حکام سابق ... ۱۹ شہر صفر ۱۰۵۶ھ موازی دہ بیگھہ زمین در وجہ مدد معاش
مشیخت مآب صلاح آثار شیخ مداری خطیب در پرگنہ مذکور مقرر است۔ درینولا مشار الیہ حاضر آمدہ
بتصدیق مردم معتبر بوضوح پیوست کہ ہمیں شخص حی و قائم قابض و متصرف است۔ بنابراں تصدق فرق
مبارک بندگان حضرت خلافت منزلت سکندر شوکت اراضی مذکورہ را از محل قدیم بدستور سابق بشرط
قبض و تصرف مقرر و مسلم داشتہ باشد۔ می باید کہ زمین مسطورہ را بتصرف موصی الیہ بازگذاشتہ اصلا
و مطلقاً تغیر و تبدیل بداں راہ ندہند کہ حاصلات فصل بفصل سال بسال متصرف بودہ بدعاگوئے دوام
دولت ابدیت اشتغال معمورہ باشند۔ دریں باب تاکید تمام دانستہ تخلف و انحراف نورزند۔
تحریر فی التاریخ ۱۹ شہر جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ ہجری مطابق جلوس میمنت
مانوس سنہ ۲ باشد۔

عالم گیر
بادشاہ
اورنگ زیب
بندہ
عزیز اللہ

۹
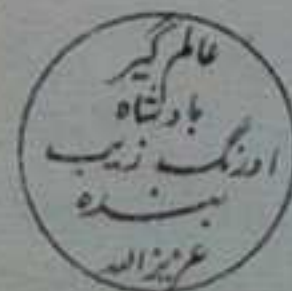
نقل فرمان اورنگ زیب عالمگیر ۲۵ر شوال ۱۰۷۰ھ

تعارف: اس فرمان کے ذریعہ ہمارے خاندان کی تین خواتین کو شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے ایک سو بیس بیگھہ یعنی پچھتر ایکڑ زمین عطا کی۔ اس فرمان کی مصدقہ نقل ہمارے پاس ہے۔ اس نقل فرمان کی پشت پر ایک اور سرکاری یادداشت کی نقل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرمان جاری ہونے کی تعمیل کیا ہے۔ ان دونوں کو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ کی تصدیق و تجدید مہاراجہ جسونت سنگھ نے کی۔ تسیمہ مہاراجہ جسونت سنگھ کی ایک مصدقہ نقل بمہر قاضی محامد خادم شرع شریف ہمارے پاس ہے۔

متن

نقل ـــــــــــــــ ۸

فرمان عالیشان از قرار بتاریخ ۲۵ شہر شوال سنہ آنکہ درینوقت فرمان عالیشان فرخندہ عنوان شرف صدور و عز ورود یافت کہ موازی یکصد و بست بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ مہم سرکار حصار فیروزہ از ابتدائے ربیع نیکوئیل (؟) در وجہ مدد معاش سماۃ نور بانو و غیرہ حسب الضمن مقرر و مسلم باشد کہ حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف معیشت خود بانمودہ بدعاگوئی بقائے دولت روز افزوں اشتغال معمورہ باشند۔ می باید کہ حکام عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال در استمرار و استقرار ایں حکم اشرف اقدس اعلی کوشیدہ اراضی مذکورہ را پیمودہ و چک بستہ بتصرف او بازگذاشتہ اصلا و مطلقاً تغیر و تبدیل بداں راہ ندہند و بعلت بالوجہات و اخراجات مثل تلفہ و پیشکش و جریبانہ و ضابطانہ و مہرانہ و داروغگانہ و بیگار و شکار و دہ بینی و مقدمی و صدروئی و قانونگوئی و ضبط ہر سالہ بعد تشخیص چک و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند و دریں باب ہر سال فرمان و پروانہ مجدد نطلبند و اگر در محل دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا شمار نکنند و از فرمودہ درنگذرانند و در عہدہ شناسند۔

تحریر تاریخ صدر

اس کے دوسری طرف

شرح یادداشت واقعہ بتاریخ روز شنبہ ۱۵ شہر رمضان المبارک سنہ جلوس مطابق ۱۰۷۰ھ مطابق فرد ماہ الٰہی برسالہ صدارت و فضیلت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت

یادشاہی قابل مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر عابد خاں و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگاں درگاہ ...
پناہ عزیزہ بیگ قلمی میگردد کہ بعرض اشرف اقدس اعلےٰ رسید کہ مسماۃ نور بانو وغیرہ منتظر ومالکہ
اندوا از ہیچ ممر وجہ معیشت ندارند۔ حکم جہاں مطاع آفتاب شعاع گردوں ارتفاع واجب الاتباع
لازم الانقیاد شرف نفاذ یافت کہ موازی یک صد و بیست بیگھہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج
جمع از پرگنہ مہم سرکار حصار فیروزہ در وجہ مدد معاش آنہا مرحمت فرمودیم واگر در محل دیگرے چیزے داشتہ
باشد آنرا اعتبار نکنند بموجب ...... بمہر حصمت پناہے راہ باز تصدیق قلمی شد۔ واقعہ بتاریخ ۱۱ شہر
شعبان المعظم سنہ جلوس والا بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد شرح بخط صدارت وفضیلت پناہ
شرافت ونجابت دستگاہ صدر جلیل القدر عابد خاں آنکہ داخل واقعہ نمایند۔ شرح بخط عمدہ وزرائے
رفیع الشان زبدہ خوانین بلند مکاں خاں سعادت نشان جملۃ الملکی مدار المہامی جعفر خاں آنکہ داخل دفتر
نمایند۔ شرح بخط واقعہ نویس مطابق واقعہ است۔ شرح بخط سیادت ونقابت پناہ رفعت و
معلےٰ دستگاہ اشرف خاں آنکہ ۴ شوال سنہ جلوس ہمایوں مکرر بعرض مقدس معلےٰ رسید۔ شرح بخط
مؤتمن الدولۃ العلیہ معتمد السلطنۃ البہیہ عمدہ وزرائے رفیع الشان زبدہ خوانین بلند مکان ناظم مناظم ملک
ومال ناہج مناہج دولت واقبال شائستہ انواع عنایت سزاوار اصناف رحمت جملۃ الملکی مدار المہامی
جعفر خاں آنکہ از ابتدائے ربیع ...... فرمان عالیشان قلمی نمایند۔
شرح بخط صدارت وفضیلت پناہ شرافت ونجابت دستگاہ صدر جلیل القدر عابد خاں
آنکہ بگذارند۔

مشار الیہ	مسماۃ	مسماۃ
صد ر	خان پے پے	رابعہ
	۵۰ ر	۵۰

مہر تصدیق، مطابق اصل است "قاضی محامد خادم شرع شریف"

پروانہ جائداد بمہر رسول صدر ۹ شعبان ۱۰۷۹ھ ۲۲ جنوری ۱۶۶۹ء

تعارف: شیخ رحمت اللہ بن مولانا ابوالغیث جہانگیر خطیب (۱۰۲ اب) کی مدد معاش کی شاہ
عالمگیر نے تصدیق کی۔

متن

ہو الغنی

گماشتہائے جاگیرداراں وکروڑیاں حال واستقبال پرگنہ مہم سرکار حصار را اعلام آنکہ
چوں بموجب اسناد حکام وتصحیحہ صدور سابقہ موازی البست وہشت بیگھہ زمین در وجہ مدد
معاش شیخ رحمت اللہ خطیب از پرگنہ مذکور مقرر است۔ درینولا مشار الیہ حاضر آمد تصدیق معتبر
آورد کہ ہمی شخص ی وقایم قابض ومتصرف است۔ چوں حکم جہاں مطاع آفتاب شعاع شرف صدور
ورود دریافت۔
بموجب نشانی واسناد حکام مدد معاش ویومیہ داشتہ باشد وطاقت آمدن حضور ندارد
اوقات و سلم دارند۔ بنا براں فرق مبارک بندگان حضرت خدیو زمین وزماں باعث امن وامان
عالم پروردگار رحمت اعظم آفریدگار ظل ظلیل ایزد متعال نائب جمیل داور...... خلیفۃ الرحمانی ظل سبحانی
پادشاہ عالمگیر خلد اللہ ملکہ بتصحیحہ رسانیدہ شد می باید کہ اراضی مسطورہ کہ محل قدیم بدستور سابق بشرط
آنکہ آمد حسب بعض بحال خود دانستہ واگذارند کہ حاصلات آں را فصل بفصل وسال بسال در
وجہ معیشت خود صرف نمودہ بدعا بقائے دولت ابدیت اشتمال مشغول باشد۔ دریں باب تاکید تمام
دانند۔

۱۱

فرمان شاہ عالمگیر مجریہ ۲ رمضان ۱۰۷۹ھ ۲۵ جنوری ۱۶۶۹ء

تعارف: شیخ عبداللہ محتسب کو جو جاگیر ملی تھی اس میں سے پچیس بیگھہ زمین محمد افضل اور مسماۃ خانزادی کو ملی۔ افضل کے فوت ہونے پر اس کا حصہ محمد قائم کو ملا۔ اس پروانہ کی رو سے اس مدد معاش کی تصدیق کی ہے۔ میرے پاس ہے۔

متن

ہو الغنی

گماشتہائے جاگیرداران و کروریان حال و استقبال پرگنہ ہیم سرکار حصار را اعلام آنکہ

چوں بموجب فرمان عالیشان عرش آشیانی از قرار بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۰۱۹ موازی بست و پنج بیگہ زمین منجملہ فرمان شیخ عبداللہ محتسب و جماعہ در وجہ مدد معاش شیخ افضل از پرگنہ مذکور مقرر بود و شاہ الیہ دو دیعت سند صدور سابقہ اراضی مسطورہ را باسم شیخ فرید و مسماۃ خانزادی وارثان متوفی مذکور نمودہ بحال داشتند۔ شیخ فرید نیز فوت شد۔ در نیولا محمد قائم ورثہ شیخ فرید متوفی مذکور و خانزادی بموجب ...... حاضر آمدند و تصدیق معتبر آوردند کہ ہمیں اشخاص حی و قایم قابض و متصرف اند بنا برآں اللہ تعالیٰ فرق مبارک بندگان حضرت خدیو زمین و زمان باعث امن و امان مظہر اتم پروردگار رحمت الٰہی آموزگار ظل ظلیل ایزد متعال نائب نبیل دادار... خلیفہ الرحمانی ظل سبحانی بادشاہ عالمگیر خلد اللہ ملکہ تصحیح رسانیدہ شد می باید کہ اراضی مسطورہ را از محل تقدیم بدستور سابق بشرط قبض و تصرف حسب الضمن بحال خود دانستہ واگذارند کہ حاصلات آں را فصل بفصل و سال بسال در وجہ معیشت خود ہا نمودہ بدعائے دولت ابدیت اشتمال میمنودہ باشند۔ دریں باب قدغن تمام دانند۔

تحریر فی التاریخ ۲ رمضان المبارک سنہ ۱۱ جلوس والا مطابق سنہ ۱۰۷۹ ہجری

مہر: ز سو لطف عنایات شہ بندہ نواز ممتاز بمنصب صدارت گردید ۱۰۷۸ھ — عبد الوہاب علی نیاز

۱۲

نقل فرمان متعلق شیخ اجمیری ۳ ربیع الاول ۱۰۸۱ھ ۱۴ جولائی ۱۶۷۰ء

تعارف: میرے پاس ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے شیخ اجمیری بن شیخ محمد جمال (د ۱۰۸۲ھ) کو پچاس بیگھہ اراضی دی۔ ان کی اولاد سے اب کوئی مرد حیات نہیں۔ پیر وزیر الدین جیمی (د ۱۲۰۲ھ) اور وزیر الدین رہتکی (د ۱۲۰۸ھ) کی ازواج شیخ اجمیری کی اولاد سے تھیں۔ یہ نقل میرے پاس ہے۔

متن

ظل سبحانی خلیفہ الرحمانی خلد اللہ ملکہ ابد

از قرار بتاریخ سیزدہم ربیع الاول سال چہاردہم جلوس والا نوشتہ شد آنکہ درینوقت فرمان والا شان سعادت نشان شرف صدور یافت کہ موازی پنجاہ بیگھہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ ہیم سرکار حصار مضاف بصوبہ دار الخلافہ شاہ جہان آباد از ابتداء خریف تیکوریل در وجہ مدد معاش شیخ اجمیری وغیرہ حسب الضمن مقرر باشد کہ حاصلات آں را صرف مایحتاج خود ہا نمودہ بدعائے بقائے دولت ابد طراز مواظبت نمایند۔ باید کہ حکام عمال جاگیرداران و کروریان حال و استقبال زمین مذکور را پیمودہ و چک بستہ بتصرف آنہا بازگذارند۔ اصلاً مطلقاً تغیر و تبدیل بداں راہ ندہند بلکہ اخراجات مثل قلقلہ و پیشکش و جریانہ و ضابطانہ و محصلانہ مہرانہ داروغانہ و بیگار و شکار و دہنی متقدی صدودی و نانکوری و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکرار زراعت کل تکالیف دیوانی مطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند دریں باب ہر سال سند مجدد جیزی داشتہ باشند آں را ابتار نکنند۔

تحریر فی التاریخ صدر

مہر: نعیم قاضی خادم شرع شریف محمد ۱۱۰۵ھ۔ نقل مطابق اصل۔

۱۴

نقل قسمت نامہ جائداد مفتی حبیب اللہ (باب) غرہ ربیع الثانی ۱۰۸۲ھ ۔۔ ۸ جولائی ۱۶۷۱ء

تعارف: میرے پاس ہے۔ نقل مابعد ۱۲۴۴ھ کی ہے

متن

باعث تحریر ایں سطور واقعی آنکہ منکہ شیخ حبیب اللہ مفتی ولد شیخ امان اللہ بن شیخ نظام مفتی پرگنہ
قصبہ بہم سرکار حصار مضافات صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد ام۔ در عین حیات صحت نفس و ثبات عقل
طائعاً و راغباً بحضور خود ہر شش فرزنداں باسم شیخ ہدایت اللہ و شیخ محمد حاکم و شیخ جعفر و شیخ محمد اسلم و
شیخ عبدالقدوس و شیخ عزیز اللہ آنچہ املاک زرعی و خانہائے ملکی موروثی و خریدگی ... بنام فرزندان
خود خریدہ بود در غولا ... تا ایں یوم در قبض و تصرف خود داشتم۔ ہر شش فرزندان مذکوران
بعمارت خشت پختہ و بعض با عوض خانہ بعد علاحدہ علاحدہ تفویض و تملیک ... مالک و قابض کردہ
در تصرفات ہرکدام ارزانی باشد و برادران مذکوران باخلاص باشند و در رضا بودہ باشد و درمیان خود ...
من بعد یکے را بدیگرے ازیں تاریخ دعوے و نزاع و خصومت نماندہ ... اگر من بعد ازیں تاریخ دعوی
و خصومت بماند ... باطل و مسموع۔

مقسومہ

باسم شیخ ہدایت اللہ و محمد جعفر مذکوران ...
کہ بمبلغ سہ صد و بست ... قیمت حویلی سہ بعض ... مشاعاً ... شرعی کنانیدہ ...
مذکورہ در مقسومہ ہدایت اللہ و محمد جعفر رسیدہ

شرقے	غربے	شمالے	جنوبے
پیوستہ ... وگذر حویلی مذکور	متصل محمد شریف ولد شیخ چاند	خرید ہدایت اللہ و محمد جعفر از دست محمد اسلم مذکور	شارع عام ....

مقسومہ

باسم شیخ محمد حاکم مذکور ... خریدگی شیخ حبیب اللہ و قطب العالم بقسمت کاتب العبد
حبیب اللہ رسیدہ و بعض خریدگی ... محمد حاکم مذکور رسیدہ بارزانی باشد بدیں حدود

شرقے	غربے	شمالے	جنوبے
متصل شارع عام	متصل عبداللطیف ولد ملا نظام	پیوستہ شارع عام	پیوستہ خانہ ہدایت اللہ

مقسومہ

باسم شیخ محمد اسلم و عبدالقدوس مذکوران

خانہ ابوالفتح والہ کہ در و سکونت دارم از شرکت قطب العالم بہ بندہ رسیدہ محمد اسلم و عبدالقدوس	مبلغ یکصد و شصت روپیہ حصہ مقسومہ

مقسومہ

باسم شیخ عزیز اللہ مذکور مبلغ یکصد و شصت روپیہ	مشارٌ الیہ مقرر کردہ

خانہ مرہونہ بابت مرود عبدالمجید انصاری	ہمہ نقد
معطلے	باقی

دستخط جو اصل کاغذ پر تھے

(۱) العبد غلام محی الدین ولد شیخ قطب العالم بخطہ
(۲) العبد عبدالقدوس ولد شیخ حبیب اللہ مفتی آنچہ دریں سطور است بندہ را قبول است۔
(۳) العبد محمد جعفر ولد شیخ حبیب اللہ مفتی دریں سطور است بندہ را قبول است۔
(۴) العبد محمد حاکم ولد شیخ حبیب اللہ مفتی آنچہ دریں سطور بندہ را قبول است۔
(۵) العبد محمد اسلم ولد شیخ حبیب اللہ مفتی آنچہ دریں سطور است بندہ را قبول است۔
(۶) شیخ ہدایت اللہ ولد شیخ حبیب اللہ مفتی آنچہ حضرت قبلہ گاہی قسمت کردہ دادند قبول است

اعتراف نمودہ پسران مذکور

تحریر بتاریخ غرہ ربیع الثانی ۱۰۸۲ سنہ ہجری

مہر: (۱) علامت مہر: شد حبیب اللہ مفتی مقتدی علماء دین
(۲) مہر تصدیق: قاضی سید ابید علی ۱۲۴۴ مطابق اصل

۱۴

بیعنامہ بنام مفتی حبیب اللہ ۵ ذی الحجہ ۱۰۸۶ھ ۱۰ فروری ۱۶۷۶ء

تعارف: میرے پاس ہے۔ مفتی حبیب اللہ (باب ۲) نے جاٹوں سے ۲۶ بیگھہ دس بسوہ زرعی زمین سوا تیرہ روپے میں خریدی۔ یہ عہد اورنگ زیب عالمگیر کی بات ہے۔

متن

اللہ اکبر۔ اقرار کردند و اعتراف صحیح شرعی نمودند مخبر باسم و نسب خود ہا مسما موتا ولد ۔۔۔ ابن ۔۔۔ و مان ولد ہانسا ابن اود ہا قوم جت ساکنان قصبہ جھم سرکار حصار فی حالہ ۔۔۔ تصرفات شرعی برانجملہ ۔۔۔ زمین زرعی افتادہ ملکی موروثی خود ہا کہ واقعہ در سواد قصبہ مذکور است موازی بیست و شش و نیم بیگہ ۔۔۔ بدست شیخ حبیب اللہ ولد شیخ امان اللہ بن شیخ نظام مفتی قصبہ مذکور فروختیم و مشتری مذکور خرید کرد محدودہ مشہورہ بدیں حدود الاربعت

شرقی	غربی	شمالی	جنوبی
پیوستہ آن زمین ۔۔۔	پیوستہ زمین افتادہ و ابر جلال لادو بعضے شاہ محمد انصاری	پیوستہ آن زمین حوض کہ موتا و مان مذکوران	پیوستہ آن زمین مان ولہ ۔۔۔

الحدود و علامات ظاہرات بجمیع الحقوق و المرافق بثمن مبلغ سیزدہ روپیہ و ما لا الغفف منہ شش روپیہ و دہ آنہ عالمگیری موصوفہ بصفہ مذکورہ صفقہ واحدۃ و قد اقر المتعاقدین المذکورین بوقوع التقابض الشرعی بینہم فی الیدین المذکورین و المتعاقدون المذکورون بہ بیع صحیح شرعی از ختم مشتری مذکور خرید کرد و تقابض بدین بین الجانبین بالثمن و تراضی در مجلس حاصل گشت بموجب شریعت غرا ضامن بالدرک لازم است اگر بوقوع استحقاق آید بندہا جواب گوئیم و زمین مذکور را حوالہ مشتری مذکور کردیم و مبلغ مذبور تمام و کمال گرفتیم و در قبض تصرف خود ہا آوردیم من کل الوجوہ لا دعوی ابرای عام و تبرای تام نوشتہ دادیم کہ ثانی الحال حجت باشد بنا بر علیہ این چند کلمہ بطریق بیع قلمی شد۔

۔۔۔ تفصیل ذیل

۳ بیگہ قدیمی ۱۰ بسوہ	۳ ۳
موتا ولد الحا مذکور موازی دہ و نیم بیگہ ۱ بیگہ قدیمی ۱۰ بسوہ	مان و ہانسا مذکور موازی شانزدہ بیگہ ۱ بیگہ قدیمی

و کان ذلک تحریر فی پنجم شہر ذی الحجہ ۱۰۸۶ ہجری

مہر: قاضی سعید یافت تقضائے جہم زشاہ ۱۰۵۷ء باقرار موتا و مان مہر نمودہ

دستخط: (۱) گواہ شد پرمانند قانون گوی

(۲) 〃 حیات مقدم

(۳) 〃 میاں محمد ولد عماد انصاری مقدم

(۴) جھجو ولد برہا انصاری

(۵) جان محمد ولد شاہ محمد

(۶) سات دستخط ہندی میں

۱۵

فرمان شاہ عالمگیر مجریہ ۲۴ جمادی الاول ۱۰۹۲ھ

تعارف، شاہنشاہ اکبر نے شیخ عبداللہ محتسب بن مفتی محمد کو ۲۰۸ بیگھہ اراضی عطا کی۔ ان کے انتقال پر یہ اراضی ان کے ورثا میں تقسیم ہو گئی۔ ان کی دختر نور بی بی کے پوتے محمد مراد (۵۵ ب) کو اپنے وقت پر سترہ بیگھ سترہ بسوہ زمین ملی۔ جس کی یہ تصدیق ہے۔ محمد مراد کی اولاد کا حال باب ۲، میں ۵۵ ے ۵۸ نمبر پر کیا جا چکا ہے۔

مــتن

ہوالغنی

شاہ عالمگیر خلد اللہ تعالے ملکہ

گماشتہائے جاگیرداران وکروڑیان حال واستقبال پرگنہ ہسم سرکار حصار من مضاف صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد را اعلام آنکہ

چوں بموجب فرمان عالیشان عرش آشیانی از قرار بتاریخ ۲۰ شہر ربیع الثانی ۹۸۱ھ موازی ہژدہ بیگھ وہژدہ بسوہ زمین منجملہ فرمان شیخ عبداللہ محتسب وجماعہ در وجہ مدد معاش ... از پرگنہ مذکور مقرر بود ... وتصدیق مشارالیہ ودیعت ... صدور سابقہ اراضی مذکورہ باسم محمد مراد وغیرہ وارثان متوفی ... مردم معتبر بوضوح پیوست کہ ہمیں اشخاص حی وقایم وقابض ومتصرف اند از ممر دیگر وجہ معیشت ندارند بنا براں تصدق فرق مبارک بندگان حضرت خدیو زمین وزماں باعث امن وامان مظہر اتم پروردگار رحمت اعم آفریدگار ظل ظلیل ایزد متعال نائب نبیل دادار خلیفہ الرحمانی ظل سبحانی شاہ عالمگیر خلد اللہ تعالے ملکہ بتصحیح رسانیدہ شد می باید کہ اراضی مسطورہ را از محل قدیم بدستور سابق بشرط تبیض وتصرف حسب الضمن بحال خود داشتہ واگذارند کہ حاصلات آنرا فصل بفصل وسال بسال در وجہ معیشت خود نمودہ بدعا گوئے دوام دولت ابدیت استقبال مینمودہ باشند ودریں باب تاکید تمام دانند۔ حسب المسطور عمل نمایند

تحریر فی التاریخ ۲۴ شہر جمادی الاول سنہ ۲۴ جلوس معلے مطابق ۱۰۹۲ ہجری

مہر: ترسول ز عنایات شہ بندہ نواز ممتاز بمنصب صدارت گردید ۱۰۸۶ھ

(دیکھا)

۱۶

قسمت نامہ اراضی ۲۵ ربیع الاول ۱۰۹۶ھ ۱۹ فروری ۱۶۸۵ء

تعارف، مفتی حبیب اللہ (باب ۲) اور ان کے بھتیجے نے اپنی مشترکہ ایک سو اکیس بیگھ ۔ البسوہ زرعی زمین آپس میں تقسیم کی۔ اس پر مفتی حبیب اللہ اور محمد مراد بن عبدالمنعم (۵۵ ب) کی مواہیر اور دستخط بھی ہیں۔

مــتن

غرض ازیں نوشتہ آنکہ مایاں کہ شیخ حبیب اللہ ولد شیخ امان اللہ ابن شیخ نظام مفتی و شیخ غلام محی الدین ولد شیخ قطب العالم ابن شیخ امان اللہ مذکور، چوں بعضے زمین زرعی از چاہ و کشتہا محدودہ و ذخیرہ گے وغیرہ درمیان مایاں مشترک بود۔ درینولا بطوع ورغبت خود با بلا اکراہ واجبار مقرر کردیم کہ ہر واحد از مایاں باراضی مذکورہ از آن شدہ بموجب ذیل علیحدہ علیحدہ مالک وقابض و متصرف باشد ... کم حاصلی وکم وزیادتی ... احیاناً کسے از شرکاء کہ مافوق مایان اند قسمت را نکو دانند۔ اینہم بکمروہ والاخرو یا معاندے حق حق بدعوی و ... ہمیں زمین کہ منقسم میشود۔ ملزم شود بجواب مدعی وخرچ کم وزیادتی آں زمین ہر دو شریک شویم۔ بنابراں ایں چند کلمہ بطریق قسمت نامہ نوشتہ کہ ... وعند الحاجت میشود۔

مقسومہ شیخ حبیب اللہ — معرضہ

زمین چاہی کہ تعلق بہ چاہ عبدالمجید والہ و ننگن والہ [illegible]

زمین کشتہا [illegible] تمام

قطعہ — بروالہ [illegible] بیگھ — نصف ... طرف غرب [illegible]

قطعہ — ہیبت والہ [illegible] — [illegible] بیگھ

کیاری ... [illegible] بیگھ

محصول کشت کھائی [illegible]

کشت کلاں [illegible] قطعات [illegible]

ایضاً کشت کلاں [illegible] بیگھ — قطعہ کھرپائے

کشت ... [illegible] بیگھ [illegible] بیگھ

مقسوم شیخ غلام محی الدین ولد شیخ قطب العالم — للعہ ۳۲ / ۱۰ البوہ

زمین چاہی تعلق بر چاہ ہائے مذکور — زمین کشت ۱/ مشہ

قطعہ — قطعہ — قطعہ — قطعہ

... — صدر جہال والہ مشہ ۵ البوہ — ۵ البوہ — سہ بیگہ — بطرف شرق عہ — موصول کشت جہاروے مشہ خام — کشت دہلی للعہ بگیر

تحریر فی التاریخ بست و پنجم ربیع الاول سنہ ۱۰۹۷ ہجری

مواہیر: (۱) "شد حبیب اللہ مفتی مقتدی علمائے دین"

(۲) "مراد ... تو از خدا و محمد" یعنی مراد بن عبد المنعم کی مہر

دستخط: (۱) "العبد شیخ حبیب اللہ ولد شیخ امان اللہ مفتی آنچہ در صدر قسمت کردہ قبول است"

(۲) "العبد شیخ غلام محی الدین ولد شیخ قطب عالم ابن شیخ امان اللہ مفتی آنچہ در صدر قسمت کردہ قبول است"

(۳) "گواہ شد شیخ محمد مراد بن عبد المنعم بخط"

(۴) "گواہ شد غریب اللہ بخط"

(۵) "گواہ شد شاہ میاں ولد شیخ محمد مراد بخط"

[illegible]

۱۷

تمسک مبادلہ جائداد ۲۱ ربیع الثانی ۱۰۹۷ھ / ۷ مارچ ۱۶۸۶ء

تعارف: یہ مبادلہ جائداد محمد اسلم (۳۱ ب ۱) ہدایت اللہ (۲۴۵ ب) اور مفتی محمد جعفر (باب ۲) کے درمیان تھا۔ یہ کاغذ میرے پاس ہے۔

متن

غرض ازیں نوشتہ آنکہ منکہ محمد اسلم ولد شیخ حبیب اللہ مفتی ام چوں خانہ بابت اعظم خان افغان کہ ولی نعمت حضرت پدر جیو بنام بندہ خریدہ بود۔ بندہ باتفاق حضرت ولی نعمت جیو خانہ مذکورہ را بدست اخوان پناہ شیخ ہدایت اللہ و محمد جعفر فروختہ بود۔ ثانیاً حالے خانہ مذکورہ واپس دادند۔ از انجملہ موازی سیزدہ درعہ زمین در خانہ خود یا داخل کردہ عوض آں چہار نیم درعہ زمین منجملہ زمین بندو والہ و مبلغ پانزدہ روپیہ قیمت آں بہ بندہ دادند۔ در قبض و تصرف خود آوردیم۔ بنا براں ایں چند کلمہ بطریق تمسک و قبض الوصول شرعی نوشتہ دادم کہ عند الطلب حجت باشد۔

تحریر فی التاریخ بست و یکم ربیع الثانی سنہ ۱۰۹۷

مہر: "عبد القدوس بن حبیب اللہ ۱۰۹۳"

دستخط: (۱) "العبد محمد اسلم ولد شیخ حبیب اللہ مفتی بخط"

(۲) "گواہ شد عبد القدوس ولد شیخ حبیب اللہ مفتی بخط"

(۳) "گواہ شد شاہ میاں ولد شیخ محمد مراد بخط"

۱۸

نقل چکنامہ غرہ ربیع الاول ۱۱۱۷ھ ۲۳ جون ۱۷۰۵ء

تعارف: ہمارے خاندان کی پانچ خواتین کو اورنگ زیب عالم گیر نے پچاس بیگھہ اراضی عطا کی۔ ان میں سماۃ نیاض بانو حضرت شاہ عبد الحکیم (باب ۱۵) کی ہمشیرہ اور حامد علی (باب) کی والدہ کی دادی تھیں اور خدیجہ قاضی محمد مکرم (باب ۹) اور قاضی علی اکبر (باب ۲) کی ہمشیرہ تھیں۔ اس پروانہ میں ان خواتین کو اولاد زبدۃ الاولیا شیخ قوام الدین رہگی ہے لکھا ہے۔

متن

چکنامہ مبر تاریخ غرہ ربیع الاول سنہ جلوس والا آنکہ چکنامہ اراضی مدد معاش باسم سماۃ خدیجہ وغیرہ سکنہ قصبہ بہم ... پنجاہ بیگہ زمین پختہ بجز خارج جمع بموجب پروانہ بندگان امارت و امارت پناہ از قرار تاریخ غرہ شعبان سنہ ۲۵ جلوس عاملان وچودہریاں و قانونگویاں و زمینداران پرگنہ بہم بعنایت امیدوار بودہ بدانند کہ موازی پنجاہ بیگہ زمین بجز خارج جمع از پرگنہ مسطورہ در وجہ مدد معاش نیاض بانو وغیرہ کہ استحقاق تمام دارند و ... بیشتے ... حقر زینت ما زاد ولاد زبدۃ الاولیا شیخ قوام الدین رہگی می باشند حسب الحکم مقرر نمودہ شد باید کہ اراضی مذکور را پیمودہ بشانۂ الیہا واگذارند تا آنرا در وجہ معیشت خود ہا نمودہ بدعائے دولت ابدیت حضرت خدیو جہاں مشغول باشند۔ درین باب نظر تاکید تمام دانند و تخلف و انحراف نورزند۔ در نیولا امانت و رفعت پناہ محمود خاں متصدی محل بگیر ... از انجملہ ہشت بیگہ زمین پختہ بجز افتادہ خارج جمع لائق زراعت از ابتدائے فصل خریف ۱۰۹۲ فصلی از سواد قصبہ بہم باتفاق چودہریاں و قانونگویاں و متصدیاں و اہالی و موالی پیمودہ و چک بستہ حوالہ سماۃ مذکورہ نمودہ کہ حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف معیشت خود ہا نمودہ بدعائے دوام دولت ابدیت مشغول باشند۔

باسم نیاض بانو وغیرہ — ھہ

نیاض بانو	رقیہ	رفیعہ	خدیجہ	رفیعہ
عہ	عہ	عہ	عہ	عہ

قطعہ اول

ے	طول	عرض
	لـہ	لعہ

محدود الحدود

شرقے	غربے	شمالے	جنوبے
عبدالرزاق خطیب	شارع عام وغیرہ	سماۃ دولت بانو اہلیہ عظام	قاضی محمد سعید وغیرہ

قطعہ دوم

ے	طول	عرض
	ـہ	لعہ

محدود الحدود

شرقے	غربے	شمالے	جنوبے
پیوستہ آں زمین ابناء شیخ سوندہا صدیقی	پیوستہ آں کشت موضع ...	پیوستہ آں زمین ... قصبہ بہم	پیوستہ آں زمین کشت الہ یار و منصور وغیرہ و شارع عام موضع بدلیرو

قطعہ سیوم

ے	طول	عرض
	ـہ	لعہ

محدود

شرقے	غربے	شمالے	جنوبے
پیوستہ آں کشت وغائشہ	پیوستہ آں کشت سماۃ نیاض بانو ائمہ عظام	پیوستہ آں کشت ائمہ عظام	پیوستہ آں زمین ائمہ عظام جونی

تحریر فی التاریخ صدر سنہ

گواہ شد: ہندوی سے مراد ہے کہ اصل میں ہندی میں دستخط تھے۔

(۱) ہندوی پرتاپ سنگھ چودھری مقدم

(۲) ہندوی عنایت مقدم

(۳) ہندوی کرپارام چودھری مقدم

(۴) ہندوی حیات ولد سلطان مقدم

(۵) ہندوی سجان مقدم

(۶) پرمانند وہر پرشاد و گنجداس قانونگوی

(۷) دین رائے ولد پرتھی مل وانندروپ قانونگوے

مہر تصدیق: قاضی محامد خادم شرع شریف محمد سنہ ۳ مطابق اصل است

۱۹

پروانہ تجدید جائداد ۲۶ محرم ۱۱۲۳ھ ۵ مارچ ۱۷۱۰ء

تعارف: قاضی محمد طلب (؟) کی اہلیہ بی بی صالحہ بخت کو بیس بیگھہ زمین ملی ہوئی تھی۔ اورنگزیب کے جانشین شاہ عالم بہادر شاہ نے اس مدد معاش کی تجدید و تصدیق کی۔

متن

شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ

کما شتہائے جاگیرداراں و کروریان حال و استقبال پرگنہ سم سرکار حصار مضاف دار الخلافہ شاہجہان آباد را اعلام آنکہ

چوں بموجب اسناد حکام و تصحیحہ صدور سابق موازی بست بیگھہ زمین در وجہ مدد معاش بی بی صالحہ بخت در پرگنہ مذکور مقرر است در نیولا بتصدیق معتبر بوضوح پیوست کہ سماۃ مسطورہ حی و قائم قابض متصرف است و از ممر دیگر وجہ معیشت ندارد بنابراں بتصدق فرق مبارک بندگان حضرت خداوند زمین و زماں امت امن و اماں مظہر اتم پروردگار رحمت اعم آفریدگار ظل ظلیل ایزد متعال نائب جمیل داور... دولت ظل سبحانی بتصحیحہ رسانیدہ بحال و اشتہ شد می باید کہ اراضی مذکورہ را از عمل قدیم بدستور سابق بشرط قبض و تصرف حسب الضمن بحال خود دانستہ واگزارند کہ حاصلات آنرا فصل بفصل و سال بسال صرف معیشت خود نمودہ دعاگوئے دوام دولت ابدیت اشتغال نماید۔ و دریں باب قدغن دانند۔

تحریر فی التاریخ ۲۶ شہر محرم الحرام سنہ

محمد غازی ۱۱۲۳ شاہ عالم بادشاہ ۴ صلاح صدر و رو

بحر الطلوب عنایت

۲۰

پروانہ تجدید مدد معاش رمضان ۱۱۲۸ھ اگست ۱۷۱۵ء

تعارف : فاطمہ، ماہ بی بی، ماہ بانو، بی بی صاحب اور جنت بانو کو پچاس بیگھہ اراضی بطور مدد معاش ملی ہوئی تھی۔ فرخ سیر بادشاہ نے اس کی تجدید کی۔ یہ پروانہ میرے پاس ہے

متن

گماشتہائے جاگیرداراں و کروریان حال و استقبال پرگنہ صم سرکار حصار من مضافات صوبۂ دارالخلافہ شاہجہان آباد را اعلام آنکہ

چوں بموجب سند سیادت و رفعت پناہ سید مصطفےٰ دیوان فوجدار سرکار مذکور را از قرار واقعہ بتاریخ ششم شہر صفر سنہ موازی پنجاہ بیگھہ زمین در وجہ مدد معاش مسماۃ فاطمہ وغیرہا از پرگنہ مزبور مقرر بود درینولا بتصدیق معتبر بوضوح پیوست کہ ہمیں اشخاص حی و قایم و قابض و متصرف اند و از ممر دیگر وجہ معیشت ندارند بنا براں بتصدیق فرق مبارک بندگان حضرت خدیو زمین و زمان باعث امن و اماں مظہر اتم پروردگار رحمت اعم آفریدگار ظل ظلیل ایزد متعال نایب جمیل جمال خلافت پناہ ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانے بتصحیح رسانیدہ شد می باید کہ اراضی مسطورہ را از محل تدیم بدستور سابق بقبض و تصرف حسب الضمن بحال دانستہ وگذارند کہ حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال در وجہ مدد معیشت خود ہا نمودہ بدعاگوئی دوام دولت ابدیت اشتغال میمنودہ دریں باب تدغن تمام دانند۔

تحریر فی التاریخ شہر رمضان المبارک سنہ از جلوس میمنت مانوس

۲۱

پروانہ جاگیر محمد شاہ بادشاہ ۲ صفر ۱۱۳۷ھ ۱۱ اکتوبر ۱۷۲۴ء

تعارف : یہ میرے پاس ہے۔ محمد مراد کی اولاد کا حال باب ۳، میں ۵۵ سے ۵۸ نمبروں پر ہے

متن

گماشتہائے جاگیرداراں و کروریان حال و استقبال پرگنہ صم سرکار حصار مضاف صوبۂ دارالخلافہ شاہجہان آباد را اعلام آنکہ

چوں بموجب فرمان عالیشان عرش آشیانی از قرار بتاریخ ۱۰ شہر ربیع الثانی سنہ ۹۸۲ موازی ہزدہ بیگھہ و ہشت دہ بسوہ زمین بجملہ فرمان شیخ عبد اللہ معقب در وجہ مدد معاش عثمان از پرگنہ مذکور مقرر بود مشار الیہ فوت شد صدور سابق اراضی متوفی را بنام محمد مراد وغیرہ وارثان تجویز نمودہ بحال شد۔ درینولا بتصدیق مردم معتبر بوضوح پیوست مشار الیہا بموجب تجویز صدور سابق حی و قایم و قابض و متصرف اند و از ممر دیگر وجہ معیشت ندارند و تصحیحہ صدور سابق بدست دادہ بنا براں بتصدیق فرق مبارک بندگان حضرت خدیو زمین و زمان باعث امن و اماں مظہر اتم پروردگار رحمت اعم آفریدگار ظل ظلیل ایزد متعال نایب جمیل داور رسمال خلافت پناہ ظل بتصحیح رسانیدہ شد می باید کہ اراضی مسطور را از محل قدیم بدستور سابق بتشرط قبض و تصرف حسب الضمن بحال دانستہ واگذارند کہ حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال در وجہ معیشت خود ہا نمودہ بدعاگوی دوام دولت ابدیت اشتغال میمنودہ باشند۔ دریں باب تدغن تمام دانند۔

تحریر فی التاریخ ۲ شہر صفر سنہ ۶ جلوس مبارک

محمد غازی
شاہ عالم بادشاہ

۲۲

پروانہ محمد شاہ بادشاہ ۵ جمادی الاول ۱۱۳۰ھ ۲۹ دسمبر ۱۷۲۵ء

متن

اللہ

گماشتہائے جاگیرداران و کروریان حال و استقبال پرگنہ مہم سرکار حصار مضاف لصوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد را اعلام آنکہ

چوں بموجب فرمان عالیشان بندگان حضرت عرش آشیانی از قرار بتاریخ ۲۰ ارشہر ربیع الثانی سنہ ۴۱ موازی ہزدہ بیگہ زمین در وجہ مدد معاش محمد اشرف وغیرہ ورثہائے احمد از انجملہ فرمان بنام عبداللہ محتسب ... پرگنہ مذکور مقرر بود۔ مشار الیہ فوت شد صدور ... متوفی را باسم عبدالواحد وغیرہ تجویز نمودہ بحال داشتہ در ینولا بتصدیق مردم معتبر بوضوح پیوست کہ ہمیں اشخاص حی و قائم و قابض و متصرف اند و از ممر دیگر وجہ معیشت ندارند و تصحیحہ صدور سابق بدست دارند بنابراں بتصدق فرق مبارک بندگان حضرت خدیو زمین و زماں باعث امن و اماں مظہر اتم پروردگار رحمت اعم از کار ظل ظلیل ایزد متعال نایب نبیل ذوالجلال خلافت پناہ ظل محمد شاہ بہادر شاہ غازی تعمیم رسانیدہ بحال داشتہ شد۔ می باید کہ اراضی مذکورہ را از عمل قدیم بدستور سابق بشرط قبض و تصرف حسب الضمن بحال داشتہ واگذارند کہ حاصلات آں را فصل بفصل و سال بسال صرف مایحتاج خود ہا نمودہ بدعا گوئی دوام دولت ابدیت اشتغال مینمودہ باشند۔ دریں باب قدغن تمام دانستہ تخلف و انحراف نورزند۔

تحریر فی التاریخ پنجم شہر جمادی الاول سنہ ۶ جلوس مقدس معلے

گول مہر: "حافظ عتیق اللہ صدر ۱۱۲۷"

حسب المسطور عمل نمایند

۲۳

استشہاد نامہ مابعد ۱۱۳۸ھ ۱۷۲۵ء

تعارف: شیخ محمد ذاکر (د۔ ہ ب) کی دختر مسمات خیر النساء بیوہ محمد ہاشم شہادت چاہتی ہیں کہ ان کے خسر محمد عاشق نے مکان سے محمد ہاشم مرحوم کے نام کا کتبہ مٹوا دیا۔ اس پر شاہ لطف اللہؒ الملقب بعطا محمد خاں کی دو مہریں لگی ہوئی ہیں اور ان کے ہاتھ سے لکھا ہے کہ رات کے وقت نجاروں کو بلا کر میری موجودگی میں یہ کتبہ ترشوایا ہے۔ ایک اور مہر شاہ رزق اللہؒ الملقب بحافظ عالم خاں کی ہے۔ شاہ رزق اللہ نے اپنے قلم سے اپنا تعارف کرایا ہے۔

متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالی لا تکتموا الشہادۃ ومن یکتمہا فانہ آثم قلبہ

سوال میکند و گواہی میخواہد مسمات خیر النساء بنت شیخ محمد ذاکر زوجہ مسمی محمد ہاشم ولد شیخ محمد عاشق بر ایں معنی کہ محمد عاشق مذکور یک حویلی شمالیہ در محلہ قضاۃ واقعہ در آبادی قصبہ مہم سرکار حصار مضاف لصوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد برائے پسر خود محمد ہاشم مسطور بنا نمودہ و بر دروازہ حویلی مزبور از دستخط محمد تقی کہ بحضور شریعت پناہ قاضی محامد سکاک جمیع خطوط و قبالات بود یک عبارت شعر ... سنگ قصبہ مذکور راست نویسانیدہ و از نجاران قصبہ مذکورہ نقش کنانیدہ۔ عبارت ایست:

بنا ساختہ اینخانہ عاشق محمد برای پسر خویش ہاشم محمد

بعد چند سال کہ محمد ہاشم مذکور بقضائے الہی فوت شدہ نقش مذکورہ را محمد عاشق مذبور از چوب مرد وقت شب از نجاران دور کنانیدہ۔ ہر کس کہ بر وقوع ایں حال و صدق ایں مقال اطلاع داشتہ باشد برای خدا و رسول او گواہی خود بر ایں صورت حال ثبت نماید یا نوشتن اجازت فرماید عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور خواہد بود و ہر کہ دیدہ و دانستہ کتمان شہادت خواہد نمود اظہار حق نخواہد گناہگار حضرت منتقم حقیقی خواہد شد۔

گواہیہا: (۱) "عطا محمد خاں فدوی بادشاہ غازی محمد شاہ سنہ ۳"

(۲) "لطف اللہ"

ان دونوں مواہیر کے درمیان شاہ لطف اللہؒ کے قلم سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے:

"بندہ درگاہ شیخ لطف اللہ جاگیر دار پرگنہ ہیم ایم ہیچول در حویلی مذکورہ بندہ فرود آمدہ جابجا مذکورہ خواندہ و بوقت شب نجاراں را طلب داشتہ حضور بندہ تراشیدہ دور کردہ"

(۳) "حافظ عالمخاں فدوی بادشاہ غازی محمد شاہ"

اس مہر کے نیچے حافظ عالم خان یعنی شاہ رزق اللہؒ کے قلم سے یہ عبارت آٹھ سطر میں لکھی ہے:

"الملعت علیہ کتبہ احقر الفضلاء، تراب اقدام العلماء، خادم العلوم المغازی حافظ عالم خان المدرس المشہور فی دار الخلافہ شاہجہان آباد ہندو جاگیردار و متوطن پرگنہ ہیم سرکار حصار"

(۴) "فیض اللہ فدوی بادشاہ غازی محمد فرخ سیر ۲ھ"

(۵) "عبدالرحمٰن ۱۱۲۴"۔ اس مہر کے نیچے خط طغرا میں دستخط ہیں۔

(۶) "عبدالستار"

(۷) "محمد فاضل"

(۸) "بندہ درگاہ محمد منیر"

(۹) "مقصود بن محمد حفیظ ۱۱۳۸"

(۱) "گواہ شد شیخ نجم اللہ ولد حافظ عالم خاں بخطہ"

(۲) "گواہ شد شیخ نصیر الدین ولد شیخ عطاء اللہ"

(۳) "گواہ شد محمد سلیم ولد شیخ محمد مقیم باذنہ"

(۴) "گواہ شد محمد مصاحب ولد محمد فاضل بخطہ"

(۵) "گواہ شد شیخ یحییٰ ولد شیخ محمد ذکریا بخطہ"

(۶) "گواہ شد شیخ سعد اللہ ولد شیخ عبداللہ بخطہ"

(۷) "گواہ شد محمد منیر خاں جاگیر دار قصبہ ہیم"

۲۴

پروانہ محمد شاہ بادشاہ تجدید جائداد ۹ جمادی الاول ۱۱۴۱ھ ۲۰ دسمبر ۱۷۲۸ء

تعارف: شاہ عبداللہ حضرت شاہ رزق اللہؒ (باب ۳) کے چھوٹے بھائی تھے، حکیم درویش محمد شاہ نجم اللہ کے فرزند تھے ان کی اولاد سے محمود الرحمٰن (۲۶) ہیں۔

متن

محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ

گماشتہائے جاگیرداران و کروڑیان حال و استقبال پرگنہ ہیم سرکار حصار مضاف لصوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد را اعلام آنکہ

چوں بموجب فرمان عالیشان حضرت عرش آشیانی از قرار تاریخ ۱۰ شہر ربیع الثانی سنہ ۹۸۱ مزارعی بندہ بگیہ دہفت بسوہ زمین منجملہ فرمان شیخ عبداللہ وغیرہ باسم عبدالرزاق از پرگنہ مذکور مقرر بود شار الیہ فوت شدہ صدور سابق اراضی مذکورہ را بنام شاہ عبداللہ و درویش محمد وغیرہ تجویز نمودہ بحال داشتہ آنہا نیز فوت شد . . . سابق اراضی متوفین را بنام کریم اللہ وغیرہ تجویز نمودہ بحال داشتہ درینولا بتصدیق مردم معتبر بوضوح پیوست کہ ہمیں اشخاص حی و قائم و قابض و متصرف اند و از دیگر وجہ معیشت ندارند و تصحیحہ صدور سابق بدست دارند۔ بنا براں بتصدیق فرق مبارک بندگان حضرت خدیو زمین و زماں باعث امن و اماں مظہر اتم پروردگار رحمت اعم آفریدگار ظل ظلیل ایزد متعال نایب نبیل داد ار سبحان خلافت پناہ ظل سبحانی بتصحیحہ رسانیدہ شد۔ می باید کہ اراضی مذکورہ از ابتدائے فصل قدیم بدستور سابق بشرط قبض و تصرف حسب الضمن دانستہ واگذارند کہ محاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال صرف معیشت خود نمودہ بدعا گوئی دوام دولت ابدیت اشتغال نمودہ باشند۔ درایں باب قدغن تمام دانند

تحریر فی التاریخ ۹ شہر جمادی الاول سنہ ۱۱ جلوس معلے مطابق سنہ ۱۱۴۱ ہجری مقدس

۲۵

بیعنامہ ۱۱۴۱ھ ۱۷۲۸-۲۹ء

تعارف: محمد احسن کے پاس ہے اور رہتک میں تحریر ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد امجد (باب ۹) کے ایک فرزند کا نام عبد السبحان تھا۔

متن

اقرار کردند و اعتراف شرعی آوردند مسمی شیخ فضل علی بن شیخ عبد السبحان بن شیخ امجد و بے بے کریاں و بے بے سکینا بنتان شیخ عبد السبحان مذکور و مسماۃ بے بے مراد خاتون بنت شیخ محمد زم شیخزادہ صدیقی ساکن اندرون قلعہ قصبہ رہتک سرکار صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد ......

. . . .

تحریر ۱۱۴۱

مواہیر: "قاضی سراج الدین خادم شرع متین محمد ۱۱۴۵"

"محمد عاقل ۱۱۴۱"

"محمد مقیم ابن غلام مصطفےٰ متولی"

دستخط: "العبد شیخ فضل علی بن عبد السبحان"

علامت دستخط: "بے بے ... و بے بے کریاں و بے بے سکینا بنتان شیخ عبد السبحان مذکور"

"مسماۃ بی بی مراد خاتون"

۲۶

بیعنامہ ۷ ربیع الثانی ۱۱۸۹ھ ۱۶ اگست ۱۷۷۵ء

تعارف: مقام تحریر رہتک ہے اور محمد احسن (۱۹۳) کے پاس ہے۔ محمد برہان ولد شیخ امجد (باب ۹) نے کچھ سکنی زمین مولوی صدر الدین (۸-اب) کے ہاتھ فروخت کی۔

متن

اقرار مقر بود مسمی محمد برہان ولد شیخ امجد قوم شیخزادہ ساکن قلعہ قصبہ رہتک سرکار دار الخلافہ شاہجہان آباد برآنکہ اراضی سکنہ نسبت و نہ درعہ پختہ زیر دیوار خانہ شیخ صدر الدین شرق رویہ واقع است ... اراضی مذکور ... بدست شیخ صدر الدین ولد شیخ فخر الدین ..

ہفتم ربیع الثانی سنہ ۱۲

مواہیر: (۱) "سراج الدین ولد محمد آصف"

(۲) "امام علی ولد محمد آصف صدیقی" گواہ شد

دستخط: (۱) "گواہ شد شیخ فضل علی"

(۲) "گواہ شد محمد ذاکر ولد محمد جعفر"

علامت دستخط: "بے بے گوہر بنت محمد آصف منکوحہ محمد برہان"

۲۷

رسید قرض ۹ر جمادی الثانی ۱۱۵۲ھ ۶ر ستمبر ۱۷۳۹ء

تعارف، مقام تحریر رہتک ہے۔ محمد احسن (۱۹۲۱ا) کے پاس ہے۔ مولوی فخر الدین حضرت شاہ بدر الدین باب ۳ کے والد، نے ایک شخص کو آٹھ روپے قرض دیے۔ محمد شاہ بادشاہ کا عہد حکومت ہے۔ مولوی فخر الدین کی اولاد سے اب ۱۵۵۲ افراد حیات ہیں۔

متن

"ما نا نکہ محمد واسع و محمد معظم و محمد مرید و محمد فیض ساکن قصبہ رہتک ایم مبلغ ہشت روپیہ کہ نصف چہار روپیہ از ... شیخ فخر الدین بطریق قرض گرفتہ در کار خرچ ... تصرف خود آوردہ ایم۔ اقرار آنکہ در محصول فصل خریف ... مشار الیہ ... ادا نمائیم۔ ہم عذر ... نیاریم فی التاریخ نہم جمادی الثانی سنہ ۲۰ جلوس"

مواہیر: (۱) "محمد عارف ۱۱۱۸"

(۲) "محمد مظفر"

(۳) "محمد مرید ابن عبد الواحد ۱۱۳۴"

دستخط: (۱) "العبد محمد فیض ولد عبد اللطیف"

(۲) "گواہ شد محمد بولاق"

۲۸

قبض الوصول ماقبل ۱۱۵۵ھ ۱۷۴۲ء

تعارف: حضرت شاہ کمال اللہ (باب ۵) نے پندرہ روپیہ قرض وصول کیا۔ یہ تحریر شاہ کمال اللہ کی ہے۔ ان کا سلسلہ اولاد جاری نہیں۔

متن

"منکہ کمال اللہ ولد شیخ عطاء اللہ ام چوں مبلغ پانزدہ روپیہ والدہ من بی بی جنت بی بی دان را قرض دادہ بود و تمسک مبلغ مذکور نوشتہ بندہ حالا بی بی دان مبلغ پانزدہ روپیہ بہ بندہ دادہ تمسک خود تقاضا کرد۔ چوں تمسک گم شدہ بود بنا براں ایں چند کلمہ بطریق قبض الوصول نوشتہ دادم کہ سند باشد کہ ثانیاً حال اگر تمسک پانزدہ روپیہ بنام بی بی دان بر آید باطل است۔ صح صح"

(مہر: کمال اللہ)

۲۹

بیعنامہ ۱۱ر جمادی الاول ۱۱۶۸ھ ۲۳ فروری ۱۷۵۵ء

تعارف: مقام تحریر مہم ہے۔ میرے پاس ہے بائع و مشتری کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہے۔ مواہیر میں پہلی مہر نور الحق (۲۳ب) کی ہے۔ پانچویں مہر قاضی مکرم (باب ۲) کی ہے۔ دستخطوں میں پہلے دستخط راقم الحروف کے جد اعلیٰ شاہ نجم اللہ بن شاہ رزق اللہ الملقب بحافظ عالم خاں کے ہیں۔ دوسرے دستخط قاضی علی اکبر (باب ۲) کے ہیں۔

متن

اقرار کردند و اعتراف صحیح شرعی نمودند مخبران باسما و انساب خود ہا کہ چوہر ولد شیخ برخوردار ابن شیخ مداری و مسماۃ بے بے رحمت بنت شیخ برخوردار مذکور ساکن قصبہ مہم سرکار حصار مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد برامیعے کہ ... فروختند بہ بیع بابت یک کشت معروف بلقب باکروالہ موازی ہفت بیگہ والبہ پختہ زمین زرعی ملکی موروثی خود ہا خالیاً عن حق الغیر بطوع و رغبت خود ہا کہ زمان این در قبض مالکانہ خود ہا داشتند بطول و عرض و حدود اربعہ مفصلہ ذیل بدست شیخ غلام انبیا ولد شیخ محمد جعفر بن شیخ حبیب اللہ و شیخ محمد افضل ولد خان محمد ابن شیخ رحمت اللہ ساکنان قصبہ مذکورہ بثمن مبلغ بست و یک روپیہ جید تمام وزن رائج الوقت کہ نصف آن دہ روپیہ و ہشت آنہ موصوفہ میشود ...

وکان ذلک فی التاریخ یازدہم جمادی الاول سنہ احد مطابق یکہزار و یکصد و شصت و ہشت ہجریہ تحریر

مواہیر: (۱) "نور الحق ابن شیخ محمد اسلم صدیقی م ۱۱۶۴" (۲) "محمد جوہر ولد برخوردار"

(۳) "افضل الانبیاء محمد" (۴) "احمد ولد شیخ محمد ۱۱۶۲" معہ دستخط "احمد"

(۵) "قاضی مکرم خادم شرع شریف محمد ۱۱۶۶"

دستخط: (۱) "گواہ شد حافظ عالم خان بن حافظ عالمخاں مرحوم"

(۲) "گواہ شد شیخ علی اکبر ولد شیخ فتح علی"

(۳) "گواہ شد محمد اکرم ولد قاضی مکرم بخطہ"

(۴) "عبد الرحیم ولد محمد شریف بخطہ"

(۵) "شہد بما فیہ صابر علی ولد شیخ عبد الحکیم بخطہ"

(۶) "گواہ شد محمد زاہد ولد عبد الواحد بخطہ"

(۷) علامت انگشت سبابہ بے بے رحمت مذکورہ

۳۰

بیعنامہ ۱۵ر ذی قعد ۱۱۶۸ھ ۲۲ر اگست ۱۷۵۵ء

تعارف: محمد احسن (۱۹۲۳) کے پاس ہے۔ مقام تحریر رہتک۔ اولاد شیخ محمد امجد (باب ۹) نے مولوی بدیع الدین (۱۰۵ ب) کو ساٹھ روپے میں چار بیگھہ زرعی زمین فروخت کی۔ بیعنامہ ۱۱۴۱ھ کی طرح اس میں بھی عبد السبحان صدیقی ساکن رہتک کو شیخ امجد کا فرزند لکھا ہے۔

متن

غرض ازین ابجد آنکہ مانانکہ محمد برہان و نظام الدین پسران شیخ امجد و بے بے صاحب جمال بنت شیخ امجد و فضل علی ولد شیخ عبد السبحان بن شیخ امجد و مسمات بے بے ساد و بی بی کریمہ و بے بے سکینہ بنتان شیخ عبد السبحان مسطور زدم شیخزادہ صدیقی ساکن قصبہ رہتک الم موازی چہار بیگہ زمین پختہ زرعی از قطعہ سانکھو والی واقع قصبہ مذکور مقبوضہ خود ہا مع ملک بمقابلہ مبلغ شصت روپیہ کہ نصف آن سی روپیہ ... بدست شیخ بدیع الدین ولد شیخ فخر الدین ساکن قصبہ مسطور بیع کردیم و فروختیم ...

تحریر فی التاریخ یازدہم ذی قعدہ سنہ ۵ جلوس مبارک احمد شاہ

مواہیر: (۱) "قاضی سراج الدین ۱۱۵۷"

(۲) "العبد فضل علی ولد شیخ عبد السبحان"

دستخط: (۱) "گواہ شد محمد آصف"

(۲) "العبد محمد برہان و نظام الدین۔ نوشتہ من قبول است"

۲۱

بیعنامہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۷۰ھ ۱۴ جنوری ۱۷۵۷ء

تعارف: مقام تحریر ہم۔ میرے پاس ہے۔ بایع دختر بن کا سلسلہ اولاد جاری نہیں۔ محلہ قضات سے مراد وہ محلہ ہے جس میں ہمارا خاندان رہتا تھا۔ مواہیر میں دوسری مہر مفتی عبدالرحمان دلبلا کی ہے۔ دستخطوں میں پانچویں دستخط شیخ محمد ابن محمد شاہ (۵۵ ب) کے ہیں۔ ساتویں نمبر پر میرے جد بزرگوار کے دستخط ہیں اور نویں نمبر پر شاہ عبدالحکیم (باب ۵) کے دستخط ہیں۔

متن

اقرار کردہ و اعتراف صحیح شرعی نمودہ مخبرہ باسم و نسب خود مسماۃ بے بے حیات بانو زوجہ شیخ عبدالواجد بن شیخ محمد ذاکر ساکنہ قصبہ ہم سرکار حصار فیروزہ صوبہ دارالخلافہ شاہجہان آباد کہ ذی دوخت بیع بابت بدست شیخ عصمت اللہ و شیخ قدرت اللہ و شیخ عزت اللہ و جماعت اللہ ابنائے شیخ عبدالواحد بن شیخ محمد ذاکر مذکور ساکنہ قصبہ مذکور ہمگی و تمامی یک منزل ربض شمالیہ واقعہ در آبادی قصبہ مذکورہ در محلہ قضات بطول معہ نیم درعہ عرض للعہ درعہ جملہ زمین ربض ... مذکورہ موازی ے دشش درعہ پا و بالا ... کہ بعوض بعض مہر از زوج خود رسیدہ است ...

فی التاریخ بست و دوم شہر شعبان سنہ ۱۱۷۰ ہجریہ مقدسہ

مواہیر: (۱) "قاضی بکرم خادم شرع شریف محمد ۱۱۶۶"

(۲) "محمد عبدالرحمن مفتی ابن شیخ محمد جعفر ۱۱۵۵"

(۳) "ظہور اللہ ابن اکرام اللہ یقین اہتمام احمد شرع متین"

(۴) "محمد دائم خطیب بن شیخ محمد عاشق ۱۱۴۵"

(۵) "شیخ شرف الدین محتسب ولد شیخ نصیر الدین ۱۱۶۸"

دستخط: (۱) "گواہ شد حافظ عالم خاں عرف شیخ نجم اللہ بخط"

(۲) "گواہ شد غلام اشرف ولد شیخ محمد نقی بخط"

(۳) "وقف علیہ محمد احالت ولد دین محمد بلوچ"

(۴) "گواہ شد محمد وارث ولد شیخ محمد اسلم بخط"

(۵) "گواہ شد شیخ محمد ولد شیخ محمد شاہ بخط"

(۶) "گواہ شد ابوالظفر ولد شیخ عبدالحق بخط"

(۷) "گواہ شد شیخ قمر اللہ ولد حافظ عالمخاں عرف شیخ نجم اللہ بخط"

(۸) "گواہ شد دیدار بخش ولد شیخ محمد دائم خطیب بخط"

(۹) "وقف علیہ عبدالحکیم ولد عطا محمد خاں بخط"

(۱۰) "گواہ شد شیخ غلام جیلانی ولد شیخ محمد عاشق خطیب"

(۱۱) "گواہ شد محمد شاہد ولد شیخ عبدالواحد بخط"

(۱۲) "گواہ شد شیخ منکا ولد شیخ عبدالقادر بادنہ"

علامت انگشت سبابہ: بے بے حیات بانو مذکورہ

کارندہ راعت بریں پسر بھکھو خواجہ والہ متصل قبرستان کلالاں ع٣٢ بیگہ خام	بود الحال بے کاشت افتادہ	افتادہ در تصرف اینجاب است
دیگر کشت علیحدہ کھوند بازہ بیگہ خام درمیان دو دہا کارندہ گوتیاں بود حالا افتادہ است	قطعہ ہائے تہا صری درمیان دو دہا بشرکت برادران در حصہ پیر او عمر نیز نصفے در حصہ قاضی کرم وغیرہ و نصفے دیگر است بیکاشت افتادہ	

ادائگی مہر ۵ محرم ۱۲۱۲ھ ۳۰ جون ۱۷۹۷ء

تعارف: شیخ عصمت اللہ بن عبد الواحد، و ب ہ نے اپنی زوجہ کے نام بعوض مہر اپنی سکنی اور زرعی املاک کر دیں۔ کاغذ میرے پاس ہے۔

متن

اقرار کردہ شرعاً مخبر باسم و نسب خود مسمی شیخ عصمت اللہ ولد شیخ عبد الواحد بن شیخ محمد اکبر صدیقی ساکن قصبہ ہم سرکار حصار بدیں معنی آنچہ املاک سکنی و زرعی ارثاً از متروکہ اب و جد و جد اعلیٰ و آنچہ خریدگی بشارکت برادراں بحصہ من مقرر رسیدہ بود بکلی و تمامی را در صحت نفس و ثبات عقل بطوع و رغبت خود بمقابلہ بعض مہر مسماۃ امیر النساء بنت شیخ محمد افضل بن شیخ اللہ یار ساکن قصبہ مذکورہ زوجہ خود را بخشیدم و مالک گردانیدم و مسماۃ مذکورہ موہوبہ مذکورہ در مجلس ہبہ قبول نمودہ در قبض و تصرف خود آوردہ۔ من بعد ازیں بندہ را در متروکہ موروثی و خریدگی با... بردہ من لوجوہ ادعائے و خصومت نماندہ و نیست۔ اگر بعد ایں دعوے قائم آں دعوی باطل و مدعی مبطل است۔ بنا بریں چند کلمہ بطریق بخشش نامہ نوشتہ دادم کہ سند باشد۔

تحریر فی التاریخ پنجم شہر محرم الحرام سنہ ۱۲۱۲ ہجری

گواہان: (۱) "قاضی محمد اکبر دا فوض امری الی اللہ خادم شرع شریف المرء ۱۲۱۱"

(۲) "دیدار بخش ولد شیخ محمد دائم خطیب ۱۲۰۷"

(۳) "عظیم الدین ولد شیخ شرف الدین محتسب"

(۴) "بدر الدین چشتی القادری"

(۵) "شہد حبیب اللہ مفتی زائر بیت العتیق"

(۶) "قدرت اللہ..."

(۷) "ظہور اللہ ابن ... اہل تقین ..."

مہر: (۱) "کتبہ العبد عصمت اللہ ولد شیخ عبد الواحد صدیقی الہمی"

(۲) "گواہ شد قدرت اللہ"

(۳) "گواہ شد غلام اصفیا ولد شیخ غلام انبیا بخط"

(۴) "گواہ شد محمد مستقیم ولد محمد شرف بخط"

(۵) "گواہ شد ابوالظفر ولد شیخ . . ."

(۶) "گواہ شد شیخ قمر اللہ ولد حافظ عالم خاں عرف شیخ نجم اللہ بخط"

(۷) "گواہ شد حافظ علیم اللہ ولد حافظ عالمخاں بخط"

(۸) "کذالک سمع عبدالحکیم مہمی"

(۹) "گواہ شد غلام جیلانی ولد محمد عاشق خطیب بخط"

(۱۰) "گواہ شد شیخ سلام اللہ ولد شیخ حافظ علیم اللہ بخط"

۲۴

رسید ۱۰ رجب ۱۱۸۳ھ ۹ نومبر ۱۷۶۹ء

کیفیت: میرے پاس ہے۔ عبدالواحد بن محمد ذاکر (۵۰) ب اسنے قرض وصول کیا۔

متن

مکہ شیخ بدہو ولد شیخ گھاسی بن شیخ اللہ یار ساکنہ قصبہ مہم سرکار حصار ام ـ چوں مبلغ ہفت دینار کہ نصف آں سہ نیم روپیہ باشد بموجب تمسک مرقومہ ہفتم شہر صفر سنہ ۱۱۴۰ بنام والا بندہ از نزد شیخ عبدالواحد ولد شیخ محمد ذاکر ساکن قصبہ مذکور گرفتہ بودہ الحال تمسک را پارہ کردہ بنام خود ایابندہ میدہم ـ طریقہ ادائے مبلغ مذکور آنکہ وقتے کہ قطعات پورنیہ والہ و دودہ پچانی والہ از نعمت اللہ و غیرہ خلاص نمایم محصول از انہا پیدا کردد دریں مبلغہا واصل سازم و ہیچ عذر و حیلہ... بنام بنابراں ایں چند کلمہ بطریق تمسک نولیانندہ دادم کہ سند باشد ـ

تحریر فی التاریخ ہشتم شہر رجب ۱۱۸۳ ہجری

مہر: "شیخ دیدار بخش" قریب قریب محو ہو گئی ہے

دستخط (۱) "گواہ شد شیخ قمر اللہ ولد حافظ عالمخاں عرف شیخ نجم اللہ بخط"

(۲) "گواہ شد شیخ سلام اللہ ولد حافظ علیم اللہ بخط"

(۳) "گواہ شد محمد شرف ولد قاضی محمد مکرم بخط"

(۴) "گواہ شد نظام بخش ولد شیخ ولی اللہ بخط"

(۵) "گواہ شد الہ بخش ولد شیخ عبدالقوی خطیب بخط"

(۶) "گواہ شد شیخ امجد ولد محمد اکرم"

(۷) علامت انگشت سبابہ مسمی بدہو مذکور

۳۵

قبض الوصول ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۱۱ھ ۱۲ جون ۱۷۹۷ء

تعارف: میرے پاس یہ مقام تحریر یم نہیں۔ عبداللہ بن محب اللہ (۴۳ ب) کی مہر و تحریر کے نشین سے معلوم ہوتا ہے عبداللہ نے بڑی عمر پائی۔ ہدایت اللہ، ذکی اللہ اور بشارت اللہ بیٹے جماعت اللہ (۴۰ ب) تھے اور تینوں کی اولاد کا سلسلہ جاری نہیں۔

متن

نار غلی شیخ عبداللہ در کچہری بخشی بھولا ناتھ صاحب ورود برد لالہ خوشیال معروض شد است

یادداشت

آنکہ چون ہدایت اللہ ذکی اللہ بشارت اللہ در سال ۱۲۰۳ سنہ ہجری

نواب آصف الدولہ سنہ ۱۲۱۱

حساب کتاب دادہ شدہ بود۔ دام دام بے باق

نمودہ از سنہ ۱۲۰۱ ہجری لغایت ۱۶ ذی الحجہ سنہ ۱۲۱۱ ہجری

باطل و نامنظور است۔ ای چند کلمہ بطریق نار غلی

نوشتہ دادہ شد کہ سند باشد

تحریر فی التاریخ شانزدہم

شہر ذی الحجہ سنہ ۱۲۱۱ ہجری

۱۱۶۰
محب اللہ
شیخ
عبداللہ ولد شیخ

گواہ شد
شیخ محمد رضی

گواہ شد
مہاراجہ کنول پنڈت وکیل بخط

۳۶

پروانہ شاہی تجدید جائداد ۱۹ رمضان ۱۲۲۰ھ ۱۱ دسمبر ۱۸۰۵ء

تعارف: حضرت شاہ بدرالدین (۱ ب ۴۵) کو تین سو سات بیگھہ زمین ملی ہوئی تھی جس کا ذکر صفحہ اوپر ہو چکا ہے۔ آپ کے انتقال پر یہ جاگیر آپ کے ورثاء کو ملی جس کی تصدیق اس پروانہ کی رو سے دور عالمگیر ثانی میں ہوئی۔ اس پروانہ کی تاریخ سے پورے دو سال پہلے دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ یہ جاگیر کوتانہ ضلع میرٹھ میں دو سو بیگھہ یعنی ۱۲۵ ایکڑ اور موضع پارہ میں ایک سو سات بیگھہ تھی۔ پارہ بعد میں شہر رہتک کا ایک محلہ بن گیا۔ شاہ غلام احمد الدین حضرت شاہ بدرالدینؒ کے فرزند تھے۔ ان کا ذکر باب ۵ میں نمبر ۵ ب پر ملاحظہ ہو۔

متن

عاملان حال و استقبال پرگنہ رہتک مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد

موضع پیوست کہ املاک شاہ غلام احمد الدین وغیرہ وارثان حقائق و معارف آگاہ مولوی شاہ بدرالدین چشتی القادری در ... قصبہ و دیہات موضع کوتانہ و پارہ بموجب فرمان عالیشان و پروانہ ہائے قدیم مقرر و از ابواب نذرانہ سرکار دیم حصہ معاف و مرفوع القلم است۔ بنا برآں استحقاق زادہ ... اراضی مذکور موافق قدیم معاف و واگذار نمودہ آمد کہ سال بسال صرف وارثان مذکور فرزند نوشی ... احکام معترض و مزاحمت نرسانند و مبلغ سی و شش روپیہ نقد نذرانہ ... از سال گزشتہ و حال معاف داشتہ ... باشند ...

در موضع پارہ	در موضع کوتانہ
مات بیگہ	ما بیگہ

فی التاریخ نوزدہم شہر رمضان المبارک سنہ موافق ۱۲۲۰ھ

از محمد بخش خاں بہادر ولد محمد عارف خاں بہادر سنہ ۱۱۹۵

۲۷

فارغخطی ۲۵ر شوال ۱۲۲۰ھ ۱۶ر جنوری ۱۸۰۶ء

تعارف: میرے پاس ہے۔ مقام تحریر ہیم۔ شیخ عظیم اللہ (۵۰ اب) نے چھ روپیہ قرض ادا کیا۔ مواہیر میں ایک مہر قاضی محمدی کی ہے (۸ اب ۱)۔ گواہوں میں شیخ احمد (۷ اب) اور صبغۃ اللہ (۲۵ اب) کا سلسلہ اولاد جاری ہے۔

متن

ملکہ بی بی مومنہ زوجہ شیخ غلام مجتبےٰ ولد شیخ غلام انبیاء سکنہ قصبہ ہیم ام چوں مبلغ شش روپیہ سکہ محمد شاہی بابت قرض بی بی امینہ زوجہ شیخ خیر اللہ ولد شیخ اسد اللہ بذمہ بی بی حکیمہ زوجہ شیخ جمعیت اللہ بودند مبلغ مذکور از پسران بی بی مذکور کہ شیخ قطب العالم و شیخ عظیم اللہ و شیخ ہدایت اللہ و شیخ ذکیر اللہ و شیخ بشارت اللہ بودند تمام وصول یافتہ در تحت و تصرف خود آوردم اگر ثانیاً حال دستاویز نکشت مہری یا تمسک ... بداید باطل است۔ بنا براں چند کلمہ بطریق فارغخطی نوشتہ دادہ شد کہ ثانیاً حال سند باشد۔

مرقوم بتاریخ بست و پنجم شہر شوال مطابق سنہ جلوس والا و در سنہ ۱۲۲۰ ہجریہ

مواہیر: (۱) "گواہ شد غلام انبیاء ۱۲۰۹"

(۲) "خادم شرع محمدی ۱۱۹۸" ۲۵ شنہ گرد مہر: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

دستخط: (۱) "گواہ شد محمد رمضان ولد شیخ عبد العظیم بیو بخط"

(۲) "گواہ شد شیخ احمد ولد شیخ علی اکبر"

(۳) "شیخ صبغۃ اللہ ولد شیخ قمر اللہ"

علامت انگشت سبابہ: بی بی مومنہ مذکورہ (ایسے موقع پر انگوٹھا نہیں لگایا جاتا تھا)

۲۸

بیعنامہ ۱۲ر جمادی الاول ۱۲۲۱ھ ۱۰ر اگست ۱۸۰۶ء

تعارف: مظفر علی (۴۸ اب) کی اہلیہ امام النسا نے اکیس روپے میں کچھ زرعی زمین خریدی۔ ان خاتون کی اولاد سے اب سوا سو کے قریب افراد حیات ہیں جن کا ذکر باب ۹ میں ۴۸ اسے ۱۹۵ نمبروں پر ہوا ہے۔ محمد احسن (۱۹۲ ای) جن کے پاس یہ کاغذ ہے۔ ان خاتون کی نسل سے ہیں۔ مقام تحریر رہتک۔

متن

اقرار کردہ و اعتراف شرعی نمودہ مسمی خیر اللہ و شیخ نقیر اللہ ساکن قلعہ رہتک مضاف صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بریں موجب کہ یک قطعہ پیپیا والہ باراضی زرعی بموجب فرمان عالیشان واقعہ سواد قصبہ مذکور و ملک ... چوں آں قطعہ معہ ملک ... سہ حصہ مقرر ماند۔ یک حصہ دیگر شرکا سابق بدست شیخ ... الدین و مولوی صاحب شاہ بدر الدین ... فروخت کردہ و نیم حصہ پدرمن از آں شرکا خرید کردہ و نیم حصہ بابت ارث پدرمن مقرر است۔ و دریں یکنیم حصہ ہشتم حصہ بی بی رابن نساء (؟) مقرر است و ... سہ سابق و نیم حصہ بابت خرید ... مذکور کہ نجملہ آں سہ حصہ ... نصفے برادر حقیقی را رسیدہ بود کہ ... ام وکال بدست امام النسا بنت جمال الدین فروخت نمودہ است و نصفے آں اینجانب رسیدہ بود کہ ... بعوض مبلغ بست و یک روپیہ کہ نصف دہ روپیہ ہشت آنہ باشد بدست مسماۃ امام النساء مذکورہ زوجہ شیخ مظفر علی بنت جمال الدین ساکن قلعہ قصبہ مذکور رائج الوقت ثمن ... فروختم و بیع کردم۔

تاریخ تحریر ۱۲ جمادی الاول ۱۲۲۱ ہجری

مواہیر: (۱) "التولیت من اللہ والمتوفی شیخ عظیم اللہ بن فرحت اللہ"

(۲) "مختصر گول مہر جو پڑھی نہیں جاتی"

(۳) "بیضوی مہر جو پڑھی نہیں جاتی"

(۴) "محمد ... ولد شیخ غلام محمد ۱۱۹۲"

(۵) "محمد دائم ولد محمد جعفر"

(۶) "امیر علی ولد محمد سراج الدین"

۳۹

روبکار مقدمہ موضع جھینی سرجن ۲۵ر ذی الحجہ ۱۲۲۴ھ ۳۱ر جنوری ۱۸۱۰ء

تعارف: نواب عبدالصمد خاں والی دوجانہ نے شاہ عبدالعظیم رباب ۵ کو موضع جھینی وغیرہ کی اراضی ۱۸۰۰ء میں پیش کی تھی۔ اگلے سال ہم اور موضع جھینی پر براہ راست برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہو گیا۔

متن

سابق ازیں بتاریخ بست و یکم ماہ دسمبر ۱۸۰۹ عیسوی مسمی عبدالعظیم شاہ درویش عرضی بدیں مضمون گذرانیدہ بود کہ موضع جھینی سرجن عملہ پرگنہ ہم من ابتداء ۱۲۱۵ فصلی نواب عبدالصمد خاں بہادر بطریق نیاز نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ باین دعا گو دادہ اند۔ تا حال در قبض و تصرف خاکسار۔ حالا ایں امیدوار ۔۔۔ و عنایات است کہ از حضور پر نور ہم سند مرحمت شود۔

بعد ملاحظہ عرضی حکم شدہ بود کہ از مستغیث اسناد و از قانونگویاں کیفیت طلب شود چنانچہ امروز یک قطعہ مہری نواب صاحب موصوف موسومہ عمال حال و استقبال پرگنہ ہم محررہ بست و ہشتم ماہ جمادی الاولے ۱۲۲۰ ہجری مطابق سنہ احد جلوس متضمن بدیں مضمون۔ موضع جھینی سرجن عملہ پرگنہ مسطور من ابتدائے خریف ۱۲۱۵ فصلی بطریق نیاز در جاگیر میاں عبدالعظیم خلف میاں عبدالحکیم نسلاً بعد نسلٍ و بطناً بعد بطنٍ حالاً محلاً موافق سند مہری سرکار حضور کمپنی بہادر دام اقبالہ کہ بنام اینجانب مرحمت شدہ بود مقرر نمودہ شد۔ مستلزم کہ موضع مذکور را از کل جہات مرفوع القلم دانستہ تصرف میاں مذکور را گذارند و ذرہ مزاحم و معترض نشوند۔

مستغیث مذکور بحضور آوردہ۔ بعد ملاحظہ سند قطعہ خط عدہ باب است کہ استطلاع کیفیت موضع مزبور بنام عبدالصمد خاں بہادر جاری شدہ بود بتاریخ دہم جنوری ۱۸۱۰ در جواب آں خط مہری نواب صاحب موصوف ملاحظہ حضور گذشت کہ میاں عبدالحکیم خلیفہ مرتاض وقت اند بطور نگہ سند ملک از سرکار فیض مدار نسلاً بعد نسلٍ بنام نیاز سند مرحمت شدہ بود بہماں مضمون سند ۔۔۔ فدوی نیاز شاہ صاحب کردہ۔ من بعد قانونگویاں کیفیت قبض و تصرف مستغیث مشعر برایں معنی کردہ ابتدائے فصل خریف ۱۲۱۵ فصلی نواب عبدالصمد خاں بہادر بطریق نیاز بہ مستغیث دادہ اند۔ چوں از

روئے سند و کیفیت مرقوم ثابت شد کہ نواب جلال الدولہ بہادر در عملداری خود دیہہ مذکور را بطریق نیاز نسلاً بعد نسلٍ بہ مستغیث دادہ اند و از ابتدائے تقرر جاگیر تا حال در قبض و تصرف مستغیث است لہذا حکم شد۔

از موضع مزبور در وابست نسلاً بعد نسلٍ من ابتدائے عملداری سرکار۔ دولت مدار موجب گذشتہ بدستور بنام مستغیث بحال و برقرار باشد۔

نقل سند گذرانیدہ مستغیث بدست انگریزی شامل مسل باشد و نقل روبکار ہذا بطور سند حوالہ کردہ ام و پروانہ بنام تحصیلدار ہم درباب عدم تعرض موضع مسطور جاری شد۔ فقط

(دستخط انگریزی) آنریبل گارڈنر صاحب

امروز بتاریخ سی و یکم جنوری ۱۸۱۰ مطابق ۲۵ شہر ذی الحجہ ۱۲۲۴ روز چہار شنبہ بمقام بریلی نقل روبکار ہذا معہ نقل سند گذرانیدہ مستغیث حوالہ مستغیث شد۔

۴۰

جزوی فہرست املاک خاندان شاخ مہم ۱۲۳۵ھ ۱۸۱۹ء

تعارف: علیم اللہ (۰ ب) نے کمپنی کے دور تسلط میں اپنے اقربا کی زرعی جائداد کی فہرست تیار کی۔ ان بزرگ کے بیان میں سہواً یہ لکھا گیا ہے کہ یہ تمام زمین ان کی تھی۔ یہ تمام جاگیر انیس سال بعد ضبط ہو گئی۔ یہ تحریر میرے پاس ہے۔ نقل ہو بہو ہے۔ املا کی غلطیاں درست نہیں کی گئیں۔

متن

تفصیل کاغذات فرمان عالیشان اکبر و عالمگیر و چکنامہ ہا تصیحہ ہا و پروانہ ہا املاک بنام بزرگان شیخزادہ صدیقی ساکن قصبہ مہم ام جدی اصل - ۵۲ فرد و متفرق خریدگی چند ہا فرد۔

یکقطعہ
نقل فرمان اکبری دو ہزار چہار صد سے بیگہ پختہ بمہر قاضی محمد نعیم
یکفرد

یکقطعہ
نقل دویم فرمان اکبری دو ہزار چہار صد سے بیگہ پختہ بمہر قاضی محمد نعیم ترشاہی
یک فرد

یکقطعہ
فرمان و چکنامہ عالمگیر و تصیحہ ہا بنام بلے بے ماہ رخ - دو صد بیگہ پختہ
۱۴ فرد

یکقطعہ
فرمان عالیشان و چکنامہ و تصیحہ بنام بی بی پورن وغیرہ یکصد و ہشتاد پنج بیگہ
۱۲ فرد

پروانجہ	تصیحہ	فرمان عالیشان	فرمان	نقل فرمان	تصیحہ
۲ فرد	۵ فرد	۱ فرد	۱ عدد	۲ عدد	۲ فرد

نقل فرمان	چکنامہ	نقل چکنامہ	نقل چکنامہ بنام بی بی پورن وغیرہ ماسے بیگہ
۲ فرد	۱ فرد	۲ فرد	۳ فرد

چکنامہ بنام بی بی ماہ جیو زوجہ شیخ بایزید ... بیگہ پختہ
۱

نقل چکنامہ بنام ماہ جیو
۳ فرد

یکقطعہ
قسمت نامہ شیخ نظام مفتی ولد شیخ محمد مفتی
۵ فرد

یکقطعہ
تصیحہ بنام بے بے شریفہ ... بیگہ

مقسومہ	تصیحہ بنام شیخ محمد مفتی
۲ فرد	... بسوہ ۱ فرد

تصیحہ بنام شیخ نظام شامل حال شیخ ہدایت اللہ ... ہشت بیگہ ہشت بسوہ - ۲ فرد

یکقطعہ
اصل چکنامہ بنام شیخ حبیب اللہ مفتی ... بیگہ پختہ - پروانہ و تصیحہ تا ... تا ... تا ... نقل
۷ فرد

یکقطعہ
دویم چکنامہ شیخ حبیب اللہ مفتی برحوض گوہر متصل دائرہ جلالہ
۳ فرد

پروانہ	تصیحہ	چکنامہ	پروانہ	تصیحہ	چکنامہ
۲ فرد	۲ فرد	۱ فرد	۱ فرد	۱ فرد	۱ فرد

نقل چکنامہ ۱ فرد — شامل حال تصیحہ بنام شیخ ہدایت اللہ

خریدگی شیخ حبیب اللہ و شیخ قطب عالم حصہ باہا و کشت ہا چند فرد

- خریدہ ماہ جیو زوجہ شیخ بایزید [illegible] بیگہ خام — ۲ فرد
- قطعہ کانگر ہا [illegible] خام — ۱ فرد

- خریدگی بےبے ماہ جیو زوجہ شیخ بایزید [illegible] بیگہ خام — ۲ فرد
- یک قطعہ [illegible] خام — ۲ فرد
- اصل یک لادعوی — ۱ فرد

- خریدگی شیخ ادہاری ولد شیخ بایزید [illegible] خام — ۲ قطعہ
- چہارم حصہ در کشت عالم خان — ۱ فرد

- چک بنام بےبے ماہ جیو منجملہ فرمان بےبے پون [illegible] پختہ — ۱۰ فرد
- کشت ڈھیری والہ منجملہ فرمان بےبے ماہ رخ در مقسوم [illegible] پختہ — ۱۰ البوہ

- فرمان اصل — ۱ فرد
- نقل فرمان — ۲ فرد
- قطعہ بر ضلع سانگہ — ۱ فرد
- قطعہ در بر ضلع مدینہ [illegible] پختہ — ۲ فرد

- یکقطعہ [illegible] خام — ۱ فرد
- یک قطعہ [illegible] — ۱ فرد
- فرمان عالیشان بنام بی بی ماہ رخ اصل نقل — ۳ فرد

- خام چکنامہ — ۱ فرد
- نقل چکنامہ — ۲ فرد
- تصحیح پروانہ — ۸ فرد
- حکم نامہ و نقل حکمنامہ — ۲ فرد

- تصحیح منجملہ فرمان — ۲ فرد
- بخشش نامہ ترکہ شیخ بایزید — ۱ فرد
- چاہ قصبہ جہرہ [illegible] بیگہ خام — ۲ فرد

قطعات

بنام شیخ ہدایت اللہ ولد شیخ حبیب اللہ مفتی ولد شیخ امان اللہ مفتی ابن شیخ نظام مفتی ابن شیخ محمد عرف شیخ منگن مفتی
[illegible] بیگہ پختہ ۱۲ فرد

- پروانہ — ۲ فرد
- تصحیحہ — ۴ فرد
- چکنامہ ہا [illegible] پختہ — ۳ فرد
- نقل چکنامہ — ۳ فرد

- لادعوی سواسچاں — ۱ فرد
- لادعوی چودھری گوجرمل
- خریدگی شیخ عبدالواحد و شیخ عصمت اللہ و شیخ محبت اللہ وغیرہ و شیخ محمد ماہ و محمد پناہ

- چاہ گشتی والہ — ۱۰ فرد
- نانکی [illegible] بیگہ ... خام — ۲ فرد
- جاپو والہ [illegible] بیگہ خام — ۲ فرد

- کشت ہا دو دھالہ والہ [illegible] بیگہ — ۲ فرد
- جہرہ [illegible] خام — ۲ فرد

- قطعہ نظام والہ [illegible] بیگہ پختہ — ۲ فرد
- جاپو والہ خریدگی شیخ حبیب اللہ مفتی و شیخ قطب عالم [illegible] بیگہ خام

- قطعہ محمود والہ بر حوض — ۸ قطعہ فرد
- قطعات نانا شیخ محمد عثمان ولد شیخ عبدالرحمن ابن شیخ محمد جعفر مفتی بموجب مقسومہ — ۳۱ فرد

- خریدگی شیخ عصمت اللہ و شیخ محبت اللہ وغیرہ [illegible] خام — ۳ فرد
- مقسومہ — ۱ فرد
- قطعہ سرا والہ — ۳ فرد

یک قطعہ ہبہ نامہ از طرف بے بے کریمہ بنام والدہ ایجانب بے بے حکیم است

افزود

از متروکہ شیخ قطب عالم و متروکہ شیخ محمد عالم و متروکہ بے بے ماہ جیو زوجہ شیخ بایزید و متروکہ شیخ
ادوانی ولد شیخ بایزید از طرف بے بے اصالت بنت شیخ محمد عالم ولد شیخ حبیب اللہ مفتی بن شیخ امان اللہ
مفتی بن شیخ نظام مفتی بن شیخ محمد عرف مکن مفتی بن شیخ عبدالمجید مفتی بنام والدی صاحبہ بے بے خلیفہ و بنام
دادا صاحب شیخ عبدالواحد بخشش نامہ و ہبہ (ہبہ) نامہ کردہ بود. نزد ابنائے شیخ حجت اللہ پسران شیخ
قطب عالم و عظیم اللہ و ذکر اللہ و محمد علی وغیرہ موجود است و دیگر ہبہ نامہ متروکہ شیخ محمد ماہ و شیخ محمد عثمان ولد
شیخ عبدالرحمن و ولد شیخ محمد جعفر مفتی، ہم فرد بنام بے بے خلیفہ و محمد عثمان ہبہ نامہ نزد فرزندان موجود است
و متروکہ شیخ محمد عثمان ولد شیخ عبدالرحمن بن شیخ محمد جعفر مفتی در مہر بے بے کریمہ زوجہ محمد عثمان رسیدہ بود
در حینہ حیات خود بے بے مذکور بنام دختر بے بے حکیمہ زوجہ شیخ حجت اللہ بنت شیخ محمد عثمان و بے بے
کریمہ بخشش نامہ و ہبہ نامہ کردہ بود و نزد قطب عالم و عظیم اللہ و ذکر اللہ و محمد علی پسران بے بے حکیمہ زوجہ
شیخ حجت اللہ مذکور در کاغذات املاک و رہنامہ با موجود است۔

این نوشتہ برائے غور برخورداران شیخ کرامت اللہ و شیخ عبداللہ وغیرہ و فہمید نست کہ کاغذات جو کہ
نمود و کاغذات نانا صاحب شیخ محمد عثمان شامل حال یکجا است در خلیطہ علاحدہ است بہ خبر شہرت است

این نوشت ۱۲۳۵ | عظیم اللہ صدیقی ۱۲۳۲ | مطابق اصل مہر نمودہ شد

مہر

۱۴۱

رہن نامہ ۲۹ جمادی الاول ۱۲۲۶ھ

تعارف: مقام تحریر جھنگ میرے پاس ہے۔ شیخ ظفر علی (۱۵۰ ب) نے نو روپے کے
عوض کچھ زمین رہن رکھوائی۔ گواہوں میں حاجی شجاع الدین (۱۵۰ ب) ہیں۔

متن

غرض از این نوشتہ آنکہ منکہ شیخ ظفر علی ولد شیخ فضل علی ساکن قصبہ جھنگ در قطعہ چک
دانا ... حصہ بعوض مبلغ لعہ روپیہ ... کہ نصفی مبلغ چار نیم روپیہ باشد بدست سماۃ زیب النساء
منکوحہ شیخ اصغر علی ... سماۃ مذکورہ بعوض سلطان مرقوم حصہ دوازدہم مذکور معہ ملک و ... بطریق گرو
داشت و در تصرف خود آوردہ. اقرار آنکہ ... و در آن قطعہ پیدا شود. دوازدہم حصہ از سماۃ مذکورہ ...
و مابقی حصہ ... خلاص نمایم و حصہ خود قابض خواہم بنابران این چند کلمہ بطریق ... کہ سند باشد۔

تحریر فی التاریخ ۲۹ شہر جمادی الاول ۱۲۲۶ مطابق سنہ اکبر شاہ بادشاہ غازی

اگر تمسک دیگر برآید باطل است

[illegible] (۱) "العبد ظفر علی ولد شیخ فضل علی م ۱۲۲"

(۲) "قاضی محمد ضیاء الدین ۱۲۲۶"

گواہ شد (۱) "حاجی شجاع الدین"

(۲) "عظیم الدین"

(۳) "شیخ امیر الدین"

(۴) "... غلام علی"

...النساء سپردم و کاغذ علیحدہ نوشتہ دادم ۔ و باقی املاک را سہ حصہ نمودم ، یک حصہ بہ ہمشیرہ فضل النساء
بابت عینی مراثت ہبہ کردم و بخشیدم و یک حصہ نیاز پیر و مرشد خود کہ شاہ بدر الدین قدس سرہ
بہ وارثان اوشان شرعی خود گذاشتم یعنی بعد ممات من مقرہ ہر کسے کہ بموجب شرع برسد بگیرد
بالکلیہ بہ ما شاملات است بنا بر آں مبلغ سہ صد و پنجاہ روپیہ نصف آں یک صد معتاد و پنج میشود
بود بعد شرد کہ ... بہ ہمشیرہ مسطورہ و وارثان پیر و مرشد موصوف بیع کردم و فروختم و حصہ باں دیگران
بود ... قبض و تصرف خود آ ...

بتاریخ نہم ذی قعدہ ۱۲۴۰ سنہ ہجری

گواہ: (۱) "محمد یوسف ۱۲۲۸"
(۲) "المتوکل من اللہ و المتولی شیخ عظیم اللہ ابن رحمت اللہ"
(۳) "محمد ضیاء الدین ولد محمد سراج الدین"
(۴) "سید ولایت علی محتسب خادم شرع نبی ۱۲۴۰"
(۵) "قاضی سید امید علی ۱۲۳۱"
(۶) "گواہ شد امیر علی ۱۲۲۸"

بستخط: (۱) ،، "عظیم الدین چشتی ولد محمد شاہ"
(۲) ،، "شیخ کرم علی ولد شیخ عظیم اللہ متولی بخطہ"
(۳) ،، "امان اللہ"
(۴) ،، "امام علی ولد رحم علی"
(۵) ،، "شیخ نجم الحق"
(۶) ،، "وجیہ الدین"
(۷) ،، "شیخ شمس الدین"
(۸) ،، "حکیم اللہ"

ثبت دستخط: بی بی رحمت النساء بنت بدر الدین منکوحہ غلام محی الدین ولد مولوی بدیع الدین۔

۴۲

بخشش نامہ ۹ ذی القعدہ ۱۲۴۰ھ — ۲۵ جون ۱۸۲۵ء

تعارف: مقام تحریر رہتک۔ محمد احسن (۱۹۳۱ء) کے پاس ہے۔ شاہ بدر الدین (باب ۳) کی دختر مسماۃ بی بی رحمت النساء کو مہر میں کثیر زرعی اراضی ملی۔ اس کا کچھ حصہ انہوں نے اپنے بھائی شاہ غلام جیلانی (باب ۳) اور اپنے بھتیجے امیر الدین کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ قطعہ سونار والا واقع رہتک اور املاک گوہانہ: نظام الدین، حسین الدین (۱۰-اب) و معز الدین (۱۲-اب) ابناء شمس الدین کے نام ہبہ کر دی۔ املاک سونی پت اپنی بہن فضل النساء اور اپنے بھتیجے شاہ غیاث الدین اور ان کے فرزند شاہ عیاذ الدین (۵-ب) کے سپرد کر دیں کہ فاتحہ دلاتے رہیں۔ باقی املاک کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک حصہ اپنی ہمشیرہ فضل النساء کے نام ہبہ کر دیا۔ دوسرا حصہ اپنے والد و مرشد شاہ بدر الدین کی نیاز دلاتے رہنے کے لئے ان کے ورثاء کے سپرد کیا اور تیسرا حصہ اپنے لئے رہنے دیا کہ وفات کے بعد شرعی وارثوں میں تقسیم ہو جائے۔ یہ خاتون بے اولاد تھیں۔

متن

اقرار میکنند و اعتراف صحیح شرعی آورد مسماۃ بی بی رحمت النساء بنت مولوی شاہ بدر الدین قدس سرہ منکوحہ غلام محی الدین ولد مولوی بدیع الدین ساکن قصبہ رہتک آنچہ اراضی مسکنہ و زرعی ترکہ املاک مولوی مسطور چہ خرید چہ ارث وغیرہ واقعہ قصبہ رہتک و گوہانہ و سونی پت و دیہات وغیرہ معلومۃ الحدود و الحقیق است منجملہ آں چہارم حصہ در مہریت بمن مقرہ رسیدہ چونکہ خسرم یعنی مولوی بدیع الدین مرحوم در حین حیات خود بعوض ذمہ داری مہر ... چہارم حصہ املاک مسطور قابض و متصرف گردانیدہ بود بعد ازاں مسماۃ بی بی نادرہ ان خوشدامنم بدستور نیز متصرف داشت تا ایام تحریر ایں مسطور قابض و متصرف ام و ازاں جملہ بعضے حصہ قطعات و چاہات بدست برادر صاحب شاہ غلام جیلانی مغفور فروختہ بودم و کو بستے بر سہ برادران وغیرہ شوہرم بہ بیع نامہ ہا ثبت است و نیز یک حصہ چاہ بدیہات بدست شیخ امیر الدین بیع کردہ ام۔ حالا بہوش و حواس و ثبوت عقل خود آں ترکہ مقبوضہ خود را سوائے حصہ قطعہ سونار والہ واقع رہتک و ملکہ گوہانہ کہ برخورداران نظام الدین و حسین الدین و معز الدین ابنائی شمس الدین قطعہ بیع ہبہ نمودم و حصہ املاک سونی پت برائے فاتحہ بہ برخوردار غیاث الدین و عیاذ الدین و ...

۴۳

بخشش نامہ ۱۱ ربیع الثانی ۱۲۴۴ھ ۱۹ اکتوبر ۱۸۲۸ء

تعارف: یہ اہم بخشش نامہ محمد احسن (۱۹۲۳ء) کے پاس ہے۔ مقام تحریر رہتک ہے۔ مولوی صدر الدین کے انتقال پر ان کا ترکہ مطابق شرع ان کے فرزندان جمال الدین اور عظیم الدین (۱۰۸ ب) اور دختران زیب النساء و نجیب النساء میں تقسیم ہوا۔ جمال الدین کے انتقال پر ان کی زوجہ حیات النساء بنت مولوی بدیع الدین (۱۰۵ ب) کو مہر میں جمال الدین کی تمام جائداد مل گئی جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ تھی۔ یہ جائداد انہوں نے اپنی دختر امام النساء زوجہ ظفر علی (۱۰۴ ب) کو بخش دی۔ مسمات حیات النساء کو اپنے والد کے ترکہ میں سے بھی شرعی حصہ ملا تھا جو انہوں نے اپنے برادرزادوں کو بخش دیا۔

متن

اقرار کردہ و اعتراف صحیح شرعی نمودہ مسمات حیات النساء بنت مولوی بدیع الدین منکوحہ شیخ جمال الدین ابن شیخ صدر الدین ابن شیخ فخر الدین مرحوم ساکن قلعہ قصبہ رہتک مضاف دار الخلافہ شاہجہان آباد بریں موجب کہ آنچہ ترکہ شیخ صدر الدین چہ زمین زراعتی قطعات و چاہات و چہ اراضی ... واقعہ قصبہ مذکور و ہم قصبہ گوہانہ چہ چوب کڑی و خشت وغیرہ مقرر است منجملہ آں ترکہ شش حصہ مقرر ماند۔ دو حصہ شیخ جمال الدین و دو حصہ شیخ عظیم الدین ابن شیخ صدر الدین مذکور و دو حصہ زیب النساء و نجیب النساء بنتان شیخ صدر الدین سابق الذکر موافق فرائض اللہ تعالیٰ می رسند۔ دریں ولا دو حصہ مسمی شیخ جمال الدین مرحوم شوہرم کہ بمنزلہ مہر و معوض کابین بمن ایما مقررہ رسیدہ است برضا و رغبت خود بلا اکراہ و اجبار بعوض مبلغ یک ہزار روپیہ کہ نصف منہ پانصد روپیہ میشوند ہر دو حصہ خود بدست مسمات امام النساء دختر بطنی خود بنت جمال الدین شوہرم مذکور بیع کردیم و فروختم و قیمت آں بہ برخورداری مذکورہ ہبہ نمودم و بخشش کردم و بیع ساختم۔

اقرار آنکہ بعد از تحریر ایں ہبہ نامہ ... و آنچہ کہ ترکہ مولوی بدیع الدین پدر منتقل بود بعد وفات مولوی مذکور بسبب نادرہ بافندہ چہ مولوی مسطور و والدہ من عاجزہ را تمام و کمال بابت کابین (۱) رسیدہ بود و بعد وفات والدہ ام ہفت حصہ مقرر شدند۔ دو حصہ شیخ امیر الدین و یک حصہ من عاجزہ۔ پس

دریں ولا یک حصہ خود را بعوض مبلغ یکصد روپیہ جید الوزن (۲) کہ نصفی آں پنجاہ روپیہ میشود بدست برادرزادہ ہائے خود مسمی شیخ غلام حیدر و نصیر الدین و نجیب الدین ہم بیع ساختم و فروختم و قیمت آں ہم بہ برادرزادگان مذکورین خود ہبہ نمودم و بخشیدم ...

تحریر بتاریخ یازدہم شہر ربیع الثانی ۱۲۴۴ سنہ ہجری

مہر: علامت دستخط حیات النساء

گواہ شد (۱) "شیخ نصیر الدین ولد ابو البرکات صدیقی عرف پردہان"

(۲) "شیخ غلام حیدر بن شیخ حمید الدین بن مولوی بدیع الدین"

(۳) "غلام علی چشتی ساکن رہتک باقرار مقرہ"

(۴) "امیر علی صدیقی ۱۲۱۴"

(۵) "امام الدین مقدم قصبہ رہتک"

(۶) کریم الدین ابن مولوی بدر الدین بخطہ۔

(۷) "... علے"

(۸) "....."

(۹) "امام الدین عفی عنہ" ساتھ ہی مہر: "امام الدین ۱۲۲۶"

(۱۰) مہر: "محمد حمید الدین ولد حیات علی چشتی ۱۲۴۲"

(۱۱) مہر: "شجاع الدین ۱۲۳۶ ابن مولوی بدر الدین باقرار مقرہ"

۴۴

مختار نامہ ۲۷ شوال ۴۴ ۱۲ھ

تعارف: شیخ عظیم الدین نرخ نویس کی نسل منقطع ہو چکی ہے۔ قصبہ میم کے مہاجن تیر چند و کالکا وغیرہ نے انہیں محصول بھی دینا بند کر دیا۔ انہوں نے شیخ عظیم اللہ (باب ۵) کو مختار بنایا کہ کلکٹر ضلع رہتک کے ہاں چارہ جوئی کریں۔ یہ تیر چند مہاجن وہی شخص ہے جس کے فرزند بابر نے مخبری کر کے میم کے اٹھارہ مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء میں شہید کرایا جن میں شاہ محمد اسمٰعیل (باب ۵)، مولوی سیف الدین (۱۰۵ب)، شیخ امیر اللہ (۲۵ب) اور عماد الدین (۲۴ب) بھی تھے۔ اس مختار نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نرخ نویس حق محنت کے طور پر بازار سے نصف آثار فی بیل گاڑی، پاؤ آثار فی اونٹ، ایک چھٹانک فی گدھا اور ایک آنہ فی دوکان وصول کرتا تھا۔ اس مختار نامہ پر قاضی غلام حسن (باب ۱۰) کی مہر اور مولانا محمد ابراہیم خطیب (۱۳اب) کے دستخط ہیں۔

متن

منکہ مسمی شیخ عظیم الدین ولد شرف الدین نرخ نویس قصبہ میم چوں از قدیم الایام بنام بزرگان از بازار قصبہ مذکورہ الصدر بصیغہ خدمت نرخ نویسی بطور چونگی نیم آثار غلہ فی اعرابہ و پاؤ آثار فی شتر و یک آنہ فی دوکان و چھٹانک فی خر کہ مجملہ آمدنے بازار مقرر و معین است و ہمیشہ یافتہ ماندہ لیکن در نیولا از عرصہ چند روز میان تیر چند و ۔۔۔ کالکا وغیرہ مہاجنان قصبہ میم بسبب تنازع و تکرار خود ہا کہ فیما بین آنہا واقع است ۔۔۔ دادن چونگے من مظہر موقوف و مسدود نمودہ و جواب داد لہذا من مظہر از جانب خود مسمی عظیم اللہ ساکن میم را وکالتاً و مختار من مظہر نمودہ لہذا اقرار می نمایم و نوشتہ میدہم کہ شیخ مذکور آنچہ کہ دریں بارہ بحضور صاحب کلکٹر بہادر ضلع رہتک در دستی بعمل آرد من مظہر را ساختہ و پرداختہ اش قبول و منظور است۔ بنا بر آں ایں چند کلمہ بطریق مختار نامہ نوشتہ باشد کہ سند باشد۔

مرقوم دوئم ماہ شی سنہ ع

مہر: (۱) غلام حسن بصدق اقرار شد خادم شرع احمد مختار ۔۔

اور مہر کے باہر: باقرار شیخ عظیم الدین نرخ نویس دستخط مہر نمودہ شد

(۲) مہر شیخ عظیم الدین ۔۔۔۔۔۔ مہر کے باہر: العبد مشار الیہ

دستخط: (۱) گواہ شد محمد ابراہیم متوے بخطہ (۲) گواہ شد شیخ محمد امان بخطہ

۴۵

تحریر مولوی نور محمد جوڑا ۲ ذی الحجہ ۱۲۴۵ھ ۲۵ مئی ۱۸۳۰ء

تعارف: شاہ محمد رمضان (باب ۵) کی شہادت کے بعد مولوی نور محمد صاحب ساکن بگھیڑ نے ان کے بڑے بھائی شاہ محمد اسمٰعیل شہید پر کفر کا فتوے لگایا۔ ایک عدالتی فیصلہ کے بعد مولوی نور محمد صاحب نے یہ تحریر لکھ کر دی کہ میں نے آئندہ ناشائستہ الفاظ استعمال کئے اور تکفیر کی تو تین ہزار روپیہ جرمانہ ادا کروں گا

متن

۱۲۴۴ بنور محمد نور ربنا

آنچہ دریں است قبول دارم ۱۲

منکہ فقیر نور محمد قوم جوڑا مشہور بجوڑا ساکن موضع بگھیڑ ام اقرار نمودم بریں وجہ کہ اگر بعد از انفصال مقدمہ کہ فیما بین منفقر و مولوی صاحب مولوی محمد اسمٰعیل در تواعش بود و علمائے کرام بمواہیر خود با صورت حال متضمنہ بر حکمنامہ نوشتہ دادہ اند و فیما بین ما مہر در صلح و صفائی کردند۔ انحراف ورزم و سخنے ناشائستہ از تکفیر و عدم جواز اقتدا و نماز پس پشت مولوی موصوف و حرمت ذبیحہ او وغیرہ الفاظ موجبات التعزیر بزبان رانم و مولوی موصوف مطابق شرع ۔۔۔ نزد علمائے کرام در حقیقت ۔۔۔ بر منتقر ۔۔۔ رساند مستحق تعزیر باشم و سہ ہزار روپیہ جرمانہ در سرکار صاحبان انگریز ادا کردہ دہم۔ حد میان نیاوردم بنا بر آں ایں چند سطور بطریق تمسک نوشتہ دادم کہ عند الحاجت دستاویز بودہ باشد۔

تحریر بتاریخ ششم ذی الحجہ ۱۲۴۵ سنہ ہجری مقدسہ

دستخط: (۱) "شہد بما فیہ نور جہانیاں"

(۲) "شہد بما فیہ فقیر غلام مرتضے خادم محمد اکرم"

سرکاری اشتہار ۸ شعبان ۱۲۵۳ھ ۷ نومبر ۱۸۳۷ء

تعارف: میرے پاس ہے۔

متن

حکم اشتہار آنکہ

چوں اقساط ۱۲۴۵ فصلی کے شروع ہیں، اس واسطے اشتہار عام دیا جاتا ہے کہ اگر زمینداران کسی گاؤں کے ارسال گذاری کے بموجب قسط...... قسط کے داخل نہیں کریں گے تو عطائے...... سے محروم ہوں گے۔

لکھا ۷ نومبر ۱۸۳۷ء

مواہیر: (۱) مہر کچہری تحصیلداری پرگنہ سونے پت بانگر متعلقہ حصہ شمالی ضلع دارالخلافہ شاہجہان آباد

۱۲۴۹ھ ۱۸۳۴ء

(۲) عیسٰی دبیر ۱۲۵۱ھ

حساب مدد تیاری حویلی ۱۰ اپریل ۱۸۵۵ء ۳ مئی ۱۸۶۱ء

تعارف: عبدالعزیز بن محمد اکبر بن ثناء اللہ سلسلہ چشتیہ سے تھے۔ ان کی نسل منقطع ہو چکی ہے۔ سو سال پہلے انھوں نے ایک سو چھبیس روپے سوا تین آنے میں ایک حویلی تعمیر کرائی۔ معماروں اور بڑھئی کو بارہ آنے (موجودہ ۷۵ پیسے) یومیہ دیتے۔ یہ کاغذ میرے پاس ہے۔

متن

حساب مدد تیاری حویلی منشی عبدالعزیز درہم

من ابتدائے ہشتم مارچ ۱۸۶۱ء عیسوی لغایت دوم ماہ مئی ۱۸۶۱ء

[illegible]

معماران	[illegible] نفر	مزدوران	[illegible] نفر
فی نفر ۱۲	[illegible]	فی مختلف	[illegible]
من ابتدائے اول لغایت نوزدہم اپریل ۱۸۶۱ء		من ابتدائے اول لغایۃ نوزدہم اپریل ۱۸۶۱ء	

دفعہ	دفعہ	دفعہ	دفعہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

نجاران	[illegible] نفر	پکھال	[illegible] عدد [illegible]
فی ۱۲	[illegible]		
لغایہ نوزدہم اپریل			

من ابتدائے اول	دفعہ	دفعہ	دفعہ
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

متفرقات و سرخی وغیرہ
چوب کڑی و درخت کنار

گل و خشت

نقیر کلال ملکہ

و دیگر خشت

برگہ

کڑی چوب سال

. . . .

دخل نامہ ۲۰ ربیع الاول ... ھ ۹ اپریل ...ء

تعارف: آغا منت دیدہ بریدہ کا غذ محامحسن (...) کے پاس ہے۔ خاندان کے پاس جو بادشاہوں کی عطا کردہ جاگیریں تھیں وہ تمام ... میں ضبط کر لی گئیں۔ ان میں سے یہ واحد جاگیر تھی جو اولاد شاہ بدر الدین نیاب ... کے نام بحال ہوئی۔ اس جاگیر وار کے حصہ دار ولد میں مولوی بہاء الدین (... ب) مولوی امین الدین (۹۵ ب)، مولانا حافظ الدین (۹۶ ب)، شاہ عیاذ الدین (۹۱ ب) اور شاہ ... (... ب) بھی تھے۔

متن

"... و بہاء الدین ولد شاہ غلام ... الدین و اللہ بخش ولد فیض بخش و رسول بخش و نادر بخش و ... پسر تندر بخش و امین الدین و عماد الدین پسران مولوی کریم الدین و حافظ الدین و عالم الدین پسران مولوی امام الدین ... مالکہ شیخ عیاذ الدین ولد غیاث الدین و غلام سرور الدین ولد حاجی ... و رفیع الدین ... چوں یک قطعہ تعدادی ... واقع سواد قصبہ رہتک منجملہ زمان اکبری کہ ... کمشنر مقام آگرہ براے دوام ... معرفت تحصیلدار رہتک و دیری کے قبض و دخل پہنچایا۔ اس واسطہ این چند کلمات بطریق دخل نامہ لکھ دیا کہ سند رہے۔

تحریر تاریخ نہم اپریل ...ء

گواہ: (۱) "غلام سرور الدین" العبد
(۲) "شیخ اللہ بخش" العبد

دستخط: (۱) "العبد عیاذ الدین ولد غیاث الدین قلعہ رہتک"
(۲) "العبد رسول بخش" (۳) "العبد بہاء الدین"
(۴) "العبد حافظ الدین" (۵) "العبد رفیع الدین"
(۶) "العبد ..." (۷) "العبد ..."
(۸) "نقل جیسی اصل سا ... سررشتہ"
(۹) انگریزی میں ڈپٹی کلکٹر کے دستخط

٤٩

کابین نامہ ۱۱ر جمادی الاول ۱۲۶۰ھ ۸ر جون ۱۸۴۴ء

تعارف: خلیل الرحمٰن (۴ ب) بن قاضی غلام حسن کے نکاح کا یہ کاغذ میرے پاس ہے۔ تحریر قاضی عبدالرحمٰن صاحب (۴) کی معلوم ہوتی ہے۔ زرِ مہر ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ اور دو اشرفی تھا۔ اس کی [illegible] میں دولہن کے والد مولوی امام الدین (۲۰ ب) کو مرحوم لکھا ہے حالانکہ قانونِ سلوک اور نسب نامہ الیاس کی میں ان کی تاریخ وفات ۱۴ر شعبان ۱۲۶۱ھ لکھی ہے۔ اس کابین نامہ میں ۶، ۷ اور ۸ نمبروں پر تین بزرگوں کے دستخط ہیں وہ تینوں بعد میں جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں حصہ لینے کی پاداش میں شہید کر دیئے گئے نمبر ۵ پر جو دستخط ہیں وہ صاحب سلسلۃ الانساب یعنی موجودہ طرز نسب نامہ کے موجد اور شاہ اسحاق شہید جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے والد ہیں۔

متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل النکاح ...... الانام وعنا حلاس الحلال والحرام

والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین بعد حمد رب العظیم ونعت رسول کریم

ذکریست در میان آنکہ بتاریخ بست ویکم ماہ جمادی الاول سنہ ۱۲۶۰ ہجری بنفسہ خواست وہ عقد نکاح خود آرد مسمی خلیل الرحمٰن ولد قاضی غلام حسن ساکن قصبہ جھجھر مرض نفیسہ مسماۃ بی بی سکینہ بنت مولوی امام الدین صاحب مرحوم ہمی الرجل بولایت مسمی حافظ الدین ولد مولوی امام الدین صاحب موصوف برادر حقیقی مسماۃ مذکورہ بعوض یک لکھ و ہشتاد ہزار روپیہ و دو دینار سرخ مہر وا دانے آں بذمہ خود قبول و منظور نمود و عقد نکاح ہذا منعقد گشت۔ علی الطریق الاعلان لا علی سبیل الخفیہ والکتمان۔

ایں چند کلمہ بطریق شرط بہ نوشتہ دادہ کہ سند باشد

تحریر بتاریخ مندرجہ متن

دستخط (۱) "العبد خلیل الرحمٰن بقلمہ" اور مہر "خلیل الرحمٰن ۱۲۶۰"

(۲) "گواہ شد عبدالرحمٰن ولد قاضی غلام حسن بقلمہ" اور مہر "عبدالرحمٰن ۱۲۶۰"

(۳) "گواہ شد غلام حسین ولد قاضی محمدی"

(۴) "گواہ شد نظام علی"

(۵) "گواہ شد نظام الحق"

(۶) "گواہ شد محمد اسماعیل ولد شاہ عبدالعظیم مہی بقلمہ"

(۷) "گواہ شد محمد امیر اللہ ولد شیخ صبغۃ اللہ بقلمہ"

(۸) گواہ شد عبدالحق ولد شیخ عبداللہ

مرتب نوٹ: یہاں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ میں کن وجوہ کی خاطر اس کو اتنی اہمیت کیوں دیتا ہوں۔ میں نے مندرجہ کابین نامہ سے جو نتائج اخذ کئے وہ یہ ہیں۔

۱. سو سال پہلے ہمارے خاندان کی علمی و تحریری زبان فارسی تھی۔ تحریر کنندہ عربی اسلوب نگارش کا شوقین ہے

۲. متن کی تحریر قاضی عبدالرحمٰن کے خط میں ہے

۳. خلیل الرحمٰن کی شادی بی بی سکینہ بنت مولوی امام الدین (باب ۲) سے ہوئی۔

۴. سو سال پہلے ہمارے خاندان میں ایک لاکھ اسی ہزار روپیہ اور دو اشرفی بھی زرِ مہر ہوتا تھا۔

۵. لڑکی کی شادی کے لئے اس کے ولی کی رضامندی لازم تھی۔

۶. خلیل الرحمٰن اور قاضی عبدالرحمٰن بھائی بھائی تھے اور ان کے والد کا نام قاضی غلام حسن تھا۔ محمد حسن نہیں جیسا کہ بعض شجرہ نویسوں نے لکھا ہے

۷. مولوی امام الدین کی تاریخ وفات قانونِ سلوک اور نسب نامہ الیاس وغیرہ میں ۱۴ر شعبان ۱۲۶۱ھ لکھی ہے حالانکہ یہ کابین نامہ ۱۱ر جمادی الاول ۱۲۶۰ھ کو لکھا گیا اور اس میں ان بزرگ کو مرحوم لکھا گیا ہے۔

۸. بزرگوں کے ہوتے ہوئے کابین نامہ پر دولہن یا دولہن کے ہمراہ سال ولی کے دستخطوں کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی۔

۹. ان نتائج کے علاوہ اس کابین نامہ کی اہمیت یہ ہے کہ اس پر ہمارے خاندان کے اولین نسب نگار (شجرہ نویس نہیں) احتشام الحق صاحب سلسلۃ الانساب کے دستخط ہیں۔ مگر اس بے بہا کاغذ کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس پر آخری تین حضرات کے دستخط ہیں یعنی نمبر (۶) (۷) اور (۸) پر انہیں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے شہید کر دیا۔ ایک ہی کاغذ پر تین شہدائے جنگ آزادی کے دستخط ہونا بڑی بات ہے۔

دستخط (۱) "العبد ضیاؤ الدین ولد شاہ غیاث الدین بخط خود بہ مساۃ فضل النساء مسطور المتن"

(۲) گواہ شد "شیخ امیر اللہ ولد شیخ مہر اللہ باذنہ"

(۳) " "امام بخش خاں ولد قادر بخش خاں نمبردار قصبہ مہم باذنہ"

(۴) " "عبد خاں نمبردار قصبہ مہم ولد حسن خاں"

(۵) " "نظام علی ولد محمد بخش"

(۶) " علاؤ الدین ولد مولوی کریم الدین مرحوم سکنہ قلعہ رہتک"

(۷) " "فضل علی ولد نظر علی بخطہ"

(۸) " "خدا بخش خاں نمبردار قصبہ مہم ولد سعدی خاں"

(۹) " "... داس ولد... داس مہاجن ساکن قصبہ رہتک باقرار مقر"

(۱۰) " "کچھ دستخط اردو میں دو دستخط ہندی میں

پشت پر

شاہ

ضیاؤ الدین

بن شاہ

غیاث الدین

کا حلیہ

لکھا ہوا

ہے وہ

صفحہ ۵۹۳

پر ملاحظہ

ہو

شاہ ضیاؤ الدین ولد شاہ غیاث الدین قوم شیخ ساکن قصبہ رہتک عمر شصت سال، پیشہ نوکری، گندم رنگ، فراخ پیشانی، کشادہ ابرو، میش چشم، بلند بینی، ریش بروت ابلق، دراز قامت، فربہ اندام، نشانِ بر رخسارہ بائع اصالتاً حاضر شدہ اقرار از تحریر قبالہ نہاد ثبت العبد و دستخط خود کردہ تعدیل وثیقہ نمود و منگل سین ولد ٹھنڈی رام قوم کائتھ و ذرنجن داس ولد سیتل داس قوم مہاجن ساکن قصبہ مسطور گواہان مندرجہ برشناخت بائع بموجب قانون پنجم ۱۸۴۳ء ادائے شہادت نمودند۔

المرقوم بست و پنجم ماہ فروری ۱۸۴۳ء مطابق نوزدہم ربیع الاول ۱۲۵۹ھ ہجری روز جمعہ فقط

العبد محمد عطاء اللہ خاں رجسٹر

محمد احسن اللہ رجسٹر نویس

سماد احمد صدیقی 15/64 15 ولد

راقم: پیرزادہ محمد اظہر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

۵۱

اقرار نامہ — ۲ جمادی الثانی ۱۲۶۵ھ

تعارف: اور بڑے خاندانوں کی طرح ہمارے خاندان کی بعض خوشحال خواتین کے پاس بھی کنیزیں تھیں۔ جن میں سے ہر ایک کے کوائف میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان کنیزوں کا نکاح ایسے ہی لوگوں سے کرادیا جاتا تھا۔ نکاح کے بعد اکثر حالات میں یہ آزاد کردی جاتی تھیں۔ بعض حالات میں نکاح کراتے وقت آزاد کنیز اظہار تشکر کے لئے اور مستقبل کے اس خطرہ کی پیش بندی کے لئے کہ اس کا خاوند اسے کہیں بیچ نہ دے اس شرط کے لکھوانے پر مصر ہوتی کہ وہ مالکہ کی خدمت کرتی رہے گی۔ یہ اقرار نامہ ایک ایسی ہی مثال ہے۔ الحاج شیخ فضل حق کا سلسلہ اولاد جاری نہیں۔

متن

میں احمد خاں ولد عبدالرحمان خان حال ساکن ٹکانہ پرگنہ ضلع رہتک ہوں جو منکہ نے سماۃ چنبہ کنیز والدہ شیخ فضل حق سے نکاح کیا۔ سو اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ تا حین حیات والدہ صاحبہ شیخ فضل حق کے سماۃ چنبہ مذکورہ منکوحہ اپنی کو علیحدہ نہیں کرونگا اور نہ خدمت اور رضامندی سے اوسکے باز رکھونگا اور اگر قضاً ایسی حرکت کروں اور ادنے کسی وجہ سے علیحدہ کروں تو مبلغ چہل و نہ روپیہ سکہ رائج کہ نصف اسکے بست و چہار روپیہ ہشت آنہ ہوتے ہیں ادا کرونگا۔ کچھ عذر و حیلہ درمیان نہیں لاونگا بناءً علیہ یہ کاغذ بطور اقرار نامہ کے لکھ دیا گیا کہ تاریخ حال سند ہو اور عند الحاجت بکار آوے۔

تحریر فی التاریخ دوئم شہر جمادی الثانی ۱۲۶۵ھ ہجری

دستخط: (۱) العبد احمد خاں ولد عبدالرحمان خاں بخط خود
(۲) گواہ شد سیف الرحمن ولد مولوی محمد اسمٰعیل بخط خود
(۳) گواہ شد عبدالغنی ولد مولوی محمد اسمٰعیل بخط خود
(۴) گواہ شد حافظ جان محمد ولد خیراتے خاں جابو باذنہ
(۵) گواہ شد مراد شاہ ولد غلام رسول باذنہ

۵۲

مختار نامہ — ۸ ذیقعدہ ۱۲۸۰ھ — ۱۵ اپریل ۱۸۶۴ء

تعارف: عبدالستار کے پڑپوتے احمد حسین (۵۳) ہیں۔

متن

منکہ عبدالرحمن ولد غلام محی الدین عرف کلو ابن شیخ ولی اللہ ساکنہ قصبہ موضع چندوہ اصالتاً از طرف خود و مختاراً از طرف والدہ و عادی خود ایم۔

چوں پیداوار اراضی سکنہ نمبری موضع چندوہ کلاں از طرف من مقرر بہ اجارہ کالاوہ باب زمینداران موضع مسعدہ سپرد ہیں اور بہ امر دیگر خبرگیری تردد و وصول از محاصل اراضی مسطورہ من مقر بوجہ دوری نہیں کر سکتا اس سبب سے اپنی طرف سے میں عبدالستار ولد شیخ عظیم اللہ کو لکھ کر دیتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ جو کچھ انتظام و تردد دار اراضی مسطورہ میاں عبدالستار مسطورہ کریں یا جو کچھ نقد و جنس بابت پیداوار اراضی مسطورہ وصول کریں وہ مثل سابق ... اپنی ذات کے قبول و منظور ہوگا لہٰذا اس چند کلمہ بطریق مختار نامہ لکھ دیئے کہ سند ہو کہ عند الحاجت کام آوے۔

مرقومہ ہشتم ذی قعدہ ۱۲۸۰ھ ہجری النبوی

مہر: محمد فضل الرحمن گواہ شد

دستخط (۱) گواہ شد خدا بخش ولد خواجہ بخش
(۲) گواہ شد محمد شاہ غوث ولد اسمٰعیل صاحب
(۳) گواہ شد عبدالرحمن ولد قاضی غلام حسن ساکن قصبہ میم
(۴) گواہ شد عبدالباقی
(۵) گواہ شد محمد یعقوب ولد مولوی محمد اسمٰعیل
(۶) گواہ شد بہاء الدین
(۷) گواہ شد قاضی محمد فضل الرحمن ولد قاضی غلام حسین ساکن میم سکنہ موضع چندوہ کلاں پرگنہ فتح آباد
(۸) العبد عبدالرحمن مسطور المتن

۵۲

قسمت نامہ جائداد دہم جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ ۷ اپریل ۱۸۸۴ء

متن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

منکہ شیخ عبدالغنی بن مولوی محمد اسمٰعیل مرحوم ساکن قصبہ بہم ضلع روہتک اقرار کرتا ہوں اس بات پر کہ یک منزل مکان مشہور بہ بنگلہ واقعہ قصبہ بہم در محلہ قصابان زر خرید و طیار کردہ مرا بلا شرکت غیرے بعمارت پختہ و مسقف بچوب سال و محدودہ بحدود اربعہ ذیل ہے۔ حاجی محمد عبدالشکور فرزند کلاں اپنے کو برضا و رغبت و صحت نفس و ثبات عقل خود ہبہ کیا اور موہوب الیہ مذکور کو قابض و متصرف کیا بجمیع حقوق و المرافق مختار رہے۔ چاہے جس طور عمل کرے کسی کو منجملہ ورثان میرے سے دعوے اور خصومت نہیں ہے اگر کوئی دعوے کرے دعوے اوسکا شرع شریف میں باطل ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ یک چاہ معروف بہ شورہ گرداں معہ اراضی تعدادی [illegible] مع احاطہ و رقبہ زمین چوپال مرمتہ واقعہ قصبہ بہم جو زر خرید میری بلا شرکت غیرے ہے وہ متعلق مکان مدرسہ کے فی سبیل اللہ وقف کی گئی ہے اس کو اور زمین چوپال مذکورہ پر کسی اور کو میری اولاد سے دعوے وراثت اور ملکیت کا نہیں البتہ سوائے اس زمین کے باقی جو زمین موروثی واقعہ قصبہ بہم جو شاہ لاکے حصاری دروازہ اور قریب تالاب مرشد کے ہے وہ عبدالشکور اور تاج الدین بشراکت وارث و قابض ہیں اور یک منزل مکان واقع شہر جیپور کے زر خرید میرا ہے وہ فروخت ہو کر مکان وزیرالدین کا طیار کرایا جاوے گا۔ بنابراں چند کلمہ بطریق ہبہ نامہ تحریر کر دیے گئے کہ سند رہے فقط۔

شرقے	غربے	شمالے	جنوبے
اراضی مکان زاہد	کوچہ گذر محلہ و	اراضی مکان سجاد	شارع عام و
روشن ناگ سمر	پیچھے مکان [illegible]	[illegible] بنت [illegible]	و [illegible]
	[illegible] گذر [illegible]	پیچھے مکان [illegible]	
	[illegible]		
	[illegible]		

تحریر فی التاریخ دہم جمادی الثانی [illegible]

مواہیر: (۱) "فقیر عبدالغنی لطف رمضان سنہ ۱۲۹۲ اور اس کے اوپر دستخط: "العبد عبدالغنی بن مولوی محمد اسمٰعیل مرحوم بخط"

(۲) "شیخ عبدالعلی ۱۲۷۸" اور اس پر دستخط "گواہ شد عبدالعلی ولد شیخ عبدالکریم"

(۳) "نمبردار احمد خان ۱۲۹۵" اس پر دستخط "گواہ شد احمد خان نمبردار جابو"

(۴) "ہوشدار خان" اس پر دستخط "گواہ شد ہوشدار خان ولد ملوک خان"

(۵) "علاء الدین" اس پر دستخط "گواہ شد علاء الدین بقلم خود"

(۶) "داؤد خان" اس پر دستخط "گواہ شد داؤد خان نمبردار پسر غلام رسول خان"

دستخط: (۱) "گواہ شد امداد الحق ولد احتشام الحق بقلم خود"

(۲) "گواہ شد محمد سلام الدین بن شاہ عبدالسمیع بقلم خود"

(۳) "گواہ شد محمد عنایت اللہ ولد شیخ فقیر اللہ بقلم خود"

(۴) "گواہ شد محفوظ الرحمن بن شیخ عبدالرحمن بن شیخ عبدالحکیم"

۵۵

مکتوب گرامی سید اولاد حسین شاداں بلگرامی

کیفیت: بنام پیرزادہ ابراہیم حنیف۔ میرے پاس ہے۔

۲۷ر مئی سنہ ۱۹۲۰ء — قصبہ بلگرام۔ ضلع ہردوئی۔ محلہ سیدواڑہ

شاداں نوازا۔ تسلیم

کرمت نامہ جناب ۲۴ ماہ حال مجھے بلگرام میں وصول ہوا۔ خدا کرے کہ جناب ڈاکٹر صاحب نے جیسا آپ سے وعدہ فرمایا ہے اوسے پورا بھی کردیں اور آپ اپنے مطلب میں کامیاب ہو جائیں۔ مجھے آپ کی تصنیف بہت پسند آئی۔ خدا کرے کہ بہت جلد چھپکر روشنی بخش دیدہ مشتاق ہو۔ اور قبولیت عامہ حاصل کرے۔ میں اپنے نزدیک آپ کی کتب میں کوئی سقم نہیں پاتا۔

جب آپ عازم حیدرآباد ہوں گے اور میں رامپور میں ہونگا اور آپ مجھے اطلاع دینگے تو حسب وعدہ جناب ہوش سے ایک تحریر سفارش بنام مہاراجہ بہادر لکھوا دوں گا مگر جناب ہوش کا اوس زمانہ میں رامپور میں ہونا شرط ہے۔

چند اشعار اپنی غزلوں کے ارسال خدمت کرتا ہوں۔ اگر فلسفہ حسن و عشق کے عنوان میں کسی محل مناسب ہوں اور آپ کو پسند بھی آئیں تو انکا اقتباس بھی کیجئے۔ والاخلا

سب اونکی برش تیغ نظر کو دیکھتے ہیں — یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں
غلط ہے یہ مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں — سب اس بہانہ سے اوس کی نظر کو دیکھتے ہیں
بہت ہی تھوڑی ہے دنیا میں عمر دو دنوں کی — دل اپنا دیکھ کے شمع سحر کو دیکھتے ہیں
نہیں ہے کون الٰہی ہمارے پہلو میں — یہ کیا سبب ہے جو ویران گھر کو دیکھتے ہیں
کہاں تر دامن سفاک اور کہاں یہ رنگ — ہم اس رسائی خون جگر کو دیکھتے ہیں

جو لوٹتا ہے شب وصل میں مزے شاداں
عجیب حال ہم اس کا سحر کو دیکھتے ہیں

کبھی اونکی حالتیں فرقت میں یکساں ہو گئیں — یاں طبیعت بگڑی واں زلفیں پریشاں ہو گئیں
ابتدا ہونے پر شکوؤں کا بھلا پھر ذکر کیا — منتیں جو یاد آئیں صرف جاناں ہو گئیں

۵۶

نقل فرمان نواب ٹونک ۱۳ر جون ۱۸۹۲ء

تعارف: محمد سرور حق (ایم۔اے) کے پاس ہے

متن

نقل حکم حضور والا دام اقبالہ

چٹھہ ناصیہ عرضی حافظ محمد مشتاق الدین تحصیلدار جھنڈ دیہ پرگنہ سرونج

بدرخواست عطائے حکم خوشنودی مزاج حضور والا معروضہ ۹ جون سنہ ۹۲ حکم ہوا کہ معروضہ ناظم پرگنہ سے معلوم ہوا کہ عارض اپنے کام کو امانت و دیانت سے ہوشیاری انجام دیتا ہے۔ بدریافت اس کے جبیں اقدس حضور بابدولت خوشنود ہوئے۔ عارض کو چاہیئے کہ آئندہ ہمیشہ اس طرح اپنے مفوضہ کام کو محنت اور امانت سے انجام دے۔ بذریعہ نقل حکم سائل کو اطلاع دی جاوے۔

فقط المرقوم ۱۳ر جون سنہ ۹۲

بقلم فریدالدین المجد

دستخط (۱) "احمد یار عفی اللہ"
(۲) "دبیر الملک محمد یوسف میر منشی ریاست ٹونک"
مہر: "دارالانشا سرکار ٹونک ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۵ عیسوی" اور گرد انگریزی میں سرکار ٹونک

پڑتی ہے کہ اب وعدہ کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ مثلاً پروفیسر غلام محمد طور مغفور کا کلام ایک سال سے زائد کی قید بھگت رہا ہے اور میں حسبِ وعدہ تنقید و تبصرہ نہ کر سکا! سیدما اس مسودہ کی فرمائش ڈیڑھ سال سے جاری ہے اور میرا وعدہ ہے کہ خواجہ میر درد کے دیوان پر تبصرہ لکھوں مگر تا حال سوائے ندامت کے کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ سبب اس کا یہ ہے کہ میں پیٹ کے دھندے کے علاوہ کچھ قومی کام بھی کرتا رہتا ہوں اور دونوں کی مشغولی بہت زیادہ ہے۔ ایک صورت البتہ ممکن ہے۔ اگر کسی وقت دو چار روز کے واسطے آپ غریب خانے پر رونق افروز ہوں اور پیشتر سے ایسا وقت مقرر کریں جو تعطیل میں واقع ہو تو آپ کے سامنے تا بمقدور خود کچھ خدمت کروں گا اگرچہ میں یہ بالکل نہیں کہہ سکتا کہ مجھ سے خدمت بن کونسی آئے گی۔ بہر حال تعمیل ارشاد کی یہ ایک ہی صورت ہے۔

زیادہ نیاز۔ والسلام

بندہ غلام بھیک نیرنگ

۵۷

مکتوب گرامی علامہ اقبالؒ و میر غلام بھیک نیرنگ

کیفیت: یہ ایک معمولی نوعیت کا خط ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ ایک پوسٹ کارڈ کے ایک ہی طرف دو بزرگوں کے خطوط ہیں۔ میر غلام بھیک نیرنگ صاحب کو علامہ اقبالؒ نے پوسٹ کارڈ لکھا اسی پوسٹ کارڈ پر میر صاحب موصوف نے پیرزادہ ابراہیم حنیف کو خط لکھ کر لفافہ میں بند کر کے بھیجا۔ یہ پوسٹ کارڈ میرے پاس ہے۔

متن

ڈیر میر صاحب السلام علیکم۔

والا نامہ ملا۔ بڑی خوشی سے وہ مراسلت کریں۔ معزالدین کے مقدمہ کی کل بھی پیشی تھی مگر ملتوی ہوگئی۔ دو چار روز میں پھر پیشی ہوگی۔

امید ہے جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال لاہور ۱۳ر اکتوبر ۱۴ع

مکرمی پیرزادہ صاحب السلام علیکم۔

لیجیے سلسلہ جنبانی ہوگئی۔ اب آپ براہِ راست مراسلت کر کے معاملہ طے کریں۔ والسلام

بندہ نیرنگ

۱۴/۱۰/۲۱

۵۰

مکتوب علامہ اقبال

کیفیت: بنام پیرزادہ ابراہیم حنیف (رباب ۵) میرے پاس ہے۔

متن

لاہور یکم ستمبر ۳۳ء

مخدومی۔ آپ کی کتاب دلچسپ معلوم ہوتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کی تکمیل میں آپ کی مدد کرنے سے قاصر ہوں۔ میرے فرصت کے اوقات پرائیویٹ لٹریری کام کے نذر ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسے معاملہ میں مطالعہ کتب کے بغیر مشورہ دینا ممکن نہیں۔ میں ایک عرصہ سے لکھنے کا سلسلہ چھوڑ بیٹھا ہوں۔ صرف ایک آدھ مسئلہ سے دلچسپی باقی ہے جس کا تعلق آپ کے مضمون سے نہیں۔

اگر آپ کا مدعا یہ ہے کہ آپ کی کتاب یونیورسٹی کے کسی امتحان میں کورس مقرر ہو جائے تو یہ بات کتاب کی اشاعت سے پہلے ممکن نہیں۔ کورس کا معاملہ یونیورسٹی بورڈ کے سامنے پیش ہوتا ہے جس کا میں بھی ایک ممبر ہوں۔ اشاعت کتاب کے بعد آپ ایک کاپی بھیج دیں۔ میں اسے بورڈ کے سامنے پیش کر دوں گا۔ اگر بورڈ کی رائے میں وہ کتاب کورس بننے کے قابل ہوئی تو یقیناً نصاب میں داخل ہو جائے گی۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور۔

۵۹

مکتوب خان بہادر ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام دہلی

کیفیت: بنام پیرزادہ ابراہیم حنیف (رباب ۵) ۲۸ جنوری ۱۹۲۲ء ڈاک خانہ کی مہر ہے میرے پاس ہے۔

متن

جانِ من۔ عنایت نامہ کا شکریہ۔ عرض ہے کہ آپ نے وقت کی شکایت کی کہ آنے جانے میں وقت ضائع ہوتا تھا۔ اب پیسوں کا مجھ کو جرم لگا دیا۔ میں خود آپ سے ملنے آجایا کروں گا۔ آپ کی علاوہ کے ایک قدردان صاحب کی تلاش میں ہوں۔ امید ہے کہ آپ خوش ہوں گے۔ میں لکھنے پڑھنے کے نام سے اکتا گیا ہوں۔ آپ اس طرف بہت متوجہ ہیں۔ وہ مضمون سیاسی کا نہ نکلے جبکہ اگر آپ مجھے بھیج دیں تو میں احسان مند ہوں۔ سیاسی تعلق مجھے پسند نہیں۔ محض علمی و ادبی درجہ کی تحریر سے تعلق ہے۔ زیادہ عمر ہو جانے سے میں علم کی طرف سے بیکار ہو گیا ہوں۔ آپ نے تہنیت اچھا لکھا ہے طبیعت خوش ہو گئی Thank you

۲۸/۱ نیازمند ناصر علی

۶۰

مکتوب صاحبزادہ محمد ضیاء الدین سجادہ نشین سیال شریف یکم اگست ۱۹۲۰ء

کیفیت: پوسٹ کارڈ ہے۔ بنام پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۵) میرے پاس ہے۔

متن

جناب پیرزادہ صاحب محمد حنیف سلمہ رب اللطیف

بعد سلام مسنون موضوع آنکہ جناب کی کھلی چٹھی بنام ہیڈ آف کیمبرج دہلی اخبار الجمعیۃ ۲۷ جولائی سنہ میں دیکھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ عبرانی کے فاضل ہیں۔ فقیر کو مدت سے عبرانی سیکھنے کا شوق ہے از راہ کرم کوئی ایسی کتاب یا قاعدہ جس میں عربی اردو حروف میں عبرانی لکھی جا سکے اور عبرانی ڈکشنری اس کے مقابلہ میں اردو فارسی کا ترجمہ ہو جس سے عبرانی لکھنی پڑھنی آسان ہو جاوے۔ اگر جناب کے پاس ہو تو بذریعہ وی پی فقیر کے نام بھیج دیں یا جہاں سے مل سکے اوس کا مفصل پتہ لکھیں اور جو آپ عبرانی اردو لغات لکھ رہے ہیں وہ پایہ تکمیل کو پہونچ چکی ہے۔ اگر وہ چھپ جائے تو ایک نسخہ میرے نام وی پی کر دیویں اور جو کتاب جناب نے موضوع کی مسیح علیہ السلام کی عدم مصلوبیت کے ثبوت میں لکھی ہے اور جس کا آپ کی چٹھی کے فقرہ نمبر ۲ میں اشارہ ہے اگر چھپ چکی ہے تو اس کا بھی ایک نسخہ بذریعہ وی پی بھیج دیویں۔ یا جس کتب فروش سے مل سکتی ہے اوسکا مفصل پتہ دیویں۔ فقیر کو مذاہب عالم کی تحقیق کا شوق ہے خصوصاً موسوی اور مسیحی دین کی کتابوں کا نہایت شوقین ہوں۔ عربی، فارسی کا اردو بائیبل فقیر کے پاس موجود ہیں اب عبرانی سیکھنے کا شائق ہوں۔ اس باب میں جو آپ سہولت بہم پہونچا سکتے ہیں اور مفید مشورہ دے سکتے ہیں دریغ نہ فرماویں۔ آپ نے جو کتابیں اس بارے میں تصنیف کی ہیں یا مختلف مذاہب پر تنقید کی ہے اگر وہ چھپ چکی ہیں تو ان کی فہرست بھیج دیویں تاکہ حسب منشا خود کتابیں خرید کی جاویں۔ فقیر نہایت ممنون ہوگا۔ اگر جناب اپنا قیمتی وقت اس خط کے جواب میں صرف فرماویں گے اور آئندہ بھی استفسار خطوط کے جواب سے محروم نہ فرماوینگے۔ زیادہ نیاز

الراقم صاحبزادہ محمد ضیاء الدین سجادہ نشین

از سیال شریف تحصیل و ضلع شاہ پور پنجاب ۱۲ صفر ۱۳۳۹ سنہ

۶۱

مکتوب دیوان سید آل رسول علیخاں سجادہ نشین درگاہ خواجہ صاحب اجمیری

کیفیت: بنام پیرزادہ ابراہیم حنیف۔ (باب ۵) میرے پاس ہے۔

متن

اجمیر شریف

۱۰/۴/۱۹۲۹

حویلی دیوان صاحب درگاہ شریف

محترمی جناب مولینا زید مجدہم

وعلیکم السلام۔ اتنی طویل خاموشی جو ابھی یقیناً اخلاقی کمزوری خیال کی جا سکتی ہے مگر میں مجبور ہو گیا کہ جتنی زیادہ احتیاط کے ساتھ آپ کا خط رکھا اتنا ہی اوسکا دستیاب ہونا مشکل ہو گیا کاغذات میں ایسا مخلوط ہوا کہ آج تین روز کے بعد ملا۔ آپ کا پتہ یاد نہیں تھا گو مضمون یاد تھا اگرچہ لغات وغیرہ کا ترجمہ بعض مشفقین کے ہاتھوں ایسا پھنسا کہ اونکی وجہ سے اور بھی تاخیر ہوتی اب ترجمہ وغیرہ ہو گیا ہے اور میں یہ سب کاغذات آپ کی خدمت میں بھیجنے کو تھا لیکن وکیل کے مشورہ کے بعد یہ قرار پایا کہ آپکو اجمیر شریف بلانے کی تکلیف دیجاوے اور جس قدر آپ نے تیاری کر لی ہے اوسکو شہادت کے سلسلہ میں مرتب کر لیا جاوے اور مزید تیاری کے لئے آپکو اجمیر شریف بلانے کی تکلیف دیجاوے۔ میں خدا کی ذات سے یقین رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اجمیر شریف میں آپ معیشت کی طرف سے تکلیف نہ اٹھائینگے اور میرے اور آپکے درمیان جو شکر خدا چاہے آسانی سے طے ہو جائینگے تعلق ہمارے ہاں خانگی مشورہ ہو چکا ہے ایسا ہے کہ جس وقت آپ پر انکشاف ہوگا آپ بھی اوسکو منظور فرمائینگے۔ آپکے دیگر مشاغل کے لئے بھی انشاء اللہ اجمیر شریف اچھا مرکز ثابت ہوگا۔ مقدمہ کی تاریخ بہت نزدیک آگئی ہے اور تبدیل تاریخ کی کوشش بیکار معلوم ہوتی ہے اسلئے مہربانی فرما کر آپ مع کاغذات کے جن کی تیاری آپ نے کر لی ہے جلد از جلد اجمیر شریف پہنچنے کی تکلیف گوارا فرماویں۔ سفر خرچ میرے ذمہ ہوگا۔ آپ کے شوق نے طبیعت کو بہت متاثر کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرفا کو اپنے اصلی وقار کے ساتھ اور مناسب حالات کے ساتھ

رکھے۔ آمین والسلام

عزیزم میاں سید آل نبی صاحب امتحان بی۔ اے کے لئے علیگڈھ گئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرماوے۔ آمین۔

فقیر دیوان سید آل رسول علیخاں
سجادہ نشین آستانہ عالیہ اجمیر شریف

۶۲

مکتوب علامہ عنایت اللہ المشرقی

کیفیت: میرے پاس ہے۔ لفافہ پر پتہ یہ ہے:

مقام لاہور۔ پرانی انارکلی، ستاروں کی گلی
مکرم و محترم حجۃ الاسلام پیرزادہ ابراہیم حنیف صاحب
دار الاشاعۃ تفسیر آل محمد Lahore

متن

۱۳۶۸ھ

از لاہور خانہ بیگم فیروز الدین احمد
۱۷، میکلوڈ روڈ — ۱۷ اپریل سنہ

مکرم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا خط ملا۔ پہلا پارسل جس میں تفسیر آل محمدؐ کے دو نسخے تھے مجھے پر سوں پشاور سے پہنچ گیا تھا۔ آپ کا دوسرا پارسل بھی آج ملا۔ میں نے مرسلہ کتب کو سرسری نظر سے دیکھا ہے۔ آپ کی محنت سے اندازہ لگا سکتا ہوں کہ آپ کو قرآن حکیم سے شغف ہے۔ خدا تعالیٰ سے عرض ہے کہ آپ کی محنت کو مشکور کرے۔ دیوان کے متعلق آپ کا مجوزہ سارا سلسلہ ہی فی الحقیقت عجیب و غریب ہے کیونکہ مجھے ابراہیم علیہ السلام اور رام چندر جی میں تطابق پیدا کرنے کا خیال نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ نے جو کچھ لکھا ہے نہایت محنت سے لکھا ہے۔

میں آج کل ایک کتاب کی طباعت میں مصروف ہوں۔ آپ سے ملاقات کر کے خوش ہوں گا۔ اتوار کی صبح کو (۱۹ اپریل ۴۹ء) آٹھ بجے آپ تشریف لے آئیں اور ہم جاتے ہی اکٹھے ہوں گے۔

مخلص
عنایت اللہ

۶۳

مکتوب علامہ عنایت اللہ المشرقی

کیفیت: بنام پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۵) ۲۱ مئی ۱۹۳۱ء میرے پاس ہے۔

از خانہ بیگم فیروزالدین احمد صاحبہ ۲۱ مئی ۳۱ء

،، میکلوڈ روڈ - لاہور

مکرم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں ۲۲ اپریل کو پشاور میں تھا اور ابھی چند روز ہوئے واپس آیا ہوں۔ آپ کا خط اسی اثناء میں ملا اور یہاں پر محفوظ رہا۔ آپ کے استفسارات کا مختصر جواب دیتا ہوں۔

اس مختصر کتاب سے جو میں دس برس کی خاموشی کے بعد شائع کر رہا ہوں آپ کو اندازہ ہو جائیگا کہ میں کن معنوں میں مسلمانوں کو زندہ قوم سمجھتا ہوں۔ ان میں بعض ایسی صلاحیتیں اب بھی باقی ہیں جو ان کو بڑی قوم پھر بنا سکتی ہیں۔ ہوشمند مسلمانوں کو چاہیئے کہ اسوقت ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں اور اسلام کا بول بالا پھر کر دیں۔

۲۔ ایک ایسی عام حرکت کی پھر ضرورت ہے جس میں مسلمان مسٹر گاندھی کے چرخے کی حرکت کی طرح شامل ہو سکیں۔

۳۔ اس حرکت کو شروع کرنے کے لئے دردمند مسلمانوں کا آپس میں بیٹھکر فیصلہ کرنا ضروری ہے صرف باعمل سپاہیوں کی ضرورت ہے، بحث کرنے والوں کی نہیں۔

۴۔ مسلمان خدا پرست نہیں ہے بلکہ ہر ایک اپنے اپنے بتوں میں مست ہے، اس لئے قلم کی ضرورت نہیں رہی۔ صراط مستقیم ظاہر ہو چکا ہے۔ اب صرف عمل چاہیئے۔

۵۔ سرکردہ عامل باعلم ہونے چاہئیں تاکہ اسلام کو کماحقہ سمجھ سکیں۔ باقی عاملوں میں صرف اطاعت وہ شے ہے جو اسلام کو آسمان تک پھر پہنچا سکتی ہے۔

تذکرہ کے لکھنے کی ضرورت اس لئے تھی کہ اب تک باوجود بیت سیفی بیعی کے طے نہ

ہوا تھا کہ اسلام کیا ہے۔ اب اگر میں اپنے آپ کو دھوکا نہیں دیتا تو عام مسلمان تذکرہ سے متفق ہیں۔

اس مختصر رسالے کی ضرورت اسلئے ہے کہ اس عام حرکت کا پروگرام شائع کیا جائے جو اسلام کو بیدار پھر کر سکتا ہے۔

اب "قلم رکھ دینے" کا وقت میرے نزدیک آچکا ہے۔ آپ کو غور کرنا چاہیئے۔ آپ مجھے خط بھی لکھیں اور فرصت کے وقت ملاقات بھی کریں۔ میں بہت خوش ہونگا۔

مخلص

عنایت اللہ

٢۔ آپ نے جو رائے روایتوں کی نسبت لکھی ہے اس سے مجھے آپ سے بتفصیل ذیل اتفاق ہے کہ جس
حدیث یا روایت کی صداقت صاف طور پر قرآن سے نہ ظاہر ہو یا جو سنتِ رسول کے خلاف ہو وہ
فقہ اسلامی میں داخل ہونے کے لائق نہیں۔ پھر بھی وہ حدیث یا روایت جس سے اسلام کو کسی طرح کا
ضرر آج کل کی ترقی کے زمانہ کے لحاظ سے نہ پہنچتا ہو۔ اس کو شریعتِ اسلامی میں شامل کرنے میں
مضائقہ نہیں۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ صدہا سال سے دنیا بھر کی اکثر عدالتوں میں سنی سنائی (hearsay)
گواہی قابلِ سماعت نہیں ہوتی۔ تو پھر ایسی حدیثیں جو رسول کریم کے وصال سے سو ڈیڑھ سو اور دو سو برس کے
بعد بنائی گئیں، اپنی صحت کے لحاظ سے ہماری نظر میں مشکوک ہونے کی ایک معقول وجہ رکھتی ہیں۔ پھر بھی
اگر وہ اسلام کی بہبود کے نظر سے بہتری کے لئے منصور ہوں تو خیر ہمیں کوئی عذر نہیں۔ میں اس سوال کی نسبت
بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ مگر جو عذر اوپر تحریر کیا گیا ہے اس کی وجہ سے زیادہ لکھنے سے قاصر ہوں۔

٣۔ آپ نے جس فراخدلی سے اس پیراگراف میں اظہار خیال کیا ہے وہ محض آپ کا حسن ظن ہے کیونکہ
اس شہر میں کوئی قابل عالم میرا ہم خیال نہیں ہے۔ یہاں پر جو دو سرکاری مولوی ہیں ان میں سے ایک تو
دیوبندی ہیں جو عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ دوسری غیر زبانیں نہیں جانتے۔ وہ اس اسکیم کے لئے
موزوں نہیں کیونکہ وہ پورے orthodox بلکہ اس سے بھی کچھ زائد عقاید کے ہیں۔ دوسرے
مولوی بی اے تک انگریزی پڑھے ہیں پھر بھی وہ کار آمد ہیں۔ اس طوالتِ تحریر سے میرا مقصد یہ ہے
کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے اور کر رہے ہیں وہ میرے خیال میں میری کوشش کے نتائج سے زیادہ بہتر ہونے چاہئیں۔
لہٰذا میں آپ سے ملتجی ہوں آپ وقتاً فوقتاً اپنی اسکیم کے نظام کی مجھ کو خبر دیتے رہیں تو عنایت ہوگی۔

٤۔ اس کا جواب مندرجہ صدر پیراگراف نمبر ٣ میں آگیا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ کوئی ایسے عالم جو میری رائے کو پختہ کر سکیں اور اطمینان بخش امداد میرے
کام میں دے سکیں، تجویز فرمائیں تو میں ان کو ملازم رکھ لوں۔ اس طرح وہ آپ کے ساتھ بھی مراسلت کرتے
رہیں گے۔ سوا اس کے آپ کو اگر مجھ سے کسی اور طرح کی امداد کی ضرورت ہو تو لکھئے گا۔ میں انشاء اللہ غور کر کے
حتی الوسع اس کو پورا کرنے کی سعی کروں گا۔

٥۔ آپ کا مطبوعہ استفتاء جو ہنوز میرے زیر مطالعہ ہے۔ کچھ دیر کے بعد اس کے متعلق اگر ضرورت ہوا
تو تحریر کروں گا۔ والسلام

آپ کا خیر اندیش

محمد جہانگیر

٦٦

مکتوب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

بنام سرور صدیقہ اہلیہ مؤلف

ستن

ذیلدار پارک اچھرہ لاہور

مورخہ ۱۰ اکتوبر ۵۸ء

محترمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ اس کا جواب تاخیر سے دے رہا ہوں۔
آپ نے تفہیم القرآن کے متعلق جو مشورے دیئے ہیں ان کے لئے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ دراصل
میں نے شیخ قمر الدین صاحب کو اس کتاب کے لئے جس وجہ سے منتخب کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کی
کتابت و طباعت کا جتنا بہتر انتظام کر سکتے ہیں ہمارے مکتبہ کے لئے اس کا امکان نہیں ہے۔ مکتبہ کا
[...]ت کم اور کام زیادہ ہے۔ بخلاف اس کے شیخ صاحب ہمہ تن اسی ایک کام پر مصروف ہیں اور
کتابت، تصحیح اور طباعت کا بہترین اہتمام کر رہے ہیں۔
آپ نے کتاب کی قیمت کے متعلق جو شکایت کی ہے اس کے بارے میں میرے پاس دوسرے لوگوں کی
شکایتیں بھی پہنچی ہیں۔ میں نے شیخ صاحب سے اس کے متعلق گفتگو کی۔ وہ اس بات پر راضی ہیں کہ اس
قیمت کو محض ابتدائی تخمینہ کی حیثیت دیں، آخری اور قطعی قیمت نہ قرار دیں۔ اصل قیمت اس وقت مشخص
ہو سکے گی جب کتاب کی واقعی لاگت معلوم ہو جائے گی۔

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۶۷

مکتوب بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق

کیفیت: بنام پیرزادہ ابراہیم حنیف (باب ۵) انجمن ترقی اردو پاکستان (اردو روڈ کراچی ۱۔ فون نمبر ۴۰۲۷۰) کے پیڈ پر ہے۔ میرے پاس ہے۔

متن

مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۴ء

مکرمی جناب پیرزادہ صاحب السلام علیکم

میں نے آج چار بجے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن ایک ضروری کام ایسا پیش آگیا ہے کہ میں حاضر ہونے سے قاصر ہوں۔ آج کل کنونشن کا ہنگامہ برپا ہے۔ اس میں اردو کا معاملہ بھی پیش ہوگا۔ اس لئے میں کنونشن کے اجلاسوں کے بعد کسی روز آپ سے مل سکوں گا۔ اور آپ کو پہلے سے اطلاع کردوں گا۔

خیر طلب
عبدالحق

۶۸

مکتوب گرامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

بنام راقم الحروف

متن

باسمہٖ سبحانہٗ

فون: ۲۵۰۷۰
۵۔اے ذیلدار پارک اچھرہ
لاہور (پاکستان)
مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۶۱ء

محترمی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ شیخ کمال الدین محمد یمنی کے حالات تذکروں کی کسی کتاب میں نہیں ملے۔ ہندوستان کے مصنفین بالعموم عرب کے علماء کے نام عربی طریقے پر نہیں لکھتے جس کی وجہ سے عربی تذکروں میں ان کے نام تلاش کرنا سخت مشکل ہوتا ہے۔ کمال الدین عربوں کے ہاں نام نہیں بلکہ لقب ہے۔ نام غالباً محمد ہی ہوگا، مگر ان کی ولدیت کا کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ محمد نام کے بے شمار علماء ہیں۔ جن کے درمیان فرق صرف باپ اور دادا کے نام اور وطن سے ہوتا ہے۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو ان کو کسی تذکرے میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے متعلق اسماء الرجال کی کتابوں میں کہیں نہیں معلوم ہو سکا کہ ان کی اولاد میں کون کون لڑکے اور لڑکیاں تھیں اور آگے ان کا نسب کیسے چلا۔ صرف ان کے ایک بیٹے محمد بن عبدالرحمٰن کا ذکر آیا ہے۔ تفصیل شاید کسی ایسی کتاب میں ملے جو صدیقی خاندان کے حالات میں لکھی گئی ہو مگر وہ میرے علم میں نہیں ہے۔

اسلامی یونیورسٹی کے لئے جو خاکہ میں نے مرتب کیا ہے اس میں صرف SOCIAL SCIENCES کو لیا ہے کیونکہ ان کا براہ راست ان مسائل سے تعلق ہے جن سے اسلام تعارض کرتا ہے۔ باقی علوم کے بارے میں میرا خیال یہ ہے کہ ان کو پڑھنے والوں کو اسلامی تعلیم و تربیت دینے کا انتظام ایسی یونیورسٹیوں میں کرنا چاہیے جو ان علوم کی تعلیم دینے والی ہیں۔ اس کے لئے پورے تعلیمی نظام کی اصلاح کا مفصل نقشہ میں نے اپنے اس مضمون میں پیش کیا ہے جو اسلامی نظام تعلیم کے نام سے پمفلٹ کی صورت میں بھی چھپ چکا ہے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

۶۹

مکتوب سید ابوالاعلیٰ مودودی

بنام راقم الحروف

متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اچھرہ۔ لاہور
۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء

مکرمی و محترمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپکا عنایت نامہ مورخہ ۱۹ اگست بروقت وصول ہو گیا تھا مگر افسوس ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر جواب میں تاخیر ہو گئی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ آپ کی کتاب "حالات حرمین شریفین" وصول ہوگی۔ اس تکلیف فرمائی کے لئے بہت شکر گزار ہوں۔

آپ نے جو فہرست ارسال فرمائی ہے اس میں سے مفردات امام راغب اور تفسیر سرسید اور عبداللہ چکڑالوی کی تفسیر و ترجمہ آپ اگر مستقلاً فارغ کر سکتے ہوں تو یہ میرے لئے کار آمد ہیں۔ ڈاک کی ترسیل میں تو شاید زیادہ خرچ ہوگا اس لئے کبھی ادھر آنا ہو تو ساتھ لیتے آئیے۔ لغت کی کتابوں میں اگر کوئی عربی لغت ہو اور اس کی آپ کو ضرورت نہ ہو تو اس کے نام سے بھی آگاہ فرما دیں۔

خاکسار ابوالاعلیٰ

شمشاد احمد بن سجاد احمد بن محمد

۷۰

مکتوب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

بنام راقم الحروف

متن

باسمہ سبحانہ

فون: ۲۵۰۰۶
۵۔اے ذیلدار پارک اچھرہ
لاہور۔ پاکستان
مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۶۱ء

محترمی و مکرمی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

آپکا عنایت نامہ ملا۔ آپ کی مرسلہ کتب بحفاظت پہنچ گئی ہیں اور شکریے کے ساتھ وصول کر لی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اللہ نے چاہا تو دینی مقاصد کی خاطر ان سے استفادہ کیا جائے گا اور اس کا اجر انشاء اللہ آپ کو بھی ملے گا۔

آئندہ جب سہولت اور فراغت ہو تو اپنے کتب خانے کی بقیہ فہرست ارسال فرما دیجئے گا۔ ممکن ہے کہ ان میں کچھ کتابیں ہماری ضرورت کی نکل آئیں۔ امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ والسلام

خاکسار

ابوالاعلیٰ

۷۱

مکتوب خان بہادر ڈاکٹر مولوی محمد شفیع سابق پرنسپل یونیورسٹی اورنٹیل کالج لاہور

بنام راقم الحروف

متن

University Library
Building

Ref. No ۱۱۲/۹۴۵   Lahore   ۱۶ اپریل ۶۲ء

مکرمی وعلیکم السلام

عنایت نامہ موصول ہوا۔ توجہات کا شکریہ۔ جن بھی بزرگوں کا ذکر آپ نے اپنے مکتوب میں فرمایا ہے ان کا ذکر خیر اس سے پہلے بھی سن چکا ہوں۔ باعث مسرت ہے کہ آپ نے ایک کتاب صلحائے ہریانہ کے نام سے حضرت ہمی کے حالات میں تحریر فرمائی۔ ایسی کتابوں کی قوم کو بہت ضرورت ہے جو انہیں اپنے اسلاف کے کارناموں کی یاد تازہ رکھنے میں مدد دیں۔

میں خوشی سے اس کا دیباچہ لکھتا اور اسے باعثِ ثواب سمجھتا لیکن میری موجودہ مصروفیتوں کی وجہ سے فرصت بالکل نہیں ہے اس لئے معذور ہوں۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ ہمیؒ کی ایک کتاب آخری گت پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

(مجموعہ شیرانی سمارہ (۱) ۲۰۸۹ (تحریر ۱۲۱۴))

اگر کبھی حسن ابدال میں آنا ہوا تو آپ کا کتب خانہ ضرور دیکھوں گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ والسلام

مخلص
محمد شفیع

۷۲

مکتوب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

کیفیت: راقم الحروف کے نام پوسٹ کارڈ ہے۔

متن

اچھرہ۔ لاہور

مورخہ ۵ نومبر ۶۲   حوالہ ۶۰۷

مکرمی و محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جمہوریت کا نظریہ عمومی حاکمیت، غلط ہے۔ اس کی جگہ اسلام میں [پو]ری خلافت کا نظریہ ہے۔ یعنی امتِ مسلمہ بحیثیت مجموعی خلیفہ ہے اور وہ نظام حکومت کو باہمی [مش]ورہ سے چلائے گی۔ کوئی ایک شخص یا گروہ اس خلافت کے نظام میں استبداد اختیار کرنے [کا ح]ق نہیں رکھتا۔

آپ کی ارسال کردہ تفسیر سرسید کی جلد اول وصول ہو چکی ہے۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

٧٢

مکتوب جناب محمود احمد عباسی

کیفیت: بنام راقم الحروف۔ عباسی صاحب کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کے مؤلف ہیں۔

متن

کاشانۂ محمود ۱/۲۶ بی ایریا
لالوکھیت کراچی ۱۹
مورخہ ۲۱ر جنوری ۱۹۶۳ء

عزیزی و شفیقی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
پیرزادہ محمد حسین صاحب مرحوم و مغفور کے تعلق سے آپ بمنزلہ عزیز کے ہیں۔ آپ نے یہ نہ بتایا کہ ان مرحوم سے آپ کی کیا قرابت ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے فرزند عبداللہؒ کے چار بیٹے تھے اور ایک بیٹی نفیسہ جو امیر المومنین الولید بن امیر المومنین عبدالملک بن امیر المومنین مروانؒ کی زوجہ محترمہ تھیں۔ چار بیٹوں میں ابابکر، طلحہ، عمران اور عبدالرحمٰن تھے۔ ان سب کی والدہ عائشہ بنت طلحہ بن عبیداللہ تھیں اور ان عائشہ کی والدہ ماجدہ ام کلثوم بنت حضرت ابوبکر الصدیقؓ تھیں۔ چنانچہ طلحہ بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن کی مدح میں الحزین الدیلی شاعر نے جو اشعار کہے تھے ان میں کہا ہے:

أبوك الذي صدّق المصطفى — وسار مع المصطفى حيث سارا
وأمّك بيضاء تيميّة — اذا نسب الناس كانت نضارا

حضرت عبداللہ بن حضرت ابوبکر الصدیقؓ کے فرزند کا نام البتہ اسمٰعیل تھا (جمہرۃ الانساب ابن حزم) مگر ان سے نسل نہیں چلی (انقرض بلا معقب)

عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن حضرت ابوبکر الصدیقؓ کی اولاد نجد میں بہت پھیلی۔ ان کے حسینیوں اور جعفریوں سے بڑے معرکے بھی رہے تھے۔ ان میں سے بعض افراد مصر میں بھی مسکن گزین ہوئے چنانچہ ہاشم بن ابی بکر بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر الصدیقؓ مصر کے عہدۂ قضاء پر مامور تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ اس نسل کے کچھ لوگ کوفہ میں بھی سکونت پذیر ہوئے۔

ابھی تو میں کراچی سے باہر جانے کا کوئی خیال نہیں کرتا۔ موسم گرما میں اگر کہیں گیا تو آپ کے پاس ضرور آؤں گا۔

دعاگو
محمود احمد عباسی

٧٣

ذخیرۂ تصاویر

برادر عزیز القدر شفاء اللہ کا محبوب مشغلہ اقربا کے فوٹو جمع کرنا ہے۔ انہوں نے کئی قدیم فوٹو حاصل کر کے صرف کثیر سے انہیں ری پرنٹ کرایا۔ گروپ فوٹوؤں میں سے ہر بزرگ کا علیحدہ علیحدہ فوٹو تیار کرایا۔ کئی اقربا کو سٹوڈیو میں لے جا کر اپنے خرچ پر ان کی تصاویر لیں۔ کئی حضرات نے انہیں اپنے فوٹو پیش کئے۔ اس طرح ان کے پاس افرادِ خاندان کے فوٹوؤں کا ایک گراں قدر اور نادر ذخیرہ ہو گیا ہے۔

ان تصاویر کی اشاعت کی صحیح جگہ تو تاثرالاجداد میں تھی۔ یعنی کتاب اردو ٹائپ میں چھپتی اور ہر صاحب کے تذکرہ کے ساتھ ان کا فوٹو ہوتا مگر یہ لازم نہیں کہ خدا میری ہر خواہش پوری کرے۔ اس پر مزید آٹھ ہزار روپے خرچ ہوتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ ذخیرہ تصاویر کس کام آئے گا لیکن مجھے یقین ہے کہ کبھی نہ کبھی یہ تاریخی یادگار بڑی ہی مفید ثابت ہوگی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ ایسی چیزیں یکجا ہو جائیں تو کوئی بندہ خدا انہیں ترتیب دے کر شائع کرا سکتا ہے۔

اس نگار خانہ میں قدیم ترین چیز ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ (باب ۵) کی دستی تصویر کا عکس ہے۔ عموئے مکرم پیرزادہ ابراہیم حنیف مرحوم نے ایک موقع پر راقم الحروف سے فرمایا کہ دہلی میں مصوروں کا ایک قدیم خاندان تھا جس کے ایک فرد نے اپنے ہاتھ سے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کی جدا جدا تصویریں بنائیں۔ مدت بعد جب دہلی میں کیمرے کا چلن ہوا تو اس مصور کی اولاد میں سے ایک مصور محمد شفیع نے حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ کی دستی تصویر کا فوٹو لیا۔ اسی تصویر کش سے اس فوٹو کی دو کاپیاں ۱۹۱۲ء میں پیرزادہ موصوف نے حاصل کیں۔

پیرزادہ موصوف کے انتقال پرملال پر ۱۹۲۰ء میں یہ دونوں عکس میری تحویل میں آ گئے۔ ان کے پیچھے لکھا ہوا ہے: "شبیہ مبارک میاں رمضان شاہ صاحب" اور پشت پر دستخط ہیں: "خاکسار محمد شفیع فوٹوگرافر" ان میں سے ایک کا بلاک بنوا کر کتاب ہادی ہریانہ میں شائع کیا جا چکا ہے۔ اصل تصویر کو تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانا سمجھا جائے۔

اصل فوٹوؤں میں قدیم ترین ۱۹۰۲ کا ہے جو دہلی میں کھینچا گیا۔ یہ یادگار گروپ فوٹو دتا فی امین الرحمٰن سے الحاج کمیل احمد الماس بھائی کراچی لے گئے تھے۔ انہوں نے ازراہِ کرم اسکا عکس لینے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ عزیزی شفاء اللہ کراچی گئے اور یہ عکس لے کر آئے۔ اس گروپ فوٹو میں کل چودہ حضرات ہیں۔ جن میں سے پانچ ملازم ہیں اور ہمارے خاندان سے نہیں۔ خاندان سے جو حضرات ہیں ان کے یہ نام ہیں۔ حکیم علاء الدین (۱۰ اب) ڈپٹی جمیل اللہ (۴۳ ب) پیرزادہ محمد حسین عارف (باب ۹) پیرزادہ محمد شریف (۵۵ اب) پیرزادہ فخر الدین (۱۷۰) پیرزادہ عفیف احمد (۸۵ اب) پیرزادہ مصباح الدین (۱۵۲) جمعدار ظہور الدین ابن قطب الدین از ابناء مولانا کبیر الدینؒ اور ولی الدین بن وحید الدین بن مولوی امام الدینؒ۔ اسی گروپ سے پیرزادہ محمد حسین عارف کا فوٹو لے کر اور نٹیل کالج میگزین لاہور کی اشاعت مئی ۱۹۶۲ء میں شائع کرایا گیا۔

اس بے بہا ذخیرہ میں جن حضرات کے فوٹو ہیں ان کے نام درج کئے جاتے ہیں۔ ناموں کی ترتیب وہی ہے جو ہم نے اس کتاب کے ابواب ۷، ۸ اور ۹ میں اختیار کی ہے۔ جن ناموں کے بعد سن لکھا ہے وہ فوٹو کھچوانے کا سن ہے۔

۱۔ فصیح الدین کے فرزند صبیح الدین۔

۲۔ ریاض الدین اور ان کے تین فرزند غیاث الدین، ایاز الدین اور ناہید اقبال۔

۳۔ فیاض الرحمٰن کے فرزند الطاف الرحمٰن۔

۸۔ عطاء الرحمٰن منظر، ان کے والد حمید الرحمٰن اور فرزند اختر سعید

۹۔ سعید الرحمٰن اور ان کے فرزند ظفر سعید اور اظہر سعید

۱۰۔ مجید الرحمٰن

۱۲۔ محمد احمد

۱۴۔ حبیب الرحمٰن کے والد رشید الرحمٰن اور فرزند محبوب الرحمٰن

۱۵۔ بشیر الرحمٰن اور ان کے فرزند ارشاد الرحمٰن، اعجاز الرحمٰن، حامد صغیر اور اختر محمود

۱۶۔ ملیح الرحمٰن اور ان کے فرزند حبیب الرحمٰن

۱۷۔ امین الرحمٰن اور ان کے فرزند عبید الرحمٰن اور فضل الرحمٰن۔ عبید الرحمٰن کے دو لڑکے عرفان جمیل اور رضوان جمیل اور فضل الرحمٰن کے تین لڑکے ڈیوڈ جمیل رحمان، آئیون امین رحمان اور انور کریم۔

۴۱۔ طالب اللہ۔

۴۲۔ منظور الحق اور تین فرزند احمد منصور، ارشد محمود اور احمد رضا۔

۴۳۔ شفاء اللہ اور چار فرزند محمد اشرف، محمد منیر، شاہد عزیز اور عامر سعید۔

۴۱۔ ملوطی ہند اسرار الحق کے فرزند ابصار الحق۔ حکیم ابرار الحق کے فرزندان عزیز الحق، علی الحق اور ڈاکٹر مشتاق باحق اور عزیز الحق کے فرزند عظیم الحق۔

۴۱۔ نور الحق۔

۴۲۔ محمود الحق

۴۴۔ ابو سعید اللہ کے فرزند ظہور عالم اور ابو سعید اللہ کے دادا ڈپٹی جمیل اللہ۔

۴۸۔ فرحت اللہ، ان کے والد مظہر الیقین اور فرزند ظفر اللہ، رفعت اللہ، نصرت اللہ اور حامد اللہ

۴۹۔ محمود اللہ

۵۰۔ محمد فاروق

۵۱۔ عبد الرؤف

۵۲۔ منظور احمد

۵۸۔ ضمیر الدین کے پوتے نور الحسن بن اسحاق الدین اور ضمیر الدین کے والد ڈاکٹر ظہور الدین۔

۶۰۔ کبیر الدین اور فرزند اظہر الدین احمد نسیم، شمیم الدین احمد، معظم سلیم، ظفر عباس، قمر الزمان اور فصیح الزمان اور شمیم الدین احمد کے چار لڑکے۔

۶۱۔ دبیر الدین کے فرزند سلیم اطہر۔

۶۲۔ نصیر الدین

۶۳۔ ہمایوں فر

۶۴۔ سرور سعید کے والد محمد الیاس آثم

۶۵۔ حکیم شمس الاسلام

۶۶۔ کفیل احمد

۶۷۔ ولی الدین اور انکے فرزند وحید اختر

۶۸۔ انعام الدین کے فرزند اکرام الدین

۶۹۔ احتشام الدین عبرت اور ان کے فرزند اختر عباس۔

۹۰۔ محمد آصف، ان کے والد حافظ محمد یوسف اور فرزند محمد احمد، سید احمد۔

۹۹۔ سلطان احمد۔

۱۰۲۔ حلیم الدین اور ان کے فرزند مظہر حق اور سرور حق۔

۱۱۰۔ نعیق الدین کے فرزند حافظ عبدالرحمن اور عبدالرحمن کے فرزند خلیل الرحمن۔

۱۱۱۔ ارشاد الدین، ان کے فرزند عبدالواحد

۱۱۲۔ عبدالقدوس، ان کے فرزند عبدالسلام تاج، شمس الاسلام ظفر اور بدرالاسلام سعید اور بدرالاسلام کے فرزند کامران سعید۔

۱۱۴۔ محب الدین، ان کے فرزند شمس الدین اور وزیر الدین۔

۱۱۷۔ طبیب الدین اور ان کے فرزند حبیب الدین کے دو لڑکے مجیب الدین توصیف اور نجیب الدین تنزیل

۱۱۹۔ اسلم علی

۱۲۲۔ مستجاب علی، ان کے چھ فرزند ظفر علی، شہزاد علی، مظہر علی، شوکت علی، اطہر علی اور مسعود جاوید

۱۲۵۔ حشمت علی کے فرزند عشرت علی اور ان کے فرزند عترت مسعود۔

۱۳۱۔ محمد غازی اور ان کے چار فرزند محمد ہادی، منظور احمد، منصور احمد اور شکور احمد۔ محمد ہادی کے فرزند شمشاد احمد، منظور احمد کے دو فرزند تقی احمد اور ذکی احمد اور منصور احمد کے فرزند انجم شہاب

۱۳۲۔ عبدالسلام، ان کے فرزند نورالاسلام

۱۳۳۔ بو علی اور ان کے فرزند ظہیرالاسلام

۱۳۵۔ غلام مصطفےٰ کے فرزند غلام مجتبیٰ عرف دیدم

۱۳۶۔ غلام مرتضےٰ

۱۳۸۔ غلام کبریا کے فرزند غلام عباس

۱۴۹۔ احسان الدین، ان کے دو فرزند سلام الرحمن اور سلام السان اور سلام الرحمن کے فرزند نظل الرحمن۔

۱۵۰۔ خلیل احسان کے دادا حکیم علاءالدین۔

۱۵۱۔ لیق الدین۔

۱۵۲۔ مصباح الدین، ان کے دو فرزند صلاح الدین اور نظام الہدیٰ

۱۵۴۔ مفتاح الدین، ان کے دو فرزند صبیح الدین اور بدرالہدیٰ اور صبیح الدین کے محمد حسین تبریز

۱۵۵۔ عتیق احمد کے والد شریف احمد اور دادا محمد حسین۔

۱۵۸۔ فضل حق، ان کے والد عفیف احمد

۱۶۵۔ الطاف حسین، ان کے فرزند بلال عباس

۱۶۶۔ اکرام الدین۔

۱۶۷۔ امین الدین

۱۶۸۔ سلام الرحمن

۱۶۹۔ قدرت اللہ

۱۷۰۔ فخرالدین، ان کے دو فرزند انتصار الدین اور محمد حسین۔

۱۷۱۔ سردار احمد، ان کے والد محمد احمد، دادا مظفر احمد

۱۷۲۔ آفاق احمد

۱۷۳۔ احسان احمد

۱۷۴۔ شفیق احمد ان کے فرزند فرید احمد

۱۷۵۔ سلیم احمد

۱۷۶۔ صدیق احمد کے دو فرزند رضا احمد اور اسرار احمد

۱۷۷۔ سلطان احمد کے دو فرزند سجاد احمد اور الطاف احمد

[illegible]۔ محمد اختر بن عبدالواحد از ابناء ولایت علی

[illegible]۔ ناصرالدین کے فرزند محمد احسن

[illegible]۔ فلاح الدین

متفرق فوٹو

ہادی ہرپانہ حضرت شاہ محمد رمضان (باب ۵)

جمدار ظہور الدین بن قطب الدین بن محمد عابد بن
ولی الدین بن وجیہ الدین بن مروی امام الدین
نثیر احمد بن محمد حسین بن سیف الرحمن شہیدؒ
قاضی انوار الدین (باب ۲) بن قمر الدین بن قطب الدین
مرجا احمد بن مسل علی بن ڈپٹی مظفر احمد۔

۷۵

کتاب ہادی ہریانہ

تالیف: راقم الحروف
ناشرین: آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی لاہور
تاریخ اشاعت: اکتوبر ۱۹۶۳ء
صفحات: ۱۵۶
قیمت: دو روپے

پاکستان میں ایسی خوش قسمت کتابیں بہت کم شائع ہوئی ہیں جن کا پہلا ایڈیشن چھ مہینے میں فروخت ہوگیا ہو۔ کتاب ہادی ہریانہ کو بازار میں آئے ابھی پورے چار مہینے نہیں ہوئے اور اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوا چاہتا ہے۔ سارے برعقیدہ کے عالم نے پسند فرمایا۔ اخبارات و رسائل نے اس پر حوصلہ افزا تبصرے کئے۔ متعدد بزرگوں نے اپنے خطوط میں اس کی تعریف کی۔ یہاں دو خطوط اور ایک اخباری تبصرہ نقل کئے جاتے ہیں۔

مکتوب گرامی مولانا محمود احمد عباسی مصنف کتاب خلافت معاویہؓ و یزیدؒ

کاشانۂ محمود ۳۰۳ بی ایریا
لیاقت آباد کراچی ۱۹
۲۰ نومبر ۱۹۶۳ء

عزیزی و شفیقی! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کی تالیف "ہادی ہریانہ" مشائخ و صالحین کے تذکروں میں منفرد ہے۔ چونکہ اللہ چھٹی ساتویں ہجری کے بعد سے علاوہ ذی البشر کی الہٰی و با پہیلی کر کوئی تذکرہ بعید از قیاس کہ اقوال سے خالی نہیں ملتا۔ متاخرین نے بھی اکثر انہی کی تقلید کی ہے۔ آپ نے اس خصوصی تذکرہ کتابیں کا اسلوب بیان بے تکلف و شگفتہ ہے اور ترتیب مضامین بھی خوب ہے۔ ایک اچھی مثال قائم کی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی شبیہ مبارک کا بلاک کیا آپ کے پاس ہے۔ ص۱۱ پر جس کتبہ کی عبارت درج ہے کیا وہ آپ کا دیکھا ہوا ہے۔ اگر کبھی دیکھا ہے تو اس کی کیفیت بتائیے۔ اس کی عبارت سے شبہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ یعنی ۱۲۴۱ھ کی عبارت نہیں ہو سکتی۔ امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔

دعاگو محمود احمد عباسی

مکتوب گرامی حضرت مولانا عبد الحامد بدایونی صدر مرکزی جمعیۃ علمائے پاکستان

۷۸۶

مرکزی جمعیت علمائے پاکستان
پیر الٰہی بخش کالونی۔ کراچی

مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۶۳ء

۲۱۴

جناب مکرم منظور الحق صدیقی صاحب۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ
گرامی نامہ اور کتاب ہادیٔ ہریانہ دونوں تحفے موصول ہو گئے ہیں۔ میں گذشتہ بارہ ماہ سے بیمار چلا آ رہا ہوں۔ آنکھ کے نیچے کینسر ہو گیا ہے۔ جناح ہسپتال میں ایک ہفتے کے قریب رہا۔ تاہنوز سلسلہ چل رہا ہے۔

اب سے تقریباً تیس سال قبل رہتک کے جلسے میں گیا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں کا حال دیکھ کر طے کیا کہ کچھ دنوں اس خطے میں رہنا چاہیئے چنانچہ مہم شریف میں قیام رہا اور ۶ ماہ مع اہل و عیال رہا۔ میری صحت میں وہاں کی آب و ہوا سے کافی تغیر ہوا۔ سب سے بڑا تغیر و اثر حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر مزارات مقدسہ کی مسلسل حاضری سے ہوا۔ میری سرشت میں یوں تو آبا و اجداد سے حضرات اہل اللہ و اولیائے کاملین سے روحانی تعلق ہے اور اسی مناسبت سے میں نے حضرت شاہ محمد رمضان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک سے استفادۂ روحانی کیا۔ بلاشبہ حضرت شاہ محمد رمضان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ اکیلے فرد ہیں جنہوں نے ہریانہ میں اسلام کی آبیاری فرمائی جس طرح بلاشبہ خواجہ خواجگان سیدنا خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی ذات قدسی صفات نے ہندوستان میں اسلام کا پرچم بلند فرمایا۔ ٹھیک اسی طرح حضرت شاہ محمد رمضان رحمۃ اللہ علیہ نے رہتک وغیرہ کے علاقوں کو از سر نو دولت اسلام سے مالامال فرما دیا۔ جو راجپوت وغیرہ برائے نام مسلمان تھے ان میں روحانی

کیفیات پیدا فرما دیں۔
ہادیٔ ہریانہ کتاب کا میں نے از اول تا آخر مطالعہ کیا۔ کتاب ہر لحاظ سے بہتر ہے۔ خدا مسلمانوں کو استفادہ کا موقعہ عطا فرمائے۔

محمد عبد الحامد القادری بدایونی
صدر
مرکزی جمعیۃ علمائے پاکستان

روزنامہ امروز ۲۲ دسمبر ۱۹۶۳ء

ہادیٔ ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمی ۱۷۶۹ء میں قصبہ مہم ضلع رہتک کے ایک ایسے خانوادے میں پیدا ہوئے جس نے سات سو برس تک ضلع رہتک اور نواحی علاقوں میں لاکھوں افراد کو مشرف باسلام کیا۔ حضرت شاہ محمد رمضان نے بھی اپنے اجداد کی تقلید میں اسلام کی سرفرازی کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی اور ہزاروں افراد کو دائرۂ اسلام میں لائے۔ آپ پائے کے عالم اور متقی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ زیر نظر کتاب آپ کے سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے بڑی تحقیق کے بعد مستند حوالوں سے نہ صرف شاہ صاحب کے حالات زندگی قلمبند کئے ہیں بلکہ اس دور کے ملکی حالات پر بھی سیر حاصل جائزہ لیا ہے۔

کتاب ہادیٔ ہریانہ پچھلے سال مرتب ہو چکی تھی۔ محترمی (قاضی) امین الرحمٰن صاحب (۱۷) کو تاریخ گوئی میں کمال حاصل ہے۔ اور مغربی پاکستان کے اہل علم ان کے اس کمال کے معترف ہیں۔ انہوں نے کتاب ہادیٔ ہریانہ کا قطعہ تاریخ تکمیل لکھا۔ اس میں شاعرانہ تعلی سے کام لے کر ایک دو شعروں میں مؤلف سے ایسی باتیں منسوب کر دیں کہ میں نے اس قطعہ کو کتاب ہادیٔ ہریانہ میں شامل کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ایک اچھا مادۂ تاریخ ماہر تاریخ گو کے بھی کبھی ہاتھ لگتا ہے۔ قاضی صاحب موصوف نے جو مادۂ تاریخ نکالا ہے وہ اتنا برجستہ ہے کہ اسے ضائع کرنا کور ذوقی ہوگی اس لئے یہاں درج کیا جاتا ہے:

قطعۂ تاریخ

طبع کتاب "ہادی ہریانہ" مصنفہ جناب منظور الحق صدیقی ایم اے

(از امین الرحمٰن صدیقی)

جوہر علم میں ممتاز ہیں منظور الحق — خاندان بھر میں نہیں آج کوئی ان کی مثال

علم انساب میں یکتا ہیں تو تاریخ میں فرد — یہ کمالات ہیں ان کے شرفِ ذات پہ دال

شوقِ تحقیق عطا ان کو ہوا قدرت سے — یہ وہ دولت ہے نہیں جس کو کسی طرح زوال

تذکرہ شاہ محمد رمضان کا لکھ کر — فنِ تاریخ نویسی میں دکھایا ہے کمال

للّٰہ الحمد اسی نام کی برکت سے امین

"رمضان ہادی ہریانہ" ہوا طبع کا سال

۱۳ ھ ۸۲

سطور بالا کی کتابت ہو چکی تھی کہ کتاب ہادی ہریانہ پر بعض اور تبصرے نظر سے گزرے جن میں سے صرف چار نقل کئے جاتے ہیں۔

مکتوب گرامی جناب ممتاز حسن صاحب مینجنگ ڈائرکٹر نیشنل بنک آف پاکستان

۳۶ بکنیل روڈ

کراچی ۴

۶۴/۲/۱۸

محبی و مکرمی "ہادی ہریانہ" کا نسخہ ایک مدت ہوئی مجھے مل چکا ہے۔ میں اس سے پہلے اسے دیکھ نہیں سکا۔ اس لئے آپ کا شکریہ ادا کرنے میں تاخیر ہوئی معذرت چاہتا ہوں۔

کتاب ہر لحاظ سے اچھی اور مفید ہے۔ جن بزرگوں نے اس برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی ہے ان کے مستند حالات لکھنے کی بڑی ضرورت ہے۔ آپ نے "ہادی ہریانہ" لکھ کر ایک بزرگ شخصیت کے متعلق اسی کمی کو پورا کر دیا ہے۔

اس سے پہلے پیرزادہ محمد حسین صاحب مرحوم و مغفور کے متعلق آپ کا ایک مضمون بھی ہاتھ آیا تھا۔ میں نے اسے بھی والد مرحوم کے کاغذات میں محفوظ کر دیا ہے

خدا آپ کو اپنے علمی اور تحقیقی مشاغل جاری رکھنے کی توفیق دے۔

مخلص ممتاز حسن

بگرامی خدمت صاحبزادہ منظور الحق صدیقی

ہفت روزہ قندیل لاہور ۲۳ فروری ۱۹۶۴ء کا تبصرہ

"ہادی ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہم ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ ان کا زمانہ ۱۷۶۹ء سے ۱۸۲۵ء تک ہے۔ آپ نے اضلاع حصار، رہتک، کرنال، گوڑگاؤں کے مسلم راجپوتوں کو حلقۂ اسلام میں لانے اور ان کی اصلاح کرنے میں نمایاں کام کیا ہے۔ خان بہادر ڈپٹی منظر احمد نفیس کے بیان کے مطابق ہریانہ، میوات اور سوتر میں ہزاروں کافروں نے آپ کے ہاتھ پر توبۃ النصوح کی۔

پروفیسر منظور الحق صدیقی نے مختلف تاریخی کتابوں سے آپ کی زندگی کے حالات اور اسلام کی تبلیغ کے لئے جدوجہد کی داستان رقم کی ہے۔ ایسے بزرگوں کے واقعات ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔

آئینہ ادب نے یہ کتاب شائع کر کے ایک اچھی خدمت سر انجام دی ہے۔ کتاب کی طباعت و کتابت بھی خوبصورت ہے اور قیمت بھی مناسب ہے۔"

اس تبصرہ کے اوپر اس رسالہ میں حضرت شاہ محمد رمضان کی شبیہ کا عکس دیا ہے۔

روزنامہ اخبار مشرق لاہور ۲۶ جنوری ۱۹۶۴ء کے طویل تبصرہ سے اقتباس۔

"...... ہادی ہریانہ کی اصلاحی تحریک کا مقصد یہ تھا کہ اس علاقے کے مسلمانوں کو ہندو تہذیب کی غلامی سے نجات دلا کر اسلام سے روشناس کرایا جائے۔ اس تحریک نے اس علاقے میں اپنا اثر خوب دکھایا...... شاہ محمد رمضان کن حالات میں پیدا ہوئے، ہریانہ کے علاقے کی کیا حالت تھی، شاہ محمد رمضان کی اصلاحی تحریک نے اس حالت کو کس طرح بدلنے کی کوشش کی یہ سب کچھ اس کتاب میں سیدھے سادے الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اسے ایک اچھی علمی معلوماتی کتاب کہا جا سکتا ہے ...."

ریڈیو پاکستان راولپنڈی کا تبصرہ

تاریخ نشر — ۱۷ مارچ ۱۹۶۴ء
وقتِ نشر — چھ بج کر پنتالیس منٹ
مبصر — ایس کے اے راز مراد آبادی

سجاد احمد صدیقی 10-2-69

آج کے نشریہ میں پہلی کتاب جس پر اظہارِ خیال کیا جا رہا ہے "ہادی ہریانہ" ہے۔ جسے پروفیسر منظور الحق صدیقی نے لکھا ہے۔ ناشر ہیں، آئینۂ ادب لاہور۔ ضخامت ۱۰۶ صفحات ہیں اور قیمت دو روپیہ۔

مشائخ و صالحین کے جو تذکرے اس کتاب سے پہلے نظر سے گزرے ہیں ان میں سے بیشتر کو کرامات کے بیان تک محدود پایا۔ زیرِ تبصرہ کتاب صوفیائے کرام کے تذکروں میں اس لئے منفرد ہے کہ یہ خالص مورخانہ ذمہ داری سے لکھی گئی ہے۔

ہادیٔ ہریانہ حضرت شاہ محمد رمضان شہید مہمیؒ ضلع رہتک کے اس بزرگ خانوادہ کے چشم و چراغ تھے جس نے اضلاع رہتک، حصار، کرنال اور گوڑگانواں میں چھ سو سال تک علم و عرفان کی شمع روشن رکھی۔ آپ کی اصلاحی تحریک کا آغاز اس وقت ہوا جب برصغیر پاکستان و ہندوستان کی سیاست میں ایک بڑی تبدیلی واقع ہو رہی تھی۔ آپؒ کی حیات ہی میں دہلی کی چھ سو سالہ مسلم حکمرانی کا آفتاب غروب ہوا اور قضا و قدر نے ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کا حرفِ آخر لکھ کر حکومت کی باگ ڈور انگریزوں کے ہاتھ میں دے دی۔

فاضل مصنف نے اس پُرآشوب اور یاس انگیز عہد کی سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی حالت کا معتبر ماخذوں سے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

"تمدنی اعتبار سے مسلم اور ہندو راجپوتوں میں کوئی نمایاں فرق نہ تھا۔ ان کا لباس، ان کی تقویم، ان کی زبان، رہن سہن، عید، بقر عید کے علاوہ تہوار اور دیگر مشاغل ہندو راجپوتوں کے سے تھے۔ وہ ہولی اور دیوالی بھی مناتے تھے۔ ان میں مذہب کے نام پر وہ توہمات تھے جو ہندو اصنام پرستی کا خاصہ ہیں۔ لونا چاری، سرور سلطان، شیخ سدو، زین خان اور گوگا پیر اُن کے خیالی دیوتا تھے جن کے غضب سے بچنے کے لئے منتیں مانتے، چڑھاوے چڑھاتے اور دوسری رسوم ادا کرتے۔

"ایسی توہم پرستی تو آج کے مسلمانوں میں بھی کہیں نہ کہیں مل جائے گی مگر ایک عام قاری

کو یہ معلوم کر کے صدمہ ہوگا کہ ہریانہ کے راجپوت مسلمان اب سے دو صدی پہلے لڑکیوں کو قتل کرتے تھے اس پر آنا اور اضافہ کر لیجئے کہ یہ مسلمان دیوی کی پوجا بھی کرتے تھے۔"

مؤلف نے بتایا ہے کہ یہ حالت ہریانہ کے راجپوتوں کی ہی نہ تھی بلکہ بعض اور قبائل بھی اس گناہ میں گرفتار تھے چنانچہ اس عہد کی ایک کنجڑی مسماۃ لاڈو کا واقعہ اسی کی زبان میں ان الفاظ میں درج ہے:

"میں بلول کی بہو تھی۔ بیٹی جھجر کی امیرے، بیٹی ہوئی۔ میواتنوں نے پوچھا تم چھوری کو کیا دو ہو کر مرجا وے۔ وہ بولیں ہم تو آکھ کا دودھ لے کے پلا دیں۔ مری پا وے۔ میں نے آکھ کا دودھ پلا دیا۔ وہ چھوری مر گئی۔"

ایک پورے باب میں مؤلف نے بتایا ہے کہ حضرت ہادیٔ ہریانہ شاہ محمد رمضان شہیدؒ کی مقناطیسی شخصیت اور حکیمانہ طریقِ تبلیغ نے کس طرح ہریانہ کے مسلمانوں میں مروجہ ایک ایک رسمِ شرک کا خاتمہ کیا۔ وہ لکھتے ہیں:

"آپ نے جو عظیم الشان اور ٹھوس کام کیا اسے دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اگر خدا اس نیک بندے سے یہ کام نہ کراتا تو اس کا امکان تھا کہ ۱۸۰۳ء میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے دہلی کی حکومت چھن جانے کے بعد علاقہ ہریانہ کے جری اور بہادر مسلم راجپوتوں کی اکثریت شاید اپنی قدیم حالتِ کفر کو لوٹ جاتی۔"

کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ "ہادیٔ ہریانہ" سوانحی ادب میں مفید اضافہ ہے۔ اس کی لسانی اہمیت بھی کچھ کم نہیں۔ شاہ محمد رمضان شہیدؒ بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ کی بیشتر تصانیف ہریانی زبان میں ہیں جو اردو زبان کی ایک شاخ ہے۔ مؤلف نے ان کتابوں سے تعارف کراتے ہوئے اقتباسات بھی دیتے ہیں۔ نیز اس عہد کی بعض دوسری گرانقدر تحریروں کو نقل کیا ہے۔

اس کتاب کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ہادیٔ ہریانہ کی تحریکِ اصلاحِ رسوم تک محدود نہ تھی بلکہ تاریخِ ہند کے اس دور میں ہزاروں غیر مسلم آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام لائے ان نومسلموں میں ایک انگریز بھی تھا جو آپ کے حلقۂ درویشاں میں شامل ہو کر مبلغِ اسلام بن گیا۔ آپ کے خلفاء کی فہرست میں ایک نام میاں معزز شاہ لاہوری کا بھی ہے جو پہلے ہندو سادھو تھے۔ ایک اور نام میاں عبد اللہ شاہ کا ہے جو ضلع جگادھری کے ہندو کائستھ تھے۔

علاوہ ازیں کتاب زیرِ تبصرہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو زبان و بیان پر خاص قدرت

حاصل ہے اور انہیں تاریخی تحقیق سے بھی کافی شغف ہے۔
بادی ہریانہ کا اختصار البتہ کھٹکتا ہے۔ اگر صدیقی صاحب ان تحریکات میں چند ایک کا ذرا
تفصیل سے ذکر کر دیتے جن کے لئے شیخ محمد رمضانؒ نے اپنی ساری زندگی تج دی تھی تو زیادہ مناسب
ہوتا۔ کیا اچھا ہو اگر آئندہ اشاعت میں اس کمی کو پورا کر دیا جائے۔

(بشکریہ ریڈیو پاکستان راولپنڈی)

ضمیمہ ۱۶

مؤلف کے سلسلہ نسب کی پندرہ پشتوں کے دستخط اور مہریں

ہمارے خاندان کے اکثر زندہ افراد کے سلسلوں کی چودہ پندرہ پشتوں کی مہریں یا دستخط یا تحریریں محفوظ ہیں۔ ان سب کے فوٹو لینے کے اخراجات ناقابل برداشت ہیں، صرف اپنے مادری اور پدری سلسلہ کے بزرگوں کے دستخطوں اور مہروں کے عکس پر اکتفا کر رہا ہوں۔ ان کے علاوہ چار اور بزرگوں کے دستخط یا مہروں کے عکس دیئے جا رہے ہیں۔ ۱۰، ۱۹، ۳۰، ۳۱ اور ۳۲ نمبروں پر جن بزرگوں کے دستخط یا مہروں کے عکس ہیں ان کی اولاد پر تمام خاندان مشتمل ہے۔

۱۔ "محمد المنتسب المفتی بن عبدالمجید بن حاکم"

یہ مہر عہد اکبری کے بیعنامہ محررہ ۱۷ ربیع الاول ۹۸۳ھ (۲۶ جون ۱۵۷۵ء) پر ہے۔ ان بزرگ کی اولاد سے آٹھ سو پونسٹھ افراد حیات ہیں۔

۲۔ "مفتی ہاشم است شیخ نظام یافتہ انصاف از شہ اسلام"

مفتی نظام الدین بن مفتی محمد کی یہ مہر ۱۷ ربیع الاول ۱۰۱۱ھ (۱۶۰۲ء) کے بیعنامہ پر ہے۔

۳۔ "العبد حبیب اللہ بن شیخ امان اللہ مفتی ۱۰۵۱"

۲۵ جمادی الثانی ۱۰۶۴ھ (۳ مئی ۱۶۵۴ء) کے پروانہ مدد معاش پر۔

۴۔ "العبد حبیب اللہ بن شیخ امان اللہ مفتی آنچہ در صدر قسمت کردہ قبول است"

مہر: "شد حبیب اللہ مفتی مقتدی علماء دین ...."

یہ تحریر اور مہر ۲۵ ربیع الاول ۱۰۹۶ھ (۱۹ فروری ۱۶۸۶ء) کے قسمت نامہ جائداد پر ہے۔
اسی عکس پر: "گواہ شد شیخ محمد مراد بن شیخ عبدالمنعم بخط" اور ان کی مہر ہے۔

۵۔ "شد عزیز اللہ مفتی مقتدی علمائے دین ۱۰۹۳"

۲۲ رجب ۱۰۹۷ھ (۷ جون ۱۶۸۶ء) کے قسمت نامہ جائداد پر۔

۶۔ "حافظ عالم خان فدوی شاہ غازی محمد شاہ"

شاہ نقش کندہ المخاطب بہ حافظ عالم خان کی مہر استشہاد نامہ مابعد ۱۱۳۸ھ پر۔

۷- "اطلعت علیہ کتبہ احقر الفضلاء تراب اقدام العلماء خادم العلوم والمغازی حافظ عالم خاں المدرس المشہور فی دارالخلافہ شاہ جہان آباد ہند جاگیر دار و متوطن پرگنہ ہم سرکار حصار"

شاہ رزق اللہ کے قلم سے یہ عبارت استشہاد نامہ مابعد ۱۱۳۸ھ پر ہے۔

۸- "حافظ عالم خاں خوش شیخ نجم اللہ بخطہ"

شاہ نجم اللہ کے یہ دستخط ۲۲ ربیع الثانی ۱۱۷۰ھ (۱۴ جنوری ۱۷۵۷ء) کے بیعنامہ پر ہیں۔

۹- "قمر اللہ ولد حافظ عالم خاں عرف شیخ نجم اللہ بخطہ"

۲۲ ربیع الثانی ۱۱۷۰ھ (۱۴ جنوری ۱۷۵۷ء) کے بیعنامہ پر۔

۱۰- "حافظ صفت اللہ ولد شیخ قمر اللہ"

۲۵ شعبان ۱۲۲۹ھ (۱۲ اگست ۱۸۱۴ء) کے قسمت نامہ جائداد پر۔

۱۱- "گواہ شد خدابخش ولد خدابخش"

۸ ذیقعدہ ۱۲۸۰ھ (۱۵ اپریل ۱۸۶۴ء) کے مختار نامہ پر۔

۱۲- "یہ نسب نامہ خاکسار خلائق عاصی پر معاصی بندہ شیخ شناء اللہ ساکن ہم ضلع رہتک در سال ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء سمت ۳۵ سنہ ۱۹ تحریر بقلم خود"

۱۳- "مطالب اللہ"

۱۴- "منظور الحق صدیقی"

۱۵- "شفاء اللہ صدیقی"

۱۶- "آفتاب احمد"

۱۷- "احمد منصور صدیقی"

۱۸- "محمد اشرف صدیقی"

۱۹- "سلیمان بن کمال یقین اہتمام امور شرع متین"

۹ شعبان ۱۰۱۶ھ (۱۹ نومبر ۱۶۰۷ء) کے ادائیگی مہر کے کاغذ پر۔

۲۰- "مبارک بہت سلیمان یقین اہتمام امور شرع متین ۱۰۲۰"

۱۴ محرم ۱۰۷۲ھ (۳۰ اگست ۱۶۶۱ء) کے قسمت نامہ جائداد پر۔

۲۱- "شیخ عطاء اللہ ولد شیخ سیف اللہ بخط"

۲۴ رجب ۱۰۹۷ھ (۷ جون ۱۶۸۶ء) کے قسمت نامہ جائداد پر۔

"عطا محمد خاں فدوی بادشاہ غازی محمد شاہ ۱۱۳۴"

استشہاد نامہ مابعد ۱۱۳۸ھ پر شاہ لطف اللہ کی مہر

"بندہ درگاہ شیخ لطف اللہ جاگیردار پرگنہ ہم ایم چون در حویلی مذکورہ بندہ فرود آمدہ عبارت مذکور خواندہ و بوقت شب نجار را طلب داشتہ حضور بندہ تراشیدہ و دورکنانیدہ" مہر "لطف اللہ" استشہاد نامہ مابعد ۱۱۳۸ھ (۱۷۲۸ء) پر یہ عبارت ہے۔

"وقف علیہ عبدالحکیم ولد عطا محمد خاں بخطہ"

۲۲ ربیع الثانی ۱۱۷۰ھ (۱۴ جنوری ۱۷۵۷ء) کے بیعنامہ پر شاہ عبدالحکیم کے دستخط۔

"شیخ عبدالعظیم اہل یقین اہتمام امور شرع متین و سلاک ۱۲۲۶"

گرد اگرد "وافوض امری الی اللہ نصر من اللہ و فتح قریب"

۲۷ شوال ۱۲۲۷ھ (۲۴ اکتوبر ۱۸۱۲ء) کے بیعنامہ پر

"محمد اسمٰعیل بالیقین الموصل بحبل المتین ۱۲۴۳"

شاہ محمد اسمٰعیل شہید کی یہ مہر ربیع الاول ۱۲۴۵ھ (ستمبر ۱۸۲۹ء) کے قبض الوصول پر ہے۔

"محمد اسماعیل ولد شاہ عبدالعظیم مہی بخطہ"

۲۱ جمادی الاول ۱۲۶۰ھ (۸ جون ۱۸۴۴ء) کے کابین نامہ پر۔

"شیخ عبدالغنی بن مولوی محمد اسماعیل مرحوم بخطہ" مہر "فقیر عبدالغنی زلطف رحمان ۱۲۵۴"

۱۰ جمادی الثانی ۱۳۰۱ھ (۷ اپریل ۱۸۸۴ء) کے قسمت نامہ جائداد پر

"مولوی شاہ غلام جیلانی ولد پیرجی تاج الدین مرحوم بقلم خود"

۲۹ شوال ۱۳۱۹ھ (۸ فروری ۱۹۰۲ء) کے وراثت نامہ پر

"کتبہ العبد الضعیف شیخ بیو جمال ابن محمود خطیب صدیقے الجیے محمدی"

ماہ ذی الحجہ ۹۷۳ھ (جون ۱۵۶۶ء) کے بیعنامہ پر

"عبدالرحیم ولد قاضی اسحاق بخطہ"

۲۱ جمادی الثانی مابعد ۹۸۶ عہد اکبری کے بیعنامہ پر۔ سن ایک مہر کے نیچے آگیا

"ظفر علی ولد شیخ فضل علی ۱۲۲۰"

۲۹ جمادی الاول ۱۲۲۹ھ (دیکم ستمبر ۱۸۱۴ء) کے بیعنامہ پر۔

641
٦٣٠
مؤلف کا پدری و مادری سلسلہ
زبدۃ الاولیا قاضی قوام الدین بجنیری ثم رہتکی
مولانا مختار الدین
قاضی عماد الدین
قاضی ہدایت اللہ
مفتی قادن
مفتی فضل اللہ
مفتی محمد حاکم
مفتی عبد المجید
مفتی محمد
مفتی نظام الدین
مفتی امان اللہ
مفتی حبیب اللہ
مفتی عزیز اللہ شہید
شاہ رزق اللہ
شاہ نجم اللہ
حافظ محمد اللہ
حافظ صفت اللہ
خواج بخش
خدا بخش
شاہ اللہ
قاضی حسام الدین
نظام الدین
معز الدین
علاء الدین
معین الدین
کمال الدین
امام الدین
شمس الدین
حسام الدین
احمد
محمود
ابوبکر
ابراہیم
اسمٰعیل
عبد اللہ
عبد الرحمٰن
ابوبکر صدیق
مولانا کبیر الدین
مولانا ظہیر الدین
مولانا غیاث الدین
مولانا کمال الدین
محمد سلیمان میر عدل
محمد مبارک میر عدل
سیف اللہ
عطاء اللہ
شاہ لطف اللہ سہنری
شاہ عبد الحکیم
شاہ عبد العظیم
شاہ محمد اسمٰعیل شہید
شاہ عبد الغنی
مولوی تاج الدین
مولانا غلام جیلانی
اظہار اللہ
و
احترام النساء
طالب اللہ
آفتاب احمد
منظور الحق
احمد منصور
لطف اللہ
محمد اشرف

ضمیمہ ۱۷

افراد کے ناموں کے بارے میں

(ا) حجاز میں ہمارے خاندان کے افراد کے نام عبد پر یا اکہرے تھے۔ جیسے عبداللہ ابوبکر کنیت ہے۔ عبدالرحمٰن، عبداللہ، اسمٰعیل، ابراہیم، ابوبکر، محمود، احمد۔ یمن اور سیستان میں ناموں کی ترتیب یہ رہی: حسام الدین، شمس الدین، امام الدین، کمال الدین، معین الدین، علاؤالدین، فخرالدین، نظام الدین، حسام الدین، قوام الدین۔ ممکن ہے ان میں سے بعض نام نہ ہوں بلکہ القاب ہوں اور اصل نام کچھ اور ہی ہوں۔ بہرکیف اب یہی محفوظ ہیں۔

ہندوستان میں افراد خاندان کے نام بالعموم دہرے رہے ہیں۔ کچھ نام اکہرے بھی رکھے گئے۔ زندہ افراد میں سے بھی آٹھ ایسے ہیں جن کے نام اکہرے ہیں —— حسن بن قاری محمد اسحاق، خالد بن سلطان، ہارون بن منظور احمد، خالد، عاصم، عارف، آصف، عدنان ابنائے الطاف الرحمٰن۔ جب میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی تو ماضی کے بزرگوں کے اکہرے نام کچھ اوپرے اوپرے سے معلوم ہوئے تھے اور میں نے دسویں صدی کے شجرہ نویسوں کے تتبع میں ان کے نام کے ساتھ محمد یا الدین قبول کرتے ہوئے ان کے ناموں کو مرکب لکھ دیا۔ مگر کنز الآثار میں یہ نام اکہرے ہی پائے گئے جیسے قاضی مبارز بن سلطان بن قاضی محمد، قاضی سعید بن عبدالصمد بن قاضی عبدالرحیم، مفتی حاکم بن مفتی فضل اللہ بن مفتی قادن، مفتی نظام بن مفتی محمد بن مفتی عبدالمجید، مبارک بن سلمان بن کمال بن غیاث الدین، مبارک بن شاہ عبدالحکیم بن شاہ لطف اللہ، مداری بن ابوالغیث بن جیو، بولاقی بن محمد محمود بن جیو بن جمال۔

(ب) آگے پیچھے: تین نام ایسے ہیں جن میں محمد آگے پیچھے پایا گیا ہے۔ محمد فاضل بن عبداللہ، محمد درویش بن شاہ نجم اللہ، محمد عاشق غطیب بن بولاقی۔

(ج) بعض حضرات اپنے نام کے شروع میں محمد لکھتے رہے ہیں اور اب بھی لکھتے ہیں جیسے محمد فضل الرحمٰن محمد ظہور اللہ، محمد اسرار الحق، لیکن میں نے اس کتاب میں ایسے نام کے شروع میں محمد نہیں لکھا۔ یہی حال احمد کا ہے جو نام کے آخر میں لکھا جاتا ہے۔ جیسے محمد علاؤالدین احمد، کبیرالدین احمد۔ ایک نام محمد حسن الدین

27

26

33

29

28

30

32

31

ہے جسے ہم نے کسی جگہ محمد احسن لکھا اور کسی جگہ احسن الدین۔ شاہ غلام اسعد الدین کا نام ہم نے کئی مقامات پر احمد الدین لکھا ہے۔

(د) اولیات : ہمارے خاندان میں ناموں کا خاصا تنوع ہے۔ ماضی میں ناموں کے ساتھ محمد، عبد، دین، حق اور اللہ زیادہ تر ہوتے تھے چنانچہ

(۱) عبد: خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ تھا۔

(۲) احمد: حجاز میں ہی ہمارے ایک بزرگ احمد بن محمود بن ابوبکر ثانی تھے۔ پھر کئی صدیوں بعد ہندوستان میں اس نام کے دو بزرگ قاضی احمد بن قاضی اسحاق بن قاضی مبارز اور احمد بن قاضی علی اکبر بن فتح علی ہوئے۔ شاہ غلام احمد الدین متوفی ۱۸۱۸ء پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کا ایک جزو احمد تھا اور خان بہادر ڈپٹی مظفر احمد (۱۸۵۶ء-۱۹۲۰ء) پہلے بزرگ ہیں جن کے نام کا جزو آخر احمد تھا۔

(۳) دین : احمد کے بعد ناموں میں "دین" داخل ہوا اور یہ لفظ ہماری ہندوستان میں آمد سے پہلے ہی جزو نام بن چکا تھا۔ ایسا پہلا نام حسام الدین بن احمد بن محمود تھا۔

(۴) اللہ: دین کے بعد اللہ جزو نام بنا اور یہ تبدیلی ہندوستان میں مغل عہد حکومت سے پہلے ہوئی۔ اس تبدیلی کا آغاز قاضی ہدایت اللہ بن قاضی عماد الدین بن مولانا افتخار الدین سے ہوا۔

(۵) محمد: اللہ کے بعد محمد نام اور پھر جزو نام بنا۔ اس نام کے پہلے بزرگ قاضی محمد بن قاضی ہدایت اللہ بن قاضی عماد الدین تھے۔

(۶) عالم: نام کا جزو ثانی "عالم" گیارھویں صدی ہجری میں بنا۔ قطب العالم بن مفتی امان اللہ اس جزو کے حامل پہلے بزرگ ہیں۔ یہ ۱۰۴۳ھ میں تولد ہوئے۔

(۷) غلام: جن پہلے بزرگ کے نام کا جزو اول یہ لفظ بنا وہ غلام محمد بن محمد حیات بن ابوالغیث تھے جو ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔

(۸) بخش: دیدار بخش بن محمد دائم پہلے بزرگ تھے جن کے نام کا دوسرا حصہ بخش تھا۔ یہ بزرگ ۱۱۸۰ھ میں موجود تھے۔

(۹) حق: قاضی نورالحق بن محمد اعلم بن مفتی حبیب اللہ پہلے بزرگ جن کے نام کا جزو ثانی یہ کلمہ بنا۔ ان کی کثیر اولاد میں پانچ بچوں کے علاوہ سب کے نام کے ساتھ حق تھا۔

(۱۰) علی: فتح علی بن محمد تقی بن قاضی سعید کے نام کے ساتھ یہ لفظ پہلی مرتبہ آیا۔ یہ بزرگ

۱۱۴۲ھ میں حیات تھے۔

(۱۱) حسین : محمد حسین بن مفتی عبدالرحمٰن بن مفتی جعفر کے نام کے ساتھ پہلی مرتبہ حسین آیا۔ ان کی پیدائش اب سے تقریباً دو سو سال قبل ہوئی۔

(۱۲) حسن : قاضی غلام حسن عرف قاضی محمد حسن بن قاضی محمدی کے نام کا جزو پہلی مرتبہ یہ کلمہ بنا۔ ان کا انتقال ۱۲۶۱ھ میں ہوا۔

(۱۳) جدید نام : اب شاہراہ عام سے ہٹ کر ارشد محمود اور معظم سلیم جیسے نام زیادہ مقبول ہوتے جا رہے ہیں۔ پیرزادہ ابراہیم حنیف پہلے بزرگ تھے جنہوں نے اپنا نام محمد حنیف سے تبدیل کر کے جدید نام رکھا۔

ماخذ

اس کتاب کا تقریباً نصف حصہ میرے ہمعصروں کے حالات زندگی اور اس معاشرہ کے بیان پر مشتمل ہے جس میں پیدا ہو کر میں اس عمر کو پہنچا۔ جن اقربا سے میں خود نہ مل سکا یا خط و کتابت سے براہ راست حالات معلوم نہ کر سکا ان کے حالات اوروں سے معلوم کئے۔ کنبوں کے سربراہوں سے ان کے بیٹے پوتوں اور باپ دادا کے حالات معلوم کئے۔ اس طرح چار پانچ پشتوں کے حالات جمع ہو گئے۔

ان سے اوپر کی پشتوں کے حالات کے لئے ہمارا سب سے بڑا ماخذ کنز الآثار ہے جس سے ہم دور اکبری تک پہنچ جاتے ہیں۔

میرے اور ہمعصر اقربا کے ذاتی علم اور کنز الآثار کے علاوہ جن اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کتب و رسائل سے مآثر الاجداد کی تیاری میں مدد لی گئی ہے۔ ان کے نام صفحات آئندہ پر ملاحظہ ہوں۔

سعادت احمد بن پیرزادہ الحاج محمد اکرم صدیقی

(ی) اردو رسائل و اخبار

۱۔ اورینٹل کالج میگزین لاہور فروری ۱۹۳۲ء اور مئی ۱۹۶۳ء

۲۔ رسالہ اردو دہلی اکتوبر ۱۹۴۲ء

۳۔ رسالہ اقدام لاہور ۲۲ اپریل ۱۹۶۲ء

۴۔ رسالہ المائدہ لاہور اگست ۱۹۳۳ء، ستمبر ۱۹۳۳ء، اکتوبر ۱۹۳۳ء، نومبر ۱۹۳۳ء، جنوری ۱۹۳۵ء۔

۵۔ رسالہ ترجمان القرآن شعبان ۱۳۵۲ھ، رمضان ۱۳۵۲ھ

۶۔ 〃 جوہر دہلی اقبال نمبر ۱۹۳۸ء

۷۔ 〃 محمد علی نمبر ۱۹۵۳ء

۸۔ 〃 داعی الی اللہ لاہور یکم شوال ۱۳۵۲ھ

۹۔ 〃 شاہد لاہور ۴ اکتوبر ۱۹۴۸ء

۱۰۔ 〃 تنویر لاہور ۲۰ فروری ۱۹۵۸ء، ۲۳ فروری ۱۹۶۴ء

۱۱۔ 〃 لیل و نہار لاہور ۵ مارچ ۱۹۶۱ء

۱۲۔ 〃 نیوز ایجنسی دہلی ۲۲ ستمبر ۱۹۲۸ء، یکم جنوری ۱۹۲۹ء

۱۳۔ اخبار احسان لاہور ۹ اگست ۱۹۴۱ء

۱۴۔ 〃 الامان دہلی ۲۳ جنوری ۱۹۲۸ء

۱۵۔ 〃 الجمعیۃ دہلی ۲۷ جولائی ۱۹۲۰ء، ۲۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء، ۲۷ جنوری ۱۹۲۸ء، ۵ نومبر ۱۹۲۸ء

۱۶۔ 〃 امروز لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۶۳ء

۱۷۔ 〃 پرتاپ لاہور ۱۰ اگست ۱۹۴۱ء

۱۸۔ 〃 پیغام صلح لاہور ۳۰ نومبر ۱۹۳۰ء، ۷ جون ۱۹۳۱ء

۱۹۔ 〃 تعلیم لاہور ۲۷ نومبر ۱۹۳۰ء

۲۰۔ 〃 حمایت اسلام لاہور ۳۰ نومبر ۱۹۳۰ء

۲۱۔ 〃 زمیندار لاہور ۹ مئی ۱۹۳۷ء

۲۲۔ 〃 سیاست لاہور ۲۷ نومبر ۱۹۳۰ء

۲۳۔ 〃 مشرق لاہور ۲۶ جنوری

۲۴۔ اخبار ملاپ لاہور ۱۸؍ جنوری ۱۹۲۸ء
۲۵۔ 〃 نوائے وقت لاہور ۱۴؍ اگست ۱۹۶۲ء، ۱۱؍ ستمبر ۱۹۶۲ء
۲۶۔ 〃 نیر اعظم مراد آباد ۲۶؍ دسمبر ۱۹۱۲ء

(ب) اردو، فارسی، عربی، انگریزی اور پنجابی کُتب

۲۷۔ آبِ کوثر: شیخ محمد اکرم سی ایس پی مطبوعہ فیروز سنز لاہور تیسرا ایڈیشن
۲۸۔ ایپگرافیکا انڈو مسلیمیکا (انگریزی) ۱۹۱۴ - ۱۹۱۳ء
۲۹۔ آخر گت: حضرت شاہ محمد رمضان شہیدؒ
۳۰۔ اذکارِ قلندری (فارسی): پیر فرخ بخش مطبوعہ لاہور ۱۹۵۷ء
۳۱۔ اسنادالاشجار قلمی (فارسی) حضرت شاہ غلام جیلانیؒ
۳۲۔ الاستیعاب (عربی): ابن عبدالبر
۳۳۔ البیرونیز انڈیا (انگریزی ترجمہ) ڈاکٹر سخاؤ
۳۴۔ التحائف خواجہ خواجگان: قاضی عطاء الرحمٰن منظر
۳۵۔ الہارون: مولوی مصباح الدین
۳۶۔ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا (انگریزی)
۳۷۔ امداد فی مآثرالاجداد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (فارسی)
۳۸۔ انسان اور اس کی علامتی (قلمی) پیرزادہ ابراہیم حنیف
۳۹۔ انشائے امیر (قلمی فارسی) امیر اللہ شہیدؒ
۴۰۔ انشائے محمدی (قلمی فارسی) مسیح الزمان زاہدی ہانسوی
۴۱۔ انیس الاعتقاد (قلمی فارسی) عظیم الدین صدیقی الہمی
۴۲۔ اورادِ حبیبیہ (قلمی فارسی): مفتی حبیب اللہ ثانی
۴۳۔ آئین اکبری: انگریزی ترجمہ گلیڈون اور جیرٹ مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ
۴۴۔ بلبلِ باغ نبی: حضرت شاہ محمد رمضانؒ
۴۵۔ بیاض امیر اللہ شہیدؒ (قلمی فارسی)
۴۶۔ بیاض جمیل احمد (قلمی)

۴۷۔ بیاض خلیل الدین آزاد صمدانی (قلمی)
۴۸۔ بیاض شوکت جہاں نسرین
۴۹۔ بیاض ضمیر الدین اظہر (قلمی)
۵۰۔ 〃 ظہور اللہ شہید (قلمی)
۵۱۔ 〃 فرحت جہاں فرحت (قلمی)
۵۲۔ 〃 قاری فیض الحسن (قلمی)
۵۳۔ 〃 شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ (قلمی فارسی)
۵۴۔ 〃 ممتاز الدین ممتاز (قلمی)
۵۵۔ پنجابی دا ادب تے تاریخ منشی عبدالغفور قریشی مطبوعہ تاج بک ڈپو لاہور
۵۶۔ پنجاب یونیورسٹی کلنڈر (انگریزی) ۱۸۸۳ء، ۱۸۸۴ء، ۱۸۸۵ء
۵۷۔ تاریخ ابوالفداء: اردو ترجمہ
۵۸۔ تاریخ الامت: حافظ اسلم جیراجپوری
۵۹۔ تاریخ الخلفاء سیوطی اردو ترجمہ
۶۰۔ تاریخ جھجر منشی غلام نبی تحصیلدار
۶۱۔ تاریخ عبرت افزا مرتبہ مرزا علی رضا مخزوں مراد آبادی مطبوعہ برادس پریس مراد آباد (طبع اوّل)
۶۲۔ تاریخ فرشتہ: مطبوعہ نولکشور
۶۳۔ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد ۲: سید ہاشمی فرید آبادی
۶۴۔ تشریح الاحکام الفرقان: مولوی ممتاز الحق صدیقی نکھنوی
۶۵۔ تقریب التہذیب (عربی): ابن حجر
۶۶۔ تفسیر آل محمد: پیرزادہ ابراہیم حنیف
۷۷۔ تقویم ہجری و عیسوی ابوالنصر خالدی شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۵۲ء
۷۸۔ تہذیب التہذیب ابن حجر (عربی)
۷۹۔ ٹری ڈائٹ آف دی مغلز (انگریزی) پرسیول سپئیر
۸۰۔ جامع التواریخ مصنفہ رشید الدین
۸۱۔ چہل حدیث منظوم اردو ترجمہ از امیر اللہ شہیدؒ (قلمی)

۷۲۔ حالاتِ خواتین (قلمی) عائشہ بیگم

۷۳۔ حالاتِ غدر (قلمی) مولوی عبدالشکور

۷۴۔ حیاتِ نظامی خواجہ رکن الدین نظامی مطبوعہ دہلی

۷۵۔ دہلی دربار رپورٹ ۱۹۱۱ء (انگریزی)

۷۶۔ دہلی یونیورسٹی کلنڈر (۱۹۲۶ء) انگریزی

۷۷۔ دہنیر نامہ بی بی فاطمہ (قلمی) شاہ عبدالحکیم مہی

۷۸۔ دیباچہ سلسلۃ الانساب (قلمی) احتشام الحق

۷۹۔ دیوانِ اسرار حصہ اول مطبوعہ دہلی ۱۹۳۲ء مولانا اسرار الحق

۸۰۔ رام بھرونکا مرری خضر ارحمن مطبوعہ جیل پریس جگالاعاٹر

۸۱۔ رجسٹر پیدائش و اموات جہیم (قلمی) بابت

۸۲۔ رپورٹ انجمن ترقی اردو خواتین پاکستان ۱۹۵۲ء

۸۳۔ رسالہ شوکت مولانا شوکت علی پنشنر ریاست رامپور (قلمی)

۸۴۔ رسالہ تبض (قلمی فارسی) مولوی امام الدینؒ

۸۵۔ زنگیلی: شاہ محمد رمضان شہیدؒ

۸۶۔ روضۃ الرضوان مصنفہ مولوی عبدالشکور و سید عطاء الحق مطبوعہ دہلی

۸۷۔ روضۃ الصفا (فارسی): اخوند میر

۸۸۔ سفرنامچہ منہاج الحق (قلمی)

۸۹۔ سپیچز اینڈ رائٹنگز آف مسٹر جناح (انگریزی) مرتبہ جمیل الدین احمد

۹۰۔ سفرنامہ ابن بطوطہ اردو ترجمہ مولوی محمد حسین عارف

۹۱۔ سنس رپورٹ آف انڈیا ۱۹۲۱ء جلد ۱۶ (انگریزی)

۹۲۔ سیرت الصدیق نواب حبیب الرحمٰن شروانی

۹۳۔ شجرہ الماس کفیل احمد الماس پیانی

۹۴۔ شجرہ الیاس محمد الیاس ہاشم

۹۵۔ شجرہ اولاد بندگی شیخ موسیٰؒ

۹۶۔ شہباز شریعت مولوی نور محمد (پنجابی)

۹۷۔ مثنوی جنون المجانین (قلمی فارسی) حضرت شاہ نصر اللہ نصرتیؒ

۹۸۔ مثنوی راز بے خودی خان بہادر ڈپٹی مظفر احمد فضلی مطبوعہ دہلی

۹۹۔ مجموعہ نظم عارف: خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین ایم۔اے

۱۰۰۔ مراد العاشقین: مراد شاہ لاہوریؒ (فارسی)

۱۰۱۔ مراد المبین: مراد شاہ لاہوریؒ (فارسی)

۱۰۲۔ مصباح السالکین (قلمی فارسی) محمد عبدالعظیمؒ گیلانی لاہوری ثم پانی پتی

۱۰۳۔ معرف الانساب: پیرزادہ ابراہیم حنیف (قلمی)

۱۰۴۔ معیار الاشجار مرتبہ منظور الحق صدیقی (قلمی)

۱۰۵۔ معیار الانساب: (قلمی) امداد الحق

۱۰۶۔ ملاک الاعتقاد (قلمی فارسی) شاہ محبوب اللہ الہ آبادیؒ

۱۰۷۔ رلت راجشاہی:

۱۰۸۔ مونس الذاکرین، مرتبہ عبدالقیوم (فارسی)

۱۰۹۔ موتیوں کا ہار: خان بہادر پیرزادہ محمد حسین عارف ایم اے

۱۱۰۔ مولود نامہ (قلمی) مولوی عیاض الحق

۱۱۱۔ نسب نامہ اصغر (قلمی)

۱۱۲۔ نسب نامہ الیاس (قلمی)

۱۱۳۔ نسب نامہ اولاد بندگی شیخ موسیٰ (قلمی و مطبوعہ)

۱۱۴۔ نعرہ ابوالولا: مولوی محمد اصغر (قلمی)

۱۱۵۔ نقیب الاولیاء جلد ۲ دفتر دوم: خان بہادر ڈپٹی مظفر احمد فضلی

۱۱۶۔ عقائد عظیم: شاہ محمد رمضان شہیدؒ

۱۱۷۔ فریاد قرابت: خان بہادر ڈپٹی مظفر احمد فضلی

۱۱۸۔ فقر اکبر (اردو ترجمہ) امیر اللہ شہیدؒ (قلمی)

۱۱۹۔ قانون سلوک حافظ انور علی (شرح چہار پایان سلوک شاہ غلام جیلانیؒ)

۱۲۰۔ قصیدہ بلیغ البیان: خان بہادر مظفر احمد فضلی (فارسی)

۱۲۱۔ کتاب الانساب (قلمی فارسی) میر محبوب علی

۱۲۲- کتاب الحوادث (قلمی عربی) مولانا حافظ الدین

۱۲۳- کتاب المعارف: ابن قتیبہ (اردو ترجمہ)

۱۲۴- کتبے: مہم کی عمارات کے

۱۲۵- کرسی نامہ: شاہ اللہ صدیق الٰہی (قلمی)

۱۲۶- کلیات قلندر شاہ

۱۲۷- گزیٹئر ریاست دوجانہ (انگریزی)

۱۲۸- گزیٹئر ضلع حصار (انگریزی)

۱۲۹- گزیٹئر ضلع رہتک (انگریزی)

۱۳۰- گزیٹئر ضلع گوڑگاؤں (انگریزی)

۱۳۱- گلبانگ سخن (فارسی) خان بہادر پیرزادہ ڈپٹی مظفر احمد فضلی

۱۳۲- واپسی بحواتی در حالت پیری و ناتوانی (قلمی) مولوی محمد اصغر

۱۳۳- وصیت نامہ: شاہ محمد رمضان شہیدؒ

۱۳۴- وقایۃ الانساب (قلمی) پیرزادہ ابراہیم حنیف

۱۳۵- ہادیٔ ہریانہ: منظور الحق صدیقی مطبوعہ گوشۂ ادب لاہور۔

۱۳۶- ہسٹری آف انڈیا (انگریزی) الیٹ اور ڈاؤسن مطبوعہ کلکتہ

۱۳۷- برتا ہے جادو پیا جھر کا رواں ہمارا، مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس مسعود

مرحبا۔

اشاریہ

ا

ب

بھ

پ

ت

ث

ج

جھ

چ

چھ

ح

ش

ط

ظ

ع

غ

ف

کھ

گ

گھ

ل

م

محمد

سجاد احمد — صفحہ 71

337 Page
35
159

ن

قطعاتِ تاریخ طبعِ کتاب ہذا

(۱)

از شاعرِ شیوا بیان فخرِ تاریخ گویان جناب سید خورشید علی مہر تقوی جے پوری مقیم کراچی

در حالِ خاندانِ محمد قوام دین
منظور حق نوشت چہ گریز تذکرہ
اے مہر یافتم پے تالیف ایں کتاب
تاریخ دلپذیر "دلآویز تذکرہ"

۱۳۸۲ ھ

(۲)

از جناب قاضی امین الرحمٰن امین صدیقی

بیانِ اولادِ سیدنا قاضی قوام الدین

۱۳۸۲ ھ

خوشا نمونۂ اسلاف نکتہ داں منظور
کہ ایں نگارشِ زیبا بُوَد مبارک باد
نوشت تذکرۂ دودۂ قوام الدین
فقیہہ و زبدۃ الباب و قدوۂ امجاد
امین از پے تاریخ طبعِ ایں تالیف
بگو "لطائفِ حکمت، مآثر الاجداد"

۱۳۸۲ ھ

ترانۂ قومی

پاک سرزمین شاد باد — کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالی شان — ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام — قوتِ اخوتِ عوام
قوم ملک سلطنت — پائندہ تابندہ باد
شاد باد منزلِ مراد

پرچم ستارہ و ہلال — رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال — جانِ استقبال
سایۂ خدائے ذوالجلال

از نور چشم احمد رضا سلمہ

حفیظ

11/4/62